مدارس اسلامیہ کے، تعلیمات وانتظامات سے متعلق، تجرباتِ اکابر کا نچوڑ

منظمِ مدارس

دینیات، ناظرہ، حفظ

جلد اوّل

پسند فرمودہ

نمونۂ اسلاف حضرت مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم

مہتمم دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب دامت برکاتہم

ناظم ادارہ اشرف العلوم حیدر آباد

مرتب مفتی ابوبکر جابر قاسمی مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

Faisal International

مُنتظمِ مدارس

جلد اول

(دینیات، ناظرہ، حفظ)

مرتب

مفتی ابوبکر جابر قاسمی

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

پہلا ایڈیشن: ۱۴۳۹ھ = ۲۰۱۸ء

نام کتاب	:	منظم مدارس (دینیات، حفظ، ناظرہ)
ترتیب	:	مفتی ابوبکر جابر قاسمی، 09885052592
		مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی، 09550081116
صفحات	:	231
گرافکس تزئین	:	مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری، قبا گرافکس، حیدرآباد فون: 09704172672, 8801198133
ناشر	:	دارالدعوہ والارشاد، یوسف گوڑہ، حیدرآباد

ملنے کے پتے

- مدرسہ خیر المدارس، بورابنڈہ، حیدرآباد، فون: 23836868 - 040
- دکن ٹریڈرس، پانی کی ٹانکی، مغلپورہ، حیدرآباد، فون: 66710230 - 040
- مکتبہ کلیمیہ، یوسفین ویڈنگ مال، نامپلی، حیدرآباد

اجمالی فہرست

تعلیمات 23 - 231

تفصیلی فہرست مضامین

تعلیمات

نسیان قرآن

تقریظ

نمونۂ اسلاف مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم دیوبند وخلیفہ حضرت مفتی محمودالحسن صاحب گنگوہیؒ

(Mufti) Abul Qasim Nomani
Mohtamim (VC) Darul Uloom Deoband
(مفتی) ابوالقاسم نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند، الہند
PIN- 247554 (U.P.) INDIA Tel: 01336-222768 E-mail: info@darululoom-deoband.com

Ref. .... Date:.................

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

جناب مفتی ابوبکر جابر قاسمی اور مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی صاحبان کی مرتب کردہ کتاب ''منظم مدارس'' (انتظامات ومالیات) اور ''منظم مدارس'' (دینیات، حفظ وناظرہ) اس وقت میرے پیش نظر ہے۔

دونوں کتابوں کا مجموعی حجم تقریباً ساڑھے تین سوصفحات پرمحیط ہے۔اپنے مشاغل کی بنا پر پوری کتاب کا تفصیلی مطالعہ تو بہت مشکل ہے؛ البتہ متفرق مقامات سے کتاب دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ مرتبین کتاب کے پیش نظر مدارس کے نظام کو اس طرح مرتب اور منظم کرنا ہے کہ مدارس کے انتظامی اور تعلیمی شعبوں میں سے ہر شعبہ کے لیے طے شدہ اصول اور طریقۂ کار منضبط ہوں اور انھیں کے ماتحت ادارہ کا نظام چلایا جائے۔

مرتبین نے مختلف اداروں کی ہدایات اور اکابر ومشائخ کے معمولات وارشادات اور خود اپنے عملی تجربات کو سامنے رکھ کر ایک مفصل نظام مرتب کردیا ہے۔جن سے کام کرنے والوں کو روشنی مل سکتی ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ اصول وضوابط اور طریقہ ہائے عمل نہ تو منصوص ہیں اور نہ ہر چھوٹے بڑے ادارہ میں ان اصول کے ہر جزو پر عمل آسان ہے؛ اس لیے ان اصول وقواعد کو خیر خواہانہ مشورہ کی حیثیت دی جاسکتی ہے جن سے ارباب مدارس استفادہ کرسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرمائے اور اہل مدارس کے لیے مفید بنائے۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہٗ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۱۴۳۹/۵/۱۰ھ=۲۰۱۸/۱/۲۸ء

تقریظ

مولانا محمد عبدالقوی صاحب دامت برکاتہ
خلیفہ حضرت مولانا سعید صاحب پرنام بٹ دامت برکاتہم
وناظم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد وصدر رابطہ عربی مدارس اندھرا پردیش وتلنگانہ

اہل علم کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ مدارس دینیہ اسلامیہ کی کیا اہمیت ہے؟ وہ خودان مدارس کواسلام کے قلعے، رجالِ کار کی فیکٹریاں، سپاہیانِ دین کے مصانع اور جانے کیا کیا کہتے رہتے ہیں، مگر جولوگ ان مدارس کے لئے ایسے ایسے عظیم القاب کواستعمال کرتے ہیں اوراپنی رودادوں کی پیشانی پر علامہ اقبال مرحوم کا حقیقت پر مبنی ایک تجزیہ پیش کرنے کو مدارس کی وقعت بڑھانے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، بڑے افسوس اور نہایت رنج کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اکثرخود ہی ان مدارس کے حقیقی مقاصد ومنافع کے سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں؛ کیوں کہ آج کل مدارس ومساجد مادی عمارات کے اعتبار سے توایک سے بڑھ کر ایک وجود میں آرہے ہیں، مگر تعلیم وتربیت اور فکرونظر کی استقامت کا سبب نہیں بن رہے ہیں۔

جن لوگوں نے مدارس کے موجودہ نظام کی داغ بیل ڈالی یا بنیاد رکھی تھی اُن کے سامنے، اُن سے زیادہ وسیع وعمیق مقاصد تھے جواس قافلے کوآگے لے کر جانے والوں کے پیش نظر ہیں، یہ نظام اپنے ابتدائی مرحلے میں بہت اگر چہ ظاہری تزک واحتشام سے محرومی اور بے سروسامانی کے عالم میں ہوا کرتا تھا، مگر دیانت وامانت، تعلیم وتربیت، اتباعِ سنت، خوفِ خدااورتسلیم ورضا کے وہ مناظر ہوتے تھے جواب ڈھونڈنے سے بھی ملنے مشکل ہو گئے

ہیں، وہ واقعتاچٹائیوں پر بیٹھنےاور چھپروں میں سر چھپانے اور بوسیدہ اوراق پڑھنے پڑھانے کے باوجود اپنے مدارس سے اسلام کے سپاہی اور مسلمانوں کے محافظ پیدا کرتے تھے۔

غور کیجئے تو اس کی وجہ اسباب کی فراوانی نہ تھی، اس کی وجہ مقاصد کی بصیرت اور علم وعمل کی یکسانیت تھی، احساسِ ذمہ داری اور شعورِ مسئولیت نے اِن کاموں کو اُن کے لئے بارِ گراں بنادیا تھا، وہ اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونے اور پکڑے نہ جانے کی خاطر ہر وہ تدبیر اپناتے تھے جو اس کے لئے معاون ومددگار ہوسکتی تھی، یعنی مالیات سے لے کر تعلیمات تک ہر جگہ دیانت وتقویٰ کا دامت تھامے ہوئے تھے، اُن کے سر پر کوئی بڑا ہوتا تھا اس کی نگرانی وراہنمائی میں عافیت محسوس کرتے تھے، اب جو صورت حال ہے وہ ناقابل بیان ہےاوراس کے نتائج بھی آنکھوں کے سامنے ہیں، اکثر مدارس میں نہ مالیات میں صفائی ہے، نہ انتظامات قابلِ تحسین ہیں اور نہ ہی تعلیم وتربیت کا معیار قابل اطمینان! یہ اور بات ہے کہ ما من عام إلا خص عنہ البعض کے قاعدے سے مدارس بھی مستثنٰی نہیں۔

مدارس کی موجودہ صورت حال کا تجزیہ کیا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس وقت مدارس دینیہ تین طبقوں میں منقسم ہیں: (۱) باقاعدہ، ضابطےاور اُصول کے مطابق کام کرنے والے مدارس جو مقاصد کی تکمیل میں سلیقے کے ساتھ مصروف ہیں، اُن کے نتائج بھی بہترین ہیں۔ (۲) وہ مدارس جنہیں مخلص ومحنتی لوگوں نے قائم کیا ہے، مگر اُن کے سامنے مقاصد ومنافع کا محدود تصور ہے، نیز وہ اس کام کے لئے غیر تربیت یافتہ ہیں، ان مدارس میں کام تو ہو رہا ہے، مگر معیار کم زور ہے۔ (۳) وہ مدارس جن کے قیام کا مقصد ہی نام ونمود اور حصول زر کے علاوہ کچھ نہیں، یہ مدارس انتہائی غیر ذمہ دار اور خائن لوگوں کے ہاتھوں اس عظیم کام اور علماء کرام کی بدنامی کا سبب بنے ہوئے ہیں۔

ہمارے خیال میں پہلے طبقے کی ہمت افزائی تعاون اور ہر طرح کی مدد وقت کی اہم ضرورت ہے، دوسرے طبقے کی راہ نمائی اور تربیت اُن کے مؤثر ومفید ہونے میں مددگار ہوسکتی ہے، تیسرے طبقے کے خلاف بہت جلد کسی اخلاقی دباؤ اور مؤثر شکنجے کی صورت سوچی

جانی چاہئے، جسے تمام علماء بالاتفاق عمل میں لاکر خدامِ دین کو عامۂ مسلمین میں رسوائی سے بچاسکیں۔

ہمارے سامنے اس وقت جو کتاب ہے ''منظم مدارس'' وہ پہلے اور دوسرے طبقے کے لئے نہایت مفید اور مددگار مواد پر مشتمل نعمتِ غیر مترقبہ ہے، جس میں سینکڑوں اہلِ علم وتجربہ کی تصانیف سے منتخب کردہ قیمتی سرمایہ محفوظ کردیا گیا ہے، ہمیں اُمید ہے کہ فکر منداور سنجیدہ وذمہ دار نظمائے مدارس اس کتاب سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے، اور مصنفان کی محنت مشکور ہوگی، باقی جہاں تک تیسرے طبقے کا تعلق ہے کاش کہ اکابر علماء اور بڑے مدارس کھیت چُگ جانے کے بعد پچھتاوے سے پہلے کوئی مؤثر قدم اٹھاسکیں، اور اس مہذب لوٹ مار کا خاتمہ کرکے عنداللہ سبکدوش ہوسکیں۔

میں عزیزم مولانا محمد ابوبکر جابر قاسمی صاحب زیدہ رشدہ اور اُن کے رفیقِ کار مولانا رفیع الدین حنیف قاسمی زید رشدہ کو اس وقیع کوشش پر مبارک باد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ان کی یہ محنت رنگ لائے، اہل مدارس اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں، آمین وصلی اللہ علی النبي الکریم۔

محمد عبدالقوی غفرلہ
۱۸/ جمادی الاولیٰ ۹ ۳ھ

پہلی بات

مدارس دینیہ موجودہ زمانے میں اپنے محدود وسائل، قوم کی بے حد ناقدری، طلبہ کے والدین کی سردمہری ولا پرواہی، حکومتوں کا وقتاً فوقتاً بے جا مداخلت و ہراسانی، خود بعض اہل مدارس کی غلط نمائندگی و غلط کاری کے باوجود بہت بڑا محاذ سنبھالے ہوئے ہیں، حفاظ کرام، علماء دین کی وہ جماعت جو پورے عالم میں تحفظ شریعت اور اہل سنت والجماعت کی سچی، نفسانیت ومرعوبیت سے پاک ترجمانی کرنے والے، عیسائیت، قادیانیت اور دیگر فرق ضالہ سے مناظرے مغرب کی طرف سے آنے والے تشکیک واستشراق کا تحقیقی ومعقولی جواب، مسجد کے امام، وخطیب، خاندانی تنازعات کا حل بتانے والے، سیاست میں قوم کے رہبر، تصنیف وتالیف کا کام سنبھالنے والے انہیں مدارس کے مرہون منت ہیں، مسلم قوم اپنے مسائل میں اور اپنے اموال کے مصارف میں آج بھی جتنا اعتماد ان پر کرتی ہے، کسی اور طبقہ پر نہیں کرتی، اس ہوش ربا مہنگائی، بڑھتی ہوئی معیار زندگی، علاج وتعلیم کے اخراجات کا بڑھتا ہوا بوجھ رکھتے ہوئے مدارس کا عملہ تدریس کی ذمہ داری سنبھالا ہوا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دینی ماحول میں عصری اسکول بھی ان مدارس کا بدل نہیں اور نہ ہی کالجوں اور اسکول کے ساتھ حفظ کرانے والے ادارے اس کا بدل ہیں، اہل مدارس کی جفاکشی ویکسوئی ان کی رجال سازی وپامردی مثالی ہے، اسلامی تربیت کے ساتھ ماڈرن اسکول کی ضرورت کا انکار نہیں، اور دینی مدارس کی بعض کوتاہیوں، بے اصولیوں کا بھی اعتراف ہے، امتِ مسلمہ کی نسل نو کا بڑھانے، عام انسان کی غلط فہمی دور کرنے اور نظام

مالیات کو مستحکم بنانے کے لئے آسان حقیقی اور اولین حل یہ ہی سمجھ میں آرہا ہے کہ ان کو مؤثر بنایا جائے، اپنے اکابر کی طرح تقاضۂ وقت کی رعایت کرتے ہوئے انہیں منظم کیا جائے، داخلی اصلاح کی فکر ہی خارجی احوال کو موافق بنائے گی: "إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ" خود احتسابی ترقی کا راز ہے، پھر زمانے وعوام کا شکوہ باقی نہیں رہتا، نافع چیز کی کون عقلمند نا قدری کرتا ہے "أما الزبد فیذهب جفاء وأما ما ینفع الناس فیمکث فی الأرض" بے فائدہ چیز اور شجر سے ناوابستہ پتہ کی عمر بہت کم ہوتی ہے، ہم نے یہ ایک کوشش کی ہے تعلیمات، انتظامات اور مالیات کے ابواب میں حضرت نبی کریم ﷺ، تاریخ، سوانح اکابر بالخصوص علماء دیوبند، ماضی قریب کی عظیم ہستیوں سے منقول، افادات، ملفوظات، اصلاحات اور تجربات کو پیش کیا ہے، بعض مسائل جیسے اوصاف مدرس، مارنے کے آداب واحکام میں شدت احساس اور بعض اکابر سے شدت تأثر جیسے حضرت ہردوئی وحضرت باندویؒ نے بعض تحریروں میں فرمایا ہے: میں بہت سارے مواقع میں تکرار یا عدمِ ترتیب کا شکار ہو چکا ہوں؛ لیکن باوجود بار بار نظر ثانی کے میں اس پر قابو نہیں پا سکا۔

معیاری مدارس ہر گلی کوچے میں بھی ہوں تو ناکافی ہیں، اپنے اسلاف واکابر کے مزاج ومنہاج، انداز تربیت وطرز تزکیہ، غیرت نفس وعظمت دین، انہیں کی دردمندی ودور اندیشی، طلبہ پر مادرانہ شفقت، معاملات کی شفافیت، اساتذہ کرام کی دماغ سوزی واپنائیت، معاونین کی للّٰہیت ودلچسپی ومساہمت، اطراف واکناف کی عوام سے گہرا رابطہ وغیرہ اگر پیدا کیا جائے تو ہمارے مدارس مزید مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں، شانِ انتظام اور مہارتِ تدریس رکھنے والے اہل اللہ اٹھتے جارہے ہیں، ان کے اصول وطریقے سے بے اعتنائی برتی جارہی ہے، مطبوعہ مواد بھی منتشر ہے، ذوقِ مطالعہ کا جذبہ مردہ ہو چکا، خال خال طالبین ہوتے ہیں، ان کی سیرابی کا سامان اس کتاب کے ذریعے کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بے طلب لوگ تو چھوٹے کتابچے بھی نہیں پڑھتے، ہمیں احساس ہے کہ کتاب بہت ضخیم ہو چکی ہے، مگر موضوع کی نزاکت وحساسیت، ضرورت وافادیت نے مجبور کر دیا، خود

احقر کو اندازہ ہے کہ اس نے اس ذخیرہ تک رسائی کے لئے کتنی عمر کاٹی اور کتنا تعب اٹھایا، اور میرے اکابر کے تجربات علم وانتظام کی گتھیاں کیسے سلجھاتے ہیں؟ ضرورت پڑنے پر کام کیسے نکل جاتا ہے؛ اس لئے ہم نے جس بات کو ضروری سمجھا ذکر کیا۔

خدا کرے کہ اربابِ انتظام کی تشنگی کا سامان تسکین ہوجائے اور پروردگار عالم مصنفین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ **وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ**

ابوبکر جابر قاسمی

۴/محرم/۱۴۳۹

۲۰۱۷/۹/۲۵

ملاحظہ: اس پہلی جلد میں حفظ وناظرہ کے ضوابط اور عرب وعجم کے شمال وجنوب کے ماہرین کے تجربات کو نقل کیا گیا، دسیوں اکابرِ علماء کی تدریسی زندگیوں کا نچوڑ ہے، بار بار پڑھ کر طلبہ کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف طریقوں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، اکثر وبیشتر انہیں کے الفاظ میں نقل کیا گیا ہے، اس لئے مضامین بعض مواقع پر تکرار محسوس ہوگا؛ لیکن افادیت کے پیش نظر اس کو گوارا کرلیا گیا۔

تعلیمات

شعبۂ دینیات

ناظرہ قرآن پاک کی تعلیم کے لئے نورانی قاعدہ یا کوئی بھی قاعدہ، نورانی قاعدہ کے طرز پر پڑھایا جائے اور قاعدہ کو اس طرز سے واقف اساتذہ سے پڑھوایا جائے، مجوّد استاذ ہی ناظرہ قرآن کریم پڑھائے اور مجوّد ہی درجۂ حفظ کے لئے منتخب کیا جائے، ناظرہ میں صحت وروانی کا پورا خیال رکھا جائے، قواعد، تجوید کی پوری رعایت رکھ کر پڑھایا جائے، جو اساتذہ اس سے واقف اور اس کی پوری رعایت رکھ کر پڑھانے کے عادی ہوں انہیں کو مدرس رکھا جائے، مدرس کا طرز تعلیم میں بہت اہم کردار ہوتا ہے، ناقص اور ناواقف اساتذہ ہی مکاتب کی ''مٹی پلید'' کرتے اور مکاتب میں بچوں کے نہ آنے کا سبب بنتے ہیں، پڑھے لکھے ماں باپ مکتب کی لاپرواہی اور ناقص تعلیم اور غیر ضروری مار پیٹ دیکھتے ہیں تو وہ اپنے بچوں کو مکتب بھیجنے سے پرہیز کرتے ہیں۔

مدارس میں تعلیم کے شروع ہونے سے پہلے دعائیہ نظم پڑھوانا

بچوں کو کلمے، دعائیں، معنی خیز نظمیں، اجتماعی حاضری کے لئے مدرسہ شروع ہونے سے پہلے ''لب پہ آتی ہے دعا......''، ''اے خدائے پاک ورحمن......'' والے مناجات اشعار پڑھائے جائیں۔

اسلامی مدارس میں مدرسہ شروع ہونے سے پہلے دعائیہ نظم پڑھائی جاتی ہے، اس کے پڑھنے کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ایک بار دو طالب علم نظم کا ایک مصرعہ پڑھتے ہیں اور بقیہ طلباء ترنم کے ساتھ اسی مصرع کو دہراتے ہیں۔

اسی طرح نظم اور مناجات کو طلباء کا اجتماعی طور پر پڑھنا درست ہے۔
ایسی دعائیہ نظم جو اللہ کی ثناء اور رسول مقبول ﷺ کی صحیح تعریف و توصیف پر مشتمل ہو اجتماعی طور پر اسلامی مدارس میں بھی پڑھائی جاسکتی ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں؛ بلکہ مستحسن ہے:

مناجات

اے خدائے پاک و رحمن و رحیم — قاضی حاجات و وہاب و کریم
اے الہ العالمین اے بے نیاز — دین و دنیا میں ہمارے کار ساز
تو ہی معبود اور تو ہی مقصود ہے — تیرے ہی ہاتھوں میں خیر موجود ہے
ہم تیرے بندے ہیں اور تو ہے خدا — تو کریم مطلق اور ہم ہیں گدا
ہم گنہ گار ، اور تو غفار ہے — ہم بھرے عیبوں سے تو ستار ہے
ہم ہیں بے کس اور تو بے کس نواز — ہم ہیں ناچار اور تو ہے چارہ ساز
تو وہ قادر ہے کہ جو چاہے کرے — جس کو چاہے دے جسے چاہے نہ دے
تو وہ داتا ہے کہ دینے کے لئے — در تیری رحمت کے ہر دم ہیں کھلے
تیرے در پر ہاتھ پھیلاتا ہے جو — پا ہی لیتا ہے وہ ہر مقصود کو
مانگنا ہم پر کیا ہے تو نے فرض — اور سکھا ہم کو دیئے آداب عرض
مانگنے کو بھی ہمیں فرمادیا — مانگنے کا ڈھنگ بھی بتلادیا
بلکہ مضمون بھی ہر اک درخواست کا — ہم کو یا رب تو نے خود سکھلا دیا
ہر گھڑی دینے کو تو تیار ہے — جو نہ مانگے اس سے تو بیزار ہے
ہر طرف سے ہو کے ہم خوار وتباہ — آپڑے اب تیرے در پر یا الہ
گرچہ یا رب ہم سراپا ہیں برے — اب تو لیکن آپڑے در پر ترے
دل میں ہیں لاکھوں امیدیں جلوہ گر — ہاتھ اٹھاتے شرم آتی ہے مگر
تو غنی ہے اور ہم ہیں بے نوا — کون پوچھے گا ہمیں تیرے سوا

ہے تو ہی حاجت روائے دو جہاں　　ہم تیرا در چھوڑ کر جائیں کہاں
صدقہ اپنی عزت واجلال کا　　صدقہ پیغمبر کا، ان کی آل کا
اپنی رحمت ہم پہ اب مبذول کر　　یہ مناجات اور دعا مقبول کر(۱)

نیز مندرجہ ذیل مناجات بھی بہت عمدہ ہے، یہ پڑھی جائے:

عفو کر میرے جرائم یا خدا　　تو غفور اور میں ہوں گنہگار یا خدا
نیکی تو کرتا ہے اور میں کار بد　　میرے جرموں کی نہیں اللہ حد
کی بسر جو معصیت میں زندگی　　آخرش حاصل ہوئی شرمندگی
مبتلائے فسق وعصیاں میں رہا　　ہم قرین نفس وشیطان میں رہا
مبتلائے معصیت ہوں صبح وشام　　تیرے امر ونہی سے غافل مدام
ایک ساعت بے گنہ گذری نہیں　　اور حضور دل سے طاعت کی نہیں
بھاگ کر یہ بندہ آیا روبرو　　عفو کی کرتا ہے تجھ سے آرزو
کیوں کہ تیرا قول ہے لا تقنطوا　　ہووے کیوں کر تجھ سے انسان ناامید
تیری رحمت سے ہوں شیطان ناامید　　نفس وشیطان نے کیا گمراہ مجھے
نیک ہے امید تیرے لطف سے　　یاخدا مجھ کو گناہ سے پاک کر
قبل ازیں کہ دفن زیر خاک کر　　جان میرے جسم سے جب ہو جدا

ہو نہ قید قلب سے ایمان رہا(۲)

دعائیہ نظم

(حضرت مولانا شاہ جمال الرحمن صاحب مفتاحی، خلیفہ ڈاکٹر تنویر صاحب (خلیفہ حضرت مسیح اللہ خان صاحب) وخلیفہ حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب علیہ الرحمہ)

---

(۱) مناجات مقبول (آمین)

(۲) فتاوی رحیمیہ: ۱۵۶/۳

نورِ قرآن سے خدا ہم کو منور کردے
علم نافع دے تیرے ذکر کا خوگر کردے

تیرے دیں کے ہی رہیں تادم آخر خادم
سارے عالم کا الٰہی ہمیں رہبر کردے

ہم سے پائے نہ اذیت کبھی کوئی ہرگز
حسن اخلاق کا آقا ہمیں پیکر کردے

جو ہمیں دیکھ لے لائے تیرے دین پر ایمان
ایسے اوصاف کا مولی ہمیں مظہر کردے

دونوں عالم میں سہارا ہے ہمارا تو ہی
کامیابی کو دو عالم میں مقدر کردے

نور قرآن سے خدا ہم کو منور کردے
علم نافع دے تیرے ذکر کا خوگر کردے

سورہ فیل سے آخر تک کی دس سورتیں اور نصیحت والی احادیث بچوں کو یاد کرائی جائیں اور اسلامی آداب سکھائے جائیں، وضو، تیمم ونماز کو عملاً سکھلایا جائے، صفائی پر خوب توجہ دی جائے۔

چھوٹے بچوں کو ان کی سطح سے اوپر کی باتیں یا مسائل یا واقعات نہ پڑھائے جائیں مثلاً آٹھ دس سال کے بچے کو موجبات غسل یا جنگوں کی تفصیلات یا ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد وغیرہ مضامین والی کتابیں مناسب نہیں ہیں، ان مضامین کا ان کے لئے سمجھنا دشوار ہے، اسی طرح زکوۃ کی تفصیلات، حج کی تفصیلات، ان کی گرفت سے باہر کی چیزیں ہیں، یہ مضامین بالغ ہوجانے اور مکتب کی تعلیم کے بعد کی تعلیم کے موقع پر پڑھائے جائیں۔

مکتب کے طلبہ کو گرین بورڈ پر سکھلائیں، ان کو سلیٹ پر حروف بنانا، نام لکھنا اور کتاب کے حروف کو سلیٹ پر لکھنے کی عادت ڈالیں اور ان کے لکھے حروف کی سلیٹوں کو

استاذ دیکھے اور غلطی ہو تو بتلائے، اساتذہ وہ منتخب ہوں جو املاء سے خوب واقف ہوں اور اغلاط بتلاسکیں، جس کا خط اچھا ہو اگر ایسے اساتذہ نہ ملیں تو موجود استاذ کو کسی قریبی مدرسہ میں جہاں تدریب المعلمین کا شعبہ ہو بھیجیں؛ تاکہ وہ دس دن میں طریقہ سیکھ کر آجائے، دینیات کے ابتدائی درجات میں ایک استاذ کے پاس ۱۵ طلبہ سے زیادہ نہ ہوں؛ تاکہ ان سے اچھی طرح مخاطبت ہو سکے اور سب کی املاء کی سلیٹیں دیکھی جاسکیں۔(۱)

مدرسین

بنیادی تعلیم کے لئے مدرسین کی ضرورت ہے، اس کے لئے حافظ، تجوید سے واقف، بااخلاق اور خدمت دین کا جذبہ رکھنے والے مخلص ایسے اساتذہ کی ضرورت ہے جو قناعت گزیں، خدا ترس اور بچوں کی نفسیات سے واقف، رحم دل، خود دار اور تعلیم کا تجربہ رکھنے والے ہوں، اس کے لئے علمی قابلیت کے ساتھ ساتھ کسی شیخ کامل کی کم از کم ایک سالہ صحبت یافتہ ہونا بہتر ہے۔

ابتدائی طلبہ

ابتدائی طلبہ کو تو ماں باپ یا استاذ سمجھا بجھا کر پیار کے انداز میں دینی تعلیم کی رغبت دلائیں اور معمولی تادیب کے ذریعہ صاف ستھرا رہنے، بڑوں کا ادب، کتابوں کا ادب، درس گاہ کا ادب، استاذ کا ادب اور سبق کو بلا ناغہ پڑھنے کی تلقین کریں اور اسباق کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کی کوشش کریں خود ان میں اس عمر میں کوئی احساس ذمہ داری یا نفع ونقصان کو جاننے کی صلاحیت نہیں ہوتی، اس لئے روضۃ الاطفال نامی مدارس کے بالکل کم عمر بچوں میں تعلیم کے دوران ہر بچے کی نفسیات ہی کو سمجھا جاتا ہے اور اسی سے اس کے مستقبل کی دلچسپیوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

شعبہ دینیات میں طلبہ کو دینی معلومات پر عبور کرانے کی مکمل کوشش کی جاتی ہے، اس شعبہ میں اردو زبان کی کتاب ''دینی تعلیم کے رسالے، تعلیم الاسلام، تعلیم الدین، تاریخ

(۱) مدارس دینیہ کے رہنما اصول، مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب: ۱۰، شعبہ نشر واشاعت اندور

الاسلام، آئینہ نماز، بہشتی زیور، دینی علم وغیرہ خوب سمجھا سمجھا کر پڑھائی جائیں، جو استاذ مخلصانہ جدوجہد اور ننھے منے بچوں کی نفسیات سے واقف ہو کر شفقت و پیار سے کام کراتے ہیں جس طرح بچوں کو قاعدہ، پارہ پڑھاتے ہیں، اس سے زیادہ ضروری سمجھ کر تعلیم اور اسلامی تہذیب سکھانے میں کوشش کی جائے، قاعدہ ختم ہوتے ہوتے ہی بچوں کے اسلامی عقیدے ٹھوس اور مضبوط بنا دئے جائیں۔(۱)

قاعدہ سمجھانے کا بہتر طریقہ

جس کا طریقہ یہ ہے کہ مدرس تختۂ سیاہ پر عمدہ خط سے پہلے مثال لکھے اور مقصود کلمہ کی طرف طلبہ کو ایسے سوالات سے توجہ دلائیں' جن کے جوابات، قاعدہ یا تعریف کو سمجھنا آسان کر دے۔

شعبۂ دینیات کے ذمہ دار کے لئے ہدایات

۱- صبح، دوپہر اور بعد مغرب طلبہ کو کلاسوں میں بٹھانا اور تاخیر سے آنے والے طلبہ کو سزا دینا۔

۲- چل پھر کر کلاسوں کی نگرانی کرنا اور فورا سبق سننا اور سبق شروع ہوا یا نہیں استفسار کرنا۔

۳- ہر مہینہ کے اخیر میں ماہانہ تفصیلی جانچ لینا اور تعلیمی رپورٹ پیش کرنا۔

۴- روزانہ ہر گھنٹہ میں اساتذہ کی طرف سے مطالبہ پر گھنٹے کی رخصت لکھنا اور کلاس میں تاخیر سے آنے پر تاخیر کا وقت لکھنا۔

۵- ہر ماہ کے اخیر میں وضع شدہ تنخواہ کی فہرست تیار کر کے دفتر پہنچانا۔

۶- شعبہ سے متعلق اساتذہ کی مغرب بعد اور عشاء بعد نگرانی طئے کرنا، پھر ان کی نگرانی روزانہ کرنا۔(۲)

---

(۱) تعلیم و تربیت کس طرح؟ مہربان علی ہردوئی: ۱۵۱، حیات الاسلام، مظفر نگر

(۲) معین المدارس، مفتی شاکر صاحب: ۸۲

ضروری ہدایات برائے اساتذۂ دینیات

۱- ہر استاذ اپنی کلاس کے طلبہ کی کتابوں پر روزانہ کے سبق کی تاریخ ڈالیں۔

۲- طالب علم نے سبق سنایا یا نہیں اس کی کاپی بنی ہوئی ہو، اس میں جس طالب علم نے سنایا ہے اس کی مقدار لکھی جائے، کلاس کے اوقات میں نہیں سنایا تو اس کو شام تک موقع دیا جائے اس خانہ کو خالی رکھا جائے شام میں سنا دیا تو لکھ دیں ورنہ (x) ضرب کا نشان لگا دیں، پھر اس طالب علم کا نام لکھ کر جزا وسزا کے ذمہ دار استاذ کے پاس بھیج دیں۔

۳- اگر استاذ رخصت پر ہے تو کاپی میں سبق کی مقدار کی جگہ ''رخصت استاذ'' طالب علم اگر رخصت پر ہے تو صرف ''رخصت'' لکھ دیں۔

۴- کلاس کے اوقات میں ٹوپی نکال کر یا پیر پھیلا کر نہ بیٹھیں کہ اس سے طلبہ میں بے وقعتی پیدا ہوتی ہے۔

۵- سوتے ہوئے نہ پائے جائیں۔

۶- رجسٹر میں دستخط رنگین قلم سے نہ کریں اپنے طور ''رخصت'' یا ''رخصت بلا تنخواہ'' یا ''غیر ضروری'' نہ لکھیں یہ کام ذمہ دار خود کرے گا۔

۷- ایک دن میں دو استاذ ایک ساتھ رخصت پر کہیں نہ جائیں، ورنہ جس کی پہلے رخصت منظور ہو چکی ہے، اس کی ''رخصت'' لکھی جائے گی اور دوسرے کی ''رخصت بلا تنخواہ'' لکھی جائے گی انتہائی مجبوری اس سے مستثنی ہے۔

۸- گھر پر جانے کے بعد فون کے ذریعہ رخصت تو منظور ہوگی؛ لیکن وہ رخصت بلا تنخواہ ہوگی اور فون کے ذریعہ اطلاع نہ دینے کی صورت میں غیر حاضری لکھی جائے گی۔

۹- ششماہی اور سالانہ و ماہانہ نصاب متعین ہے وہ بالکل پابندی کے ساتھ مکمل کرنا ضروری ہے، چاہے خارج میں وقت دینا پڑے۔

۱۰- ایک دن کی ''رخصت بلا تنخواہ'' پر ایک دن کی تنخواہ جاری مہینہ ہی میں سے وضع ہوگی،

اسی طرح دو دن پر دو دن کی۔

۱۱- مغرب کے بعد نگرانی میں یا گھنٹہ پڑھانے کے وقت اپنے کام سے یا مدرسہ کے کام سے نہ آنے کی صورت میں ذمہ دار کو اطلاع دینا ضروری ہے، ورنہ غیر حاضری لکھی جائے گی۔

۱۲- سبق کی غلطی پر سیس پینسل سے نشان لگائیں اور اس کی اصلاح کی فکر کریں۔

۱۳- کلاس میں پہنچنے کے بعد سب سے پہلے طلبہ کی حاضری لیں اگر کوئی طالب علم کلاس میں موجود نہ ہو تو استاذ اپنے شعبہ کے ذمہ دار کو اطلاع دیں اور ذمہ دار آفس میں اطلاع دیں۔

۱۴- اساتذہ اپنی کلاس کے تمام بچوں کا سبق سننے کے بعد اگر کوئی دوسری کلاس کے طلبہ ہوں تو ان کا بھی سبق سنیں اور اس کو یاد کرانے کی فکر کریں۔

۱۵- تمام اساتذہ کلاس میں پانچ منٹ پہلے پہنچنے کی کوشش کریں۔

۱۶- بچوں کی مار پیٹ نہ ہو؛ بلکہ ان کو پیار ومحبت سے پڑھائیں ان کو آنکھوں سے ڈرائیں۔

۱۷- اساتذہ کلاس میں ادب کے ساتھ بیٹھیں۔

۱۸- بچوں کو بیٹھنے کا طریقہ سکھائیں۔

۱۹- بچوں کے سبق کے اندرون اور مشق وقواعد پر زیادہ توجہ دیں۔

۲۰- اردو کے اندر بچوں کو تختہ سیاہ پر لکھا کر مشق کرائیں اور بچوں کی طرف سے تختی کا استعمال زیادہ لیں۔

۲۱- استاذ اپنے بچوں کو جو سبق آئندہ کا دیا جارہا ہے خود اس کو ایک دو مرتبہ پڑھا کر مشق کرائیں۔

۲۲- اساتذہ دعاؤں میں بھی صحت الفاظ کا لحاظ رکھتے ہوئے پڑھائیں۔

۲۳- بچوں کا سبق خود استاذ سنیں، بچوں سے نہ سنوائیں۔(۱)

---

(۱) معین المدارس مؤلف: مفتی شاکر خان صاحب قاسمی: ۸۵

۲۴- بچوں کو شروع سے آداب اسلامی سکھائیں؛ تاکہ معصوم ذہنوں میں صحیح اسلامی تعلیم کا نقش بیٹھے اور ان کی زندگی اسلامی سانچے میں ڈھل سکے۔

۲۵- ہر وقت کی دعائیں، مثلاً سونے جاگنے، مسجد جانے ونکلنے، بیت الخلاء جانے ونکلنے کی سنتیں یاد کرائی جائیں، ایسے ہی نماز اور وضو کی سنتیں، فرائض وضو، مستحبات ومکروہاتِ وضو، واجباتِ نماز، مکروہاتِ نماز وغیرہ شروع ہی سے یاد کرانے کا اہتمام کیا جائے۔

۲۵- علم کا ادب، کتابوں کا ادب، کاغذ کا ادب غرضیکہ علم اور متعلقات علم کے آداب بھی بچوں کو ذہن نشیں کرائے جائیں؛ بلکہ اس پر عمل کی بھی برابر ہدایت کی جائے؛ تاکہ علم کی عظمت ان کے قلوب میں بیٹھے۔

۲۶- قرآن مجید اور پاروں کے ادب میں کوتاہی پر تنبیہ بھی کی جائے۔(۱)

نصاب دینیات کا نقشہ کچھ اس طرح ہو

دینیات	پہلے چار مہینے	نورانی قاعدہ مکمل سورہ فیل سے والناس	نورانی قاعدہ مکمل	تجوید کے ساتھ حفظ	اردو کا قاعدہ مکمل ''مولوی اسماعیل صاحب''، خوشخطی

(۱) نقوش ابرار: ۱۴۶، بحوالہ نورانی قاعدہ: ۴

نصاب اردو دینیات (دارالعلوم دیو بند)

درجہ اطفال	نورانی قاعدہ مکمل، قاعدہ اردو (بعد ششماہی) گنتی (۱۰۰ تک لکھنا پڑھنا) تختی لکھنا، کلمات (پہلا اور دوسرا کلمہ حفظ)
درجہ اول	قرآن شریف (پارہ عم/الم/ناظرہ اور تا سورۂ فیل حفظ ترتیب معکوس) اردو کی پہلی کتاب مولوی محمد اسماعیل صاحب، اردو لکھنا، دینی تعلیم کا رسالہ اور، نماز وضو کی (عملی مشق) کلمات (تین کلمے حفظ) بیسک حساب حصہ اول، پہاڑے (۱۰ تک) بھاشکرن پہلا حصہ (حروف واتر اشناسی از کتاب) نقل ہندی از کتاب
درجہ دوم	قرآن شریف از پارہ (۲ تا ناظرہ اور تا سورۃ الشّمس حفظ) دینی تعلیم کا رسالہ حصہ دوم وسوم، اردو کی دوسری کتاب، نماز وضو کی (عملی مشق) کلمات (پانچوں کلمے حفظ) نقل اردو اور آسان املا از کتاب، جغرافیہ، بھاشکرن دوسرا حصہ، نقل ہندی، بیسک حساب حصہ دوم پہاڑے (۲۰) تک
درجہ سوم	قرآن شریف پارہ (از ۱۳ تا ختم ناظرہ اور تا سورۂ انشقاق حفظ) دینی تعلیم کا رسالہ حصہ چہارم، وپنجم، اردو کی تیسری کتاب، نقل اردو، بھاشکرن تیسرا حصہ، نقل ہندی، بیسک حساب حصہ سوم، چھ کلمے حفظ، وضو و نماز کی عملی مشق اور دعائے نماز جنازہ، قواعد اردو اول (نثار بیگ)۔
فارسی چہارم	تاریخ الاسلام حصہ اول، اردو کی چوتھی کتاب، املا اردو، آمد نامہ مکمل، رہبر فارسی، تیسیر المبتدی، فارسی کی پہلی کتاب، گلزار دبستان حصہ اول ودوم، کریما، بھاشکرن، چوتھا حصہ املا ہندی، انگلش پرائمر، بیسک حساب حصہ چہارم، سائنس آؤ کر کے سیکھیں، حصہ اول۔
فارسی پنجم	تاریخ الاسلام حصہ دوم، مشاہیر دارالعلوم دیو بند، اردو کی پانچویں کتاب، اردو خطوط نویسی (املاء) فارسی کا معلم، گلستان مکمل (باستثناء باب پنجم) بوستان (از ابتداء تا ختم باب اول) بھاشکرن، پانچواں حصہ، املاء ہندی، انگلش ریڈر حصہ پنجم، بیسک حساب حصہ پنجم

نصابِ تعلیم شعبہ دینیات (جامعۃ اسلامیہ اشاعۃ العلوم اکل کواں)

سال اول	اشاعتی احسن القواعد، بعدہ پارہ عم اشاعتی اردو قاعدہ دینی تعلیم کا رسالہ نمبر ا مع تحریر تعلیم الاسلام نمبر ا نورانی قاعدہ چہل حدیث مراٹھی، علم بالقلم انگریزی	اول کلمہ مع صحت وترجمہ دوم، سوم، چہارم، پنجم، ششم کلمات، ایمان مجمل ومفصل مع صحت، کھانے سے پہلے اور بعد کی دعا، دعوت کھانے اور دودھ پینے کی دعا، سونے سے پہلے اور سوکر اٹھنے کی دعائیں، مسجد میں دخول وخروج اور اذان ونماز کے بعد کی دعا
سال دوم	قرآن شریف پارہ نمبر ا تا پارہ نمبر ۱۲ مکمل دینی تعلیم کا رسالہ نمبر ۲، ۳، ۴، تعلیم الاسلام کا حصہ نمبر ۲ اردو زبان کی پہلی دوسری مع تحریر صحت وتجوید مراٹھی حساب انگریزی	آدابِ تلاوت کلام پاک، کھانے اور سونے کی سنتیں، نمازوں کی رکعتیں، نماز کی جملہ دعائیں، کپڑا پہننے، نیز چاند دیکھنے کی دعائیں، فرائض وضو، سنن وضو، مکروہات وضو، مستحبات وضو، نواقض وضو، اذان ونماز کی عملی مشق، چہل ربنا مع صحت ترجمہ، اسمائے حسنی
سال سوم	قرآن شریف پارہ نمبر ۱۳ تا پارہ نمبر ۳۰ مکمل دینی تعلیم کا رسالہ نمبر ۵، ۶، ۷۔ تعلیم الاسلام کا حصہ نمبر ۳، ۴۔ اردو زبان کی تیسری مع تحریر صحت وتجوید مراٹھی حساب انگریزی	فرائض نماز، واجبات نماز، سنن نماز، مکروہات نماز، مستحباب، نماز، فرائض غسل، سنن غسل، نماز جنازہ کی مکمل دعائیں، تیمم کا طریقہ، چہل ربنا مع صحت ترجمہ، اسمائے حسنی۔

نورانی قاعدہ اور طریقۂ تعلیم

- نورانی قاعدہ ماہرین فن کی نظر میں نہایت جامع اور بابرکت ثابت ہوا ہے، بچہ کی عمر وذہن اور فرصت کے لحاظ سے سبق کی مقدار کم وبیش رکھی جائے، بچہ کی ابتدائی تعلیم اگر خراب رہی اور استعداد اچھی نہ ہوئی تو اس کا آگے چلنا مشکل ہے۔
- بچہ بے اصولی کی وجہ سے بدشوق نہ ہونے پائے، تعلیم کے وقت کوئی دوسرا کام نہ کریں، کیوں کہ اس سے بچوں میں انتشار، شوروشغب اور بدشوقی پیدا ہوتی ہے۔
- معلمین کم ازکم اس قاعدہ میں درج کی ہوئی ہدایات کے ماہر ہوں، جس بات کی تعمیل نہ ہوسکتی ہو یا آپ نہ کراسکتے ہوں، اس کو زبان سے ہی نہ نکالیں کیوں کہ اس سے بچے نافرمان ہوجاتے ہیں، اور زیادہ مار پیٹ اور بہت ڈانٹ ڈپٹ سے بچے نڈر ہوجاتے ہیں۔ صرف نظر کی تیزی اور معمولی ڈانٹ سے کام لینے کی کوشش کریں، پھر بھی باز نہ آئے تو غصہ کے وقت نہیں؛ بلکہ سوچ کر دوسرے وقت ماریں، زیادہ زور سے اور بے جگہ نہ ماریں اور سزا کے بعد دوسرے وقت شفقت سے سمجھا بھی دیں کہ ایسا نہیں کیا کرتے۔
- حروف اور ہندسے تختہ سیاہ پر بنا بنا کر دکھائیں، درس گاہ میں مفرد جلی حروف اور مرکب جلی حروف بھی ہوں۔
- بچے کے پاس سلیٹ اور کاپی رہے، اس طرح پڑھانے سے بچوں کی طبیعت پر بوجھ نہیں پڑتا، پڑھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔
- تعلیم سے پہلے متعلقہ ہدایات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیں؛ تاکہ سزا اور خفگی کی نوبت نہ آئے، صرف شاباش کہہ دینا ہی کافی ہوجائے گا۔
- اسی طرح معلمین دیانت دار اور متحمل مزاج بھی ہوں، خودغرض اور ترش رو نہ ہوں، ورنہ بچہ کی عمر اور آپ کی محنت ضائع ہوجائے گی۔
- محنت اور دل سوزی سے بچوں کو پڑھائیں۔
- عمر کی پونجی ضائع ہونے سے بچائیں، عمر کا ضائع کرنا جرم عظیم ہے۔(۱)

(۱) نقوش ابرار: ۱۴۵

شعبۂ ناظرہ

قرآن کی تعلیم ہر مدرسہ ومکتب میں جاری ہے، اکثر مدارس میں صحت وتجوید کے ساتھ تعلیم جاری ہے، اساتذہ آپس میں یا کچھ قراء کو سنادیں، ہر استاذ اپنا قرآن مکمل صحیح کرے اور طلبہ کو قرآن صحیح سکھانے کی کوشش کرے، خصوصاع، ح، ق، ظ، ض نکلوانے درجہ کے طلبہ سے یا اعلیٰ درجہ کے طلبہ سے کوئی غلطی معاف نہیں ہوگی، چاہے لحن جلی ہو، یا خفی، البتہ مکاتب کے اوسط درجہ کے طلبہ سے لحن خفی اور کمزور طلبہ سے لحن جلی بھی معاف کر سکتے ہیں۔

ناظرہ قرآن پڑھانے کے دوطریقے ہیں (۱) اجتماعی (۲) انفرادی، جس استاذ کو جوطریقہ پسند ہواس طریقہ سے وہ پڑھا سکتا ہے، شرط یہ ہے کہ نصاب پورا ہو، البتہ چھوٹے بچوں کو کم ازکم ''عم پارہ تک'' اجتماعی طریقہ سے بورڈ پر لکھ کر پڑھانا مفید ثابت ہوا ہے، اس میں نصف طلبہ کو سبق یاد ہونے کے بعد بقیہ نصف طلبہ کے ساتھ جوڑیاں بنا کر یاد کرانا آسان ہے، قرآن پڑھانے والے استاذ کے پاس ایک ایک اجتماعی اندراج کاپی ہو اوراس میں سے ایک کاپی طالب علم کے پاس انفرادی اندراج کی ہونی چاہئے، اس سے استاذ کو یہ اندازہ آسانی سے ہوجاتا ہے کہ ایک مہینہ میں طلبہ نے کتنے اسباق لئے؟ اور کس دن کا سبق نہیں ہوا۔

اگر لڑکیاں عذر کی حالت میں ہوں تو ان دنوں طالبات کو نورانی قاعدہ کا اجرا، قواعد، تجوید یا مسنون دعائیں یاد کرانا بہتر ہے، قرآن سکھانے کی ترتیب یہ ہوگی (۱) نورانی قاعدہ یا ربانی قاعدہ (۲) پارہ عم (۳) سورہ یس (۴) سورہ واقعہ، ملک، کہف (۵) پارہ تبارک

(۶) پارہ "قد سمع اللہ" (۷) قال فما ..... (۸) حم (۹) الم تا آخر..... نصاب پورا نہ ہوتو قرآن جلد یاد کرنے پر انعام مقرر کرے، اس کا اعلان شروع میں کردے۔

انفرادی ناظرہ اندراج کاپی

نام طالب علم .... درجہ ....

تاریخ	دن	سبق آموختہ	مطلوبہ تعداد	پڑھی ہوئی تعداد	نام سامع	کیفیت مع دستخط سامع، غلط کی نشاندہی کرے اور غلط حروف کے نیچے لکیر کھینچے	محصلہ نمبر	دستخط معلم

اجتماعی ناظرہ اندراج

نام طالب علمؑ .... درجہ ....

تاریخ قمری	۱/۸/۳۹ھ						
تاریخ شمسی	۱۸/۵/۱۸ء						
اسماء طلبہ وطالبات	چہارشنبہ	جمعرات	جمعہ	ہفتہ	اتوار	پیر	منگل
محمد عرفان	۱/۱ع ۲						

ماہانہ رپورٹ برائے درجہ ناظرہ (۱)

نمبر شمار	اسماء طلباء وطالبات	ایام تعلیم	ایام حاضری	سبق کتنی مرتبہ	سبق کتنے صفحے	سبق کتنے پارے	آموختہ کتنی مرتبہ	سبق پارہ کتنی مرتبہ	آموختہ کتنے پارے	دستخط مدرس	دستخط صدر مدرس
۱	مرتان	۴۲	۲۲	۲۰	۲۰	ایک پارہ	۱۶	۲۰	۱۶		

نقشہ یومیہ تعلیمی اطلاع برائے طلبہ شعبۂ ناظرہ


یومیہ تعلیمی اطلاع

طلبہ شعبۂ ناظرہ

شائع کردہ

مکتبۂ احیاءِ سنت

مدرسہ امداد العلوم جامع مسجد تین پوش لال ٹکری حیدرآباد۔ فون : ۲۳۳۲۵۹۵۲

MAKTABA-E-EHYA-E-SUNNAT MADRASA IMDADUL ULOOM

Jama Masjid Teen Posh, Lal Tekri (Red Hills), Ph : 23325952

(۱) مدرسہ تعلیم سے تعمیر تک: FRD۱۰ محمد ایوب صاحب ندوی

ضروری ہدایات

بخدمت حضراتِ سرپرستان!

- ✷ وقت پر صبح مدرسہ حاضری ضروری ہے۔ دیر حاضری پر طالب علم کے واپس کئے جانے کی صورت میں اس کی ذمہ داری سرپرست پر ہوگی۔ خاص حالات میں سرپرست کی درخواست آنے پر رعایت کی جائے گی۔
- ✷ بچے کے کپڑے کرتا پاجامہ ٹوپی صاف ستھرے ہوں۔ ناخن اور بال بڑے نہ ہوں۔ پاجامہ ٹخنوں سے اوپر ہو۔ پینٹ اور چوڑی دار پاجامہ پہن کر مدرسہ آنے کی اجازت نہیں۔ کرتے کا کالر بشرٹ کی طرح نہ ہو۔ حفظ کے طلبہ کیلئے سفید ٹوپی ضروری ہے۔
- ✷ یومیہ تعلیمی اطلاع (اسکول ڈائری) میں روزآنہ یا کم از کم ہفتہ میں ایک بار سرپرست کی دستخط ضروری ہے۔
- ✷ گھر پر کرنے کیلئے جو (ہوم ورک) کام دیا جاتا ہے، اس کو گھر پر کرنے کا اہتمام ضروری ہے۔
- ✷ مندرجہ ذیل کتب وغیرہ ہر بچے کے پاس ہونا ضروری ہے۔
- ✷ طلبہ درجہ حفظ کیلئے قرآن شریف مع جزدان، رحل، روزنامچہ تعلیمی اطلاع، اردو کاپی **۲۰۰** صفحہ کی، اردو وَرک بک قلم، پنسل، بیگ۔
- ✷ طلبہ درجہ ناظرہ کیلئے قاعدہ، پارہ مع جزدان، رحل، اردو کاپی ۴ عدد **۲۰۰** صفحہ کی، اردو وَرک بک، انگریزی کی کاپی، کتاب، پنسل، رَبر، قلم تراش، بیگ۔
- ✷ حفظ کے طلبہ کو تعلیم بعد فجر و مغرب میں حاضری ضروری ہے۔ گھر دور ہونے کی صورت میں فجر بعد اور مغرب بعد کم از کم ایک ایک گھنٹہ سبق یاد کرنے کیلئے بٹھائیں اس سے انشاء اللہ بچہ کی تعلیمی ترقی بہتر رہے گی۔
- ✷ رخصت کیلئے تحریری درخواست کا اہتمام فرمائیں، طالبِ علم کے ذریعہ صرف زبانی اطلاع نہ فرمائیں۔ مسلسل دس **۱۰** یوم غیر حاضری یا متفرق طور پر بلا اطلاع بار بار غیر حاضری کی صورت میں نام خارج کیا جاسکتا ہے۔

* تین دن یا اس سے زیادہ کی تعطیل کی صورت میں تحریری اطلاع طالب علم کے حوالہ کی جاتی ہے۔اس کے مطابق تعطیل کے بعد بروقت مدرسہ روانہ فرمائیں۔
* سرپرست کے بیرون ملک یا طویل عرصہ کیلئے مستقر سے باہر رہنے کی صورت میں گھر کے مرد حضرات میں سے کسی کو بحیثیتِ نگران مقرر فرما کر ان کے نام اور فون نمبر سے مطلع کیا جائے تاکہ طالب علم کی نگرانی اور تعلیمی ترقی میں سہولت ہو۔
* نیز اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً مدرسہ سے دی جانے والی ہدایات کی پابندی ضروری ہے تاکہ صحیح تعلیم و تربیت کا حتی الوسع اہتمام ہوسکے۔ان ہدایات کی خلاف ورزی کی صورت میں اوّلاً سرپرست کو تعلیمی اطلاع (اسکول ڈائری) کے ذریعہ باخبر کیا جائے گا۔ بار بار ایسی صورت ہونے پر داخلہ باقی رکھنے سے معذوری ہے۔
* سرپرستوں سے گزارش ہے کہ تعلیمی اطلاع کے آخری صفحات جو طالب علم سے متعلق اطلاعات کیلئے ہیں ملاحظہ فرماتے رہیں۔
* امید کہ آپ حضرات اپنے حسنِ تعاون سے مشکور فرمائیں گے۔

والسلام
ناظمِ مدرسہ

نام طالب علم ....
دستخط سرپرست ....
نام سرپرست ....
فون نمبر ....

باسمہٖ تعالیٰ شانہ

تفصیلاتِ طالبِ علم

نام طالبِ علم مع ولدیت ---

پتہ ---

فون نمبر ----------------------- تاریخِ پیدائش/عمر -----------------

نمبر داخلہ ----------------------- تاریخِ داخلہ -----------------

داخلہ کے وقت تعلیمی صلاحیت ---

سابقہ تعلیمی کیفیت

از شوال المکرّم ــــــھ تا رمضان المبارک ــــــھ

مدرسہ کتنے دِن چلا؟	کتنے دِن مدرسہ آئے؟	کتنے دِن سبق ہوا؟	سال بھر میں کتنا پڑھا؟	سبق کی تعداد کیا تھی؟

متفرق کیفیت ---

گزشتہ نتیجہ امتحانِ سالانہ

نمبراتِ آموختہ	پارۂ سبق	صحت و تجوید	دینیات	اُردو	انگریزی	دیگر	دیگر	جملہ نمبرات	درجہ کامیابی

دستخط مدرس/صدر مدرس دستخط سرپرست

روزنامچہ ماہ .... سنہ موافق .... سنہ نام طالب علم .... درجہ متعلقہ ....

تاریخ	ایام	سبق	دو سبق	آموختہ	سامع	اغلاط	دینیات کا سبق	یاد ہے ✓/×	سامع	دستخط مدرس	دستخط سرپرست
۱											
۲											
۳											
۴											
۵											
۶											
۷											
۸											



روزنامچہ ماہ ---------- سنہ موافق ---------- سنہ نام طالبِ علم ---------- درجہ متعلقہ ----------

تاریخ	ایام	سبق	دوسبق	آموختہ	سامع	اغلاط	دینیات کا سبق	یاد ہے ص/×	سامع	دستخط مدرس	دستخط سرپرست
۱۹											
۲۰											
۲۱											
۲۲											
۲۳											
۲۴											
۲۵											
۲۶											

۳۰	۲۹	۲۸	۲۷

ماہانہ کیفیت

ایام تعلیم	
ایام حاضری	
کتنے دن سبق ہوا؟	
سبق کا ناغہ کیوں ہوا؟	
اس وقت سبق کہاں ہے؟	
اس مہینہ میں کتنا پڑھا؟	
مقدار سبق	

دینیات کتنی یاد ہے؟ ---------------

اردو کیا پڑھتے ہیں؟ ---------------

متفرق کیفیت ---------------

دستخط مدرس --------- دستخط ناظم / صدر مدرس --------- دستخط سرپرست ---------

(۱)

(۱) یومیہ تعلیمی اطلاع، طلبہ شعبہ ناظرہ، شائع کردہ مکتبہ احیاء سنت، مدرسہ امداد العلوم، جامع مسجد ٹین پوش لال ٹیکری، حیدرآباد

شعبۂ حفظ

حفظ قرآن اور حفاظ قرآن

اہل عرب عام طور سے امی تھے ؛لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور اپنے معاملات زبانی یاد رکھتے تھے، وہ اپنے خداداد حافظہ میں دنیا کی قوموں میں ممتاز تھے، رسول اللہ ﷺ ان کو زبانی قرآن یاد کراتے تھے، اور رُک رُک کر پڑھاتے تھے اور سناتے تھے، اور قرآن یاد کرنے کی تاکید فرماتے تھے، صحابہ عام طور سے زبانی تلاوت کرتے تھے، نوافل میں پڑھتے تھے اور گھروں میں تلاوت کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ سید الحفاظ تھے اور آپ کے بہت سے شاگرد حافظ قرآن تھے، مہاجرین میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت ابن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت عمرو بن عاص، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت معاویہ، حضرت ابن زبیر، حضرت عبداللہ بن سائب، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم اور انصار میں حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوالدرداء، حضرت مجمع بن حارثہ، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوزید (قیس بن سکن) رضی اللہ عنہم حفاظ قرآن ہیں، ان حفاظ صحابہ میں سے بعض حضرات نے وصال نبوی کے بعد قرآن یاد کیا تھا۔

تجوید وحسن صوت

رسول اللہ ﷺ سید الحفاظ والقراء تھے، نہایت خوش الحانی اور تجوید کے ساتھ قرآن

پڑھتے تھے، براء بن عازب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز میں سورۃ والتین اور والزیتون پڑھی اس خوش الحانی کے ساتھ پڑھی کہ: "فما سمعت أحدا أحسن صوتا منه" (بخاری: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم، إنما الماہر بالقرآن، حدیث: ۷۵۴۶) میں نے آپ ﷺ سے زیادہ حسین آواز والا کسی کو نہیں دیکھا۔

آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ جس کو تر وتازہ قرآن پڑھنا ہو جیسا کہ نازل ہوا ہے وہ ابن ام عبد (عبد اللہ بن مسعود) کی قراءت پر قرآن پڑھے، اور ابی بن کعب کے بارے میں فرمایا کہ وہ میری امت کے سب سے بڑے قاری ہیں، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام سیوطی نے لکھا ہے:

"أعطی حظا عظیما فی تجوید القرآن" (ان کو تجوید قرآن میں بڑا ملکہ تھا)

ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے قبیلہ اشاعرہ تجوید وقراءت اور خوش الحانی سے قرآن پڑھتے تھے۔(۱)

معیار تعلیم برائے حفظ

۱) اولاً تصحیح قرآن مجید پر محنت ہو پھر روانی کے ساتھ ناظرہ قرآن مکمل ہو جائے اس کے بعد حفظ کی ابتداء ہونی چاہئے۔

۲) ایک وقت میں ایک ہی طالب علم کا سبق سنا جائے۔

۳) آئندہ سبق کے لئے ابتداء ناظرہ صحت کے ساتھ پڑھایا جائے۔

۴) سبق کی مقدار پہلے سے متعین نہیں کی جاسکتی؛ بلکہ طالب علم کی استعداد اور استاذ کی صواب دید پر منحصر ہے، بتدریج سبق کی مقدار میں ترغیب دیتے ہوئے اضافہ کر سکتے ہیں، الا یہ کہ کوئی طالب علم فطری طور پر کمزور ہو۔

۵) سبق کے پارہ کی اقل مقدار حسب ذیل ہو پ/ ۱ تا پ/ ۱۰ والے طلبہ کے لئے پون پارہ پ ۱۱ تا پ ۲۰ والے طلبہ کے لئے ایک پارہ اس کے بعد سوا یا ڈیڑھ پارہ سنا جائے۔

(۱) خیر القرون کی درسگاہیں: ۸۰

۶) قرآن مجید کے ''ع'' کی ترتیب پر یاد کرائیں۔

۷) ایک طالب علم درمیانی رفتار سے یعنی نہ آہستہ نہ تیز کم از کم پینتیس (۳۵) منٹ میں ایک پارہ سنائے۔

۸) طلباء کا آپس میں قرآن مجید سنانا بہت مضر ہے؛ لہٰذا اس کا رواج نہ ڈالیں۔

۹) دو سے زائد طلبہ کا بیک وقت نہ سنا جائے، دونوں طلبہ کا بذات خود سنیں؛ البتہ معتمد علیہ طالب علم سے ضمنی تعاون لے سکتے ہیں، جو بذات خود سنا چکا ہو تعاون کا یہ سلسلہ وقتاً فوقتاً بدلتے رہیں؛ تاکہ آپس میں مفاہمت اور ساز باز نہ ہو سکے۔

۱۰) مغرب بعد کی نگرانی انفرادا ضروری قرار دی جائے؛ لیکن بوقت ضرورت اجتماعی نگرانی کی شکل اختیار کی جاسکتی ہے، مغرب کے بعد کی نگرانی کے اور بہت سے فوائد ہیں۔

۱۱) حفظ کی تکمیل کے بعد اس کی پختگی کی متعدد شکلیں ہیں۔

- سبق کا پارہ پختہ سنا جائے۔
- آموختہ کی مقدار زیادہ سے زیادہ رکھی جائے۔
- پہلے دور میں یومیہ دو پارے سنے جائیں۔
- دوسرے دور میں تین پارے سنے جائیں پھر ہر دور کی تکمیل پر نصف پارہ کا اضافہ کیا جائے۔
- ہر ماہ تعلیمی جانچ کرائی جائے جس میں بہت سے فوائد ہیں۔

۱۲) سہ ماہی ششماہی امتحان کے موقع پر ان مہینوں کی مقدار خواندگی کا امتحان ہو اور سالانہ امتحان کے وقت مجموعی مقدار حفظ کا امتحان ہو۔

۱۳) امتحانات سے پہلے استاذ کو اپنی صوابدید پر سبق بند کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے۔(۱)

اہم ہدایات برائے اساتذہ حفظ

۱) بارگاہِ خداوندی میں ہمیشہ دست بدعا بھی رہیں کہ اے اللہ! آپ مجھے حدیث پاک

(۱) معین المدارس:۸۹

کی خوشخبری کا مصداق بنادے۔

۲) اپنی کم علمی و بے مائیگی کا احساس اور خداوندقدوس کی برتری اور تقدس کا یقین ہو، چونکہ تواضع ہی سے اللہ تعالیٰ رفعت و بلندی عطا فرماتے ہیں۔

۳) نیت میں اخلاص ہو یعنی خوشنودیٔ خداوندی ورضائے الٰہی درس وتدریس کا اصل مقصد ہو، قرآن مجید کی دل میں عظمت اوراس کے کلام اللہ ہونے کا استحضار رہو، ہمیشہ نگاہ ونظر ثواب وآخرت پر ہو، اجرت دنیا پر ہرگز نہ ہو۔

۴) اپنے تعلیمی اوقات کی قدر ہو، اس طرح کہ کوئی لمحہ رائیگاں نہ ہونے پائے۔

۵) طلباء کرام قوم کی امانت ہیں اور ہمارے اوقات ان کی خدمت کے لئے وقف ہو گئے ہیں، لہٰذا خوب دلچسپی سے خدمت کریں۔

۷) طلباء کے وقت کا خیال نہ کرنا، ان کی تعلیم وتربیت پر خاطر خواہ توجہ نہ دینا اوراستخفاف ولا پرواہی برتنا ان کے ساتھ خیانت ہوگی، جس کی بروزِ محشر پوچھ ہوگی۔

۸) کسی بچہ کا حفظ کرنا جیسے خود اس کے لئے اوراس کے والدین کے لئے سعادت عظمی ہے، اسی طرح استاذ کے لئے بھی نعمتِ عظمی ہے، اس نعمت کی قدردانی کرنی چاہئے۔

۹) استاذ کو چاہئے کہ وہ ترانہ سے قبل مدرسہ میں حاضر رہے تا کہ ترانہ کے بعد فوراً اپنا کام شروع کردیں۔

۱۰) اساتذہ کا درجات میں سونا، اونگھنا نامناسب اورمعیوب ہے، اساتذہ کو درجات میں چوکنا رہنا چاہئے، سوتے ہوئے اور اونگھتے ہوئے سنتے رہنا اس سے بھی زیادہ معیوب ہے۔

۱۱) طالب علم جب سنانے لگتا ہے تو بعض اساتذہ کو اونگھ آنے لگتی ہے، اس سے طالب علم کی غلطیاں رہ جاتی ہیں جو نقصانِ عظیم ہے، اس لئے استاذ کو درسگاہ میں چوکنا اور بیدار رہنا چاہئے۔

۱۲) اساتذۂ حفظ کا فجر سے قبل ایک گھنٹہ اپنے طلباء کے لئے وقت نکالنا اور فجر سے پہلے

ہی طلباء کو محنت سے پڑھانا حفظ کے لئے بہت مفید ہے، سب ہی اساتذۂ کرام اپنے طلباء کو نگرانی میں پڑھوائیں تو حفظ کی تعلیم معیاری ہوگی۔

۱۳) سب سے پہلے جو علم حاصل کر رہے ہیں اس کی اہمیت وفضیلت اور حاملین قرآن وحافظ قرآن کا مقام اوراس کی عظمت طلباء کے دلوں میں بٹھائی جائے۔

۱۴) ذرائع علم کا ادب واحترام مثلاً کتاب (چاہے وہ نورانی قاعدہ ہو یا قرآن مجید ہو یا کوئی اور کتاب ہو) اور اساتذہ، منتظمین وملازمین اور مدرسہ کا خصوصاً درسگاہ کا اوررحل، جزدان، تپائی، کاغذ، پنسل اورقلم وغیرہ کا حد درجہ ادب طلباء کے دلوں میں بٹھایا جائے۔

۱۵) درسگاہ اوراس کے فرش کی صفائی کی اہمیت بتلائی جائے۔

۱۶) بوقتِ درس درجات میں طلباء کی صفیں بالکل سیدھی ہوں، اس کا لحاظ رکھا جائے۔

۱۷) طلباء کے بیٹھنے ہی میں ادب وسلیقہ کا علانیہ طور پر اظہار ہو۔

۱۸) تمام کاغذات کا بالخصوص دینیات اورقرآن مجید کے کاغذات کا ادب کیا جائے، ادھر ادھر پڑے ہوں تو ادب سے اٹھا کر باقاعدہ رکھا جائے، اس کی طرف طلباء کو توجہ دلاتے رہیں، اوراہمیت بتلاتے رہیں، اس کے لئے علاحدہ علاحدہ نظم ہونا چاہئے، یعنی عام کاغذات کے لئے ایک بکس یا جھولا اور دینیات کے کاغذات کے لئے علاحدہ بکس یا جھولا ہواورقرآن کے کاغذات کے لئے علاحدہ بکس یا جھولا ہواور جب وہ بھر جائے تو اسے کسی محفوظ مقام (جیسے قبرستان وغیرہ) میں دفن کردیا جائے۔

۱۹) اساتذہ طلباء کواس بات کی ہدایت کرتے رہیں؛ بلکہ انہیں پابند کریں کہ پڑھی ہوئی مقدار تعطیلات میں گھر سے دَور کر کے لائیں۔(۱)

۲۰) صبح وشام اوقات کی پابندی کرتے رہیں۔

۲۱) طلبہ کا سبق، پارہ، قواعد وتجوید کے ساتھ سنیں۔

---

(۱) حفظ قرآن مجید کے رہنما اصول: ۱۲ تا ۱۵، محمودیہ ٹرسٹ

۲۲) نورانی قاعدہ کے قواعد بچوں کو خوب یاد کرائیں۔
۲۳) بچوں کا قرآن پوری ترتیب اور توجہ کے ساتھ سنیں، کوئی طالب علم بالکل نہ سنائے تو اس کو ذمہ دار تک پہنچائیں۔
۲۴) طلبہ کی حاضری وغیر حاضری لکھتے رہیں اور سننے وسنانے کی پوری رپورٹ تیار کریں، وقتاً فوقتاً بچوں کو قواعد بھی پوچھتے رہیں اور کمزور بچوں پر زیادہ دھیان دیں۔
۲۵) ذمہ دار سے کسی بات میں نہ الجھیں اور کلاس میں طلبہ کو بڑھانا اور گھٹانا ذمہ دار کے اختیار میں ہوگا، کوئی مسئلہ ہو تو ذمہ دار اس کو حل کریں ورنہ مجلس شوری یا مہتمم صاحب سے رابطہ قائم کریں۔
۲۶) رخصت لینے سے پہلے ذمہ دار کو اس کی اطلاع دیں۔
۲۷) کلاس میں طلبہ کا سبق جاری رکھیں یا بند کریں آپ کو اختیار ہوگا۔
۲۸) تمام طلبہ کو تعلیمی معیار پر لانے کی محنت کریں۔
۲۹) طلبہ کی تربیتی اعتبار سے فکر کریں۔
۳۰) کلاس میں باوقار اور ادب کے ساتھ بیٹھیں۔
۳۱) کامیاب حافظ کی چار علامتیں:
۱۔تجوید ۲۔حفظ (اچھی طرح یاد ہو) ۳۔لہجہ ۴۔طالب علم نڈر اور بے باک ہو۔(۱)

سبق

۱) نئے سبق کی مقدار شروع میں طالب علم کے اختیار پر ہو، ایک ہفتہ بعد ذہانت کے مطابق مقدار متعین کردیں، نیز پوری کوشش کریں کہ نیا سبق یومیہ کم از کم ایک رکوع ہو۔
۲) ہر صفحہ کے ختم والے قرآن مجید پر حفظ نہ کرائیں کیوں کہ بھول پر صفحہ مکمل چھوٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، نیز معانی ومفہوم کے اعتبار سے بھی اس میں نقصان ہے، بہتر ہے ۱۶ سطر والے قرآن مجید میں ''ع'' کی ترتیب پر حفظ کرائیں، پندرہ سطر

(۱) معین المدارس، مؤلف: مفتی محمد شاکر صاحب: ۹۲، بیت العلوم

والے قرآن مجید میں حفظ شروع کر دیا گیا تو بقیہ حفظ ''ع'' کی ترتیب پر کرائیں۔

۳) نئے سبق کا ناظرہ پہلے سن لیں اور طالب علم کو کئی بار روانی کے ساتھ پڑھنے کو کہیں۔

۴) سبق یاد کرنے کے بہترین اوقات یہ دو ہیں:

(۱) مغرب اور عشاء کا درمیانی وقت۔

(۲) سحری و تہجد کا وقت۔

۵) نئے سبق کے دوران اگر سورہ شروع ہو تو پہلے سورۃ کا نام پھر تسمیہ یاد کرائیں۔

۶) طالب علم کو شروع میں نیا سبق یاد کرنے کا طریقہ اچھی طرح سمجھا دیں، سبق یاد کرنے کے لئے یہ باتیں طالب علم کو اچھی طرح سمجھا دیں:

(۱) پہلے نئے سبق کا ناظرہ تجوید و صحت کے ساتھ خوب رواں کر لے

(۲) آیت کا جس قدر ٹکڑا آسانی سے رٹ سکتے ہوں اسکو رٹے مثلاً: ''تلک الرسل فضلنا'' اس کو اتنا رٹے کہ خوب یاد ہو جائے، تعداد کی کوئی قید نہیں، اس کے بعد ''بعضهم علی بعض'' رٹتا رہے، جب یاد ہو جائے تو پھر ''تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض'' ملا کر رٹے، جب پختہ ہو جائے تو پھر ''منهم من کلم اللّٰہ و رفع بعضهم درجات'' رٹے، یاد ہونے کے بعد پھر شروع ''تلک الرسل'' سے دو تین مرتبہ پڑھ کر جانچ لے، اس طرح تھوڑا تھوڑا کر کے پورے سبق کا آخری جملہ رٹتے ہوئے بھی شروع کو نہ چھوڑے، آگے رٹتا رہے، پچھلا ملاتا رہے، ٹھہر ٹھہر کر اطمینان سے رٹے، اس قدر جلدی نہ رٹے کہ جس سے حروف کٹ جائیں، استاذ کو سنانے سے پہلے پوری مقدار ملا کر پڑھ کر دیکھ لے، اگر اٹک یا بھول ہو پھر رٹے اور دوبارہ زبانی پڑھ کر جانچ لے۔

۷) نیا سبق اٹک، بھول، متشابہ، تبدیلی حرکات، مخرج کی کمی، لحن جلی، زیادتی حرف کے بغیر پختہ، مکمل تجوید کے ساتھ سنیں۔

یاد رہے نئے سبق میں رعایت کرنا آگے عمل کے لئے انتہائی مضر ہے۔

۸) جس بچے کے پانچ پارے حفظ ہوں اس کا آدھا پارہ آموختہ اور سبق کا پارہ ایک سنا جائے۔

۹) اس ترتیب سے حفظ شروع کرائیں (پہلے پارہ ۳۰ پھر پارہ ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶) ان پانچ پاروں کے بعد آگے پارہ ایک سے شروع کرائیں؛ تاکہ خدانخواستہ طالبعلم کے غبی ہونے کی صورت میں حفظ کا سلسلہ منقطع ہونے پر یہ پارے نماز و امامت میں کام آئیں۔

۱۰) جو طالب علم پہلے سبق سنائے سن لیا جائے یعنی سبق سننے میں ہر دن ایک ہی طالب علم کو متعین نہ کرے۔

۱۱) سبق میں اٹکنے پر ہرگز نہ بولیں؛ بلکہ تھوڑا وقفہ کریں کہ وہ خود نکالے ورنہ واپس بھیج دیں، دوبارہ پکا یاد کرا کر بغیر غلطی اور اٹک کے سنا جائے۔

۱۲) سبق کی جو مقدار استاذ کی طرف سے طئے کر دی جائے طالب علم سے اتنی مقدار مکمل سنی جائے، اس مقدار سے کم پر اٹکنے پر جہاں اٹکے وہاں تک سبق شمار نہ کیا جائے، اس طرح طالبعلم روزانہ کچا سبق یاد کرنے کا عادی ہو جائے گا۔

۱۳) جملہ طلبہ کے نئے اسباق بعد فجر جو پہلی نشست ہو اسی میں سن لیا جائے، طلبہ کو اس کی عادت کروائیں کہ وہ پہلی نشست ہی میں سنا دیں، اگر کوئی طالب علم پہلی نشست میں نہ سنائے تو اس دن اس کا سبق نہ سنا جائے، چند دن اس طرح کرنے پر یہ طریقہ قابو میں آ جائے گا۔

۱۴) نئے سبق کی مقدار یومیہ اتنی ہو کہ ہر طالب علم کا ماہانہ کم از کم لازما ایک پارہ ضرور ہو، جو طالب علم ایک سے زیادہ پڑھے اس کو انعام بھی دیا جائے۔

۱۵) یاد رہے کہ سبق، پارہ سبق اور آموختہ تینوں بہت اہم ہیں؛ مگر ان میں سے سب سے زیادہ اہمیت آموختہ کو دی جائے، بعض جگہ یہ انتہائی غلط فارمولہ دیکھنے میں آیا کہ ''آگے بڑھو پیچھے مت دیکھو'' پر عمل کیا جاتا ہے، یہ بہت نقصان دہ ہے، ایسا کرنے والے عند اللہ ماخوذ ہوں گے۔(۱)

---

(۱) حفظ قرآن مجید کے رہنما اصول: ۱۴، ۱۶

سبق پارہ

۱) سبق پارہ یومیہ مکمل ایک پارہ سنا جائے، آگے نئے اسباق کا پاؤ پارہ ہو جانے پر پیچھے سے پاؤ پارہ کم کر دیا جائے۔

۲) پارہ سبق کے سننے میں درسگاہ کے کل طلبہ کی ذہانت کے اعتبار سے ترتیب قائم کر دیں یعنی ذہین طلبہ پہلے سنائیں پھر کمزور طلبہ سنائیں، اس طرح کمزور طلبہ کو یاد کرنے کا موقع مل جائے گا۔

۳) سبق پارہ اٹک، بھول، متشابہ، تبدیلی حرکات، مخرج کی کمی، لحن جلی، زیادتی حروف کے بغیر پختہ، مکمل تجوید کی رعایت کے ساتھ سنیں۔

۴) سبق پارہ میں اس دن کا نیا سبق ملا کر سنا جائے یعنی سبق پارہ کا ختم اس دن کے سبق تک ہو۔

۵) پارہ سبق ہر دن مکمل سنا جائے، یومیہ سننے کی وجہ سے پارہ میں سے چیدہ چیدہ نہ سنا جائے۔

۶) پارہ سبق بعد ظہر سنا جائے، کیوں کہ عام طور پر ظہر بعد کی نشست کم وقت کی ہوتی ہے اور آموختہ سے پارہ سبق کی مقدار کم ہوتی ہے۔

۷) سبق پارہ میں اگر اٹک جائے تو نہ بولا جائے؛ بلکہ خود سے نکالنے دیا جائے، نہ نکالنے پر وقفہ دے کر دوبارہ سنا جائے، دوسری مرتبہ اٹکنے پر سہ بارہ سنا جائے؛ تاکہ طالب علم پہلے ہی پختہ یاد کر کے لائے۔(۱)

آموختہ

۱- آموختہ کی مقدار یومیہ ہر طالب علم کی کم از کم ایک پارہ لازما ہو، بہت ہی زیادہ کمزور غبی طالب علم ہو تو حسبِ موقعہ کچے پاروں کی مقدار میں وقتی طور پر کمی کی جا سکتی ہے۔

۲- آموختہ میں مندرجہ ذیل مقدار و ترتیب ہو تو بہت مفید ہے، یعنی طالب علم کے مکمل

(۱) حفظ قرآن مجید کے رہنما اصول: ۱۷، مرتب: مفتی سبیل احمد صاحب، مکتبہ محمودیہ، وانمباڑی

پارے دس دنوں میں پورے ہوجائیں، اس طرح پر کہ پانچ پارے تک آدھا پارہ، پارہ چھ سے پارہ دس تک ایک پارہ، پارہ گیارہ سے پارہ پندرہ تک ڈیڑھ پارہ، پارہ سولہ سے پارہ بیس تک دو پارے، پارہ اکیس سے پارہ پچیس تک ڈھائی پارہ، پارہ چھبیس سے پارہ تیس تک تین پارے سنیں جائیں، اس طرح ہر دس دنوں میں مکمل مقدار پوری ہوجائے گی۔

۳- اس ترتیب پر بھی آموختہ کی مقدار طئے کی جاسکتی ہے:

(۱) پانچ پاروں تک روزانہ ایک پارہ۔

(۲) دس پاروں تک روزانہ سوا پارہ۔

(۳) پندرہ پاروں تک روزانہ ڈیڑھ پارہ۔

(۴) بیس پاروں تک روزانہ پونے دو پارے۔

(۵) پچیس پاروں تک روزانہ ڈھائی پارے

(۶) ختم تک روزانہ تین پارے۔

۴- آموختہ استاذ خود سنے، ہرگز دوسرے سے نہ سنوائے الا یہ کہ طلبہ زائد ہوں، سنانا ممکن ہو تو کسی ذہین اور امانت دار لڑکے سے سنایا جاسکتا ہے۔

۵- آموختہ اٹک، بھول، متشابہ، تبدیلی حرکات، مخرج کی کمی، لحن جلی، زیادتی حروف کے بغیر پختہ، مکمل تجوید کے ساتھ سنیں۔

۶- آموختہ میں اگر اٹک جائے تو بولا نہ جائے؛ بلکہ خود سے نکالنے دیا جائے، نہ نکالنے پر وقفہ دے کر دوبارہ سنا جائے، دوسری مرتبہ اٹکنے پر سہ بار سنا جائے؛ تاکہ طالب علم پہلے ہی پختہ یاد کر کے لائے۔

۷- آموختہ صبح کی نشست میں سنا جائے، اس لئے کہ صبح کی نشست میں وقت بھی زیادہ ہوتا ہے، نیز آموختہ کی مقدار بھی زیادہ ہوتی ہے۔

۸- جمیع طلبہ کا آموختہ صبح کی نشست میں ہی مکمل سن لیا جائے؛ تاکہ بعد ظہر سبق پارہ سنا

جا سکے، اگر اس کا التزام نہ کیا جائے تو پھر آگے کے نظام میں خلل ہوگا۔

۹- ہر ماہ طلبہ کی جانچ لی جائے جن بچوں کے زیادہ پارے ہوئے ہیں، ان کے آدھے پاروں کی جانچ اس ماہ میں اور باقی پاروں کی جانچ آئندہ ماہ لی جائے۔(۱)

متفرقات

۱- اس کا اہتمام کریں کہ جب تک ایک طالب علم سنا رہا ہو دوسرے طلبہ استاذ کے قریب نہ بیٹھیں۔

۲- بیک وقت ایک طالب علم کو ہی سنا جائے، درسگاہ میں اگر طلبہ کی تعداد زیادہ ہو تو دو طلبہ کو سنا جا سکتا ہے، اس صورت میں دونوں کو مکمل توجہ کے ساتھ سنا جائے کہ کوئی غلطی نہ رہ جائے اور کوئی آیت نہ چھوٹ جائے۔

۳- طالب علم کو شروع ہی سے باآواز بلند پڑھنے کی عادت کرائیں، پست آواز سے پڑھنے میں اغلاط کے رہ جانے کا امکان ہے، نیز تجوید کی رعایت مشکل ہے۔

۴- اس پر نگاہ رکھیں کہ طالب علم پڑھتے ہوئے منہ نہ بنائے، چہرہ نہ بگاڑے، ایسا کرنے پر روکا جائے۔

۵- سناتے وقت طالب علم کو ایک ہاتھ کے فاصلہ پر بٹھائیں؛ تاکہ بلند آواز سے پڑھنے کی عادت ہو۔

۶- طالب علم استاذ کے پاس سناتے ہوئے دوزانوں بیٹھے، ایک پاؤں کھڑا نہ رکھے۔

۷- استاذ کو اگر سننے کے درمیان کسی سے کوئی ضروری بات چیت کرنی پڑ گئی تو طالب علم کے سنانے کو موقوف کرا دیں تا آنکہ فارغ ہو کر دوبارہ سننے لگیں۔

۸- سننے کے دوران غلطی پر سرخ پنسل سے نشانات لگائیں اور سنانے کے بعد طالب علم کو ہر نشان زدہ کو ۲۵ مرتبہ دہرانے کو کہیں، اس نشان کے لگانے میں قرآن مجید کا احترام ملحوظ رکھیں، یعنی بے تکے طریقہ پر نہ لگائیں۔

---

(۱) حفظ قرآن مجید کے رہنما اصول: ۱۸-۱۹، معین المدارس: ۸۹

۹- استاذ اس بات کو دھیان میں رکھیں کہ طالب علم کی ذہانت اور غباوت کی رعایت صرف نئے سبق میں ہو، نہ کہ آموختہ اور پارہ سبق میں، اس میں سبھی طلبہ یکساں ہیں۔

۱۰- ہر پارہ کے ختم پر اسی دن یا ایک دن کا وقفہ کر کے تیاری کے بعد اگلے دن صبح کی نشست میں بغیر کسی غلطی کے مکمل پارہ پہلے خود سنیں، پھر نگراں شعبہ یا دوسرے استاذ کے پاس سنوائیں، مکمل اطمینان پر آگے بڑھائیں۔(۱)

۱۱- ختم پارہ اگر طالب علم دوسرے دن سنائے تو اس دن ظہر بعد آموختہ بھی سنا جائے۔

۱۲- ہر پانچ پاروں (والمحصنت، واعلموا، سبحان الذی، أمن خلق، إلیه یُردّ) سے ختم پر تیاری کے لئے ایک دن وقفہ کر کے دوسرے دن مکمل پانچ پارے ایک نشست میں سن کر پورے اطمینان پر آگے بڑھائیں۔

۱۳- ہر طالب علم کے پاس یومیہ اندراج کے لئے کاپی نہ رکھوائیں کہ طالب علم اس میں الجھ کر رہ جاتا ہے، بلکہ استاذ اپنے پاس ایک لمبے سائز کی کاپی رکھیں جس میں ایک صفحہ پر ایک طالب علم کے مکمل ماہ کی رپورٹ لکھی جائے۔

کاپی میں اس طرح نقشہ بنائیں

۱- محمد سلمان آمبوری

		مقدار سابق: ۷ پارے		مقدار ماہ ہذا: پ ۳ مکمل		کل مقدار: ۸ پارے	
تاریخ	دن	نیا سبق	کیفیت	پارہ سبق	کیفیت	آموختہ	کیفیت
۱	بدھ	تلک الرسل ع ۴ تا ع ۵	یاد ہے	پ۲ ربع تا سبق	یاد ہے	پ ۷ ۲ ربع تا سبق	یاد ہے
۲	جمعرات						
۳	جمعہ						

(۱) قرآن مجید کے پختہ ہونے کا ایک اہم مرحلہ ہے۔

۱۴- دوران درس ایام تعلیم و تعطیل میں کسی بھی طالب علم سے کوئی ہدیہ نہ لیں۔

۱۵- استاذ وقتاً فوقتاً ختم پارہ، ایک ماہ میں دو پارے، نیز تجوید کے ساتھ عمدہ پڑھنے پر اپنی طرف سے طالب علم کو انعام دے، اگرچہ چھوٹی چیز ہی کیوں نہ ہو، اس سے طالب علم کو پڑھنے میں دلچسپی اور رغبت ہوگی۔

۱۶- طلبہ کو آپس میں کم سے کم سنوائیں۔

۱۷- کما حقہ جمیع طلبہ کا سبق، پارہ سبق اور آموختہ سننے کے لئے درسگاہ میں طلبہ کی تعداد ۱۰ تا ۱۲ ہی رکھیں، زیادہ تعداد معیاری تعلیم کے لئے مضر ہے۔

۱۸- ہر دن تمام طلبہ کا سبق، سبق پارہ اور آموختہ مکمل کرائیں، کوشش کریں کہ کسی طالب علم کا پارہ سبق اور آموختہ باقی نہ رہے، اگر کسی طالب علم کا آموختہ یا پارہ سبق رہ جائے تو اس دن نیا سبق نہ دیا جائے۔

۱۹- طلبہ میں اس طرح کا ماحول اور احساس پیدا کردیں کہ سبق پارہ اور آموختہ میں سے چھوٹ جائے تو اس دن نیا سبق نہیں ہوگا اور طالب علم نئے سبق کے چھوٹنے کو بڑی سزا محسوس کرے۔

۲۰- صبح میں جمیع طلبہ کا آموختہ مکمل ہوجائے تو پارہ سبق سننا شروع کردیں، اسی طرح دوپہر میں انتہائے وقت سے ۱۵ منٹ پہلے جمیع طلبہ کا سن کر ختم کردیں، اسی ترتیب سے طلبہ کا اندازہ اور حساب لگا کر سنیں، اگر کوئی طالب علم سنانے میں تاخیر کرے تو از خود بلا کر سنیں، ۱۵ منٹ پہلے ختم کر کے جمیع طلبہ کا کل کے نئے سبق کا ناظرہ سن لیا جائے، ایسا نہ ہو کہ طالب علم جب چاہے سنانے کے لئے آئے اور استاذ خالی بیٹھے رہیں یا اخیر وقت میں سنا جائے اور طلبہ باقی رہ جائیں وقت پورا ہوتے ہی استاذ چلے جائیں؛ بلکہ درسگاہ کے جمیع طلبہ کے تینوں امور (سبق، آموختہ، پارہ سبق) کا یومیہ پورا کرا کر نیا سبق دینا استاذ کی ذمہ داری ہے، الا یہ کہ کسی طالب علم کا آموختہ یا پارہ سبق اٹک یا غلطی یا کچا سنانے کی بناء پر رہ جائے۔

٢١- طلبہ حفظ کی موجودہ صورت حال میں حافظ ہونے کے لئے چار سال کی مدت متعین کرسکتے ہیں، اس طور پر کہ پہلے سال پارہ ٣٠، ٢٩، ٢٨، ٢٧، ٢٦، پھر پارہ ایک اور ٢ (٧ پارے) دوسرے سال پارہ ٣ تا پارہ ١٢ (١٠ پارے) تیسرے سال ١٣ تا پارہ ٢٣ (دس پارے) چوتھے سال پارہ ٢٣ تا پارہ ٢٥ (٣ پارے) اور ١٥/دور مکمل کرائے جائیں۔

نقشہ یومیہ تعلیمی اطلاع برائے طلبہ شعبۂ حفظ

یومیہ تعلیمی اطلاع

طلبۂ شعبۂ حفظ

شائع کردہ

مکتبۂ احیاءِ سنت

مدرسہ امدادالعلوم جامع مسجد ٹین پوش لال ٹیکری حیدرآباد۔ فون : ٢٣٣٢٥٩٥٢

MAKTABA-E-EHYA-E-SUNNAT MADRASA IMDADUL ULOOM

Jama Masjid Teen Posh, Lal Tekri (Red Hills), Ph : 23325952

ضروری ہدایات

بخدمت حضراتِ سرپرستان!

- ✷ وقت پر صبح مدرسہ حاضری ضروری ہے۔ دیر حاضری پر طالب علم کے واپس کئے جانے کی صورت میں اس کی ذمہ داری سرپرست پر ہوگی۔ خاص حالات میں سرپرست کی درخواست آنے پر رعایت کی جائے گی۔
- ✷ بچے کے کپڑے کرتا پاجامہ ٹوپی صاف ستھرے ہوں۔ ناخن اور بال بڑے نہ ہوں۔ پاجامہ ٹخنوں سے اوپر ہو۔ پینٹ اور چوڑی دار پاجامہ پہن کر مدرسہ آنے کی اجازت نہیں۔ کرتے کا کالر بشرٹ کی طرح نہ ہو۔ حفظ کے طلبہ کیلئے سفید ٹوپی ضروری ہے۔
- ✷ یومیہ تعلیمی اطلاع (اسکول ڈائری) میں روز آنہ یا کم از کم ہفتہ میں ایک بار سرپرست کی دستخط ضروری ہے۔
- ✷ گھر پر کرنے کیلئے جو (ہوم ورک) کام دیا جاتا ہے، اس کو گھر پر کرنے کا اہتمام ضروری ہے۔
- ✷ مندرجہ ذیل کتب وغیرہ ہر بچے کے پاس ہونا ضروری ہے۔
- ✷ طلبہ درجہ حفظ کیلئے قرآن شریف مع جزدان، رحل، روزنامچہ تعلیمی اطلاع، اردو کاپی **۲۰۰** صفحہ کی، اردو وَرک بک قلم، پنسل، بیگ۔
- ✷ طلبہ درجہ ناظرہ کیلئے قاعدہ، پارہ مع جزدان، رحل، اردو کاپی ۴ عدد **۲۰۰** صفحہ کی، اردو وَرک بک، انگریزی کی کاپی، کتاب، پنسل، رَبر، قلم تراش، بیگ۔
- ✷ حفظ کے طلبہ کو تعلیم بعد فجر و مغرب میں حاضری ضروری ہے۔ گھر دور ہونے کی صورت میں فجر بعد اور مغرب بعد کم از کم ایک ایک گھنٹہ سبق یاد کرنے کیلئے بٹھائیں اس سے انشاء اللہ بچہ کی تعلیمی ترقی بہتر رہے گی۔
- ✷ رخصت کیلئے تحریری درخواست کا اہتمام فرمائیں، طالبِ علم کے ذریعہ صرف زبانی اطلاع نہ فرمائیں۔ مسلسل دس **۱۰** یوم غیر حاضری یا متفرق طور پر بلا اطلاع بار بار غیر حاضری کی صورت میں نام خارج کیا جاسکتا ہے۔

- تین دن یا اس سے زیادہ کی تعطیل کی صورت میں تحریری اطلاع طالب علم کے حوالہ کی جاتی ہے۔اس کے مطابق تعطیل کے بعد بروقت مدرسہ روانہ فرمائیں۔
- سرپرست کے بیرون ملک یا طویل عرصہ کیلئے مستقر سے باہر رہنے کی صورت میں گھر کے مرد حضرات میں سے کسی کو بحیثیتِ نگران مقرر فرما کر ان کے نام اور فون نمبر سے مطلع کیا جائے تا کہ طالب علم کی نگرانی اور تعلیمی ترقی میں سہولت ہو۔
- نیز اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً مدرسہ سے دی جانے والی ہدایات کی پابندی ضروری ہے تا کہ صحیح تعلیم وتربیت کا حتی الوسع اہتمام ہو سکے۔ان ہدایات کی خلاف ورزی کی صورت میں اوّلاً سرپرست کو تعلیمی اطلاع (اسکول ڈائری) کے ذریعہ باخبر کیا جائے گا۔ بار بار ایسی صورت ہونے پر داخلہ باقی رکھنے سے معذوری ہے۔
- سرپرستوں سے گزارش ہے کہ تعلیمی اطلاع کے آخری صفحات جو طالب علم سے متعلق اطلاعات کیلئے ہیں ملاحظہ فرماتے رہیں۔
- امید کہ آپ حضرات اپنے حسنِ تعاون سے مشکور فرمائیں گے۔

والسلام
ناظمِ مدرسہ

نام طالب علم ....

دستخط سرپرست ....

نام سرپرست ....

فون نمبر ....

باسمہٖ تعالیٰ شانہ

تفصیلاتِ طالبِ علم

نامِ طالبِ علم مع ولدیت ---

پتہ ---

فون نمبر ---------------------- تاریخِ پیدائش/عمر --------------------

نمبر داخلہ ---------------------- تاریخِ داخلہ --------------------

کیا پڑھ کر آئے؟ ---------------------- تاریخِ آغازِ حفظ --------------------

سابقہ تعلیمی کیفیت

از شوال المکرم ســـھ تا رمضان المبارک ســـھ

مدرسہ کتنے دِن چلا؟	کتنے دِن مدرسہ آئے؟	کتنے دِن سبق ہوا؟	سال بھر میں کتنا پڑھا؟	سبق کی تعداد کیا تھی؟

متفرق کیفیت ---

گزشتہ نتیجہ امتحانِ سالانہ

نمبراتِ آموختہ	پارۂ سبق	صحت و تجوید	دینیات	اُردو	جملہ نمبرات	درجہ کامیابی

دستخط مدرس صدر مدرس دستخط سرپرست

روزنامچہ ماہ .... موافق .... نام طالب علم .... درجہ متعلقہ ....

تاریخ	ایام	آموختہ	اغلاط	سامع	پارہ سبق	اغلاط	سامع	سنی نہیں	باقی سنی نہیں	تعلیم بعد عشاء	تعلیم بعد مغرب	دستخط مدرس	دستخط سرپرست	کیفیت
۱														
۲														
۳														
۴														
۵														
۶														
۷														
۸														

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

روزنامچہ ماہ ------------ موافق ------------ نام طالبِ علم ------------------------ درجہ متعلقہ --------------------

تاریخ	ایام	آموختہ	اغلاط	سامع	پارہ سبق	اغلاط	سامع	سبقی	پاؤ سبقی	تہجد بعد فجر	تہجد بعد مغرب	دستخط مدرس	دستخط سرپرست	کیفیت
۱۹														
۲۰														
۲۱														
۲۲														
۲۳														
۲۴														
۲۵														
۲۶														

ماہانہ کیفیت

٣٠	٢٩	٢٨	٢٧

ایام تعلیم	ایام حاضری	کتنے دن سبق ہوا؟	کتنے دن آموختہ ہوا؟	آموختہ کے کتنے دور ہوئے؟	مقدار تعلیم	مقدار سبق

اس ماہ میں کسی پارہ یا منزل کا یا کوئی میعادی امتحان ہوا؟ اور کیا نتیجہ رہا؟ --------

دینیات کتنی یاد ہے؟ --------

اردو کیا پڑھتے ہیں؟ --------

متفرق کیفیت --------

دستخط مدرس -------- دستخط ناظم / صدر مدرس -------- دستخط سرپرست --------

(١)

(١) یومیہ تعلیمی اطلاع، طلبہ شعبۂ حفظ، شائع کردہ مکتبہ احیاء سنت، مدرسہ امداد العلوم، جامع مسجد ٹین پوش لال ٹیکری، حیدرآباد

حفظ کی ابتداء کہاں سے

جہاں تک حفظ کا تعلق ہے تو بندہ کا مشورہ ہے کہ پہلے عم پارہ پھر مسبحات (یعنی جن سورتوں کے شروع میں لفظ "سبح" یا "یسبح" ہے پھر سورہ کہف یاد کروائیں۔

اگر خدانخواستہ مذکورہ سورتیں کوئی لڑکا پختہ یاد نہ کر سکے تو صرف انہیں کو یہ لڑکا بار بار دہراتے اور سناتے رہیں۔

بعض بزرگان دین کا مشورہ ہے کہ اولا سورہ یوسف یاد کروایا جائے، حضرت الاستاذ ومرشد شفیق سے سنا گیا کہ اپنے استاذ ومرشد شفیق شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی کی عادت شریفہ تھی کہ آپ جب کسی طالب علم کو حفظ کا سبق آغاز فرماتے تو سورہ ق سے شروع کراتے تھے اور فرماتے تھے: ''جس کو سورہ ق سے آخر قرآن تک کسی بھی طرح یاد ہو جائے تو امید ہو جاتی ہے کہ پورا قرآن شریف اس کو یاد ہو جائے گا، ان شاء اللہ تعالی، کیوں کہ نماز کے لئے بھی قراءت مسنونہ آخری قرآن میں ہے (مفصلات)۔

۲۲- پہلے سال ۷ پاروں میں سے پانچ پاروں سے کم (چار یا تین) حفظ کرے تو پہلے سال ہی فیصلہ کر دیں کہ طالب علم حفظ کے قابل نہیں ہے، والد یا سرپرست کو بلا کر صورت حال سے آگہی کر دیں، اس صورت میں طالب علم کو فارسی جماعت میں داخل کیا جا سکتا ہے؛ تا کہ وہ حافظ نہ بن سکا تو عالم بن جائے، نیز ابتداء ہی میں فیصلہ کی بناء پر طالب علم کو آگے عربی درجات پڑھنے کا موقع مل جائے گا، بصورت دیگر زیادہ پارے ہونے کے بعد اگر قابل نہ ہونے کا فیصلہ کیا جائے تو طالب علم ہمیشہ کے لئے ناکارہ ہو جائے گا، آگے یاد کئے ہوئے پارے یاد نہیں رکھ سکے گا اور (نعوذ باللہ) بھول جانے کی صورت میں ہم ہی وعید کے مستحق ہوں گے (اللهم احفظنا منه)۔

۲۳- درسگاہ میں چھوٹے بڑے طلبہ کو الگ الگ بٹھائیں، نیز تعلیم کے علاوہ اوقات میں آپسی دوستی سے منع کریں۔

۲۴- کسی بھی طالب علم کے ساتھ اختصاصی معاملہ نہ کریں، سبھی طلبہ کے ساتھ یکساں

برتاؤ رکھیں۔

٢٥- طالب علم سے ذاتی خدمت نہ لیں، نیز کسی بھی طالب علم کی رقم اپنے پاس نہ رکھیں۔

٢٦- مدرسہ کے اوقات میں ہرگز سیل فون نہ رکھیں، نہ بند کر کے نہ خاموش کر کے؛ کیوں کہ اس سے حرج اور ذہنی انتشار رہے گا جو کہ تدریس کے لئے نقصاندہ ہے۔

٢٧- باوضو رہنے کی عادت ڈالیں بالخصوص درسی اوقات میں باوضو ہی رہیں، بعض اساتذہ کو دیکھا گیا کہ درسگاہ میں بے وضو رہتے ہیں اور طالب علم سے قرآن مجید کے اوراق الٹواتے ہیں، یہ بہت نازیبا حرکت ہے، قرآن مجید کی بے ادبی ہے، نیز طلبہ پر اس کا برا اثر پڑے گا۔

٢٨- قرآن مجید کے ساتھ جزدان اور رحل کا التزام کرائیں، بغیر جزدان کے قرآن مجید نہ رکھنے دیں، جزدان کے میلا ہوجانے پر دھلوائیں، اسی طرح رحل کے علاوہ دوسری تپائیوں سے احتراز کرائیں۔

٢٩- قرآن مجید کو جلد کرا کر اس پر بھی کاغذ چڑھانے کا پابند بنائیں، نیز قرآن مجید کے اندر دیگر کاغذات کے رکھنے اور سرورق کے علاوہ کہیں اور جگہ اپنا نام لکھنے سے منع کریں۔

٣٠- طلبہ کو صاف ستھرے کپڑے پہننے کی تاکید کریں کہ کلام اللہ کے پڑھنے والے طلبہ ہیں۔(١)

دور

١- جب طالب علم حفظ مکمل کرے تو فوری دور شروع کر دیا جائے، ختم پر ایک رکوع پاؤ پاؤ پارہ باقی نہ رکھا جائے، کیوں کہ اتنا حصہ ہمیشہ ہی کچا رہ جاتا ہے۔

٢- یاد رہے کہ طالب علم کی اب تک کی محنت کے برابر اب دور کی محنت ہے، عام طور پر حفظ ختم ہوتے ہی طالب علم اور استاذ میں لاپرواہی آجاتی ہے، جو کہ نقصان عظیم ہے۔

(١) حفظ قرآن مجید کے رہنما اصول، مؤلف مفتی سبیل احمد صاحب: ١٩ تا ٣٣

۳- دور میں طالب علم اور استاذ ہرگز غفلت نہ برتیں، کہ ذرا سی بھی غفلت پر ہمیشہ کا نقصان ہوجائے گا۔

۴- کوشش کرکے چوتھے سال عیدالاضحیٰ کی تعطیل تک حفظ ختم کرادیں اور بعد عیدالاضحیٰ تا رجب لازما (۱۵) اور زیادہ سے زیادہ جتنا ہوسکے دور کرایا جائے، نیز پندرہ سے زائد دور کرنے پر گرانقدر انعام دیا جائے (انعام کی اطلاع پہلے دے دی جائے)۔

۵- دور اس ترتیب پر کرایا جائے تو انشاء اللہ قرآن مجید پختہ اور پکا ہوجائے گا، پہلا دور یومیہ دو پارے (صبح میں ایک، دوپہر میں ایک پارہ) دوسرا دور یومیہ تین پارے (صبح میں دو، دوپہر میں ایک پارہ) تیسرا دور یومیہ چار پارے (صبح میں ڈھائی، دوپہر میں ڈیڑھ پارے) چوتھا دور سے بارہواں دور تک ہمیشہ یومیہ پانچ پارے اس طور پر کہ سنیچر (ہفتہ) سے شروع ہوکر جمعرات کو دور مکمل ہوجائے (صبح میں تین دوپہر میں دو پارے) تیرہواں اور چودھواں دور یومیہ دس پارے (صبح میں سات، دوپہر میں دو پارے) پندرھواں دور یومیہ پندرہ پارے (صبح میں دس، دوپہر میں پانچ پارے) سنے جائیں، اسکے بعد سولہواں دور مکمل قرآن مجید ایک نشست میں سنا جائے گا۔

۶- دور مکمل توجہ کے ساتھ سنا جائے، دورانِ حفظ جو کوئی کسی بھی طرح کی غلطی رہ گئی ہو اس کو اب ٹھیک کردیا جائے۔

۷- آخری سال ۲۵ رجب المرجب کو دور سننا بند کردیا جائے اور پانچ دن طالب علم کو تیاری کے لئے موقعہ دے کر یکم شعبان المعظم کو مکمل قرآن مجید ایک نشست میں مسلسل سنا جائے، اس طور پر کہ بعد فجر بالفور شروع کردیا جائے، ناشتہ اور ضروریات کے لئے ایک گھنٹہ کا وقفہ کیا جائے، پھر سننا شروع کردیں، ۱۲ تا ۱ بجے کھانا، ضروریات اور نماز کے لئے وقفہ کیا جائے، پھر سنا جائے، نماز عصر کے لئے آدھے گھنٹے کا وقفہ کیا جائے، پھر سنا جائے، مغرب سے قبل انشاء اللہ تعالی مکمل

ہوجائے گا، اگر باقی رہ جائے تو بعد مغرب سن لیا جائے "ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء، واللہ ذوالفضل العظیم"۔

۸- ایک نشست میں سنانے والے طلبہ کو گرانقدر انعام دیا جائے (بہتر ہے اس انعام میں کتب درسیات اور اکابر کے مواعظ وخطبات دئے جائیں)۔

۹- پندرہ دور سے اگر زائد کا موقعہ ہو تو یومیہ پانچ پاروں کی ترتیب پر اسی طرح دور کرائیں کہ سنیچر سے شروع ہو جمعرات میں ختم ہوجائے۔

۱۰- دور کے درمیان میں طالب علم کو جملہ متشابہات کی نشاندہی کردی جائے، سنانے کے دوران متشابہ آیت پر روک کر اس طرح کی آیات معلوم کریں، وہ خود بتائے تاخیر پر استاذ بتائیں۔

۱۱- حفظ ختم ہوکر جیسے ہی دور شروع ہو اس طالب علم کو کسی دوسرے طالب علم کا سننے کے لئے نہ کہا جائے، عام طور پر طالب علم کو دوسرے طلبہ کا آموختہ سننے میں لگا دیا جاتا ہے، اور وہ خود یاد نہیں کر پاتا ہے، حالانکہ یہ وقت اس کے لئے بہت اہم ہے کہ زیادہ پارے سنا کر زیادہ سے زیادہ دور کرنا ہے۔

۱۲- دور میں محض گنتی مقصود نہیں ہے، اصل تو پختگی ہے، دور سنتے ہوئے اس مقصد کو مدنظر رکھا جائے کہ ہر آگے کے دور میں پچھلے دور کے مقابلہ میں پختگی آئی یا نہیں؟۔

۱۳- دس دور مکمل ہوجانے کے بعد ہر دن بعد عشاء دو رکعت نفل میں ایک پارہ بالجہر پڑھنے کا معمول بنایا جائے، کم از کم اس طرح نوافل میں تین دور کا اہتمام کرائیں، اس کے علاوہ پنج وقتہ نمازوں سے قبل وبعد کے سنن ونوافل میں تسلسلا پڑھنے کا پابند بنائیں۔

۱۴- محض تعداد میں اضافہ یا جوابدہی سے بچاؤ یا جلسہ کرانے کی خاطر طالب علم کو ہرگز حافظ نہ بنائیں، بلکہ خالصۃ لوجہ عند اللہ مسئولیت کو مدنظر رکھتے ہوئے جید حافظ بنائیں جو حفظ اور تجوید دونوں اعتبار سے عمدہ ہو۔

۱۵- حفظ اور تجوید، اخلاق وعادات کے اعتبار سے مکمل اطمینان ہوجانے پر ہی سند دی جائے۔

۱۶- دورانِ تعلیم اور بعدِ فراغت ہمیشہ اپنے حفظ کئے ہوئے قرآن مجید میں ہی پڑھنے کو کہا جائے۔

۱۷- سند دیئے جانے سے قبل حفاظ کرام کو مسائل امامت وتراویح نیز تراویح سے متعلق اکابر کا مسلک (بلا اجرت تراویح کا سنانا، دورانِ تراویح سوائے مصارفِ سفر کے دیگر ہدایا لینے سے گریز کرنا) اچھی طرح سمجھا دیا جائے۔(۱)

استاذ تحفیظ القرآن کی خدمت میں چند گذارشات

۱- درجہ حفظ میں داخل ہونے والے طالب علم کی عمر اگر دس سال سے متجاوز نظر آئے تو اس کے لئے شرط یہ رکھیں کہ اس کا دینیات کا علم یعنی صباحی مکتب کی تعلیم مکمل ہو۔

نیز طالب علم کے سرپرست ساتھ ہوں، بغیر سرپرست کے کسی لڑکے کو داخل نہ کریں، ناظرہ قرآن کا امتحان لینے کے ساتھ ساتھ دینیات کے متعلق بھی سوالات کریں جو لڑکا ان تمام چیزوں میں بفضلہٖ تعالی کامیاب نظر آئے تو اس کو درجہ حفظ میں داخل کریں اورسرپرست کو کہا جائے کہ اس کی قوت حافظہ معلوم کرنے کے لئے سال کے آخر تک انتظار کریں (اس لئے مبتدی لڑکوں کو پہلا مرحلہ میں صرف ایک سال کے لئے مدرسہ میں رکھنا ثابت ہوا) اور اسکی کامیابی کے لئے اس کے متعلقین ہر وقت دعا مانگیں اگر خدانخواستہ کسی لڑکے کا ناظرہ باتجوید اور پختہ نہ ہوتو آپ اس پر محنت کریں اور ناظرہ پختہ کرائیں، پھر حفظ شروع کرائیں، اگرآپ سے یہ کام ممکن نہ ہوتو کسی دوسری مناسب جگہ کی رہنمائی کردیں۔

اگرکوئی طالب علم دوسری جگہ سے قرآن مجید کا بعض حصہ یا مکمل قرآن مجید کا حفظ ختم کرکے دوبارہ آپ کے یہاں پڑھنے کی خواہش ظاہر کرے تو اس کی بھی خوب اچھی طرح جانچ پڑتال کریں کہ حروف وغیرہ کی ادائیگی اور ذہانت کس طرح ہے اگر وہ بفضلہٖ تعالی ان

(۱) حفظ قرآن مجید کے رہنما اصول: ۳۱-۳۴، وانمباڑی

سب میں کامیاب نظر آئے تو اس کو آپ کے مدرسہ میں داخل کریں تلفظ میں قدرے خامی ہو تو آپ اس پر محنت کر کے خامی کو دور کرائیں۔

اگر یہ لڑکا خدانخواستہ آپ کے جانچ میں ہر طرف سے کمزور و نا قابل ثابت ہو تو اس کو درجہ حفظ میں داخل نہ کریں؛ بلکہ مشورہ دیں کہ صحیح پڑھنے پر محنت اور کوشش کرے اور دیگر علوم دین سیکھنے میں لگ جائے جو بہت ضروری ہے، نیز حفظ کرنے کا ارادہ اور کوشش نہ چھوڑے۔

۲- داخلہ کا کام تمام ہونے کے بعد تمام طلبہ کو یکجا کر کے حفظ قرآن کی فضیلت اور غرض بتائیں؛ تاکہ بخوشی ورغبت حفظ کرنے اور محنت کرنے پر کمر بستہ ہوں۔
اور ساتھ ہی کچھ نصیحت بھی کریں کہ

☆ اللہ رب العزت کا کلام یاد کرنے کا مطلب اس کو اپنے سینے میں محفوظ کرنا ہے تو جس طرح کلام اللہ تعالی ہر قسم کے عیوب سے پاک ہے اسی طرح اسے محفوظ رکھنے کی جگہ یعنی اپنے سینے کو بھی پاک رکھیں اور ہر قسم کے گناہ سرزد ہونے سے باز رہیں۔

☆ اور حفظ قرآن سے صرف اور صرف رضائے الٰہی اور انعامات ربانی ہی کو مقصود اصلی بنائیں؛ کیوں کہ مقصود زندگی ہی رضائے الٰہی ہے، قوت حافظہ کے لئے دعا کرتے رہیں۔ (قبولیت دعا کے اوقات مخصوصہ ان کو بتائیں)۔

☆ دعا اور تلاوت قرآن شریف کے شروع میں اور آخر میں درود شریف تین تین مرتبہ پڑھنے کی ترغیب دیں۔

☆ قرآن، کتاب پر کوئی دوسری چیز نہ رکھیں۔

☆ رحل تکیہ وغیرہ کسی اونچی چیز (سینہ کے مقابل) پر قرآن مجید رکھ کر باوضو حتی المقدور روبقبلہ ہو کر بیٹھیں۔

☆ جس تپائی پر قرآن رکھ کر پڑھی جاتی ہے اس پر نہ بیٹھیں اور نہ چڑھیں۔

☆ قرآن مجید جزدان سے لپیٹ کر رکھیں۔

☆ بوقت تلاوت دل میں یہ خیال رکھیں کہ میرے خالق کا کلام پاک تلاوت کررہاہوں اور وہ سن رہے ہیں (فکر وغم کے ساتھ روتے ہوئے تلاوت میں مشغول رہیں اور عاجزی وانکساری کے ساتھ تلاوت کرنی چاہئے، یہی اصل طریقہ ہے تلاوت کا)۔

☆ اس کے ورق موڑتے وقت دائیں ہاتھ سے آہستہ آہستہ ڈرتے ہوئے باادب موڑیں۔

☆ حسن صوت سے پڑھنے کی کوشش کریں اور گانے کی آواز پیدا ہونے سے پرہیز کریں (حسن صوت کی شرعی تعریف بتادی جائے)۔

☆ قرآن مجید کے ساتھ ایسا تعلق اور لگن ہو کہ اس کے برابر کسی اور سے نہ ہو۔

☆ تلاوت کے شروع میں تعوذ، تسمیہ قاعدے کے مطابق پڑھیں (قاعدہ معلوم نہ ہوتو سکھلا دیا جائے) دوران تلاوت دنیوی بات چیت وغیرہ کے بغیر تعوذ نہ پڑھیں، یہ بات خوب یاد رکھیں۔

☆ وضو غسل اور تیمم صحیح ڈھنگ سے طلبہ کو واضح کر کے بتلادیں اور عملا دکھلا دیں کہ اکثر بچے ڈھنگ سے ناواقف ہوتے ہیں، نیز وضع قطع کس طرح ہونی چاہئے، تعلیمی مدت کس طرح گذارنی چاہئے۔

۳- اب مبتدی لڑکے کو اولا سورہ یس، دخان، الم سجدہ اور سورہ کہف اور سورہ ملک یہ چار سورتیں یاد کروائیں، یاد ہو جانے پر ان سورتوں سے چار رکعت نماز بنیت نفل شب جمعہ کو (برائے حفظ) سات ہفتہ تک پڑھنے کی ترغیب دیں، نماز کے بعد خاص دعا کریں جو حصن حصین وغیرہ ادعیہ ماثورہ کی بعض کتابوں میں بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ مذکور ہے (اذکار مسنونہ مرتبہ محی السنہؒ میں بھی ہے)۔

اعمال قرآنی میں حضرت اشرف علی تھانویؒ نے سورہ مدثر کی خاصیت کے بارے میں بتایا ’’اس کو پڑھ کر قرآن حفظ کرنے کی دعا کرے، ان شاء اللہ حفظ آسان ہوگا۔

کتنی مدت میں حفظ ہو؟

یہ ذہانت اور محنت پر دارومدار ہے، اس کی مقدار کی کوئی حد اگرچہ متعین نہیں؛ تاہم بہت سارے طلبہ کا چار سال میں حفظ کرنا مشاہد ہے۔

کس عمر میں حفظ ہو؟

سن بلوغیت سے پہلے پہلے یعنی بچوں کی عمر تیرہ چودہ سال تک پہنچنے پر حفظ ختم ہوجانا مناسب بلکہ ضروری ہے، اس لئے کہ ایک تو اس وقت ان کی ذہانت عموماً تیز ہوتی ہے جس بناء پر یاد کرنا آسان ہوجاتا ہے، دوسری بات کہ بلوغیت شروع ہوجانے سے شریعت کا مکلف ہونا بھی شروع ہوجاتا ہے، احکام شرع پر عمل ضروری ہوجاتا ہے اور عمل بغیر علم کے محال ہے؛ لہٰذا اس وقت سے وہ احکام شرع سیکھنے پر وہ لازماً مجبور ہے۔

سبق روزآنہ کتنا یاد کرے؟

ذہن سبھوں کا ایک جیسا نہیں ہوتا، کسی کو بہت رٹنے سے سبق یاد ہوجاتا ہے اور کسی کو بہت زیادہ یعنی ساٹھ، ستر، اسی مرتبہ رٹنے کے بعد یاد ہوتا ہے، میں کہتا ہوں اور گھڑی سے ملا کر بتاتا ہوں کہ اگر کسی کو سو مرتبہ یا اس سے بھی کچھ زیادہ رٹنے کی ضرورت ہو تو بھی مغرب کے بعد سے سونے کے وقت حافظی والا قرآن مجید کا ایک صفحہ آرام سے رٹ سکتا ہے، اگر ارادہ اور فکر ہو، رہ گئی یاد ہونے کی بات تو رات میں اگر یاد نہ بھی ہو تو کوئی فکر نہیں، آخیر رات یا صبح کو جب پڑھنے بیٹھے گا تو اس وقت انشاء اللہ یاد ہوجائے گا۔ بہرحال حسب طاقت یاد کرے، پورے کوشش کرے؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”خذوا من العمل ما تطیقون“ (بقدر طاقت اعمال کا بوجھ لو اور اس کو مداومت کے ساتھ کرو“ (۱)

سورتوں کا شروع کرنا

کسی سورت کو شروع کرتے وقت سورہ کا نام مکی، مدنی وغیرہ کی تفصیلات کو بتاتے

(۱) مسلم حدیث: ۲۷۲۳

ہوئے تسمیہ سے سورت شروع کریں؛ اس لئے کہ سبق رٹتے وقت ان کی تفصیل سمیت یاد کریں؛ تاکہ سورتوں کے اسماءوغیرہ صحیح طور پر یاد ہوں، جو بہت مفید شیءہے۔

اگلے سبق کا ناظرہ سننا

تازہ سبق یعنی جس سبق کو زبانی یاد کر کے آئندہ کل سنانا ہے پہلے اس کا ناظرہ سنائیں یعنی قرآن مجید دیکھ کر استاذ کے سامنے پڑھیں؛ اس لئے لازما اس سبق کو پہلے خوب رٹ لیں، اس قدر رٹیں کہ دیکھ کر بلا مشقت تدویرا پڑھ سکیں، کسی لفظ وغیرہ کو دہرانے کی ضرورت نہ پڑے، اگر کوئی طالب علم پہلی بار غلط پڑھ کر پھر صحیح پڑھ لے تو اسے بھی غلطی میں شمار کر کے اس کو خوب رٹنے کی تلقین کریں، نیز رٹتے وقت خوب گہری نظر سے حروف وغیرہ کو دیکھے اور خوب دھیرے دھیرے پڑھے جلد بازی نہ کرے، اگر ضرورت پڑے تو ناظرہ سبق کو پہلی مرتبہ ہجے کر کے پڑھے، ہجے کرنے کا طریقہ آپ بتادیں کہ ہر حرف کو توڑنے یعنی الگ الگ پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کو فی الفور جوڑتے ہوئے لفظ اور آیت پورا کرے۔

ناظرہ سبق سناتے وقت کسی بھی قسم کی غلطی کرے تو خوب ٹوکا جائے (کم سن بچے یعنی جو تجوید سے ناواقف ہیں ان کی صرف لحن جلی پر ٹوکا جائے) جیسے زا کو سین پڑھ دیا یا دال کو تا کے مشابہ پڑھ دیا ظا کو زا یا ذال پڑھ دیا یا حرف مستعلیہ کو پر پڑھنے کے بجائے باریک ادا کیا، یا پر حرف ادا کرتے وقت ہونٹ ہلا کر واو پیدا کر دیا، یا پر حرف کے ماقبل یا ما بعد یا دونوں جگہ ایک ایک واؤ بڑھا دیا جیسے الرحمن کو والرحمن کہا یا حرف ساکن کو ہلا کر متحرک یا مشدد بنا دیا حالت وقف میں ہا یا ہمزہ پیدا کر دیا۔

اسی طرح حرکت، ساکن وغیرہ کی ادائیگی میں غلطی کرے، یا غنہ، مد، قلقلہ وغیرہ صفات کو صحت کے ساتھ ادا نہ کرے تو معلم صاحب اسی وقت ان غلطیوں کو صحیح کر کے کم سے کم پانچ مرتبہ رٹائیں صرف غلطی پکڑنے پر اکتفاء نہ کریں، مشکل لفظوں کو اس سے بھی زیادہ رٹائیں، بہتر ہے استاذ خود چند مرتبہ کم فہم بچوں کو رٹ کر سنائیں اور ساتھ ہی غلط شدہ جگہ پنسل

سے نشان لگوائیں اور درس سے فارغ ہوتے ہی اولاً غلطی کو خوب رٹ کر درست کرنے کی تلقین کریں۔

طلبہ کو آگاہ کریں کہ اللہ جل جلالہ کا کلام پاک پڑھتے وقت زبان سے جیسے تیسے نہ نکالیں (زبان کو پڑھنے کے تابع نہ بنائیں؛ بلکہ پڑھنے کو زبان کے تابع بنائیں) ہر حرف صاف صاف نکالیں جب ناظرہ رٹیں گے تو خوب گہری نظر سے حروف، حرکات وغیرہ کو دیکھتے ہوئے اور سوچتے ہوئے خوب دھیرے دھیرے پڑھیں کہ اس کا تلفظ کیسا ہے، پڑھنے کا طریقہ کیا ہے، اس میں کیا قاعدہ ہے، نیز علامت وقف ووصل کہاں کہاں ہیں، کس شکل کے ہیں، رسم الخط بھی اچھی طرح دیکھیں جسے، "اَدْرٰكَ" یہاں کاف سے پہلے ایک دانت کی طرح ہوتا ہے، ایسا ہی "مُزْجٰةٍ" "أَلْقٰهُ" بے شمار الفاظ اس طرح کے ہیں، اور صیغہ تثنیہ وجمع کا املاء صیغہ واحد سے حتی المقدور فرق کر کے یاد کریں، ان میں التباس نہ کریں جیسے "ذَاقَا الشَّجَرَةَ" "لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ" علامت مدات کا فرق بھی معلوم کریں یعنی کھڑا زبر والا مد کہاں کہاں ہیں اور الفی مد کہاں کہاں ہیں جیسے "مٰلِكِ" اور "قَالَ" ہر حرف زبان پر لاتے وقت یعنی پڑھتے وقت اپنے کان سے سنیں کہ زبان تو غلطی نہیں کر رہی ہے، خلاصہ بات یہ ہے کہ پڑھتے وقت آنکھ، زبان اور کان یہ تین چیزیں استعمال کرنا ضروری ہے، یہ بات طلبہ کو سمجھائیں۔

ناظرہ رٹتے اور استاذ کو سناتے وقت ہر آیت اور علامت وقف پر ٹھہریں، پھر لفظ موقوف وغیرہ سے متصلاً اعادہ کر کے مابعد کی عبارت سے وصل کریں صرف سکون والی پر جس کو وصل کرنے سے بھی اپنی حالت پر رہتا ہے) وقف کر کے آگے سے شروع کریں، جسے "كِتٰبَهُ"، "بَعْدِیْ"، "كَفَرُوْا" وغیرہ۔

وصل اس لئے کریں کہ آیتوں اور عبارتوں کے آخری حرف پر کس قسم کی حرکت وغیرہ ہے، اس کو طلبہ معلوم کریں اور یاد رکھیں چونکہ یہ سب چیز ایک حافظ کے لئے جاننا ضروری ہے، نیز تا کہ وصلاً پڑھتے وقت حرکت وغیرہ ظاہر کر کے پڑھنے میں کوئی دشواری نہ

ہو اور حالت وقف میں بھی ذہن میں رہے، طلبہ کو پہلے سمجھا یا جائے کہ وقفا اور وصلا دونوں طرح قرآن مجید پڑھا جاتا ہے، اس لئے دونوں کا طریقہ سیکھنا چاہئے۔

پڑھائی یاد رکھنے کی تدبیر

☆ طالب علم یومیہ جب جب پڑھنے بیٹھے اتنی ہی بار اولا تازہ سبق سے متصلا آدھا پارہ یا کم از کم پاؤ پارہ ماقبل سے شروع کر کے آج کا تازہ سبق تک تلاوت کرنا لازم کرلے پھر سبق یا آموختہ اس وقت جو پڑھنا مقصود ہو پڑھے، اس کو معمول بنالے، استاذ حتی الامکان ان کے لئے دیکھ بھال رکھیں۔

اسی طرح آموختہ روز آنہ دس پارے یا کم از کم پانچ پارے تلاوت کرنے کا اپنا معمول بنالے یہ بالترتیب کر کے یعنی آج ایک پانچ پارے تو کل دوسرے پانچ پارے جس لڑکے کی پڑھائی اس مقدار سے کم ہے اس کو تو آموختہ یاد رکھنے کا سنہرا موقع ہے، وہ بے حساب دہراتا اور گردانتا رہے۔

مبتدی بچوں کو شروع سے گردان پر زور دیا جائے؛ تاکہ اس کا عادی بن جائے اور آموختے کا یاد رکھنا ان کے لئے آسان ہوجائے۔

☆ زبانی سبق یاد کرتے وقت ناظرہ سبق کی طرح ہر آیت کے ختم پر وقف، وصل دونوں طریقوں سے رٹیں جیسے کسی کو ایک عبارت پچاس مرتبہ رٹنے سے یاد ہوتی ہے، تو پچیس دفعہ اس کے آخری حرف پر وقف کرے اور پچیس دفعہ اس کی حرکت وغیرہ ظاہر کرے لمبی آیتیں رٹتے وقت ایک سانس سے پڑھنا دشوار ہونے کے باعث بیچ میں طالب علم جہاں جہاں ٹھہرے گا وہاں متحرک کی جگہ حرکت ظاہر کرے (وقف کے قاعدے کے مطابق ساکن نہ کرے) تاکہ دوران تلاوت آیت کے بیچ میں ٹھہرنے کی عادت نہ بنے اور متحرک کو ساکن کرنا بھی نہ پڑے۔

اسباق کیسے سنائیں؟

طلبہ زبانی سبق سناتے وقت حتی الامکان کھڑے ہو کر پڑھیں اور اپنا بدن بالکل

سیدھا رکھیں، اِدھر اُدھر نہ ہلائیں (جس طرح نماز میں کھڑے ہونے کا حکم ہے) تاکہ عادت بگڑ کر نماز میں بدن نہ ہلانے لگیں جس سے نماز میں خرابی آجائے اور نظر نیچی رکھیں۔

رفتار: اس وقت ترتیل کی رفتار پر پڑھیں اور قوی اور ضعیف ہر نشان پر وقف کریں؛ تاکہ ناظرہ سبق (جیسے آئندہ کل زبانی سنانا ہے) تدویر کی رفتار پر پڑھیں اور اس میں بھی ہر نشان پر ٹھہریں؛ لیکن (تعلما) اعادہ کریں، پھر سبق سے متصل آدھا پارہ قبل سے سبق تک (تدویرا) سنائے یا تو پہلے ماقبل والا آدھا پارہ سن لیں، پھر آج کا تازہ سبق وغیرہ سنیں، اگر اتفاقاً تنگئ وقت کی بناء پر ماقبل پڑھا ہوا اس وقت نہ سن سکیں تو کم از کم گذشتہ کل کا سبق ضرور سن لیں؛ تاکہ اس سبق میں کوئی غلطی رہ جائے تو اس کو طالب علم درست کرلے۔

اسباق سننے کے بعد دو تین سوالات آموختہ سے ضرور کریں اور جہاں تک انداز سوال کا تعلق ہے تو کبھی دو تین جگہوں سے پوچھیں اور کبھی ایک ہی جگہ سے دو تین رکوع یا اس سے بھی زیادہ پڑھوائیں، اس وقت کہیں غلطی کرے تو فوراً اس جگہ پنسل سے نشان لگوائیں، طالب علم کا خود نشان لگانا زیادہ مفید سمجھا جاتا ہے اور اسی وقت پانچ چھ مرتبہ صحیح کر کے رٹا کر آگے سنیں صرف غلطی پکڑنے پر اکتفاء نہ کریں، ان سب کے علاوہ آموختہ سننے میں کمی نہ کریں، لفظی غلطی کرنے یا کسی لفظ وغیرہ کو چھوڑ کے پڑھنے پر قرآن مجید کھول کر دیکھنے کے لئے طالب علم کو بتایا جائے اور صحیح کر کے چند مرتبہ رٹایا جائے، ضرورت ہو تو لفظی غلطی میں ہجے بھی کروائیں۔

لفظی غلطی

یہ کیسی بری چیز ہے اور کتنے پریشان کن وندامت کا باعث بنتی ہے، اس بارے میں غالباً تمام حفاظ کرام بخوبی واقف ہوں گے ہی، اگر کسی کو اس کی عادت پڑ جائے تو بہت بڑی مصیبت ہے، اس کو درست کرنے کے لئے کافی محنت اور وقت کی ضرورت ہے، صرف دس بیس بار رٹ لینے سے اس کی اصلاح عموماً مشکل ہے، کم سے کم دس گنا رٹنے کا اپنے کو مکلف بنائے مثلاً کسی طالب علم کو ایک عبارت پچاس مرتبہ رٹنے سے یاد ہوتی ہے تو صرف ایک لفظی غلطی کو ۱۰*۵۰= ۵۰۰ (پانچ سو) مرتبہ رٹنا ہوگا، لہٰذا اس مصیبت اور پریشانی میں مبتلا

ہونے سے پہلے ہی طالب علم نجات کی راہ اختیار کرلے یعنی کچھ محنت کرلے اور ناظرہ سبق رٹتے وقت ایک ایک حرف، حرکت وغیرہ کو اس طرح دیکھ کر پڑھے جس طرح کوئی انتہائی باریک کھوئی چیز (جیسے بال) کی تلاش ہورہی ہے۔

غلط شدہ الفاظ کیسے رٹیں؟

غلطی تین قسم کی ہیں، ایک یاد کی غلطی، ایک لفظ کی غلطی اور ایک تلفظ اور ادائیگی کی، یاد کی غلطی کرے مثلا ایک دو کلمہ چھوڑ دے یا لفظی غلطی کرے یعنی رٹتے وقت غلط رٹے تو اسکے آگے پیچھے کا ایک دو کلمہ ملا کر رٹے، اگر آیت چھوڑ دے تو آگے پیچھے کی آیت ملا کر رٹے اور ادائیگی میں غلطی کرے تو صرف اسی لفظ کو رٹے، اگر کسی طالب علم کی زبان میں دقت محسوس ہو جس کی بناء پر صحیح تلفظ نہ کر پاتا ہو تو اس لفظ کو رٹتے وقت دو حصہ کرلے اور بیچ میں کچھ وقفہ کر کے ادا کرے جیسے ''دُنیا'' کا نون ساکن پر زیر دے کر ''دُنِیا'' پڑھا تو نون ساکن پر وقف کرنے کے لئے کہا جائے بعد میں ''یا'' ادا کرے اس وقت آپ رٹ کر دکھلا بھی دیں۔

واضح ہو کہ کسی غلط لفظ، آیت اور سبق رٹنے کی تعداد یاد رکھنے کے لئے تسبیح استعمال کرائیں۔

- ناظرہ سبق پر مشق کرنے کے باوجود اگر زبانی سناتے وقت کہیں غلطی پڑے تو ان غلطیوں کو طریقہ کے مطابق رٹنے اور سدھارنے کے بعد آگے کا سبق شروع کرنے کی اجازت دیں ورنہ نہیں۔

البتہ جو طالب علم سمجھدار ہو اور اس سے ایک آدھ غلطی صادر ہو جائے تو غلطی کی جگہ نشان دلوا کر اور کچھ رٹا کر آگے سن سکتے ہیں، ساتھ ہی ہدایت کردیں کہ درس سے فارغ ہوتے ہی غلطی کی اصلاح کر کے پھر سنائے۔

اسی طرح چوکنا ہو کر طلبہ کی ہر ہر غلطی پر ٹوکتے اور پکڑتے رہنے اور ان کے ساتھ محنت جاری رکھنے سے ان شاء اللہ تعالی چند دنوں میں بچے قرآن مجید صحیح پڑھنے لگیں گے اور یاد بھی پختہ ہوگا۔

۞ متشابہات کے مقامات کے بارے میں اکثر پوچھا کریں کہ اس قسم کی آیت اور کہاں کہاں ہے نشاندہی کرو؟ نیز ان کے مابین کیا فرق ہے اس کی وضاحت کرے۔

۞ اگر غنہ اور مد بالکل چھوڑ دینے کی عادت کسی طالب علم کو ہو تو اس کی اصلاح کے لئے رٹتے وقت سیکھنے کی غرض سے خوب کھینچے؛ تاکہ اس کی وجہ سے اس طرح متوجہ ہو کر جلد اور آسانی سے درست ہونے کی مدد ملے۔

تنبیہ: غنہ کی مقدار چونکہ اس کے سارے اقسام میں ایک ایک الف ہے؛ لہٰذا ایک الف سے زائد کھینچنے پر ٹوکیں۔

۞ قواعد تجوید کے بارے میں اسباق سننے کے ساتھ ساتھ یا دوسرے اوقات میں پوچھا کریں اور طلبہ سے آپس میں اس کی تکرار مع سوال وجواب جاری رکھوائیں، تکرار میں زیادہ فائدہ ہے بنسبت تنہا پڑھنے کے، اس کو اپنا کر دیکھیں۔

۞ قرآن مجید صاف صاف پڑھنے پر زور دیا جائے، تمام حروف، حرکات، سکنات وغیرہ کو خوب اچھی طرح ادا کریں، خصوصا حرف ساکن کو ادا کرتے وقت اس کو ہلا کر متحرکہ نہ بنائیں بالخصوص لام اور میم ساکن کے بعد ہمزہ یا واؤ وغیرہ کے آنے سے ہر ایک کو جدا جدا ادا کریں اور ہمزہ متحرکہ ادا کرتے وقت اس کو واؤ اور یا وغیرہ سے بدل جانے سے بچائیں، جیسے ''وَإِذَا'' کو'' وَيذَا'' ''لِيُرَوْا'' کو''لِوُرَوْ'' پڑھ دیا، حالت وقف میں جہاں حرف مشدد ہو وہاں تشدید کو خوب ظاہر کریں صرف سکون پر بس نہ کریں، لفظ'' أعجمی '' (سورہ حم) کے دوسرے ہمزہ میں تسہیل کریں یعنی ذرا آسانی اور نرمی سے ادا کریں''قرء حفص بتسهيل الهمزة الثانية''۔

طلبہ حفظ کے لئے مدوں کی مقدار

طلبہ کی تعداد اور ان کی زبانی سبق کی مقدار کا لحاظ کرتے ہوئے چند مقدار والے مدوں کو کون طالب علم کتنا دراز کرے یہ بات استاذ تعین کر دینا اچھا سمجھا جاتا ہے (ناظرہ اور آموختہ میں بنسبت تازہ سبق کے کم رکھیں) جیسے ایک صفحہ سنانے والا طالب علم زبانی تازہ

سبق سناتے وقت مدمتصل میں چار الف، مدلازم میں پانچ الف، مدمنفصل اور مدعارض میں تین الف، مدلین عارض میں بہرصورت ہر ایک کے لئے ایک الف، ناظرہ اور آموختہ سناتے وقت مدمتصل اور مدلازم میں تین تین الف، مدمنفصل اور مدعارض میں دو دو الف۔

طلبہ کے لئے آپس میں تازہ سبق کا سننا، سنانا قطعاً ممنوع رکھیں، یہ ان کے لئے تجربہ سے مضر ثابت ہوا؛ البتہ سامع ایسا کوئی خاص، باصلاحیت لڑکا ہو نیز جس پر استاذ کو اعتماد واطمینان ہو اور نیز سامع اس قاری سے زیادہ پڑھا ہوا ہو تو ان شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی جاسکتی ہے ورنہ نہیں اور آموختے کو دو دو فرد مل کر (دونوں ہر پہلو میں موافق ہوں) دور کرنے کے لئے تاکید کریں۔

طلبہ کو اس کا بھی مکلف بنائیں کہ ہر طالب علم روزآنہ عشاء کے بعد یا اخیر رات کو دو رکعت نماز بنیت نفل فرداً فرداً پڑھیں اور اس میں کم سے کم آدھا پارہ قرآن شریف کا بالترتیب پڑھیں۔

۲۷- **قرآن مجید یاد رکھنے کی ایک آسان صورت**

طلبہ کو یہ بتائیں اور ہمیشہ تاکید کریں کہ ہر وقت (پاکی کی حالات میں) تلاوت جاری رکھیں چلتے پھرتے سفر وحضر میں خصوصاً انفرادی نماز میں قرآن مجید پڑھنا لازم کرلیں، انشاء اللہ اسکا فائدہ ضرور محسوس ہوگا۔

۲۸- امتحان کا وقت قریب آنے پر زبانی سبق کا سلسلہ بالکلیہ بند نہ کیا جائے؛ البتہ صرف چند دنوں کے لئے طلبہ کے لئے اختیار دے سکتے ہیں کہ جو چاہے سبق سنائے؛ تاکہ جو طالب علم اپنے امتحان کی تیاری کے ساتھ ساتھ سبق کا سلسلہ جاری رکھ سکے وہ جاری رکھے اس کا حرج نہ ہو، ورنہ اس جیسے طالب علم کے سبق کی حق تلفی سمجھی جاتی ہے اور اس کا وقت بھی برباد ہوجاتا ہے۔

حقیقی طالب علمی

طالب علم حقیقتاً تو وہ ہے جس دن سے علم حاصل کرنا اور حفظ کرنا شروع کیا، اسی دن سے اس کا ضبط کرنا اور محنت کرنا بھی شروع کردے گا؛ تاکہ جب بھی اس سے امتحان لیا جائے

تو فٹافٹ اس کا جواب دے سکے، البتہ ذہانت کی بات الگ ہے اگر وہ کمزور ہو بھی تب بھی کچھ نہ کچھ تو بتائے گا ضرور ان شاء اللہ بالکل خاموش تو نہیں رہے گا۔ (یہ بھی مجرب ہے)۔

اساتذہ کرام سے اس بارے میں گذارش ہے اور طلبہ کو سمجھائیں کہ پڑھائی کے لئے محنت شروع سال سے آخر تک برابر رکھیں، امتحان کے لئے خصوصی محنت کی ضرورت نہ پڑے اور اسباق امتحان تک جاری رکھوائیں؛ تاکہ وقت کی قدر و قیمت باقی رہے اور سبق آگے بڑھ سکے، امتحان کے لئے خاص محنت کرنا دراصل یہ ایک رواج ہے اس کو دفن کریں، اللہ تعالیٰ یہ بات سب کے ذہن میں ڈالیں۔

۲۹- ایام امتحان میں جن جن طلبہ کا امتحان پہلے ختم ہو جائے (طلبہ زیادہ ہونے کی صورت میں) اگر ممکن و گنجائش ہو تو ان کے تازہ سبق کا سلسلہ شروع کر دینا مناسب سمجھا جاتا ہے؛ تاکہ ان کے سبق کا نقصان اور ناغہ نہ ہو اور وقت کی قدر کرنا ہو جائے۔

۳۰- ہر مہینہ میں ایک امتحان لیا جائے اور اس امتحان شدہ پڑھائی کی مقدار اور نتائج ایک رجسٹر میں باقاعدہ محفوظ رکھے جائیں؛ تاکہ ہر دو امتحان کی پڑھائی اور نمبرات کی مقدار کا تقابل اور موازنہ کیا جائے۔

مدرسہ کی طویل تعطیل یعنی رمضان المبارک وغیرہ کی تعطیل کے بعد جب دوبارہ پڑھائی کا آغاز ہو تو اس وقت ایک امتحان سرسری طور پر لیا جائے، اس کی اطلاع تعطیل سے پہلے کر دی جائے؛ تاکہ طلبہ ایام تعطیل کو لاپرواہی اور غفلت سے نہ گذاریں، انہیں اپنے آموختے اور امتحان کی فکر رہے۔

نیز اس قسم کی تعطیل کے آموختے کو گردانئے کے ساتھ ساتھ تازہ سبق بھی حتی الامکان زیادہ سے زیادہ سیکھ کر لانے کی ترغیب بالتاکید کریں، تاہم آپ ان کو مناسب ایک حد مقرر کر کے دیں کہ اتنا یاد کر کے لانا، حد بتانے میں تخفیف کا خیال رکھیں بسا اوقات گھریلو کام کاج، ادھر ادھر دوسرے رشتہ داروں کے یہاں جانا آنا پڑ سکتا ہے۔(۱)

(۱) خلاصہ، تسہیل اُصول التحفیظ، حافظ تجمل صدیق، سابق استاذ جامعہ اسلامیہ جلالیہ، ہوجائی، نوگاؤ، آسام، الہند

حفظ قرآن کے مزید کچھ انتہائی اہم ضوابط

ذیل میں قرآن کریم حفظ کرنے کے بارے میں اہم ضوابط کے عنوان سے قانون ذکر کئے جا رہے ہیں، اساتذہ کرام سے گذارش ہے کہ وہ طالب علموں کو انہیں ضوابط کی روشنی میں پڑھائیں، اور انہیں ان پر پابندی کرنے پر مجبور کریں، اس سے اساتذہ کی محنت بھی نتیجہ خیز ہوگی اور طلبہ کی عمر بھی ضائع ہونے سے بچ جائے گی۔

۱۔ ناغہ قابل برداشت نہیں

خواہ سخت بیماری یا حتی کہ والدین یا اولاد کی فوتگی ہی کا موقع کیوں نہ ہو، بہرحال غیاب اور چھٹی قطعی ممنوع ہے، سوائے معدودے چند مقررہ تعطیلات کے، وجہ یہ ہے کہ ایک دن کے ناغہ سے کئی دنوں کی برکت جاتی رہتی ہے۔

۲۔ روزانہ کا سبق فاتحہ کی طرح ازبر کریں

مقررہ طریقہ کے مطابق خوب ازبر اور نوکِ زبان کیا جائے؛ کیوں کہ آپ قرآن مجید کا جتنا حصہ بھی یاد کریں گے، اس کی بنیاد یہی سبق بنے گا حتی کہ پورا قرآن شریف بھی ایک سبق کر کے ہی حفظ ہوگا، پس جب بنیاد ہی کمزور ہوگی ظاہر ہے کہ اس پر تیس پاروں کی عمارت کی تعمیر بھی لامحالہ کمزور ہوگی، لہٰذا بنیادی طور پر یومیہ سبق فاتحہ کی طرح خوب ازبر کرنا ضروری ہے، تاکہ ان اسباق کی روشنی میں پورا قرآن کریم بھی خوب مضبوط ہو، اگر خدانخواستہ یومیہ اسباق کمزور رہتے چلے گئے تو پوری عمر حفظ کمزور غیر تسلی بخش ہی رہے گا، اور اس کے بعد آپ خواہ کتنی ہی محنت کرلیں معیاری پختگی قطعا حاصل نہ ہو سکے گی۔

۳۔ غلطی کا نشان ضرور لگائیں

سبق سبقی پارہ سناتے وقت اور منزل پڑھتے وقت مقام غلطی پر پنسل وغیرہ کے ذریعہ نشان ضرور لگایا جائے۔

۴۔ سبقی کو بلاناغہ سنانا

(قریبی چار اسباق) یاد کر کے بلاناغہ سنانا اور پھر ہر غلطی مقام کو سو بار کہنا۔ پارہ کو یاد

کر کے سنانا اور غلطیوں کے نشانات کو سو سو بار دہرانا۔

۵۔منزل کی پابندی کریں

یعنی پڑھے ہوئے حصے میں بطور خود ذاتی دور و تلاوت کے روزانہ ایک مقررہ مقدار کو حفظاً پڑھنا اور پھر غلطیوں کو سو سو مرتبہ یاد کرنا۔

٦۔ایک ہی استاذ سے حفظ کریں

شروع قرآن سے آخر قرآن تک حفظ کے پورے مرحلہ میں ایک ہی استاذ سے حفظ کریں اور استاذ ہرگز نہ بدلیں، کیوں کہ تبدیلی نہ کرنے سے استاذ و شاگرد کے درمیان ایک روحانی ونفسیاتی انتہائی پاکیزہ رشتہ وعلاقہ قائم رہ جاتا ہے۔

۷۔ہمت ورغبت برقرار رکھنے والے اسباب اختیار کرنا

استاذ گاہے بگاہے شاگرد کی حوصلہ افزائی کرتا رہے اور اس کو انعام واکرام سے نوازتا رہے، تاکہ اس کے حفظ قرآن کا شوق برقرار رہے، شاگرد بھی یہ امر مستحضر رکھے کہ مسلمان کا اولین ہدف، اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حصول ہے اور اس مقصد تک پہنچانے والے وسائل وذرائع میں حفظ قرآن مؤثر ترین ذریعہ ہے۔

۸۔متشابہ آیات کی طرف خصوصی توجہ

قرآن پاک میں چھ ہزار سے زائد آیات ہیں، ان میں سے دو ہزار آیات آپس میں اس قدر متشابہ ہیں کہ بعض اوقات یہی مشابہت مطابقت کی حد تک پہنچ جاتی ہیں، یا اگر کہیں اختلاف ہوتا بھی تو ایک آدھ حرف میں، یا ایک دو یا اس سے کچھ زیادہ الفاظ میں، اس لئے قرآن مجید کے قاری کے لئے لازمی ہے کہ وہ متشابہ آیات کی طرف خاص توجہ دے، یہاں متشابہ سے مراد ہماری لفظی مشابہت ہے، یوں متشابہ آیات پر توجہ دینے سے حفظ اچھا ہو جائے گا۔

۹۔حفظ کرنے کی مناسب عمر سے فائدہ اٹھائیں

اسے یقینا حفظ کی توفیق مل ہی جاتی ہے جو حفظ کے سنہری سالوں سے فائدہ اٹھاتا ہے، اور وہ ہیں عمر کے پانچویں سال سے لے کر تقریباً تیسویں سال تک کیوں کہ اس عمر میں

انسان کا حافظہ بہت اچھا ہوتا ہے، بلکہ اگر یوں کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کہ یہ حفظ کے لئے سنہری سال ہیں؛ اس لئے کہ پانچ سال سے کم عمر میں حافظہ پورے عروج پر نہیں ہوتا، جب کہ تئیس سال کے بعد یاداشت اور حفظ کا پیمانہ ہبوط اور تنزل کی طرف بڑھ جاتا ہے، اس لئے کسی نے سچ کہا ہے:

''بچپن کا حفظ گویا پتھر پر نقش اور بڑی عمر میں حفظ جیسے پانی پر نقش''۔(۱)

۱۰۔ایک مجوزہ نظام الاوقات

دو پارے مکمل ہونے سے پہلے تو اپنی فرصت کے مطابق نظام بنایا جائے، لیکن دو پارے مکمل ہوجانے کے بعد مندرجہ ذیل نظم اوقات موزوں ہے، بعد از ظہر، پارہ کو پھیرا کریں، بعد از عصر، یہ پارہ سنائیں بعد از مغرب، سبق یاد کریں، بعد از عشاء اولاسبق مزید پختہ کریں، پھر سنائے ہوئے پارے کی غلطیاں سوسو مرتبہ یاد کریں، بعد از فجر اولاسبق کو پندرہ مرتبہ کہیں پھر مقررہ طریقہ کے مطابق سبقی پارہ کو پھیرا دے کر سنائیں اور غلطیاں یاد کریں، اس کے بعد منزل کی مقررہ مقدار کی تلاوت کریں، نیز فراغت کے بعد غلطیاں سینکڑہ کے حساب سے یاد کریں۔

یادکرنے اورسنانے کا طریقہ کار

روزانہ صبح کو سبق سنالینے کے بعد قریب والے چار اسباق بھی پھیرا دے کر ضرور سنائیں اور ان کو پھیرا دینے کا طریق کار یہ ہے کہ نماز فجر کے بعد سبق کو پندرہ مرتبہ پڑھنے کے بعد اوپر والے سبق کو چند بار ناظرہ پڑھے، پھر آج والے سبق کے ساتھ ملا کر چار پھیرے حفظ دیں، پھر اس سے اوپر والے کے ساتھ ملا کر اسی طرح تینوں کو تین پھیرے دیں، پھر اس سے اوپر والے کو ملا کر دو بار اور بالکل اخیر میں چوتھے کو ملا کر پانچوں کو ایک بار پھیرا دیں، ہر روز اوپر والے چوتھے سبق کو چھوڑتے آئیں اور اس کے بدلے میں گذشتہ دن والے سبق کو شامل کرتے جائیں، پھر سبق سنالینے کے بعد اس کی غلطیوں کو سوسو بار کہیں۔

(۱) کامیاب طالب علم: ۱۷۔۲۷، روح اللہ نقشبندی، مکتبۃ دار الہدی پاکستان

دستور العمل

آموختہ وخواندہ میں روزانہ کچھ مقدار یاد کریں، اس طرح کہ ایک مرتبہ ناظرہ اوردوسری مرتبہ حفظ، اس کو پھیرادیں، پھر سنائیں اور غلطیوں پر نشانات لگوائیں، اس کے بعدان نشانات کوسوسومرتبہ یادکریں باقی مقدار مراجعہ کے چودہ دورہیں۔

(۱) دو پارے مکمل ہونے تک روزانہ آموختہ وخواندہ

(۲) دو پاروں کے بعد: آدھا پارہ یومیہ

(۳) پانچ پاروں کے بعد دس دن کا وقفہ (اس وقفہ میں روزانہ ایک پارہ سنائیں؛ لیکن پاروں کی ترتیب بالعکس ہو یعنی آخری پانچویں پارے سے شروع کر کے ایک ایک پارہ اول کی طرف سناتے آئیں؛ تاکہ آخری پاروں میں عادی وطبعی کمی کا تدارک ہوجائے)۔

(۴) پانچ پاروں کے بعد: ایک پارہ روزانہ

(۵) دس پاروں پر پندرہ دن کا وقفہ (اس وقفہ کے دوران روزانہ سوا پارہ بترتیب معکوس سنائیں یعنی پہلے دن سوا پارہ اورنویں کا آخری پاؤ، دوسرے دن سورہ اعراف، اسی طرح پہلے پارے تک آجائیں)۔

(۶) دس پاروں کے بعد: سوا پارہ یومیہ:

(۷) پندرہ پاروں پر بیس دن کا وقفہ (جس میں حسب سابق ترتیب بدل کر روزانہ ڈیڑھ پارہ سنائیں)۔

(۸) پندرہ پاروں کے بعد: سوا پارہ یومیہ۔

(۹) بیس پاروں پر پچیس دن کا وقفہ۔ (اس وقفہ میں ترتیب برعکس کرکے روزانہ پونے دو پارے سنائیں)۔

(۱۰) بیس پاروں کے بعد: پونے دو پارے یومیہ۔

(۱۱) پچیس پاروں پر ایک ماہ کا وقفہ۔ (جس میں روزانہ پونے دو پارے اخیر کی طرف

سے ترتیب بدل کر سنائیں)۔

(۱۲) پچیس پاروں کے بعد: دو پارے روزانہ

(۱۳) ختم قرآن کے بعد ایک سال کا وقفہ (اس وقفہ میں روزانہ تین پارے بترتیب معکوس سنائیں)۔

(۱۴) سال مکمل ہوجانے پر مدۃ العمر پانچ پارے منزل کا سلسلہ جاری رکھیں، اس طرح کہ فراغت کے بعد روزانہ اس منزل کی غلطیوں کو کم از کم سو سو مرتبہ ضرور کہا جائے؛ تاکہ آئندہ پوری زندگی میں وہ غلطی تو قطعی سرزد نہ ہو۔

حفظ کے لئے مناسب وقت

خطیب بغدادی فرماتے ہیں: ''اعلم أن للحفظ ساعات ينبغي لمن أراد التحفظ أن يراعيها فأجود الأوقات الأسحار'' جان لو کہ حفظ کے لئے ایسی گھڑیاں ہیں کہ حفظ کرنے والے کو ان کی رعایت رکھنا موزوں ہے، پس تمام اوقات میں جید ترین وقت، سحری اور اخیر شب کا ہے۔

اور اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے: ''إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا'' (۱)

کسی عالم سے پوچھا گیا کہ ''بم أدركت العلم'' آپ نے علم کس ذریعہ سے حاصل کیا ہے؟ کہا: ''بالمصباح والجلوس إلى الصباح'' چراغ کے ذریعے اور صبح تک مسلسل بیٹھے رہنے کے ذریعے۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے ''بالسفر والسهر والبكور فی السحور'' سفر کے ذریعے، جاگنے کے ذریعے اور سحری کے وقات میں جلد اٹھنے کے ذریعے۔ (۲)

اسماعیل بن اویس کا ارشاد ہے: ''إذا هممت أن تحفظ شيئا فنم وقم عند السحر فأسرج وانظر فيه فإنك لا تنساه إن شاء الله'' جب تک کسی چیز کے حفظ کرنے

---

(۱) الإسراء: ۸۷

(۲) الفقیہ والمتفقہ: ۲/ ۱۰۳

کا ارادہ کرو تو سوجاؤ اور سحری کے وقت اٹھو، چراغ روشن کرو اور اس چیز میں نظر کرو ان شاء اللہ اس کے بعد وہ چیز کبھی نہیں بھولو گے۔(۱)

حماد بن زید سے پوچھا گیا: "ما أعون الأشياء على الحفظ" حفظ کے لئے سب سے زیادہ معاون چیز کون سی ہے؟ فرمایا: "قلة الغم" یعنی غم کی کمی (اور ظاہر ہے کہ سحری کے پرسکون وقت میں دل تمام پریشانیوں اور مشغولیتوں سے خالی ہوتا ہے ؛ لہٰذا سرعتِ حفظ کے لئے یہ بہت مناسب وقت ہے۔(۲)

حفظ کے لئے مناسب موقع ومحل

خطیب بغدادی اپنی کتاب الفقیہ والمتفقہ : ۲/۱۰۳ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اعلم أن للحفظ أماكن ينبغي للمتحفّظ أن يلزمها وأجود أماكن الحفظ الغرف دون السفل وكل موضع بعيد مما يُلهي وخلا القلب فيه مما يفزعه فيشغله أو يغلب عليه فيمنعه وليس بالمحمود أن يتحفظ الرجل بحضرة النبات والخضرة ولا على المواضع-غالبا-ما يمنع خلو القلب وصفاء السر"

جان لو کہ حفظ کے لئے ایسے مقامات ہیں کہ حفظ کرنے والے کو ان کی پابندی لائق ومناسب ہے، اور حفظ کے لئے جید ترین مقامات بالا خانے ہیں نہ کہ زیریں کمرے، نیز ہر وہ مقام موزوں ہے جو غفلت ولہو والی چیزوں سے دور ہو اور اس میں دل ایسی چیزوں سے قطعی خالی ہو جو اس کو پریشانی میں مبتلا کر کے مشغول کر دیں یا اس پر غلبہ پا کر حفظ سے روک دیں، اور یہ بات اچھی نہیں ہے کہ آدمی بوٹیوں اور سبزیوں والی جگہ یا نہروں کے کنارے پر عام گذرگاہوں پر بیٹھ کر حفظ کرے ؛

(۱) الجامع فی الحث علی حفظ العلم: ۱۷۷

(۲) کیف تحفظ: ۴۲

کیوں کہ ایسے مقامات اکثر وبیشتر ایسی چیزوں سے خالی نہیں ہوتے جو دل کی مشغولیت اور دھیان بٹ جانے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

اونچی آواز سے یاد کرنا حفظ کے عمل میں معاون ومفید ہے

زبیر بن بکار کہتے ہیں:

مجھ پر میرے والد گرامی داخل ہوئے جب کہ میں ایک کتاب میں دیکھ کر خیالاتی طور پر اس کو پڑھ رہا تھا اور آواز اونچی نہیں کر رہا تھا، مجھ سے فرمایا: تمہارے اس سوچ والے طرزِ مطالعہ سے صرف یہ تو ہوجائے گا کہ آنکھ کے ذریعے دل تک بات پہنچ جائے گی، مگر اس سے آگے روایت کرنے کا ملکہ قطعی حاصل نہ ہوگا؛ بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ کتاب کو دیکھو بھی اور آواز کو اونچا بھی کرو، اس طرح آنکھ کے ذریعے بھی بات دل تک پہنچ جائے گی اور کان کے ذریعے بھی۔(۱)

ابو ہلال عسکری کہتے ہیں:

”ینبغی للدارس أن یرفع صوته فی درسه حتی یسمع نفسه؛ فإن ما سمعته الأذنان رسخ فی القلب، ولهذا کان الإنسان أوعی لما یسمعه منه لما یقرئه إذا کان المدروس مما یفسح طیق الفصاحة ورفع الدارس به صوته زادت فاحته“

طالب علم کے لئے لائق ہے کہ اپنے سبق کے یاد کرتے وقت اتنی آواز اونچی کرے کہ وہ خود اس کو سن سکے؛ کیوں کہ جس بات کو کان سن لیتے ہیں، وہ دل میں خوب راسخ ہوجاتی ہے، اس لئے انسان صرف پڑھی ہوئی بات کی بنسبت سنی ہوئی بات کو زیادہ یاد کر لیتا ہے، اور جب سبق کو بطور نغمہ اور فصاحت وتجوید کے یاد کیا جائے اور طالب علم اس میں آواز کو اونچا کرے تو اس کی فصاحت میں اور اضافہ ہوجاتا ہے۔

---

(۱) الجامع الحث علی حفظ العلم، ۱۷۴

قلبی تکرار یا زبانی تکرار

سفیان ثوری کا ارشاد ہے: "اجعلوا الحدیث حدیث انفسکم وفکر قلوبکم تحفظوہ" حدیث کو اپنے نفس کے خیال میں اور دل کے فکر میں خوب یاد ہو کیا جائے۔(۱)

بکثرت ناظرہ پڑھتے رہنا

ابو مسعود احمد بن فرات فرماتے ہیں: "لم نزل نسمع شیوخنا یذکرون أشیاء فی الحفظ فاجمعوا أنه لیس شیء أبلغ فیه إلا کثرة النظر" ہم اپنے اساتذہ سے حفظ کے مختلف طریقے سنتے رہے ہیں، مگر بالآخران سب کو اس پر متفق الرائے پایا کہ حفظ کے لئے بکثرت ناظرہ پڑھتے رہنے سے بڑھ کر کوئی طریقہ بھی کارآمد نہیں ہوا۔

ربطِ آیات کا عمل

ہر آیت کے اخیر کو دوسری آیت کے شروع کے ساتھ فوری طور پر اور بغیر کسی توقف و ہچکچاہٹ کے ملا کر اس قدر بار بار کہا جائے کہ زبان بے ساختہ ارتباطی کیفیت کی عادی ہو جائے اور آپ پہلی آیت کے بعد بے تکلف اور پوری سہولت کے ساتھ فوری طور پر دوسری آیت پڑھنے لگیں، یہ عمل کم از کم پچاس یا سو مرتبہ کیا جائے، علاوہ ازیں ہر دو صفحات؛ بلکہ ہر دو پاروں نیز ہر دو سورتوں کے درمیان بھی ربط آیات کا یہ عمل بروئے کار لانا چاہئے۔(۲)

ہمت ورغبت برقرار رکھنے والے عوامل ومحرکات کا اختیار کرنا

استاذ گاہے بگاہے شاگرد کی حوصلہ افزائی کرتا رہے اور اس کو انعام سے نوازتا رہے تاکہ اس کے حفظ قرآن کا شوق برقرار رہے، شاگرد بھی یہ بات مستحضر رکھے کہ مسلمان کا اولین ہدف، اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حصول ہے اور اس مقصد تک پہنچانے والے وسائل وذرائع سے حفظ قرآن مؤثر ترین ذریعہ ہے، کیوں کہ حافظ قرآن کے لئے آخرت میں اللہ تعالیٰ نے بہترین اجر وثواب کا ذخیرہ تیار فرمایا ہے اور زندگی وموت ہر دو حالات میں قرآن

(۱) الجامع فی الحث علی العلم: ۱۹۰، بحوالہ کیف تحفظ القرآن: ۵۱/ ۵۲

(۲) کیف تحفظ القرآن: ۴۹-۵۰

کے قاری کو خوب نیکیاں اور بہت اونچے مقامات ودرجات حاصل ہوتے ہیں، پس اگر شاگرد اپنے اجر جزیل اور مقام عظیم کا استحضار رکھے گا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کبھی بھی اس کو حفظ قرآن میں کاہلی واداسی یا کمزوری واکتاہٹ کا احساس ستانے لگے؛ بلکہ اس صورت میں تو اس کے اندر ایک ایسی نفسیاتی وروحانی کیفیت پیدا ہوجائے گی جو ہمیشہ اس کو حفظ قرآن کے راستہ پر گامزن رکھنے پر اکساتی رہے گی، بلکہ حفظ قرآن کے ساتھ اس کا تعلق خاطر اور جذب وشوق دن بدن بڑھتا رہے گا اور حفظ کی راہ میں پیش آنے والی تمام مشکلات ومحن، دشواریوں اور سختیوں کو وہ نہایت خندہ پیشانی سے سہنے کے لئے خوب مستعد وتیار ہوجائے گا حتی کہ اس گھاٹی کو بہت جلد یا اچھی طرح سے سر کرلے گا۔

پرہیز گاری وطاعت کا التزام اور گناہوں سے اجتناب

کیوں کہ قرآن، کلام الٰہی نورِ خداوندی ہے اور گناہ بمنزلہ تاریکیوں کے ہیں، تو جس طرح نور وظلمت دونوں اکٹھے نہیں ہوسکتے، اسی طرح قرآن اور گناہ یہ دونوں اکٹھے نہیں ہوسکتے اسی طرح قرآن اور گناہ دونوں بھی جمع نہیں ہوسکتے، امام شافعی کا ارشاد گرامی ہے:

شکوت إلی وکیع سوء حفظی　　فأشارنی إلي ترک المعاصی
وأخبرنی بأن العلم نور　　ونور الله لا یہدی لعاصی

(میں نے (اپنے استاذ) وکیع سے اپنے حافظہ کی خرابی کی شکایت کی تو موصوف نے مجھے گناہوں کے چھوڑنے کی تلقین کی اور فرمایا کہ علم ایک نور ہے اور نور کی طرف اللہ تعالیٰ کسی گنہگار کی ہرگز رہنمائی نہیں فرماتے ہیں)۔

جدید سبق یاد کرنے کا بہترین طریقہ کار

۱۔ جس صفحہ کو آپ کو یاد کرنا ہے اولا اس صفحہ کو دس پندرہ منٹ تک کئی مرتبہ مترنم اور مجود آواز کے ساتھ ناظرہ پڑھیں، آپ نفسیاتی طور پر محسوس کریں گے کہ آپ کے اندر از خود اس صفحہ کے حفظ کرنے کا جذبہ ابھر رہا ہے اور طبیعت اس کے یاد کرنے کی

طرف خود بخود مائل ہو رہی ہے۔

۲۔ اس پورے صفحے پر ٹکٹکی لگا کر بار بار اس تصور کے ساتھ بھر پور نظر ڈالیں کہ گویا آپ کی آنکھ تصویر لینے والے کا کیمرہ ہے، اور آپ اس صفحہ کو اپنی آواز اور نظر کے ذریعہ اس کے اندر مصور کرنا چاہتے ہیں، اس دوران آپ اپنے کیمرہ یعنی آنکھ کو حتی المقدور ہلانے کی کوشش نہ کریں؛ بلکہ پوری طرح اس صفحہ پر جمائے رکھیں اور خوب غور سے اس پورے صفحہ کا کئی بار مطالعہ کریں۔

۳۔ ہر ہر آیت کو الگ الگ یاد کریں، اس طرح کہ اپنی آنکھ کو پوری طرح کھولیں اور ذہن کو ہر خیال و وسوسہ سے خالی کریں اور صفحہ کی پہلی آیت کو قدرے آواز کے ساتھ تجوید کی رعایت رکھ کر صحیح صحیح کم از کم دس مرتبہ ناظرہ پڑھیں۔

۴۔ آنکھیں بند کر کے اپنے حافظہ کی مدد سے اسی آیت کو کم از کم دس ہی مرتبہ حفظ پڑھیں۔

۵۔ آنکھیں کھول کر اسی آیت کو دوبارہ ناظرہ پڑھیں؛ تاکہ پورا اطمینان ہو جائے کہ واقعی آپ نے اس کو صحیح صحیح حفظ کیا ہے، جب سو فیصد اطمینان ہو جائے تو اب آنکھیں بند کر کے پھر اسی آیت کو اتنی مرتبہ حفظ پڑھیں کہ پوری آیت میں کسی جگہ بھی سوچنے کی نوبت نہ آئے، آپ دیکھیں گے کہ بفضلہٖ تعالی یہ آیت آپ کے حافظہ میں کالنقش فی الحجر (پتھر کی لکیر) کی طرح منقوش ہو چکی ہے، جس کو آپ مدۃ العمر نہیں بھولیں گے، انشاء اللہ۔

مگر شرط یہ ہے کہ تکرار و اعادہ کے دوران آپ کے سامنے کسی قسم کی آواز کا شور و شغب اور خوش منظر چیز نہ ہو جو حفظ کی توجہ کو منتشر کرنے کا ذریعہ ثابت ہو، نیز آپ تکرار کے دوران اردگرد کی سب چیزوں سے قطعی بے نیاز اور یکسر لاتعلق ہو، کمرے کے سامان اور قالین و چٹائی وغیرہ پر ہرگز فضول نظر نہ ڈالیں اور نہ کھڑکی سے باہر والے مناظر کو دیکھنے کی فضول حرکت کریں۔

۶۔ آگے بڑھیں اور دوسری آیت کو بعینہ اس طریقہ کے مطابق یاد کریں، جس کے

مطابق آپ نے پہلی آیت کو یاد کیا ہے، لیکن اس کو یاد کرنے کی ابتداء یوں کریں کہ ایک دو کلمے پہلی یاد ہوئی آیت کے آخر میں سے اعادہ کے طور پر لے لیں؛ تاکہ دونوں آیتوں کے حفظ میں ربط وتسلسل قائم ہوجائے۔

۷۔ جب یہ دوسری آیت درج بالا طریقہ کے مطابق خوب یاد ہوجائے تو اب دونوں آیتوں کو کم از کم دس بار پڑھیں، اگر ان دونوں آیتوں کے کسی لفظ یا موقع میں کچھ اشکال ونسیان پیش آئے تو اس لفظ وموقع کو دس مرتبہ ناظرہ اور پھر دس مرتبہ حفظ کہیں۔

۸۔ جب یہ دونوں آیتیں خوب ازبر ہوجائیں تو اب تیسری آیت کے حفظ کرنے کی جانب توجہ مبذول کریں اور درج بالا طریقہ حفظ وطریقہ ربط وتکرار کے موافق اس کو یاد کر کے سابقہ دو حفظ کردہ آیات کو ملا کر تینوں کو دس مرتبہ کہیں، غرض اس طرح صفحہ مکمل یاد ہوجائے تو اب اسی طرح صفحہ کے آخر کی طرف سے ایک ایک آیت کو لیتے جائیں، پہلے ہر آیت کو لیتے جائیں، پہلے ہر آیت کو دس مرتبہ کہیں، پھر جتنی آیتیں ہوتی جائیں ان کو بھی ملا کر دس دس ۔۔۔ پھیرے دیتے جائیں، اور شروع صفحہ تک اسی طرح آجائیں تاکہ پورا سبق برابر یکساں طور پر یاد ہوجائے۔

۹۔ اگر کوئی آیت لمبی ہو تو اس کو وقوف کے لحاظ سے کئی حصوں میں تقسیم کر کے حفظ کیا جائے۔(۱)

ازبر حفظِ قرآن کے مخالف امور

۱۔ یومیہ آٹھ گھنٹے صرف نہ کرنا (یعنی مجموعی طور پر اعمالِ حفظ میں)۔

۲۔ قرآن کی بے ادبی: بایں طور کہ آپ اس کو بغیر وضو کے اٹھائیں یا ہاتھ لگائیں، یا اسکے اوپر کوئی چیز رکھ دیں یا اس کو زمین پر رکھ دیں، چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیز سے مرسلاً یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ ایک قرآن پاک کے پاس سے گزرے جو زمین پر رکھا ہوا تھا تو فرمایا کہ اللہ لعنت کرے اس شخص پر جس نے یہ

(۱) کیف تحفظ: ۸۰ تا ۸۳، مع زیادات وافاضات

کام کیا، تم اللہ کی کتاب کو اس کے شایان شان مقام پر ہی رکھا کرو (حکیم ترمذی، در نوادر الأصول وصاحب کنز العمال) نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کتاب اللہ کو اپنے قدموں سے پامال نہ کیا کرو۔ (ابانہ ابی نصر السجزی وکنز العمال)۔

۳۔ استاذ کی بے ادبی، کیونکہ ادب کی کمی کی وجہ سے حصول علم میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور ادب کا لحاظ رکھنے سے تعلیم کی برکت اور حفظ کی سرعت میسر آتی ہے۔

۴۔ قرآن بھولنے کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ کبیرہ گناہ نہیں ہے۔

۵۔ قرآن میں دیکھ کر پڑھنے کے متعلق یہ خیال رکھنا کہ نوافل میں اور نماز تراویح میں ناظرہ قرآن پڑھنا جائز وصحیح ہے۔

٦۔ نماز تراویح: میں ہر سال قرآن پاک سنانے کی پابندی نہ کرنا، کیوں کہ محراب میں بالخصوص فرض جہری نمازوں میں بالاستیعاب ترتیب وار قرآن پڑھنے سے خوب پختگی و پائیداری حاصل ہوتی ہے۔(۱)

(۱) فضائل حفاظ القرآن: ۲۴۳،۲ محمد طاہر رحیمی، مدنی، اریب پبلیکیشنز

حفظ قرآن کے بعض مفید طریقے

بچوں کے لئے حفظ قرآن کے بعض طریقے

برصغیر ہندو پاک کا نہج

۱- برصغیر ہندو پاک، ان کے علاوہ دیگر پڑوسی ممالک یا ان علاقوں کے باشندے جہاں مقیم ہیں مثلاً ریاستہائے متحدہ امریکہ، انگلینڈ، ساؤتھ افریقہ وغیرہ میں اس طریقہ پر عمل ہوتا ہے جس کی برکت سے ہر سال ہزار ہا ہزار حفاظ پیدا ہوتے ہیں۔

تصحیح و ناظرہ

پہلے نورانی قاعدہ یا اس جیسی کسی کتاب کے ذریعہ، حروف کی شناخت، ترکیب، الفاظ کو جوڑنا سکھایا جاتا ہے، اسی دوران گویا تجوید کی عملی مشق مکمل کرادی جاتی ہے اور ضروری قواعد کی مکمل تعلیم دی جاتی ہے، اس کے بعد دیکھ کر پڑھنے کی مشق کرائی جاتی ہے، نیز اس مرحلہ میں ضروری سورتیں بھی یاد دلائی جاتی ہیں۔

۲- حفظ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ طالب علم استاذ کے سامنے مطلوبہ صفحہ یا کم وبیش پڑھتا ہے، اور استاذ غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں یا خود استاذ ہی پڑھتے ہیں اور طالب علم بغور سنتا ہے۔

۳- اگلے دن طالب علم استاذ کو سبق سناتا ہے اور وہ اپنے رجسٹر میں نوٹ بھی کر لیتے ہیں اور اگلا سبق دیدیتے ہیں۔

بعض مدارس میں ایک پارہ ختم کے بعد صدر مدرس کے یہاں امتحان دینا ضروری

ہوتا ہے، جس میں کامیابی کے بعد ہی اگلا پارہ شروع ہوجاتا ہے، ایسے ہی ''نورانی قاعدہ'' میں ایک (تختی) یا قواعد کی ایک یونٹ ختم ہونے پر بھی امتحان ہوتا ہے۔

اس کا فائدہ یہ ہے کہ طالب علم یہ محسوس کرتا ہے کہ اس نے ایک مرحلہ طئے کرلیا ہے، اسے تکرار اور دور کا موقع بھی ملتا ہے، نیز اس مرحلے میں کامیابی اگلے مراحل کے لئے حوصلہ فراہم کرتی ہے کہ'' کامیابی دوسری کامیابیوں کے دروازے کھولتی ہے، نیز اس میں طالب علم کی ادائیگی اور استاذ کی مہارت، حلقہ یا مدرس کی جدوجہد کا صحیح اندازہ لگانے کا موقع ملتا ہے، چنانچہ بروقت اصلاحات، مشورے اور تبدیلیاں مفید ثابت ہوسکتی ہیں۔

۴- نیا تعلیمی سال شروع ہونے پر بہت سے مدارس میں فوراً سبق نہیں شروع کرایا جاتا؛ بلکہ آموختہ کی پختگی کا پورا اطمینان ہونے تک سبق موقوف رہتا ہے۔

۵- جلسہ عام میں ذمہ داروں، علمائے کرام، عمائدین شہر اور اولیائے طلبہ کی موجودگی میں حفظ کی تکمیل عمل میں لائی جاتی ہے، دستار بندی ہوتی ہے، سند عطا کی جاتی ہے اور انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

۶- عموماً حفظ کے بعد ایک سال تک کئی کئی ''دور'' کا رواج ہے کہ پہلے ایک پارے کا دور پھر دو پارے کا دور، پھر تین پھر منزل کا اہتمام ہوتا ہے، اور بعض جگہ ایک ہی بیٹھک میں دس دس کے دور کا بھی رواج ہے، اس میں طالب علم کی صحت اور دماغی قوت کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۷- حفظ کے بقاء کے لئے ہر سال رمضان میں ایک، دو یا تین ختم کو (خاص طور پر محراب میں) ضروری سمجھا جاتا ہے۔

پہلا طریقہ: بچوں کو خود ان کی آواز کے ذریعہ حفظ کرانا

اس کی بعض صورتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی صورت: والد اور اولاد

۱- ٹیپ ریکارڈ اور خالی کیسٹ کے ساتھ اپنے بچہ (عمر چار سال یا زیادہ ہو) کو لے کر بیٹھئے۔

۲- کسی چھوٹی سورۃ جیسے معوذتین (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) کو متعین کیجئے۔

۳- ٹیپ چالو کردیجئے، ترتیل کے ساتھ پہلی آیت پڑھئے اور بچہ سے کہئے کہ آپ کے پیچھے دہرائے (اور اسی طرح......)

۴- بچہ سے کہئے: یہ آج کا سبق ہے، اسے ٹیپ چلانے کا طریقہ بھی سکھا دیجئے، کیسٹ اس کے حوالے کیجئے اور فرمائش کیجئے کہ اسے اچھی طرح سنے اور یاد کرے نیز اسے بتادینا مناسب ہے کہ اسے شام میں یہ سنانا ہوگا یا اس کا شام میں امتحان لیں گے۔

۵- اگر روزانہ ٹیپ کرنا آپ کے لئے مشکل ہو تو آپ کئی سورتیں ٹیپ کر سکتے ہیں جو ایک ہفتہ کے لئے کافی ہوں، البتہ ہفتہ کے آخر میں تمام سورتوں کا امتحان لیں، یہ طریقہ نہ صرف شاندار ہے بلکہ آزمودہ بھی، ہمارے استاذ حافظ وجامع شیخ سید الاشین ابوالفرح نے اسی طریقہ پر اپنے بچہ کا حفظ کروایا، جس نے نو برس کی عمر میں سارا قرآن مجید حفظ کرلیا نیز ان کی چھوٹی صاحبزادی نے بھی اسی طریقہ سے حفظ کیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ بچہ اس عمر میں اپنی آواز سن کر جھوم اٹھتا ہے، اس کی آواز اسے توجہ دینے پر مجبور کرتی ہے، چنانچہ آپ نوٹ کریں گے کہ وہ بے حد رغبت سے کام کررہا ہے، پھر وہ آیتوں کو دو دفعہ سنتا ہے، پہلی دفعہ والد کی آواز میں اور دوسری دفعہ خود اپنی آواز میں، نتیجہ میں بغیر کسی مشقت کے انہیں یاد کرلیتا ہے۔

اس کا فائدہ یہ بھی ہے کہ بچہ اپنی شخصیت میں استقلال (Independence) محسوس کرتا ہے، خود ہی ٹیپ چلاتا ہے، اپنی خاص کیسٹ محفوظ رکھتا ہے، اور والد کی قرأت کے مقابلہ میں اپنی قرأت کی غلطیوں کا پتہ بھی خود ہی لگاتا ہے۔

اس بات کی وضاحت کی غالباً ضرورت نہیں کہ والد سے مراد یہاں وہ ہے جو خود اچھی طرح تجوید سے پڑھ سکتا ہے، ورنہ استاد صاحب بھی یہ ذمہ داری پوری کر سکتے ہیں۔

دوسری صورت: تین سالہ بچوں کے لئے ایک جدید طریقہ

۱- کسی جید قاری سے درخواست کریں کہ وہ چھوٹی سورتیں، سورۂ ناس، فلق وغیرہ ٹیپ کریں۔

۲- ہر آیت کے بعد قاری صاحب خاموش رہیں، البتہ اچھی آواز والے چار چھوٹے بچے ان کے پیچھے دہرائیں، آواز کا صاف ہونا اور اچھی طرح پیش کرنا ضروری ہے۔

۳- اس طریقہ کے مطابق تین سورتیں پڑھنے کے بعد قاری کو چاہئے کہ کیسٹ کے اختتام تک انہیں کو بار بار اسی لہجے سے پڑھتا رہے۔

۴- ٹیپ ریکارڈ کو بچوں کے ہاتھوں سے دور بلند جگہ رکھیں، انہیں اپنی عادت کے مطابق کھیلنے کودنے نہ دیں، اور ٹیپ کو چالو کردیں، کچھ ہی دیر بعد آپ دیکھیں گے کہ بغیر کسی مشقت کے وہ ان ٹیپ شدہ سورتوں کو یاد کرلیں گے، بلکہ جب بھی اپنے ہم عمروں سے ملیں گے تو اجتماعی طور پر انہیں مزے لے کر پڑھیں گے۔

۵- یہی کام ماں چولہے کے اندر بھی کرسکتی ہے، اس سے خود بھی فائدہ اٹھا سکتی ہے، اور اس سے چمٹے ہوئے بچے بھی مستفید ہوں گے جو گھر میں ادھر سے ادھر اچھل کود رہے ہیں، آپ دیکھیں گے کہ بچے نہ صرف خود مطالبہ کریں گے کہ وہ کیسٹ لگائی جائے بلکہ اس کے لئے اصرار کریں گے۔

۶- اس طریقہ کا فائدہ یہ ہے کہ بچہ خود اپنے جیسے دوسرے بچوں کی آوازیں سنتا ہے، اور بچے تو نقل اتارنے میں ماہر ہوتے ہیں اس لئے ان آوازوں کی نقل اتاریگا اور صحیح پڑھنے کی پوری کوشش کرے گا، اس طرح تیزی سے یاد کرلے گا۔

دوسرا طریقہ: حفظ بذریعہ کتابت

''حافظہ'' کی راہیں لوگوں کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں، بعض کا حافظہ ''بصری'' ہوتا ہے کہ اگر وہ کسی کتاب کا مطالعہ ایک دفعہ ہی سہی کرلیں تو نگاہ کے ذریعے مضامین کی جگہ اور مکتوب گوشوں کا پتہ ان کے حافظہ میں بیٹھ جاتا ہے، وہ کہیں گے: فلاں بات، فلاں کتاب

میں داہنی جانب ہے، خواہ وہ مطالعہ کے دوران آواز بلند نہ کریں، جب بعض لوگوں کے حافظہ کا اعتماد سننے پر ہوتا ہے، وہ بیس برس کے بعد کہیں گے میں نے ایسا اور ویسا فلاں شخص اور فلاں شخص سے سنا تھا اور پوری بات انہی الفاظ کے ساتھ نقل کریں گے، حفظ کے سلسلے میں کتاب والا اسلوب بھی بہترین اور عمدہ ہے، خاص طور پر اگر اس کے ساتھ دیکھنا اور سننا بھی شامل کرلیا جائے، طریقہ کتاب کی بعض صورتیں یہ ہیں۔

۱- پانچ آیتیں یاد کیجئے، آیتوں کی شکل پر نگاہ اچھی طرح ڈالئے، یاد ہونے کے بعد کوشش کیجئے کہ اسے لکھیں، پھر اپنی تحریر اور قرآن شریف میں تقابل کیجئے اور غلطیوں کو نوٹ کیجئے۔

۲- ایک دوسری صورت یہ ہے کہ استاذ مطلوبہ آیتیں طلبہ کی کاپیوں میں یا بورڈ پر لکھے اوران سے کہے کہ اپنی اپنی کاپیوں میں نقل کریں، کچھ دیر کے بعد ان آیتوں کو زبانی سنے اوران سے کہے کہ قرآن میں دیکھے بغیر اپنی آیتوں کو دوبارہ لکھیں۔

اس طریقہ سے جو کچھ یاد کرلیں گے وہ انشاء اللہ کبھی نہ بھولا جائے گا، اس لئے کہ اس میں حفظ کے وسائل جمع ہونے کی بناء پر وہ حافظہ میں نقش ہو چکا ہے۔

تیسرا طریقہ: تختہ سیاہ (بورڈ) سے استفادہ

یہ طریقہ ان لوگوں کی خدمت میں پیش کررہا ہوں جنہیں اپنی اولاد کو کسی سہل طریقہ سے حفظ کرانے کی خواہش ہے، اور ماؤں کے لئے بھی یہ ایک بیش قیمت تحفہ ہے، جو پریشان رہتی ہیں کہ بچے حفظ نہیں کرپاتے، بہت سے لوگوں نے اسے آزمایا، اس سے بے حد استفادہ کیا۔

۱- نئے ماڈل کا ایک سفید عمدہ بورڈ اور کچھ رنگین پین حاصل کیجئے۔

۲- بچوں کے کمرے یا بیٹھک گاہ میں اسے لٹکائیے؛ تاکہ نقل وحرکت کے دوران اس پر نگاہ پڑتی رہے۔

۳- مطلوبہ سورتیں سیاہ رنگ سے اور زیر، زبر وغیرہ سرخ رنگ سے لکھئے، آیتوں کے

درمیان فواصل کو ہرے رنگ سے زینت بخشئے، داہنی جانب دن اور تاریخ لکھنا نہ بھولئے، اگر آپ خوش خط نہ ہوں تو جن سے کام لیا جا سکتا ہے ان کا تعاون حاصل کیجئے۔

۴- اپنے بچوں سے کہیں کہ اپنی اپنی کاپی میں اسے لکھ لیں، تحریر یا زیر زبر کی غلطیوں کو درست کیجئے، اور جب تک نہ لکھ لیں بورڈ صاف کرنے کی اجازت نہ دیجئے۔

۵- ان سے کہئے کہ دن بھر میں سورہ یاد کریں، ان کے درمیان مسابقتی جذبہ اور بلند ہمتی پیدا کیجئے۔

۶- اگلے دن دوسری سورۃ لکھئے، مگر پہلی سورت اچھی طرح یاد ہونے پر اطمینان کے بعد اسی طرح ہر روز انہیں خوشی خوشی نیا سبق دیجئے، وہ بھی شاداں وفرحاں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں رہیں گے۔

۷- پہلا سبق یاد کرنے کے بعد بچوں کو اجازت دے سکتے ہیں کہ وہ بھی بورڈ پر لکھ کر اپنی تحریر آزمائیں، اس طرح ان کا خط بھی اچھا ہو جائے گا۔

۸- بعض لوگ کہہ سکتے ہیں کہ اس طریقہ پر عمل کرنے سے باپ کو سارا کاروبار چھوڑ کر گھر میں بیٹھے رہنا پڑے گا اور بچوں کی خاطر اپنے کام سے چھٹی لینی ہوگی۔

میں کہتا ہوں کہ اگر آپ اس طریقہ سے مطمئن ہو کر اسے اپنے اہم کاموں میں شامل کریں جو اس کا حق ہے، اپنے یومیہ کاموں کے شیڈول میں داخل کریں تو پھر پہلی دفعہ تحریر کرنے میں زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ اور غلطیوں کی اصلاح اور بچوں کو سننے میں بہت سے بہت آدھا گھنٹہ لگے گا۔

۹- باپ کی جگہ ماں بھی یہ مہم انجام دے سکتی ہے۔

۱۰- بڑے بھائی کو بھی یہ ذمہ داری سونپی جا سکتی ہے۔

۱۱- یہ طریقہ جہاں بچوں کے خط کے لئے تحسین کا سامان کرتا ہے، وہیں انہیں قرآنی رسم الخط کے قواعد سے آگاہ کرتا ہے۔

چوتھا طریقہ: اُزبکی نہج

سویت یونین کے زوال سے وجود پذیر بعض اسلامی جمہوریتوں جیسے قزاقستان، قرغزستان، کازخستان اور داغستان وغیرہ میں یہ طریقہ رائج ہے، تاہم ازبکستان میں یہ بہت مقبول عام، یہاں ہم اسے بھی اطلاعاذ کر کرتے ہیں۔

۱- پہلے استاذ ایک صفحہ کی تصحیح کرتے ہیں۔

۲- طالب علم کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ تین سومرتبہ دیکھ کر پڑھے۔

۳- جب وہ تین سو دفعہ دہرا چکے تو شیخ کو زبانی سنائے اور اگلے صفحہ کا سبق لے، ختم قرآن تک یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔

۴- جب قرآن مجید ختم کرلے تو استاذ اسے حکم دیتے ہیں کہ سارا قرآن ایک سو پچاس دفعہ دیکھ کر ختم کرلے۔

۵- جب طالب علم اس حکم کی تعمیل کرلے تو اسے حافظ وقاری کے لقب سے نوازا جاتا ہے، مجھے ایسا لگتا ہے کہ اتنی دفعہ تکرار اور بار بار پڑھنے سے زبان میں روانی خودبخود آجاتی ہے، اور وہ بہ آسانی تلاوت کرنے لگتا ہے۔

عموماً ہم سب کا مشاہدہ ہے کہ جن سورتوں کی تلاوت بکثرت ہوتی ہے، جیسے سورہ کہف، سورہ یس وغیرہ لوگوں کو عموماً وہ خودبخود یاد ہوجاتی ہیں، اس لئے کہ بار باران کے سننے کا موقع ملتا ہے۔

پانچواں طریقہ: تُرکی اسلوب

خدمتِ قرآن کے سلسلہ میں ترکوں کا کردار نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، میں سمجھتا ہوں کہ ان کے اس خصوصی امتیازی طریقہ کا مطالعہ ضروری ہے، ان کے یہاں حفظ مراحل میں انجام پاتا ہے۔

۱- حروف تہجی کا آغاز کرنے سے تلاوت کی تصحیح تک ناظرہ قرآن کی مشق کراتے ہیں، بسا اوقات اس میں ایک سال بھی لگ جاتا ہے پھر دوسرا مرحلہ حفظ کا ہوتا ہے۔

۲- طالب علم پہلے پارہ کا آخری صفحہ یاد کرتا ہے، پھر اگلے دن دوسرے پارہ کا آخری صفحہ اور اسی طرح ہر روز ہر پارے کا آخری صفحہ یاد کرتا ہے، اس طرح تیس صفحہ مکمل ہونے تک پورا ماہ گزر جاتا ہے۔

۳- اگلے مہینہ پہلے پارے کے آخر صفحہ سے قبل والے صفحہ کا آغاز ہوتا ہے، پھر اگلے روز دوسرے پارے کے اخیر صفحہ سے پہلے صفحہ۔۔۔۔ پہلے مرحلہ کی طرح یہ بھی انجام پاتا ہے۔

۴- اس طرح عملِ پیہم میں جٹ جاتے ہیں، یہاں تک کہ قرآن عکسی انداز میں یاد کیا جاتا ہے اور جب بھی ایک صفحہ یاد کیا تو اس صفحہ کو اور اس سے پہلے والے کو سنانا ہوتا ہے، نتیجہ میں حفظ بہت پختہ ہوجاتا ہے، اس طریقہ کے سلسلہ میں علماء کی آراء مختلف ہیں، بعض تو اس کی بے حد تعریف کرتے ہیں اور بعض اسے تنقید کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، میں نے استنبول کے اکابر علماء سے اس سلسلہ میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ طریقہ ہمارے مشائخ کی میراث ہے اور سب علماء اسے حفظ کا سب سے بہتر طریقہ سمجھتے ہیں۔

حد تو یہ ہے کہ بہت سے ترکی لوگ سمجھتے ہیں کہ اس طریقہ کے بغیر حفظ ناممکن ہے۔

میں نے دیکھا کہ یہ طریقہ ان علاقوں میں بھی رائج ہے جسے عثمانیوں نے فتح کیا جیسے بوسینیا اور ہرسک وہ لوگ آج بھی اسی طریقہ کے پابند ہیں۔

حقیقت میں جو بھی اس طریقہ پر غور کرے گا، اس میں اسے بہت سے فوائد نظر آئیں گے، خاص طور پر غیر عربوں کے لئے جو عربی زبان نہیں جانتے ہیں اور اس کے آثار اس وقت ظاہر ہوں گے جب وہ حفظ مکمل کرے گا کہ اسے صفحات کے نمبرات تک یاد ہوں گے۔

اس کا منفی پہلو یہ ہے کہ اگر طالب علم صبر نہ کر سکے اور کسی بنا پر حفظ کا سلسلہ روک دے تو ایسا ہوجائے کہ اس نے قرآن کے مختلف کٹے کٹے غیر مربوط حصے یاد کئے، اگر اس سے

کوئی سورت پڑھنے کے لئے کہا جائے تو وہ اسے مکمل نہیں کرسکتا۔

یہ ان طریقوں میں سے ہے جن کی تطبیق جزوی طور پر نہیں ہوسکتی نیز کم از کم دو سالہ مدت لازمی ہے۔

مفید طریقۂ حفظ قرآن

۱- سبق یاد کرنے سے پہلے ناظرہ خوب اچھی طرح پڑھیں، پھر اس طالب کو سنائیں جو اس پارے کو حفظ کر چکا ہو، کثرت سے اعرابی غلطیاں کرنا یہ ناظرہ کچا ہونے کی علامت ہے، لہٰذا اپنے استاذ یا کسی طالب علم کے پاس ناظرہ پڑھیں، اس کے بعد ہی آگے سبق یاد کرنا شروع کریں۔

۲- سبق یاد کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک آیت یاد کریں، پھر دوسری آیت یاد کریں، دونوں کو زبانی پڑھیں، پھر تیسری آیت یاد کریں، جب یاد ہو جائے تو تینوں کو دیکھ کر پڑھیں، اور الفاظ کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں، اور اگلے پچھلے کلمات کو جوڑتے رہیں، اور آواز تھوڑی اونچی رکھیں، کہ زبان پر حروف چڑھنے کے ساتھ دماغ پر بھی جم جائیں، اور تھوڑا ہلتے بھی رہیں؛ تاکہ بدن میں سستی نہ آجائے اور ذہن منتشر نہ ہونے پائے۔

۳- فجر میں جو سبق سنانا ہے وہ سبق طالب علم مغرب میں اپنے استاذ کو بغیر غلطی کے سنائے (ایسا کرنے سے زندگی بھر ان شاء اللہ قرآن نہیں بھولے گا) اور سبق کا پارہ وآموختہ کچا نہ ہوگا، اوسط درجہ کا طالب علم ایک نشست یا دو نشست میں ضرور سنائے۔

۴- مغرب کے بعد سبق سنانے میں استاذ جو نشان لگائے اس کی اچھی طرح تصحیح کرے؛ تاکہ فجر میں غلطی نہ آئے۔

۵- فجر میں سبق سنانے کے بعد استاذ کے قریب بیٹھ کر دوبارہ وہی سبق پڑھیں؛ تاکہ ہمت بڑھے اور سبق مزید پختہ ہو۔

۶-) دوپہر کا آموختہ سنانے کے بعد آج کا سبق یاد کریں، اور کسی طالب علم کو ضرور سنائیں۔

۷- طالب علم کسی وجہ سے فجر میں سبق نہ سنا سکا تو ناشتہ کے بعد نہ سنائے؛ بلکہ دوپہر کا آموختہ سنانے کے بعد سنائے، ورنہ سبق کا پارہ کچا رہ جائے گا۔

۸- دوپہر کا آموختہ سنانے کے بعد آج کا سنایا ہوا سبق یاد کر کے کسی طالب کو سنائیں، اس کے بعد ہی اگلا سبق یاد کریں، اس طریقہ سے پارہ کچا نہ ہوگا۔

۹- سبق کا پارہ یاد کرتے وقت سبق سے متصل چار سبق رکوع کے اعتبار سے دو مرتبہ ناظرہ پڑھیں، اور دو مرتبہ حفظ پڑھیں، اور اس سے پہلے کے تین سبق کو ایک مرتبہ ناظرہ پڑھیں، دو مرتبہ حفظ پڑھیں، اس سے پہلے کے دو سبق ایک مرتبہ ناظرہ اور ایک مرتبہ حفظ پڑھیں، اس کے بعد ایک مرتبہ ناظرہ پڑھیں، سنیچر اتوار کو سیدھا پارہ سنائیں، پیر کو الٹا، منگل کو سیدھا، جمعرات کو الٹا پارہ سنائیں۔

۱۰- سبق کا پارہ ناشتہ کے بعد ہی سنائیں تاکہ وقفہ کے بعد صباحی دور اپنے وقت پر سنا سکیں۔

۱۱- سبق کی مقدار ایک صفحہ سے زائد ہو اور سبق کا پارہ آدھے سے زیادہ ہو تو جمعرات کے دن سبق سے متصل کچھ صفحات اور شروع پارہ سے کچھ صفحات ملا کر سنائیں۔

۱۲- جن طلبہ کی سبق کی مقدار ایک صفحہ سے کم ہو، آدھا پارہ ہونے کے بعد پہلے دن سبق سے متصل پانچ صفحات اور شروع سے پانچ صفحات ملا کر آدھا پارہ سنائیں، دوسرے دن سبق سے متصل دس صفحات سنائیں۔

۱۳- جن طلبہ کی سبق کی مقدار ایک صفحہ سے کم ہو، آدھا پارہ ہونے کے بعد پہلے دن سبق سے متصل پانچ صفحات اور شروع پارہ سے پانچ صفحات ملا کر آدھا پارہ سنائیں، دوسرے دن سبق سے متصل دس صفحات سنائیں۔

۱۴- سبق پارہ اور آموختہ ٹھہر ٹھہر کر ہی اپنے استاذ کو سنائیں، پاؤ پارہ ۱۰ منٹ میں، آدھا پارہ ۲۰ منٹ میں اور ایک پارہ ۴۰ منٹ میں سنائیں، اس سے لہجہ بنے گا، حروف نہیں کٹیں گے اور تمام غلطیاں درست ہوں گی۔

۱۵- پارہ ختم ہونے کے بعد وہی پارہ دو دن سنائیں، پہلے دن سبق کے پارے میں آخر کا آدھا پارہ اور آموختہ میں شروع کا آدھا پارہ سنائیں، دوسرے دن سبق کے پارے میں آخر کا آدھا پارہ الٹا سنائیں اور صباحی دور میں شروع کا آدھا پارہ الٹا سنائیں اور پارہ کا امتحان دیں۔

(۱۶- صباحی دور کم از کم ۶ مرتبہ پڑھیں، جس کی مقدار نصف پارہ ہو، ربع مقدار ہو تو ۸ مرتبہ پڑھیں، ثلث مقدار ہو تو ۷ مرتبہ پڑھیں۔

۱۷- مبتدی طلبہ تین پارے حفظ کرنے کے بعد صباحی دور شروع کریں۔

۱۸ صباحی دور اردو گھنٹہ سے پہلے سنائیں۔

۱۹- دوپہر کا آموختہ ۶ مرتبہ پڑھیں، جس کی مقدار آدھا پارہ ہو اور ثلث اور ربع مقدار والے طلبہ ۱۰ مرتبہ پڑھیں، جب تک مقدار پوری نہ ہوگی خود اعتمادی نہیں آئے گی، اسی طرح مشابہت کا استحضار بھی نہ ہوگا، طویل مدت تک قرآن یاد نہ رہے گا، کچھ ہی دنوں کے بعد بھول جائیں گے۔

۲۰- دوپہر کا آموختہ عصر کی چھٹی سے پہلے سنائیں؛ تاکہ مغرب کے بعد سبق یاد کرسکیں۔

۲۱- آموختہ کی مقدار زیادہ رہے گی تو پارے کا نمبر جلدی آئے گا اور پارے کچے نہ ہوں گے۔

۲۲- کسی دن آموختہ یاد نہ ہونے پر کچا سنانے پر دوسرے دن وہی پارہ سنائیں۔

۲۳- نشان زدہ غلطی کے دہرانے پر اگر لوٹا دیا جائے تو غلطی کی اصلاح کر کے فوراً آموختہ سنائیں۔

۲۴- جو پارے کچے ہوں استاذ کو بتلا کر ان پاروں کا دور کرلیں۔

۲۵- ۱۰/ پارے ہو جائیں تو سبق کے پارے سے متصل تین پاروں کا دور ہر پیر کو صباحی دور اور آموختہ میں بار بار سناتے رہیں، عام طور پر یہی پارے کچے ہو جاتے ہیں۔

۲۶- پارہ نمبر، رکوع نمبر، سورت کا نام، اور سورت مکی ہے یا مدنی، آیات و رکوعات کی تعداد بھی یاد کریں۔

۲۷- رموز ہر طالب علم کو یاد ہو، تاکہ نشان لگنے پر غلطی سمجھ میں آسکے۔

۲۸- تبدیل حروف و جملہ، حذف حروف و جملہ، اضافہ حروف و جملہ کی اغلاط قرآن شریف میں دیکھ کر انگلی رکھ کر دھیان وتوجہ سے نہ پڑھنے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

۲۹- ہر طالب علم سبق، سبق کا پارہ، وآموختہ یاد کرنے میں اپنے استاذ سے بار بار مشورہ لیتا رہے۔(۱)

(۱) مفید طریقہ حفظ قرآن، جامعہ محمدیہ باراباهلی، احمد نگر، مہاراشٹر، الہند

بڑوں کے لئے حفظ کے طریقے

پہلا طریقہ: دو حضرات مل کر حفظ کریں

مجھے ابھی تک یاد ہے کہ ہمارے ایک استاذ نے بورڈ پر بہت خوش انداز میں تحریر کیا تھا "نبت العلم بین اثنین" علم دو اشخاص کے درمیان پروان چڑھتا ہے، اس وقت میں شرعیہ کا طالب علم تھا، میں نے اس قاعدہ کو زندگی میں مشعل راہ بنایا، اگر آپ اس طریقہ پر عمل کرنا چاہتے ہیں تو ان مرحلوں کا لحاظ کیجئے۔

۱- کسی اچھے دوست کا انتخاب کیجئے، کوئی وقت باہمی مشورہ سے طئے کر لیجئے، فجر کے بعد کا وقت بہتر ہے، ورنہ مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت، مگر ملاقات روزانہ ہونی چاہئے۔

۲- دونوں اپنا اپنا قرآن شریف کھولیں، پہلا ایک آیت دیکھ کر پڑھے، دوسرا اپنی قرآن میں دیکھتے ہوئے غور سے سنے، پھر دوسرا آیت دیکھ کر پڑھے اور پہلا اس کا زبانی اعادہ کرے پھر دوسرا زبانی دہرائے۔

۳- دوسری آیت کی طرف منتقل ہوجایئے اور ایسے ہی صفحہ کے اختتام تک کیجئے۔

۴- پھر ربط والا کام کیجئے، یہاں تک کہ دونوں کو مشترکہ احساس ہوجائے کہ یہ صفحہ پورے طور پر ازبر ہو چکا۔

۵- اب امتحان کا مرحلہ رہ جاتا ہے ایک استاذ بنے اور دوسرا طالب علم، پھر اس کے برعکس، ہر ایک اپنے ساتھی کی غلطیاں نوٹ کرے اور اسے ان سے آگاہ کرتا رہے؛

تا کہ ان کی تلافی ہو سکے۔

دوسرا طریقہ: ٹیپ ریکارڈ سے استفادہ

ٹیپ ریکارڈ سے استفادہ کی کئی صورتیں ہیں، ہم ذیل میں بعض درج کرتے ہیں۔

پہلی صورت

۱- کسی جید قاری (جیسے حصری یا منشاوی) کا مکمل ختم قرآن حاصل کیجئے۔

۲- اپنے ساتھ کار میں پہلی کیسٹ لائیے اور پہلی دفعہ اسے شروع سے آخر تک سن لیجئے۔

۳- دوسری دفعہ پھر سنئے۔

۴- سہ بارہ سنئے اور کوشش کیجئے کہ اس کے ساتھ آیتوں کو دہرائیں، جہاں وہ شروع کرے آپ بھی شروع کیجئے اور جہاں وہ ٹھہرے آپ بھی ٹھہر جایئے۔

۵- چوتھی دفعہ جب آپ سنیں پہلی آیت کے ساتھ ساتھ دہرایئے، جب آیت ختم ہو ٹیپ بند کیجئے اور آیت کو زبانی دہرایئے، اگر اس میں غلطی ہو رہی ہو تو دوبارہ کوشش کیجئے اور اگر آپ نے صحیح پڑھا ہو تو تین دفعہ آیت کریمہ کو دہرایئے تا کہ آپ کے ذہن میں اچھی طرح جم جائے۔

۶- دوسری آیت کی طرف منتقل ہو کر ویسا ہی کیجئے جیسا آپ نے پہلی دفعہ کیا تھا۔

۷- ربط والا کام نہ بھولئے جس کے سلسلے میں ہم پہلے بتا چکے ہیں۔

یہ طریقہ جس طرح کار کے لئے مناسب ہے ایسے ہی گھر میں بھی چل سکتا ہے لیکن اگر آپ گھر میں اس طریقہ کی بنیاد پر یاد کرنا چاہیں تو ان باتوں کو دھیان میں رکھیں:

الف: قرآن شریف کھول کر سورہ سنئے اور وقف وابتداء کا دھیان رکھئے۔

ب: سورۃ کو معانی اور مناظر کے لحاظ سے کئی مقطعوں میں تقسیم کیجئے، مگر کوئی مقطع پانچ آیت سے زیادہ نہ ہو (جو لوگ معانی سمجھ سکتے ہیں جیسے بچے یا عربی داں حضرات وہ پانچ متوسط آیتوں کا لحاظ رکھیں)

ج: پہلا مقطع سنئے پھر اسے زبانی دہرایئے، اگر مقطع بڑا لیں گے اور حفظ کرنا دشوار ہو تو

آدھے پر بھی اکتفاء کر سکتے ہیں۔

د: یہ طریقہ نابینا حضرات کے لئے بے حد موزوں ہے۔

اور بہت سے لوگوں نے اس طرح حفظ کیا ہے۔

دوسری صورت: عقل باطن کی مشغولیت سے استفادہ

پہلی صورت کے مشابہ سے تاہم یہ اسلوب تھوڑا جداگانہ ہے:

(۱) کسی قاری کی آواز میں، جن کی قرأت سن کر آپ کو سکون ملتا ہو، اپنی مطلوبہ سورہ کی کیسٹ لیجئے۔

(۲) سونے سے قبل جب سر تکیہ پر ہو، روشنیاں گل کر دی گئی ہوں، ماحول پرسکون ہو اور رات کا سناٹا چھایا ہوا ٹیپ چالو کیجئے اور مزے سے سنیے۔

(۳) ایک مومن و مسلمان کے مبارک حلق سے نکلنے والی قرآنی آواز کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جایئے۔

(۴) آواز حتی الامکان پست ہو۔

(۵) فجر میں اٹھ جایئے، نماز کے بعد ہرگز بستر پر دوبارہ نہ جایئے اور کوشش کیجئے کہ سونے سے قبل جو سورۃ آپ نے سنی تھی اسے قرآن کھول کر پڑھیں، آپ کو حیرت ہوگی کہ بہت جلد آپ اسے یاد کریں گے، آزما کر دیکھ لیجئے کہ، تجربہ سب سے بڑا ثبوت ہوتا ہے۔

اس طریقہ کے کئی فائدے ہیں، بعض ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں:

۱- عقل باطن تو کام کرتی رہتی ہے، وہ ان مسائل میں مشغول رہتی ہے جن سے آدمی دن میں دوچار رہتا ہے، خاص طور پر دن کے آخری حصہ میں اور سونے سے قبل جن کا سامنا کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ عقل باطن ساری رات، آخری مسئلہ میں مشغول رہتی ہے، چنانچہ سونے سے قبل جو آیتیں ذہن میں محفوظ ہو گئیں انہیں وہ دہراتے رہے گی، آپ محسوس کریں گے کہ پتہ نہیں کس طرح خود بخود اسی آواز اور نغمہ میں آپ کی زبان

چلنے لگے گی جو آپ نے سونے سے پہلے سنی تھی۔

۲- یہ طریقہ آموختہ اور یاددہانی کے لئے بے حد مفید ہے۔

۳- اگر آپ شکستہ خاطر ہوں، یا اندرونی تنگی کی شکایت ہو تو بے حد مجرب دوا ہے۔

۴- اگر آپ کو کم خوابی یا نیند نہ آنے کی شکایت ہو تو اس کے لئے بہتر علاج ہے۔

۵- جو لوگ، جن، سے متاثر ہوں، صرع (Epilepsy) کے شکار ہوں اور ڈراؤنے خوابوں سے پریشان ہوں، ان کے لئے بعض سورتیں اور آیتیں منتخب کی جاسکتی ہیں، جیسے آیۃ الکرسی اور معوذتین، تا کہ سونے سے قبل انہیں سن سکیں، ان کی پریشانی انشاءاللہ دور ہوجائے گی، یہ مجرب اور مشہور ہے۔

۶- یہ طریقہ نابینا حضرات کے لئے حفظ اور مراجعہ میں بے حد معاون ہے۔

تیسری صورت: ایک ہفتہ تک ایک ہی کیسٹ بار بار سننا

۱- کسی جید قاری کی آواز مطلوبہ سورہ والی کیسٹ حاصل کیجئے۔

۲- ہفتہ کے اختتام پر مغرب اور عشاء کے درمیان مسجد میں تشریف رکھئے، مثلاً جمعہ کے دن، اور جس سورۃ کو آپ نے ہفتہ بھر سنا ہے اسے حفظ کرنے کی نیت سے پڑھئے۔

۳- آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ یہ سورۃ اچھی خاصی یاد ہو چکی ہے، اب آپ کا کام صرف اتنا ہے کہ تھوڑی سی توجہ دیں اور تکرار اور یاددہانی سے اُسے پختہ کریں۔

۴- ہفتہ کے دن سے دوسری سورۃ اسی طریقے کے مطابق شروع کریں۔

نوٹ: وقت اور دنوں کی تحدید بطور مثال ہے ورنہ حسب حال جو وقت چاہیں متعین کرسکتے ہیں۔

تیسرا طریقہ: اپنی آواز کے ذریعہ حفظ

لوگ عام طور پر چاہے وہ کسی طبیعت کے حامل، طبقاتی ماحول سے منسلک اور ثقافتی رشتہ سے وابستہ ہوں، اچھی آواز کے دلدادہ ہوتے ہیں، جب کوئی سریلی اور میٹھی آواز ان کے کانوں میں رس گھولتی ہے تو وہ جھوم اٹھتے ہیں......لیکن ہر شخص پر ایسا وقت آتا ہے، جب

اسے اپنی ہی آواز بھاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب وہ دل ہی دل میں گنگناتا ہے تو ایک خاص لطف اور مزہ محسوس کرتا ہے۔

اسی حقیقت کو بنیاد بنا کر ہم یہاں آپ کی اپنی آواز ٹیپ کر کے حفظ کا طریقہ بتاتے ہیں جس سے آپ جب چاہیں دوبارہ لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

۱- ٹیپ ریکارڈ اور ایک خالی کیسٹ لائیے، جو سورۃ آپ یاد کرنا چاہتے ہیں اسے پرسکون ماحول میں بلند آواز سے تجوید اور حسنِ ترتیل کی رعایت کرتے ہوئے پڑھئے۔

۲- معنی اور منظر کی رعایت کرتے ہوئے آپ سورۃ کو کئی حصوں میں تقسیم بھی کر سکتے ہیں۔

۳- ایک ہی مقطع (ٹکڑا) ایک سے زیادہ دفع ٹیپ کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن ایک دفعہ اسے پڑھ لیں تو دوبارہ آغاز کی طرف لوٹ کر پھر ٹیپ کیجئے تاکہ تکرار نہ ہو اور قرأت یکساں اور متصل رہے۔

۴- اپنی پیاری آواز، اپنی کار، گھر اور باغیچہ میں سنئے اور لطف اندوز ہوئیے، جلدی حفظ کرنے اور اپنے معیار کو بلند کرنے کی خواہش میں اس سے مدد ملے گی۔

۵- کوشش کیجئے کہ اپنے تلفظ اور جید قراء کرام کے تلفظ کے درمیان تقابل کریں تاکہ فرق نوٹ کر کے حتی الامکان تلافی کر سکیں۔

۶- ٹیپ کے ساتھ آپ بھی اپنی آواز میں دہرائیے۔

۷- کوشش کیجئے کہ حرکات اور تجوید کی غلطیوں کے سلسلے میں تدقیق کریں۔

۸- جب آپ محسوس کریں کہ سورۃ اچھی طرح یاد ہوگئی تو اپنے حفظ کا خود ہی امتحان بھی لیں۔

۹- اپنی یاد پر اعتماد کرتے ہوئے اسی سورۃ کو زبانی ٹیپ کریں پھر قرآن مجید سے اسے ملائیں اس طرح جمع شدہ کیسٹس خاص طور پر تصحیح شدہ ایک مخصوص بیاگ میں محفوظ رکھیں، اس لئے کہ چند سالوں بعد یہ ایک قیمتی تاریخی یادگار ہوگی۔

چوتھا طریقہ: کاروں میں ضائع ہونے والے وقت سے استفادہ

بہت سے مشغول رہنے والے احباب حفظ کی خواہش ظاہر کرتے ہیں، لیکن عذر بھی

پیش کرتے ہیں کہ ان کے پاس فرصت نہیں، مجھے تجربہ سے اندازہ ہوا کہ یہ اپنی اس خواہش میں سنجیدہ اور سچے ہیں؛ مگر ان کے اوقات کا ایک اچھا خاصہ حصہ کاروں کی نذر ہو جاتا ہے؛ اس لئے اس طریقہ کی طرف توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے۔

۱- جو صفحہ حفظ کرنا چاہیں اس کی فوٹو کاپی کرالیں۔

۲- اپنے سامنے کار میں مناسب جگہ اسے لٹکائیں، خیال رہے کہ ڈرائیونگ میں خلل نہ پڑے۔

۳- جب آپ صبح سویرے کار میں سوار ہوں تو پہلی آیت پڑھئے اور موٹر گرم ہونے تک اسے دہرائیے۔

۴- اگر بفضلہٖ تعالیٰ آپ نکل پڑیں تو پڑھی ہوئی آیت کو زبانی دہراتے رہئے۔

۵- اگر کسی سگنل یا ریڈ لائٹ کے پاس رکیں تو اگلی آیت دیکھ کر پڑھئے، پھر جب چل پڑیں تو زبانی اسے دہرائیے اور اسی طرح۔۔۔۔

تنبیہ: الف: حفظ کردہ صفحہ کے ساتھ بے اعتنائی سے بچیئے، اسے یوں ہی نہ چھوڑیئے کہ پھٹ جائے، بہتر یہ ہے کہ اسے پلاسٹک کے لفافہ میں رکھئے جب اسے یاد کرلیں تو اپنے پاس گھر میں ایک فائل میں رکھئے؛ تاکہ دوبارہ اسے دیکھ سکیں۔

ب: ڈرائیونگ کے دوران بار بار صفحہ پر نگاہ نہ ڈالئے، خدانخواستہ آپ کسی حادثہ کا شکار نہ ہو جائیں، صرف اس وقت نگاہ ڈالئے جب آپ رکے ہوئے انتظار کر رہے ہوں۔

بعض احباب نے ایک اور اچھا تجربہ کیا کہ جیبی قرآن شریف کے صفحات کو اچھی سفید شفاف پلاسٹک سے لیمنیشن کروالیا، ہر ورق علاحدہ ہوگیا اور یہ صفحہ اس قدر مضبوط ہوگیا اور صفحہ اس قدر مضبوط کہ کثرتِ استعمال سے خراب نہ ہو، نیز ان قرآنی کارڈز کے لئے کیسٹس کے ڈبہ کی طرح ایک اچھا مناسب ڈبہ تیار کیا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کچھ کارڈ اپنے جیب میں رکھے ہیں، جب کار میں ہوں تو اپنے آگے رکھ لیں اور وقتاً فوقتاً اس پر نگاہ ڈالتے رہیں، بعض صورتوں میں جیبی قرآن یا پنج پارے

بھی اسکے قائم مقام ہو سکتے ہیں، نیز یہ طریقہ علمی متون کے حفظ اور مراجعہ کے لئے بہت مناسب ہے؛ بشرطیکہ اچھی طرح دہرائیں؛ اس لئے کہ اس میں زیادہ نظر ڈالنا ضروری نہیں۔

بعض مشائخ نے اسی طریقہ پر حفظ کیا ہے، لیکن کار کی جگہ سائیکل یا سواری کا استعمال کیا ہے، شیخ عبدالفتاح المرصفی علیہ الرحمۃ نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ ''طیبہ'' کا متن سواری کی سیٹ پر یاد کرتے تھے۔

خود راقم السطور (یحی بن عبدالرزاق الغوثانی) نے ''الفیہ بن مالک'' غوطہ شرقیہ کے باغات میں پودوں کے درمیان سیکل چلاتے ہوئے یاد کیا، یہ طریقہ مجھے بہت اچھا لگا۔

نیز ڈرائیونگ کے درمیان ٹیپ ریکارڈ بھی بہت مفید ہے، اس لئے کہ اس میں نگاہ کو مشغول رکھنے کی زحمت نہ ہوگی، صرف قاری کی تلاوت کے ساتھ ساتھ دہرانا ہوتا ہے، یہ طریقہ حد درجہ نفع بخش ہے، خاص طور پر ان بچوں کے لئے جو تلقین سے حفظ کرتے ہیں۔

پانچواں طریقہ: پیشہ ور لوگوں کی ٹیکنیک

یہ طریقہ ہم اس لئے ذکر کر رہے ہیں کہ وہ احباب جو مختلف پیشوں سے جڑے ہوئے ہیں اور حفظ کے خواہاں ہیں استفادہ کر سکیں۔

ہم یہاں پر کپڑا بننے والوں کا طریقہ ذکر کرتے ہیں، ممکن ہے کہ قارئین کے نزدیک یہ چیز اچھنبی ہو مگر میں نے اس طریقہ کو اس لئے ترجیح دی کہ میرے شیخ اور قراءت عشرہ کے استاذ شیخ عبدالغفار الدروبی حفظہ اللہ نے احقر سے بتایا کہ انہوں نے ابتداء قرآن سے سورہ فرقان تک چار ماہ میں اس طریقہ کے مطابق حفظ کیا، اس وقت وہ بنوائی کے پیشہ سے منسلک تھے۔

۱- نول (بننے کی مشین) کے پیچھے بیٹھ جائیے، پھر ایک جگہ کا انتخاب کیجئے، جہاں راحت کے ساتھ آپ کی نگاہ ٹھہر سکتی ہو۔

۲- اس جگہ پر آنکھوں کے سامنے دو بڑے کیل ٹھونک دیجئے؛ تاکہ وہاں قرآن مجید اچھی

طرح رکھا جاسکے۔

۳- پہلی آیت کو دیکھ کر پڑھیے، پھر کام کے دوران زبانی پڑھتے رہیے، اسلئے کہ بنوائی کے کام میں زیادہ غور وفکر کی ضرورت نہیں پڑتی؛ بلکہ زبانی پڑھنے سے کام میں اور تیزی آئے گی، ذہن یاد کرنے میں رہے گا اور ہاتھ اور پیر بنوائی کے کام میں خود بخود حرکت کرتے رہیں گے۔

اسی پیشہ کے ساتھ آموختہ اور مراجعہ کا کام بہت اچھی طرح ہوسکتا ہے، اس لئے کہ اس طرح بیزارگی دور ہوتی ہے، اور کام میں چستی پیدا ہوتی ہے۔

جن علماء نے اس طریقہ کے مطابق حفظ کیا ان میں دمشق کے شیخ القراء علامہ حسین خطاب رحمہ اللہ سرفہرست ہیں، جنہوں نے اس طرح بلند ہمتی سے حفظ کیا، ان میں علامہ ابو الحسن کردی حفظہ اللہ بھی ہیں، شروع میں وہ گوشت فروش تھے، اور بعد میں دمشق کی مشہور دعوتی مسجد جامع زید بن ثابت میں قرات کے حلقوں کے شیخ کی حیثیت سے معروف ہوئے۔

دمشق میں ایک عالم اور قاری شیخ عزی تھے جن کا یہی کام تھا کہ پیشہ ور مزدوروں کے ایک گروپ کو قرآن پڑھائیں، ان کے دست مبارک پر بہت جید حفاظ پیدا ہوئے، ان میں سے ایک نانبائی تھا جس نے تنور پر کام کرتے ہوئے پورا قرآن شریف حفظ کیا۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے قراء کے اسمائے گرامی کے ساتھ آپ کو یہ القاب ملیں گے۔

قزّاز (ریشم فروش) بزّاز (پارچہ فروش) بذّار (بیج فروش) زیّات (تیل فروش) نجّاد (ندف) نجّار (بڑھئی) نقّاش (نقش ونگار کرنے والا) حذّاء (موچی)۔

چھٹا طریقہ: فہم آیات پر اعتماد کرنا

یہ طریقہ بچوں کی ضرورت اور بڑوں کے لئے زیادہ مفید ہے:

۱- ایسا قرآن شریف حاصل کیجئے جس کے ساتھ مختصر تفسیر ہو، جو مشکل الفاظ کے معانی اور ضروری مطالب کی توضیح کر سکے۔

٢- کسی ایک مقطع (ٹکڑے) کا انتخاب کیجئے جسے آپ حفظ کرنا چاہتے ہیں۔

٣- مقطع غور سے پڑھئے اور مشکل الفاظ پر توجہ دیجئے۔

٤- مشکل الفاظ کے معانی معلوم کرنے کے لئے تفسیر سے استفادہ کیجئے، اجمالی معنی ومفہوم سمجھنے کی فکر کریں اگر ممکن ہو سکے تو یہ بھی جاننے کی کوشش کریں کہ یہ آیت کیوں اور کہاں نازل ہوئی؟

٥- اسی طرح آیتوں کا اجمالی خاکہ واضح طور پر آپ کے سامنے آجائے گا۔

٦- مقطع میں بیان شدہ معانی پر دھیان دیتے ہوئے حفظ کرنا شروع کیجئے۔

٧- اگر آپ نے اس مقطع کو سمجھا لیا اور اچھی طرح یاد بھی کرلیا تو آپ کو سب کچھ مل گیا، صرف اس پر عمل باقی رہ جاتا ہے۔

یہی طریقہ ہے جس پر سلف صالحین اور صحابہ کرام عمل پیرا تھے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم دس دس آیتیں لے لیتے تھے، انہیں یاد کرتے، سمجھتے اور ان کے مطابق عمل کرتے۔

٨- آپ اگلا مقطع اس طرح یاد کرسکتے ہیں۔

یہ طریقہ آفس میں کام کرنے والے یا کسی بھی شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے لئے مناسب ہے جن کے پاس حفظ کے لئے وقت نہیں، ایسے حضرات کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ کسی عالم کی خدمت میں حاضر ہوں یا اگر عالم میسر نہ ہو تو اپنے گروپ میں سے کسی ساتھی کے پاس ہفتہ میں ایک دن حاضر ہوں، وہ ان کے سامنے ایک موضوع سے متعلق کامل تلاوت کرے، پھر اس کی تفسیر بیان کرے، پھر سب کے سب عالم صاحب کے سامنے یکے بعد دیگرے تلاوت کریں (انہیں چاہئے کہ وہ تلاوت کی غلطیوں کی نشاندہی کریں اور درست ہونے پر حوصلہ افزائی کریں، آپس میں وعدہ کریں کہ ہفتہ کے دوران اسے یاد کریں گے اور اگلی ملاقات میں عالم صاحب کو وزبانی سنادیں گے اور اسی طرح....

اس طریقہ کی برکت سے آپ کو متنِ قرآن کے ساتھ ساتھ معانی بھی یاد ہوجائیں گے،

اس طریقہ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ آیتوں کا عمومی تصور، آدمی کے ذہن میں طویل عرصہ کے لئے رہ جاتا ہے، خواہ وہ انہیں دوبارہ نہ پڑھے۔

ساتواں طریقہ: نابینا حضرات کے لئے طریقہ کار

آنکھ ایک عظیم نعمت ہے، بہت کم لوگ اس کی قیمت سے واقف ہیں، اس لئے اس نعمت سے محروم لوگوں کو اللہ کی جانب سے معاوضہ میں بصیرت اور بہت سی خصوصی صلاحیتیں عطا ہوتی ہیں، چنانچہ عمومی طور پر ان میں بے حد ذہانت اور حفظ کی بے پناہ صلاحیت پائی جاتی ہے۔

۱- نابینا حضرات کسی استاذ کے پاس حاضر ہوتے ہیں، ان کے نزدیک حفظ کے کام میں استاذ کی شخصیت بنیادی حیثیت رکھتی ہے، استاذ کا بینا ہونا کوئی ضروری نہیں، ہم مثل کے احوال سے بخوبی واقفیت کی بناء پر نابینا یہ کام بہتر طور پر انجام دے سکتا ہے۔

۲- اگر جید حافظ نہ مل سکے تو کوئی بھی دوست جس کی تلاوت صحیح ہو یہ کام کرسکتا ہے، اگر ایسا بھی کوئی شخص نہ مل سکے تو ٹیپ ریکارڈ سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

۳- ساتھی فراخ طبیعت کا مالک ہو جو لوگوں سے محبت کرنے والا اور ان کی خدمت باعث سعادت سمجھنے والا ہو، مزاج میں سختی نہ ہو اور نہ جلد بیزار ہو، اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو، اپنے دوست کے احساسات کی رعایت کرنے والا ہو اور بہت نزاکت ولطافت سے پیش آنے والا ہو۔

۴- شور وشغب سے دور، پرسکون جگہ اس کام کے لئے موزوں ہوسکتی ہے۔

۵- ایک ایک آیت تلقین کرے، اس کے سامنے پہلی آیت بلند آواز سے پڑھے، پھر اس سے فرمائش کر کے دو تین دفعہ اس کے پیچھے دہرائے، یہاں تک کہ یقین ہو جائے کہ نابینا نے اسے یاد کرلیا ہے۔

۶- اگلی آیت کی طرف منتقل ایسے ہی صفحہ کے اختتام تک کرتا جائے، پھر آیتوں کو ایک دوسرے سے ربط دے، پھر آخری مرتبہ پورا صفحہ سنے۔

۷- مقدار نابینا کی قوت حفظ اور استاذ کے وقت پر منحصر ہے۔

۸- اہم کام نابینا کو خود انجام دینا ہے کہ یاد کئے ہوئے حصہ کا بکثرت مراجعہ کرے، اگر کسی جگہ اٹک جائے اور کوئی مدد کرنے والا نہ ملے تو اگلی آیت کی طرف منتقل ہوسکتا ہے اور اس سلسلہ میں استاذ سے اگلے روز مدد لے سکتا ہے۔

میں نے نابینا حضرات کا ایک گروپ دیکھا جن کا حفظ عموما دوسروں سے پختہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اسی طریقہ پر حفظ کیا؛ اس لئے موجودہ دور میں نابینا حضرات کے لئے ٹیپ ریکارڈ بے حد کارآمد ہے، اگر کوئی ساتھی نہ مل پائے تو اس سے بہتر کوئی ہم سفر نہیں۔

نیز بریل (Braille) نظامِ تحریر کے ذریعہ نابینا حضرات خود حفظ کر سکتے ہیں، اس لئے کہ قرآن مجید اس طرز پر تیار کیا جا چکا ہے کہ وہ لمس کی مدد سے پڑھ سکتے ہیں۔

بلکہ اب تو الکٹرانک قرآن بازار میں آنے لگے ہیں کہ چھوٹی سی مشین میں ساری قرآن آواز کے ساتھ محفوظ ہے جو ایسے لوگوں کے لئے مفید اور سہل الاستعمال ہے، یہ بہ آسانی جیب میں آسکتا ہے اور جہاں چاہے آپ کے ساتھ رہ سکتا ہے۔

آٹھواں طریقہ: مساجد میں حفظ کے حلقے

بہت سے ملکوں کے اندر مساجد میں حفظ قرآن کے حلقوں کا رواج ہے، جن کا طریقہ کار یہ ہے:

۱) حافظ صاحب محلہ کی مسجد میں حلقہ کے آغاز کا اعلان کرتے ہیں، چنانچہ مختلف العمر طلبہ کسی اچھی خاصی تعداد میں جمع ہوجاتے ہیں۔

۲) پہلے چھوٹی سورت سے ابتداء کرتے ہوئے طلبہ کے سامنے پڑھتے ہیں اور وہ غور سے قرآن مجید میں دیکھتے ہیں۔

۳) پھر انہیں یومیہ حفظ ہوم ورک کی ذمہ داری سونپتے ہیں جسے انہیں اگلے دن زبانی سنانا ہوگا۔

۴) ان کے حفظ کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ہر طالب علم حلقہ میں اپنی جگہ بیٹھے قرآن کھول کر گردن جھکائے یاد کرنے میں لگ جاتا ہے اور اسے بار بار دہراتا ہے، یہاں تک کہ وہ یاد ہو جائے، اگر وقت ختم ہو جانے سے قبل اچھی طرح یاد ہو جائے تو حافظ صاحب کو یاد کردہ حصہ سنا دیتا ہے اور اگلا ہوم ورک لیتا ہے۔

۵) اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ایک حلقہ کے درمیان حفظ مقدار میں تفاوت اور فرق پایا جاسکتا ہے۔

۶) اس طرح کے حلقوں میں مدرس کی اصل ذمہ داری یہ ہے کہ اہتمام اور توجہ سے سنے نیز طالب علم پر خوب محنت کرے۔

۷) طلبہ کی صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں، بعض تو اسی طرح قرآن تک پابندی سے جڑے رہتے ہیں اور بعض منقطع ہو جاتے ہیں، کامیاب طالب علم وہ ہے جو پابندی سے لگا رہتا ہے۔

۸) حفظ کا باقاعدہ رجسٹر رہتا ہے جس میں طلبہ کے نام وعمر نیز ہر دن کی تاریخ اور سبق وآموختہ اور حفظ کے معیار کا بھی ریکارڈ رہتا ہے۔

۹) اس کے لئے نقدی اور مالی انعامات تیار کئے جاتے ہیں، جو مستحق طلبہ میں تقسیم ہوتے ہیں۔

۱۰) سالانہ زبردست جلسہ کیا جاتا ہے جس میں طلبہ کے سرپرست، قوم کے سربرآوردہ لوگ عمائدین شہر، علماء کرام اور مدرسین تشریف لاتے ہیں، اعلی نمبرات سے کامیاب ہونے والے طلبہ کو وانعام واکرام سے نوازا جاتا ہے۔

حفظِ قرآن ڈگریوں کے ساتھ

ملکی اور عالمی سطح پر اور ترقی یافتہ ممالک میں عصری علوم اور خاص عمر میں اسکول کے داخلہ پر زور دیا جارہا ہے، معاشرہ کا ایک طبقہ وہ ہے جو اپنے بچوں کو عالم دین تو نہیں بنانا چاہتے، مگر وہ انہیں حافظ قرآن اور انجینئر اور ڈاکٹر بنانا چاہتے ہیں، ایسی صورتحال میں اہل مدارس اور ذمہ داران اسکول اگر ایسا نظام بنالیتے ہیں تو حفاظ قرآن کی تعداد بھی بڑھ جائے گی اور کچھ بچے فکری وتہذیبی ارتداد سے بھی بچ جاتے ہیں، بہت سے علاقوں میں ماشاء اللہ ایسے نظام بھی بن چکے ہیں، اور کامیاب بھی چل رہے ہیں، کہ طالب سے انٹریو کے ذریعہ اس کی ذہنی صلاحیت اور قوتِ حافظہ کا اندازہ کرلیا جاتا ہے، پھر اسکول یا مدرسہ میں پانچویں جماعت کے بعد اس سے چھٹی، ساتویں، آٹھویں جماعت میں حفظِ قرآن مکمل کرلیا جاتا ہے، ان تین سالوں کے درمیان اسکول تعلیم کے ضروری مضامین پڑھائے جاتے رہتے ہیں، ربط بھی باقی رہے، اور آگے دسویں جماعت کا امتحان دینے اور تیاری کرنے میں سہولت ہو، اب چاہے اسکولی تعلیم کا نظم اہل مدارس خود اپنی چہار دیواری کے اندر کریں، اور حکومت سے اپنا الحاق کرائیں، یا کسی اسکول سے اپنے اس قسم کے طلبہ کا داخلہ کروایا جائے، اس سلسلہ میں بہت سے حیرت انگیز اور کامیاب تجربات پورے عالم میں ہورہے ہیں، فضیلت قرآن بھی لڑکے اور لڑکیوں کو حاصل ہوگی، اس طرح مغرب زدہ ایک طبقہ دینی علم سے قریب ہوجائے گا، آگے چل کر وہ طالب علم عالم دین بھی بننے کا ارادہ کرلیتا ہے یا وہ حافظِ قرآن انجینئر، حافظ قرآن ڈاکٹر اور حافظ قرآن وکیل بن جائے گا، یا آگے چل کر کم از کم کچھ نہ کچھ دینداری، علماء

کرام پر اعتماد برقرار رہے گا۔

لیکن جاننا چاہیے کہ بہت بڑا چیلنج ہے، ہر طالب علم اس قدر بوجھ نہیں اٹھا سکتا، اور ہر انتظامیہ اس قدر کام کی ذمہ داری نہیں لے سکتے، لیکن اس نظام کی نزاکت اور حساسیت کی وجہ سے چھوڑا بھی نہیں جا سکتا، ضرور فائدہ اٹھائیں، از سر نو تجربہ نہ شروع کریں، صحیح منصوبہ بندی نہ ہونے کی وجہ سے ہرگز ایسا نہ ہو کہ قرآن ناپختہ رہ جائے، اسکولی پڑھائی میں بھی مضبوط نہ بن سکیں، ماڈرن طبقہ اس طرح کرنے سے اہلِ مدارس سے اور متدین لوگوں سے بدظن ہو جائے گا۔

گرمائی کلاس

مدارس کی افادیت کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے اور طلباء کی تعداد میں اضافہ کرنے کا کام اس سے پورا ہوسکتا ہے کہ گرمائی چھٹیوں میں اطراف واکناف طلبہ عصری مدارس یعنی اسکولی بچوں کے لئے چالیس روزہ یا دس بیس روزہ تربیتی کورس ترتیب دیا جائے، اسلامی کلمات، اذکارِنماز، مسنون دعائیں اور اخلاقی قصے کہانیاں سنائیں جائیں، اسلام اور علماء دین کی عظمت بٹھائی جائے، پابندیٔ نماز، اخلاقی ترقی، خدمت والدین، علمی دلچسپی پر انعامات تقسیم کئے جائیں، سیرت کوئز وغیرہ یعنی قرآنی حدیثی تاریخی معلومات پر مسابقہ رکھا جائے، آخری دن جلسۂ تقسیم انعامات میں والدین اور سرپرستوں کے سامنے تعلیمی مظاہرہ کے بعد سند اور تصدیق نامے ضرور جاری کریں، اگر ہوسکے فیس یا بغیر فیس کے اڑوس پڑوس کے دیہاتوں سے اسٹوڈینس کو لاکر دارالاقامہ کے ماحول میں رکھ محبت وشفقت فضا میں ان کی نگرانی کی جائے، انہیں میں سے بعض علم دین کے شوق میں مدارس سے وابستہ ہوجاتے ہیں، کم ازکم ارتدادی ذہنیت کے کچھ جراثیم جھڑ جاتے ہیں، مغرب کا دماغ پر چڑھا کچھ نشہ کم ہوجاتا ہے۔

آموختہ اور دور کے بعض طریقے

ا۔انفرادی آموختہ

اس میں حافظ خود اپنی ذات پر اعتماد کرتا ہے اور اپنے لئے یومیہ پروگرام مقرر کرتا ہے، جو اس کے کام اور فرصت کے لحاظ سے مناسب ہوا، اس کی بعض صورتیں یہ ہیں۔

پہلی صورت

یہ سب سے اعلی اور معیاری صورت ہے، روزانہ پانچ پاروں کا دور اور چھٹے دن ختم کریں، اس لئے کہا گیا ہے کہ: ''من واظب علی قرائۃ الخمس لم ینس'' (جو پانچ پارے پابندی سے پڑھے کبھی نہ بھولے)

دوسری صورت: تسبیع

قرآن کو سات حصوں میں تقسیم کریں، یہ صورت سلف صالحین کے نزدیک معروف ہے، شریف ابن جماعۃؒ کہتے ہیں: ہر سات دن میں قرآن کا پڑھنا ایک اچھا معمول ہے، حدیث میں اس کا ذکر ملتا ہے، اور امام احمد بن حنبل کا اس پر عمل بھی تھا، اس میں قرآن کو ہفتہ کے دنوں پر اس طرح تقسیم کیا جاتا ہے کہ ہر جمعہ ایک ختم ہو۔

دن	منزل	سورتیں	صفحات	تعداد
ہفتہ	پہلی	سورہ بقرۃ.............سورہ مائدہ		
اتوار	دوسری	سورہ مائدۃ.............سورہ یونس		
پیر	تیسری	سورہ یونس.........سورہ بنی اسرائیل		

منگل	چوتھی	سورہ بنی اسرائیل.........سورۃ الشعراء		
چہارشنبہ	پانچویں	سورۃ الشعراء.........سورۃ الصافات		
جمعرات	چھٹی	سورۃ الصافات............سورہ ق		
جمعہ	ساتویں	سورۃ ق.............سورۃ الناس		

پھر اگلا ختم شروع کریں، یہ طریقہ، موریتانیہ میں رائج ہے، اس لئے ان کا حفظ بہت پختہ ہے، نئے حفاظ کو میں اس کا مشورہ دیتا ہوں، انہیں چاہئے کہ کم از کم چھ ماہ اس کی پابندی کریں، ان شاء اللہ حفظ پختہ ہوجائے گا۔

تیسری صورت: ایک دہے میں ختم

روزانہ تین پاروں کا دور، اور دس دن میں ختم کریں، اس طرح ہر ماہ تین ختم اور سال میں چھتیس ختم ہوجائیں گے۔

چوتھی صورت: تخصیص اور تکرار کا وصول

ہر ہفتہ کے لئے تین پارے مختص کریں، اور ہفتہ بھر ان کا دور کریں، مثلا ہفتہ کے دن سے آغاز کریں اور جمعہ کے دن پر اختتام، اس طرح آپ تینوں پاروں کو سات دفعہ پڑھ سکیں گے، پھر اگلے تین پاروں کو لیجئے، قرآن مجید دس ہفتوں میں ختم ہوگا اور حقیقت میں آپ سات دفعہ ختم کر چکے ہوں گے۔

پانچویں صورت: بیک وقت دو ختم

یہ تیسری اور چوتھی صورت سے مرکب ہے، اس طور پر کہ دو ختم ایک ساتھ کریں، پہلے ختم کے لئے روزانہ دو پاروں کا دور کریں اور انہیں ہفتہ بھر میں دہرائیں اور دوسرے ہفتہ میں اگلے دو پارے پڑھیں۔

دوسرے ختم کے لئے روزانہ ایک نیا پڑھیں، اس طرح آپ روزانہ تین پارے پڑھیں گے، مہینہ گذرنے پر ایک ختم ہوگا اور آٹھ پارے خوب پکے ہوجائیں گے۔

جو لوگ ایک لمبے عرصے تک دور نہ کرسکے ہوں کہ تقریبا قرآن بھولنے لگے ہوں

اوران کی ہمت پست ہوگئی ہو، مگر طبیعت قرآن کو پکا کرنے کی دوبارہ زبردست خواہش ہو، انہیں میں اس طریقہ کا مشورہ دیتا ہوں۔

چھٹی صورت: یک ماہی ختم

روزانہ ایک پارہ دور کریں اور ہر مہینہ ایک ختم کریں، یہ (جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں) کاہلوں کے لئے ہے، اس لئے حافظ قرآن کو اس سے نیچے ہرگز نہیں اترنا چاہیے۔

ساتویں صورت: نمازوں میں دور

اس کی بہت سی صورتیں ہیں۔

مثلا: تہجد اور قیام اللیل کے موقع کو غنیمت جاننا، یہ بے حد مفید اور مجرب ہے اس لئے کہ اس وقت دل کو سکون میسر ہوتا ہے۔

ہمارے استاد عبدالفتاحؒ وتر میں تین پارے پڑھتے تھے نیز ہمارے ایک اور استاذ تہجد میں دس پاروں کی تلاوت فرماتے تھے۔

تراویح کی نماز کو غنیمت سمجھنا: یہ اصل میں حفاظ کرام کے لئے بہترین میدان ہے، کیوں کہ محراب میں پڑھنے میں حفظ پختہ ہوتا ہے اور پائیدار رہتا ہے، روزانہ آپ ایک پارہ ۹ دفعہ بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن پہلی دفعہ سنانے والوں کو احقر کا مشورہ ہے کہ تراویح سے قبل کم از کم پانچ دفعہ پڑھ لیں۔

نوافل اور سنن موکدہ: اکثر لوگ عموما ان نمازوں میں چھوٹی سورتیں پڑھتے ہیں، جب کہ عموما دن میں تقریباً ’’سولہ رکعت‘‘ سنتوں کی پڑھی جاتی ہیں، اگر ہر رکعت میں آدھا صفحہ بھی پڑھ لیں تو روزانہ نصف کا دور ہوسکتا ہے۔

آٹھویں صورت: کیسٹس کی سماعت

جید قراء کرام کی کیسٹس اپنے ساتھ رکھئے، کار میں بیٹھے بیٹھے کام کے لئے جاتے وقت، واپسی پر یا سونے سے قبل سننے کا اہتمام کیجئے، البتہ اس صورت میں، حدر والی قرأت‘ کے سننے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

نویں صورت: ازسرِ نو حفظ

بعض لوگوں کے لئے ازسرِ نو حفظ ضروری ہوجاتا ہے اور خاص طور پر اخیر کی اورحم کی سورتوں کا، اس لئے کہ وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ انسان بھولنے لگتا ہے جیسے پہلے کچھ یاد ہی نہ کیا ہو، یہ طریقہ مفید ہے اور اس میں ''نفسیاتی محرک'' بہت اہم ہے، جب آپ کسی سورۃ کو پکا کرنا چاہیں تو اس پر ایسے توجہ دیجئے جیسے آپ پہلی دفعہ حفظ کرنا چاہتے ہوں، انشاء اللہ آپ بہت جلد آسانی سے حفظ کر پائیں گے۔

دورکنی آموختہ

آموختہ کی یہ صورت دوسرے شخص کی موجودگی میں انجام پاتی ہے، بہتر ہے کہ دوسرا شخص وہی جید استاد ہو جس کے پاس آپ حفظ کررہے ہیں، اگر ان کے پاس وقت نہ مل سکے تو پھر کسی مخلص دوست کا تعاون حاصل کیا جاسکتا ہے، ہم یہاں اس کی بعض صورتوں کی طرف اشارہ کررہے ہیں:

پہلی صورت: اسباق کا آموختہ

مبتدی کو چاہئے کہ نیا سبق سنانے کے بعد آموختہ کے طور پر گذشتہ اسباق بھی سنائیے۔

مقدار کی تعیین استاذ کے مشورہ کے ساتھ طئے ہوسکتی ہے اور حفظ پکا ہو تو اگلے سبق کی طرف منتقل ہونے کی اجازت دے ورنہ اعادہ کا حکم کرے، استاذ کو چاہیے کہ آموختہ میں کسی غلطی یا اٹکی کو ہرگز قبول نہ کرے اور پکے حفظ کا مطالبہ کرے۔

دوسری صورت: ہم سبق کے ساتھ آموختہ

اپنے ساتھی کو پہلے دن کوئی سورۃ سنائیں، اگلے روز وہی سورۃ دوبارہ سنائیں البتہ پہلا صفحہ چھوڑ دیں اور اس کے بدلہ اگلی سورۃ کا نیا صفحہ ملالیں، اس طرح جب بھی ایک نئے صفحہ کا اضافہ کریں تو گذشتہ سارے اسباق کا، ایک صفحہ کے علاوہ، اعادہ ہوجائے گا، اس صورت میں آپ ایک صفحہ کو کئی کئی دفعہ سنا سکیں گے جو حفظ کی تقویت کا باعث ہوگا۔

تیسری صورت: معارضۂ جبرئیلیہ

امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت فاطمہ نے بیان فرمایا کہ: "ولا أراہ الا حضر أجلی" رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے چپکے سے بیان کیا: جبرئیل میرے ساتھ ہر سال قرآن کا دور کرتے ہیں اور انہوں نے اس سال میرے ساتھ دو دفعہ دور کیا، میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ میرا وقت آچکا ہے"۔(۱)

اس کی روشنی میں ہم کہتے ہیں: یہ صورت حفاظ کے لئے زیادہ مناسب ہے جو ختم کر چکے ہوں۔

اگر آپ پر حق تعالیٰ نے یہ انعام فرمایا ہے تو مندرجۂ ذیل طریقہ پر ضرور عمل کیجئے۔

۱) اپنے کسی دینی بھائی کے ساتھ، موسمی ماہانہ، ہفتہ واری، یا یومیہ، باہمی دور، طئے کر لیجئے۔

ویسے یومیہ میرے نزدیک بہتر ہے، مثلا سورۂ بقرہ سے بسم اللہ کرتے ہوئے پہلا شخص ایک رکوع پڑھے اور دوسرا قرآن میں دیکھتا رہے، پھر دوسرا اگلا رکوع اور پہلا شخص قرآن میں دیکھتا رہے اس طرح پارہ ختم ہونے تک کریں۔

۲) اس کے بعد مسئلہ کو الٹ دیں، دوسرا شخص پہلا رکوع پڑھے اور پہلا شخص دوسرا رکوع پڑھے اور دونوں میں سے ہر ایک فریق ثانی کے پڑھنے کے دوران قرآن میں دیکھتا رہے۔

۳) مجلس کے اختتام پر ایک دوسرے سے سوالات کریں، بہتر ہے کہ صفحہ کے آخری حصہ سے سوالات کئے جائیں اور ہر پانچ صفحات میں صرف ایک سوال ہو۔

۴) اگر دونوں اس طریقہ کی پابندی کریں گے تو ان شاء اللہ قرآن بہت پختہ یاد ہو جائے گا۔

پہلی صورت ہے جسے ہم نے باہمی دور کا نام دیا ہے، تجربہ سے ثابت ہے کہ یہ طریقہ بہت کامیاب اور مختلف صورتوں سے اس کی تطبیق ہو سکتی ہے۔

---

(۱) بخاری

ایک صورت یہ ہے کہ استاذ اپنے حلقہ یا جماعت کے محنتی طلبہ سے کہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہمی دور کریں، اور ہر ایک اپنے ساتھی کے پاروں کے نام اور غلطیوں کی تعداد وغیرہ درج رجسٹر کرے۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ استاذ خود طلبہ کے ساتھ یہ کام کرے یا تو اجتماعی شکل میں، مثلا ایک شخص ایک ربع پڑھے اور دوسرا اس سے آگے ربع پڑھے، یا پھر ہر طالب علم کو اور خاص طور پر جو ختم کر چکے ہوں انہیں خاص وقت دیں۔

اس میں بے حد فائدے ہیں، جو غور کرنے سے سمجھ میں آسکتے ہیں:۔

آموختہ اور دور کے سلسلہ میں اہم نوٹ

بہت سے طلبہ سمجھتے ہیں کہ آموختہ اور دور کا کام ختم قرآن کے بعد شروع ہوتا ہے، جب کہ یہ سراسر غلط ہے اس لئے کہ آموختہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب آپ پہلا سبق یاد کرنے کے بعد دوسرے سبق کی طرف منتقل ہوں، نیز بہر صورت آموختہ کی مقدار حفظ کی تعداد سے کئی گنا زیادہ ہونی چاہیے، اور حفظ کے آغاز ہی میں طالب علم کے سامنے اس کی اہمیت واضح طور پر بیان کی جانی چاہیے، طالب علم کا شعار یہ ہو: تھوڑا سا اور پکا حفظ، زیادہ اور کچے حفظ سے بہتر ہے۔

یہاں آموختہ اور دور کی بعض عجیب وغریب صورتیں قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہیں، یاد رہے کہ یہ صرف علم واطلاع کی خاطر ہے نہ کہ برائے اعتماد۔

مغربی طریقہ: مغرب عربی (مراقش وغیرہ کے علاقے) کے ایک شیخ نے مجھ سے یہ بیان کیا اور کہا کہ بعض علاقوں میں طریقہ رائج ہے کہ قاری تین سورتوں کا بیک وقت آموختہ کرتا ہے اور ہر سورہ کی ایک آیت پڑھتا ہے چنانچہ آیتوں کو اس طرح خلط ملط کرتا ہے۔ (جس کی شریعت میں ہرگز اجازت نہیں)

"عم یتسائلون ، والنازعات غرقا ، عبس وتولیٰ ،عن النباء العظیم، والناشطات نشطا ،ان جاءہ الاعمیٰ"

بلا شبہ اس کے لئے عجب قوت استحضار کی ضرورت ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ شرعاً ممنوع ہے اور اس پر سکوت جائز نہیں۔

اجتماعی مراجعہ: صومالیہ کے بعض مشائخ نے مجھ سے بیان کیا کہ آج تک بھی ان کے ہاں رواج ہے کہ حفاظ کا ایک گروپ دائرہ کی شکل میں جمع ہوتا ہے، پہلا شخص کسی سورۃ کی آیت زبانی پڑھتا ہے اور دوسرا اگلی آیت پڑھ کر خاموش ہوجاتا ہے، تیسرا اس سے آگے پڑھتا ہے......اس طرح ہر شخص ایک آیت کی تلاوت کرتا ہے۔

یہ طریقہ مفید ہے، البتہ بعض چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱) سب لوگ شروع ہی سے خاموشی سے پڑھتے رہیں البتہ جب کسی کی باری آئے تو وہ زور سے پڑھ دے تاکہ قرأت میں انقطاع واقع نہ ہو۔

۲) اس میں فائدہ یہ ہے کہ سب کو سورۃ مستحضر ہوجاتی ہے اور وہ اپنے حصہ کی آیت پڑھنے کے لئے مستعد رہتے ہیں، میں نے ''بوسینیا'' اور 'ہرسک' کے اندر قرآنی حلقوں میں یہ طریقہ رائج پایا۔

قیدیوں کا ایک دلچسپ واقعہ

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ قیدیوں کی ایک جماعت سے متعلق ہے جن کے ساتھ قرآن مجید نہ تھا، ہر شخص کو جتنا یاد ہے دوسرے کو سکھاتا، اس طرح انہوں نے سورۂ انفال کے علاوہ سارا قرآن مجید یاد کرلیا، اس لئے کہ ان کے درمیان کسی شخص کو سورۂ انفال یاد نہ تھی، انہیں بے حد فکر ہوئی، یہاں تک کہ تفتیش کے لئے ایک کی باری آئی، جب وہ انتظار کے لئے عدالت کے ہال میں پہنچا، اس کے نزدیک سب سے اہم کام یہ تھا کہ کسی ایسے شخص کو ڈھونڈ نکالے جسے سورۂ انفال یاد ہو، بالآخر اسے مطلوب مل ہی گیا، چپکے سے اسے یاد کرلیا اور اپنے دوستوں کے پاس یہ قیمتی تحفہ لے کر واپس گیا، انہوں نے اس کے نام کا نعرہ لگایا، جب اس نے انہیں اس سورۃ کی تلقین کی تو قیدیوں نے پہلی دفعہ میں اسے یاد کرلیا۔

بیک وقت ایک سے زائد طالب علم کا سننا

بسا اوقات استاد صاحب دو چار طلبہ کو سنانے کے لئے کہتے ہیں، ہر شخص ایک ایک سورۃ سناتا ہے ان کی آواز متوسط ہوتی ہے، استاد سب کا آموختہ سنتے ہیں اور بغیر کسی خلط ملط کے سب کی غلطیاں درست کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ استاذ کا حفظ بہت پکا ہوتا ہے نیز وہ ان دشوار مقامات سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں جہاں طلبہ سے عموماً غلطی ہوسکتی ہے میں نے یہ طریقہ بعض پاکستانی حلقوں میں دیکھا ہے۔

آموختہ کے لئے یہ طریقہ اگرچہ ٹھیک ہے، لیکن 'اجازت' اور 'روایت' کے حصول کے لئے پڑھے جانے والے ختم میں اس کو درست قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لئے کہ اس میں کسی حرف یا کلمہ کے فوت ہونے کا خطرہ لگا رہتا ہے۔

اور یہ بات مسلم ہے کہ اجازت والا ختم، حرف بحرف تجوید اور ترتیل کے ساتھ اچھی طرح استاذ کے سامنے سنایا جانا چاہیے۔(۱)

---

(۱) آپ قرآن مجید کیسے حفظ کریں؟:۶۲۔۱۱۹، مکتبۃ الابرار، حیدرآباد

حفظ قرآن کے فضائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

★ ”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ (۱) بے شک ہم ہی نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ قرآن حکیم کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے؛ مگر عالم اسباب میں اس کی حفاظت کا من جملہ دوسرے طریقوں کے ایک طریقہ یہ ہے کہ کروڑہا انسانوں کے سینوں میں قرآن کو محفوظ کردیا، ان حضرات کو حافظ کہا جاتا ہے، فی الواقع یہ بہت بڑا لقب ہے؛ کیوں کہ درحقیقت حافظ اللہ تعالیٰ ہے، اسکے ذمہ اس کی حفاظت ہے؛ مگر عالم ظاہر میں چونکہ یہ لوگ حفاظت قرآن میں اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں، اس لئے یہ الفاظ ان پر بھی مستعمل ہیں۔ (۲)

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے حفاظت قرآن کے دو ہی ذریعے رکھے ہیں، ایک مصاحف، دوسرے: قلوب حفاظ........ مصاحف واوراق میں قیامت اور بعد قیامت قرآن کو بقاء نہیں، احادیث میں مروی ہے کہ قیامت کے قریب قرآن کے حروف اوراق سے اٹھا لئے جائیں گے ”إن هذا القرآن الذی بین أظهركم يوشك أن ينزع منكم“ (۳) دوسرے پھر یہ ذریعہ ختم ہوجائے گا مگر قلوب حفاظ بعد قیامت بھی حفظ قرآن کے ساتھ بدستور

(۱) الحجر:۹

(۲) فضائل حفظ القرآن: ۴۷، مولانا امداد اللہ انور، دار المعارف، پاکستان

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ:

باقی رہیں گے حتی کے جنت میں بھی قرآن مجید حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہوجائے گا اور حفاظ کرام کو حکم دیا جائے گا۔قرآن مجید کو پڑھتے جاؤ اور چڑھتے جاؤ جہاں تلاوت قرآن ختم ہو وہی تمہارا مقام وہی تمہاری جنت ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حفاظت قرآن کا افضل ترین ذریعہ حفاظ کرام کے دل ہیں اور یہی اللہ تعالیٰ کے حکم اور فضل سے دوسرے حفاظت قرآن کے ذرائع سے افضل ترین ذریعہ حفاظ ہیں اور یہ حفاظ کرام کے لئے بڑا اعزاز ہے۔

★ ''وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ''(۱)

اور ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے، پس کوئی ہے حفظ کرنے والا؟

یعنی ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے جو حفظ کا ارادہ کرے ہم اس کا تعاون کریں گے، پس کوئی اس کے حفظ کا طالب ہے کہ اس کا تعاون کیا جائے؟ مشہور تابعی اور مفسر قرآن سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کی کتابوں میں قرآن کے علاوہ کوئی کتاب ایسی نہیں ہے، جسے حفظ سے تلاوت کیا گیا ہو، اور ایک مفسر کہتے ہیں کہ حضرت موسی علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت یوشع بن نون علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام تورات کے حافظ تھے، ان کے علاوہ بنی اسرائیل کے تمام لوگ اسے دیکھ کر پڑھتے تھے، اسی وجہ سے بنی اسرائیل تورات جل جانے کے بعد حضرت عزیز علیہ السلام کے محتاج ہوئے تھے تو انہوں نے ان کے لئے اپنی یاد سے تورات لکھ دی تھی؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس امت پر قرآن کے حفظ کرنے کو آسان کر دیا ہے؛ تاکہ قرآن ان کے دل ودماغ میں محفوظ ہو اور ان کے اعضاء پر سلطنت کرے۔(۲)

★ ''بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ''

---

(۱) القمر:۱۷=۲۲=۳۲=۴۰

(۲) تفسیر القرطبی:۱۷/۱۳۴

بلکہ یہ (قرآن) آیات ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا ہے۔

فائدہ: حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حفظ کرنا اس امت کی خصوصیت ہے؛ ورنہ اس سے پہلے لوگ اپنی کتاب کو بن دیکھے نہیں پڑھ سکتے تھے، ان کے انبیاء علیہم السلام ہی اپنی کتابوں کے حافظ ہوتے تھے، اس آیت میں حضور ﷺ اور صحابہ اور اس امت کے مومنین مراد ہیں جو قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتے ہیں اور اسے یاد بھی کرتے ہیں(۱) شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت پر لکھتے ہیں یعنی پیغمبر نے کسی سے لکھا پڑھا نہیں؛ بلکہ یہ وحی جوان پر آئی، ہمیشہ کو بن دیکھے سینہ بسینہ جاری رہے گی، اللہ کے فضل سے علماء اور حفاظ وقراء کے سینے اس کے الفاظ ومعانی کی حفاظت کریں گے اور آسمانی کتابیں حفظ نہ ہوتی تھیں، یہ کتاب حفظ ہی سے باقی ہے، لکھنا اس پر افزود ہے۔(۲)

★ "ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ" (۳)

پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا۔ تو کچھ ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں یہی بڑا فضل ہے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہاں کتاب سے مراد قرآن کریم ہے، اور اس کے وارث

---

(۱) تفسیر القرطبی: ۱۳/ ۳۵۴

(۲) تفسیر عثمانی: ۵۲۲

(۳) فاطر: ۳۲

حضور ﷺ کے امتی ہیں جن کے تین درجات ہیں:

۱) ظالم جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے؛ لیکن اس پر عمل نہیں کرتا۔

۲) متوسط جو اس کی تلاوت بھی کرتا ہے اور اس پر عمل بھی۔

۳) سابق جو قرآن کی تلاوت بھی کرتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے اور اس کا عالم بھی ہے۔(۱)

اس سے حفاظ قرآن بھی مراد ہیں، امام ہذلی نے کتاب الکامل مخطوط صفحہ: ۱۲ میں اس آیت سے قراء اور حفاظ کی فضیلت پر استدلال کیا ہے۔

پہلے علماء دینی علوم اور حدیث کے طلباء کے لئے حفظ کو لازم قرار دیتے تھے

ولید بن مسلم کہتے ہیں جب ہم اوزاعی کی مجلس میں تعلیم میں بیٹھتے اور آپ کسی نوعمر نئے طالب علم کو دیکھتے تو اس سے پوچھتے ارے بچے! آپ نے قرآن پڑھا ہے، اگر وہ ہاں کہتا تو اس سے امتحانا فرماتے اچھا ”يُوصِيكُمُ اللهُ فِيٓ أَوۡلَادِكُمۡ“ والی آیتیں سناؤ اور اگر وہ نفی میں جواب دیتا تو فرماتے: جاؤ! علم کی تحصیل سے پہلے قرآن سیکھو“ ”تعلم القرآن قبل أن تطلب العلم“ (۲)

حفظ قرآن امت پر فرض کفایہ ہے

علماء کہتے ہیں کہ حفظ قرآن یہ فرض کفایہ ہے، اگر بعض لوگ حفظ کر لیتے ہیں تو باقی امت سے گناہ ساقط ہو جاتا ہے۔

حفظ قرآن یہ نبی کریم ﷺ کا اسوہ ہے

اللہ عزوجل نے نبی کریم ﷺ کو تمام امور میں اسوہ اور نمونہ بنایا ہے، حفظ قرآن میں دراصل نبی کریم ﷺ کے اسوہ کی پیروی ہے، نبی کریم ﷺ حافظ قرآن تھے، اس کی تلاوت فرماتے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ اس کا دور فرماتے۔

---

(۱) تفسیر القرطبی، ۱۴، ۷ ۳۴۸،۳۴

(۲) الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادی: ۱/ ۴۲، کیف تحفظ القرآن الکریم: ۲۵

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ ہر سال جبرئیل امین علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا دور کیا کرتے تھے، جس سال آپ ﷺ کا وصال ہوا اس میں نبی ﷺ نے دو مرتبہ دور فرمایا "فلما كان العام الذي قبض فيه عرضه عليه مرتين" (۱)

حفظ قرآن میں اسلاف کا معمول

اس طرح حفظ قرآن کا معمول سلف کا بھی تھا، "تذكرة السامع والمتكلم في أدب العالم والمتعلم" میں مذکور ہے کہ

"وأن يبتدئ بكتاب الله العزيز، فيتقنه حفظا، ويجتهد في إتقان تفسيره وسائر علومه، فإنه أصل العلوم وأمها وأهمها"

"اللہ کی کتاب سے علم کی شروعات کرے، اس کو اچھی طرح حفظ کرے، اور اس کی تفسیر وتوضیح اور تمام علوم کے متعلق محنت وجدوجہد کرے؛ چونکہ قرآن ہی دراصل تمام علوم کی اصل اور ان کی بنیاد ہے"

علامہ نووی "المجموع" میں فرماتے ہیں: "كان السلف لا يعلمون الحديث والفقه إلا لمن يحفظ القرآن" سلف صالحین حدیث اور فقہ کی تعلیم انہیں کو دیتے تھے جو حافظ قرآن ہوتے تھے۔

حفظ قرآن اس امت کا امتیاز ہے

صحیح مسلم کی روایت میں عیاض مجاشعی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ اپنے خطبہ میں فرمایا: "اور بے شک اللہ تعالی نے زمین والوں کی طرف نظر فرمائی اور عرب وعجم سے نفرت فرمائی سوائے اہل کتاب میں سے کچھ باقی لوگوں کے اور اللہ تعالی نے فرمایا میں نے تمہیں اس لئے بھیجا ہے تاکہ میں تم کو آزماؤں اور ان کو بھی آزماؤں کہ جن کے پاس آپ (ﷺ) کو بھیجا ہے اور میں نے آپ (ﷺ) پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے کہ جسے پانی نہیں دھو سکے گا اور تم اس کتاب کو سونے اور بیداری کی حالت میں بھی پڑھو گے"

(۱) مسند احمد: مسند عبد اللہ بن العباس، حدیث: ۲۴۹۴

"لا یغسلہ الماء تقرؤہ نائما ویقظان"(۱) مطلب یہ ہے کہ قرآن کو صرف صحیفے کی شکل میں باوضو پڑھنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اس کو سوتے جاگتے ہر حالت میں پڑھا جاسکتا ہے، اسی لئے امت محمدیہ کے تعلق سے فرمایا گیا: "أنا جیلھم فی صدورھم" (ان کے اناجیل ان کے سینوں میں محفوظ ہوں گے) یا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ حفظ قرآن کی اس امت کی خصوصیت ہونے کی وجہ سے صحیفوں کو ختم کرنے سے قرآن ختم نہیں ہوجائے گا، یہ تو امت محمدیہ کے سینوں میں محفوظ ہے۔

حفظ قرآن ہرایک کے لئے ممکن ہے

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: "وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ" یعنی ہم نے قرآن کو حفظ کے لئے آسان کردیا ہے، اور جو حفظ قرآن کا ارادہ کرے اس کے لئے حفظ قرآن سہل وآسان کردیں گے۔

حافظ قرآن اللہ کے خواص ہیں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچھ لوگ اللہ والے ہیں۔ صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! وہ کون ہیں؟ فرمایا وہ قرآن والے ہیں اہل اللہ اور اللہ (عز وجل) کے خاص تعلق والے۔ "ھم أھل القرآن أھل اللہ وخاصتہ" (۲) یعنی حفاظ قرآن یہ اللہ کے ولی اور اسکے دوست ہیں۔

حفاظ عاملین قرآن کو اللہ تعالی نے بطور اکرام اپنا اہل فرمایا جیسا کہ بیت اللہ کو اپنا گھر فرمایا، بڑا عظیم اعزاز واکرام ہے کہ آدمی بذریعہ حفظ قرآن اللہ کا خاص اور اہل بن جائے۔

چونکہ حافظ قرآن زیادہ تلاوت کرنے والے ہوتے ہیں؛ اس لئے وہ اس حدیث کے اولین مصداق ہیں۔

---

(۱) مسلم: باب الصفات التی یعرف بھا فی الدنیا، حدیث: ۹۸۶۵

(۲) سنن ابن ماجہ: باب فضل من تعلم القرآن وعلمہ، حدیث: ۲۱۵

اور ایک جگہ فرمایا: ''حضرت ابوامامہ باہلی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ: قرآن مجید پڑھا کرو کیونکہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لئے سفارشی بن کر آئے گا ''یأتی یوم القیامة شفیعا لأصحابه'' اور دو روشن سورتوں کو پڑھا کرو سورت البقرہ اور سورت آل عمران کیونکہ یہ قیامت کے دن اس طرح آئیں گی جیسے کہ دو بادل ہوں یا دو سائبان ہوں یا دو اڑتے ہوئے پرندوں کی قطاریں ہوں اور وہ اپنے پڑھنے والوں کے بارے میں جھگڑا کریں گی، سورت البقرہ پڑھا کرو کیونکہ اس کا پڑھنا باعث برکت ہے اور اس کا چھوڑنا باعث حسرت ہے اور جادوگر اس کو حاصل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔'' (۱)

حفظ قرآن یہ بلند درجات کا سبب ہے

حفظ قرآن کو بلندی درجات کا سبب بتایا گیا ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالی قیامت کے دن صاحب قرآن سے فرمائے گا پڑھتا جا اور چڑھتا جا ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا کیونکہ تیرا مقام وہ ہے جہاں تو آخری آیت پڑھے گا

''اقراء ورتل کما کنت ترتل فی الدنیا؛ فإن منزلک عند آخر آیة تقرؤها'' (۲)

ابن مردویہ نے انس رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جنت کے درجات کا شمار قرآن کی آیات کے شمار کے برابر ہے تو جو قرآن پڑھنے والا جنت میں داخل ہوگا اس سے اوپر کسی (امتی) کا درجہ نہیں ہوگا ''فمن دخل الجنة ممن قرأ القرآن لم یکن فوقه أحد'' (۳)

---

(۱) مسلم: باب فضل قراءة القرآن وسورة البقرة، حدیث: ۸۰۴

(۲) سنن ابوداؤد: باب استحباب الترتیل فی القراءة، حدیث: ۱۴۶۶

(۳) تلاوة القرآن المجید: ۴۷

حافظ قرآن کی عذاب قبر سے حفاظت

ابن مندہ نے عمرو بن مرہ سے یہ روایت کی ہے جب انسان قبر میں داخل ہوگا تو ایک فرشتہ اس کی بائیں جانب آئے گا اور قرآن بھی آئے گا اور فرشتے کو عذاب سے منع کرے گا، فرشتہ کہے گا: تو مجھے کیوں روکتا ہے، اللہ! یہ تجھ پر عمل نہیں کرتا تھا، قرآن کہے گا کہ کیا میں اس کے سینے میں نہیں تھا "فیقول القرآن: أو لیس کنت فی جوفه، فلا یزال حتی ینجی صاحبه" اس طرح وہ اس کی برابر سفارش کرتا رہے گا یہاں تک کہ اپنے خادم کو نجات دلا دے گا۔

حفظ قرآن جہنم سے نجات کا ذریعہ

حفظ قرآن کو جہنم سے بچاؤ اور نجات کا ذریعہ احادیث میں بتایا گیا ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں روایت ہے:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر قرآن کو کسی کھال وغیرہ میں رکھ کر اسے بفرض محال آگ میں ڈال دیا جائے تو اس پر آگ اثر انداز نہیں ہوگی۔ "ثم ألقی فی النار ما احترق" (۱)

حافظ قرآن کاتب فرشتوں کے ساتھ

حافظ قرآن کی فضیلت کو بتاتے ہوئے فرمایا کہ وہ لکھنے والے بزرگ و نیکوکار فرشتوں کے ساتھ ہوگا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا راویہ ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ماہر قرآن ان فرشتوں کے ساتھ ہے جو لکھنے والے اور بزرگ و نیکوکار ہیں "الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة" اور وہ شخص کہ جو قرآن کو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور قرآن پڑھنا اس کے لیے مشکل ہوتا ہے تو اس کے لیے دو ثواب ہیں۔ (۲)

---

(۱) سنن الدارمی، باب فضل من قرأ القرآن، حدیث: ۳۳۱۰

(۲) بخاری: سورۃ عبس، حدیث: ۴۶۵۳

حافظ قرآن عزت کا مستحق

حافظ قرآن کو احادیث کریمہ میں اعزاز واکرام کا مستحق گردانا گیا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں مروی ہے:

حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بوڑھے مسلمان کی عزت وتوقیر کرنا، حامل قرآن یعنی حافظ ومفسر اورقرآن خوان کا احترام کرنا جبکہ وہ قرآن میں زیادتی کرنے والا اوراس سے ہٹ جانے والا نہ ہو"وحامل القرآن غیر الغالی فیہ ولا الجافی عنہ" اورعادل بادشاہ کی تعظیم کرنی منجملہ اللہ ونبی کی تعظیم کرنا ہے۔(۱)

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ تم حفاظ قرآن کا ادب واحترام بجالاؤ، جس نے ان کی تعظیم کی اس نے یقینا میری تعظیم کی اور جس نے میری تعظیم کی اس نے بیشک اللہ تبارک تعالی کی تعظیم کی، خبردار! حفاظ قرآن کے حقوق کی ادائیگی میں ذرا کمی نہ کرنا، کیوں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس مقام اور مرتبہ پر فائز ہیں کہ قریب تھا کہ حفاظ قرآن، انبیاء ہوتے مگر یہ کہ ان کی طرف وحی نہیں کی جاتی (یعنی حفاظ کی تنقیص شان نہ کرو؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ یہ انبیاء ہوتے اگر ان کی طرف وحی بھی آتی ہوتی "کاد حملة القرآن أن یکونوا انبیاء إلا أنھم لا یوحی إلیھم"(۲)

حفظ قرآن رشک کا باعث ہے

حافظ قرآن کو حقیقت میں رشک جائز ہے، حدیث شریف میں آیا ہے:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی شخص پر حسد (رشک) کرنا سوائے دو شخصوں کے جائز نہیں، ایک وہ شخص جسے اللہ نے کتاب دی اور وہ اٹھ کر اسے رات کو پڑھتا ہے "رجل آتاہ اللہ

---

(۱) ابوداؤد: باب فی تنزل الناس منازلھم، حدیث:۴۸۴۵

(۲) سنن الدار قطنی، فضائل حفظ القرآن:۵۳

الکتاب وقام بہ آناء اللیل" اور ایک وہ شخص جسے اللہ تعالی نے مال دیا اور وہ دن رات اسے اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہے۔(۱)

حفظ قرآن دنیا کا بہترین سامان

حفظ قرآن اور علم قرآن کو دنیا کا بہترین سامان قرار دیا گیا ہے، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم ﷺ باہر تشریف لائے۔تو ہم صفہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ تم میں سے کون شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ ہر روز بطحان یا عقیق کی طرف جائے اور وہاں سے دو اونٹنیاں بڑے کوہان والی بغیر کسی گناہ کے اور بغیر انقطاع صلہ رحمی کے لائے؟ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم سب پسند کرتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر سن لو کہ تم میں سے جو شخص مسجد میں جاتا ہے اور وہاں کتاب اللہ کی دو آیتیں کسی کو سکھاتا ہے یا خود پڑھتا ہے تو وہ اس کے لیے دو اونٹنیوں سے بہتر ہے تین آیتیں اس کے لیے تین اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور چار آیتیں اس کے لیے چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔حاصل یہ کہ آیتوں کی تعداد اونٹنیوں کی تعداد سے بہتر ہے (یعنی پانچ آیتیں پانچ اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور چھ آیتیں چھ اونٹنیوں سے بہتر ہیں "خیر لہ من ناقتین وثلاث خیر لہ من ثلاث وأربع خیر لہ من أربع" اسی طرح آگے تک قیاس کیا جائے۔(۲)

حافظ قرآن امامت کا زیادہ مستحق ہے

حافظ قرآن اور عالم قرآن کو امامت کا زیادہ مستحق قرار دیا گیا ہے، حدیث شریف میں ہے، حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے وہ شخص قوم کی امامت کرے جو قرآن پاک کا اچھا اور پرانا قاری ہو "یؤم القوم أقرؤھم لکتاب اللہ" (۳)

---

(۱) بخاری: باب اغتباط صاحب القرآن، حدیث: ۷۳۷۴

(۲) مسلم: باب فضل قراءۃ القرآن فی الصلاۃ، حدیث: ۸۰۳

(۳) مسلم: باب من أحق بالإمامۃ، حدیث: ۶۷۳

حافظ قرآن کو دنیا میں رفعت و بلندی

احادیث مبارکہ میں حافظ قرآن کو دنیا میں بھی رفعت و بلندی حاصل ہونا بتلایا گیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی اسی کتاب کے ذریعہ لوگوں کو بلند کرتا ہے اور اسی کتاب کے ذریعہ لوگوں کو پست و ذلیل کرتا ہے۔ ”أن اللہ یرفع بھذا الکتاب أقواما و یضع بہ آخرین“(۱)

نبی کریم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی احد کے شہداء کے دفن میں حافظ قرآن کو مقدم کیا:

”کان یجمع بین الرجلین من قتلی أحد ، ثم یقول: أیھم أکثر أخذا للقرآن، فإن أشیر إلی أحدھما ، قدمّہ فی اللحد“(۲)

حافظ قرآن کے والدین کو اعزاز

حضرت معاذ جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے قرآن پڑھا اور اس کی تعلیم پر عمل کیا تو اس کے ماں باپ کو قیامت کے دن ایک ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بڑھ کر ہوگی ”ألبس والدہ تاجا یوم القیامۃ ضوؤہ أحسن من ضوء الشمس“(۳) پھر اس شخص کے مرتبہ کا کیا ٹھکانا ہوگا جس نے خود قرآن پر عمل کیا ہوگا۔

حضرت بریدہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مجلس میں شریک تھا میں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سورت بقرہ کو سیکھو کیونکہ اس کا حاصل کرنا برکت اور چھوڑنا حسرت ہے اور غلط کار لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے پھر تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا سورت بقرہ اور آل عمران دونوں کو سیکھو کیونکہ یہ دونوں روشن

---

(۱) سنن ابن ماجۃ: باب فضل من تعلم القرآن وعلمہ، حدیث: ۲۱۸، امام ترمذی نے اس روایت حدیث غریب ہا ہے، کہ یہ حدیث اسی طریق سے منقول ہے، اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

(۲) بخاری: باب الصلاۃ علي الشھید، حدیث: ۱۳۴۳

(۳) ابوداؤد: باب فی ثواب قراءۃ القرآن، حدیث: ۱۴۵۵

سورتیں اپنے پڑھنے والوں پر قیامت کے دن بادلوں سائبانوں یا پرندوں کی دو ٹولیوں کی صورت میں سایہ کریں گی اور قیامت کے دن جب انسان کی قبر شق ہوگی تو قرآن اپنے پڑھنے والے سے " جو لاغر آدمی کی طرح ہوگا ملے گا اور اس سے پوچھے گا کہ کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا کہ میں تمہیں نہیں پہچانتا، قرآن کہے گا کہ میں تمہارا وہی ساتھی قرآن ہوں جس نے تمہیں سخت گرم دو پہروں میں پیاسا رکھا اور راتوں کو جگایا ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہوتا ہے آج بھی اپنی تجارت کے پیچھے ہوگا چنانچہ اس کے دائیں ہاتھ میں حکومت اور بائیں ہاتھ میں دوام دے دیا جائے گا اور اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا اور اس کے والدین کو ایسے جوڑے پہنائے جائیں گے جن کی قیمت ساری دنیا کے لوگ مل کر بھی ادا نہ کر سکیں گے اس کے والدین پوچھیں گے کہ ہمیں یہ لباس کس بنا پر پہنایا جا رہا ہے؟ تو جواب دیا جائے گا کہ تمہارے بچے کے قرآن حاصل کرنے کی برکت سے پھر اس سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھنا اور جنت کے درجات اور بالا خانوں پر چڑھنا شروع کر دو چنانچہ جب تک وہ پڑھتا رہے گا چڑھتا رہے گا خواہ تیزی کے ساتھ پڑھے یا ٹھہر ٹھہر کر۔ "ثم یقال له اقرأ واصعد فی درجة الجنة وغرفها فهو صعود ما دام یقرأ هذا کان أو ترتیلا" (۱)

عبید اللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ: جس شخص نے قرآن کو حفظ کیا، اس نے بہت بڑی ذمہ داری اٹھائی، اس نے گویا نبوت کو اپنے دونوں شانوں کے بیچ لے لیا، لیکن اس کی جانب وحی نہیں کی جاتی، حافظ قرآن کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ کسی سے نوک جھونک کرے اور نہ کسی بیوقوف سے بیوقوفی کرے؛ کیوں کہ قرآن اس کے سینے میں ہے:

"فلا ینبغی لحامل القرآن أن یحد مع من یحد ولا یجهل فی من یجهل؛ لأن القرآن فی جوفه" (۲)

---

(۱) مسند احمد، حدیث بریدالاسلمی، حدیث: ۲۳۰۰۰

(۲) شعب الایمان، فصل فی التکثر بالقرآن والفرح به، حدیث: ۲۵۹۱

خدا تعالی سے ہم کلامی کا شرف

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”إذا أحب أحدکم أن یحدث ربه فلیقرأ القرآن“ (۱)

جب تم میں سے کوئی اپنے رب سے مناجات اور گفتگو کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ تلاوت قرآن کرے۔

حفاظ چونکہ اکثر و بیشتر قرآن کی تلاوت کرتے رہتے ہیں، اس لئے وہ بھی اللہ سے ہمکلامی سے مشرف ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ:

”حملة القرآن أولیاء اللہ فمن عاداهم فقد عادي اللہ ومن والاهم فقد والی اللہ“ (۲) امام حافظ ابن حجر نے اس روایت خیر اور منکر کہا ہے (۳) حفاظ قرآن اللہ کے اولیاء (دوست) ہیں پس جس نے ان سے عداوت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے عداوت کی اور جس نے ان سے دوستی کی اس نے اللہ تعالیٰ سے دوستی کی۔

بہت بڑا اعزاز ہے کہ حافظ اور عامل قرآن سے دوستی اور دشمنی اللہ سے دوستی اور دشمنی ہو اور حفاظ خود اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں اور یہ دوستی بدستور قائم رکھنی جائے ہیئے قرآن کو بھلا کر یا بے عمل بن کر اس مرتبہ سے محروم نہیں ہونا چاہئے۔

اللہ عزوجل حفاظ سے قرآن سنتے ہیں

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”إن اللہ لیُنصتُ للقرآن ویسمعه من أهله“ (۴) بے شک اللہ عزوجل قرآن کریم کے لئے خاموشی اختیار کرتے ہیں اور اس کی تلاوت اس کے اہل (حفاظ وعلماء) سے سنتے ہیں۔

---

(۱) کنز العمال: فی فضائل تلاوة القرآن، حدیث: ۲۵۲۲

(۲) فیض القدیر، حرف الهاء، حدیث: ۶۴۸۹، المکتبة التجاریة الکبری مصر

(۳) الفوائد المجموعة، باب فضائل القرآن، حدیث: ۳۸

(۴) مسند الفردوس للدارمی، باب فی فضل یس:، حدیث: ۳۷۳۶

حافظ کو اس کی پیدائش سے پہلے فرشتوں کی مبارکباد

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: بے شک اللہ عزوجل نے مخلوق کو پیدا کرنے سے ایک ہزار سال پہلے سورہ "طٰہٰ" اور سورہ "یٰس" پڑھی جب فرشتوں نے قرآن (کی ان سورتوں) کو سنا تو کہنے لگے: خوش خبری اور مبارک ہو اس امت کے لئے جن پر یہ نازل ہوگا، مبارک ہو ان پیٹوں (دلوں) کے لے جو اسکو اٹھائیں "طوبی لأجواف تحمل هذا" (۱) اور مبارک ہو ان زبانوں کے لئے جو اس کے ساتھ کلام کریں گی اور تلاوت کریں گی۔

قرآن سے خالی دل ویران گھر ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

"إن الذي ليس في جوفه شيء من القرآن كالبيت الخرب" (۲) وہ شخص جس کے دل میں قرآن مجید کا تھوڑا سا حصہ بھی نہیں وہ ویران گھر کی مانند ہے۔

یعنی جس دل میں قرآن کا کچھ حصہ موجود ہے وہ آباد گھر کی مانند ہے اور جس کے دل میں مکمل قرآن محفوظ ہے اس کی آبادی اور عظمت کی کیا مثال پیش کی جاسکتی ہے۔

قرآن سب سے بڑا سفارشی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنے بیٹے کو ناظرہ قرآن شریف کی تعلیم دلائی اس کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اور جس شخص نے حفظا قرآن شریف کی تعلیم دلائی اس کو قیامت کے دن چودھویں رات کے چاند جیسی صورت پر اٹھایا جائے گا، اوراس کے بیٹے سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھنا شروع کرو جب وہ پڑھے گا تو ہر آیت کے بدلے میں اللہ عزوجل اس کے باپ کا ایک درجہ بلند فرماتے رہیں گے حتی کہ حافظ اس حصہ قرآن کے آخر تک پہنچ جائے جو

---

(۱) المعجم الاوسط، من اسمہ، عبدوس، حدیث: ۴۸۷۶۔ علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اس میں ابراہیم بن مہاجر بن مسمار ہیں جن کی بخاری نے تضعیف کی ہے اور ابن معین نے توثیق کی ہے۔

(۲) ترمذی، باب فضل القرآن، حدیث: ۲۹۱۳، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

اس کو یاد تھا "بعثه اللّٰه تعالی یوم القیامة علی صورة القمر لیلة البدر" (۱)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص نے قرآن پڑھا اور پھر اس کو حفظ کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام سمجھا تو حق تعالیٰ شانہ اس کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمائیں گے جن پر ان کے گناہوں کی وجہ سے دوزخ کا عذاب واجب ہو چکا ہوگا "وشفّعه فی عشرة من أهل بیته کلهم قد وجبت له النار" (۲)

حافظ کی ہر عذاب سے نجات

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لا یعذّب اللّٰه عبدا وعی القرآن" (۳) اللہ تعالیٰ اس بندے کو عذاب نہیں دیں گے جس نے قرآن کو (دل میں) محفوظ رکھا۔

حافظ قرآن بہترین آداب واخلاق کا حامل ہو

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے کہ جس شخص نے قرآن شریف پڑھ لیا، اس نے علوم نبوت کو اپنی دو پسلیوں کے درمیان (دل میں) لے لیا، فرق یہ ہے کہ اس کی طرف وحی نہیں کی جاتی، حاملِ قرآن کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ غصہ کرنے والوں کے ساتھ غصہ کرے یا جاہلوں کے ساتھ جہالت والا برتاؤ کرے، جب کہ اس کے پیٹ (دل) میں اللہ کا کلام (محفوظ) ہے (یعنی قرآن کریم کے حافظ کے لئے یہ

---

(۱) رواہ الطبرانی فی المعجم الاوسط: من اسمہ احمد، حدیث ۱۹۳۵، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: اس میں ایک شخص ہے جس کو میں نہیں جانتا۔

(۲) ترمذی: باب ما جاء فی فضل قاریٔ القرآن، حدیث: ۲۹۰۵، امام ترمذی نے اس روایت کے بارے میں کہا ہے یہ حدیث غریب ہے، صرف اسی طریق سے منقول ہے، اور اس کی سند صحیح نہیں ہے۔

(۳) مسند الفردوس: باب فضل من قرأ القرآن، حدیث: ۳۶۳۹

مناسب نہیں ہے کہ غصہ کر کے گالی گلوچ کر دے یا فسق و فجور اور گناہوں میں مبتلا ہو کر عملی جہالت کا ثبوت دے؛ بلکہ اس پر لازم ہے کہ عمدہ اخلاق واعمال سے آراستہ ہو کر کامل ہونے کا ثبوت دے؛ کیوں کہ سینے میں کلام الٰہی ہے۔(۱)

حفاظ کرام کو نصیحتیں

حفاظ کرام کو چاہئے کہ قرآن کریم کی قدر دانی کریں، اس کی حفاظت اور اس کی نگہداشت اور اس کی تلاوت کی فکر کریں

جس کے مندرجہ ذیل احادیث اور بزرگوں کے اقوال کو حرز جان بنائیں:

☆ عبید بن ملیکی نے حضور اقدس ﷺ سے نقل کیا ہے کہ اے قرآن والو! قرآن کو تکیہ بنائے سوئے نہ پڑے رہو، اور اس کو رات دن کی گھڑیوں میں اس طرح پڑھو جس طرح اس کے پڑھنے کا حق ہے (یعنی کثرت سے اس کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے پڑھو) اور اسے پھیلاؤ، اور اس کو اچھی آواز سے پڑھو (یا اس کے ذریعے بے نیاز بن کر رہو) اور اس کے احکام ومضامین پر غور وتدبر کرو؛ تاکہ تم کامیاب رہو، اور اس کا بدلہ جلدی (دنیا میں) طلب نہ کرو، کیوں کہ (آخرت میں) اس کے لئے بڑا اجر ومعاوضہ ہے (یعنی یہ سوچو کہ حاملِ قرآن کے لئے اجر اور عظیم ثواب وصلہ آخرت ہی میں ملے گا) "ولا تعجّلوا ثوابه فإن له ثوابا" (۲)

حافظ قرآن رات میں لمبا قیام کرے

اے حافظ قرآن! قرآن (کے عمل) کے ذریعہ آراستہ ہو، اللہ تعالیٰ تجھے (آخرت میں) آراستہ فرماویں گے اور قرآن کو لوگوں کے لئے نمائش نہ بنا ورنہ تجھے اللہ تعالیٰ (آخرت میں) معیوب (اور کھوٹا) بنا دیں گے اور قرآن کے حافظ کے لئے لائق ہے کہ سب

(۱) رواه الحاكم وقال صحيح الاسناد، تلاوة القرآن المجيد مع التعلق: ۶۸

(۲) شعب الإيمان، فصل في إدمان تلاوة القرآن، حديث: ۱۸۵۲، اس کو طبرانی روایت کیا ہے، اس میں ابوبکر بن ابی مریم ضعیف ہے۔

لوگوں سے زیادہ آخرت کی لمبی فکر کرے جب کہ لوگ خوش ہورہے ہوں۔(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حفاظ کو نصیحت

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایاس بن عامر سے فرمایا کہ اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ قرآن کریم تین طریقوں سے پڑھا جائے گا، بعض لوگ خالص اللہ کے لئے پڑھیں گے، بعض دنیا کے لئے اور بعض جھگڑے کیلئے پڑھیں گے، الغرض قاری جو مقصد بھی قرآن کے ذریعے طلب کرے گا اسی کو پالے گا" فمتی طلب بہ أدرک" (۲)

اخلاق واوصاف اہلِ قرآن

جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی دولت عطا فرما کر اوروں پر فضیلت دی ہے اور وہ شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ والا اور خاصان خدا میں سے بن جائے جن کے متعلق اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے: "یتلونہ حق تلاوتہ" وہ قرین کی ایسی تلاوت کرتے ہیں جیسے اس کا حق ہے اور بقول بعض مفسرین اس کے معنی یہ ہیں کہ کما حقہ قرآن پر عمل کرتے ہیں، اور جن کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مقدس ہے: "الذی یقرأ القرآن وھو ماھر بہ مع الکرام السفرۃ" جو قرآن پڑھتا ہے اور اسکا ماہر ہے وہ معزز میر منشی فرشتوں کے ساتھ ہوگا ایسے شخص کو درج ذیل اخلاق وصفات کا حامل ہونا چاہئے۔(۳)

۱۔ قرآن کو اپنے دل کی بہار بنالے جس کے ذریعہ اپنے دل کے ویران وتباہ شدہ حصہ کو آباد کرے، قرآنی آداب واخلاق شریفہ کے ساتھ تخلق اختیار کرے، جن کے ذریعے وہ ان دوسرے سب لوگوں سے ممتاز اور نمایاں نظر آئے جو قرآن نہیں پڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔

۲۔ سب سے اول اور اہم چیز یہ ہے کہ اپنے کھانے پینے لباس اور مکان میں ورع

(۱) الدیلمی عن ابن مسعود، کنز العمال: ۳۹۵

(۲) أخرجہ الدارمی فی کتاب فضائل القرآن، اخلاق حملۃ القرآن: ۱۴۸

(۳) اخلاق: ۱۳

وپرہیزگاری اختیار کر کے ظاہر و پوشیدہ دونوں طرح تقوی وخوفِ الٰہی اختیار کرے۔

۳۔ اپنی زبان کی حفاظت کرے، غلط اور صحیح کلام میں امتیاز کرے جہاں بولنا صحیح ہو وہیں خوب سوچ کر بولے اور جہاں خاموش رہنا صحیح ہو وہاں خوب ہمت کر کے خاموش ہی رہے، ہرگز زبان کو بے موقع نہ کھولے، جس قدر وہ دشمن سے ڈرتا ہے اس سے بھی زیادہ اپنی زبان کی برائی اور بدانجامی سے ڈرے۔(۱)

۴۔ جس بات سے لوگ خوب کھلکھلا کر ہنستے ہیں اس سے اول تو ۔۔۔تبسم ہی کرے اگر ہنسے بھی، بشرطیکہ وہ بات خوشی کی ہو اور واقع کے بھی موافق ہو، تو بہت کم درجے میں ہنسے۔

۵۔ لہو ولعب والی خوش طبعی سے پرہیز کرے، البتہ شرعی خوش طبعی جو حق اور واقع کے مطابق ہو اس کی اجازت ہے۔

۶۔ ہنس مکھ ہو، نرم گفتار ہو۔

۷۔ جو باتیں اپنے اندر پائی جاتی ہو ان پر بھی اپنی تعریف نہ کرے، چہ جائے کہ وہ باتیں جو اس کے اندر موجود ہو ہی نہ ہوں۔

۸۔ نفسانی خواہش کے غالب آجانے سے اپنے نفس کو بچائے، تاکہ مولی کی ناراضگی میں گرفتار نہ ہو جائے۔

۹۔ کسی کی غیبت نہ کرے، کسی کو حقیر نہ سمجھے، کسی کو گالی نہ دے، کسی کی مصیبت پر بغلیں نہ بجائے، کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرے، کسی سے حسد نہ کرے، کسی پر بدگمانی نہ کرے۔(۲)

۱۰۔ قرآن وحدیث اور فقہ کو ہر اچھے اخلاق کی طرف رہبر بنائے۔

۱۱۔ اپنے ظاہری اعضاء کو تمام منہیات سے محفوظ رکھے۔

۱۲۔ پوری کوشش کرے کہ لوگ اس کے ہاتھ اور اس کی زبان کی اذیت رسانی سے محفوظ رہیں۔

---

(۱) اخلاق:۱۴۰

(۲) اخلاق:۱۴۱

۱۳۔ کسی پر جہالت کا ثبوت نہ دے، اگر کوئی اس پر جہالت کرے تو بردباری سے کام لے۔

۱۴۔ کسی پر ظلم نہ کرے، اگر کوئی اس پر ظلم کرے تو معاف کر دے۔

۱۵۔ کسی پر زیادتی نہ کرے، اگر کوئی اس پر زیادتی کرے تو صبر کرے۔

۱۶۔ اپنے غصہ کو ضبط کرے، تا کہ اس کے ذریعے اپنے رب کو راضی کرے اور اپنے دشمن کو غضبناک کرے۔

۱۷۔ اپنے آپ کو متواضع و عاجز سمجھے کہ جب بھی کوئی چھوٹا یا بڑا اس کے سامنے حق بات بیان کرے تو اس کے قبول کرنے میں عار نہ محسوس کرے۔

۱۸۔ رفعت و بلندی کو مخلوق سے نہیں، بلکہ ذاتِ خداوندی سے طلب کرے۔

۱۹۔ تکبر اور بڑائی سے دلی نفرت و بغض رکھے اور اپنی ذات پر ہر وقت تعلیٰ اور بڑائی سے ڈرتا رہے۔

۲۰۔ قرآن کے ذریعے کھائے نہیں، اور اپنی ضروریات کو قرآن کے ذریعے پورا کرنے کو ناپسند رکھے، قرآن کے ذریعے ملوک وسلاطین تک رسائی کی فکر وکوشش میں نہ لگا رہے، قرآن کو امراء کی ہم نشینی کا ذریعہ نہ بنائے، کہ وہ اس کی وجہ سے اس کی عزت وتکریم کریں۔

۲۱۔ اگر لوگ اندھا دھند دنیا کمانے میں مصروف ہوں تو وہ صرف بقدر ضرورت معاش پر اکتفا کرے اور یہ جان لے کہ اگر لوگ اونچی کوالٹی کا فاخرانہ لباس زیب تن کرتے ہیں تو مجھے صرف ضروری پردہ اور ستر عورت ہی کی حد تک معمولی اور حلال لباس ہی استعمال کرنا ہے۔(۱)

۲۲۔ اگر اس پر رزق کی وسعت ہے تو خرچ میں وسعت کرے اور اگر تنگی ہو تو قناعت کرے۔

---

(۱) اخلاق: ۱۴۲

۲۳۔ اپنے والدین کی تابعداری اور حسن سلوک کو اپنے نفس پر لازم کرلے، ان کے سامنے اپنے بازو کو جھکائے رکھے، یہ ان کی آواز کے سامنے اپنی آواز کو دبا کر رکھے، ان کے لئے اپنا مال خرچ کرے، ان کی طرف عزت وشفقت کی آنکھ سے دیکھے، تا دیر ان کے سلامت اور باکرامت رہنے کی دعا کرے، بڑھاپے میں ان کے سامنے جذبات تشکر کا اظہار کرے، ان کی وجہ سے گھٹن اور اکتاہٹ نہ محسوس کرے، ان کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھے، اگر کسی طاعت اور نیک کام پر تعاون چاہیں تو تعاون کرے، اگر کسی معصیت اور گناہ کے کام پر اعانت طلب کریں تو اعانت تو ہرگز نہ کرے؛ مگر سختی بھی ہرگز نہ کرے؛ بلکہ احسن طریقہ اور حسن ادب سے ان کی بات کو ٹال دے تاکہ جس ناشائستہ کام کا وہ اراہ کر رہے ہیں، اس اچھے رویہ کی بدولت وہ اس سے باز رہیں۔

۲۴۔ رشتہ داروں سے جوڑے رکھے، بائیکاٹ سے نفرت رکھے، کوئی رشتہ دار اس سے بائیکاٹ کرے تو یہ نہ کرے، کوئی رشتہ دار اس کے بارے میں اللہ کی نافرمانی کرے تو یہ اس کے بارے میں اللہ کی اطاعت بجالائے۔

۲۵۔ جو حضرات اس کی صحبت میں بیٹھتے ہوں ان کو علمی فائدہ پہنچائے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک اور رویہ برتے۔

۲۶۔ اگر اوروں کو قرآن کی تعلیم دے تو نرم روی سے دے، کوئی شاگرد غلطی کرے تو نہ اس پر سختی کرے اور نہ شرمسار کرے؛ بلکہ اپنے تمام معاملات میں رفق ونرمی اختیار کرے، خیر کی تعلیم دینے میں صبر کا دامن تھامے رکھے، تاکہ طالب اس کے ساتھ مانوس رہے اور اس کی صحبت میں بیٹھنے والا خوب شاداں وفرحاں رہے۔

۲۷۔ جب قرآن کا درس دے تو فہم وعقل کو خوب حاضر کر کے دے، بد دلی سے درس نہ دے۔

۲۸۔ جن اوامر کی پیروی اور جن نواہی سے باز رہنے کو اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض قرار دیا

ہے، تلاوت کے وقت اس کا مقصد انہیں چیزوں کی سمجھ کو ذہن نشیں کرنا ہو تو یہ مقصد نہ ہو کہ کب یہ سورت ختم کروں گا؟

۲۹۔ تلاوت کا مقصد یہ ہو کہ میں کب ماسوی اللہ کو چھوڑ کر اللہ کی ذات کے ذریعہ استغناء و بے نیازی حاصل کروں گا، میں کب متقیوں میں سے بنوں گا؟ میں کب محسنین (نیکوکاروں) میں سے بنوں گا؟ میں کب صادقین (سچے لوگوں) میں سے بنوں گا، میں کب خائفین (ڈرنے والوں) میں سے بنوں گا، میں کب راجین (امیدواروں) میں سے بنوں گا، میں کب دنیا سے زیادہ زہد و بے رغبتی حاصل کروں گا؟ میں کب آخرت میں رغبت کروں گا؟ میں کب گناہوں سے توبہ کروں؟ میں کب آخرت میں رغبت کروں؟ میں کب مسلسل نعمتوں کی قدر بجالاؤں، میں کب ان پر اللہ کا شکر بجالاؤں وغیرہ۔

۳۰۔ حافظ قرآن کی تمام حرکات وسکنات کا دارومدار قرآن وحدیث کے علم پر ہونا چاہئے، اگر چلے تو علم کے مطابق، اگر بیٹھے تو علم کے مطابق، کھائے تو علم کے مطابق، پیئے تو علم کے مطابق، پہنے تو علم کے مطابق، سوئے تو علم کے مطابق، بیوی سے ہم بستری کرے تو علم کے مطابق، بھائیوں کے ساتھ اٹھے بیٹھے تو علم کے مطابق، ان کی زیارت کرے تو علم کے مطابق غرضیکہ زندگی کا ہر لمحہ کی علم کی روشنی میں قرآن وحدیث کی تعلیمات کی روشنی میں ہو۔

حفاظ کے روحانی امراض

یعنی جو قراء وحفاظ قرآن کے ذریعے اللہ عزوجل کی خوشنودی کے بجائے اہل دنیا کی خوشنودی کے طالب ہوتے ہیں:

۱۔ قاری قرآن، حروف قرآن کا تو حافظ ہو؛ لیکن حدود قرآن کا ضائع کرنے والا ہو۔

۲۔ اپنی ذات کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہو۔

۳۔ قرآن کو پونجی بنا رکھا ہو اور اس کے ذریعہ اغنیاء کا مال کھاتا ہو اور اپنی ضرورتوں کو پورا کرتا ہو۔

۴۔ دنیاداروں کی تعظیم اور فقراء کی تذلیل کرتا ہو۔

۵۔ اگر کسی مالدار کو تعلیم دے تو اس کی دنیا کی لالچ کی وجہ سے اس کے ساتھ نرمی برتتا ہو؛ لیکن اگر کسی فقیر کو تعلیم دے تو اس کی وجہ سے اس کے پاس دنیا نہیں ہے جس میں وہ لالچ کر سکے اس کو ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہو اور اس کے ساتھ سختی سے پیش آتا ہو۔

۶۔ قرآن کے ذریعے فقراء سے خدمت لیتا ہو اور اغنیاء کا مال لینے کے لئے ان کی دکانوں اور گھروں کا چکر لگاتا ہو۔

۷۔ اگر خوش الحان ہو تو اس بات کا خواہش مند رہتا ہو کہ اغنیاء وسلاطین کے سامنے قراءت کرے اور ان کو نمازیں پڑھائے، ان کی دنیا میں طمع کی بناء پر، اور اس کے برعکس اگر فقراء اس سے نماز پڑھانے کی فرمائش کریں تو محض اس بناء پر ان کے پاس دنیا کم ہے، اس کو یہ فرمائش گراں گذرتی ہو، بس اس کا اصل مقصود دنیا ہے، جہاں بھی وہ اس کو ملتی ہو وہیں دوڑ کر پہنچ جاتا ہے۔

۸۔ قرآن کے سہارے لوگوں کے ساتھ فخر سے پیش آتا ہو، اور قراءات سبعہ یا عشرہ کے علم وفضل کے ذریعہ اپنے سے کم درجہ کے حفاظ پر اپنی باتوں کا سکہ جماتا ہو۔

۹۔ جس کسی کو اس جیسا ضبط نہیں ہے، اس کو خوامخواہ شرمسار و ذلیل کرتا ہو اور جو اسی جیسا ضبط والا ہو اس کے عیوب تلاش کرتا رہتا ہو۔ (۱)

۱۰۔ اس کا بیٹھنا متکبرانہ ہو اوروں کو تعلیم اپنی بڑائی جتانے کے لئے دیتا ہو، اس کے دل میں خشوع کی کوئی جگہ نہ ہو لایعنی باتوں کا خوب مشغلہ رکھتا ہو اور خوب ہنستا ہو۔

۱۱۔ قرآن کریم سنتے وقت نہ اس پر خشوع طاری ہوتا ہو، نہ روتا ہو، نہ غمگین ہوتا ہو، نہ غور وفکر کرتا ہو۔

۱۲۔ اگر کوئی اس کے حقوق میں کوتاہی کرے تو اس کو یہ کہتا ہو کہ ”اہل قرآن کے حقوق میں کوتاہی نہیں کیا کرے اور اہل قرآن کی حاجتیں پوری کیا کرتے ہیں“۔

---

(۱) اخلاق: ۱۵۰

۱۳۔ لوگوں سے اپنی ذاتی حقوق کی ادائیگی کا طالب ہو مگر خود اس پر جو حقوق اللہ واجب ہیں، ان کی ادائیگی کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتا ہو۔

۱۴۔ اوروں پر تو اپنے گمان کے مطابق لوجہ ناراض ہوتا؛ مگر خود اپنے نفس پر، اللہ کی خاطر کبھی بھی قطعاً ناراض نہ ہوتا ہو۔

۱۵۔ اس کی منزل مقصود صرف ''الفاظ کا حفظ'' ہو کہ اگر تلاوت میں ایک بھی غلطی آجائے تو اس کو ناگوار ہو اور اس کی وجہ سے اس پر رنج کا غلبہ ہو جائے محض اس بناء پر کہ اس طرح لوگوں میں عزت و وجاہت کم ہوگئی اور اب لوگ اس کو اتنا بڑا قاری حافظ نہیں سمجھیں گے جتنا کہ پہلے سمجھتے تھے،؛ لیکن اس کے بالمقابل قرآن کے اوامر و نواہی کے متعلق اس نے جو اپنے اور اللہ کے مابین کئی حقوق ضائع کر رکھے ہوان کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتا ہو۔(۱)

۱۶۔ دینی علوم کے تحصیل اور ضروری دینی احکام و مسائل اور حلال و حرام امور و معاملات کی واقفیت سے اس کو کوئی رغبت و دلچسپی نہ ہو بس قرآن پاک کے حفظ پر قناعت کئے ہوئے، اس کے ذریعہ اہل دنیا کے سامنے بناوٹ سجاوٹ کر لیتا ہو اور اس کے ذریعہ دنیا کما کر عیش و لطف اٹھانے میں مشغول ہو۔

۱۷۔ قرآن پڑھنے یا پڑھانے کے وقت اس کے اعضاء بدن پر کسی قسم کے خشوع کے آثار ظاہر نہ ہوتے ہوں، بس اس کا مقصود صرف یہ ہو کہ کب قراءت ختم ہو؟ یہ مقصد نہ ہو کہ وہ کب قرآن کو سمجھے گا؟ تلاوت کے وقت قرآن کی امثال میں غور نہ کرتا ہو، وعد اور وعید سے کوئی اثر نہ لیتا ہو۔

۱۹۸۔ اس کا نفس مخلوق کی رضامندی کا طالب ہو، رب العالمین کی ناراضگی کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتا ہو۔

۱۹۔ اس کو یہ بات پسند ہو کہ لوگوں میں بہت پڑھنے پڑھانے کے ساتھ مشہور ہو، اپنے

(۱) اخلاق:۱۵۱

قرآن کے ختموں کی نمائش و مشہوری کرتا ہوں کہ لوگوں میں اس کی عزت و وجاہت زیادہ ہوجائے۔

۲۰۔ جاہلوں کی جھوٹی اور خلافِ واقعہ تعریف نے اس کو فتنہ اور دھوکے میں ڈال رکھا ہو باوجودیکہ کہ اس کے افعال جاہلوں کے سے ہوں۔

۲۱۔ اس کے نفس میں جو خواہش بھی آتی ہو قرآنی حکم سے قطع نظر اس کی پیروی کرتا ہو۔

۲۲۔ اگر اس کا کوئی شاگرد کسی دوسرے استاذ سے پڑھتا ہو تو اس پر ناراض ہوتا ہو۔

۲۳۔ اگر اس کے سامنے اہل قرآن میں سے کسی کی قابلیت یا نیکی کا تذکرہ ہو تو اس کو یہ بات ناگوار گذرتی ہو، اگر اس کی کسی پریشانی کا ذکر ہو تو اس سے اس کو خوشی ہوتی ہو۔

۲۴۔ اپنے سے کم مرتبہ کے ساتھ ٹھٹھا مذاق کرتا ہو اور اپنے سے زیادہ مرتبہ لوگوں کے ساتھ طعن و تشنیع کا معاملہ کرتا ہو۔

۲۵۔ اہل قرآن کے عیوب تلاش کرتا ہو، تاکہ ان کے درجہ کو گھٹائے اور اپنی تعلّی ثابت کرے۔

۲۶۔ اس بات کا آرزومند ہو کہ دوسرے لوگوں سے غلطیاں سرزد ہوں اور خود اس کی ہر بات درستی پر مبنی ہو۔(۱)

۲۷۔ ظاہر میں تو قرآن کی تلاوت کے ذریعے اپنے اوپر صلحاء کی علامات ظاہر کرتا ہو؛ مگر باطن میں اللہ تعالیٰ کے کئی ضروری احکام کو ضائع کر رکھا ہو اور جن چیزوں سے مولی نے منع کر رکھا ہے ان کا ارتکاب کر رہا ہو، اور اس تمامتر کاروائی کا منشاء محض حب جاہ و منصب اور حب دنیا ہو۔

۲۸۔ حفظ قرآن کی وجہ سے عجب وخود پسندی اور لوگوں کی انگشت نمائی نے اس کو فتنہ اور غرور میں ڈال رکھا ہو۔

۲۹۔ اگر کوئی دنیادار یا بادشاہ بیمار ہوجائے اور اس سے ختم قرآن کا مطالبہ کیا جائے تو فورا

---

(۱) اخلاق:۱۵۲

قبول کر لیتا ہو اور خوب خوش ہوتا ہو، لیکن اگر کوئی فقیر ومفلس یا گمنام آدمی بیمار ہو جائے اور اس سے ختم قرآن کا مطالبہ کیا جائے تو یہ بات اس پر بھاری اور باعثِ ناگواری ہوتی ہو، پس جس حافظ وقاری کے یہ اخلاق ہوں وہ اوروں کے لئے فتنہ اور گمراہی کا موجب ہوگا؛ کیوں کہ جب وہ ایسے قبیح اور کمینے اخلاق کا ارتکاب کرے گا تو جہلاء اس کی اقتداء کریں گے، اور جب کوئی اس جاہل پر اعتراض کرے گا تو وہ صاف کہہ دے گا کہ جب فلاں حافظِ قرآن ایسے کام کرتا ہے تو ہم کیوں نہ کریں، لہٰذا ایسے اہل قرآن اس قسم کے اخلاق رذیلہ سے توبہ کر کے اخلاق شریفہ کے ساتھ تخلق اختیار کریں۔(۱)

(۱) فضائل حفاظ قرآن: ۳۹۶۔۴۰۱

نسیان قرآن

حفظ قرآن کی اہمیت وفضیلت کے عنوان پر جتنا بولا اور لکھا جاتا ہے شاید اس اس زمانے میں اسے زیادہ قرآن کے بھولنے کی مذمت واصلاح پر ترغیب دلانے کی ضرورت ہے، مدارس سے حفظ کر کے فارغ ہونے والے طلبہ کے لئے سال بھر مخصوص مستقل شعبہ ان کے حفظ کو باقی رکھنے کے لئے قائم کرنے کی ضرورت ہے، حافظ بننا کسی قدر آسان ہے، حافظ بن کر مرنا اور اس نعمت کو سنبھالنا مشکل ترین ذمہ داری ہے، حفظ کے بعد وہ حافظِ قرآن چاہے عالمیت میں ہو یا تدریس میں، تجارت وملازمت میں ہو یا امامت ومکتب میں ہر ایک کو اس کی طرف متوجہ کرنے کی ضررت ہے، اس سلسلہ میں ''البلاغ'' میں مطبوعہ ایک مضمون من وعن پیش خدمت ہے۔

نسیان قرآن

قرآن مجید کا حفظ کرنا بہت بڑی سعادت ہے، اس سعادت کا حقیقی صلہ تو اللہ جل شانہ آخرت میں عنایت فرمائیں گے؛ مگر اس دنیا میں بھی بڑی بڑی نعمتیں حافظ قرآن کو عطا ہوتی ہیں "بقدر ما یجوز به الصلاۃ" یعنی اتنا قرآن مجید یاد کرنا کہ جس سے نماز ادا ہوجائے (تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت) ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور پورا قرآن مجید حفظ کرنا فرض کفایہ ہے۔

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی فضائل قرآن:۱۱ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اگر کوئی بھی العیاذ باللہ حافظ نہ رہے تو تمام مسلمان گناہ گار رہیں زرکشی رحمہ اللہ سے ملا علی قاری نے نقل کیا ہے کہ جس شہر یا گاؤں میں کوئی قرآن پاک پڑھنے والا نہ ہو تو سب گناہ گار ہوں گے"۔

الحمد للہ آج کل لوگوں میں حفظ قرآن کا بہت رجحان ہے، تقریبا ہر گھر میں ایک حافظ موجود ہے یا کوشش کی جاری ہے؛ بلکہ بعض گھروں میں متعدد حافظ موجود ہیں، اب اتنے حافظ ہو گئے ہیں کہ مسجدیں تراویح کے لئے کم پڑ گئی ہیں، بعض مساجد و مکاتب اور مدارس میں بیسیوں حفاظ بیک وقت قرآن مجید تراویح میں سنا رہے ہوتے ہیں، محلے کے کئی گھر میں قرآن مجید سنایا جارہا ہے۔

حفظ قرآن کا یہ جذبہ قابل قدر ہے، مگر اس کا دوسرا پہلو نہایت ہی خطرناک ہے اور وہ ہے قرآن مجید حفظ کر کے بھلا دینا، آج کل والدین جوش میں آکر بچوں کو حفظ کرانے کا

فیصلہ کرتو لیتے ہیں؛ مگر اس کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے، حفظ قرآن کا تقاضا یہ ہے کہ دوران تعلیم حفظ کو پختہ کیا جائے اور حفظ کی تکمیل کے بعد کم از کم ایک سال یا چھ ماہ اس کی گردان کی جائے، اور اس کے بعد بھی پوری زندگی بلا ناغہ اس کی تلاوت (حفظ) کی جائے؛ تا کہ جو نعمت اور اعزاز اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اسکی ناقدری نہ ہو۔(۱)

حفاظ کی ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ وہ سال بھر پڑھتے نہیں، پھر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے سال بھر تک کھول کر بھی نہیں دیکھا؛ باوجود اس کے ہم نے رمضان میں سنا دیا، اس ناواقفی کی بھی کوئی حد ہے؟ کہ جو بات عیب کی تھی اس کو ہنر سمجھ کر اس پر فخر کیا جاتا ہے، ان صاحبوں کو سمجھنا چاہئے کہ مقصود پڑھنے سے یہ تھا کہ ہمیشہ اس کی تلاوت سے برکات حاصل کی جائیں، جب یہ نہ ہوا تو پڑھا نہ پڑھا برابر ہو گیا، پھر تجربہ سے معلوم ہوا ہے، اور ایک حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ قرآن مجید نہ پڑھنے سے اس سے ایسی بے مناسبتی ہو جاتی ہے کہ پھر دیکھ کر بھی نہیں چلتا، یہ تو ناظرہ خواں کے بھولنے کی حد ہے، اور حافظ قرآن کے بھولنے کی حد یہ ہے کہ حفظ نہ پڑھ سکے، اور نسیان قرآن پر حدیثوں میں وعید شدید آئیں ہیں، پھر یہ کہ اتنے دنوں کی کرائی محنت جو کہ پڑھنے میں برداشت کی تھی، اس کے ضائع کر دینے کے لئے دل کیسے گوارہ کرتا ہے؟ دوام تلاوت میں بعض لوگ کم فرصتی کا عذر کرتے ہیں؛ لیکن سچ یہ ہے کہ جس چیز کا انسان ارادہ کر لیتا ہے، کسی نہ کسی صورت میں اس کو کر ہی لیتا ہے، خاص کر جب کہ کام بھی آسان ہو، کیا یہ بھی کوئی مشکل کام ہے؟ کہ ۲۴ گھنٹے میں سے آدھا گھنٹہ کہ مجموعہ روز وشب کے ساتھ ۱/۴۸ کی نسبت رکھتا ہے نکال کر اس میں اگر ناظرہ خواں ہے تو ایک پارہ اور اگر حافظ ہے تو ایک یا ڈیڑھ پارہ بے تکلف پڑھ لیا کرے اور اتفاقاً ناغہ ہو جانا دوسری بات ہے اس سے زیادہ وقت تو فضولیات وخرافات میں صرف ہو جاتا ہے جس میں نہ نفع دین نہ نفع دنیا۔

توبہ توبہ کیا قرآن مجید کی ان فضولیات کے برابر بھی وقعت نہیں ہے کہ فضولیات کے

(۱) نسیان القرآن، قاری حبیب الرحمن صاحب: البلاغ: ۷، ۴، محرم الحرام: ۱۴۳۶

لئے تو فرصت ہو جایا کرے اور قرآن مجید کے لئے نہیں ہوتی؟ (۱)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کئے گئے سو میں نے ان میں کوئی گناہ اس سے بڑھ کر نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن کی کوئی سورت یا آیت عطا کی گئی ہو، پھر اس نے اس کو بھلا دیا ہو "فلم أر ذنبا أعظم من سورة من القرآن أو آية أو تيها رجل ثم نسيها" (۲)

اسی وجہ سے استاذ الحفاظ والقراء حضرت قاری رحیم بخش صاحب پانی پتی رحمہ اللہ آداب تلاوت: ۴۰ میں تحریر فرماتے ہیں:

> "قرآن مجید یاد ہو جانے کے بعد اس کا یاد رکھنا فرض ہو جاتا ہے، روزانہ منزل پڑھنی چاہئے، اگر خدانخواستہ بچہ اسکول کی نذر ہو گیا تو یہ اس کے لئے سم قاتل ہے، اس صورت میں اس کا حفظ تو حفظ اس کی نماز وغیرہ سب دینی باتیں ختم ہو جائیں گی، پس اس سے اجتناب از حد ضروری ہے؛ بلکہ میرا مشورہ یہ ہے کہ جس بچہ کے متعلق یہ گمان ہو کہ وہ حفظ سے فارغ ہو کر فوراً اسکول میں جائے گا اور حفظ بھلا دے گا تو اس کو حفظ کرایا نہ جائے (تا کہ قیامت والے دن پکڑ سے بچ جائے)؛ بلکہ ناظرہ پڑھایا جائے اور نماز اور دینی باتوں کا خوگر بنا دیا جائے"۔

احقر (صاحب مضمون قاری حبیب الرحمن صاحب) عرض کرتا ہے کہ قاری صاحب نے سچ فرمایا کہ ایسے بچوں کو حفظ نہ کرایا جائے جن کے متعلق قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ بعد میں بھول جائیں؛ بلکہ ان بچوں کو اس کام کے لئے چنا جائے جو اس کے اہل ہوں، آخر دنیا کے کاموں میں بھی تو چناؤ ہوتا ہے، تو پھر آخرت کے یا دین کے کاموں میں چناؤ کیوں نہ کیا جائے، پولیس یا فوج میں شمولیت کے لئے چناؤ ہوتا ہے کہ تندرست ہو،

---

(۱) اصلاح انقلاب امت: ۴۰، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، ادارۃ المعارف، کراچی

(۲) سنن ابوداؤد: باب فی کنس المسجد، حدیث: ۴۶۱

معذور نہ ہو، ذہین ہو، کند ذہن نہ ہو، چاق و چوبند ہو، کاہل و سست نہ ہو وغیرہ؛ بلکہ فضائیہ میں شمولیت کیلئے تو اور زیادہ کڑی شرائط رکھی جاتی ہیں، لہٰذا اگر دین کا کام سنبھالنے والوں کے لئے کڑی شرائط رکھی جائیں تو بے جا نہ ہوگا اور حفظ قرآن از امور دین ہے نہ کہ دنیا۔

قرآن بھلانے کی سزا آخرت میں تو ہوگی ہی دنیا میں بھی اس کی سزا ملتی ہے، دنیا میں لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے، بلکہ اس کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے، گذران مکدر اور تنگ ہو جاتی ہے، بعض علماء نے قرآن کے بھلانے کو سورہ طٰہ کی آیت نمبر ۱۲۴ کا مصداق قرار دیا ہے، جس میں اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى (۱)

اور جو میری نصیحت سے منہ موڑے گا تو اس کو بڑی تنگ زندگی ملے گی،
اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، جیسے اللہ تعالی شانہ ہمارے محتاج نہیں؛ بلکہ ہم ان کے محتاج ہیں، اسی طرح اللہ کا کلام بھی ہمارا محتاج نہیں ہم اس کے محتاج ہیں، اگر خدانخواستہ ہم نے اسے چھوڑا تو یہ بھی ہمیں چھوڑ دے گا، اسی وجہ سے سرور کونین ﷺ کے ارشادات گرامی ہیں:

۱- "تعاهدوا القرآن فوالذی نفسی بیده لهو أشد تفصّیا من الإبل فی عقلها" (۲) قرآن کی خبر لیا کرو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اونٹ اپنی رسی سے اتنی جلدی نہیں نکلتا جتنی جلدی قرآن سینے سے نکل جاتا ہے۔

۲- اور ایک جگہ ارشاد فرمایا: "إنما مثل صاحب القرآن كمثل صاحب الإبل المعلقة إن عاهد عليها أمسكها وإن أطلقها ذهبت" (۳)

---

(۱) طٰہ: ۱۲۴

(۲) صحیح مسلم: باب الأمر بتعهد القرآن و کراهة قول، حدیث: ۷۹۱

(۳) مسلم: باب الأمر بتعهد القرآن، حدیث: ۷۹۱

’’قرآن والے (قاری) کی مثال اس اونٹ والے کی ہے جس کے اونٹ کو رسی سے باندھا گیا ہے، اگر اس کی خبر گیری رکھتا ہے تو وہ بندھا رہتا ہے، اگر اس کو چھوڑ دیتا ہے تو جاتا رہتا ہے‘‘۔

ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے حافظ اور قرآن کو اونٹ والے اور اونٹ سے مثال دے کر فرمایا کہ جس طرح اونٹ والا اونٹ کی رسی کو پکڑے رہے، تھامے رہے اس کو باندھے رہے تو وہ اس کے پاس رہتا ہے، اور اس کے قبضہ میں رہتا ہے، اور اگر اونٹ والا اونٹ کی دیکھ بھال نہ کرے یا اس کی رسی کو چھوڑ دے تو وہ جدھر چاہتا ہے چلا جاتا ہے، اسی طرح اگر حافظ قرآن کی تلاوت کرتا رہے تو قرآن اس کے سینہ میں محفوظ رہے گا، ورنہ اونٹ کی طرح چلا جائے گا اور کتاب الحیوان میں ہے کہ اونٹ میں یہ صفت ہے کہ جب یہ چلتا ہے تو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتا بنسبت دوسرے جانوروں کے جب وہ چلتے ہیں تو پیچھے بھی مڑ کر دیکھتے ہیں۔

شیخ عبدالحمید یوسف منصور اس مضمون کو نہایت بہترین انداز میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

’’من ترک القرآن یوما ترکه القرآن اسبوعا، ومن ترکه اسبوعا ترکه شهرا، ومن ترکه شهرا ترکه سنة، ومن ترکه سنة ترکه الدهر کله‘‘ (۱)، یعنی جو قرآن کو ایک دن کے لئے چھوڑتا ہے قرآن اس کو ایک ہفتہ کے لئے چھوڑ دیتا ہے اور جو قرآن کو ایک ہفتہ کے لئے چھوڑے قرآن اس کو ایک ماہ کے لئے چھوڑتا ہے، اور جو قرآن کو ایک ماہ کے لئے چھوڑ دے قرآن اس کو ایک سال کے لئے چھوڑ دیتا ہے اور جو قرآن کو ایک سال کے لئے چھوڑ دے تو قرآن اس کو زندگی بھر کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔

نیز وہ لکھتے ہیں:

’’القرآن أخف من الحمامة وأثقل من الجبل‘‘ یعنی قرآن پابندی سے پڑھنے والے کے لئے کبوتر سے زیادہ ہلکا اور نہ پڑھنے اور چھوڑ دینے والے کے لئے پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری ہے۔

(۱) فتح المرید فی علم التجوید: ۵۲

نیز ارشاد نبوی ہے: ”تعاھدوا القرآن، اقروا القرآن واستذکروا القرآن“ میں صحابہ کو تاکید فرمائی جارہی ہے کہ قرآن کی خبر گیری کرو (کثرت سے تلاوت کرو) یاد کرتے رہا کرو؛ حالانکہ ان کے حافظے بہت زیادہ قوی تھے اس کے باوجود بھی تاکید فرمائی ہمارے زمانے کے حافظے نہایت ہی کمزور ہیں؛ اس لئے ہمیں تو بہت زیادہ کثرت سے تلاوت کا اہتمام کرنا چاہئے اور کثرت سے تلاوت کرنے کا انعام ملے گا کہ روز قیامت قرآن یاد ہوگا بھولے گا نہیں؛ کیوں کہ جب حافظ کو حکم ہوگا ''اقرا وارتق ورتل'' (قرآن پڑھتا جا اور جنت کے درجوں پر چڑھتا جا'' تو ملا علی قاری سے نقل کردہ حدیث کے مطابق اگر دنیا میں بکثرت تلاوت کرتا رہا تو اس وقت بھی یاد ہوگا ورنہ بھول جائے گا۔

احادیث کے الفاظ ”القرآن یحاجّ العباد، القرآن حجة لک أو علیک، ومن جعله خلفه ساقه إلی النار“ صاف صاف بتلارہے ہے کہ قرآن ان لوگوں کے خلاف جھگڑا کرے گا اور انہیں جہنم میں گرائے گا جنہوں نے اس کے حقوق کو تلف کیا اور اسے پس پشت ڈال دیا۔(۱)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ”ما من امرء یقرأ القرآن ثم ینساہ إلا لقی اللہ یوم القیامة أجذم“ (۲)

یعنی کوئی شخص ایسا نہیں جو قرآن کو پڑھتا ہو پھر اس کو بھول جائے مگر وہ قیامت کے دن کٹے ہوئے ہاتھ سے اللہ سے ملاقات کرے گا۔

قرآن مجید اگر بھول جائے تو یوں اس کو نہ بیان کیا جائے کہ ''میں قرآن بھول گیا ہوں'' بلکہ یوں کہا جائے کہ ''میں بھلا دیا گیا ہوں'' کیوں کہ قرآن بھولنا قرآن کی عظمت کے خلاف ہے، اس لئے اس کو یوں کہے کہ میری کم نصیبی اور کوتاہی ہے کہ میں نے اس نعمتِ عظمی کی قدر نہیں کی، اسی کا رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا:

(۱) مصنف عبد الرزاق، باب تعلیم القرآن وفضله، حدیث:٦٠١٠

(۲) ابوداؤد: باب التشدید فیمن حفظ القرآن، حدیث:۱۴۷۶

"بئس ما لأحدهم أن يقول نسيت آية كيت وكيت بل نُسّي "(۱) کسی شخص کے لئے یہ بات بری ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں بلکہ وہ اس طرح کہے کہ بھلایا گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انتہائی بڑا گناہ جس کی میری امت کو قیامت کے دن پوری پوری سزا ملے گی یہ ہے کہ امت میں سے کسی کو کتاب اللہ کی کوئی سورت یاد ہو اور پھر وہ اس کو بھول گیا ہو۔(۲)

عکرمہ اور مجاہد دونوں کا قول ہے کہ جب کوئی شخص قرآن سیکھے اور پھر اس کو بھلا دے قیامت کے دن قرآن پاک آئے گا اور اس سے کہے گا اگر تو مجھے یاد رکھتا تو آج میں تجھے اونچے درجے پر پہنچا دیتا؛ لیکن تو نے غفلت وکوتاہی برتی؛ لہٰذا میں بھی تیری اس خدمت سے قاصر ہوں۔(۳)

قرآن مجید کا بھولنا بعض اوقات کسی بیماری یا حادثے کی وجہ سے ہوتا ہے اور بعض دفعہ اپنی سستی، کاہلی کی وجہ سے اور بعض دفعہ گناہوں کی وجہ سے، گناہوں کا نسیان میں بڑا دخل ہے۔

گناہوں کی کثرت کے علاوہ ہموم وغموم دنیوی کی زیادتی، بہت سے کاموں اور تعلقات کو بڑھانا، ہرا دھنیا کھانا، کھٹا سیب کھانا، سولی پر لٹکے ہوئے کو دیکھنا، قبروں کے کتبوں کو پڑھنا، اونٹوں کے درمیان میں چلنا، زندہ جوؤں کو بغیر مارے پھینک دینا، گدی پر پچھنے لگوانا یہ سب چیزیں حافظہ کو کمزور کرتی ہیں۔(۴)

نسیان قرآن سے بچنے کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز پر عمل کیا جائے تو بہتر ہوگا:

---

(۱) بخاری: باب استذکار القرآن وتعاهده، حدیث: ۴۷۴۴

(۲) محمد بن نصر المزوری فی قیام اللیل: ۱۷۸

(۳) محمد بن نصر المزوری، قیام اللیل: ۱۷۸

(۴) تعلیم المتعلم طریق التعلیم: ۸۱

۱- حفظ کی تکمیل کے بعد گردان یعنی دور کے لئے کم از کم ایک سال چھ ماہ ضرور لگانے چاہئیں۔

۲- روزانہ کم از کم ایک پارہ حفظ پڑھنا چاہئے یا کسی کو سنا دینا چاہئے۔

۳- ہر سال تراویح میں قرآن مجید سنانا چاہئے۔

۴- احکامات قرآنی پر عمل کرنا چاہئے۔

۵- گناہوں سے اور دیگر چیزوں سے بچنا جو حافظہ کو کمزور کرتی ہیں۔

۶- استاذ القراء قاری رحیم بخش پانی پتی کی تجویز کے مطابق تہجد کی آٹھ رکعتوں میں تین پارے پڑھ لیا کریں کہ اس عمل سے ان شاء اللہ قرآن مجید خوب پختہ ہو جائے گا، نیز سورہ بقرہ کی ابتداء سے مفلحون تک اور آیۃ الکرسی سے خالدون تک اور آخری رکوع بقرہ کا روزانہ بعد از عشاء پڑھ لیا کریں کہ ان آیات کے پڑھنے والے کو قرآن مجید یاد رہتا ہے۔(۱)(۲)

معیار نسیان کیا ہے؟

بعض علماء کہتے ہیں کہ اتنا بھول جائے کہ ناظرہ بھی تلاوت نہ کر سکے، ہمارے مشائخ کا رجحان اسی طرف ہے کہ سابقہ معیار کے لحاظ سے حفظ میں فرق اور کمی آجائے، احقر (محمد طاہر رحیمی مدنی) کا خیال ہے کہ تراویح میں سنانے کے قابل نہ رہے اور اگر سناتو عام تاثرات عرف میں یہ ہو کہ یہ شخص قرآن مجید بھول چکا ہے، اس کی تو اس قدر غلطیاں ہیں کہ الأمان والحفیظ۔

---

(۱) آداب تلاوت: ۴۸

(۲) البلاغ: نسیان القرآن: قاری حبیب الرحمن صاحب، قرآن کو بھول جانا: ۴۳، محرم الحرام: ۱۴۳۶ھ

قوت حافظہ کے لئے بعض مجرب معمولات

۱- یہ دعاء بھی مسنون ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: مَنْ خَشِیَ الْقُرْآنَ فَلْيَقُلْ: "اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ بِكِتَابِكَ بَصَرِيْ، وَأَطْلِقْ بِهِ لِسَانِيْ، وَاشْرَحْ بِهِ صَدْرِيْ، واستَعْمِلْ بِهِ جَسَدِيْ بِحَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ، فَإِنَّهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ"(۱)

۲- حفظ قرآن کی دعا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میرے ماں باپ آپ پر قربان میرے سینے سے قرآن نکلتا جا رہا ہے۔ میں اس کے حفظ پر قادر نہیں آپ نے فرمایا ابوحسن میں تمہیں ایسے کلمات سکھاتا ہوں کہ تمہیں بھی فائدہ پہنچائیں گے۔ اور جسے بتاؤ گے اس کے لئے بھی فائدہ مند ہوں گے اور جو کچھ تم سیکھو گے وہ تمہارے سینے میں رہے گا، عرض کیا: جی ہاں ضرور سکھائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کی شب کو اگر تم رات کے آخری حصے میں اٹھ سکو تو یہ گھڑی ایسی ہے کہ فرشتے اس وقت حاضر ہوتے ہیں اور دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے، چنانچہ میرے بھائی یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بیٹوں کو یہی کہا تھا کہ میں عنقریب

---

(۱) نہایۃ القول المفید: ۳۱۳، البلاغ: نسیان القرآن: قاری حبیب الرحمن صاحب، قرآن کو بھول جانا: ۴۳، محرم الحرام: ۱۴۳۶ھ

جمعہ کی رات تم لوگوں کے لئے مغفرت کی دعا کروں گا۔ لیکن اگر اس وقت بھی نہ اٹھ سکو تو رات کے پہلے تہائی حصے میں اٹھ جا اور اگر اس وقت بھی نہ اٹھ سکو تو رات کے دوسرے تہائی حصہ میں چار رکعت نماز پڑھو۔ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ یاسین، دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ دخان، تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد حم سجدہ اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ ملک پڑھو۔ پھر جب (قعدہ اخیر میں) التحیات سے فارغ ہونے کے بعد خوب اچھے طریقے سے اللہ کی حمد وثنا بیان کرو۔ پھر اسی طرح مجھ پر اور تمام انبیا پر درود بھیجو۔ پھر تمام مومن مردوں اور عورتوں کے لئے مغفرت مانگو، پھر ان بھائیوں کے لئے بھی جو تم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔ اور اس کے بعد یہ دعا پڑھو:

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِيْ بِتَرْكِ الْمَعَاصِيْ أَبَدًا مَا اَبْقَيْتَنِيْ، وَارْحَمْنِيْ أَنْ أَتَكَلَّفَ مَا لَا يَعْنِينِيْ، وَارْزُقْنِيْ حُسْنَ النَّظْرِ فِيْمَا يُرْضِيْكَ عَنِّيْ، اَللّٰهُمَّ بَدِيْعَ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ ذَا الْجَلَالِ وَالإِكْرَامِ وَالْعِزَّةِ الَّتِيْ لَا تُرَامُ، أَسْأَلُكَ يَا اَللّٰهُ يَا رَحْمٰنُ بِجَلَالِكَ وَنُوْرِ وَجْهِكَ اَنْ تُلْزِمَ قَلْبِيْ حِفْظَ كِتَابِكَ كَمَا عَلَّمْتَنِيْ وَارْزُقْنِيْ أَنْ أَتْلُوْهُ عَلَى النَّحْوِ الَّذِيْ يُرْضِيْكَ عَنِّي اَللّٰهُمَّ بَدِيْعُ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ ذَا الْجَلَالِ والإِكْرَامِ وَالعِزَّةِ الَّتِي لَا تُرَامُ اَسْأَلُكَ يَا اللهُ يَا رَحْمٰنُ بِجَلَالِكَ وَنُوْرِ وَجْهِكَ أَنْ تُنَوِّرَ بِكِتَابِكَ بَصَرِيْ، وَأَنْ تُطْلِقَ بِهِ لِسَانِيْ وأَنْ تُفَرِّجَ بِهِ عَنْ قَلْبِيْ وَأَنْ تَشْرَحَ بِهِ صَدْرِيْ، وَاَنْ تَغْسِلَ بِهِ بَدَنِيْ فَإِنَّهُ لَا يُعِيْنُنِي عَلَى الْحَقِّ غَيْرُكَ وَلَا يُوتِيهِ إِلاَّ أَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ "

یعنی اے اللہ! مجھ پر جب تک میں زندہ ہوں اس طرح اپنا رحم فرما کہ میں ہمیشہ کے لئے گناہ چھوڑ دوں اور لایعنی باتوں سے پرہیز کروں مجھے اپنے پسندیدہ امور کے متعلق خوب غور وفکر کرنا عطا فرما۔ اے اللہ!

اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے !اے عظمت و بزرگی والے!اور اے ایسی عزت والے کہ جس کی کوئی اور خواہش نہ کر سکے، اے اللہ!اے رحمن!میں تجھ سے تیرے جلال اور تیرے چہرے کے نور کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ میرے دل پر اپنی کتاب (قرآن مجید) کا حفظ اس طرح لازم کر دے جس طرح تو نے مجھے یہ کتاب سکھائی ہے۔ اور مجھے توفیق دے کہ میں اس کی اسی طرح تلاوت کروں جس طرح تو پسند کرتا ہے۔اے آسمانوں اور زمین کے خالق، اے ذوالجلال والاکرام اور اے ایسی عزت والے جس کی کوئی خواہش بھی نہیں کرسکتا۔ اے اللہ !اے رحمن ! تیری عظمت اور تیرے چہرہ کے نور کے وسیلے سے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری نظر کو اپنی کتاب سے پر نور کر دے۔ اسے میری زبان پر جاری کر دے۔ اس سے میرا دل اور سینہ کھول دے اور اس سے میرا بدن دھو دے اس لئے کہ حق پر میری تیرے علاوہ کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ صرف تو ہی ہے جو میری مدد کرسکتا ہے۔ کسی گناہ سے بچنے کی طاقت یا نیکی کرنے کی قوت بھی صرف تیری ہی طرف سے جو بہت بلند اور عظیم ہے۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوحسن تم اسے تین پانچ یا سات جمعہ تک پڑھو، اللہ کے حکم سے تمہاری دعا قبول کی جائے گی۔ اور اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے! اسے پڑھنے والا کوئی مومن کبھی محروم نہیں رہ سکتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پانچ یا سات جمعے گذرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ویسی ہی مجلس میں دوبارہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں پہلے چار آیتیں یاد کرتا تو جب پڑھنے لگا بھول جاتا اور اب چالیس آیتیں یاد کرنے کے بعد بھی پڑھنے لگتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرآن مجید میرے سامنے ہے۔ اسی طرح جب میں کوئی حدیث سنتا تھا تو جب پڑھنے لگتا

تو وہ دل سے نکل جاتی ہے اور اب احادیث سنتا ہوں تو بیان کرتے وقت اس میں سے ایک حرف بھی نہیں چھوٹتا۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا رب کعبہ کی قسم! ابوحسن مومن ہے "مؤمن ورب الكعبة يا أبا الحسن"(۱)

۳- قرآن یادرکھنے کا عمل

دارمی نے اپنے مسند میں شعبی سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص رات کو سورہ بقرہ کی یہ دس آیتیں پڑھا کرے وہ کبھی قرآن نہیں بھولے گا، چار الم سے مفلحون تک (یہ کوفی شمار کے لحاظ سے ہیں جس میں الم مستقل آیت نہیں) اور آیۃ الکرسی اور اس کے بعد دو آیتیں "خالدون" اور بقرہ کی آخری تین آیتیں "لله ما في السماوات والأرض" سے ختم سورۃ تک۔(۲)

۴- قوت حافظہ کے لئے مجرب عمل

ایک صاحب نے حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی سے حافظہ کی شکایت کی کہ قرآن کریم پڑھتا ہوں بھول جاتا ہوں، فرمایا: گناہوں سے اپنے آپ کو بچاؤ اور نگاہ کی حفاظت کرو، بدنظری سے حافظہ پر اثر پڑتا ہے، رات کو سونے سے پہلے "الم" سے "مفلحون" تک اور آیت الکرسی آخری رکوع تک اور "آمن الرسول" سے سورت کے ختم تک پڑھ کر سوئیں، انشاء اللہ حافظہ قوی ہوگا، لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔(۳)

۵- قوت حافظہ کے لئے خاص عمل

ایک صاحب نے اپنے صاحبزادے کے بارے میں کند ذہن ہونے کی شکایت کی

---

(۱) ترمذی: باب فی دعاء الحفظ، حدیث: ۳۵۷۰، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ روایت غریب ہے، یہ صرف ولید بن مسلم کے طریق سے منقول ہے۔

(۲) مسند دارمی، تحفظ حفاظ: ۱۴۰، افادات حضرت مولانا زکریا، قاری طیب صاحب، مولانا ابوالحسن ندوی، فرید بک ڈپو۔

(۳) ابوعثمان محمد شعبان بستوی، ارشادات افتخار الاولیاء: ۱۴۳، مدرسہ اسلامیہ سلیمانیہ، عیدگاہ، کاندھلہ، ضلع شاملی

یہ بچہ حفظ کرتا ہے؛ مگر یاداشت بہت کمزور ہے، حضرت والا نے ان صاحبزادے سے ارشاد فرمایا کہ نظر کی حفاظت کرو، بدنظری سے حافظہ پر اثر پڑتا ہے، حدیث پاک میں ارشاد گرامی ہے:

"النظرة سهم مسموم من سهام ابليس من تركها من مخافتي أبدلته إيمانا يجد حلاوته في قلبه" (۱)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ نگاہ ابلیس کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جو شخص اس سے اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے بچا رہے حق تعالی شانہ اس کو ایسا نورِ ایمانی نصیب فرماتے ہیں کہ جس کی حلاوت اور لذت قلب میں محسوس کرتا ہے۔

۶۔قرآن کریم کے لئے مجربات واعمال

الف: علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں کہ ہشام بن القاضی بن الحارث، ابن عباس رضی اللہ عنہ کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تجھ کو وہ بات بتلاؤں جو جبرئیل نے مجھے بطور ہدیہ دی ہے جس سے حافظہ بڑھتا ہے اور نسیان دور ہوتا ہے، ابن عباس نے کہا یارسول اللہ! ضرور بتلائے، آپ نے فرمایا کہ کسی تھال یا کٹورے میں زعفران وگلاب کے عرق سے سورہ الفاتحہ وسورۃ الحشر وسورۃ الواقعہ لکھو، پھر آب زمزم آب بارش یا کسی صاف پانی سے دھوکر صبح کے وقت تین مثقال یعنی ایک تولہ سے زیادہ شکر ملا کر پی جاؤ اور اس کے بعد دو رکعت پڑھو ہر ایک رکعت میں پچاس دفعہ "قل ھو اللہ أحد" اور پچاس ہی دفعہ سورۃ الفاتحہ پڑھو، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: اسلام کے بعد جیسا کہ میں اس روز خوش ہوا کبھی نہیں ہوا تھا؛ کیوں کہ اس کا نفع چالیس روز کے بعد ہی شروع ہوا، ابن شہاب زہری اس کو لکھ کر اپنی اولاد کو پلایا کرتے تھے، عاصم کا قول

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی: باب، حدیث: ۱۰۳۶۲۔

ہے کہ: میں نے پچپن سال کی عمر میں اس کا استعمال شروع کیا، پس ہر ایک مہینہ میں میرا حافظہ وفہم بڑھتا گیا۔

ب: امام محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کے پاس آکر شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ ہر روز دو مثقال شکر تری اور ایک مثقال لوبان ملا کر کھایا کرو اور اس کے بعد اپنی بائیں ہتھیلی پر زعفران کے ساتھ آیت الکرسی لکھ کر زبان سے چاٹ لیا کرو، اس نے ایسا ہی کیا، چند ہی روز کے بعد محمد بن سیرین کو اس سے ملنے کا اتفاق ہوا، پوچھا کہ اب تیرا کیا حال ہے؟ کہا کہ میں نے دس ہزار احادیث زبانی یاد کرلی ہیں، محمد بن سیرین نے فرمایا کہ: یہی عمل کئے جاؤ، چند روز بعد دوبارہ ملاقات کا اتفاق ہوا، پوچھا کہ: اب کیا حال ہے؟ کہا: اب تو جو بات سنتا ہوں یاد ہوجاتی ہے۔

ج: ہدہد کا دل بھون کر شہد کے ساتھ کھانا بھی قوت حافظہ بڑھاتا ہے۔(۱)

چند مفید اور مقوی غذائیں

اختصار کے پیش نظر، حفظ میں معاون غذاؤں کے بارے میں، صرف بعض اہل علم کی آراء یہاں بیان کی جائیں گی۔

امام زہری فرماتے ہیں: شہد کا استعمال پابندی سے کرو، اس لئے کہ یہ حفظ کے لئے مفید ہے، شہد میں شفا کا ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے، حق تعالیٰ نے فرمایا:

يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ (۲)

اس کے پیٹ میں سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں کہ اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔

(۱) کتاب الرحمۃ فی الطب والحکمۃ للسیوطی، تحفہ حفاظ: ۱۵۲ افادات حضرت مولانا زکریا، وقاری طیب صاحب، ومولانا ابوالحسن ندوی رحمہم اللہ، فرید بک ڈپو دہلی۔

(۲) النحل:۶۹

ٹھنڈے گرم مشروبات جیسے ڈکاشن وغیرہ میں شکر کی جگہ شہد کا استعمال بھی کر سکتے ہیں، جب آپ عادی ہوجائیں گے تو بہت مزہ آئے گا۔

بعض حکماء حفظ کے لئے یہ نسخہ (Formola) تجویز کرتے ہیں: پتی کے بجائے 'پودینہ، ابالئے، کلونجی کے تیل کے کچھ قطرے اس میں ٹپکایئے، اصلی شہد ایک بڑے چمچہ کی مقدار میں اضافہ کیجئے اور صبح میں نوش فرما کر دن بھر صحت مند حافظہ اور چست چالاک بدن کا لطف اٹھایئے، اس طرح آپ کے بدن میں شکر (شوگر) کا بھی اضافہ نہیں ہوگا۔

شہد کے بعض ماہرین نے مجھے بتایا کہ شہد کے ساتھ کلونجی کا تیل ملانا، بشرطیکہ معقول مقدار میں ہو، آواز کی خوبصورتی اور بلغم کی کمی کے لئے بے حد مفید ہے۔

ہاشمیؒ کہتے ہیں کہ جو شخص حدیث شریف یاد کرنا چاہے، اسے چاہیے کہ کشمش کھائے۔

ہمارے استاد شیخ نایف عباسؒ ہر روز اکیس صاف ستھرے کشمش کے دانے کھاتے تھے اور میرے والدؒ مجھ سے کہتے تھے: نہار منہ کشمش (خاص طور پر بھورے رنگ والا) کھانا حافظہ کے لئے بے حد مفید تقویت بخش ہے۔

ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نسیان کی شکایت کی، انہو ں نے فرمایا: 'گائے کا دودھ پی، یہ دل میں حوصلہ پیدا کرتا ہے اور، بھول، کو دور کرتا ہے۔

حافظہ کے لئے قوت بخش چیزیں

حکماء فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کو زیادہ سے زیادہ استعمال کرو، حافظہ مضبوط ہوگا۔

بکری کا گوشت، کلیجی، دودھ، مکھن، مرغ کا شوربہ، چنے کا شوربہ، پالک، کدو، لوکی، تورائی، گاجر، شلجم، آم، میٹھے سیب، بادام، شہد، نہار منہ کشمش کھانا۔(۱)

حفظ کی نیت سے آب زمزم پینا بھی بہت مفید ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) کامیاب طالب علم: ۱۷۷

"ماء زمزم لما شرب له"۔ زمزم کا پانی اس (مقصد) کے لئے مفید ہے جس کے لئے پیا جائے۔

بہت سے سلفِ صالحین نے مختلف نیتوں کے ساتھ زمزم کا پانی پیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مراد پوری کی۔

منقول ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے آبِ زمزم اس نیت سے پیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں علم حدیث میں امام ذہبیؒ جیسا بنا دیں، ان کے بعد امام سیوطیؒ آئے اور انہوں نے زمزم اس نیت سے نوش کیا کہ وہ فقہ میں سراج الدین بلقینیؒ اور حدیث میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے مرتبہ تک پہونچیں۔

حافظ سخاویؒ نے ابن الجزریؒ کے تذکرہ میں فرمایا، ان کے والد کو چالیس برس تک کوئی اولاد نہ ہوئی، انہوں نے حج کیا اور آبِ زمزم اس نیت سے پیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایک عالم لڑکا عطا کرے، چنانچہ نمازِ تراویح کے بعد محمد الجزریؒ پیدا ہوئے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ محمد بن الجزری آبِ زمزم نوش کرنے کے نو ماہ بعد پیدا ہوئے۔

اس لئے کہ زمزم پینے کا واقعہ حج میں پیش آیا، جب کہ ولادت رمضان میں ہوئی، حفظ قرآن علوم دینیہ اور خصوصاً علم قرأت میں ابن الجزریؒ کا اپنا مخصوص مقام ہے۔

دوست! اگر آپ کو حفظ کے سلسلے میں دشواری پیش آ رہی ہو تو سچی نیت سے اس دوا کو آزمائیے کہ بہت سوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی مرادوں کو پورا کیا۔

مچھلی بھی اس سلسلے میں مفید ہے، مجھ سے ڈاکٹر احسان شمسی باشا نے بتایا کہ مچھلی میں دماغ کو تقویت بخشنے والے وٹامنس ہیں، نیز یہ بھی ذکر کیا کہ انہوں نے اس سلسلے میں ایک سائنٹفک مقالہ بھی دیکھا ہے۔

عموماً کھانے پینے کی کثرت اور بدہضمی حافظہ کو کمزور کر دیتی ہے نیز اس سے قوتِ تفکیر ڈھیلی پڑ جاتی ہے، ہمارے اساتذہ کہتے تھے:

"البطنة تذهب الفطنة" پیٹ بھرا رہنا ذہانت کو ختم کر دیتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا

”ما ملا ابن آدم وعاء شراً من بطن، حسب ابن آدم اکلات یقمن صلبه، فان کان لا محالة فثلثا طعاماً وثلثا شراباً وثلثا لنفسه“(۱)

آدم زاد نے پیٹ سے بری کوئی چیز نہیں بھری، آدم کے بچے کے لئے چند لقمے کافی ہیں جس سے پیٹھ صحیح رہے، اگر کھانا ہی ہے تو ایک تہائی حصہ کھانے کے لئے، ایک تہائی پینے کے لئے، اور ایک تہائی سانس کے لئے۔

اس لئے کہ اگر معدہ بھرا ہو تو آپ اچھی طرح یاد نہیں کر سکتے، خطیب بغدادیؒ کہتے ہیں:

حفظ کے لئے بھوک کے اوقات، شکم سیری کے اوقات سے بہتر ہیں، حفظ کرنے والے کو چاہیے کہ بھوک کے سلسلے میں اپنی کیفیت کا پتہ لگائے، بعض حضرات شدید بھوک کی حالت میں یاد نہیں کر پاتے، اس لئے اس آگ کو ہلکی پھلکی چیز جیسے انار کے ذریعہ بجھائے اور زیادہ نہ کھائے۔

”ابن جماعہؒ“ کہتے ہیں: ”زیادہ کھانے سے زیادہ پینا ضروری ہو جاتا ہے، زیادہ پینا کثرتِ نوم، بے وقوفی، کند ذہنی، حواس میں فتور، اور جسم میں سستی کا باعث بنتا ہے، نیز اس میں شرعاً کراہت بھی ہے۔

(۱) سنن ابن ماجة: باب الاقتصاد فی الأکل وکراهیة الشبع، حدیث: ۳۳۴۹

حفظ قرآن تلاوت قرآن اور اکابر کا معمول

حضرت نانوتویؒ کے حفظ قرآن کا واقعہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (بانی دارالعلوم دیوبند) نے جب پہلا حج کیا تو کراچی کے راستے سے کیا تھا۔اس زمانے میں اسٹمر نہیں تھی۔بادبانی جہاز تھے۔ہوا موافق ہے تو کشتی چل رہی ہے۔ہوا جب مخالف چلی تو لنگر ڈال دیے جس سے کشتی کھڑی ہوجاتی تھی۔پانچ پانچ چھ چھ مہینے میں جدہ پہنچتے تھے۔تو حضرت بھی بادبانی جہاز میں سوار ہوئے اور رمضان شریف آگیا۔گویا شعبان میں چلے تھے کشتی کے اندر رمضان آگیا اور اتفاق سے کوئی حافظ نہیں۔تراویح الم ترکیف سے ہوئی۔تو حضرت کو بڑی غیرت آئی۔ڈھائی تین سو آدمی جہاز میں موجود اور تراویح میں قرآن کریم نہ سنایا جائے۔ایک بھی حافظ نہیں۔بس الم ترکیف سے سورتیں یاد ہیں۔اسی دن قرآن یاد کرنے بیٹھے۔روز ایک پارہ حفظ کرتے رات کو تراویح میں سنادیتے۔

حضرت مدنیؒ کے حفظ قرآن کا واقعہ

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کو انگریزوں نے ۱۳۶۲ھ میں گرفتار کیا تو جیل میں کوئی اور مشغلہ نہیں تھا قرآن کریم یاد کرنا شروع کردیا اور تقریبا دو ثلث یاد کیا اور روزانہ اسے تراویح میں پڑھا کرتے تو مولانا کی عمر ۷۰، ۷۵ سال کی تھی۔اور اس عمر میں یادداشت کمزور ہوجاتی ہے۔مگر یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے کہ جو اس کی طرف متوجہ ہو تو وہ خود اس کے قلب کے اندر آجاتا ہے، خود بے اعتنائی کرے تو وہ ایک طرف ہو جاتا

ہے۔(۱)

امام شافعیؒ نے ایک ماہ میں قرآن حفظ کیا اور ہر روز ایک ختم کرتے تھے۔ نیز رات کو تراویح میں پورا قرآن پڑھا کرتے تھے۔(۲)

(۱) ازخطبات حکیم الاسلامؒ

(۲) ظفر المحصلین باحوال المحصلین، ص:۴۸۵

کمسن حفاظ کے حالات

سات سال کی عمر میں ساتوں قرائتوں کا حافظ ہو جانا

خواجہ حذیفتہ المرعشی جو مشائخ چشت کے ایک درخشاں اورتابندہ ماہتاب ہیں سات برس کی عمر میں ہفت قراءت کے حافظ ہو چکے تھے اور خواجہ مودود چشتی سات سال کی عمر میں پورے قرآن شریف کے حافظ ہو گئے تھے۔

نو سال کی عمر میں حافظ ہونا

جب ابن حجر پانچ سال کی عمر میں مکتب میں بٹھائے گئے تو سورۂ مریم ایک دن میں حفظ کر کے لوگوں کو متحیر کر دیا۔ صرف نو سال کی عمر میں حافظ قرآن ہو گئے ۷۸۴ھ میں گیارہ سال کی عمر میں مسجد حرام میں تراویح میں پورا کلام مجید سنایا۔ خود فرماتے ہیں کہ ''میں نے اسی سال لوگوں کو تراویح پڑھائی۔(۱)

امام محمدؒ نے ایک ہفتہ میں پورا قرآن حفظ کر لیا

جب امام محمد بن الحسن الشیبانی (جو امام ابو حنیفہ کے مایہ ناز شاگرد اور امام مجتہد ہیں) سن تمیز کو پہنچے تو قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی اور اسکا جتنا حصہ ممکن ہوا حفظ کر لیا اور حدیث اور ادب کے اسباق میں حاضر ہونے لگے پس جب امام محمد چودہ سال کی عمر کو پہنچے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی مجلس میں حاضر ہوئے تاکہ ان سے ایک مسئلہ کے متعلق دریافت کریں جو ان کو پیش آیا۔ پس انہوں نے امام صاحب سے اس طرح سوال فرمایا آپ اس

(۱) ظفر المحصلین ص ۱۷۷ تا ۱۷۸

لڑکے کے متعلق کیا فرماتے ہیں جو عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد اس رات بالغ ہوا کیا وہ عشاء کی نماز لوٹائے؟ فرمایا ہاں! پس امام محمد اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے جوتے اٹھائے اور مسجد کے ایک کونہ میں عشاء کی نماز لوٹائی (اور یہ سب سے پہلا مسئلہ تھا جو انہوں نے امام ابوحنیفہؒ سے سیکھا۔) جب امام ابوحنیفہؒ نے ان کو نماز لوٹاتے دیکھا تو اس پر تعجب کا اظہار کیا اور فرمایا کہ اگر خدانے چاہا تو یہ لڑکا ضرور کامیاب ہوگا اور ایسے ہی ہوا جیسا انہوں نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے امام محمد کے دل میں اپنے دین کی فقہ کی محبت ڈال دی جب سے انہوں نے مجلس فقہ کا جلال ملاحظہ فرمایا تھا۔ پھر امام محمد فقہ حاصل کرنے کے ارادے سے امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں تشریف لائے تو امام ابوحنیفہؒ نے ارشاد فرمایا قرآن کریم از بر یاد ہے یا نہیں۔ امام محمد نے عرض کیا نہیں، پھر کچھ دن غائب رہے پھر اپنے والد ماجد کے ساتھ حاضر ہوئے اور فرمایا کہ میں نے پورا قرآن از بر یاد کرلیا ہے۔ (آپ نے امتحاناً متعدد مقامات سے سن کر حفظ قرآن کی تسلی فرمائی اور امام محمد کو اپنے درس فقہ میں داخل فرمالیا) اس کے بعد سے امام صاحب کی مستقل طور پر صحبت اختیار کی اور اسلام میں عظیم مجتہد بنے۔(۱)

مادرزاد حافظہ لڑکی

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک واقعہ میرا خود دیکھا ہوا ہے جس زمانہ میں میرا قیام مدرسہ راندیر یہ رنگون میں تھا تو ہندوستان سے ایک شخص رنگون آیا اس کے ساتھ اس کی لڑکی بھی تھی جس کی عمر چار سال سے زیادہ نہیں تھی اس نے کہا یہ لڑکی حافظ قرآن ہے اور بغیر پڑھے پڑھائے پیدائشی حافظ ہے آپ جہاں سے چاہیں ایک آیت اس کے سامنے پڑھ دیں یہ اس سے آگے دس بارہ آیتیں پڑھ دے گی چنانچہ رنگون میں بہت مقامات پر اس کا امتحان لیا گیا تو جیسا کہا تھا ویسا ہی دیکھا گیا رنگون کے لوگوں نے اس لڑکی کو بہت سا انعام دیا اس کے باپ کی آمدنی اسی لڑکی کے اس کمال ہی سے تھی میں نے اس سے کہا اس کو آمدنی کا ذریعہ مت بناؤ مجھے اندیشہ ہے کہ اس طرح یہ لڑکی زیادہ نہ جئے گی چنانچہ

(۱) بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن الحسن الشیبانی:۵

میرا خیال صحیح نکلا۔ اگلے سال میں نے سن لیا کہ اس بچی کا انتقال ہو گیا۔(۱)

قاری فتح محمد صاحب رحمہ اللہ کا بچپن میں قاری محی الاسلام کو لقمہ دینا شیخ الوقت حضرت مولانا قاری فتح محمد پانی پتی ثم مدنیؒ کو بچپن ہی میں قرآن مجید اتنا پختہ یاد ہو گیا تھا کہ کسی بھی سورت یا رکوع کی آیتیں آخر سے اول کی طرف بھی بے تکلف سنا سکتے تھے۔ ماہ رمضان المبارک میں آپ پانی پت کے مایہ ناز سید القراء ماہر قرات سبعہ حضرت مولانا قاری ابو محمد محی الاسلام عثمانی رحمہ اللہ کے یہاں بھی تراویح میں قرآن پاک سننے کے لیے جایا کرتے تھے اور بعض جگہ لقمہ دیا کرتے۔ بعد از فراغت حضرت بڑے قاری صاحب موصوفؒ دریافت فرماتے کہ لقمہ کس بچے نے دیا تھا؟ تو لوگ آپ کو حضرتؒ کے سامنے پیش کر دیا کرتے تھے۔ آپ دیکھ کر فرماتے اللہ نے اس بچے کو بہت اونچے مقام پر پہنچانا ہے۔ اور اس سے قرآن کریم کی بہت زیادہ خدمت لینی ہے حتی کہ آپ کشاں بغرض تحصیل قرآت سبعہ حضرت بڑے قاری صاحبؒ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ روزانہ بلا ناغہ وقت مقررہ پر آپ کے یہاں حاضر ہو کر قرآت کی تعلیم حاصل کیا کرتے۔

دشمنانِ اسلام کی گواہی

ایک مرتبہ ایک انگریز حاکم شہر سہارن پور (انڈیا) کے ایک مدرسہ میں پہنچا۔ اور بچوں کو تعلیم قرآن اور اس کے حفظ کرنے میں مشغول دیکھا حاکم نے استاد سے سوال کیا کہ یہ کونسی کتاب ہے؟ اس نے بتایا کہ یہ قرآن مجید ہے پھر حاکم نے سوال کیا، کیا ان میں سے کسی نے پورا قرآن حفظ کیا ہے استاد نے کہا ہاں! اور چند لڑکوں کی طرف اشارہ کیا اس نے جب سنا تو اسے بڑا تعجب ہوا اور کہنے لگا ان میں سے ایک لڑکے کو بلاؤ۔ اور قرآن میرے ہاتھ میں دے دو میں امتحان لوں گا استاد نے کہا آپ خود جس کو چاہیں بلا لیجئے۔ چنانچہ اس نے خود ایک لڑکے کو بلایا۔ جس کی عمر تیرہ یا چودہ سال کی تھی۔ اور چند مقامات میں اس کا امتحان لیا۔ جب اسے کامل یقین ہو گیا کہ یہ پورے قرآن کا حافظ ہے تو متعجب اور حیران ہوا

(۱) بحوالہ سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر جلد ۳ ص ۴۲۸

اور کہنے لگا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ جس طرح قرآن کے لیے تواتر (اور حفاظت) ثابت ہے۔ کسی بھی کتاب کو ایسا تواتر میسر نہیں ہے۔ محض ایک بچے کے سینے سے پورے قرآن کا صحت الفاظ ضبط اعراب کے ساتھ لکھا جانا ممکن ہے۔(۱)

حضرت قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی رحمہ اللہ نے پانچ سال کی عمر میں حفظ قرآن شروع کر دیا تھا آپ ۱۲۲۷ھ میں بوقت صبح صادق اپنے نانا پیر شاہ محمد ماہ (جو آپ کی والدہ حبیب النساء کے پدر بزرگوار تھے) کے دولت خانہ پر پیدا ہوئے۔ خوارگی کا زمانہ حضرت نانا صاحب کے ہاں گذرا۔ پانچ سال کی عمر ہوئی تو خود فرماتے ہیں ''میں رہٹ چکل میں کھیلتا تھا کہ والد محترم (حضرت قاری مولانا شاہ محمد انساری) یکا یک تشریف لائے اور میرا شانہ پکڑ کر فرمایا ''چلو'' میں نے عرض کیا ''کہاں''؟ فرمایا'' جس کام کے لیے پیدا ہوئے ہو'' اس کے بعد مجھے حضرت والدہ صاحبہ کے پاس لے گئے انہوں نے نہلا دھلا کر صاف کپڑے پہنا دئے، پھر والد صاحب نے بسم اللہ کرائی اور خود تعلیم دینی شروع کی'' حضرت فرمایا کرتے تھے کہ'' وہ دن اور آج کا دن اللہ کے فضل سے اس کام میں لگا ہوا ہوں جس کی طرف حضرت صاحبؒ نے اشارہ فرمایا تھا''۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی عادت

سلف کی عادت ختم قرآن میں مختلف رہی ہیں۔ بعض حضرات ایک ختم روزانہ کرتے تھے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ نیز امام شافعیؒ کا معمول رمضان کے علاوہ یہی تھا۔ اور بعض دو ختم روزانہ کرتے تھے جیسا کہ ان دونوں ائمہ کا معمول رمضان المبارک میں تھا اور یہی معمول اسود و صالح بن کیسان بن جبیر اور ایک جماعت کا تھا۔

صالح بن کیسان کا عمل

صالح بن کیسان جب حج کو گئے تو راستہ میں اونٹ پر کجاوہ کی دونوں طرفوں کے درمیان سوار ہونے کی حالت میں بسا اوقات ایک رات میں دو قرآن مجید کا ختم فرما لیتے تھے۔

(۱) بائبل سے قرآن تک از: حضرت مولانا کیرانویؒ

سُلیم بن عتر کا عمل

سُلیم بن عتر جو بڑے تابعین میں شمار کیے جاتے ہیں۔ حضرت عمر کے زمانہ میں فتح مصر میں شریک تھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مصر کے قاضی تھے ان کا معمول تھا کہ ہر رات کو تین ختم قرآن شریف کے کرتے تھے، بلکہ منقول ہے کہ بعض اوقات ایک ہی رات میں چار مرتبہ بھی قرآن مجید ختم فرمالیا کرتے تھے۔ (اس کو ابو عمر کندی نے اپنی کتاب قضاۃ المصر میں ذکر کیا ہے)۔

ابن الکاتب کا عمل

ابو عبدالرحمٰن سلمی نے ابو عثمان مغربی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ابن الکاتب چار قرآن دن کو اور چار رات کو پڑھتے تھے۔ (نووی کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ مقدار جو تلاوت کے باب میں ہم کو پہنچی ہے وہ یہی ہے)۔

حضرت مجاہد کا عمل

امام ابوداؤد نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت مجاہدؒ بعض اوقات مغرب اور عشاء کے درمیان ایک قرآن پاک پورا پڑھ لیا کرتے تھے۔

رمضان شریف میں اکابر کا قرآنی معمول

رمضان المبارک میں حضور پاک ﷺ جبرئیل امین علیہ السلام کے ساتھ

قرآن کا دور فرماتے اور وفات کے سال دومرتبہ دور فرمایا رمضان المبارک کو نزول قرآن کی سالگرہ ہونے کا شرف حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ ہر رمضان میں نبی کریم ﷺ جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ نازل شدہ حصہ قرآن کا دور و تکرار فرماتے تھے اور وفات کے سال دومرتبہ دور فرمایا۔ اور آنحضرت ﷺ کے بعد امت کے بڑے بڑے بزرگان دین کا معمول بھی آج تک یہی رہا ہے کہ اس ماہ میں تلاوت قرآن کی کثرت رکھتے تھے۔

امام بخاریؒ امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا رمضان میں عمل

امام بخاریؒ جو امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد در شاگرد ہیں ماہ رمضان میں ایک دن رات میں قرآن کے دو ختم کرتے تھے۔ ایک قرآن رات کو تراویح میں اور ایک دن میں ختم کرتے تھے، حافظ ابن حجرؒ نے ''توالی التاسیس'' میں حضرت امام شافعیؒ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ ہر مہینہ میں تیس قرآن ختم کرتے تھے۔ اور رمضان المبارک میں ۶۰ ساٹھ ختم کرتے تھے اور یہ تلاوت اس قرات کے علاوہ تھی جو نماز (پنجگانہ وتراویح) میں ہوتی تھی۔(۱)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ کا معمول عام دنوں میں ایک دن رات میں ختم قرآن کا تھا اور رمضان المبارک میں (عیدالفطر کی رات اور دن کو

(۱) توالی التاسیس: ۹۸

شامل کرکے) باسٹھ ختم کرتے تھے(۱) (اور ایک مستقل قرآن پاک پورا مہینہ نماز تراویح میں ان باسٹھ کے علاوہ ختم فرماتے تھے)۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ کا عمل

حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ والد گرامی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ کا قرآن شریف سے بڑا شغف تھا۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی تذکرۃ الخلیل میں لکھتے ہیں ''ایک مرتبہ میری درخواست پر آپ رمضان میں قرآن شریف سنانے کے لیے میرٹھ تشریف لائے تو دیکھا۔ دن بھر میں چلتے پھرتے پورا قرآن مجید ختم فرما لیتے تھے اور افطار کا وقت ہوتا تو ان کی زبان پر قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہوتی تھی۔ ریل سے اترے تو عشاء کا وقت ہو گیا تھا ہمیشہ باوضو رہنے کی عادت تھی، اس لیے مسجد میں قدم رکھتے ہی مصلے پر آ گئے اور تین گھنٹے میں دس پارے ایسے صاف اور رواں پڑھے کہ کہیں لکنت تھی نہ متشابہ۔ گویا قرآن شریف سامنے کھلا رکھا ہے اور با اطمینان پڑھ رہے ہیں۔ تیسرا دن ختم فرما کر روانہ ہو گئے کہ دور کی ضرورت تھی نہ سامع کی حاجت۔''(۲)

امام ابوبکر شعبہ رحمہ اللہ

امام ابوبکر شعبہ بن عیاشؒ خود فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کوئی کام شریعت کے خلاف نہیں کیا تیس سال سے ہر روز ایک قرآن ختم کیا۔ حضرت ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے زیادہ سنت پر عمل کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ اعمش کہتے ہیں کہ آپ سے بہتر نماز پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا، ستر سال عبادت میں مصروف رہے ان میں سے چالیس سال اور ایک اور قول پچاس سال تک آپ کے لیے بستر نہیں بچھایا گیا اور اس عرصہ میں رات کے وقت زمین سے پیٹھ نہیں لگائی۔(۳)

---

(۱) عقود الجمان: ۲۱۳

(۲) سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی ۴۷، ۴۷

(۳) تذکرہ قاریان ہند جلد اول: ۲۳، ۲۴

حضرت ابوعبیدالرحمٰن سلمی

بخاری نے حضرت عفان رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''خَیْرُ کُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہ'' تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن مجید سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔طبرانی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ''خَیْرُ کُمْ مَّنْ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ اَقْرَاَہ'' تم میں بہترین اشخاص وہ ہیں جو قرآن پڑھتے اور پڑھاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ رئیس القراء حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی کوفی پہلی حدیث کو روایت کرکے فرماتے تھے کے مجھے اسی حدیث نے یہاں لا بٹھایا ہے۔حضرت بڑے کثیرالعلم جلیل القدر تابعی تھے لوگ آپ سے مختلف علم حاصل کرنے کی تمنا کرتے تھے۔مگر آپ چالیس سال سے زیادہ عرصے تک کوفہ کی جامع مسجد میں صرف قرآن کی تعلیم دیتے رہے اور جب کوئی پوچھتا تو وہی حدیث اول سنایا کرتے۔امام عاصم کوفی آپ ہی کے شاگردوں میں سے ہیں۔(۱)

نیز حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی آپ ہی سے قرآن پڑھا ہے۔(۲)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ تراویح کے بعد صبح تک نوافل میں مشغول رہتے تھے اور یکے بعد دیگرے متعدد حفاظ سے قرآن مجید سنتے رہتے تھے۔حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ کے ہاں تو رمضان المبارک کا مہینہ تو دن رات تلاوت ہی کا ہوتا تھا۔ ڈاک بھی بند اور ملاقات بھی گوارا نہیں ہوتی تھی۔(۳)

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمہ اللہ

مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی حالات مشائخ کاندھلہ میں لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کا معمول تھا کہ رمضان المبارک میں

---

(۱) تذکرہ قاریان ہند جلد اول: ۲۳، ۲۴

(۲) نشر کبیر

(۳) ماہنامہ بینات رمضان ۱۴۰۹ھ

اپنی والدہ صاحبہ اور نانی صاحبہ کو قرآن شریف سنانے کے لیے کا
ندھلہ تشریف لاتے اور ہمیشہ تین شب میں پورا قرآن شریف سنا کروا
پس تشریف لے جاتے جس سال ذی قعدہ میں آپ کا وصال ہوا اس
میں ایک ہی شب میں پورا قرآن مجید سنایا تھا اور اگلے ہی دن واپس
تشریف لے گئے'' (۱)

دیگر مشائخ واکابر

شیخ الحدیث قطب العالم برکت العصر حضرت اقدس مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ کا معمول مبارک آدھی صدی سے زیادہ عرصہ تک رمضان المبارک میں یومیہ ایک قرآن ختم کرنے کا رہا۔ حضرت شیخ المشائخ مولانا قاری ابومحمد محی الاسلام عثمانی پانی پتیؒ اور آپ کے تلمیذ حضرت شیخ حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ پوری رات ماہ رمضان میں سحری کے وقت تک تلاوت قرآن پاک فرماتے رہتے تھے۔ ہمارے شیخ مجدد القرآت حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب پانی پتی یومیہ دوثلث (تقریباً بیس بائیس پارے) تلاوت فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی زیادہ سے زیادہ تلاوت کی توفیق عطاف فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔ یحییٰ یزیدیؒ نے ابوعمرو بصریؒ کو ایک ہی مجلس میں کھڑے کھڑے پورا قرآن پاک سنادیا۔

سیدناورش مصری

سیدنا ورشؒ نے مصر سے ۱۵۵ھ میں (بعمر ۴۵ سال) امام نافعؒ بن ابی نعیم سے پڑھنے کے لیے مدینہ منورہ کا سفر کیا اور آپ کو قرآن متعدد ختم سنائے: خود فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ منورہ پہنچا تو دیکھا کہ طلباء کی کثرت کی وجہ سے کوئی شخص امام نافعؒ سے پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا اور اگر کسی خوش نصیب کو موقع ملتا بھی ہے تو اسے بھی تیس آیتوں سے زیادہ پڑھنے کا وقت نہیں ملتا! میں کچھ بزرگوں کو سفارش کے لیے آپ کی خدمت میں لے گیا،

(۱) سوانح یوسفی

انہوں نے عرض کیا کہ یہ مصر سے صرف آپ کی وجہ سے آیا ہے۔ حاجی اور تاجر نہیں ہے۔ حضرت امام نافعؒ نے فرمایا کہ آپ دیکھ تو رہے ہیں کہ مہاجرین وانصار کی اولاد کی تعلیم کی وجہ سے میں کتنا عدیم الفرصت ہوں۔ جب زیادہ اصرار کیا گیا تو رات کو مسجد نبوی میں رہنے کا حکم دیا: تہجد کے وقت جب آپ مسجد میں تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ وہ مصری کہاں ہے۔ میں حاضر تھا ہی پس آپ نے مجھے پڑھنے کا حکم دیا۔ میں حسن الصوت کے ساتھ ساتھ قوی الصوت بھی تھا۔ میں نے پڑھنا شروع کیا تو میری آواز سے پوری مسجد نبوی شریف گونج اٹھی۔ جب میں تیس آیات پڑھ چکا تو خاموش ہو جانے کا اشارہ فرمایا۔ طلباء کے حلقہ میں سے ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اے معلم خیر شیخ! ہم آپ کے ساتھ مدینہ منورہ ہی میں رہتے ہیں۔ اور یہ مصری ترک وطن کر کے حضرت کی خدمت میں آیا ہے؛ اس لیے میں اپنے وقت میں سے دس آیات کی مقدار اس کو ہبہ کرتا ہوں۔ پھر ایک اور شخص نے دس آیات کا ہبہ کیا، کسی حضرت نے مجھے بیس آیات اور پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ غرض میں نے پچاس آیات روزانہ پڑھیں اور اس طرح تمام قرآن مجید کئی مرتبہ آپ کو سنایا۔ اس طرح بعد میں بھی کئی لوگ اپنے اسباق کے اوقات آپ کو ہبہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ روزانہ قرآن کا ساتواں حصہ پڑھتے تھے۔ اور اس طرح سات دنوں میں پورا قرآن اور مہینہ میں چار قرآن ختم کر کے فراغت حاصل کر لی: پھر مصر واپس چلے گئے۔ وہاں با لاتفاق ''رئیس القراء'' اور عربیت ونحو کے امام تھے۔ اور آپ نے بھی ایک مستقل قراءت اختیار کی تھی۔ جس میں کئی اختلاف نافعؒ کی قرائت کے سوا دوسری قراءتوں سے لیے تھے۔

قاضی مقری حمید الدین

مولانا بدر الدین غزنوی۔ خواجہ بختیار کاکی اور قاضی مقری حمید الدین ناگوری موصوف میں دوستانہ مراسم تھے۔ ایک دفعہ یہ تینوں بزرگ جامع مسجد دہلی میں معتکف تھے۔ طے یہ ہوا کہ ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر قرآن مجید ختم کریں۔ آپ کو امام بنایا گیا باقی دو دوست مقتدی ہوئے۔ آپ نے پہلی رکعت میں پورا قرآن شریف ختم کر کے دوسری

رکعت میں مزید چار سپارے سنائے۔ پھر تینوں نے حصول رضائے الٰہی کے لیے دعا کی۔ معمولاً آپ شب وروز میں دو دفعہ قرآن مجید ختم کرتے تھے۔ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانیؒ نے اپنی تصنیف ''ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت'' میں لکھا ہے کے آپ کا سلوک بالقرآن تھا۔ جملہ مدارج علویہ سے حاصل فرمائے تھے۔ ۷۴۴ھ میں وفات پائی قطب صاحب دہلی میں مزار ہے۔(۱)

ایک روز میں ختم کرنے والے بارہ ہزار آدمی

قرآن مجید سے والہانہ لگاؤ کے عجیب عجیب نونمونے ملتے ہیں۔ بلبنی عہد میں ایک امیر فخر الدین تھے۔ جن کے یہاں بارہ ہزار وظیفہ خوار قرآن پاک پڑھنے کے لیے مقرر تھے، ہر روز ایک ہزار بار قرآن شریف ختم کرتے۔ یہ امیر ہر سال ایک ہزار غریب لڑکیوں کے جہیز کا سامان بھی فراہم کرتے۔(۲)

پچاس دن میں پورا قرآن مجید پڑھنا

جب ورشؒ نافعؒ کے پاس پڑھنے کے لئے آئے اور آپ سے پڑھنے کی اجازت چاہی تو نافعؒ نے فرمایا: فِي الْمَسْجِدِ (رات کو مسجد نبوی میں ٹھہرو) سو جب تہجد کے وقت آپ کے سب تلامذہ جمع ہو گئے تو آپ نے ورشؒ سے پوچھا''أبتّ فی المسجد'' (کیا تم نے رات مسجد میں گزاری ہے) انہوں نے جواب دیا جی ہاں اس پر فرمایا: ''أنت أولی بالقراءة'' (تم پڑھنے کے زیادہ حقدار ہو پڑھو) سو ورشؒ نے آپ سے پچاس دن میں تقریباً ایک سو پچیس آیتیں روزانہ کے حساب سے پورا قرآن مجید پڑھا پھر بعض اہل قراء کی عادت اس کے مطابق چل پڑی۔

پانچ اور سات دن میں قراءت مکمل

حضرت ابن الجزریؒ فرماتے ہیں کہ میرے پاس حلب سے ایک شخص دمشق میں آیا

(۱) تذکرہ قاریان ہند ج ۲ صفحہ ۶۹، ۷۰

(۲) تذکرہ قاریان ہند

تو اس نے مجھ سے پورا قرآن مجید قراءت ابن کثیر کے مطابق صرف پانچ دن میں اور قراءت کسائی کے مطابق صرف سات دن میں پڑھ لیا اور یہ دن پے در پے تھے۔

محقق ابن الجزریؒ

حضرت محققؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے جب شیخ علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن کی طرف مصر کا سفر کیا۔ اوران سے شاطبیہ وعنوان وتیسیر کے طرق موافق قرآت سبعہ کی جمع الجموع پڑھنی شروع کی اور اسی اثنا میں مجھے دوسرے سفر کی نوبت آئی۔ اور میں سورۂ حجر کے آخر قرآن تک پہنچ چکا تھا۔ تو میں نے بقیہ حصہ قرآن (یعنی سورۂ نحل سے آخر قرآن تک کے پونے سترہ پاروں) کو شب جمعہ سے پنجشنبہ تک صرف ایک ہفتہ میں پورا کر لیا۔ اور قراءت کی سب سے آخر قرآنی مجلس سورۂ واقعہ کے شروع سے اخیر قرآن عظیم تک تھی۔ جس کو ایک ہی رات میں پورا کرلیا۔ واللہ الموفق۔

قاری عبدالعلیم انصاریؒ

مولانا قاری حکیم عبدالعلیم انصاریؒ مہاجر ومدفون مدنی صاحبزادہ خورد حضرت مولانا محدث پانی پتیؒ کو حدر وروانی کے ساتھ قرآن پڑھنے میں کمال حاصل تھا۔ شبینوں میں بے تکلف اصول تجوید کی پابندی کے ساتھ دس پندرہ پارے ایک گھنٹے میں چار پارے کی رفتار سے پڑھ دیتے تھے۔ دس سال کی عمر میں قرآن مجید مع تجوید حفظ کرلیا تھا۔ آپ کا شباب ہی تھا کہ پینتیس سال کی عمر میں مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے۔ ۱۳۳۷ھ میں جب شریف حسین والیء مکہ نے ترکوں سے بغاوت کی تو حرمین شریفین کے متبرک علاقوں میں بھی لوگوں کو امن نہ ملا اور وقت آیا کہ ساکنین بلد امین کو بھی خارج البلد ہونا پڑا۔ آپ پہاڑوں اور جنگلوں میں نکل گئے اور اسی غریب الوطنی اور دشت نوری کے زمانے میں ینبوع البحر اور رابغ کے متصل کسی گاؤں میں یکایک انتقال فرمایا۔

حافظ قاری اللہ دیا صاحبؒ

حافظ صاحب موصوف ابتداء جلد پڑھنے والوں اور غلط خوانوں میں مشہور تھے۔

جوانی میں صحیح کرنے اور تجوید سیکھنے کا شوق پیدا ہوا چنانچہ حضرت قاری عبدالرحمٰن اعمٰی سے مشق کی اور ممدوح کو پے در پے سنایا۔ اور پھر حضرت شیخ الشیوخ مولانا مُحَدِّث کو تمام قرآن سنایا اور بہترین مشاق بن گئے۔ آواز پست تھی۔ حدر کے ساتھ قرآن پڑھنے میں اس قدر کمال تھا کہ جب تک جسم میں قوت رہی تمام قرآن دو رکعتوں برعایت اصول تجوید پڑھ لیتے تھے۔ کمزوری اور امراض کے زمانہ میں بھی ایک دو منزلیں پڑھنے سے باک نہ تھا۔

قاری عبداللہ بن قاری محمدی انصاریؒ

آپ قاری حضرت عبدالرحمٰن محدثؒ کے بڑے بھائی ہیں۔ قرآن مجید کی یادداشت کا یہ عالم تھا کہ ایک روز سوتے سوتے تلاوت میں متشابہ لگا تو حضرت محدث نے بتایا اسی وقت جاگے اور پوچھا۔ افوہ! میں تو سورہا تھا۔ حضرت محدث نے فرمایا۔ میں نے تو جاگتے ہوئے آپ کے کئی سپارے سنے۔

پختگیٔ حفظ کی عجیب مثال

بسا اوقات یہ عجیب چیز خارق عادت دیکھنے میں آئی کہ حضرت والا نوافل میں کھڑے ہوکر با آواز بلند قرآن کریم کی مسلسل تلاوت فرما رہے ہیں اور اس دوران غلبہء نیند کی وجہ سے کافی حد تک اونگھ آ گئی۔ دیر تک کھڑے کھڑے سر جھکائے اونگھتے رہے اور پھر بیدار ہونے کے بعد جس لفظ پر تلاوت کو چھوڑا ہوا تھا اسی سے شروع فرما دیتے۔ کبھی بھی اس کے خلاف نہیں دیکھا گیا پھر تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ اس دوران پاؤں مبارک بھی ذرا نہ لڑکھڑاتے بلکہ زمین پر خوب حالت بیداری و ہوشیاری ہی کی طرح جمے رہتے۔ اس کو سوائے کرامت وخرق عادت کے کیا کہا جا سکتا ہے۔

حضرت قاری رحیم بخش قدس سرہٗ کے دادا

مجدد القرآت حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب قدس سرہٗ کے دادا کا ایک عجیب واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنے کنوئیں پر سویا کرتے تھے۔ اور رات کو سوتے سوتے قرآن پاک کی تلاوت فرماتے رہتے تھے۔ کئی بار چور بیل وغیرہ چوری کرنے کے لیے آئے مگر

جب حافظ جی کو تلاوت قرآن کرتے سنتے تو لوٹ جاتے۔کہ حافظ صاحبؒ تو جاگ رہے ہیں، کئی دن ایسے گزر گئے تو ایک روز چور دن کے وقت حافظ جیؒ کے پاس آئے اور کہا۔حافظ جیؒ! آپ ساری رات قرآن پڑھتے رہتے ہیں۔سوتے نہیں ہیں۔آخر آپ کس وقت سوتے ہیں؟ حافظ جی نے پوچھا بات کیا ہے۔کہنے لگے ہم کئی دفعہ چوری کرنے آئے مگر آپ کو بیدار پا کر باز رہتے رہے۔حافظ رحیم علیؒ صاحب فرمانے لگے کہ بھائی اب تک تو میں سویا کرتا تھا اور سونے کی حالت میں تلاوت کیا کرتا تھا البتہ اب اصل واقعہ معلوم ہو جانے کے بعد نہیں سویا کروں گا۔اور جاگتا رہا کروں گا۔

رمضان میں حضرت قاری فتح محمد رحمہ اللہ کے معمولات تلاوت

ہمارے حضرت والا کو قرآن مجید سے بہت عشق تھا، پاکستان کے قیام میں بھی جب کہ آپ کی عمر بڑھاپے کی طرف جا رہی تھی تراویح کے بعد سے لے کر صبح صادق تک ۱۰ پارے پڑھنے کا عموما آپ کا معمول تھا خوب تجوید تحقیق کے ساتھ تلاوت فرماتے لیکن، جس وقت آخری عشرہ آتا اس وقت شبینوں میں آپ کو محبین پنجاب دعوت دیتے تو اکثر و بیشتر آپ حضرت قاری رحیم بخش کے ہمراہ شکارپور، سکھر، ملتان، گوجرنوالا، اوکاڑہ، راولپنڈی، کوہ مری، ان سب جگہوں میں پڑھتے اسی طرح حضرت والا دوسرے تمام پڑھنے والوں کا کھڑے ہو کر سنتے، اور شبینوں میں آپ چند چیزوں کی رعایت فرماتے ایک تو یہ کہ تجوید کے ساتھ پڑھا جائے دوسرے سب ادب سے سنے تیسرے نوافل کی جماعت میں تین سے زیادہ مقتدی نہ ہوں یا پھر شبینہ نماز تراویح میں پڑھا یا جائے، غرض یہ کہ آپ کے شبینوں میں ایک سرور و کیف ہوتا تھا۔

حافظ گل محمد قصاب

حافظ گل محمد قصاب کا معمول تھا کہ سال کے ۱۲ مہینے کے تیسوں دن ایک قرآن کریم روزانہ ختم کیا کرتے، اپنے بیل لے کر کھیت کی طرف جاتے اور گھر ہی سے قرآن پڑھنا شروع کرتے اور سارا دن کام کرتے ہوئے قرآن کریم کی تلاوت جاری رکھتے آخر قرآن

کریم ختم کرکے ہی کسی سے بات کرتے اس سے پہلے کسی سے بات نہ کرتے۔

حافظ مشیت اللہ صاحبؒ

حافظ مشیت اللہ پانی پتی چل پھر کر جوتی کا کاروبار کرتے اور روزانہ ختم قرآن کرکے شہر میں داخل ہوتے ورنہ فصیل پر بیٹھ کر پورا کرتے تھے۔

شیخ الوقت مولانا فتح محمد صاحبؒ کے قرآنی عشق کی ایک جھلک

حضرت موصوف روزانہ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے؛ بلکہ ایک قرآن مجید تہجد میں شروع فرماتے روزانہ کچھ پارے پڑھتے۔ ایک قرآن مجید نمازوں میں روزانہ تھوڑا تھوڑا پڑھتے۔ ایک دن بھر میں بطور منزل شروع رکھتے تمام دن ویسے بھی قرآن مجید کا مشغلہ رہتا، کسی کا سن رہے ہیں اور کسی کا امتحان لے رہے ہیں، اسی طرح اپنے اصلاحی تعلق رکھنے والوں کو بھی روزانہ تلاوت قرآن کا حکم فرماتے۔ الغرض آپ کو تلاوت قرآن مجید سے بہت عشق تھا۔ صحت میں جس وقت کوئی قرآن مجید سننے کی خواہش کا اظہار کرتا آپ فوراً شروع فرما دیتے۔ اسی طرح اگر کوئی اپنا سنانے کے لئے عرض کرتا تو آپ فوراً سننے کے لئے آمادہ ہوجا تے، غرض یہ کہ آپ کی زندگی کا اہم مشغلہ قرآن مجید کا سننا اور سنانا تھا۔

قبر میں تلاوت قرآن

روایت ہے ابوالنصر نیشاپوری سے جو بڑے متقی اور پرہیزگار تھے اور قبر کھودا کر تے تھے کہ میں نے ایک بار قبر کھودی اتفاقاً ایک قبر نکل آئی میں نے دیکھا کہ اس میں ایک نوجوان عمدہ لباس پہنے بیٹھا ہے اور اس سے نہایت اچھی خوشبو آتی ہے اس کے ہاتھ میں قرآن شریف ہے اور سبز حرفوں سے یہ قرآن لکھا ہے کل حروف نہایت خوبصورت ہیں وہ نوجوان تلاوت میں مصروف ہے۔ اس نے مجھ کو دیکھا تو پوچھا کیا قیامت آگئی میں نے کہا نہیں کہا اس سوراخ کو بند کردو۔ میں نے بند کردیا۔ اس واقعہ کو ابن نجار نے تاریخ بغداد میں بھی روایت کیا ہے۔(۱)

(۱) شرح الصدور: فصل فیہ فوائد: ۱/۱۹۱، دارالمعرفۃ، بیروت۔

راستے میں چلتے ہوئے قرآن مجید پڑھنا

شیخ علم الدین سخاویؒ راستہ میں بھی پڑھاتے تھے، ابن ابی داؤد نے حضرت ابوالدرداءؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ راستہ میں بھی پڑھاتے تھے۔ محقق ابن الجزری فرماتے ہیں کہ میں نے امام شمس الدین صائغ سے کئی بار راستے میں پڑھا ہے۔ کبھی تو وہ اور میں دونوں پیدل ہوتے تھے۔ اور کبھی وہ خچر پر سوار اور میں پیدل ہوتا تھا۔ اور مجھے متعدد شیوخ نے جن میں امام علامہ قاضی محب الدین بن یوسف حلبیؒ نگران افواج بھی شامل ہیں۔ یہ بتایا کہ اگر کسی جنازہ میں شیخ تقی الدین صائغ تشریف لاتے تو لوگ اس سے بہت خوش ہوتے قاضی محب الدین فرماتے ہیں کہ شیخ موصوفؒ مجھے بسا اوقات اپنی خدمت میں رکھتے تھے سو میں راستہ میں آپ سے قرآن مجید اس حالت میں پڑھتا تھا کہ میں پیدل اور آپ اپنی حمارا (سواری) پر سوار ہوتے تھے۔

عبداللہ بن یزید مقریؒ

محمد بن عاصم کا یہ بیان ہے کہ میں نے مقری موصوف کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ میری عمر نوے سے سو سال کے درمیان ہے جس میں سے میں نے بصرہ میں چھتیس سال اور یہاں مکہ معظّمہ میں پینتیس برس قرآن کی تعلیم دی ہے اور اسکو پڑھایا ہے۔(۱)

(۱) حاشیہ اخلاق حملۃ القرآن

فن تجوید وقراءت

آدابِ تلاوت

تلاوت قرآن کے تعلق سے اس کے آداب کی رعایت نہایت ضروری ہے، بعض لوگ تلاوت قرآن کے وقت اس کے آداب کا لحاظ نہیں کرتے، نہایت بے دلی، بے رغبتی،، بے عظمتی سے پڑھتے ہیں، بالخصوص رمضان میں تو بعض حفاظ ایسا پڑھتے ہیں کہ قرآن کے حقوق بھی فوت ہوتے ہیں، اور مقتدیوں کے حقوق بھی!

بعض نے تلاوت میں ایک اور طریق ایجاد کیا ہوا ہے .... ایک قاری نے ایک آیت پڑھی دوسرے نے دوسری؛ بلکہ کبھی ایک نے آیت کا ایک ٹکڑا پڑھا اور دوسرے نے پورا کیا، بعض دفعہ سب مل کر گلا ملا کر پڑھتے ہیں اور اگر ایک کی سانس لینے سے دوسرا آگے بڑھ گیا تو وہ پھر درمیان کے اجزاء چھوڑ کر آگے سے شریک ہوجاتا ہے۔

یہ سب ظاہر ہے کہ ادب قرآن کا ضائع کرنا ہے اور اس میں تغنی مذموم وقطع کلمات اور اختلالِ نظم یہ مفاسد علاحدہ ہیں۔

علامہ نوویؒ نے تبیان میں آداب القرآن کا مستقل باب قائم فرما کر متعدد آداب تحریر فرمائے ہیں:

منجملہ ان کے بعض نمونے کے طور پر لکھے جاتے ہیں:

۱- "ینبغی إذا أراد القرآن أن ینظف فاہ بالسواک" وغیرہ۔

(مناسب یہ ہے کہ جب قراءت کا ارادہ کرے تو مسواک کرلیا کرے)

زہری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم میں کوئی مسواک کر کے قرآن پڑھے تو فرشتے اس کی قرآن کو سننے لگتے ہیں، اپنا منہ اس کے منہ میں رکھ دیتے ہیں ''حتی یجعل فاہ علی فیہ'' اس کے منہ سے جو کوئی بھی آیت نکلتی ہے تو اس کے منہ میں فرشتہ منہ رکھتا ہے، اور اگر بغیر مسواک کے پڑھتا ہے تو فرشتہ وہاں کا چکر لگاتا ہے اور اس کے منہ پر منہ نہیں رکھتا'' (۱)

۲- یستحب أن یقرأ وھو علی طھارۃ، فإن قرأ محدثا جاز بإجماع المسلمین اور طہارت (وضو) کے ساتھ قراءت کرنا مستحب ہے اور اگر حالت حدث (بلا وضو) میں قراءت کی تو باجماع مسلمین جائز ہے۔

۳- قراءت صاف ستھرے اور پسندیدہ مکان میں ہو یہ مستحب ہے۔

۴- نماز کے علاوہ حالت میں بھی قاری کے لئے مستحب ہے کہ وہ استقبال قبلہ کرے؛ اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مجلسوں میں بہترین مجلس وہ ہے جس میں استقبال قبلہ کیا جائے اور خشوع کی حالت میں سکون اور فکر کے ساتھ اپنے سر کو جھکائے بیٹھے اور خشوع وخضوع اور حسن ادب کے ساتھ بیٹھے کہ جیسے اپنے استاذ کے سامنے بیٹھتا ہے اور یہی اکمل طریقہ ہے۔

۵- جب قراءت کرنے لگے تو حالت خشوع وتدبر کی ہونی چاہئے۔

۶- اور مناسب یہ ہے کہ قراءت ترتیل سے ہو اور علماء نے بھی ترتیل کے استحباب پر اتفاق کیا ہے۔

قال: ورتل القرآن ترتیلا، علماء کا کہنا ہے کہ ترتیلا قرآن کی تلاوت تدبر وغیرہ کی بناء پر مستحب ہے، ان کا کہنا ہے کہ ایسے عجمی کے لئے جو قرآن مجید کے معنی سمجھتے نہیں مستحب ہے کہ قراءت ترتیلا کرے اس لئے کہ ترتیلا قراءت کرنا احترام اور توقیر کے زیادہ

(۱) آداب حملۃ القرآن للآجری، ۱۴۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

قریب ہے اور دل پر زیادہ اثر کرتی ہے۔

۷- اور جب کسی آیتِ رحمت پر گذر ہو تو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگے، اور جب کسی آیتِ عذاب پر گذر ہو تو شر اور عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے یہ کہے کہ اے اللہ میں آپ سے عافیت طلب کرتا ہوں یا یہ دعا کرے: ”اللهم إني أسئلك العافية أو اسئلك المعافاة من كل مكروه أو نحو ذلك“ اور جب کسی آیت تنزیہ پر گذر ہو تو اللہ عز وجل کی تمام عیوب ونقائص سے پاکی بیان کرے؛ لہٰذا سبحانہ وتعالی، تبارک وتعالی، یا جلت عظمته ربنا وغیرہ کلمات کہے۔

۸- قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنا زبانی پڑھنے سے افضل ہے، اس لئے کہ مصحف کو دیکھنا مستقل عبادت ہے، اس طور پر تلاوت اور نظر دو عبادتیں جمع ہو جائیں گی، اس سلسلہ میں علماء کے مابین اختلاف ہے مگر علامہ نووی۔ نے اس کی یوں توجیہ فرمائی ہے کہ:

”ولم أر فيه خلافا ولو قيل إنه يختلف باختلاف الأشخاص فيختار القراءة في المصحف وعن ظهر القلب يختار القراءة عن ظهر القلب لمن لم يكمل بذلك خشوعه ويزيد على خشوعه وتدبّره“

کہ میرا خیال ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے یا یوں کہا جائے کہ اختلاف اشخاص سے یہ مختلف ہوتا ہے تو جس کو زبانی پڑھنے اور دیکھ کر پڑھنے میں یکساں خشوع حاصل ہوتا ہے تو اس کے لئے دیکھ کر پڑھنا پسندیدہ ہے اور دیکھ کر پڑھنے سے زیادہ خشوع حاصل نہ ہو تو ایسے شخص کے لئے زبانی پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

☆ تلاوت میں اول صحت حروف کی رعایت ہو جو کہ امر ضروری ہے۔

☆ خوش لہجی کا مقدور بھر پاس ولحاظ ہو جو کہ امر مطلوب ومستحب ہے۔

☆ خوب مستغرق ہو کر پڑھے معانی میں غور وفکر کرے۔

☆ تلاوت میں درد وسوز پیدا کرنے کی کوشش کرے جس سے اللہ رب العزت کی یاد

اوراس کا خوف دل میں پیدا ہو سکے۔

☆ اپنے ساتھ ساتھ سامعین کے قلوب بھی متاثر ہوں اور زیادتی ایمان کا سبب بن سکے۔

☆ حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں: ”إذا تثائبت وأنت تقرأ فأمسک حتی یذهب عنک“ اگر تمھیں تلاوت قرآن کے دوران جمائی آنے لگے تو جمائی کے چلے جانے تک قرآن پڑھنے سے رک جاؤ۔(۱)

☆ اگر اونگھ آجائے تو سو جائے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”إذا نعس أحدکم فلیرقد، فإن أحدکم یرید أن یستغفر فیسب نفسه“ جب تم میں سے کسی کو نیند آنے لگے تو سو جائے، کیوں کہ تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ وہ استغفار کر کے اپنے آپ کو گالیاں دے(۲)

☆ قرآن کو اچھی آواز میں پڑھنے کی کوشش کرے، قرآن میں حسن صوت مطلوب ہے، حضرت فضالہ (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کسی گلوکارہ کا مالک جتنی توجہ سے اس گلوکارہ کا گانا سنتا ہے اللہ تعالی کہیں زیادہ توجہ کے ساتھ اس شخص کی آواز سنتا ہے جو خوبصورت آواز میں قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے: ”من صاحب القینة إلی قینته“(۳)

☆ آداب تلاوت ملحوظ خاطر ہوں۔

☆ تلاوت کے آداب واخلاص میں کوئی کمی پیدا ہو جائے تو استغفار کی کثرت کرے۔

☆ غناء قلب پیدا کرنے کی کوشش کرے (مجمع عام میں اگر اچھا پڑھ سکے اس کو من جانب اللہ تصور کر کے منعم حقیقی کا شکر گذار رہو اور حسب منشاء نہ پڑھ پائے تو اس کو اپنا عجز سمجھے)۔

---

(۱) أخلاق حملة القرآن: ۱۴۹

(۲) أخلاق حملة القرآن: ۱۵۰، للآجری

(۳) سنن ابن ماجة، باب فی حسن الصوت بالقرآن، حدیث: ۱۳۴۰

☆ تلاوت کو کسبِ دنیا سے پاک رکھنے کی کوشش کرے اور دولت دنیا کو دولت قرآن کے مقابلہ میں کمزور سمجھے۔(۱)

☆ تلاوت شروع کرنے سے پہلے تعوذ یعنی ''أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم'' (میں اللہ تعالی کی پناہ چاہتا ہوں کہ شیطان مردود کے شر سے میں حفاظت میں رہوں) کا پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔

☆ تلاوت شروع کرنے سے پہلے تعوذ کے بعد تسمیہ یعنی ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' (میں شروع کرتا ہوں اللہ تعالی کے نام سے جو کہ بہت مہربان اور بار بار رحم کرنے والا ہے) کا پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔

☆ دوران تلاوت جب ایک سورت مکمل ہوجائے تو دوسری سورت شروع کرنے سے پہلے تعوذ (اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ) کو نہ پڑھا جائے؛ لیکن تسمیہ (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) کو پڑھنا چاہئے مثلا کوئی شخص جب سورہ فاتحہ پڑھ لے اور اس کے بعد سورہ بقرہ کو پڑھنا چاہئے تو ''وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' کے بعد تعوذ پڑھے بغیر صرف تسمیہ پڑھے اور ''الم'' سے سورہ بقرہ'' کی تلاوت شروع کردے۔

☆ اگر کوئی شخص سورہ انفال سے بھی پہلے سے تلاوت کررہا ہو پھر پارہ نمبر ۹ سے سورہ انفال کی تلاوت شروع کرے اور اس سورت کے پورا ہونے کے بعد دوران تلاوت، سورہ توبہ آجائے تو پھر سورہ توبہ کے آغاز پر رُک کر تسمیہ بھی نہ پڑھی جائے؛ بلکہ سورہ انفال کو مکمل کرکے سورہ توبہ کو پڑھنا شروع کردے۔

☆ اگر کوئی شخص تلاوت کا آغاز ہی سورہ توبہ سے کررہا ہو تو پھر اسے تلاوت سے پہلے تعوذ وتسمیہ دونوں پڑھنی چاہئے۔

☆ جب قرآن کریم کی تلاوت مکمل ہوجائے اور پڑھنے والا سورہ ناس کی تلاوت کرلے تو پھر اس آخری سورۃ کے بعد قرآن کریم دوبارہ شروع کرکے ''سورہ فاتحہ اور ''سورہ

(۱) قرآن کریم اور خوش الحانی: ۳۸،۳۹،۴۱، مؤلف محمد صدیق فلاحی، مکتبۃ قراءت اکیڈمی

بقرۃ“ کی ابتدائی آیات ”واولٰئک ھم المفلحون“ تک تلاوت کرلینا مستحب ہے۔

☆ جتنی بھی تلاوت کرنی ہو اسے شروع کرنے کے بعد مکمل کرنے تک کے دوران اور کام میں مشغول نہ ہونا بہتر ہے۔

☆ سال میں دو مرتبہ پورے قرآن کریم کی تلاوت اس طرح کرنا کہ دونوں مرتبہ پورا ہو جائے، یہ سنت موکدہ ہے۔

☆ قرآن کریم کو پڑھ کر اس طرح بھلا دینا کہ پھر دیکھ کر بھی تلاوت نہ کرسکے یہ گناہ کبیرہ ہے۔(۱)

اَوتارِ صوتیہ اور اس کی حفاظت

اصولی طور پر یہ جاننا چاہئے ”تزئین بالقرآن“ کے لئے دو چیزیں بنیادی ہیں:

(۱) خوش گوئی (۲) ترنمی مزاج (بچوں کا ذوق اور اس کے اخذ کی صلاحیت)

انسان دو طرح کے پائے جاتے ہیں، اور وہ جن کو منجانب اللہ خوش گوئی کی نعمت میسر ہے، دوسرے وہ جن کو اس کے علاوہ اور نعمتوں سے نوازا گیا ہے۔

مذکورہ آداب وہدایات قسم اول کے لئے ہیں، باقی قسم دوم کے لوگ اس سلسلہ کے علاج معالجہ سے مقسوم آواز کی صفائی کر کے اس کو مزید کراہت سے بچا سکتے ہیں۔

پھر قسم اول سے بھی مذکورہ ہدایات ان لوگوں کے لئے ہیں جن کے گلے خارجی اسباب سے جلد متاثر ہوتے ہیں یا جن کے اوتار صوتیہ کمزور ہوتے ہیں، باقی وہ لوگ جن کو خارجی اسباب سے زیادہ نقصان نہیں ہوتا (جو نسبتا کم ہوتے ہیں) وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

آواز کے متعلق ہدایات

یہ تو معروف ہے کہ آواز کے لئے قدرتی طور پر گلے میں پردے یا تار ہوتے ہیں،

(۱) قرآن حکیم کی تلاوت کے احکام ومسائل: ۳=۹، مفتی محمد سعید خان، ندوۃ المصنفین، الندوۃ ایجوکیشنل ٹرسٹ، اسلام آباد

جن کی حرکت سے آواز بنتی ہے اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ وہ کاربن کو زہریلی اور مضر گیس سمجھا جاتا ہے وہی پھیپھڑوں سے خارج ہوتے ہوئے اوتار صوتیہ کو حرکت دیتی ہے اور آواز بنتی ہے۔

۱) اطباء کا خیال ہے کہ عہد طفولیت میں بچوں کا زور زور سے چلانا اور بلا وجہ دیر تک چیختے رہنا ان اوتار صوتیہ کو کمزور کر دیتا ہے، نیز بچپن میں بچوں کا بار بار روتے رہنا بھی اوتار کو متاثر کرتا ہے، جس کی وجہ سے بعض مرتبہ حلاوت صوتیہ ختم ہوجاتی ہے؛ لہٰذا والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے روشن مستقبل بچوں کی تفہیم کریں کہ اس طرح اپنی آواز کو ضائع نہ کریں۔

۲) مکاتب ومدارس نیز اسکول کے اساتذہ کرام تحمل سے زیادہ بلند آواز کے ساتھ بولنے، پڑھنے کا بچوں کو مکلف نہ کریں، اس کا لحاظ نہ کرنے سے صرف آواز کی حلاوت ہی ختم نہیں ہوتی؛ بلکہ بعض مرتبہ نفس آواز بھی عمر بھر کے لئے دب جاتی ہے۔

۳) سن بلوغ بھی آواز کے لئے ایک بڑا موڑ ہوتا ہے، عموما یہاں پہنچ کر صغرسنی کی حلاوت صوتیہ رخصت ہوجاتی ہے، لہٰذا عمر کے اس حصہ میں احتیاط زیادہ درکار ہے، جس میں بے قاعدہ کھانے پینے بیجا چیخنے چلانے، پان، بیڑی، سگریٹ، اسباب ونزلہ وغیرہ امور سے احتیاط از حد ضروری ہے، جس سے ایک حد تک آواز اپنی اصلی صورت پر باقی رہ سکتی ہے اور بلوغ کے بعد اوتار صوتیہ میں پختگی آنے کی وجہ سے یہ خطرہ کم ہوجاتا ہے؛ تاہم مذکورہ امور میں احتیاط ضروری ہے۔

آواز کی حفاظت کا طریقہ

مذکورہ گذارشات تو وہ ہیں جن سے آواز مستقلا ودائمی طور پر متاثر ہوجاتی ہے جس کے بعد اصلاح کی توقع تقریبا ختم ہوجاتی ہے، مگر بعض مرتبہ کچھ عوارضات کی وجہ سے آواز وقتی طور پر متاثر ہوتی ہے جس کے لئے مذکورہ تدابیر مفید ثابت ہوتی ہیں۔

۱- نزلہ زکام کی وجہ سے گلے میں خراش آجاتی ہے اور پڑھتے ہوئے اوتار صوتیہ پر زور

پڑتا ہے حتی کہ بعض مرتبہ آواز دب جاتی ہے، ایسے مواقع پر سردی کے علاج کے ساتھ مقدار تلاوت وقرائت اور آواز کی جھوری کیفیت کو کم کرنا چاہیے، نیز ٹھنڈا پانی بھی اس وقت ان لوگوں کے لئے بیحد مضر ہے جب کہ یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

۲- اسی طرح بعض مرتبہ دیر تک مشق کرتے رہنے سے بھی آواز متاثر ہوتی ہے، اس وقت اوتار صوتیہ کو آرام دینا ضروری ہوجاتا ہے۔

۳- اسی طرح معدے کی حدت وگرمی بھی آواز کی صفائی کے لئے مضر ہے، نیز گیس یعنی ریاحی تکلیف بھی آواز کے لئے انتہائی مضر چیز ہے، آواز اس کی وجہ سے پھٹ جاتی ہے اور ایک وقت کئی آوازیں نکلتی محسوس ہوتی ہیں، لہٰذا تلی ہوئی اور مرغن غذاؤں سے احتیاط کرنا چاہیے، نیز قبض ہوتے رہنا بھی آواز کیلئے ضرر رساں ہے۔

مضر اشیاء: ہنگ، مرچ، املی، سپاری، چھالی، تیل۔

۴- نیز آواز میں نکھار اور متانت کے لئے مشق ایک اہم سبب ہے، حضرت قاری عبد الرحمن مکی فرماتے ہیں: ایک مقری کے لئے تدریس کے علاوہ یومیہ ایک گھنٹہ مشق ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ مشق کی کمی یا اس کے چھوٹ جانے سے آواز ولہجہ دونوں ہی متاثر ہوتے ہیں، علاوہ ازیں مشق سانس کے بڑھانے کا ایک کسبی سبب ہے۔

۵- کثرت مشق ولگن سے تلاوت میں ایک خاص کشش پیدا ہوجاتی ہے۔

ترنمی مزاج

ترنمی ذوق ومزاج بھی تحسین وتزیین تلاوت میں اہم کردار ادا کرتا ہے، لہجوں سے دلچسپی اور اس کے اخذ کی صلاحیت اور اس کی نزاکتوں سے واقفیت وغیرہ امور حسن صوت کے ساتھ مل کر تلاوت میں زبردست خوبی پیدا کردیتے ہیں، حتی کہ بعض مرتبہ خوش لہجہ قاری کی تلاوت بہ نسبت صرف خوش گو قاری سے بھی معلوم ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے بہتر تو آدمی کا اپنا نظری لہجہ ہے؛ مگر جن لوگوں کا کوئی فطری عمدہ لہجہ نہیں ہے یا اپنے لہجہ کے علاوہ مزید لہجات کی رغبت رکھتے ہیں تو ایسے حضرات کے

لئے مشہور قراء یا ان کی کیسٹ سے استفادہ کرنا مفید ثابت ہوا ہے۔(۱)

تجوید میں افراط وتفریط

بعضے صحت تجوید کو بھی ضروری سمجھتے ہیں؛ مگر کاوش اور بحث ہی تک پہنچ کر رہ جاتے ہیں، جیسا کہ اس وقت لوگ ض۔ ظ میں الجھنے والے دیکھے جاتے ہیں، مگر انشاء اللہ تعالی ادا کے نام خاک بھی نہیں، بعضے عمل تک پہنچنے کا ارادہ کرتے ہیں، مگر اس کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں، یعنی صرف لہجہ کا نام قراءت سمجھ کر اسی کا اہتمام کرتے ہیں اور یا تو خود کوئی طبعی لہجہ اختراع کرتے ہیں اور یا کسی مشاق کی نقل اتار لیتے ہیں اور اتار چڑھاؤ صحت وزن ذمیں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ بعضے ضروریات یا مستحسنات قراۃ میں بھی فوت ہو جاتے ہیں، یعنی حرف گھٹا بڑھا دیتے ہیں، یا غنہ یا مد حذف کر دیتے ہیں؛ تا کہ وزن ٹھیک رہے؟

سو اس کی نسبت سرکار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

”اقروا القرآن بلحون العرب وأصواتها وإياكم ولحون أهل العشق، وأهل الكتابيين“

تم قرآن شریف کو عربوں کے طریقے اور ان کے لہجے میں پڑھو عاشقوں اور اہل کتاب کے طریقوں سے بچو۔

یعنی ایسے لحن سے منع فرمایا ہے اور اس کو لحون عرب سمجھنا خطاء عظیم ہے جیسا کہ شراح حدیث نے تصریح کی ہے؛ بلکہ یہ لحن اہل عشق واہل کتاب میں داخل ہے، جس کو منع فرمایا ہے، اور اگر یہ لحن عرب ہوگا تو لحن اہل عشق کون ہوگا؟ پس خود حدیث کے الفاظ تو اس زعم کا تخطیہ کر رہے ہیں اور لہجہ کا اہتمام تجوید میں تفریط ہے اور بعضے حقیقت صحیح سمجھتے ہیں، مگر خوش لہجگی کے ایسے مخالف ہیں کہ اس کا اہتمام بلیغ کرتے ہیں کہ تحسین فوت نہ ہونے پائے اور کسی کو ذرا تحسین صوت کرتا دیکھتے ہیں تو اس پر گانے کا طعن کرتے ہیں اور یہ تجوید میں افراط ہے مثل تفریط مذکور کے یہ بھی نصوص کے خلاف ہے۔

(۱) حوالہ مذکور: ۴۲، ۴۶

حسن صوت اور گانے کا فرق

"زینوا القرآن بأصواتکم" (مشکوۃ) "قرآن شریف کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو) اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کے اس عرض پر کہ "لو علمت أنک تسمع القرآن حبرته تحبیرا" (اگر میں جانتا کہ آپ میری قراءت سن رہے ہیں تو میں اس کو سنوارتا) آپ کا انکار نہ فرمانا حدیث تقریری اس تحسین صوت بالقصد کی مشروعیت ومطلوبیت میں نص صریح ہے، اور یہ ہی ہے وہ تغنی جس کا امر چند حدیثوں میں مروی ہے اور اس میں گانے میں فرق ظاہر ہے یعنی گانے میں تو لہجہ مقصود اور دوسرے قواعد تابع ہوتے ہیں، اگر لہجہ کے بنانے میں قواعد رہ جائیں تو پروانہیں کی جاتی اور تحسین صوت میں قواعد مقصود اور حسن صوت تابع ہے یعنی اگر قواعد کو محفوظ رکھ کر خوش آوازی ہو سکے تو اس کی رعایت کی جاتی ہے ورنہ اسکی پروانہیں کی جاتی.........اور بلا مقصد اگر کسی شخص کی قراءت کا کوئی جز کسی قاعدہ موسیقی پر طبیعت کے تناسب یا موزونیت کی وجہ سے منطبق ہوجائے تب بھی وہ گانے میں داخل نہیں، جیسا کہ خود قرآن مجید میں شعریت کی جابجا نفی کی گئی ہے مگر بعض عبارات یقینا اوزان شعر پر منطبق ہیں۔

فوائد

تجوید: کسی چیز کو اچھا کرنا اس کی ضد خراب کرنا ہے، **اصطلاحا:** قرآن مجید کی ادا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ادا کے مطابق ہونا تجوید ہے۔

کما قال صاحب خلاصة البیان: التجوید أدائه کأداء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

عرف الشیخ محمد بن علی بن خلف الحسینی الشهیر بالحداد: حد التجوید تلاوة القرآن الکریم علی حسب ما أنزل اللہ تعالی علی نبیه صلی اللہ علیه وسلم بإخراج کل حر من مخرجه وإعطاء حقه من الصفات۔

اور مقصد: حروف کو ان کے مخارج اور جمیع صفات کے ساتھ ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے، لہٰذا تجوید کی تعریف یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ ہر ہر حرف کو اس کے مخرج سے مع جمیع صفات کے بلا تکلف ادا کرنا۔

☆ قواعدِ تجوید کی رعایت جس سے مودی مامور بہ موافق ہو جائے (جس حرف کو ادا کیا جارہا ہے وہ احکام کے موافق ہو) کے ہو جائے ہر تلاوت کرنے والے مسلمان مرد وعورت پر فرض عین ہے۔

☆ تجوید مجوّد حاذق کی تعلیم ہی سے آتی ہے، جو نقلا بعد نقل افواہ مشائخ سے اخذ ہوتا چلا آیا ہے۔(۱)

طلبائے علوم دینیہ کو بالتجوید قرآن مجید پڑھنے کا بیان

☆ پہلا فریضہ یہ ہے کہ طالب علم دین کی اساس (قرآن مجید) کو بالتجوید پڑھنا سیکھے اور اس کے سیکھنے میں سب سے زیادہ جدو جہد کرے؛ تاکہ تلاوت قرآن مجید اور نماز کی ادائیگی مطابق سنت کر سکے ورنہ تلاوت میں تو لحن جلی کا مرتکب ہوگا اور بجائے ثواب مستحق لعنت ہوگا، اور بعض صورتوں میں نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے، پھر اگر طالب علم امام ہو تو دوسروں کا بوجھ بھی اپنے سر لے گا، اب انصاف سے بتلا کہ تو نے خدا تعالی کی اہم ترین عبادت نماز کے لئے کیا تیاری کی؟

”قال الملا علی القاری: العلم به فرض کفایة والعمل به فرض عین“ (علم تجوید فرض کفایہ اور اس پر عمل فرض عین ہے)۔

جان تو اے طالب تجوید: طریقہ نبوی ﷺ کے موافق قرآن مجید پڑھنا لحن کہلاتا ہے۔

حضور ﷺ سے خلاف تجوید قرآن مجید کا پڑھنا کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں ہے، ترک تجوید سے ترکِ سنت لازم آتا ہے، جو بہت بڑی محرومی کی بات ہے؛ لہٰذا

(۱) الفوائد التجویدیہ: ۱، ۲ ے مؤلف انیس احمد خان صاحب، مکتبہ قراءت اکیڈمی

اتباع سنت کی سعی کیجئے اور تجوید سیکھنا اپنے لئے ضروری قرار دیجئے تا کہ رضاءِ حق حاصل ہو۔

☆ علامہ جزری طلباء کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ولیبادر بہ أوقات عمرہ إلی التسھیل ولا یستکف من أحد وجدعندہ ناقدۃ منجد المقرئین:

قرآن مجید کو تجوید سے پڑھنا سیکھنا یعنی صحیح پڑھنا سیکھنا بڑی سعادت ہے۔(۱)

تجوید بھی نصاب میں داخل کی جائے

اہل مدارس اس کا التزام رکھیں کہ جو طالب علم ان کے مدرسہ میں داخل ہونا چاہے امتحان داخلہ کا ایک جزء صحت قرآن کو بھی قرار دیں اور بغیر تجربہ صحت کے یا بعض حالات میں کم از کم تصحیح کا وعدہ تو ضرور لے لیا جائے اس کے بغیر داخل نہ کریں اور وعدہ کی صورت میں جتنے سبقوں کا وہ مستحق ہے ان میں سے ایک سبق کی جگہ اس تصحیح (تجوید) کو رکھیں اور اس مرحلہ کو طئے کرنے کے بعد پورے سبقوں کی اجازت دیں۔

نیز جن مدارس میں گنجائش ہے ان کو تجوید کا ایک مدرس مدرسہ میں پڑھانا ضروری ہے، اس طریقہ سے یہ فن عام ہوسکتا ہے۔

اسی طرح مشائخ کو چاہئے کہ اپنے مریدوں کو خصوصی خلفاء کو صحت قرآن پر مجبور کریں۔(۲)

اس وقت جو لوگ قرآن شریف پڑھنے کی طرف توجہ کرتے ہیں وہ بھی اس کی تصحیح کی طرف توجہ نہیں کرتے؛ بلکہ اکثر علماء کو بھی اس کا خیال نہیں؛ حالانکہ اس پر توجہ نہ کرنے سے بڑی غلطیاں ہوجاتی ہیں، مگر خدا کا شکر ہے کہ اب چند روز سے علماء نے اس پر توجہ کی ہے مدارس میں قراء مدرس رکھے ہیں، لیکن ضرورت اس کی ہے کہ سب ادھر متوجہ ہوں۔(۳)

تجوید وقراءت سے متعلق اہل علم کی کوتاہی

نہایت افسوس سے کہا جاتا ہے کہ اس کوتاہی میں اہل علم کا نمبر غیر اہل علم سے بڑھا

---

(۱) الفوائد البہیۃ: ۵،۷ (۲) اصلاح انقلاب امت: ۴۳، بحوالہ علوم وفنون: ۵۸

(۳) دعوات عبدیت: ۶/ ۱۱۰، ۱۱۲، بحوالہ مذکورہ: ۵۸

ہوا ہے، حتی کہ ایک صاحب سورہ ناس میں من الجنۃ والناس کو اس طرح پڑھتے ہیں ”من الجنّات والنّاس“ اس وقت اگر پچاس مولویوں کو جمع کر کے قرآن سنا جائے تو بمشکل دو آدمی صحیح قرآن پڑھنے والے نکلیں گے، کتنے افسوس کی بات ہے کہ طلبہ منطق پڑھتے ہیں، فلسفہ پڑھتے ہیں اور ام العلوم قرآن کو نہیں پڑھتے، پھر غضب یہ ہے کہ ایسے لوگ امام ہو جاتے ہیں اس وقت اس غلطی کا اثر دوسروں تک دو طریقے سے پہنچتا ہے، ایک یہ کہ اگر کوئی مقتدی صحیح خوان (پڑھنے والا) ہوا تو ان کی نماز ان امام صاحب کے پیچھے نہیں ہوتی، اور چونکہ غلط پڑھنے والے کا حکم صحیح پڑھنے والے کی نسبت امی کا سا ہے بہ نسبت قاری کے؛ اس لئے اس خاص صورت میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نہ امام کی نماز ہوئی نہ مقتدیوں کی پس کتنی بڑی تباہی کی بات ہے۔

دوسرے اس طور پر کہ یہ امام صاحب اگر زمرہ اہل علم کی جماعت میں سے ہوئے تو علماء کرام کی عوام میں سخت بے وقعتی ہوئی ہے جس کا اثر ایک گونہ علماء کے متبعین تک بھی سرایت کر سکتا ہے، اس میں دنیاوی خرابی یہ ہے کہ اغلاط پر عوام بھی مطلع ہو جاتے ہیں اور علماء کی بے قدری کرتے ہیں۔(۱)

ایک دوسری جگہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں:

بعض لوگ تصحیح قرآن کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتے، نہ مخارج کی خبر نہ صفات کا اہتمام، نقص وزیادت (کمی زیادتی) سے احتراز کوئی صاحب ”ض“ کو ”ظ“ سے ادا کرتے ہیں، اور کوئی د سے، ث، س، ص میں انکے نزدیک کوئی فرق ہی نہیں، الف کے موقع پر فتحہ (زبر پڑھنا) اور فتحہ کی جگہ الف پڑھنا بعض لوگوں کی عادت ہوگئی ہے، نہ بے موقع وقف کرنے (سانس توڑنے) سے اجتناب کیا جاتا ہے؛ حالانکہ اس سے بعض مواقع پر معنی میں فساد آجاتا ہے۔

تجوید کی غلطیاں بکثرت ہوتی ہیں اور تجوید کی یہاں تک ضرورت ہے کہ بعض دفعہ اس کی مخالفت سے عربیت جاتی رہتی ہے اور جب لفظ عربیت ہی سے نکل گیا تو قرآن کہاں

(۱) اصلاح انقلاب امت: ۱/۴۱، بحوالہ علوم فنون: ۵۹، مؤلف مولانا اشرف علی تھانویؒ

رہا اور جب نماز میں قرآن نہ پڑھا گیا تو نماز کیسے صحیح ہوگی۔(۱)

تجوید کا وجوب اور فرضیت

ہر چند کہ تجوید کے متعلق کلام طویل اور مقتضی تفصیل ہے مگر اتنی قدر میں کسی کو کلام نہیں کہ جس قسم کی غلطیوں کا ذکر اوپر ہوا ہے، (مخارج وصفات کی غلطی) ان کی تصحیح واجب علی العین ہے، جب تک کہ عدم قدرت وعدم مساعدت لسان وزبان کے نہ چلنے کی مجبوری) متیقن نہ ہوجائے جس کی موٹی دلیل یہ ہے کہ اس قدر تصحیح کے بغیر قرآن کی عربیت باقی نہیں رہتی اور عربیت بدلالت خصوص لوازم قرآن سے ہے، پس اس کے نہ رہنے سے قرآن نہ رہے گا جب لفظ عربیت سے نکل گیا تو قرآن ہی نہ رہا، پس اس کی ضرورت میں کیسے اشتباہ ہوسکتا ہے، میں کہتا ہوں کہ تجوید کا سیکھنا فرض ہے؛ کیوں کہ قرآن عربی زبان میں ہے جس کا عربی میں پڑھنا فرض ہے اور عربیت کے موافق صحیح تلفظ کے بغیر تجوید نہیں آسکتی تو تجوید کا سیکھنا فرض ہوا۔

تجوید وقراءت کے شعبے اور ان کا شرعی حکم

اس علم کے تین شعبے ہیں : (۱) تصحیح حروف بقدر امکان (۲) رعایت وقوف (وقف کی رعایت کرنا) بایں معنی کہ جہاں وقف کرنے سے معنی میں فساد واختلاف ہو وہاں وقف نہ کرے اور اضطرار میں عفو ہے؛ لیکن ایک دو کلمہ کا اعادہ کر لینا احوط ہے، یہ دونوں امر تو واجب علی العین ہیں اور جس شخص کو کوشش کے باوجود حاصل ہونے سے مایوسی ہوجائے وہ معذور ہے۔ (۳) ایک شعبہ ادغام واظہار واخفاء وغیرہ کی رعایت کا ہے یہ مستحب ہے۔ (۴) اور ایک شعبہ اختلاف قراءت کا ہے یہ مجموع (پوری) امت پر واجب علی الکفایہ ہے۔(۲)

---

(۱) حقوق القرآن مع احکام التجوید، افادات حضرت مولانا اشرف علی تھانوی: ۴۶، ادارہ افادات اشرفیہ، دوبگہ، ہردوئی روڈ، لکھنؤ۔

(۲) علوم وفنون اور نصاب تعلیم: ۶۱۔۶۰

تجوید کے اصول کافی نہیں سیکھنے اور مشق کرنے کی ضرورت ہے

افسوس ہے کہ اس وقت اس امر کی طرف سے ایسی بے توجہی ہے کہ ہم لوگ اس کو بالکل ضروری نہیں سمجھتے اکثر لوگ پوری درسیات ختم کر جاتے ہیں؛ لیکن ان کو قرآن پڑھنے کا سلیقہ نہیں ہوتا۔

سمجھتے ہیں کہ صرف کتابوں میں حروف صفات اور مخارج پڑھ لئے ہیں اس سے زیادہ اور کیا کیا جائے؛ حالانکہ یہ خیال غلط ہے۔

قرآن کا پڑھنا اس وقت تک نہیں آتا جب تک کہ خاص طور سے کسی (استاذ) سے اس کو سیکھا نہ جائے، نری درسیات سے کچھ نہیں ہوتا، اصل بات یہ ہے کہ خدا کی محبت اور اسکا خوف دل سے جاتا رہا، اگر آج یہ اشتہار دے دیا جائے کہ جو شخص مخارج حروف صحیح کر کے سنادے اس کو فی حرف پانچ روپیئے ملیں گے تو آج ہی شہر کے شہر قراءت شروع کر دیں اور کچھ نہ کچھ تصحیح کر کے انعام لینے کے لئے کھڑے ہو جائیں؛ لیکن افسوس کہ خدا کی رضا کے لئے امنگ نہیں پیدا ہوتی۔(۱)

تصحیح قرآن صرف دو ہفتے میں:

کل حروف اٹھائیس ہیں، ان میں بعض بعض تو قریب قریب صحیح نکلتے ہیں، ان کو مستثنی کر کے جن میں اہتمام کی حاجت ہے تقریبا ایک ربع یعنی سات ہیں، جیسے ث، ح، د، ص، ض، ط، ظ اور جیسے خ، ذ، ش، ع، غ، ف، ق اگر کسی ماہر کو تلاش کر کے ایک گھنٹہ روزانہ مشق کے لئے نکالا جائے تو روزانہ ایک حرف کی ضرور مشق ہوسکتی ہے، جس میں ایک ہفتہ اور دیہاتی کے لئے دو ہفتہ کافی ہیں، اگر احتیاطا اس سے دوگنی مدت لی جائے تو آدھا مہینہ اور ایک مہینہ صرف ہوتا ہے، تو کیا دین کی اتنی بڑی ضرورت کے لئے اپنی اتنی بڑی عمر میں سے اتنا حصہ بھی نہیں دے سکتے؟

---

(۱) علوم وفنون اور نصاب تعلیم: ۱/ ۶۴، افادات از اشرف علی تھانوی قدس سرہ، مفتی محمد زید مظاہری ندوی دامت برکاتہم

اسی طرح فتح اور الف کی مقدار کا فرق، اگر ایک پارہ میں اس کی درستگی ہوجائے تو تمام قرآن یکساں ہی تمام کے لئے کافی ہے اگر ایک رکوع روزانہ درست کرلیا جائے تو یہ کام بھی پندرہ بیس روز سے زیادہ کا نہیں ہے، پھر بقیہ قرآن بھی ہے، تھوڑا تھوڑا کر کے کسی ماہر کو سنا دینا، جو متفرق اوقات میں نہایت سہل ہے، زیادہ اطمینان اور احتیاط کی بات ہے۔

خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کی ضرورت اور اس کی شرعی دلیل

بعض لوگ خوش لہجگی کے ایسے مخالف ہیں کہ کسی کو ذرا تحسین صوت کرتا دیکھتے ہیں تو اس پر طعن کرتے ہیں اور یہ تجوید میں افراط ہے، یہ بھی نصوص کے خلاف ہے، "زینوا القرآن بأصواتکم" (قرآن شریف کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو) اور حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کے حضور ﷺ سے اس عرض کرنے کہ "لو علمتُ أنک تسمعُ" الخ اگر میں جانتا کہ آپ میری قرات سن رہے ہیں تو میں آپ کے خاطر اور زیادہ سنوار کر پڑھتا، یہ حدیث قصدا تحسین صوت کی مشروعیت و مطلوبیت میں نص صریح ہے اور یہ ہی وہ تغنی ہے جس کا امر چند حدیثوں میں مروی ہے، حضرت ابوموسی اشعری کا قرآن سن کر حضور (ﷺ) نے فرمایا: "لقد اوتیتَ مزمارا من مزامیر داؤد" یعنی خدا تعالی نے داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی سے تم کو حصہ عطا کیا ہے۔(۱)

قرآن مجید کی آیات اور رموز اوقاف کا شرعی حکم

☆ کلام مجید کے آیات و اوقاف کتاب و سنت و اجماع و قیاس (یعنی) ادلہ اربعہ شرعیہ سے ثابت ہیں اور حتی الوسع اس کی رعایت کرنا ضروری ہے، بعض جگہ اس کے خلاف کرنے سے معنی بگڑ جاتے ہیں، چنانچہ سورہ براءۃ میں آیت "واللہ لا یھدی القوم الظالمین" پر ٹھہرنا لازمی ہے اور اگر یہاں نہ ٹھہریں اور "الذین آمنوا وہاجروا" کے ساتھ ملا دیں تو بالکل معنی فاسد ہوجائیں گے۔

☆ اہل زبان کو اس میں کچھ تکلف اور مشقت نہیں ہوتی اور غیر زبان والے کو دشواری

(۱) اصلاح انقلاب امت: ۴۵، بحوالہ مذکورہ: ۷۰

پڑتی ہے؛ اس لئے صحابہ کرام کو اس کی تعلیم و تعلم کی حاجت نہ تھی؛ لیکن جب قرآن شریف تمام ملکوں میں پھیلا اور ان کی زبان عربی نہ تھی، اس لئے خلط ملط کرنے لگے اور بے موقع اور غلط پڑھنے لگے ان کے لئے علماء سلف نے قرآن کے اعراب اور رموز اوقاف تجویز فرمائے اور ضبط کئے؛ تاکہ ان کو سہولت ہو اور جو قصداً اس کے خلاف کرے وہ مخالف جماعت ہے ، ما راہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن۔

مصری لہجہ میں قرآن پاک پڑھنا

بعض لوگوں نے اپنا یہ شبہ بیان کیا کہ مصری لوگ قرآن شریف کو لحن اور تغنی (گانے) کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یہ ممنوع ہے تو مصری لہجے میں قرآن شریف بھی ممنوع ہوگا۔

فرمایا: تغنی کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ قواعد موسیقی پر منطبق کرنے کا قصد کیا جائے ، دوسرے یہ کہ مقصد تو صرف حروف اور تحسین صوت ہی ہو؛ مگر وہ اتفاقاً کسی قاعدہ موسیقی پر منطبق ہو جائے ، پہلی صورت مذموم ہے، اور دوسری صورت محمود ہے، اور اس پر کسی قسم کا اعتراض کرنا صحیح نہیں، دیکھو قرآن مجید اور حدیث شریف میں بعض جملے ایسے ہیں کہ ان میں مصراعیت کی شان موجود ہے اور بعض بالکل موزوں ہیں؛ لیکن وہ چونکہ بلا قصد ہیں، اس لئے اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ یہ "مَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ" کے خلاف ہیں پس جس طرح شعر وہ ہے جس میں وزن کا قصد ہو، نہ کہ وہ جس میں اتفاق سے وزن ہو جائے اس طرح تغنی میں بھی تفصیل ہے۔(۱)

عربی لہجہ کی ضرورت

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض پڑھے لکھے پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ قرائت میں لہجہ کے مخالف ہیں اور اس کو فضول اور لایعنی بتلاتے ہیں، حالانکہ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ہر زبان کا خاص لب ولہجہ ہوتا ہے، فارسی کا لہجہ الگ ہے، انگریزی کا جداگانہ، بنگلہ جدا، اردو کا علاحدہ ہر زبان میں لہجہ کی قدر ہے، پھر حیرت ہے کہ عربی میں لہجہ کی قدر نہ ہو

(۱) حقوق القرآن: ۱۴۴، افادات مولانا اشرف علی تھانوی۔

اور یہاں اس کو فضول قرار دیا جائے، یہ سب باتیں قلت محبت سے پیدا شدہ ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ تصحیح الفاظ کے بعد اگر عربی لہجہ بھی حاصل کرلیا جائے تو نور علی نور ہے، چنانچہ آج کل انگریزی میں بڑا قابل وہ شمار ہوتا ہے جس کا لہجہ بھی انگریزی سے ملتا جلتا ہو اور انگریزی لب ولہجہ حاصل کرنے کی بڑی کوشش کی جاتی ہے اور یہ صرف حسن کلام اور زیادہ حمد وثناء کے لئے اس میں کوشش کی جاتی ہے، پھر دین میں اسکو فضول اور بیکار کیوں کہا جاتا ہے؟ (۱)

قرآن شریف کا رسم الخطات وقیفی ہے

فرمایا: رسم الخط قرآن کا توقیفی ہے۔ (۲)

☆ صرف حروف کو صحیح کرلینا چاہئے؛ لہجہ کی ضرورت نہیں ہے، آج کل لوگ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ انگریزی کا لب ولہجہ آجائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عنقریب ایک قوم پیدا ہوگی جو قرآن کو اینٹھ مروڑ کر پڑھے گی؛ مگر قرآن ان کے حلق کے نیچے بھی نہ اترے گا۔

حروف کی تصحیح تو ضروری ہے باقی غلو ہے صحابہ میں عربی، عجمی سبھی تھے۔ (۳)

مخلوق کو راضی کرنے کے لئے تجوید

بعضے تجوید پر قدرت حاصل کرلیتے ہیں، مجالس یا حالت امامت میں جب پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں؛ مگر جب خلوت میں تلاوت یا حالت انفراد میں نماز ادا کرتے ہیں، اس وقت اس کی طرف التفات بھی نہیں کرتے جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی تصحیح سے غرض مخلوق کو راضی کرنا تھا نہ خالق کو راضی کرنا، کیا کسی فعل کے ثمرہ کے ترتب کے لئے قوت واستعداد کا مرتبہ کافی ہے؟ یا صدور فعل کی بھی ضرورت ہے، کیا تجوید صرف قدرت ہونے سے تجوید کے ثمرات حاصل ہوجائیں گے؟ اس سے واجب کی ادائیگی، اجر کی زیادتی،

(۱) حوالہ سابق

(۲) علوم وفنون اور نصاب تعلیم: ۶۷، ۷۷، مرتب: مولانا زید مظاہری

(۳) حسن العزیز: ۷۴۴، بحوالہ مذکورہ: ٦٦

رضائے حق اور ادائے حق حاصل ہوسکتا ہے؟ یا اس کے عمل و اجراء کی بھی ضرورت ہے؟(۱)

رومن خط، انگریزی میں قرآن کا حکم اور نقصانات

متن قرآن مجید عربی خط میں رکھنا چاہیئے، ہندی رسم الخط میں کوئی ضرورت نہیں، بے پڑھا ہوتو ہندی میں ہونے سے بھی کوئی خط نہیں پڑھ سکے گا اور پڑھانے سے عربی حروف کا یاد کرلینا بھی کچھ مشکل نہیں اور جو اصل مقصود ترجمہ کے متعلق ہے یعنی ارتداد سے بچنا اور اسلام کی طرف لانا اس میں عربی و ہندی رسم الخط داخل نہ ہونے میں برابر ہے۔

علاوہ اس کے ہندی یا انگریزی میں بعض حروف عربیہ کی شکل ہی نہیں جیسے ق، ض، ط، ظ، ز مثلا (عربی میں ض، ظ، ز، میں فرق ہے اور انگریزی و ہندی میں ناممکن ہے) پس جب ان کو دوسری شکل میں لکھا جائے گا تو ظاہر ہے کہ اصلی حروف پڑھے بھی نہ جائیں گے تو اس میں عمدا (قصدا) تحریف کا جائز رکھنا ہے، یہ قطعی حرام ہے:

قال فی الاتقان قال أشهب سئل مالک هل يكتب المصحف علی ما أحدثهالناس من الهجاء؟ فقال: لا، إلا علی الكتبة الأولی رواه الدوانی فی المقنع ثم قال: ولا مخالف له من علماء الأمة، قال الإمام أحمد يحرم مخالفة خط مصحف عثمان فی واء ویاء أو ألف او غیر ذلک۔(۲)

تلاوت وسماعت قرآن کے چھ ضروری آداب

☆ قاری کے لئے مستحب ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے تلاوت کرے، کیوں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: شریف ترین مجلس وہ ہے جس میں قبلہ کی طرف منہ کیا جائے، یہ طبرانی کی روایت ہے، نیز طبرانی اور ابن

---

(۱) اصلاح انقلاب امت: ۶۴، ادارۃ المعارف کراچی، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۲) حقوق القرآن: ۱۲۲، افادات حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

عدی نے ابن عمر کے ذریعہ نبی ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ معزز ترین نشست وہ ہے جس میں قبلہ کی طرف منہ کیا جائے۔(۱)

☆ قرآن کریم کی سماعت کے وقت جسم کے ساتھ دل کی حاضری وخشیت بھی ضروری ہے:

سیوطی رحمہ اللہ کی جامع کبیر میں ابی بن کعب سے یہ روایت منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بار نماز پڑھائی اور اس میں سورت تلاوت فرمائی اور اس سورت میں ایک آیت (نسیانا) ترک فرمادی، پھر (نماز کے بعد) صحابہ سے دریافت فرمایا کہ میں نے اس سورت میں سے کوئی آیت چھوڑی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہے، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: ان قوموں کا کیا (نامناسب) حال ہے، جن پر اللہ کی کتاب پڑھی جاتی ہے، اور انہیں یہ نہیں معلوم ہو پاتا کہ کون سا حصہ پڑھا گیا ہے اور کون سا چھوڑا گیا ہے، بنی اسرائیل کی بھی یہی حالت تھی کہ ان کے دلوں سے خوف خداوندی جاتا رہا تھا سو ان کے دل غیر حاضر اور صرف ظاہری اجسام حاضر رہتے تھے، (اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں رہتا تھا کہ کیا پڑھا گیا اور کیا چھوڑا گیا) سن لو! بلا شبہ اللہ رب العزت کسی کا کوئی عمل اس وقت تک قبول نہیں فرماتے جب تک کہ وہ اپنے اس عمل میں جسم کے ساتھ ساتھ دل بھی حاضر ومتوجہ نہ ہو۔(۲)

☆ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت رونا یا کم از کم رونے جیسی صورت بنانا مستحب ہے:

سعد بن مالک سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یہ قرآن غمنا کی اور دلی خوف وتاثر کے ساتھ اترا ہے؛ لہٰذا جب اس کو پڑھا کرو تو رویا کرو، اگر تم رو نہ سکو تو رونے کی شکل ہی بنا لیا کرو، اور اس کے ذریعہ بے نیازی حاصل کرو، نیز خوش آوازی سے پڑھو، کیوں کہ جس نے قرآن کے ذریعہ بے نیازی حاصل کی، اس کو خوش آوازی سے نہ پڑھا وہ ہم میں سے نہیں ہے: "فمن یتغن بالقرآن فلیس منا" (۳)

---

(۱) طبرانی وابن عدی، بحوالہ تلاوۃ القرآن المجید: ۲۷

(۲) جامع کبری للسیوطی　(۳) ابن ماجہ

☆ بعض سوالیہ آیتوں کے جواب میں چند مخصوص کلمات کہنے کی تلقین:

ابوداؤد اور ترمذی نے یہ حدیث نقل کی ہے جو شخص "وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ" پڑھے اور اس سورت کے اخر تک پہنچ جائے تو وہ یوں کہے "بَلٰى وَأَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ" (کیوں نہیں! یقینا اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہیں اور میں اس پر منجملہ گواہی دینے والوں کے ہوں) اور جو "لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ" پڑھے اور اس سورت کے آخر یعنی اس آیت تک پہنچ جائے "أَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى أَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى" (کیا وہ ذات اس بات پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کردے) تو وہ کہے "بلی" (کیوں نہیں! ضرور قادر ہے) اور جو "والمرسلات" والی سورت پڑھے اور اس آیت پر پہنچ جائے "فَبِأَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ" (تو وہ لوگ اس قرآن کے بعد اور کون سے کلام پر ایمان لائیں گے) تو یوں کہے "آمَنَّا بِاللّٰهِ" (میں اللہ" اور اس کی کتاب" پر ایمان لے آیا) نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں "فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ" (سو تم اپنے پروردگار کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے) کے جواب میں یوں کہے: "وَلَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ" (اور ہم اے پروردگار! آپ کی نعمتوں میں سے کسی بھی نعمت کو نہیں جھٹلاتے ہیں سو تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں) اس کو حاکم نے روایت کیا ہے اور "فَمَنْ يَّأْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ" (تو کون ہے وہ جو تمہارے پاس رواں اور جاری پانی کو لائے گا) کے جواب میں یوں کہے: "وَاللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ" (یعنی اللہ ہی لائیں گے جو تمام جہانوں کے پرودگار ہیں، بعض روایات میں یہ لفظ آئے ہیں: "اَللّٰهُ يَأْتِيْنَا بِهٖ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّ الْعَالَمِيْنَ" اور سورۃ الضحی اور اس کے مابعد سورتوں کے خاتمہ پر "تکبیر" (اللہ اکبر) کہے، اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے۔(۱)

☆ تدبر قرآن کرے:

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے: سب سے بڑا فقیہ اور دانش ور وہ ہے جو قرآن کو چھوڑ کر دوسری چیز کی طرف راغب نہیں ہوتا، یقینا ایسی عبادت میں کوئی خیر

(۱) رواہ البیہقی، نہایۃ القول المفید: ۳۱۰

نہیں جس میں علم شامل نہ ہو، اور ایسے علم میں کوئی خیر نہیں جس میں فقہ شامل نہ ہو، اور ایسی تلاوت میں کوئی خیر نہیں جس کے ساتھ تدبر کا حصہ شامل نہ ہو۔(۱)

☆　معنی کی رعایت سے بعض الفاظ پر آواز کو اونچا کر دینا۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق منقول ہے کہ آپ نے مکہ معظّمہ میں نماز مغرب میں "وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ" پڑھی اور "وَهٰذَا الْبَلَدُ الْأَمِيْنُ" کو زیادہ اونچی آواز سے پڑھا۔(۲)

حفاظ کرام کو شرعی مسائل کی تدریس

سبھی جانتے ہیں کہ فارغین میں اکثریت حفاظ کرام کی ہوتی ہے، علماء کرام کی نہیں، طلبہ کی ایک خاصی تعداد تکمیل حفظ پر اکتفا کرتی ہے بیشتر مسجدوں میں امامت، مکاتب اور ٹیوشن کی تدریس، عوام سے براہِ راست رابطہ رکھنے والا یہ ہی طبقہ ہے، اس لئے انہیں نماز، روزہ، زکوۃ، حج، نکاح، طلاق، حلال وحرام، فرق ضالہ سے واقف کروانا ضروری ہے کم از کم یہ اجمالی علم خود انہیں اسلام کا صحیح مثالی نمونہ بننے کے اور قوم کی رہبری کرنے میں مددگار بنے گا، دینیات، ناظرہ کے طلبہ کو نماز، ہر وقت کی دعائیں، وقتاً فوقتاً تربیتی اخلاقی کہانیاں سنائی جائیں، اور طلبہ حفظ کے لئے بالخصوص جید الاستعداد کسی قدر تجربہ کار، خارجی عوامی دنیا سے آگاہ عالم دین کی تقرری کی جائے، یہ ہفتہ میں چند گھنٹیاں، بہشتی ثمر، تعلیم الاسلام یا مسائل سے متعلق کچھ کتابیں مقرر کی جائیں، نئے نئے ابھرنے والے فرقے اور فتنوں کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی جائیں، تا کہ وہ خود بھی شکار نہ ہوں اور قوم بھی لقمہ نہ بنیں، اہل حق علماء ہمارے مرکزی ادارے، مستند دار الافتاء انہیں بتلائیں، جائیں؛ تا کہ وہ آئندہ قدم بقدم پوچھ لیں، شرعی پردہ، ناجائز رسوم، اس سلسلہ کی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے قرآن تو مکمل کر لیتا ہے (جو بلاشبہ بہت بڑی دولت ہے) لیکن شریعت اسلامی کا مجموعی تصور بھی سامنے نہیں ہوتا، کبھی کبھی کسی آیت کا شان نزول، کسی سورۃ میں مذکور احکام، مستند تفسیروں کا کوئی

---

(۱)　کتاب العلم لابی خثیمہ زہیر بن حرب، رسالۃ ضمن کتاب الایمان: ۱۴۳ بحوالہ یاحملۃ القرآن ۳۶

(۲)　رواہ النووی فی التبیان: ۱۲۲، فضائل حفاظ القرآن: ۴۴۲۔۴۴۵

حصہ، شائع ہونے والے رسائل کا کوئی اہم مضمون، اکابر کے ملفوظات وسوانح کا سنانا ذائقہ بدلنے کی وجہ سے تعلیم میں غیر معمولی دلچسپی بڑھاتا ہے، کچھ فہم قرآن کی وجہ سے تلاوت میں حلاوت وطراوت پیدا کرتا ہے۔

تراویح سے متعلق مسائل

ایک بدعت تراویح میں استئجار علی العبادۃ (عبادت پر اجرت لینے کی ہے) یعنی حافظ صاحب سے اجرت دے کر قرآن پڑھوایا جاتا ہے اور استیجار علی العبادۃ (یعنی عبادت پر اجرت لینا) حرام ہے: "والاستیجار علی مجردۃ التلاوۃ لم یقل بہ أحد من الأئمۃ، وإنما تنازعوا فی الاستیجار علی التعلیم (۱) بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اجرت نہیں کیوں کہ ہم کوئی مقدار مقرر نہیں کرتے جو ہمارے مقدر میں پہنچتا ہے وہ لے لیتے ہیں۔

"المعروف کالمشروط" جو بات مشہور ہوتی ہے اس میں ٹھہرانے کی کیا ضرورت ہوتی ہے، مشہور تو خود مشروط ہوتا ہے، اگر کسی طرح حافظ صاحب کو معلوم ہو جائے کہ یہاں سنانے میں کچھ بھی نہ ملے تو درمیان رمضان ہی میں حافظ صاحب چھوڑ کر بیٹھے رہیں گے، اس سے ثابت ہوا کہ حافظ صاحب کو مقصود اجرت ہے، ختم کرنے سے بحث نہیں۔

قرآن سنانے کی اجرت لینا اور دینا دونوں ناجائز ہیں

بعض حفاظ کی عادت ہے کہ اجرت لے کر قرآن مجید سناتے ہیں، طاعت پر اجرت لینا حرام ہے، اسی طرح دینا بھی حرام ہے، بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے پہلے مقرر نہیں کیا، اس لئے یہ معاوضہ نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے نہیں ٹھہرایا؛ لیکن نیت تو دونوں کی یہی ہے، اور نیت بھی محض خیال کے درجہ میں نہیں؛ بلکہ عزم (یعنی پختہ ارادہ) کے درجہ

(۱) فتاوی شامی

میں ہوتی ہے، اگر کسی طرح یہ معلوم ہوجائے کہ یہاں کچھ وصول نہ ہوگا تو ہرگز ہرگز وہاں نہ سنائیں گے، اور فقہ کا قاعدہ ہے کہ معروف مشروط کی طرح ہے، جب اس کا رواج ہوگیا اور دونوں کی نیت یہی ہے تو بلاشبہ وہ معاوضہ ہے۔

تراویح کیسے پڑھائیں؟

☆ تراویح میں پڑھنے کی مقدار طالب علم کو سمجھادیں کہ بروقت پہلے سال حافظ کو پریشانی نہ ہو۔

پہلا طریقہ: اگر ۲۷ویں کو ختم کرنا ہو تو اس ترتیب سے پڑھے، پہلے سولہ دن تک سوا پارہ، پھر نو دن تک ایک ایک پارہ، پھر اخیر دو دن آدھا آدھا پارہ، اس طرح پہلے سولہ دنوں میں بیس پارے، پھر نو دنوں میں نو، پھر اخیر دو دنوں میں آدھا آدھا کر کے ایک، اس طرح کل ۳۰=۱+۹+۲۰ ہوئے

دوسرا طریقہ: اگر ۲۹ویں کو ختم کرنا ہو تو اس ترتیب سے پڑھے، پہلے چار دنوں تک سوا پارہ، پھر ہر دن ایک پارہ، اس طرح پہلے چار دنوں میں پانچ پارے اور بقیہ پچیس دنوں میں پچیس پارے، اس طرح کو ۵+۳۰=۲۵۔

تیسرا طریقہ: اگر عشرہ یعنی دس دنوں میں ختم کرنا ہو ہر دن تین پارے اس ترتیب پر کہ پہلے چار رکعت میں پاؤ پارہ، پھر بقیہ سولہ رکعتوں میں ہر دو رکعت میں پاؤ پارہ، اس طرح پہلے چار رکعتوں میں ایک اور بقیہ سولہ رکعتوں میں دو پارے، کل تین پارے یومیہ اور کل دس دنوں میں تیس پارے ہوئے۔

چوتھا طریقہ: اگر پندرہ دنوں میں ختم کرنا ہو تو ہر دن دو پارے اس طور پر پڑھے کہ پہلے بارہ رکعات میں ہر دو رکعات میں پاؤ پاؤ پارہ پڑھے، اس طرح بارہ رکعت میں ڈیڑھ پارے ہوں گے، مابقیہ آٹھ رکعتوں میں آدھا پارہ اس طور پر کہ پاؤ پارے میں چار رکعات ہوں۔(۱)

(۱) حفظ قرآن مجید کے رہنما اصول: ۳۴

بلا اجرت تراویح سنانے والوں کا انتظام کرنا

حضرت شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ کی جانب مجلس دعوۃ الحق ہردوئی کے تحت تراویح بلا اجرت تراویح سنانے کا انتظام تھا۔

رمضان المبارک کی راتوں میں تراویح میں پورا قرآن پاک سنانا مسنون ہے، شریعت میں اس کے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں، چنانچہ پورے اسلامی ماحول میں اس کے مطابق عمل جاری ہے، لیکن یہ مسنون عمل فرض نمازوں کی طرح فرض اور واجب نہیں، اس لئے شرعی مسئلہ کے مطابق فرض نمازوں کی امامت پر تو تنخواہ لینا جائز ہے، لیکن تراویح میں قرآن پاک سنا کر اجرت لینا جائز نہیں، حکیم الامت حضرت اقدس تھانویؒ نے اس مسئلہ کو پوری وضاحت کے ساتھ دلائل کی روشنی میں تحریر فرمایا ہے، تحفہ حفاظ (احکام تراویح) نامی کتاب میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے، حنفی مسلک کے مطابق تراویح میں قرآن پاک سنا کر اجرت لینا خواہ مشروط یعنی طئے کر کے ہو یا بغیر شرط کے معروف ہو (لأن المعروف کالمشروط) دونوں صورتوں میں ناجائز ہے، اسی وجہ سے تو بہت سے مفتیان کرام نے حیلہ جواز بیان کئے ہیں، حیلے بہرحال حیلے ہیں، حقیقت نہیں، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ان سب کا جواب تحریر فرمایا ہے، لیکن امت میں اس وقت تراویح میں قرآن سنا کر پیسے لین دین کا ایسا عرف رواج ہوگیا ہے کہ اس کی قباحت بھی لوگوں کے ذہنوں میں نہیں رہی، بہت سے حفاظ اپنے علاقہ کی مسجد کو غیر آباد کر کے دور دراز شہروں میں صرف زائد پیسے کی لالچ میں تراویح پڑھاتے ہیں، مسئلہ کے اعتبار سے ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے، یوں اگر حافظ قرآن کو اس کی عظمت ومحبت کی پیش نظر ہدیہ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں؛ بلکہ مستحسن اور پسندیدہ عمل ہے، اہل قرآن حفاظ وعلماء کی خدمت کی بڑی اہمیت ہے، کرنا چاہئے، لیکن تراویح میں قرآن سنانے کی بنا پر بطور اجرت کے نہیں؛ بلکہ محض محبت کی وجہ سے پہلے یا بعد میں علاحدہ انفرادی وخفیہ طور پر دے دیا جائے، جس میں ریاء وشہرت کا دخل نہ ہو، چندہ کا تو سوال ہی نہیں، حفاظ کی ایسی خدمت نہ صرف جائز؛ بلکہ باعث اجر وثواب

ہے، ضرور کرنا چاہئے۔(۱)

معمولات نظم تراویح

۱۔ ناظم مراکز کو اختیار ہوگا کہ جس مسجد میں حافظ کو مناسب سمجھیں مقرر فرمادیں؛ مگر حسب مصالح مقامی منتظمین مساجد کی رائے وتجویز کا پاس ولحاظ کیا جائے گا۔

۲۔ سوائے خاص مجبوری کے ہر حافظ کے ساتھ ایک سامع کا ہونا۔

۳۔ تین روز سے کم میں قرآن شریف ختم نہ کرنا، اوراس کے لئے کسی مقتدی یا داعین کو مجبور نہ کرنا۔

۴۔ عموماً ۱۴اور ۲۷ رمضان کے درمیان کسی تاریخ میں قرآن شریف ختم کرنے کا مدار حافظ صاحب کی رائے پر ہونا۔

۵۔ ہر حافظ کو اختیار ہوگا کہ وہ کسی روز کسی خاص مصلحت کی بناء پر روزانہ کے معمول میں کمی بیشی کردیں اور ایسی صورت میں مقتدین کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔

۶۔ حفاظ کو بخیال تحمل مقتدین حدود سے تجاوز نہ کرنا، زیادہ پڑھنے میں اگر مقتدین کو بار ہو تو بلا تکلف ادب کے ساتھ اس کا اظہار کرنا۔

۷۔ ختم کے روز امامِ تراویح کی اجازت پر شیرینی کی تقسیم کا مدار ہوگا ورنہ التواء رہے گا۔ اہل محلہ کو اصرار ومخالفت کا حق نہ ہوگا۔

۸۔ چراغاں اور روشنی ضرورت سے زیادہ کسی یوم بالخصوص ختم کے روز نہ ہوگی، اس میں حافظ صاحب کی رائے کی رعایت مقدم ہوگی، امام تراویح جس مقدار کو زیادہ بتلادیں اس کی اصلاح ضروری ہوگی۔

۹۔ جھنڈیاں ختم کے روز یا کسی روز مسجد میں نہ لگانا۔

۱۰۔ تراویح کے سلسلہ میں کسی جگہ کوئی بات ایسی ہو جو از قبیل رسوم ہو یا امام تراویح کو خلاف شرع معلوم ہو تو اس کی اصلاح ضروری ہوگی۔

---

(۱) نقوش ابرار: ۱۶۵

۱۱۔ مقتدین یا داعین کی جانب سے کوئی معاملہ خلاف ادب واحترام کے پیش آنے پر یا بصورت عدمِ اصلاح منکرات امام تراویح قرآن شریف سنانے میں معذور ہوں گے۔

۱۲۔ سوا اس صورت کہ مسجد بالکل قریب یا حافظ صاحب سواری پسند نہ فرماویں ہر امام تراویح کے لئے سواری کا انتظام ضروری ہوگا۔

۱۳۔ مقامی داعین کو سواری یومیہ کا انتظام خود کرنا ہوگا یا تخمینی رقم پیشگی مرکز میں جمع کرنی ہوگی۔

۱۴۔ بیرونی داعین کو مصارف آمد ورفت حفاظ احتیاطا پیشگی جمع کرنا ہوں گے اور اگر کوئی حافظ بوضع تنخواہ رخصت دے کر بھیجا جاوے گا تو بقدر وضع تنخواہ رقم بھی ادا کرنا ہوگی، جس کو حافظ صاحب کے بھیجنے سے پہلے ظاہر کردیا جائے گا۔

۱۵۔ عشاء کی نماز امام تراویح کے مسجد پہنچنے پر شروع ہوگی۔

۱۶۔ مستقل مصلیان کو یہی اصول سنا دیئے جائیں۔(۱)

---

(۱) نقوش ابرار:۱۶۸

دعوت وتبلیغ کا نظام

مختصرا یہ کہا جاسکتا ہے کہ کارِ نبوت میں دعوت وتبلیغ، تزکیہ واحسان، تعلیم وتدریس سارے کاموں کی ضرورت واہمیت سے وہ شخص انکار نہیں کرسکتا جو دین کے مجموعی تصور جانتا اور سمجھتا ہے، کوئی شعبہ دین دوسرے شعبہ کا بدل نہیں، ایک دوسرے سے توازن وموازنہ بھی غلط ہے، سب افضل واہم ہیں، مدارس خانقاہیں اور دعوت وتبلیغ کی عظیم عالمی محنت وغیرہ نافع ہیں، لیکن کسی کا بھی اپنے کافی ہونے کا دعوی سراسر جہالت وظلم ہے، ان سبھی شعبوں میں کام کرنے والے فرشتہ وبے عیب نہیں؛ بلکہ انسان ہیں، غلط کاری ونقائص کو دیکھ کر جب تک خیر غالب ہے کسی شعبہ کو چھوڑا نہیں جاسکتا ہے، زمانہ طالب علمی اصلا صلاحیت سازی اور قوت علمیہ پروان چڑھانے کا زمانہ ہے، لیکن جامعیت واعتدال، تربیت ومزاج اکابر کا تقاضا یہ ہے کہ مدارس میں مجالس اہل دل کے ساتھ تبلیغی جماعت کا ہلکا پھلکا نظام جاری کی جائے، اس طور پر کہ مقصد اصلی تعلیم ومطالعہ متأثر نہ ہو، فارغ اوقات استعمال بھی ہوجائے، عوام سے رابطہ، بات پیش کرنے کا سلیقہ، امت کی بے دینی کا احساس، اپنے علم کا مصرف انہیں یاد رہے، گویا تعلیم غالب رہے اور تبلیغی سرگرمی متروک بھی نہ ہو، فراغت کے بعد طالب علم کسی بھی شعبہ دین میں حسب صلاحیت ومشورہ اکابر کام کرتا رہے؛ مگر سارے شعبوں سے انس ومحبت ہو، وحش وتنفر نہ ہو، تعاون وتناصر کی فضا بنائے نہ کہ تعصب وتعارض کی، یہ خادم دین کے ساتھ رفیق بن کر چلیں نہ کہ فریق، یہ شعبہ دینی اپنے دائرہ کار میں مفید اثرات کا قدرداں ہونہ اپنے شعبہ کے کارناموں پر نازاں، اس لئے انتظامیہ کو اعتماد میں لے کر اساتذہ کرام کی

سرپرستی میں قدیم معتدل تبلیغی کارکنوں کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نظام کو جاری کرنا بہتر ہے، شرط یہ ہے کہ مروجہ الیاسی نظام تبلیغ کو ہی اسلام کے شعبہ دعوت وتبلیغ کا مکمل اولین تا قیامت مصداق نہ سمجھا جائے، تاریخ دعوت وعزیمت کے پچھلے زمانہ میں تسلسل اور آئندہ زمانے میں تجدید واصلاح پر کام کی ضرورت کا ہرگز انکار نہ ہو، علاقائی اور عالمی، داخلی وخارجی نزاعات سے طلبہ مدرسہ علاحدہ وبالاتر ہوکر کام کریں، غیروں میں دعوت، خطابت وتصنیف سے دعوت، نہی عن المنکر کے کاموں کو بھی پوری فراخ دلی کے ساتھ تہہ دل سے خلوت وجلوت میں زبانی اور عملی طور پر سراہا جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دعوت وتبلیغ والا کام بڑا نفع بخش اور مفید ہے، اس لئے اس کو مدارس میں جاری کرنا چاہئے، مدارس میں ہر جمعرات اور جمعہ کو چوبیس گھنٹے کی جماعتیں نکلنی چاہئے، یہ نکلنا جمعرات کی شام سے جمعہ کی شام تک کے لئے ہوتا ہے،، راشن وطعام سیٹ مدرسہ کا ہوتا ہے، اور سفرخرچ اساتذہ وطلبہ اپنا ذاتی اور رعایت میں قریب کے کم خرچ کے رخ دیئے جاتے ہیں۔

اسی طرح اساتذہ وبعض بڑے طلبہ پر اطراف کی بستیاں ودیہات تقسیم کردیئے جائیں وہ وہاں ہفتہ واری گشت کے دن جاکر پوری محنت کرتے ہیں، چلہ، چار ماہ کی تشکیل ہوتی ہے، اور تین دن کی جماعتیں بھی بناتے ہیں، اور بعض مرتبہ خود لے جاتے ہیں اور مدرسہ سے اس سلسلے میں اجازت ہوتی ہے۔

جب جماعت مدرسہ میں آتی ہے تو مشورہ سے ان کی تعلیم کے لئے بڑے اساتذہ طئے ہوتے ہیں، اور بڑے طلبہ ان سے اختلاط کرتے ہیں، ایک ایک طالب علم ایک ایک ساتھی کے ساتھ جوڑی بنالیتا ہے، اور فارغ اوقات میں ان کی نماز وغیرہ درست کرتا رہتا ہے، بعض مرتبہ بعض ساتھیوں نے کہا کہ چلہ بھر میں جو فائدہ ہوا وہ چوبیس گھنٹہ میں ہوا۔

اسی طرح طلبہ اپنا دوسرا گشت نیز مسجد وار جماعت، ہفتہ واری مشورہ، روزانہ مختلف حلقوں کی شکل میں فضائل اعمال کی تعلیم (بعد عصر ۱۰؍منٹ) اور آنے والی جماعتوں کی

خدمت ماہانہ کارگذاری وغیرہ امور پر عمل پیرا ہوتے ہیں، اسی طرح اساتذہ سہ روزہ عشرہ مستورات کی جماعت میں نکلتے ہیں، درمیان سال کی چھٹیوں میں اور شہر کے ہفتہ واری مشورہ اوراجتماع میں بھی دواستاذ باری باری طئے ہوتے ہیں اور ہر ماہ مرکز میں حیاۃ الصحابہ کی تعلیم اس استاذ کی طئے ہوتی ہے جس نے سال لگایا ہے۔

دعوت وتبلیغ کے امور

۱۔ سفرخرچ طلبہ واساتذہ کا اپنا ذاتی ہوتا ہے۔

۲۔ روزانہ فکروں کے ساتھ مسجد وار جماعت میں بیٹھ کر مدرسے اور اطراف کی فکر کریں۔

۳۔ اطراف کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کریں، اس کے لئے طلبہ واساتذہ کو استعمال کریں۔

۴۔ طئے شدہ بستی میں جا کر دوسرا گشت کریں اور وہاں سے نقد جماعتیں نکالنے کی کوشش کریں، اگر پانچ وقت کی نماز اوراذان نہ ہوتی ہوتو جانے والے احباب اس کوشروع کرنے کی کوشش کریں۔

۵۔ مسجد وار جماعت میں ساتھیوں کے اندر دعوت وتبلیغ کے اعتبار سے فکریں لانے کی کوشش کریں۔

۶۔ روزانہ کے اعمال جیسے کھانے، سونے کے آداب اور بعد فجر خدمت واستقبال اوراس کے استعمال کی ترتیب بنائیں۔

۷۔ باہر سے آنے والی جماعتوں کی تعلیم وتربیت خدمت واستقبال اوراس کے استعمال کی ترتیب بنائیں۔

۸۔ تعلیمی اوقات میں اوراساتذہ کو خارجی ذمہ داریوں کے اوقات میں اپنی ذمہ داری حوالے کئے بغیر اطراف کے تقاضوں پر نہ بھیجیں، ہاں اگر اشد ضرورت ہوتو دفتر کی اجازت سے بھیجیں۔

۹۔ گشت میں جانے والوں کو سمجھانا کہ اپنی تعلیم کا نقصان کئے بغیر تقاضہ پورا کریں

اور جلد از جلد اپنے مقام پر آجائیں۔

۱۰۔ منگل کے روز بدھ کے گشت کے تعلق سے مشورہ کریں (جو کہ مدرسہ کا ہفتہ واری گشت ہے)۔

۱۱۔ چوبیس گھنٹے کی جماعت ہر ہفتہ بروز جمعرات دوپہر کھانے کے بعد ایک استاذ کی نگرانی میں بھیجیں، اور ہر کلاس میں سے ایک طالب علم کو بھیجیں اور سارا سامان راشن وغیرہ مدرسہ سے لے کر جائیں اور ذمہ داری کے ساتھ برتن واپس لے کر آئیں۔

مولانا اسعد اللہ صاحب فرمایا کرتے تھے:

''تبلیغی طلبہ کا احساس بیدار اور شعور صحیح ہوتا ہے، وہ اپنی اسلامی اور علمی ذمہ داریوں کو اچھی طرح محسوس کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں رذائل سے عموما دور رہتے ہیں، اور کسب فضائل و نوافل کی جانب حسب استعداد فطری متوجہ ہوتے ہیں، اس کے برخلاف دوسرے طلبہ زمانہ کا ساتھ دیتے ہیں، ان میں شعور حیات نامکمل و ناقص ہوتا ہے، وہ دین میں بیجا جسارتوں اور نامناسب بے باکیوں سے باک نہیں کرتے، ان مذکورہ حقائق کے پیش نظر کسب فنون و تحصیل علوم کے لئے تبلیغ میں مصروف ہونا ضروری ہے''۔

اور ایک جگہ فرمایا:

''میں اپنے تجربے، مشاہدہ اور علم ویقین کی روشنی میں بلاخوف تردید بالکل بے جھجک ہو کر کہتا ہوں کہ میں نے سب جماعتوں میں سے زائد مقدس جماعت مخلص، بلند مقصد پاکیزہ کردار، باعمل اور فعال پایا ہے''(۱)

مولانا اسعد اللہ صاحب کی عملی شرکت

ایک مکتوب میں حضرت ناظم صاحب خود اپنا معمول تحریر فرماتے ہیں: ''جہاں تک

(۱) مآثر حضرت باندوی: ۲۲۰، مولانا عبید اللہ الاسعدی، فرید بک ڈپو، دہلی

میری ذات کا تعلق ہے میں تبلیغ میں شرکت کو اپنی سعادت سمجھتا ہوں، میرے عوارض مجھ کو اجازت نہیں دیتے کہ میں عملی شرکت کروں، پھر گاہے بگاہے تبلیغی اجتماعات میں شرکت کرتا رہتا ہوں اوراب سے چار پانچ سال قبل تک سہارنپور کی جامع مسجد میں جمعرات کے ہفتہ واری اجتماع میں پابندی سے شریک ہوتا تھا، نیز میں اپنے تمام احباب ظاہر وباطن کو ادھر متوجہ کرتا رہتا ہوں، اور وہ لوگ جو مجھ سے بیعت کرتے ہیں انہیں تو میں بتاکید تبلیغ میں شرکت کے لئے کہتا رہتا ہوں''۔(۱)

حضرت صدیق صاحب باندوی کے تاثرات

تبلیغی کام کے فیض کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اس لئے میں مخالفت میں سب سنتا ہوں مگر جو سنا اور دیکھا اس کی وجہ سے جماعت کے کام کو اہمیت کیوں نہ دوں''۔

حضرت خود جماعتیں لے کر چلے، اور پھرے اور خود علاقے کے لوگوں کی جماعتیں بنائے، ان کو لے کر علاقے میں خوب گھومے اور باہر سے آنے والی جماعتوں کا نظام بنانا بسا اوقات کھانے پینے کی فکر اوران کی راحت کا سامان کیا۔

مدارس کا کام بھی تبلیغ ہے

حضرت کے نزدیک تعلیم وتدریس کی کیا اہمیت تھی، تفصیل سے تذکرہ آچکا ہے، اس لئے حضرت اس کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے کہ تعلیم کا حرج کر کے اس کو چھوڑ کر مدرسہ کو بند کر کے تبلیغ کا کام کیا جائے، اس پر سخت ناراض ہوتے، ایک مرتبہ ایک جگہ سے اجتماع کا اوراس میں جانے کا تذکرہ آیا مدرسہ کے تعلیم کے دن تھے فرمایا:

''وہ اجتماع ہے اور یہ (مدرسہ کا نظام) اجتماع نہیں ہے، دین پڑھنا پڑھانا اس میں ثواب نہیں ملے گا، یہ اجتماع بھی تو اللہ کو محبوب ہے، اس کی کیا اہمیت کم ہے:؟ اجتماع کی اہمیت ہے، مگر ایام تعطیل میں شرکت

(۱)　حوالہ سابق: ۲۲۰

کریں گے اور کچھ وقت لگائیں۔

اور ایک موقع سے فرمایا:

ایک مرتبہ ایک صاحب مدرسہ بند کر کے لمبی مدت کو جماعت میں چلے گئے، اور پھر حضرت کی خدمت میں آئے اور بیعت کی درخواست کی، حضرت نے ان کو سخت تنبیہ کی اور فرمایا:

> ''مدرسہ بند کر کے جماعت میں چلے جانے کے لئے کس نے آپ سے کہا تھا، اور کس سے پوچھ کر گئے تھے، میں آپ کو بیعت نہیں کراتا، کیا مدرسہ چلانا دین نہیں؟ مدرسہ میں کیا سکھایا اور پڑھایا جاتا ہے، وہ دین کی تبلیغ نہیں، وہ بھی تو تبلیغ ہے، میں تبلیغ کا حامی ہوں، تبلیغ کے فروغ کے لئے کیا میں کوشش نہیں کرتا؟ مدرسہ کے ساتھ بھی تو تبلیغ کا کام ہوسکتا ہے''(۱)

اور ایک موقع سے مرکز نظام الدین کے مدرسہ اور اس کے نظام کا تذکرہ فرمایا:

اور فرمایا کہ: اس کا نظام صرف جمعرات کی شام ہے، باقی مدارس کی طرح تعلیم چلتی رہتی ہے، ایک صاحب کو مشورہ دیتے ہوئے فرمایا:

> ''ہفتہ میں ایک مرتبہ کسی مسجد میں شریک ہوجایا کریں باقی مدرسہ کا حرج نہ کریں، لوگ بہت غلو کرنے لگے ہیں، مرکز والے خود اس سے منع کرتے ہیں، یہ لوگ من مانی کرتے ہیں اور اکابر کی ہدایت پر عمل نہیں کرتے''(۲)

---

(۱) مآثر حضرت باندوی: ۲۲۵

(۲) مآثر حضرت باندوی: ۲۲۶

مصادر و مراجع

عربی کتب

- آداب حملۃ القرآن للآجری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔
- أسرار حفظ القرآن الکریم، احمد بن سالم بادویلان، مکتبۃ الحضارۃ، ریاض۔
- التبیان فی آداب حملۃ القرآن، یحی بن شرف النووی، مکتبۃ المؤید، الطائف۔
- فضائل القرآن، ابوالعباس جعفر بن محمد المستغفری، دار ابن حزم، بیروت۔
- فضائل القرآن ومعالمہ وآدابہ، عبید بن قاسم سلام، المملکۃ المغربیۃ۔
- طرق تدریس التجوید، دفہد عبدالرحمن الرومی، د محمد السید الزغبلاوی، مکتبۃ التوبہ، ریاض۔
- عون الرحمن فی حفظ القرآن، ابوذکر القلمونی، مکتبۃ التراث الاسلامی حقق حلمک فی حفظ القرآن الکریم، دعبد اللہ المحلم، الکویت مرجع الطلاب فی الخط العربی، خالد محمد المصری الخطاط، مکتبۃ المعارف، دیوبند۔

اردو کتب

- علوم وفنون، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب، مکتبہ ادارہ افادات، ہتھورا، باندہ۔
- افادات صدیق، محمد زید مظاہری ندوی، افادات اشرفیہ، دوباگاہ لکھنؤ۔
- تحفہ مدارس، مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند۔
- معین المدارس تعلمی تربیتی اور انتظامی رہبر، مفتی محمد شاکر خان صاحب، مدرسہ بیت العلوم مہاراسٹر، ۲۰۰۸ء ۱۴۲۹ھ۔

- فن تدریس کے اصول، شیخ علی عمر مصری، مترجم، عبدالحفیظ صاحب، راہی پرنٹرس، ۲۰۱۴ء۔
- مدارس دینیہ کے لئے رہنما اصول، مولانا سید ذوالفقار أحمد صاحب، شعبہ نشر واشاعت ، ۲۰۰۰ء۔
- علوم وفنون اور نصاب تعلیم، مولانا اشرف علی تھانوی، ادارہ افادات اشرفیہ، ۱۴۱۲ھ۔
- تحفظہ حفاظ، افادات حضرت مولانا زکریا، قاری طیب صاحب، مولانا ابوالحسن ندوی، فرید بک ڈپو۔
- حیات ابرار، محمد فاروق صاحب، مکتبہ محمودیہ، ۱۴۲۶ھ (مجلس دعوۃ الحق جس کے بانی حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب تھے، اس ادارہ کے ماتحت کئی ایک مدارس اور مکاتب چلتے ہیں، جس کا نظام نہایت مستحکم اور باریک بینی پر مشتمل ہے، مدرسہ چلانے کے اصول کے تحت ہم نے اس سے کافی استفادہ کیا ہے)۔
- دینی وعصری درسگاہیں۔ تعلیمی مسائل، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، ہدی بک ڈسٹری بیوٹرس، ۲۰۰۴ھ۔
- ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، مولانا سید مناظر أحسن گیلانی، مکتبہ الحق، ۲۰۰۷ء۔
- آسان منطق، مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری، مکتبہ وحیدیہ، ۱۴۱۷ھ۔
- تیرہ سالہ خدمات، محمد شمیم احسن قاسمی، رابطہ مدارس اسلامیہ، مغربی بنگال، ۱۴۳۲ھ۔
- تعلیم وتعلم اور دعوت کے اسلامی اصول وآداب، مولانا نصیب الرحمن علوی، عظیم بک ڈپو، دیوبند ۲۰۰۲ھ۔
- الفوائد التجویدیہ، قاری انیس احمد خان صاحب، قراءت اکیڈمی۔
- درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں، مفتی محمد تقی عثمانی، زمزم بکڈپو۔
- مدرسہ تعلیم سے تعمیر تک، مولانا محمد ایوب ندوی بھٹکلی، فرید بک ڈپو، ۲۰۰۸ء۔
- حفظ قرآن مجید کے رہنما اصول، مفتی سبیل احمد صاحب، محمودیہ ٹرسٹ، ۱۴۳۲ھ۔

- آسان اصول حدیث، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمہ، ۲۰۰۱ء۔
- آسان اصول فقہ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمہ، ۲۰۰۱ء۔
- دینی مدارس مسائل اور تقاضے، ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشر، ۲۰۰۱ء۔
- تحفہ المدارس، محمد اسحاق ملتانی، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، پاکستان۔
- کتاب النوازل، حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری، المرکز العلمی للنشر والتوزیع والتحقیق، لال باغ، مرادآباد۔
- تحفہ حفاظ، افادات اکابر، فرید بک ڈپو، دیوبند۔
- تسہیل اصول التحفیظ، حافظ تجمل صدیق، نوگاں، ہوجائی، آسام (اس کتاب میں بھی حفظ قرآن مجید کے نہایت رہنما اور اصولی باتیں بتائی گئی ہیں، جس کو نہایت تجربہ کے بعد مرتب کیا گیا ہے)۔
- تحفہ حفاظ، از افادات مولانا اشرف علی تھانوی، اداراہ افادات اشرفیہ دوباگا، ہردوئی، لکھنؤ۔
- آسان خاصیات ابواب، مفتی سعد صاحب، مکتبہ نعیمیہ، دیوبند۔
- قرآن کریم اور خوش الحانی، محمد صیق فلاحی، قرائت اکیڈمی، ۱۹۹۴ء۔
- ہمارا تعلیمی نظام، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، زم زم بکڈپو، ۱۹۹۵ء۔
- معاصر دینی تعلم، مشکلات واحوال، ایفا پبلیکشنز۔
- چندہ اور اس کے آداب واحکام، مولانا محمد اسماعیل صادق صاحب، مرشد الامت، ۱۴۳۱ھ۔
- تعلیم وتربیت کس طرح؟ مہربان علی بڑوتی، کتب خانہ حیات الاسلام، مظفرنگر، ۱۴۱۳ھ۔
- اصلاح الرسوم، مولانا اشرف علی تھانویؒ۔
- مبادیات منطق، حکیم تسخیر صاحب۔

- آسان نحو، مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری، مکتبہ وحیدیہ، ۱۴۱۷ھ۔
- آسان صرف مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری، مکتبہ وحیدیہ، ۱۴۱۷ھ۔
- علم الصیغۃ، مفتی رفیع الدین صاحب، زم زم بکڈ پو۔
- حفظ قرآن مجید کے رہنما اصول: مولانا مفتی سبیل احمد صاحب، محمودیہ ٹرسٹ، وانمباڑی، ٹاملناڈو (یہ کتاب بھی نہایت باریک بینی اور حفظ قرآن مجید کے بڑے مدارس اشرف المدارس ہردوئی، مدرسہ فیض العلوم، مدرسہ سبیل الفلاح، اشرف العلوم حیدرآباد، دعوت القرآن پرنامبٹ، احیاء العلوم وانمباڑی، اور مفتاح العلوم میل وشارم اور رفیق العلم آمبور کے تجربات اور ماہر وجید حفاظ واساتذہ سے استفادہ کے بعد لکھی گئی ہے)۔
- درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں، مؤلف مولانا تقی عثمانی صاحب، مکتبہ زمزم۔
- یومیہ تعلیمی اطلاع، طلبہ شعبہ ناظرہ، مکتبہ احیاءسنت، مدرسہ امداد العلوم، حیدآرباد۔
- خیر القرون کی درسگاہ، قاضی اطہر، مبارک پوری، شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند۔
- رہنمائے خطابت، مفتی ابولبابہ شاہ منصور، کراچی، پاکستان۔
- حرف شیریں، حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب، ادارہ علم وادب، دیوبند۔
- خط رقعہ کیسے سیکھیں، حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی، ادارہ علم وادب، دیوبند۔
- فتاوی قاسمیہ، مفتی شبیر احمد قاسمی، مکتبہ اشرفیہ، دیوبند۔
- شاہ راہ علم، مجلہ سہ ماہی، جامع اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، مہاراسٹر۔
- حسن تدبیر، مدارس نمبر، فروری، ۲۰۱۱۔
- المذکرہ الیومیۃ الدراسیہ، دار الدعوۃ والارشاد۔
- قواعد داخلہ، دار العلوم دیوبند۔
- فضائل حفظ القرآن، مولانا امداد اللہ انور، دار المعارف، ملتان، پاکستان۔
- حقوق القرآن مع احکام التجوید، افادات مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، ادارہ

افادات اشرفیہ، دوبگہ، ہردوئی، لکھنؤ۔

- قرآن حکیم کی تلاوت کے احکام ومسائل، مفتی محمد سعید خان، ندوۃ المصنفین، الندوۃ ایجوکیشنل ٹرسٹ، اسلام آباد۔
- اصلاح انقلاب امت، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، ادارۃ المعارف، کراچی۔
- کامیاب طالب علم: ۱۷۔ ۲۷، روح اللہ نقشبندی، مکتبۃ دارالہدیٰ پاکستان۔
- نسیان القرآن، قاری حبیب الرحمن صاحب: البلاغ: ۷۴، محرم الحرام: ۱۴۳۶ھ۔
- تحفہ حفاظ مع احکام تراویح، افادات: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، ادارہ افادات دوبگا ھردوئی، روڈ لکھنو۔
- آپ قرآن مجید کیسے حفظ کریں: علامہ یحی بن عبدالرزاق الغوثانی، تلخیص وترجمانی: مولانا محمد ابرارالحق، مکتبۃ الابرار، حیدرآباد۔ (اس کتاب کے مؤلف نے علم قرائت میں جامع القرآن الکریم والعلوم ال اسلامیۃ، ام درمان سوڈان سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، جمعیۃ تحفیظ القرآن الکریم جدہ میں پانچ سالہ تدریس، برناج تحفیظ القرآن الکریم کی ادارت وسرپرستی، قواعد علم تجوید، تلاوت قرآن تدریس قرآن کے طریقوں اور مکاتب قرآنیۃ سے متعلق مدرسین قرآن کو مختلف ممالک میں ٹریننگ دی، غانا، توغو، بنین، بوکینا فاسو اور نائجریا میں ''جمعیات تحفیظ القرآن'' کی تاسیس وداخلی نظام العمل کی ترتیب میں شرکت)۔
- منتخب احادیث، حضرت مولانا یوسف کاندھلوی، اریب پبلیکیشنز، دہلی۔
- مسنون معاشرت:　موبائیل فون آداب وأحکام، مفتی ابوبکر جابر قاسمی، مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی، مکتبۃ فیصل دیوبند۔
- فدیہ وقضا، فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب: ، انجمن احیاء السنۃ لاہور۔
- تربیت الطالبین، مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ، جامعہ محمودیہ نوگزہ، علی پور، ہاپوڑ، میرٹھ، یوپی۔

- تاریخ دارالعلوم، سید محبوب صاحب رضوی، المیز ان ناشران وتاجران کتب، لاہور۔
- نقوش ابرار، محمد زید مظاہری ندوی، کتب خانہ نعیمہ دیوبند۔
- تذکرہ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی، نورالحسن راشد کاندھلوی، حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ۔
- ارشادات افتخار الأولیاء، ابوعثمان محمد شعبان بستوی، مدرسہ اسلامیہ سلیمانیہ، عید گاہ، کاندھلہ، ضلع شاملی۔
- نمونے کے انسان، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی رحمہ اللہ ۱/۳۹، مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو، یوپی۔
- ملفوظات شیخ الحدیث: ۳۳، ترتیب مولانا ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن مدنی، ادارہ فیض شیخ، گجرات۔
- ارشادات ابرار، سید سلم اللہ غوری، مکتبۃ محاسن الابرار، حیدرآباد۔
- مجالس مسیح الامت، مولانا محمد غیاث الدین مظاہری، مکتبۃ الاشرف، الہ آباد۔
- ارشادات قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادری رائپوری، کتب خانہ اختری، سہارنپور۔
- نبی کریم ﷺ کی معاشی تعلیمات: ۲۸۹، پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری، مکتبہ ارشاد محل محل دیوبند۔
- مدارس اسلامیہ، حقیقی کردار اور نصب العین تحفظ، تجاویز اور مشورے،: ۴۳=۴۶، مرکزی دفتر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند۔
- فضائل حفاظ القرآن معہ علوم وقصص واخلاق حملۃ القرآن، محمد طاہر رحیمی مدنی، اریب پبلیکشنز۔
- چند اہم عصری مسائل، مفتی زین ال اسلام قاسمی الہ آبادی، مکتبۃ دارالعلوم دیوبند۔

مدارس اسلامیہ کے تعلیمات وانتظامات سے متعلق، تجرباتِ اکابر کا نچوڑ

مُنَظّمِ مدارس

انتظامات ومالیات

جلد دوم

پسند فرمودہ

نمونۂ اسلاف حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم

ناظم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

مرتب

مفتی ابوبکر جابر قاسمی

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

Faisal International

مُنَظّمِ مدارس

جلد ثانی

(انتظامات ومالیات)

مرتب

مفتی ابوبکر جابر قاسمی

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

پہلا ایڈیشن: ۱۴۳۹ھ = ۲۰۱۸ء

نام کتاب : منظم مدارس (انتظامات و مالیات)

ترتیب : مفتی ابوبکر جابر قاسمی، 09885052592

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی، 09550081116

صفحات : 334

گرافکس تزئین: مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری، قبا گرافکس، حیدرآباد
فون: 09704172672, 8801198133

ناشر : دارالدعوہ والارشاد، یوسف گوڑہ، حیدرآباد

ملنے کے پتے

- مدرسہ خیر المدارس، بورابنڈہ، حیدرآباد، فون: 23836868 - 040
- دکن ٹریڈرس، پانی کی ٹانکی، مغلپورہ، حیدرآباد، فون: 66710230 - 040
- مکتبہ کلیمیہ، یوسفین ویڈنگ مال، نامپلی، حیدرآباد

اجمالی فہرست

مالیات (334-187)

فہرست مضامین

مالیات

تقریظ

نمونۂ اسلاف مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم دیوبند وخلیفہ حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ

(Mufti) Abul Qasim Nomani
Mohtamim (VC) Darul Uloom Deoband
(مفتی) ابوالقاسم نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند، الہند
PIN- 247554 (U.P.) INDIA Tel: 01336-222768 E-mail: info@darululoom-deoband.com

Ref. ....
Date:................

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

جناب مفتی ابوبکر جابر قاسمی اور مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی صاحبان کی مرتب کردہ کتاب ’’منظم مدارس‘‘ (انتظامات ومالیات) اور ’’منظم مدارس‘‘ (دینیات، حفظ وناظرہ) اس وقت میرے پیش نظر ہے۔

دونوں کتابوں کا مجموعی حجم تقریباً ساڑھے تین سو صفحات پر محیط ہے۔ اپنے مشاغل کی بنا پر پوری کتاب کا تفصیلی مطالعہ تو بہت مشکل ہے؛ البتہ متفرق مقامات سے کتاب دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ مرتبین کتاب کے پیش نظر مدارس کے نظام کو اس طرح مرتب اور منظم کرنا ہے کہ مدارس کے انتظامی اور تعلیمی شعبوں میں سے ہر شعبہ کے لیے طے شدہ اصول اور طریقۂ کار منضبط ہوں اور انھیں کے ماتحت ادارہ کا نظام چلایا جائے۔

مرتبین نے مختلف اداروں کی ہدایات اور اکابر ومشائخ کے معمولات وارشادات اور خود اپنے عملی تجربات کو سامنے رکھ کر ایک مفصل نظام مرتب کر دیا ہے۔ جن سے کام کرنے والوں کو روشنی مل سکتی ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ اصول وضوابط اور طریقہ ہائے عمل نہ تو منصوص ہیں اور نہ ہر چھوٹے بڑے ادارہ میں ان اصول کے ہر جزو پر عمل آسان ہے؛ اس لیے ان اصول وقواعد کو خیر خواہانہ مشورہ کی حیثیت دی جا سکتی ہے جن سے ارباب مدارس استفادہ کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس محنت کو قبول فرمائے اور اہل مدارس کے لیے مفید بنائے۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۱۴۳۹/۵/۱۰ھ=۲۰۱۸/۱/۲۸ء

تقریظ

مولانا محمد عبدالقوی صاحب دامت برکاتہ
خلیفہ حضرت مولانا سعید صاحب پرنام بٹ دامت برکاتہم
وناظم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد وصدر رابطہ عربی مدارس اندھرا پردیش وتلنگانہ

اہل علم کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ مدارس دینیہ اسلامیہ کی کیا اہمیت ہے؟ وہ خود ان مدارس کو اسلام کے قلعے، رجالِ کار کی فیکٹریاں، سپاہیانِ دین کے مصانع اور جانے کیا کیا کہتے رہتے ہیں، مگر جو لوگ ان مدارس کے لئے ایسے ایسے عظیم القاب کو استعمال کرتے ہیں اور اپنی رودادوں کی پیشانی پر علامہ اقبال مرحوم کا حقیقت پر مبنی ایک تجزیہ پیش کرنے کو مدارس کی وقعت بڑھانے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، بڑے افسوس اور نہایت رنج کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اکثر خود ہی ان مدارس کے حقیقی مقاصد ومنافع کے سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں؛ کیوں کہ آج کل مدارس ومساجد مادی عمارات کے اعتبار سے تو ایک سے بڑھ کر ایک وجود میں آرہے ہیں، مگر تعلیم وتربیت اور فکر ونظر کی استقامت کا سبب نہیں بن رہے ہیں۔

جن لوگوں نے مدارس کے موجودہ نظام کی داغ بیل ڈالی یا بنیاد رکھی تھی اُن کے سامنے، اُن سے زیادہ وسیع وعمیق مقاصد تھے جو اس قافلے کو آگے لے کر جانے والوں کے پیش نظر ہیں، یہ نظام اپنے ابتدائی مرحلے میں بہت اگرچہ ظاہری تزک واحتشام سے محرومی اور بے سروسامانی کے عالم میں ہوا کرتا تھا، مگر دیانت وامانت، تعلیم وتربیت، اتباعِ سنت، خوفِ خدا اور تسلیم ورضا کے وہ مناظر ہوتے تھے جو اب ڈھونڈنے سے بھی ملنے مشکل ہو گئے

ہیں، وہ واقعتاً چٹائیوں پر بیٹھنے اور چھپروں میں سر چھپانے اور بوسیدہ اوراق پڑھنے پڑھانے کے باوجود اپنے مدارس سے اسلام کے سپاہی اور مسلمانوں کے محافظ پیدا کرتے تھے۔

غور کیجئے تو اس کی وجہ اسباب کی فراوانی نہ تھی، اس کی وجہ مقاصد کی بصیرت اور علم وعمل کی یکسانیت تھی، احساسِ ذمہ داری اور شعورِ مسئولیت نے اِن کاموں کو اُن کے لئے بارِ گراں بنادیا تھا، وہ اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونے اور پکڑے نہ جانے کی خاطر ہر وہ تدبیر اپناتے تھے جو اس کے لئے معاون ومددگار ہوسکتی تھی، یعنی مالیات سے لے کر تعلیمات تک ہر جگہ دیانت وتقویٰ کا دامت تھامے ہوئے تھے، اُن کے سر پر کوئی بڑا ہوتا تھا اس کی نگرانی وراہنمائی میں عافیت محسوس کرتے تھے، اب جو صورت حال ہے وہ ناقابل بیان ہے اور اس کے نتائج بھی آنکھوں کے سامنے ہیں، اکثر مدارس میں نہ مالیات میں صفائی ہے، نہ انتظامات قابلِ تحسین ہیں اور نہ ہی تعلیم وتربیت کا معیار قابل اطمینان! یہ اور بات ہے کہ مامن عام إلا خص عنہ البعض کے قاعدے سے مدارس بھی مستثنیٰ نہیں۔

مدارس کی موجودہ صورت حال کا تجزیہ کیا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس وقت مدارس دینیہ تین طبقوں میں منقسم ہیں: (۱) باقاعدہ، ضابطے اور اُصول کے مطابق کام کرنے والے مدارس جو مقاصد کی تکمیل میں سلیقے کے ساتھ مصروف ہیں، اُن کے نتائج بھی بہترین ہیں۔ (۲) وہ مدارس جنہیں مخلص ومحنتی لوگوں نے قائم کیا ہے، مگر اُن کے سامنے مقاصد ومنافع کا محدود تصور ہے، نیز وہ اس کام کے لئے غیر تربیت یافتہ ہیں، ان مدارس میں کام تو ہو رہا ہے، مگر معیار کم زور ہے۔ (۳) وہ مدارس جن کے قیام کا مقصد ہی نام ونمود اور حصول زر کے علاوہ کچھ نہیں، یہ مدارس انتہائی غیر ذمہ دار اور خائن لوگوں کے ہاتھوں اس عظیم کام اور علماء کرام کی بدنامی کا سبب بنے ہوئے ہیں۔

ہمارے خیال میں پہلے طبقے کی ہمت افزائی تعاون اور ہر طرح کی مدد وقت کی اہم ضرورت ہے، دوسرے طبقے کی راہ نمائی اور تربیت اُن کے مؤثر ومفید ہونے میں مددگار ہوسکتی ہے، تیسرے طبقے کے خلاف بہت جلد کسی اخلاقی دباؤ اور مؤثر شکنجے کی صورت سوچی

جانی چاہئے، جسے تمام علماء بالاتفاق عمل میں لاکر خدامِ دین کو عامۂ مسلمین میں رسوائی سے بچاسکیں۔

ہمارے سامنے اس وقت جو کتاب ہے ''منظم مدارس'' وہ پہلے اور دوسرے طبقے کے لئے نہایت مفید اور مددگار مواد پر مشتمل نعمتِ غیر مترقبہ ہے، جس میں سینکڑوں اہلِ علم وتجربہ کی تصانیف سے منتخب کردہ قیمتی سرمایہ محفوظ کردیا گیا ہے، ہمیں اُمید ہے کہ فکرمند اور سنجیدہ وذمہ دار نظمائے مدارس اس کتاب سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے، اور مصنفان کی محنت مشکور ہوگی، باقی جہاں تک تیسرے طبقے کا تعلق ہے کاش کہ اکابر علماء اور بڑے مدارس کھیت چُگ جانے کے بعد پچھتاوے سے پہلے کوئی مؤثر قدم اٹھاسکیں، اور اس مہذب لوٹ مار کا خاتمہ کرکے عنداللہ سبکدوش ہوسکیں۔

میں عزیزم مولانا محمد ابوبکر جابر قاسمی صاحب زیدہ رشدہ اور اُن کے رفیقِ کار مولانا رفیع الدین حنیف قاسمی زیدرشدہ کو اس وقیع کوشش پر مبارک باد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ان کی یہ محنت رنگ لائے، اہل مدارس اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں، آمین وصلی اللہ علی النبي الکریم۔

محمد عبدالقوی غفرلہ

۱۸/ جمادی الاولیٰ ۳۹ھ

پہلی بات

مدارس دینیہ موجودہ زمانے میں اپنے محدود وسائل، قوم کی بے حد ناقدری، طلبہ کے والدین کی سرد مہری ولا پرواہی، حکومتوں کا وقتاً فوقتاً بے جا مداخلت و ہراسانی، خود بعض اہل مدارس کی غلط نمائندگی و غلط کاری کے باوجود بہت بڑا محاذ سنبھالے ہوئے ہیں، حفاظ کرام، علماء دین کی وہ جماعت جو پورے عالم میں تحفظ شریعت اور اہل سنت والجماعت کی سچی، نفسانیت ومرعوبیت سے پاک ترجمانی کرنے والے، عیسائیت، قادیانیت اور دیگر فرق ضالہ سے مناظرے مغرب کی طرف سے آنے والے تشکیک واستشر اق کا تحقیقی ومعقولی جواب، مسجد کے امام، وخطیب، خاندانی تنازعات کا حل بتانے والے، سیاست میں قوم کے رہبر، تصنیف وتالیف کا کام سنبھالنے والے انہیں مدارس کے مرہون منت ہیں، مسلم قوم اپنے مسائل میں اور اپنے اموال کے مصارف میں آج بھی جتنا اعتماد ان پر کرتی ہے، کسی اور طبقہ پر نہیں کرتی، اس ہوش ربا مہنگائی، بڑھتی ہوئی معیار زندگی، علاج وتعلیم کے اخراجات کا بڑھتا ہوا بوجھ رکھتے ہوئے مدارس کا عملہ تدریس کی ذمہ داری سنبھالا ہوا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دینی ماحول میں عصری اسکول بھی ان مدارس کا بدل نہیں اور نہ ہی کالجوں اور اسکول کے ساتھ حفظ کرانے والے ادارے اس کا بدل ہیں، اہل مدارس کی جفاکشی ویکسوئی ان کی رجال سازی و پامردی مثالی ہے، اسلامی تربیت کے ساتھ ماڈرن اسکول کی ضرورت کا انکار نہیں، اور دینی مدارس کی بعض کوتاہیوں، بے اصولیوں کا بھی اعتراف ہے، امتِ مسلمہ کی نسل نو کا بڑھانے، عام انسان کی غلط فہمی دور کرنے اور نظام

مالیات کو مستحکم بنانے کے لئے آسان حقیقی اور اولین حل یہ ہی سمجھ میں آرہا ہے کہ ان کو مؤثر بنایا جائے، اپنے اکابر کی طرح تقاضۂ وقت کی رعایت کرتے ہوئے انہیں منظم کیا جائے، داخلی اصلاح کی فکر ہی خارجی احوال کو موافق بنائے گی: "إِنَّ اللهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ" خوداحتسابی ترقی کا راز ہے، پھر زمانے وعوام کا شکوہ باقی نہیں رہتا، نافع چیز کی کون عقلمند ناقدری کرتا ہے "أما الزبد فيذهب جفاء وأما ما ينفع الناس فيمكث في الأرض" بے فائدہ چیز اور شجر سے ناوابستہ پتہ کی عمر بہت کم ہوتی ہے، ہم نے یہ ایک کوشش کی ہے تعلیمات، انتظامات اور مالیات کے ابواب میں حضرت نبی کریم ﷺ، تاریخ، سوانح اکابر بالخصوص علماء دیو بند، ماضی قریب کی عظیم ہستیوں سے منقول، افادات، ملفوظات، اصلاحات اور تجربات کو پیش کیا ہے، بعض مسائل جیسے اوصاف مدرس، مارنے کے آداب واحکام میں شدت احساس اور بعض اکابر سے شدت تأثر جیسے حضرت ہردوئی وحضرت باندویؒ نے بعض تحریروں میں فرمایا ہے: میں بہت سارے مواقع میں تکرار یا عدمِ ترتیب کا شکار ہو چکا ہوں؛ لیکن باوجود بار بار نظر ثانی کے میں اس پر قابو نہیں پا سکا۔

معیاری مدارس ہر گلی کوچے میں بھی ہوں تو ناکافی ہیں، اپنے اسلاف واکابر کے مزاج ومنہاج، انداز تربیت وطرز تزکیہ، غیرت نفس وعظمت دین، انہیں کی دردمندی ودور اندیشی، طلبہ پر مادرانہ شفقت، معاملات کی شفافیت، اساتذہ کرام کی دماغ سوزی واپنائیت، معاونین کی للّٰہیت ودلچسپی ومساہمت، اطراف واکناف کی عوام سے گہرا رابطہ وغیرہ اگر پیدا کیا جائے تو ہمارے مدارس مزید مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں، شانِ انتظام اور مہارتِ تدریس رکھنے والے اہل اللہ اٹھتے جا رہے ہیں، ان کے اصول وطریقے سے بے اعتنائی برتی جا رہی ہے، مطبوعہ مواد بھی منتشر ہے، ذوقِ مطالعہ کا جذبہ مردہ ہو چکا، خال خال طالبین ہوتے ہیں، ان کی سیرابی کا سامان اس کتاب کے ذریعے کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بے طلب لوگ تو چھوٹے کتابچے بھی نہیں پڑھتے، ہمیں احساس ہے کہ کتاب بہت ضخیم ہو چکی ہے، مگر موضوع کی نزاکت وحساسیت، ضرورت وافادیت نے مجبور کر دیا، خود

احقر کو اندازہ ہے کہ اس نے اس ذخیرہ تک رسائی کے لئے کتنی عمر کاٹی اور کتنا تعب اٹھایا، اور میرے اکابر کے تجربات علم و انتظام کی گتھیاں کیسے سلجھاتے ہیں؟ ضرورت پڑنے پر کام کیسے نکل جاتا ہے؛ اس لئے ہم نے جس بات کو ضروری سمجھا ذکر کیا۔

خدا کرے کہ اربابِ انتظام کی تشنگی کا سامان تسکین ہوجائے اور پروردگار عالم مصنفین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ

ابوبکر جابر قاسمی

۴/محرم/۱۴۳۹   دار الدعوۃ والإرشاد، یوسف گوڑہ، حیدرآباد

۲۰۱۷/۹/۲۵

انتظامات

مدرسہ کھولنے سے پہلے

۱۔ محض رضاءِ الٰہی اور خدمت دین مقصود ہے یا کسی ادارے سے تقابل، ہم عصروں پر تعلّی، جذبہ اہتمام وانتظام کی تسکین، ذریعہ معاش کی طلب، کسی کے ماتحت میں نہ رہ سکنے کی متکبرانہ طبیعت یا صرف کسی صاحب ثروت کی ہمت افزائی ویقین دہانی۔

۲۔ جس علاقہ کا انتخاب کیا گیا، کیا واقعی وہاں مدرسہ کی ضرورت ہے؟ مقامی ذمہ داروں وعلماء کرام سے مشاورت کر لی گئی، خود اپنے مرشد ومربی یا خیر خواہ ومشیر سے رائے لے لی یا نہیں۔

۳۔ فوراً شورائی نظام، تعلیمی نگران یا ٹرسٹ کا قائم کرلیں، اہل علم صاحب دل اکابر کے حوالہ ہوکر مکمل سپردگی کے ساتھ کام شروع کریں، آپ ناظم و مہتمم با اختیار بن جائیں مگر اصول صحیحہ، اخلاص اور اپنے بڑوں سے کبھی مستغنی بن کر کام نہ کریں۔

۴۔ ایک مجود معلم، ایک منشی محاسب کو رکھ لیا جائے؛ تاکہ آپ کی انتظامی سرگرمیوں کی وجہ سے تعلیم کا حرج نہ ہو، ایک ایک پائی کا حساب شفاف رہے۔

۵۔ ایک مجود معلم، ایک محنتی محاسب رکھ لیا جائے؛ تاکہ آپ کی نگرانی کی انتظامی سرگرمیوں کی وجہ سے تعلیم کا حرج نہ ہو، ایک ایک پائی کا حساب شفاف رہے۔

۶۔ شریعت وحکومت کے قوانین واحکام کی کبھی خلاف ورزی نہ کریں۔

۷۔ اتنا بڑا بیڑا آپ نے اٹھایا ہے اس کام کے اصول وضوابط، اکابر کا مزاج ومنہاج پڑھ لیں، محض اخلاص علم کے بغیر کافی نہیں، اصل تو صحبت ہے، ملفوظات واقتباسات

اس کا کچھ بدل بن سکتے ہیں، جہالت کا عذر کسی عدالت میں قابل قبول نہیں ہوتا، جتنا اخلاص ہوگا، اتنا خانہ پری کے بجائے کام کو بہتر سے بہتر انجام دینے سنوارنے کی فکر ہوگی: وَأَحۡسِنُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلۡمُحۡسِنِينَ۔

اولین وقابل ترجیح کام قیام مکاتب

ملکی، صوبائی زیادہ سے زیادہ سطح پر عالمیت اور دورۂ حدیث کے مدارس کی ضرورت رہتی ہے، دینی تعلیم کی طرف توجہ مکاتب قرآنیہ سے ہی ہوتی ہے، جہاں مکاتب قرآنیہ مستحکم ہوجاتے ہیں، وہاں مدارس کو طلبہ فراہم بھی ہوتے ہیں، امتِ مسلمہ کی نسل کا بڑا حصہ مدارس میں نہیں آتا ہے، ارتداد وضلالت سے ان کی حفاظت صرف مکاتبِ قرآنیہ ہی کرسکتے ہیں، مکاتب کا خرچ نسبۃً تھوڑا، لیکن نفع بہت نقد ہوتا ہے، مکاتب کے ذریعہ طلبہ مدارس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، قوم بھی مدارس کے تعاون کی طرف راغب ہوتی ہے، اساتذۂ مدارس کنواں بننے کے بجائے بادل بن کر حسبِ سہولت حسبِ مشورہ ضرور اطراف واکناف کے دیہاتوں میں بعد فجر بعد عصر، ہفتہ میں کچھ دن مکتب چلائیں، جمعہ پڑھائیں، دینی باتیں بتائیں، عالمیت کا نظام، دورہ حدیث اور بڑی تعمیرات کے غم میں مکاتب سے ہماری نگاہیں اوجھل ہوتی جارہی ہیں، عوام الناس کے سامنے تقاضے جس اہمیت سے پیش کئے جائیں وہ اسی طرح اسے پورا کرتے ہیں، اپنے فارغ مقامی طلبہ کی ان مکاتب میں کھپت کی جاسکتی ہے، کم ازکم قریبی گاؤں کے نکاحوں، جنازوں میں شرکت، خاندانی تنازعات وہاں کے اماموں ومؤذنوں کی تربیت کی جاسکتی ہے، ان کی جزوی تنخواہ مکاتب کے نام دے کر قرآنی مکاتب کی طرف متوجہ کیا جاسکتا ہے۔

علاقہ کے لوگوں کو صرف غلہ وصولی، چندہ وصولی، سالانہ جلسے کے موقعہ میں یاد کرنا ان کی حق تلفی ہے، ان کو حقیقی نفع پہنچانے سے محروم کرنا ہے، میڈیا ودشمنان اسلام کے الزامات وبدگمانیوں کے پھیلانے میں مدد کرنا ہے، دوریاں، غلط فہمیاں بڑھائی ہیں، کام سو سال آگے ہو، شہرت ونام سو سال پیچھے ہو، مدارس کی خوش نما فلک بوس عمارتیں دشمنانِ اسلام کو زیادہ

کھٹکتی ہیں جب کہ مکاتب گُھن کے کیڑے کی طرح اندر سے باطل اسکیموں کو کھوکھلا کر دیتے ہیں، مدارس میں زیر تعلیم طلبہ کو پڑھانا ماہرین شریعت، ترجمانِ اہل سنت تیار کرنے کے لئے ہے، جب کہ مکاتب اہل دیہات کے ایمان واسلامی تشخص کی حفاظت کرتے ہیں، ریوڑ سے دور رہنے والی بکری ضرور بھیڑیا کا لقمہ بن جاتی ہے، غیروں کے تہوار میں شرکت، قادیانی، عیسائی بن جانا آئے دن ہر جگہ کا عام سا واقعہ بن چکا ہے، اہلِ مدارس سے عاجزانہ التجا ہے کہ مکاتب سے بے پرواہ نہ ہوں؛ بلکہ اسے بھی ایک ترجیحی کام شمار فرمائیں۔

ترکی میں دینی مدارس کے لئے جدوجہد

ترکی میں ستر سالہ طویل جابرانہ نظام ۔۔۔جس کے سنگدلانہ جبر وقہر پڑوس میں موجود یورپ کے انسانی حقوق پرست اور دنیا بھر میں موجود ٹرائی این جی اوز مکمل طور پر خاموش رہیں، اس کے دوران وہاں اسلام پسندوں پر کیا گذری؟ اور انہوں نے اپنے دین ومذہب سے چمٹے رہنے اور رفتہ رفتہ قومی وملی دھارے میں واپس آنے میں کامیابی حاصل کی، اس کے لئے حضرت شیخ محمود آفندی حفظہ اللہ جو اس وقت روئے زمین پر خواجہ خواجگان حضرت خواجہ خان محمد صاحب قدس سرہ کے بعد دو ہی ہستیاں جو سلسلہ نقشبندیہ کے امام ہیں، ایک ہمارے پیر ذوالفقار نقشبندی، دوسرے حضرت شیخ آفندی، جو ترکی کے شیخ مشہور بزرگ حضرت حیدر علی اَسخنوی کے خلیفہ ومجاز تھے، جو حضرت علی رضا البزار کے اجل خلفاء میں سے تھے، یہ سلسلہ آگے چل کر حضرت مولانا خالد نقشبندی جو دیار شام سے برصغیر آئے اور شیخ المشائخ حضرت مظہر جان جاناں رحمہ اللہ کے خلیفہ شاہ غلام (۱۱۰۶ھ۔۱۲۴۰ء) کی خدمت میں رہ کر اجازت وخلافت پانے کے بعد واپس جا کر اس سلسلے کی اشاعت میں مصروف ہو گئے، حضرت آفندی کے شیخ کا تعلق جارجیا اور شام کی طرف ترکی کے مشرقی علاقے سے تھے، آپ ان کے مشورے سے سرحدی علاقے سے اٹھ کر مرکزی شہر استنبول تشریف لائے، یہاں سلطان محمد فاتح سے منسوب علاقے ''فاتح'' میں اسماعیل آغا نامی علاقہ شہر کے پاش علاقوں میں شمار ہوتا تھا، اس میں شیخ الاسلام حضرت اسماعیل آفندی کی مسجد

تھی، اس مسجد کے قریب ایک قدیم چرچ ''آیا صوفیہ'' بھی تھا جو عیسائیوں کے یہاں عظیم حیثیت رکھتا تھا، عیسائیوں کے دومشہور فرقوں میں کیتھولک فرقے کا مرکزی مقام ''ویٹی کن سٹی'' روم میں واقع سینٹ پیٹر کا کلیسا ہے، ارتھوڈکس فرقے کے نزدیک یہی مقام اسی چرچ کو حاصل تھا، حضرت جب اس محلے میں پہنچے تو دو چیلنج ان کو درپیش تھے، ایک تو یہ کہ آرتھوڈکس فرقے کے عیسائی حضرات اس چرچ کے گرد واقع تمام عمارات کوخرید کر ویٹی کن سٹی کے متوازی عیسائی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے، دوسرا یہ کہ جو مسجد اس علاقے میں واقع تھی، یہ گیارہویں صدی میں تعمیر کی گئی ایک تاریخی مسجد تھی اس کے اندرونی ہال کو عین خانہ کعبہ کی اندرونی پیمائش کے مطابق بنایا گیا تھا، اور یہ اپنے وقت کے شیخ الاسلام کی مسجد تھی، لیکن سیکولرزم کی تباہ کاریاں دیکھئے کہ آپ کو یہاں کام کرتے ہوئے ۱۸ سال ہوگئے تھے، کوئی نمازی مسجد میں نہ آتا تھا، گویا دوسرا چیلنج آپ کو اندرونی طور پر درپیش تھا غیروں کی دست وبرد سے اپنی میراث کو بچانے کے ساتھ ساتھ اپنے مسلمان بھائیوں کو کس طرح متوجہ کیا جائے، خطرہ تھا کہ اسرائیل کی طرح استنبول (اسلام بول) دوسرا ''ویٹی کن سٹی'' نہ بن جائے۔

حضرت کے خلفاء کہتے ہیں کہ حضرت الشیخ نے اس مسجد میں ۳۰ سال امامت کے فرائض انجام دیئے، پہلے ۱۸ سال تک کوئی مسجد نہ آتا تھا، حضرت خود گھر گھر جاتے اور ساکنان محلہ سے کہتے کہ میں ہمہ وقت مسجد میں رہتا ہوں اگر کوئی کام پڑ جائے تو مجھے یاد رکھنا، خادم کو ہر مشکل میں اپنے ساتھ حاضر پاؤ گے، اٹھارہ سال کے بعد اللہ اللہ کر کے برف تڑخی، جمود پگھلا، شیخ کی توجہات اور دعائیں رنگ لائیں اور مسجد میں باجماعت نماز شروع ہوگئی، آج یہ عالم ہے کہ اس محلے میں کوئی گھر، ایسا نہیں جہاں سے داڑھی اور عمامہ کے مسنون حلیے میں مرد اور مکمل شرعی پردے میں خاتون آجا نہ رہے ہوں، حضرت نے اپنے مریدوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ کوئی بھی مکان، جائیداد بکنے لگے تو اسے خریدنے میں پہل کریں، مذکورہ چرچ کے قریب ایک مسجد تھی حضرت اس میں مثنوی کا درس دیتے تھے، رفتہ رفتہ یہ درس اتنا مقبول ہوا اس مسجد کا نام ''مثنوی خانہ'' پڑ گیا، آپ کے مسلمان بھائی مسجد سے ایسے

جڑے کہ اس کے ساتھ عظیم خانقاہ، مدرسہ اور فلاحی ادارہ تعمیر کر ڈالا جو آج ملک بھر میں احیائے اسلام یا رجوع اسلام کی علامت سمجھا جاتا ہے، عیسائی حضرات قریب کی جگہیں کیا خریدتے، تالا لگے، چرچ کو بیچنے تک کی باتیں کرنے لگے، اگرچہ اس جدوجہد میں حضرت کے دو اجلہ خلفاء شہید ہو گئے۔

حضرت شیخ محمود آفندی کی نگاہ مدرسہ کے قیام پر تھی جو پہلے نشانہ سے کہیں زیادہ مشکل تھا، مسجد میں صف بھر نمازی تو آ ہی گئے تھے، لیکن ایک سیکولر قانون والے ملک میں دینی تعلیم گاہ کی بنیاد رکھنا یا دینی تعلیم کا آغاز کرنا بہت مشکل تھا، بالخصوص جب کہ ۱۹۲۴ء میں خلافت کے ادارے یا اصطلاح کو باقاعدہ اسمبلی میں منسوخ کروا دینے کے بعد ۱۹۲۶ میں فقہ اسلامی بھی بحیثیت قانون عدالتوں سے ختم کر دی گئی تھی، پھر ترکی کا عربی و فارسی سے مشابہ رسم الخط تبدیل کر کے انگریزی جیسا بنانے اور بچوں کو سرکاری تعلیم لازما دلوانے کے قانون کی وجہ سے دینی تعلیم کا آغاز بھاری چٹان اٹھا کر ڈھلوان پر چڑھنے جیسا تھا، آخر اللہ اللہ کر کے ''موسی امجا'' ترکی زبان میں ''چچا'' کو کہتے ہیں، موصوف چونکہ پورے محلے میں معمر اور معزز تھے، اس لئے ہر چھوٹا یا بڑا ان کو ''امجا'' کہتا تھا، اس زیر زمین مکتب سے شروع ہونے والا سلسلہ آج ماشاء اللہ بڑے بڑے مدارس کی شکل میں ڈھل چکا ہے، زیر زمین سے بر سر زمین تک کے سفر کی داستان ایمان افروز بھی ہے اور سبق آموز بھی، ترکی میں ایک نورانی قاعدہ دیکھنے کا موقع ملا جو نقشبندی سلسلے کے ایک بڑے شیخ کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے، اس قاعدے کے بعد عربی شروع ہوتی تھی، جو طلبہ ''نصر ینصر'' کی گردان یاد کر لیتے، ان سے فرماتے: تم ''والی شہر'' سے افضل ہو، جو طالب علم ''حروف جر'' پڑھ لیتا، حضرت اس سے کہتے کہ تم اب جا کر کہیں پر یہی حروف جر پڑھاؤ، پھر تمہیں اگلا سبق دیں گے، وہ عرض کرتا: حضرت کیا پڑھاؤں اور کیسے پڑھاؤں؟ حضرت فرماتے: ''ہمارے ہاں علم اصل نہیں، عمل اور تبلیغ اصل ہے، تم انہیں تصوف پڑھاؤ اور تربیت کرو، یہ علم نہ عوام کو آتا ہے نہ علماء کو، جتنا تصوف سیکھ لیا ہے اسے قلیل علم کے ساتھ جوڑ کر پڑھاؤ گے تو مرجع خلائق بن جاؤ گے، آج

ترکی کے دینی تعلیمی نظام میں حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات با قاعدہ سبقا پڑھائے جاتے ہیں، تمام اساتذہ طلبہ بالالتزام ذاکر و شاغل ہوتے ہیں، اس کی برکات یہ ہے کہ علم کم ہے، لیکن اس کی افادیت وقبولیت ماشاء اللہ توقعات سے زیادہ ہے۔

پولیس خفیہ چھاپے مارتے تھے کہ بچہ اسکول جارہا یا نہیں، اس لئے حضرت کی تاکید تھی کہ جو بچہ ہمارے پاس شام کو پڑھے وہ فی الحال اسکول کا ناغہ نہ کرے، دوسرے انہوں نے کم وقت میں آسان اور زیادہ مقدار میں تعلیم دینے کے لئے دینی تعلیم کو آسان بنانے کے لئے جہاں تک ممکن ہو، دینی شعائر وارکان کو اشارے کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی، اس غرض کے لئے دینی مفاہیم کو اشارہ پر ڈھالنے کے لئے خصوصی محنت کی گئی، صرف ونحو کی گردان کے لئے انہوں نے انگلیوں پر پڑھنے کا ایک خاص طریقہ بتایا اور ماضی کی گردان پڑھ کر سنائی (یہ بات ابولبابہ شاہ صاحب کو حضرت کے ایک شاگرد نے بتائی)۔

اتنا ہی نہیں علماء کرام کی حیرت انگیز قربانیاں، اپنے مقصد سے لگن کی روشن مثالیں ہیں، جو حضرات دیہات میں بچوں کو پڑھاتے تھے، وہ کاشت کاری کا لباس پہنتے اور کتابوں کے ساتھ کھیتی باڑی کے آلات تیار رکھتے، گاؤں سے باہر اونچی جگہ یا درخت پر دو بچوں کو بٹھا دیا جیسے ہی فوجی جیپ آتی نظر آتی تمام طلباء کتابیں چھوڑ کر کھیت میں پہنچ جاتے، اور دل جمعی سے قومی زرعی پیداوار کے اضافے میں جٹ جاتے، شہر کے اساتذہ نے عجیب ہی طریقہ اختیار کیا ہوا تھا، ترکی میں یورپ کی طرح ریل کا سفر سستا اور آرام دہ ہے، یہ حضرات سستی قیمت پر مستقل نشستیں لے لیتے، صبح صبح شاگردوں سمیت ریل گاڑی کا ایک ڈبہ مخصوص کر کے سفر شروع کر دیتے، سفر جاری رہتا اور زمینی سفر کے ساتھ علمی سفر چلتا رہتا، آخری منزل پر اترنے کے بعد لوگ کچھ دیر ستانے اور پھر استاذ اور شاگردوں پر مشتمل "مسافروں کی یہ جماعت" واپسی والی ریل پر سوار ہو جاتی اور وقفے کے بعد اسباق مکمل کرتے ہوئے شام کو بخیریت گھر پہنچ جاتے، اس دور بہت میں بھی سارے طلبہ ایسے ہیں جنہوں نے اس طرح تعلیم حاصل کی ہے۔(۱)

(۱) ترک ناداں سے ترک دانا تک: ۱۱۔۲۰، مفتی ابولبابہ شاہ منصور

بخاری وسمرقند میں دینی مدارس اور علماء کی جدوجہد

بخاری وسمرقند شروع ہی سے علمی مراکز رہے ہیں، یہاں پر ہر طرف دینی ماحول تھا، لوگ علماء کی قدر کرتے تھے، روس ک: یہودیوں نے چاہا کہ اسلام کے ان مراکز کو تباہ کیا جائے اس کے لئے انہوں نے بڑی گہری سازش کی، کچھ ذہین نوجوانوں کو چن کر وہاں کے دینی مدارس میں داخل کروایا گیا، یہ دینی علم حاصل کرکے اپنے گھر جاتے تو ان کے ذہن سے ہر چیز صاف کردی جاتی اور ان کو بتلایا جاتا کہ انہیں ایک خاص مقصد کے لئے پڑھایا جارہا ہے، جب یہ ذہین وفطین لڑکے نہایت ممتاز انداز میں فارغ ہوگئے تو انہیں کو وہاں کا مفتی بنایا گیا، آہستہ آہستہ انہوں نے ایسے فتوے دیئے جو لوگوں کے اختلاف کا سبب بنے، مسلمانوں کے دو دھڑ ہوگئے، پھر مسلمانوں کو صنعتوں، حرفتوں سائنسی ترقی کا سبز باغ دکھا کر ان کو اپنے دام فریب میں لے لیا، اس کے بعد علماء پر سختی شروع کردی، کمیونسٹوں کے انقلاب آنے کے بعد سب سے پہلے علماء کو نشانہ بنایا گیا، چن چن کر قتل کردیا، پھانسی پر لٹکایا گیا، علماء کا اتنا قتل عام ہوا کہ ان کے لاشوں کا انبار لگا کر کرینوں کے ذریعے اس پر مٹی ڈال دی گئی، وہ اجتماعی قبریں آج بھی موجود ہیں، بعض علماء کو جہاز میں لے جاکر سائبریا کے برفانی سمندر میں چھوڑ دیا گیا، جس میں اکثر سردی سے ٹھٹھر کر مر گئے، ان میں بعض سائبریا کے برف سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ بعض اوقات علماء کو اکٹھا کرکے دو ٹرینوں میں بٹھایا جاتا اور دونوں کو مختلف اسٹیشنوں سے چلایا جاتا اور پھر ویرانے میں ٹکرایا جاتا، اکثر مرجاتے یا معذور ہوجاتے۔ علماء کو اپنے زعم میں ختم کرنے کے بعد انہوں اسلام کو لوگوں کی زندگیوں سے ختم کرنا چاہا، اس لئے انہوں نے نہ صرف قرآن اور اس کی تعلیم پر پابندی لگائی؛ بلکہ قانون بنایا کہ عربی اردو رسم الخط میں لکھی ہوئی کوئی عبارت یا کتاب کا صفحہ کسی گھر سے نکل آیا تو اس گھر کے سب لوگوں کو پھانسی دے دی جائے گی، لوگ اپنی جان کے خوف سے دینی تعلیم سے بھی محروم ہوگئے، ازبک اور تاجک زبان کے حروف ابجد عربی سے ملتے تھے، انہوں نے ان کو بھی بدل ڈالا، اور روسی زبان کو مسلط کردیا تاکہ ان کی آنے والی نسلیں دینی علم سے محروم ہوجائیں۔

عورتوں کو سر پر کپڑا لینے سے روکا جاتا، اسکول کالج جانے والی بچیاں اگر سر پر کوئی کپڑا لیتیں تو پولیس والے ان کو بازار میں کھڑا کرتے اور سر سے کپڑا اتار لیتے، پھر انکے لمبے بال دیکھتے تو قینچی سے کاٹ دیتے۔ شراب اور موسیقی کو ہر گھر میں لازم کیا گیا، تاکہ شرم وحیاء لوگوں سے ختم ہو جائے۔

کمیونسٹ لوگوں کی حکومت عوام کے جسموں پر تھی، عوام کے دلوں پر نہیں تھی جو لوگ دل میں ایمان کا نور رکھتے تھے، انہوں نے اپنے ایمان کو مخفی رکھا، "وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ" (اس کا دل ایمان پر مطمئن رہا) والا درجہ پایا، روسیوں نے ان کا سراغ لگانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی بعض پکڑے گئے اور بعض تک ان کی رسائی نہ ہو سکی، مثلاً وہاں کے مفتی صاحب کہتے ہیں: میرے والد صاحب بہت بڑے عالم تھے، انقلاب آتے ہی انہوں نے اپنی وضع وقطع ایسی بنالی جیسے الف، بے بھی نہیں آتی، وہ سارا دن ٹریکٹر پر سوار ہو کر سرکاری زمین میں ہل چلاتے رہتے، ۱۶ سے اٹھارہ گھنٹے تک کام کرتے، حتی کہ سب لوگ انہیں ٹریکٹر کا عاشق سمجھتے، اور ان پڑھ دیہات سمجھتے، مگر ان کا حال یہ تھا کہ رات میں بارہ بجے جب کھیت سے فارغ ہو کر گھر آتے تو مجھے اس وقت بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔

میں چھوٹا بچہ تھا اس وقت میرے والد صاحب گھر میں میری والدہ سے فرماتے کہ چائے بناؤ پھر مجھے دسترخوان پر بٹھاتے اور اتنی دیر میں کمرے میں چھپ کر نماز پڑھ لیتے، کبھی کبھی باہر پولیس والے آتے اور مجھے مٹھائی دیتے اور پوچھتے کہ تیرا باپ گھر میں نماز پڑھتا ہے؟ میں کہتا نہیں، اس لئے کہ میں تو چائے کے دسترخوان سے اٹھ کر چلا جاتا، بعض بچوں سے پولیس والے پوچھتے کہ بتاؤ تمہارے والد نے تمہیں کوئی عربی فقرہ یاد کروایا ہے، یا نہیں؟ اگر وہ ہاں کر دیتا تو اس کے باپ کو پھانسی دے دیتے، اگر کسی بچے کو "بسم اللہ" کا لفظ یاد ہوتا تو اس کے والد کو جیل بھیج دیا جاتا، جو بچے اسکول جاتے ان کے استاذوں کی ذمہ داری ہوتی کہ اگر کسی بچے کو عربی الفاظ آتے ہو تو KGB کو رپورٹ کریں۔

علماء اس قدر زیر زمین رہ کر کام کرتے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو سکتی تھی،

مختلف مکانات میں اور حجروں میں خفیہ تعلیم دینے کا سلسلہ چلتا رہتا۔

ہم بعض اوقات ایک بڑا ہال بناتے اور اس میں ضروریات کی ہر چیز مہیا کرتے، پھر اس کے گرد دوسرے کمرے بناتے اور ہال کمرے کو اتنا ساؤنڈ پروف بناتے کہ آواز باہر نہ جاسکتی، ایک کمرے سے اس ہال کمرے کا دروازہ ہوتا، استاذ اپنے بچوں کو لے کر ہال میں داخل ہوجاتا تو ہم اس کے دروازے کو لکڑی اور کیلوں کے ذریعے بند کردیتے، آگے الماریاں رکھ دیتے، پھر اس کمرے میں شراب کی بوتلیں اور چند ننگی تصویریں رکھ دیتے، پولیس والے جب گھر کی تلاشی لیتے تو شراب والے کمرے کو دیکھ کر سمجھتے یہ کیمونسٹ لوگ ہیں ان کا دین سے کیا واسطہ، وہ خوش ہوکر چلے جاتے، انہیں کیا پتہ کہ جہاں وہ کھڑے ہوتے تھے وہاں سے چند میٹر پر بچے اپنی معصوم زبانوں سے اللہ کا قرآن پڑھ رہے تھے، ہم استاذ اور بچوں کو بعض اوقات چھ مہینوں کے بعد باہر نکالتے، بعض بچے اندر جاتے وقت قرآن کا لفظ نہیں جانتے تھے لیکن جب باہر نکلتے تو قرآن پڑھنا سیکھ چکے ہوتے تھے، مسلمان عورتوں کی بڑی قربانیاں ہوتی کہ وہ اپنے بیٹے کو جب ہال میں بھیج دیتیں تو خود گھر کے صحن میں ہوتیں؛ مگر ۶ مہینے تک اپنے بچے کی شکل دیکھ نہیں سکتی، ہمارے لوگ عقل مند ہوتے تو دین سے خالی ہوجاتے؛ مگر یہ لوگ تو دیوانے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کا دین سلامت رکھا۔(۱)

نظم ونسق، ضرورت واہمیت

نظم ونسق نہایت ضروری ہے، تنظیم وترتیب سے کام بہت جلد اور بہترین طریقے سے انجام پاتے ہیں، اسی لئے اسی تنظیم وترتیب کو قرآن کریم میں جگہ جگہ بتایا گیا ہے کہ تنظیم وسلیقہ سے کام کیا جائے۔

۱۔ قرآن کریم میں ارشاد باری عز وجل ہے "أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ"(۲) ہم نے ان کے واسطے لوہے کو (مثل موم کے) نرم کردیا، (اور یہ حکم

(۱) لاہور تا خاکِ بخارا وسمرقند: ۷۳۔۸۰، حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی، مکتبہ علمیہ محلہ مبارک شاہ اردو بازار، سہارنپور، یوپی، انڈیا۔ (۲) سورۃ السبا:۱۱

دیا) کہ تم (اس لوہے سے اچھی) پوری زرہیں بناؤ اور (کڑیوں کے) جوڑنے میں (مناسب) اندازہ کا (خیال) رکھو۔

یعنی ہم نے لوہے کو ان کے لئے موم کی طرح نرم بنا دیا تھا کہ اس سے کوئی چیز بنانے میں نہ ان کو آگ کی ضرورت پڑتی تھی اور نہ کسی ہتھوڑے یا دوسرے آلات کی، پھر "قدّر فی السرد" یہ بھی اس صنعت سکھانے کی تکمیل ہے، لفظ "قدّر تقدیر" سے مشتق ہے، جس کے معنی ایک اندازے پر بنانے کے ہیں، اور "سرد" کے لفظی معنی بننے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ زرہ کے بنانے میں اس کڑیوں کو متوازن اور متناسب بنائیں، کوئی چھوٹی بڑی نہ ہو؛ تاکہ وہ مضبوط بھی بنے اور دیکھنے میں بھی بھلی معلوم ہو، اس سے پتہ چلا کہ صنعت میں ظاہری خوشنمائی کی رعایت بھی پسندیدہ چیز ہے کہ اس کے لئے اللہ نے خاص ہدایت فرمائی۔(۱)

۲۔ "إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَاباً مَّوْقُوتاً" (۲) اس سے ہمیں نماز پڑھنے کی ہدایت کے ساتھ ساتھ نظم وضبط اور اوقات کی پابندی کی بھی تعلیم دی جارہی ہے۔

۳۔ احسن الخالقین اور ہادی مطلق نے بھی "وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا" (۳) سے بھی ہمیں یہی سبق مل رہا ہے کہ ہر کام میں صحیح طریقہ اور بہتر ڈھنگ اختیار کیا جائے، اور خلاف وضع کام کرنا پسندیدہ نہیں۔

۴۔ مزید ارشاد ہے: "وَالصَّافَّاتِ صَفّاً" (۴) قسم ہے ان کی جو صف باندھے کھڑے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو اپنی کسی بات کی تصدیق کے لئے قسم کھانے کی حاجت نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مختلف چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ چیزوں کی عظمت واہمیت کو بیان کرتی ہیں۔

اور "وَالصَّافَّاتِ صَفّاً" کی تفسیر میں مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں:

---

(۱) معارف القرآن:۶/۲۶۱ (۱) سورۃ النساء:۱۰۳

(۲) سورۃ البقرۃ:۱۸۹ (۳) سورۃ الصافات:۱

''اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر کام میں نظم وضبط اور ترتیب وسلیقہ کا لحاظ رکھنا دین میں مطلوب اور اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہو یا اس کے احکام کی تعمیل، یہ دونوں مقصد اس طرح بھی حاصل ہوسکتے تھے کہ فرشتے صف باندھنے کے بجائے ایک غیر منظم بھیڑ کی شکل میں جمع ہوجایا کریں، لیکن اس بدنظمی کے بجائے انہیں صف بندی کی توفیق دی گئی اور اس آیت میں ان کے اچھے اوصاف میں سب سے پہلے اسی وصف کو ذکر کر کے بتادیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا بہت پسند ہے''۔(۱)

اس آیت سے بھی پتہ چلا کہ ہر کام میں تنظیم وترتیب مقصود ومطلوب ہے، کسی اجتماعی کام کے وقت لوگوں کا ایک غیر منظم بھیڑ کی شکل میں جمع ہونا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے؛ بلکہ ایسے موقع پر صف اور قطار بنا کر نظم وضبط کا مظاہرہ کیا جانا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اس لئے نماز میں بھی صف بندی کی بڑی تاکید کی گئی ہے، اور جہاد کے وقت بھی صف بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔

۵۔ ''وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ'' ''أَكْوَاب'' ''كوب'' کی جمع ہے، پانی پینے کے برتن کو کہا جاتا ہے جیسے آبخورے، گلاس وغیرہ اس کی صفت میں لفظ موضوعہ یعنی اپنی مقررہ جگہ پر پانی کے قریب رکھے ہوئے ہوں گے، یہ فرما کر آدابِ معاشرت کے ایک اہم باب کی تلقین فرمائی کہ پانی پینے کے برتن پانی کے مقررہ جگہ پر رکھے رہنے چاہئے، وہاں سے ادھر ادھر ہوجائیں اور پانی پینے کے وقت تلاش کرنا پڑے یہ ایذاء اور تکلیف کی چیز ہے، اس لئے ہر شخص کو اس کا اہتمام چاہئے کہ ایسی استعمال کی چیزیں جو سب گھر والوں کے کام میں آتی ہیں، جیسے لوٹے، گلاس، تولیہ وغیرہ ان کی جگہ مقرر رہنی چاہئے، اور استعمال کرنے کے بعد اس کو وہیں رکھنا چاہئے تاکہ

(۱) معارف القرآن: ۷/ ۴۱۸، دار المعارف، کراچی

دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے، یہ اشارہ لفظ "مَّوۡضُوعَةٌ" سے اس لئے نکلا کہ حق تعالیٰ نے اہلِ جنت کی راحت وآسائش کے لئے اس کے ذکر کا اہتمام فرمایا کہ ان کے پانی کے قریب رکھے ہوئے ملیں گے۔(۱)

معراج سے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کو لے کر آسمان دنیا پر پہنچے تو ارشاد ہوا "من ھذا" (کون ہے؟) سید الملائکہ نے جواب دیا، جبرائیل، پوچھا گیا: "ومن معک"؟ (آپ کے ساتھ کون ہے)؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا "محمدؐ" کہا گیا: "وقد أرسل إلیہ" (ان کو بلایا گیا ہے) حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا، جی ہاں۔

اس تمام مکالمے کے بعد دروازہ کھولا جاتا ہے، "مَرۡحَبًا بِهٖ فَنِعۡمَ الۡمَجِیۡءُ جَآءَ" کے عزت والے الفاظ بولے جاتے ہیں۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنا نام بتایا، اس پر محض اس بناء پر دروازہ کھولا نہیں گیا کہ وہ سید الملائکہ ہیں، کچھ پوچھنے کی حاجت نہیں؛ بلکہ مکالمہ "ومن معک؟ قال محمد، قیل: وقد أرسل اللہ إلیہ؟" قال: نعم، پورا ہونے کے بعد دروازہ کھولا گیا اور خیر مقدمی کلمات کہے گئے، کیا ٹھکانہ ہے نظام کی مضبوطی کا اور نظم وضبط اور ڈسپلن کا۔

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "أحب الأعمال إلی اللہ أدومھا وإن قل" (۲) یعنی اللہ تعالیٰ کو تمام اعمال میں سب سے زیادہ محبوب ایسا نیک عمل ہے جس کی پابندی کی جائے اور مواظبت اختیار کی جائے خواہ وہ عمل تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، یہ حدیث اگرچہ اصلا عبادات وطاعات سے متعلق ہے؛ لیکن خبر کے دوسرے کاموں کے نسبت سے بھی حاضری کی پابندی اور مواظبت کا درس ہمیں اس سے ملتا ہے۔

عصر حاضر میں الزام لگایا جاتا ہے کہ مدارس اور مولویوں کے ہاں نظم وضبط نہیں ہوتا،

(۱) معارف القرآن: ۶/ ۲۳۲ (۲) صحیح مسلم

براہِ کرم اپنے اپنے مدارس میں نظم وضبط کی اعلیٰ مثالیں قائم کر کے اس غلط پروپیگنڈہ کا عملاً رد فرمائیں۔

نظم وضبط کی ضرورت زندگی کے ہر شعبہ اور ہر مرحلہ میں ہے، متعلم، ومعلم اور جامعات اسلامیہ، مدارس عربیہ، چونکہ اسلام کے ترجمان ہیں؛ اس لئے اس نسبت سے ان کی ذمہ داریاں اضافی ہیں۔

مدارس میں نظم وضبط کے حوالہ سے درج ذیل عنوانات اہمیت رکھتے ہیں:

۱۔ امور داخلہ میں نظم وضبط۔
۲۔ مسجد میں نظم وضبط۔
۳۔ درسگاہ میں نظم وضبط۔
۴۔ مطعم ومطبخ میں نظم وضبط۔
۵۔ دارالاقامہ میں نظم وضبط۔
۶۔ دارالمطالعہ میں نظم وضبط۔
۷۔ محاسبی یعنی شعبہ حسابات میں نظم وضبط۔
۸۔ کھیل کے میدان میں نظم وضبط۔(۱)

اور مدرسہ چلانا دینی کام ہے، اس میں بھی نظم ونسق اور تنظیم وترتیب ہونی چاہئے۔

---

(۱) البلاغ، محرم الحرام ۱۴۳۹ھ، ۵۳

نظام اہتمام

اہتمام ونظامت مدرسہ بہت بڑی ذمہ داری ہے، ظاہر ہے "النَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ" ناظم ومہتمم کی صفات وافکار ہی ماتحت مدرسین وطلبہ میں منتقل ہوتی ہیں، اس کی فکر مندی، ودلچسپی ہر شعبہ کو ترقی وتنظیم کی طرف گامزن کردیتی ہے، اس کی بے فکری، مساہلت اور لاپرواہی پورے نظام کو کمزور کردیتی ہے، مقدار خواندگی پوری ہورہی ہے، یا نہیں؟ تنخواہیں بروقت کیسے ادا ہوجائے، ملازمین کی کارکردگی کیسی رہی ہے؟ اکابر علماء کی مہینہ میں ایک مرتبہ کم از کم حاضری یقینی بنائی جائے؟ طلبہ، اساتذہ اور ملازمین کی شکایتیں سنی جائیں، زمینی حقائق کا مکمل علم ہو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے اپنے خطبے میں فرمایا: "إِنِّیْ وُلِّيْتُ عَلَيْكُمْ وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ" میں تم پر امیر بنایا گیا ہوں لیکن تم میں کا بہتر نہیں ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے احساسِ ذمہ داری کے عجیب واقعات ہیں فرماتے ہیں: اگر فرات کے کنارے کوئی کتا پیاسا مرجائے تو اللہ کے یہاں عمر کی بازپرس ہوگی، فرماتے ہیں: اے اللہ! میں بوڑھا ہوگیا، رعایا پھیل گئی، مجھے دنیا سے اٹھا لیجئے، اس لئے وہ لوگ رات میں گشت لگاتے تھے، رعایا کی ضروریات کا خیال فرماتے، اپنے اپنے زمانے کے اعتبار سے ان کی سادگی، ذاتی واجتماعی زندگی میں احتیاط، تنہائیوں میں اللہ سے معاملہ بنانا چاہئے، عملہ کی قدردانی کے بغیر تعلیمی استحکام نہیں ہوتا، دھوکہ کھائے بھی نہیں، دھوکہ دے بھی نہیں، اصول کی تنفیذ ترغیب واخلاق کے ساتھ ہوتی رہے۔

اپنے عملہ کے ساتھ نوکروں کی طرح نہیں ، وارثین انبیاء ، خدام دین کی ساری عظمتوں کو مستحضر رکھتے ہوئے کریں خود کو اپنے مرشد و اصول صحیحہ کا پابند بنائے ، اپنے ماتحتوں کی اصلاح و تنقید کو فراخ دلی کے ساتھ قبول کرے ، بھری محفلوں میں ٹوکنے کے بجائے تنہائیوں میں خوبیوں کے اعتراف کے ساتھ نصیحت کرے ، ہم مزاج ، موافق طبیعت اور فرشتہ صفت نہ بیوی ہوتی ہے ، نہ اولاد ، نہ ہم ہیں نہ ہمارا عملہ ، یہ ناممکن کی تلاش ہے ، کام کرتے کراتے عملہ تیار ہوتا ہے ، کہیں آسمان سے یا کسی کمپنی سے منجھا ہوا سلجھا ہوا اسٹاف نہیں ملا کرتا ، موجود کی قدر کر کے ہی مطلوب تک پہنچا جا سکتا ہے ، ہر آدمی اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق ہی کام کرتا ہے ، اجتماعی مفاد کے لئے ذاتی رائے ، اپنا خاص مزاج ، شخصی اختلاف سے صرف نظر کر لے ، پیر میں کانٹا لگ جائے تو سر پریشان ہو کر جھکتا ہے ، دیکھتا ہے ، ہاتھ بڑھ کر ، اس تکلیف دہ چیز کو نکالتا ہے ، اسی طرح ناظم کا اپنے ادنی خادم مدرسہ سے تعلق ہو ، کسی استاذ یا ملازم کو نکالنے میں تفصیلی مشورہ ، طویل تدبر ، بار بار اصلاح کی کوشش کر لے ، علاحدہ کرنے میں بھی "تَسۡرِيحٌۢ بِإِحۡسَانٍ" دلجوئی ، ایمانی و انسانی اقدار کی رعایت ، نیز قدیم رفاقت کا لحاظ کیا جائے ، نبوت مظلوم رہتی ہے ، ظالم نہیں ، حکومت کفر سے چل سکتی ہے ، ظلم سے نہیں ، ہمیشہ کسی ایک کام ، یا شعبہ کے عملے کو ردو بدل کرتے رہیں گے تو آگے کب بڑھیں گے ۔ تجربہ کار و فادار ملازم کو کھو دینا عقلمندی نہیں ہو سکتی ، ان کی غلطیوں اور خامیوں کے وقت ان کی خوبیوں کو یاد کر لینے سے تسلی ہوتی ہے ، آنے والے جانے والوں سے (حدیث شریف کے مطابق) زیادہ بہتر نہیں ہوں گے ، نئے سو فیصد ہم مزاج ہوں گے ، اس کی پیشن گوئی کون کر سکتا ہے ، صاحب فن میں استغناء ہوتا ہی ہے ، کہنہ مشق مدرس کو کھو دینا نظام تعلیم کو نقصان پہنچانا ہے ، رجال کار تیار ہونے میں اور ایک دوسرے کا مزاج سمجھنے میں کتنا وقت لگ جاتا ہے ، نئے عملہ کا تجربہ کرنے میں وقت گذرتا گیا تو آخر نظام تعلیم میں بہتری اور نت نئے تجربہ کا کام کب کیا جائے ، حلم و وسعت نظری کے بغیر قیادت نہیں ملتی ، اہل دل نظماء اکابر ہمیشہ یہ ہی سمجھتے تھے کہ ہم طلبہ ، اساتذہ اور عملہ کے طفیل چل رہے ہیں ، نہ کہ وہ ہماری بدولت ، حضرت

ہردوئی فرماتے تھے: یہ طلبہ ہمارے لئے ذریعہ معاد بھی ہیں، ذریعۂ معاش بھی، قاری صدیق احمد باندوی رحمہ اللہ ایک مرتبہ بچوں کے ساتھ مل کر بنائی گئی دیوار بارش کی وجہ سے گرنے لگی تو دعا کر رہے تھے، اے اللہ! صدیق کے گناہوں کی وجہ سے بچوں کی محنت کو ضائع نہ فرمایئے، سیدالطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، مجھے آنے والوں کی جوتیوں کے طفیل اپنی مغفرت کی امید ہے جیسے ہم اہل دنیا سے کہتے ہیں، یہ مہمانِ رسول ہیں، اسی طرح کیا کبھی ہم نے خود اس نظر سے انہیں دیکھا ہے، یا اس کا برتاؤ کیا ہے!!

نائب مہتمم اور جانشین مہتمم کی خدمت

اجتماعیت میں مجاہدہ اور برکت ہے، اجتماعیت کو باقی رکھنے کے لئے انفرادیت، خود رائی، اصرار کو چھوڑ کر ایثار، شورائی نظام کو جاری کرنا پڑتا ہے، مشورہ کو جتنی توسیع دی جائے، اتنی ہی بہترین رائے سامنے ظاہر ہوتی ہے، رائے لینے کے بعد کام لینے میں سہولت ہوتی ہے۔

ہمارے دینی کاموں میں اختلاف رائے حرام وحلال میں کم ہوتا ہے، انفع اور نافع، افضل اور غیر افضل کے انتخاب میں ہوتا ہے، مدمقابل کوئی یزید تو نہیں کہ حسینی عزم کی ضرورت ہو حسنی کردار سے بھی عہد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تمام فتوحات کا ثواب حاصل کیا جا سکتا ہے، جان و مال کی قربانیاں آسان ہوتی ہیں مگر رائے، جذبات، اور مزاجی رخ کی قربانی بہت کم کو نصیب ہوتی ہے، کامیاب قائد خود مشکل راستہ چل کر بتلاتا ہے، قافلہ کو لے کر چلنے والے کو کچھ دیر ٹھہرنا پڑتا ہے، تاکہ قافلہ کے تیز رفتار، کم رفتار، صحت مند و مریض ساتھ ہو جائے، ورنہ قافلہ بچھڑنے کے بعد امیر کس کا؟؟ اگر مقتدی نہ ہوں تو امام کیسے کہا جائے گا، عرصہ دراز لگ جاتا ہے، ماتحت قدیم عملہ کو اعتماد میں لینے کے لئے، صرف نسب سے مقام نہیں ملتا جب تک کہ خاندانی اوصاف وکمالات حاصل نہ ہو جائیں، فطری اصول ہے کہ انقلاب وتبدیلی بتدریج آتی ہے، جلد بازی ترقی میں رکاوٹ ہوتی ہے۔

صبر کا امتحان مخالف مزاجوں کے ساتھ کام کرنے میں ہوتا ہے، صرف حمایتوں کو جمع کرنا اجتماعیت نہیں ہے، حامی ومخالف کی پناہ گاہ بننے سے وحدت پیدا ہوتی ہے، بدگمانیوں،

افواہوں پر ہرگز اعتماد نہ کرلے، جرائم پیشہ لوگوں کے سارے کام زبانی طور ہونے کے باوجود شیطان ان کا ایک دوسرے سے حسن ظن رکھتا ہے؛ لیکن خدام دین میں لکھنے پڑھنے کے باوجود بدگمانی کے جراثیم جلدی پیدا کرتا ہے، اس لئے ہر ایک سے معاملہ براہِ راست رکھیں، اگر داخلی مسائل پر ہی صلاحیتیں صرف ہوں تو خارجی محاذ کے لئے توانائی کہاں باقی رہے گی، کام کرنے والوں کی قدر ہو کان بھرنے والوں کی نہیں، بقول مولانا عمر صاحب پالنپوری، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تقوی کے ساتھ قبول کی جائے گی، ذمہ داری کا احساس بڑی چیز ہے، مولانا الیاس صاحب علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ یہاں نظام الدین والے کی جان و مال الیاس کے گردن پر ہے، اگر ان کا میں نے صحیح استعمال نہیں کیا، حضرت ہردوئی فرمایا کرتے تھے: کوئی طالب سردی کی وجہ سے ٹھٹر کر اٹھ گیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ابرار الحق سے پوچھے گا، ہر ایک سے اس کی صلاحیت کے مطابق کام لینا کمال ہے، صلاحیت قوت برابر نہیں ہوا کرتی، جیسا کہ پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوا کرتی، بار بار اصول اور اسلاف کی زندگیوں کا مذاکرہ اس انداز میں ہوا کہ کسی پر طعن و تشنیع بھی نہ ہو، بے آبروئی بھی نہ ہو، جس بزرگ یا شخصیت سے مجمع سن سکتا ہے، بات لے سکتا ہے، انہیں سے سنایا جائے "وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا"، ماتحت عملہ کی شہرت و مقبولیت سے خوش ہو نہ کہ حسد کریں، استثنائی اوصاف والے سے استثنائی معاملہ کیا جائے۔

حضرت مصلح الامت شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ الہ آبادی فرماتے ہیں: حسن انتظام کے ساتھ حسن اخلاق بھی چاہئے، بنیادی طور پر اسلام نے ایمان اور فکر آخرت کے ماحول میں ہی سارے قانون ضوابط نافذ کئے ہیں، ضابطہ اور غیر رسمی رابطہ بھی چاہئے، اصول کے ڈھانچہ میں خلوص و محبت، باہمی اعتماد و احترام تعاون و تناصر کی روح پھونکتے رہیں۔

☆ مہتمم نیک صالح عالم باعمل اور بااختیار ہونا چاہئے؛ تاکہ ہر شعبہ کے ذمہ دار سے باز پرس کر سکے، اس کی ہدایات پر ہر شخص کو عمل کرنا ضروری ہو، اس کا حکم ہو، مشورہ نہ ہو۔

☆ مہتمم کی تحویل میں ایک رقم دینی چاہئے جس کو وہ اپنی صوابدید سے جہاں چاہے

صرف کر سکے، البتہ اس کا حساب محاسبی میں جمع کرتا رہے اور خرچ ہو جانے والی رقم کے بدلہ میں دوسری رقم خزانچی سے وصول کرلیا کرے۔(۱)

مہتمم کے لئے ضروری ہدایات

اس وقت دنیا میں لاکھوں ادارے قائم ہیں اور مزید اداروں کے قیام کی ضرورت ہے، اداروں کے قیام سے پہلے اپنے مختصر مقاصد طئے کر لئے جائیں۔

☆ بہت زیادہ کام اپنے سر پر نہ اوڑھ لیں۔

☆ دین کے کام میں معین و مددگار کے طور پر اپنے حقیقی بھائیوں کو شامل کریں جیسا کہ موسی علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنے کام میں دعا مانگ کر شریک کرلیا۔

☆ کام کے شروع میں کسی فرد کو اپنے ادارے کا ممبر نہ بنائیں۔

☆ ہر ادارہ و مدرسہ میں ایک مشورہ و شکایت کا صندوق ہو، جس کی کنجی سکریٹری کے پاس ہو۔

☆ اپنے ادارہ میں کم از کم افراد کو ممبر بنائے اور بہت سوچ کر استخارہ کے بعد بنائے۔

☆ ہم عصری اکثر انسان کو حسد میں مبتلا کرتی ہے، لہٰذا ہم عصروں کے شر سے بچنے کے لئے ہمیشہ ہم عصروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، انفرادی یا اجتماعی طور پر ان کی خوبیوں کی تعریف کریں، ان کے کاموں کا ساتھ دیں اور حتی الامکان ان کے اداروں کا تعاون کریں اور ذاتی طور پر ان کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کریں، نیز ان کو انعام و اکرام سے نوازیں۔

☆ ہمیشہ اپنے عزائم بلند رکھیں۔

☆ اپنے ادارہ کے لئے سخت جان توڑ محنت کریں۔

☆ ادارہ قائم ہونے سے پہلے عوام میں اپنی امانت و کفایت شعاری کا سکہ بٹھا دیں۔

☆ ادارہ قائم کرنے کے بعد کسی کے ساتھ کوئی دشمنی یا مخالفت نہ ہو۔

☆ اگر ادارہ قائم کرنے کے بعد اراکین ادارہ سے بہت تکلیف پہنچ رہی ہو اور ان سے

---

(۱) مدارس دینیہ کے لئے رہنما۔ ۲۰، مولانا ذوالفقار احمد صاحب، مکتبہ اندور

ادارہ کی ترقی میں رکاوٹ معلوم ہو رہی ہو تو اس ادارہ کو جوں کا توں رکھ کر اپنا ایک نیا ٹرسٹ قائم کریں، جس میں کم از کم افراد ہوں اور افراد کو سوچ سمجھ کر لیں۔

☆ ادارہ قائم کرنے کے بعد اور پہلے مختلف ادارہ چلانے والے احباب سے ملاقات کریں اور ان کے تجربات سے فائدہ اٹھائیں۔

☆ ادارہ کے ذمہ داروں کے لئے کھانے، پینے، لباس، سواری، مکان میں سادگی انتہائی ضروری ہے اور یہ صفات آدمی کے بڑے ہونے کی علامات ہیں اور ان صفات سے لوگ متاثر ہوتے ہیں۔

☆ کسی بھی کام کے لئے رقم طلب کرنا ہو تو کم سے کم رقم طلب کریں، تجربہ یہ ہے کہ رقم مانگنے سے رقم مل جاتی ہے، زیادہ رقم طلب کرنے سے کچھ نہیں ملتا۔

☆ اپنے اداروں کیساتھ تمام اداروں کی بھلائی دل میں ہو اور سب کے لئے دعائیں جاری ہو۔

☆ اپنے ادارہ کو کسی بزرگ و اہل اللہ کی سرپرستی میں دیں اور ان کو حالات سے مطلع کرتے رہیں اور مشورہ اور دعائیں لیتے رہیں۔

☆ ادارہ میں کام کے کرنے والے احباب آپس میں کسی قسم کے اختلاف کو جنم نہ دیں، ایک دوسرے کی اختلافِ رائے کو برداشت کریں اور ایک دوسرے کی غلطیوں کو درگزر کرتے ہوئے ایک دوسرے کو اچھے انداز میں تنبیہ کرتے رہیں۔

☆ ہمیشہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ اکرام کا معاملہ کریں، ان کو ڈانٹنا، تحقیر آمیز سلوک کرنا اور آقا جیسا سلوک کرنا درست نہیں؛ بلکہ دوست جیسا سلوک کریں؛ لیکن غلطیوں پر اکرام کے ساتھ تنبیہ کرتے رہنا ضروری ہے۔

☆ ادارہ میں ہر آمد کی رسید اور ہر خرچ کا حساب ہونا ضروری ہے۔

☆ ادارہ کے لئے بیرونی ممالک سے رقم منگانا ہو تو فیرا (IFERAI) حکومت سے حاصل کریں۔(۱)

---

(۱) مدرسہ تعلیم سے تعمیر تک، مولانا ایوب صاحب، ۱۰۶۔۱۰۸

ناظم مدرسہ کی ذمہ داریاں

۱- صبح اور شام تمام شعبوں کی نگرانی کریں اور حاضری رجسٹر دیکھیں۔

۲- تمام ملازمین کو کام دیں اور چل پھر کر کاموں کی نگرانی کریں۔

۳- تمام غیر تدریسی شعبوں کی نگرانی کریں اور کوتاہی پر تنبیہ کریں۔

۴- ماہانہ تعلیمی شعبوں کی سرسری جانچ لیں اور اس کا ریکارڈ رکھیں۔

۵- پندرہ دن پر غیر تدریسی شعبوں کی جانچ لیں اور اس کا ریکارڈ رکھیں۔

۶- مدرسہ کی تمام چابیاں سنبھالیں۔

۷- اہم امور میں مجلس شوریٰ سے مشورہ کریں۔

۸- ہر نماز کے بعد اساتذہ کی حاضری لیں اور اساتذہ کی غیر حاضری کاپی میں نوٹ کرلیں، مہینہ بھر میں پانچ سے زائد غیر حاضری ہے تو ماہانہ مشورہ میں رکھیں، نیز اساتذہ سے متعلق کوئی بات ہے، تو اس کو بیان کریں کوئی اہم مشورہ اساتذہ سے کرنا ہو تو اسی مجلس میں کریں۔

۹- ماہانہ، سہ ماہی مشورہ کے امور تیار کر کے رکھیں اور مشورہ کے دن نظم کی فکر کریں۔

۱۰- طلبہ و اساتذہ کو سخت ضرورت پر چھٹی دیں۔

۱۱- آنے والے مہمان یا سرپرست سے خندہ پیشانی سے پیش آئیں اور ان سے بات چیت کریں۔

۱۲- دن بھر میں تمام مدرسہ کی صفائی کی فکر کریں۔

۱۳- تمام درختوں کو پانی پلایا گیا یا نہیں اس کی فکر کریں۔

۱۴- شاخوں کی فکر کریں ، ماہانہ جانچ کے لئے ذمہ دار اساتذہ کو بھیجیں اور ان کی ضروریات و تقاضوں کو پورا کریں۔

۱۵- شاخوں کے اساتذہ کو نہج تعلیم سمجھائیں اور سکھائیں۔

۱۶- ہر بلڈنگ کے اطراف کچرے کے ڈبوں کا نظم کریں اسی طرح میدان میں جگہ جگہ پر۔

۱۷- فرار طلبہ کا علم رکھیں، فرار ہونے پر ان کے گھروں کو فون کر کے ذمہ دار کے ذریعہ اطلاع دیں اور ان کے آنے پر ان سے بات کریں اور معافی نامہ لکھ کر لیں، تنبیہ کے طور پر کچھ جرمانہ وصول کریں۔

۱۸- ضرورت کی چیزیں بازار لانے والے ذمہ دار کے ذریعہ منگوائیں۔

۱۹- اطراف گاؤں کے جمعہ وگشت کے تقاضے بستی والوں کے مشورے سے پورے کریں۔

۲۰- نکاح وجنازہ کے تقاضے پر بڑے پرانے طلبہ اور رائمہ طلبہ کو استعمال کریں۔

۲۱- تمام فارغین (علماء وحفاظ کرام) کا ریکارڈ رکھیں۔

۲۲- ذمہ دار اسناد کو اسناد کی فکر دلائیں۔

۲۳- ہر دو ماہ پر کسی بزرگ شخصیت کو بلانے کی فکر کریں۔

۲۴- ذمہ دار دستاویز کو دستاویزات کی ترمیم کروانے کی فکر دلائیں۔

۲۵- طلبہ کی ہر پندرہ دن یا ایک ماہ پر اصلاحی مجلس کروائیں اور اساتذہ کو بدل بدل کر ذمہ داری دیں۔

۲۶- روشنی کا انتظام کریں۔

۲۷- ادھورے کاموں کی فائل بار بار دیکھیں۔

۲۸- سالانہ جلسہ کی دو ماہ پہلے تیاری کروائیں۔

۲۹- تراویح کے دو ذمہ دار طئے کر کے اطراف کی بستیوں کے تقاضے پورے کریں۔

۳۰- بقرعید اور رمضان کے کاموں کی فہرست بنا کر رکھیں۔

۳۱- مدرسہ کی عمارتوں کے نقشے سنبھال کر رکھیں۔

۳۲- ہر عمارت کی ضروریات کی فکر کریں، مثلاً لائٹ، کڑی اور کنڈی وغیرہ۔

۳۳- طلبہ کی وضع قطع کی فکر کریں۔

۳۴- تقرر کاپی میں ہر نئے استاذ وملازم کا تقرر لکھ دیں۔(۱)

---

(۱) معین المدارس: ۱۸۰

اساتذہ کے ناظم کے ساتھ تعلقات

اساتذہ اور ناظم، مہتمم کا آپس میں وہی تعلق ہے جو ٹرین کا اس کے ڈبوں کے ساتھ میں ہوتا ہے، لہٰذا ناظم یا مہتمم اور اساتذہ کرام کی سرپرستی میں طلباء کو منزل مقصود تک لے کر جایا جاسکتا ہے۔

الف۔ مہتمم کا اساتذہ کے ساتھ رویہ

۱- ہر مہتمم کو چاہئے کہ وہ اساتذہ کے ساتھ محبت اور شفقت سے پیش آئے، اساتذہ کی تربیت کے لئے صبر وتحمل، محبت اور شفقت والا رویہ اختیار کریں، یہی سنت نبوی ہے، ہمارے پیارے آقا ﷺ غلطی کی اصلاح انتہائی پرشفقت انداز میں فرماتے تھے۔

۲- کسی بھی ادارے کے ناظم اور مہتمم صاحب کو چاہئے کہ وہ اساتذہ کرام کو اخلاص وللّٰہیت کی تعلیم دیتے رہے اور اسی کے ذریعے ان کے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا کرتے رہیں، کیوں کہ اگر اساتذہ کرام میں اخلاص اور خوفِ خدا ہوگا تو وہ طلباء وطالبات کی صحیح طرح سے تربیت کرسکیں گے، ورنہ مہتمم صاحب کے ڈر سے ہی کریں گے، اور اگر مہتمم صاحب مدرسہ یا اسکول میں موجود نہ ہوں تو اپنی من مرضی کریں گے۔

۳- ناظم، مہتمم کو چاہئے کہ اساتذہ کرام کی استعداد کے مطابق انہیں مضمون دے، جس سبق کو پڑھانے کی استاد میں استعداد نہیں وہ مضمون اس کے حوالے کردینا یہ طلباء پر ظلم ہے۔

۴- ہر مدرسہ اور ادارہ میں درس وتدریس کے علاوہ مختلف خدمات اساتذہ کرام کے ذمہ ہوتی ہیں، اس میں ناظم کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ کسی استاذ کو اس کی ہمت سے زیادہ امور کا مکلف (ذمہ دار) نہ بنائے، بعض اوقات دیکھا گیا کہ جو استاذ ماننے والا ہو سارے کام اسی کے ذمہ لگادیئے جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں یا تو وہ تمام امور بخوبی سرانجام نہیں دے پاتے یا استاذ بددل ہوکر چھوڑ دیتے ہیں، خدمات

میں اساتذہ کے اوقات اور ہمت کا خیال رکھنا چاہئے ؛ تاکہ تمام امور بخوبی انجام پاتے رہیں۔

۵- وقتاً فوقتاً اساتذہ کے لئے تربیتی پروگرامز کی تشکیل دیتے رہیں ؛ تاکہ ان کا ایمان ویقین بنتا رہے، اساتذہ کا ایمان ویقین بنتا رہے گا تو طلباء کے اندر بھی ایمان میں پختگی آئے گی، جس کے لئے حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی نے فرمایا: ’’ٹریننگ کرنے والوں کی ٹریننگ کردیں‘‘۔ اسکول کالجز میں دیکھا گیا کہ وہ ’’ٹریننگ کورسز‘‘ کرواتے ہیں، تربیتی کورسس کروانے سے اساتذہ میں آجانے والی غفلت اور سستی دور ہوجائے گی، اگر ٹریننگ نہیں کرواتے تو کم از کم تدریس سے متعلق اصلاحی وتربیتی بیانات ضرور ہوتے رہنا چاہئے۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ اس حوالہ سے فرماتے ہیں:

’’عرصہ دراز سے میری طبیعت میں ایک بات ہے وہ یہ کہ آج کل مدرس نہیں ملتے ، استعدادیں ناقص ہیں جس کی وجہ سے بہت سی پریشانی لاحق ہوتی ہے، جی چاہتا ہے کہ اسکا مستقل نظم کیا جائے اوراس طرح کہ جو طلبہ فارغ ہوں ان میں سے انتخاب کر کے مدرسہ میں رکھا جائے اور چھوٹے اسباق ان کے سپرد کئے جائیں، پڑھانے کے لئے اوران کے کھانے کا نظم مدرسہ سے کیا جائے، اساتذہ کی مانگ آتی رہتی ہے جس کو جہاں مناسب سمجھا جائے وہاں بھیج دیا جائے ، جس کو مناسب سمجھیں اپنے مدرسہ میں ہی مستقل مدرس بنادیں‘‘۔(۱)

۶- مہتمم یا ناظم کو چاہئے کہ وہ مدرسہ کے تمام اساتذہ کی ہفتہ یا پندرہ دن کے بعد ضرور میٹنگ رکھیں ؛ تاکہ ان کی کارکردگی سامنے آتی رہے، اگر کہیں سستی یا غفلت آرہی ہو تو اس کا مناسب حل تلاش کریں، یہ میٹنگ ہر ہفتہ یا کم از کم پندرہ روز میں ضرور ہونی

(۱) تربیت الطالبین:۲۷۵

چاہئے۔مشورہ سنت بھی ہے، باعث برکت بھی ہے،قرآن مجید میں اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔

۷- اساتذہ کرام کی مجبوریوں کا خیال رکھیں: منتظمین جامعہ کو چاہئے کہ وہ اساتذہ کرام کی ضروریات اور مجبوریوں کا لحاظ رکھیں، اگرکوئی استاذ مالی اعتبار سے کمزور ہو یا کسی مجبوری کی بناء پر کم وقت دے سکتا ہوتو اس کے ساتھ تعاون کریں اوراس کے ذاتی مسائل حل کرنے میں اس کی مدد کریں ؛ تاکہ وہ ذہنی طور پر پرسکون ہوکر درس وتدریس کا کام بخوبی انجام دے سکے۔

۸- اساتذہ کرام کی حوصلہ افزائی کریں: مہتمم جامعہ کو چاہئے کہ مخلص اور محنتی اساتذہ کی وقتا فوقتا حوصلہ افزائی کرتے رہیں، تاکہ ان میں مزید کام کا ذوق وشوق پیدا ہو اوردوسرے اساتذہ بھی ان کو دیکھ کرآگے بڑھیں، ہر وقت طعن وتشنیع کرنا اساتذہ کو بدظن کرتا ہے،اس لئے حوصلہ افزائی بھی تاکہ اساتذہ پررعب رہےاوروہ مہتمم یاناظم کے بارے میں اپنے دل میں عزت واحترام بھی رکھیں۔

۹- اساتذہ کرام کے شب وروز کا جائزہ لے: ناظم اورمہتمم مدرسہ کو چاہئے کہ اساتذہ کرام کے شب وروز کا جائز لیتے رہے؛ تاکہ مدرسہ کے ماحول میں بہتری آئے،اگر اساتذہ بگڑ جائیں توطلباء کا بگڑنا لازمی ہے،اگرکسی استاذ میں اخلاق کمزوری دیکھے تو اسے الگ بلاکرمحبت وپیار سے سمجھائے،اگر بار بار سمجھانے کے باوجود نہ سمجھے توانہیں بے عزت کرنے کے بجائے خاموشی سے مدرسہ سے خارج کردیں؛ تاکہ اس استاذ کی طلباء کے دلوں میں بے وقعتی نہ ہواورآپ کے مدرسہ کا ماحول بھی خراب نہ ہو، بلکہ استخارہ کے بعداس کااخراج کرے۔

بیش قیمت تنخواہیں

حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ اپنی کتاب ''اسلام کا اقتصادی نظام'' میں فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تنخواہیں ملازمین کی صلاحیت کے اعتبار سے دیا

کرتے تھے، (۱) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حسبِ ضرورت دینے لگے، خود حضرت ہردوئی علیہ الرحمہ کو اپنے ملازم کے یہاں بچے کے تولد ہونے کی اطلاع ہوتی تو 500/ روپیئے کا اضافہ کردیتے، مدرسہ اصل تو استاذ و طالب علم سے مکمل ہوجاتا ہے، شاندار، فلک بوس عمارتوں کے بغیر نظام مدرسہ چل سکتا ہے، لیکن اگر کھانا صحیح نہ ہو، تنخواہ وقت پر نہ دی جائے، واجبی ضروریات زندگی بھی مدرس کی پوری نہ ہو تو نظام تعلیم کبھی بہتر نہیں ہوسکتا، پڑھانے اور پڑھنے والوں کی علمی سطح بلند نہیں ہوسکتی، معاشی تنگی کا انسانی فطرت پر غیر معمولی اثر ہوا کرتا ہے، عام اہل دنیا کی طرح خوب سے خوب تر نہ بھی دیا جائے، ہوش ربا مہنگائی کا مکمل لحاظ نہ ہو، لیکن کبھی مکان کا کرایہ، غذائی اجناس (دودھ، تیل، چاول، ہفتہ میں ایک بار گوشت) بعض علاقوں میں گیاس وغیرہ کے لئے بھی تنخواہیں عام طور پر ناکافی ہوتی ہیں)۔

چہ جائے کہ بیماریاں، حالات، مریض والدین، بن بیاہ بہنیں، بے روزگار بھائی، کم عمر بھائیوں کے تعلیمی اخراجات وغیرہ کا انتظام ان آمدنیوں میں سوچا بھی نہیں جاسکتا، یہ حقیقت ہے کہ مدارس اور دینی اداروں کو باغیرت صلاحیت مند عملہ نہیں مل پارہا ہے، اور پڑھنے کے لئے اَشرافِ قوم کی اولاد نہیں متوجہ ہورہی ہے، اکابر متقدمین کے زہد وقناعت کے تمام واقعات مسلّم، اجورِ آخرت یقینی، لیکن ہمتیں پست ہوگئیں، طبیعتیں کمزور واقع ہوئی ہیں، زیادہ مجاہدات اور جفاکشی کے ہم متحمل نہیں ہے، یہ حال رکھ کر اساتذۂ مدارس پر زیادتی، قانونی شکنجہ کسنا، ناقدری، برسرِ محفل ذلیل کرنا اسلامی مزاج اور انسانیت کے بھی خلاف ہے۔

حضرت علامہ شبلی نعمانی نے اپنی مایہ ناز فخر زمانہ تصنیف الفاروق کے حصہ دوم میں خلیفہ ثانی کے طرز جہاں بانی اور جہاں داری کی تفصیلات رقم کرتے ہوئے تنخواہ کے باب میں صراحت کی ہے کہ حضرت الفاروق اپنے گورنروں کو بھاری تنخواہ پر مقرر کرتے تھے، اور اگر کوئی عامل حق الخدمت لینے سے منع کرتا تو آپ بہ اصرار دلواتے اور لینے پر مجبور کرتے۔ اسی سلسلے میں لکھتے ہیں:

(۱) اسلام کا اقتصادی نظام: ۲۸۷

''ایک موقع پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جو مشہور صحابی اور سپہ سالار تھے حق الخدمت لینے سے انکار کیا تو حضرت عمر نے بڑی مشکل سے ان کو راضی کیا''(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر بیش اور زیادہ تنخواہ مقرر کرنے کی حکمت کیا تھی؟ خود مصنف کتاب کی تبصراتی اور تجزیاتی تحریر ملاحظہ کریں، لکھتے ہیں: "عمال کی دیانت داری اور راست بازی کے قائم رکھنے کیلئے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا۔ کہ تنخواہیں بیش مقرر کی تھیں، یورپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد اصول سیکھا ہے۔ اور ایشیائی سلطنتیں تو اب تک اس راز کو نہیں سمجھیں، جس کی وجہ سے رشوت اور غبن ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہو گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اگرچہ معاشرت نہایت ارزاں اور روپیہ گراں تھا۔ تاہم تنخواہیں علی قدر مراتب عموما بیش قرار تھیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی۔ اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار ماہوار یعنی پانچ ہزار روپے تھی" (۲)

یہ ریکارڈ تاریخ نے ان لوگوں کے بارے میں محفوظ کیا ہے کہ سورج رہتی دنیا تک اس سے زیادہ پاکباز اور پاک نفس لوگوں پر طلوع نہیں ہوگا، جنہیں دنیا چھو کر بھی نہیں گذری تھی، جنہوں نے دنیاوی جاہ وجلال اور مال ومنال کی طرف نظر غلط بھی ڈالنا گوارا نہ کیا۔ قیصر وکسری کے خزانے کے حاکم اور مالک ہو کر بھی ان پاک نفسوں نے فقر کو ہی گلے لگائے رکھا اور شان امارت میں بھی الفقر فخری کا سماں پیش کرتے رہے۔ جن کی نظروں میں دنیا کی حیثیت کچھ نہیں کے برابر بھی نہ تھی۔ ان قدسی صفات جماعت کے باریمیں یہ تصور کرنا بھی جرم اور گناہ ہے کہ انہوں نے کبھی دنیا کے عارضی نفع کو کسی لمحے میں دل میں جگہ دی ہوگی۔ اور اس سے بھی بڑھ کر زبان نبوت نے اس زمانے کو خیر القرون کا سرٹیفکیٹ عطا کیا تھا،

(۱) الفاروق: ۳۰۰، مرید بک ڈپو، چتلی قبر، دہلی
(۲) الفاروق: ۳۰۰، مرید بک ڈپو، چتلی قبر، دہلی

اوراس مقدس جماعت کے صدق واخلاص کی شہادت دی تھی۔

ان اہل خیرالقرون اور پاک نفس لوگوں نے دنیاوی امور و معاملات میں غبن اوردھوکے کے دروازے کو بند کرنے کیلئے ، اخلاص اور دیانت داری کو برقرار رکھنے کیلئے اس قدر احتیاط اور دوراندیشی سے کام لیا تھا، تو آج جبکہ شر اور فریب والوں کا دور دورہ ہے، خیر اور اخلاص والے کمیاب اور نایاب ہو گئے ہیں۔

تو اب اس گئے گذرے دور میں کام کرنے والوں میں غبن اور دھوکے کے دروازے کو بند کرنے کیلئے اور اخلاص دیانت داری پیدا کرنے کیلئے اس سنت عمری کو عمل میں لانا کس قدر ضروری ہو گیا ہے، ایک اعتبار سے اس پر عمل درآمد ایک شرعی حکم بھی بن جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے۔ اوراس صورت میں اس سے بے اعتنائی برتنا اور اسے اہمیت نہ دینا جرم اور گناہ شمار نہیں ہوگا؟

آہ یہ کس قدر افسوس ناک معاملہ ہیکہ ہم عبادات میں تو صحابہ کرام کے طرز عبادت کو اپنانے کا خوب اہتمام کرتے ہیں، مگر معاملات میں اس سے بالکل پہلو تہی اختیار کیے ہوئے ہیں، جبکہ رسول ﷺ اور صحابہ رسول ﷺ کے عمل کا یہ پہلو بھی اسی قدر اہمیت کا حامل ہے اور اس پر عمل درآمد بھی اسی قدر ضروری ہے۔

ب: اساتذہ کرام کے لئے چند رہنما اصول

۱- مہتمم صاحب کا ادب واحترام ملحوظ رکھیں۔

اساتذہ کرام کے لئے ضروری ہے کہ وہ مہتمم مدرسہ کا ہر حال میں ادب واحترام ملحوظ رکھیں، حدیث مبارکہ میں ہے جو شخص ہمارے بڑوں کا ادب نہیں کرتا اور ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔

یاد رکھیں! بچے ہمیشہ اساتذہ کی تقلید کرتے ہیں، اگر اساتذہ اپنے بڑوں کا ادب نہیں کرتے تو طلباء بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے اپنے اساتذہ کا ادب نہیں کریں گے۔

۲- اگر مہتمم صاحب استاذ کو اس کی کسی غلطی پر سمجھائے یا ڈانٹ ڈپٹ کرے تو اس کو دل

میں بالکل برا مت جانے ، ہمارے حضرت پیر ذوالفقار صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ: ہمارے شیخ سے ہمیں جس دن ڈانٹ پڑتی تھی، ہمیں اس دن اپنے اخلاص پر شبہ ہونے لگتا، یادرکھیں! کسی کا آپ سے کوئی تعلق ہے تو وہ آپ کی فکر کرتا ہے اور ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعے آپ کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے، اگر کوئی تعلق اور فکر ہی نہ ہو تو کسی کو کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ ڈانٹنے کی اور فکر اور غم کرنے کی۔

۳- بعض اساتذہ کی عادت ہوتی ہے کہ مدرسہ کے اصول وضوابط میں اپنی مرضی سے تبدیلیاں کرنا شروع کردیتے ہیں، اور یہ من مرضی جامعہ کے ماحول کو بری طرح متاثر کردیتی ہے، مدرسہ کا کوئی کام بھی ہو ناظم کے مشورہ کے بغیر ہرگز نہ کرنا چاہئے، ہاں اگر کسی امر میں ان کی طرف سے اجازت ہو تبدیل کرنے میں کوئی حرج نہیں، ورنہ ہمیشہ مشورہ کرنا ضروری ہے۔

اسی طرح اساتذہ کو چاہئے کہ اوقات مدرسہ میں خصوصا فون اور واٹسپ کا بے جا اور بے موقع وبے محل استعمال نہ کریں۔

۴- استاذ کو چاہئے کہ وہ مدرسہ کے اندر ہونے والے تمام امور سے ناظم کو باخبر رکھیں اوراس میں کسی قسم کی خیانت نہ کریں، بعض اساتذہ دوسرے اساتذہ کے سامنے یا طلباء کے سامنے اپنی عزت بنانے کی چکر میں رہتے ہیں اور ناظم مدرسہ کے اندر ہونے والی غیر اخلاقی سرگرمیوں سے بے خبر رکھتے ہیں۔

۵- درس وتدریس میں اساتذہ کو چاہئے کہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیں کہ ہم اللہ رب العزت کی رضا کی خاطر پڑھا رہے ہیں، اس لئے بلا وجہ ناغہ یا چھٹی علم کی ناقدری ہے، اور گویا اللہ کی رضا سے دوری کا ذریعہ ہے، لہٰذا اساتذہ کرام کو چاہئے کہ بلا وجہ بہانے بنا کر مہتمم صاحب سے چھٹی نہ لیں، ناظم تو اس کی مجبوری سمجھتے ہوئے چھٹی دے دے گا، لیکن یہ استاذ خود اپنے کاموں میں مجرم ہوگا اور اللہ کے یہاں بھی مجرم شمار ہوگا کہ اس نے بلا وجہ اتنے بچوں کا وقت برباد کیا۔

۶- اگر کسی مجبوری سے چھٹی کرنی ہوتو مہتمم یا ناظم کو اس کی اطلاع ضرور کردے بغیر اطلاع کے ہرگز چھٹی نہ کرے؛ تاکہ ناظم اس کا سبق کسی دوسرے استاذ کے ذمہ لگادے یا خود ہی کسی دوسرے استاذ کے ذمہ لگا کر جائے؛ تاکہ طلباء کا وقت ضائع نہ ہو، درس کی پابندی طلباء اور اساتذہ دونوں کے لئے ضروری ہے، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب دامت برکاتہم کے حالات میں لکھا ہے کہ سردی ہو یا گرمی، جاڑہ ہو یا موسم برسات، بیماری ہو یا تندرستی، شادی ہو یا غمی ہر حال میں حضرت مولانا کا اصول تھا کہ سبق ہونا چاہئے، کمرہ میں گھڑی موجود تھی وقت سے کم از کم دس منٹ قبل بغل میں کتاب دبائی، کمرہ مقفل کیا اور گھنٹہ بجانے والا ابھی گھنٹہ بجانے سے فارغ نہیں ہوا کہ آپ درسگاہ میں پہنچ گئے اور سبق شروع ہوگیا اور ادھر گھنٹہ بجا اور مولانا کی کتاب بند ہوگئی، جب اساتذہ اس طرح فکرو درد سے محنت کریں گے تو طلباء بھی متقی اور دیندار بنیں گے۔

۷- بعض اساتذہ کو دیکھا گیا کہ اگر ان کو ناظم کسی غلطی پر سرزنش کردیں تو دوسرے اساتذہ کے سامنے ان کی برائی کرتے ہیں اور اس میں اپنی بے عزتی محسوس کرتے ہیں، اگر یہ اپنے دل سے ''عزت والا'' ورقہ پھاڑ دیں اور عاجزی اختیار کریں تو عزت ومنزلت کے مراتب خود اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرمائیں گے، چونکہ حدیث میں ہے: جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتے ہیں''۔

۸- اساتذہ کرام کو چاہئے کہ اگر کوئی غلطی ہوجائے تو سیدھے منہ آکر مہتمم یا ناظم سے معافی مانگیں، اپنی غلطی کے عذر پیش نہ کریں، معافی کو ہتک عزت نہ سمجھیں۔

۹- اساتذہ کرام کو چاہئے کہ مہتمم مدرسہ جو کام بھی جس استاذ کے ذمہ لگائے وہ خوش دلی سے اس کام کو سرانجام دے، دوسروں کے ساتھ موازنہ یا مقابلہ نہ کرے؛ بلکہ پوری محنت اور تندہی سے اس کام کو سرانجام دے اور منظور صرف اور صرف رضائے الٰہی ہو، کام کر کے بھی تعریف کا خواہاں نہ رہے، کبھی یہ نہ سوچیں کہ مجھے مشکل کام دیا

اور دوسرے کو آسان دیا ہے، بلکہ اسی کام میں اپنے لئے بہتری خیال کرے۔

۱۰- اساتذہ کرام کو چاہئے کہ ہمیشہ ادارے کے منتظمین کے ساتھ خیر خواہی والا معاملہ رکھیں، بعض اساتذہ مدرسہ میں رہتے ہوئے اپنے بڑوں کے خلاف بھی پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں، یہ حدیث کے خلاف عمل ہے ''دین خیر خواہی کا نام ہے''(۱)

حضرات اساتذۂ کرام کے لیے چند اہم مشورے

سرکارِ دوعالم ﷺ بحیثیت معلم مبعوث کیے گئے، آپ ﷺ کی پوری عملی زندگی میں منجملہ دیگر عالی اوصاف کے دو خصوصیتیں حضرات معلمین کے حق میں خاص طور سے بہترین اسوہ ہیں۔

☆ آں حضرت ﷺ کی سب سے پہلی خصوصیت شفقت ورحم دلی، دل سوزی اور خیر خواہی کا پہلو ہے۔ آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوکر سامنے آتی ہے کہ آپ کے حریفوں نے آپ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، مصائب وآلام پہنچانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی؛ لیکن کبھی آپ ﷺ کے قلبِ اطہر میں جذبہ انتقام نہ ابھرا؛ بلکہ ہمیشہ ایسے لوگوں پر ترس کھایا اور ان کے حق میں توفیقِ ہدایت کے لیے دعا مانگتے رہے اور تڑپتے رہے۔

☆ آپ ﷺ کی دوسری اہم خصوصیت جو اندازِ تربیت کی سب سے موثر خصوصیت ہے، وہ یہ کہ آپ ﷺ نے اپنے پیروکاروں اور مطیع لوگوں کو جس بات کا حکم فرمایا پہلے بذات خود اس کا عملی نمونہ دکھلایا؛ حالانکہ بہت سے معاملات میں اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو رخصت وسہولت دی تھی؛ لیکن آپ ﷺ نے عزیمت پر عمل کرتے ہوئے اپنے آپ کو عام مسلمانوں کی صف میں کھڑا کرنے کو پسند فرمایا، اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ اپنے چھوٹوں اور ماتحتوں کے لیے قول سے زیادہ عمل موثر ہوتا ہے۔

☆ طبیعت میں سادگی تواضع اور منکسر المزاجی ہمیشہ خاصانِ خدا کا شیوہ رہا ہے، اساتذۂ کرام

(۱) مثالی تربیتِ اساتذہ کورس: ۱۲-۱۷

کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر بہ تکلف ہی سہی یہ وصف اپنانے کی سعی فرمائیں کہ جس کو معمول میں لانے سے عمومی مقبولیت ہی نہیں؛ بلکہ اللہ کے یہاں بھی رفعت وبلندی حاصل ہوگی۔ من تواضع لِلہِ رفعہ اللہ (حدیث) اورحقیقت میں آپسی اعتماد و اتفاق پیدا کرنے کا بنیادی نکتہ تواضع ہی ہے، جیسا کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں اور یہی تواضع جڑ ہے آج کل لوگ اتفاق کی کوشش کرتے ہیں؛ مگر اتفاق کی جو جڑ ہے اس کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں؛ کیوں کہ اتفاق ہمیشہ اس سے پیدا ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے کو دوسرے سے کم سمجھے،اس سے کبھی اختلاف اور جھگڑے کی نوبت آ ہی نہیں سکتی،افسوس آج اس پاکیزہ خصلت کو بالکل چھوڑ دیا گیا، بالکل اس کے خلاف غرور اور اپنے کو بڑا سمجھنے کا سبق دیا جاتا ہے اورلباس میں ہمیشہ ایسی وضع پسند کرتے ہیں جس سے تمام مجمع بھر میں ہمیں کو بڑا سمجھا جائے اور غضب یہ کہ اپنی اولاد کو بھی شروع سے اس وضع کی عادت ڈلواتے ہیں، غرض ہر بات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کو فرعون کے برابر سمجھتے ہیں، پھر فرمایئے اتفاق کہاں سے آئے؟ صاحبو!اگر اتفاق کا واقع میں شوق ہے تو صوفیوں کے طرز پر چلنے کی کوشش کرو، ان حضرات کے قدموں پر جا گرو پھر دیکھو کیسا اتفاق پیدا ہوتا ہے۔(۱)

☆ ایک اہم اورحساس معاملہ اس وقت طلبہ کی پٹائی کا بنتا جارہا ہے، تجربہ یہ ہے کہ بچوں سے تعلیمی کام لینے میں تشویق وتشکیل اور ذہن سازی کا طریق زیادہ موثر ہوتا ہے آئے دن اس قسم کے واقعات سننے میں آتے ہیں کہ استاذ کی پٹائی سے متوحش ہوکر بچہ مفرور ہوگیا، اب اس کی تلاش جاری ہے، کہیں سراغ نہیں ملتا،جس کی وجہ سے اہل خانہ بھی پریشان ہیں اور استاذ کے ساتھ بھی گستاخانہ طرز اپنا کر دھمکیاں دینے سے گریز نہیں کرتے، اوربعض مرتبہ اس قسم کا ایک واقعہ ہی پورے ادارہ کی تعلیمی

(۱) تسہیل المواعظ جلد اول حصہ دوم،ص:۴۵

ترقیوں، تربیتی کوششوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ پٹائی کا دوسرا اہم پہلو جو عموما استاذوں سے نظر انداز ہوجاتا ہے، وہ یہ کہ شرعا استاذ کو کس قدر ضرب کی اجازت ہے، جس پٹائی سے ہڈی ٹوٹ جائے یا کھال پھٹ جائے یا نشان پڑ جائے یا مرہم پٹی اور دوا کی ضرورت پیش آئے ایسی پٹائی کرنا جائز نہیں۔

"کما لو ضرب المعلِم الصبِی ضربا فاحِشا فانه یعزِره ویضمِنه لومات قوله ضربا فاحشا وہو الذی یکسِر العظم ویخرِق الجِلد ویسوده کما فِی التاتارخانیه"(۱)

حضرت حکیم الامت تھانوی فرماتے ہیں ایک کوتاہی تعزیر کے متعلق یہ ہے کہ جفا کاروں کے نزدیک اس کی کوئی حد ہی نہیں، جب تک اپنے غصہ کو سکون نہ ہوجائے سزا دیتے ہی چلے جاتے ہیں، ایک جگہ فرمایا میں نے اپنے مدرسہ کے معلموں کو بچوں کو مارنے کے سے منع کر دیا ہے؛ کیوں کہ یہ لوگ حدود سے تجاوز کرتے ہیں اور شفاء غیظ کے لیے مارتے ہیں، ایسے زدوکوب کی اگر ولی اجازت بھی دے تو بھی درست نہیں، میں نے دو سزائیں مقرر کر رکھی ہیں، ایک کان پکڑوانا جس کو مرادآباد والے بطخ بنوانا کہتے ہیں، دوسرے اٹھنا بیٹھنا، اس میں دونوں اصلاحیں ہوجاتی ہیں جسمانی بھی کہ ورزش ہے، نفسانی بھی یعنی اخلاقی بھی کہ زجر ہوجاتا ہے۔(۲)

☆ اساتذۂ کرام اپنے مفوضہ امور کو پیش نظر رکھیں، اپنی ذمہ داری کے دائرہ سے باہر نہ جائیں اپنے تعلیمی کاموں اور مدرسہ کے قیام کے دوران جن باتوں کا لحاظ رکھنا ایک مخلص معلم ومربی کے لیے ضروری ہے، اس کے متعلق چند اصلاحی رہنما نمبرات ہم یہاں محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی کے افادات سے نقل کرتے ہیں:

(۱) شامی زکریا:۱۳۱/۶

(۲) کلمۃ الحق ص/بحوالہ تعلیم وتربیت کس طرح: جدید ایڈیشن: ۱۳۷

١- تعلیمی خدمت اپنا فرض منصبی خیال کرنا اور وظیفہ کو انعامِ خداوندی سمجھنا، انتظامِ وظیفہ وانتظامِ تعلیم کرنے والوں کو اپنا محسن سمجھنا اور اس کے لیے دعا خیر کرتے رہنا۔ طلبہ کو اپنا محسن خیال کرنا کہ ان کی وجہ سے علمی وعملی ترقی کا موقعہ ملتا ہے، نیز ان کو اللہ نے سببِ روزی بنایا ہے، طلبہ کی عظمت بوجہ مجاہد فی سبیل اللہ وضیفِ رسول اللہ ﷺ ہونے کے کرنا، ان پر مثل اولاد کے شفقت کرنا۔

٢- ایسے معاملات سے احتیاط فرمانا کہ طلبہ یا منتظمین یا معاونین کی تحقیر ظاہر ہو یا عامۃ المسلمین کے سامنے شکایت و بے وقعتی ہو۔

٣- غصہ کی حالت میں تادیب سے احتیاط کرنا، تادیب ضربی سے حتی الوسع احتیاط فرمانا اور بشرطِ ضرورت تادیب حدود کے اندر کرنا، طلبہ کی غلطی و بے ادبی پر اولا فہمائش پھر تادیب حسبِ مصالح وموقع کرنا۔

٤- امارد (بے ریش طلبہ) کو خلوت میں آنے سے سختی سے روکنا۔

٥- بڑے طلبہ سے خدمت بعد اجازت منتظم لینا، امارد سے سخت احتیاط اس بارے میں رکھی جائے۔

٦- طلبہ کی عیادت اور ضروری اعانت کا خاص خیال رکھنا۔

٧- مطالعہ کی تاکید کرنا، ناغہ سبق کے نقصانات گاہ بہ گاہ بیان کرنا۔

٨- قرآن شریف میں ہر ایک کا سبق خود سننا، دیگر جماعتوں میں باری باری سبق پڑھانا۔

٩- طلبہ کی شرارت و بے ادبی پر صبر وتحمل کا اہتمام چاہیے اور اس وقت کفار کے حالات کو سامنے رکھ کر اسوۂ نبی اکرم ﷺ کو سوچا جاوے، بعد شفا غیظ مناسب طریقہ اصلاح کا تجویز کیا جائے۔

١٠- کسی کے توجہ دلانے پر اپنی غلطی علمی یا عملی ظاہر ہو تو اس کا ممنون ہونا چاہیے، ظہور غلطی پر اس غلطی کی تلافی کی فکر کرنا چاہیے، اس سے عظمت بڑھتی ہے۔ نماز باجماعت

بلکہ تکبیرِ اولی، تعدیلِ ارکان اور اوقاتِ مقررہ کی پابندی کی تلقین فرماتے رہنا، گاہ بہ گاہ نگرانی از خود کرنا۔

۱۱- تعلیم المتعلم یا رحم المتعلمین یا اشرف التفہیم کا مطالعہ رکھانا۔(۱)

الغرض مدارسِ اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے طبقہ کو گاہ بہ گاہ اپنا محاسبہ کرتے رہنے کی بھی ضرورت ہے اور علمِ محض کی سطح سے بلند ہو کر عملی میدان میں سبقت کو اختیار کرنا بھی لازم ہے، ہم لوگ امتِ مسلمہ کی حالت زار پر ترس کھائیں، اپنے مقام و منصب کو ملحوظ رکھ کر خلوص کے ساتھ خدمت سمجھ کر اپنی ذمہ داری کو انجام دیں، جمود و تعطل کو یکسر ختم کریں، ملتِ اسلامیہ کو جو امیدیں اور توقعات ہم سے لگی ہوئی ہیں، ان کو باحسنِ وجوہ پورا کرنے کے لیے ہم خدام اپنی راتوں کو زندہ کریں، اور اپنے بزرگانِ دین سے وابستگی قائم رکھیں، اس طریق سے ہم اپنی علمی مسافت طے کریں گے تو انشاءاللہ منزل پر پہنچنا اور کامیاب و بامراد ہونا آسان ہوگا۔(۲)

اساتذہ کے دوسرے اساتذہ کے ساتھ تعلقات

جس طرح دیوار کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کرتی ہے، اسی طرح اساتذہ کرام کا باہمی تعلق مدرسہ کے ماحول کو انتشار سے بچاتا ہے، اساتذہ کرام کی تربیت کے ضمن میں یہ بات بھی بہت ضروری ہے کہ اساتذہ ایک دوسرے کے ساتھ کیسے تعلقات رکھتے ہیں۔

سب سے پہلے تو ایک مسلمان ہونے کے ناطے تمام اساتذہ بھائی بھائی ہیں، ''تمام مومن ایک آدمی کی طرح ہیں، اگر اس کے کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورے بدن میں تکلیف پہنچتی ہے اور اگر اسکے سر میں تکلیف ہوتی ہے تو پورے بدن میں تکلیف ہوتی ہے''۔

اساتذہ کرام کو بھی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے اور درد محسوس کرنے والا ہونا چاہئے۔

---

(۱) مجالس ابرابر، ص:۲۰۱، ج:۱

(۲) مدارس کا نظامِ تعلیم و تربیت اور چند معروضات از: مولانا میر زاہد مکھیالوی قاسمی، جامعہ فلاح دارین اسلامیہ بلاسپور، ماہنامہ دار العلوم، رمضان ذی القعدہ، اگست رستمبر ۲۰۱۲

ایک مدرسہ یا ادارہ میں رہتے ہوئے باہم تضاد یا مخالفت ہوسکتی ہے، ہمعصری بھی فطری طور پر منافرت کا باعث بنتی ہے، ایک دوسرے کا برداشت کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن اسلامی تعلیمات کی رعایت ضروری ہے، اگر اساتذہ کرام ایک دوسرے کی تائید نہیں کریں گے تو کام نہیں چل سکتا۔

۱-ایک دوسرے کی علمی حیثیت کو تسلیم کریں

تمام اساتذہ و معلمین کو چاہئے کہ ایک دوسرے کی علمی حیثیت کو تسلیم کریں؛ اس لئے کہ علمی تفاوت ضرور موجود ہوتا ہے، ارشاد باری عزوجل ہے: "والذین اوتوا العلم درجات" (۱) جب یہ چیز موجود ہے تو اس کو تسلیم کرنا بھی ضروری ہے۔

۲۔ایک دوسرے کی تائید کریں

اساتذہ و معلمین ایک دوسرے کی تائید کریں، کیوں کہ دونوں حق کی تعلیم و تربیت دیتے ہیں، دونوں حق پر ہیں، اگر ایک دوسرے کی تردید کی تو گویا یہ حق کی تردید ہے، حالانکہ علماء حق کبھی حق کی تردید نہیں کرتے، پھر تو وہ علماء حق نہیں ؛ بلکہ علماء سوء بن جائیں گے۔

۳۔ایک دوسرے کی قدر کریں

ایک دوسرے کی قدر کریں، اگرچہ ایک دوسرے سے دور اور غائب ہوں، کیوں کہ غائبانہ قدر بھی ممکن ہے، مثلا ایک دوسرے کا تذکرہ اچھے طریقہ سے کرنا، ملاقات کے وقت ایک دوسرے کا خوب ادب کرنا، بڑے لوگوں کے کام بھی بڑے ہوتے ہیں، اس لئے یہ معزز طبقہ ہے، ان کی معمولی غلطی بہت بڑی ہوتی ہے، مفتی رشید احمد لدھیانویؒ فرماتے ہیں کہ: ۷۰ سال کی عمر تک علماء کی مجلس میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھا۔

۴۔ایک دوسرے کی غیبت سے بچیں

ایک دوسرے کی غیبت سے بہت زیادہ بچنا ضروری ہے، غیبت تو ویسے ہی بہت بری

(۱) المجادلۃ:۱۱

بلا ہے، لیکن علماء کی آپس میں غیبت بڑا خطرناک معاملہ ہے، بعض اساتذہ دیکھنے اور سننے میں آتے ہیں کہ غیبت سے بہت زیادہ پرہیز کرتے ہیں، کسی کے بارے میں اول تو کچھ کہتے ہی نہیں، اگر کہیں بھی تو بڑے محتاط ہوتے ہیں، نہ ان کے سامنے کسی کے بارے میں کچھ کہا جاسکتا ہے، استاذ محترم حضرت مولانا فضل الٰہی شاہ منصوری کی مجلس بہت مختصر اور خاموش ہوتی تھی، تھوڑی دیر بعد خود ہی مجلس دعا کے ساتھ ختم کر کے رخصت ہوجاتے، اگر کوئی مجلس میں ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیتا تو فورادعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر مجلس ختم کر دیتے اور کہنے والے کو کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کو کسی کی غیبت کرتے نہیں دیکھا گیا، حالانکہ آپ کے سیاسی مخالفین بھی زیادہ تھے، حضرت مولانا فضل الٰہی شاہ منصوری اپنے استاذ حضرت مولانا حبیب اللہ رودبوی رحمہ اللہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ حضرت الاستاذ کی مجلس میں جب کوئی کسی کی تعریف کرتا تو فورا اس کو خاموش کر دیتے کہ کچھ بھی نہ کہنا، لوگ پوچھتے کہ حضرت یہ تو تعریف ہے، فرماتے کہ یہ غیبت کی پہلی سیڑھی ہے، تعریف ختم ہوتے ہی بعض اوقات منفی پہلو پر گفتگو ہوجاتی ہے تو وہ ذریعے کو روکنے کے لئے مجلس میں تعریف سے بھی روکتے تھے۔

۵۔شاگردوں کے سامنے معلم کا تذکرہ کرنے سے بچیں

حتی الوسع شاگردوں کے سامنے کسی معلم کے بارے میں تذکرہ کرنے سے گریز کرنا چاہئے، کیوں کہ بعض اوقات ان ہی باتوں کی دوسرے معلم کی مجلس میں غلط ترجمانی ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہوجاتی ہیں، پھر ایک دوسرے کے دل میں کدورت پیدا ہوجاتی ہے۔

۶۔گھنٹہ کی پابندی کریں

ایک ہی ادارہ میں پڑھانے والے معلمین اپنی اپنی پڑھائی کے گھنٹوں کی پابندی کریں، کسی دوسرے معلم کے سبق سے پہلے وقت نہ لے، خواہ وہ دوسرا معلم اپنے سبق میں دیر سے آئے یا وقت پر آئے۔

۷۔استاذ کی صراحۃ یا اشارۃ کردار کشی نہ کریں

حتی الوسع کوشش رہے کہ کسی استاذ کی صراحۃ یا اشارۃ کردار کشی نہ ہو، عموماً ایسا ہوتا ہے کہ فطری حسد کے تقاضے سے بچنے کی کوشش تو کی جاتی ہے، لیکن کبھی اشارات و کنایات میں کوئی بات کسی دوسرے معلم کے بارے میں کہی جاتی ہے جس کے اثرات بہت برے ہوتے ہیں اور گناہ بھی ہے۔

۸۔جوابی کاروائی سے گریز کریں

اگر کوئی شاگرد کسی معلم کے بارے میں کسی دوسرے معلم تک کوئی بات پہنچا دے تو اول اس شاگرد کو ٹوکنا چاہئے کہ پھر ایسا ہرگز نہ کرنا اور خود برداشت کرے، کسی قسم کی جوابی کاروائی سے حتی الوسع پرہیز ضروری ہے۔

۹۔دوسرے استاذ کی رائے کا احترام کریں

اختلافِ رائے بھی ہوسکتا ہے، دلائل کی بنیاد پر اختلاف رائے کے وقت دوسروں کی آراء کا احترام ضروری ہے، بعض اوقات علمی اختلاف ذاتی اختلاف تک پہنچ جاتا ہے، حالانکہ ہمارے اسلاف کے بے شمار واقعات ہیں کہ زبردست علمی، سیاسی اختلافات کے باوجود ان کے آپس کے تعلقات عقیدت و محبت والے تھے، دلائل پر مبنی اختلافات کو برداشت نہ کرنا علمی تکبر ہے۔

۱۰۔دوسرے استاذ سے پوچھنے میں جھجک محسوس نہ کریں

اگر کسی معلم کو کسی کتاب یا فن میں کوئی علمی اشکال پیش آئے تو دوسرے معلم سے حل کرانے میں جھجک محسوس نہ کرے، کیوں کہ دونوں کے علم میں نسبت عموم خصوص من وجہ کی ہے، جس معلم سے اشکال حل کروائے وہ کسی اور کے سامنے اس کا تذکرہ نہ کرے، بعض علماء بڑے بے نیاز ہوتے ہیں، وہ سب کے سامنے پوچھنے پر جھجک محسوس کرتے ہیں، علم کلی کسی کو حاصل نہیں، یہ تو باری تعالی کا خاصہ ہے، ہر عالم پر اس کا جہل محیط ہوتا ہے۔

۱۱۔طلباء کے سامنے ایک دوسرے کا خوب احترام کریں

مدرسہ یا جامعہ کے طلباء وشاگردوں کے سامنے تمام معلمین ایک دوسرے کا خوب احترام کریں، آپس میں خوب گپ شپ اور بے تکلفی ہونی چاہئے ؛ تاکہ طلباء کے دل میں یہ خیال نہ آئے کہ شاید ان کی آپس میں کوئی چشمک رہی ہے۔

۱۲۔مدرسے کے کاموں کو سب اساتذہ اپنی ذمہ داری سمجھیں

معلم خودکو ادارہ کا ملازم نہ سمجھے بلکہ پورے مدرسے کے سب کاموں کو اپنی ذمہ داری سمجھے اور ہر کام کو اپنا کام سمجھ کر کرے، کیوں کہ دین اور مدرسہ مہتمم کا نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ تو ایک منتظم اور متولی ہوتا ہے، ہر جگہ سر براہ ایک ہی ہوتا ہے، سب سر براہ اور ذمہ دار نہیں بن سکتے تو لازماً کسی کا تابع بن کر رہنا ہوگا؛ لیکن تابعداری کا یہ مطلب نہیں کہ مہتمم کا ذاتی ملازم ہے، بلکہ وفادار اور تابعدار کارکن ہے۔

۱۳۔کسی کی شکایت یا برائی کا تذکرہ کلاس میں نہ کریں

بعض معلمین کو ادارہ کے منتظم یا مہتمم سے شکایت ہوتی ہے تو اس کا تذکرہ کبھی کبھار درس میں کرتے ہیں یا مہتمم و پرنسپل کی کمزوریاں درس اور کلاس میں بیان کرتے ہیں، جس کا بڑا اثر ہوتا ہے، یہ اصلاح وشکایت کا کوئی طریقہ نہیں کیوں کہ انسان کمزور ہے، مہتمم بھی انسان ہے، ان سے کوئی غلطی ہوئی ہو تو تدارک کا طریقہ یہ نہیں کہ درس میں صراحۃً یا کنایۃً یا اشارۃً اس کی کمزوریاں بیان ہوں ؛ بلکہ معلم کا فرض بنتا ہے کہ ادارہ کے سر براہ کی خیر خواہی کی بنیاد پر اصلاح کرے۔مومن مومن کا آئینہ کے مصداق ہے۔

۱۴۔ایک دوسرے کی حیثیت کا خیال رکھیں

بالفرض اگر دو معلمین میں کچھ اختلافات پیدا ہو جائیں تو ہر معلم کو چاہئے کہ اپنی اپنی حیثیت کا خیال رکھے، کیوں کہ دونوں عام آدمی نہیں ہیں، اسی طرح دوسرے معلم کی حیثیت کا بھی خیال رکھے ؛ کیوں کہ عوام اور خواص کے اختلاف اور جنگ میں بڑا فرق ہوتا ہے، اول تو کوشش ہو کہ ایک دوسرے کی حیثیت مجروح نہ کریں، اگر بات بالکل بگڑ جائے تو شرعی دائرہ

سے نکلنے کی کوشش نہ کرے، بڑے لوگوں کی جنگ توپ ٹینک کے ساتھ نہیں ہوتی وہ زیادہ تر منہ اور باتوں کی حد تک ہوتی ہے، اور یہ بڑی خطرناک بھی ہوتی ہے، منہ سے کوئی بات نکالتے وقت بہت سوچ سے کام لینا چاہئے؛ کیوں کہ ایک دن صلح ضرور ہوگی؛ لیکن منہ سے نکلی ہوئی بات کا تدارک مشکل ہوتا ہے اور اس کے اثرات بڑے دیرپا ہوتے ہیں۔

۱۵۔دوسرے استاذ سے پوچھ کران کا ٹائم لے

اگر کسی معلم کو اپنے کلاس سے زیادہ وقت کی ضرورت ہو تو متعلقہ استاد سے کہہ دے کہ اتنے منٹ چاہئے، بالفرض اگر استاذ عذر کر دے تو خوشی کے ساتھ اس کے عذر کو قبول کرلے، کیوں کہ اس کی بھی مجبوری ہوتی اور اگر وقت دے تو شکریہ کے ساتھ اتنا وقت لیا جائے۔

۱۶۔وقت ختم ہو جائے تو کلاس سے باہر آجائے

بعض اساتذہ جب اپنی کلاس کی طرف جاتے ہیں تو اگر دوسرا استاذ کلاس میں موجود ہو اور اس کے کلاس کا وقت ختم ہو چکا ہو تو باہر والا استاذ شرماتا ہے؛ اس لئے کلاس کے اندر موجود استاذ کے سامنے نہیں آتا، لیکن اس میں شرمانے کی بات نہیں؛ کیوں کہ اپنی ایک ذمہ داری اچھی طرح نبھانا ہے، یا کلاس میں موجود استاذ کو خود اس بات کا احساس ہونا ضروری ہے تا کہ بعد والے کلاس کے استاذ کو کسی جھجک کا سامنا کرنا نہ پڑے، کیوں کہ بعض اوقات بعد میں آنے والے کلاس میں موجود استاذ کا شاگرد ہوتا ہے۔

اساتذہ کے باہمی نزاع کی وجوہات اوران کا حل

۱۔دلوں میں حسد ہونا

اساتذہ کرام میں اکثرلڑائی جھگڑوں کا سبب حسد ہے، ایک دوسرے کوآگے بڑھتا ہوا دیکھ نہیں سکتے، یہ سوچنا چاہئے کہ اگراس کواللہ تعالیٰ نے اضافی خصوصیات سے نوازا ہےتو مالک کی مرضی ہے جسے چاہے جتنا دے ہم کون ہوتے ہیں حسد کرنے والے؟ یادرکھیں!حضوراقدس ﷺ نے ارشادفرمایا:''حسد نیکیوں کواس طرح کھا جاتا ہےجس طرح آگ لکڑیوں کوکھا جاتی ہے''اب آپ محنت کرکےنیکیاں جمع کریں اورپھر حسد کی آگ میں جلادیں یہ کہاں عقلمندی ہے؟۔

۲۔ایک دوسرے کی ٹوہ میں رہنا

اکثر اساتذہ میں دیکھا گیا ہے کہ جس کے بارے میں دل میں کوئی بات آگئی یا ذرا آپس میں اونچ نیچ ہوگئی تو اب اس کے بارے میں ٹوہ میں لگے رہتے ہیں اوراس کی خامیاں تلاش کرتے ہیں، یادرکھیں! وہی آدمی کامیاب ہوتا ہے جو اپنی خامیوں پرنظر رکھے، دوسروں کی خوبیوں پرنظر رکھے، اگرکوئی استاذکسی دوسرے کی اصلاح کی غرض سے یا جامعہ کی خیرخواہی کے نقطہ نظر سے کوئی بات مہتمم تک پہنچادے تو بس!اب آپس میں وہ فتنہ وفساد برپا ہوتا ہے خدا کی پناہ! جتنی محنت اس شخص کی تلاش اورفتنہ وفساد برپا کرنے میں صرف کرتا ہے اپنی اصلاح پرخرچ کرتا توعنداللہ ماجوراورمغفورہوتا۔

۳۔قوت برداشت کی کمی

لڑائی جھگڑے کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ قوتِ برداشت کی کمی ہوتی ہے، کسی

دوسرے کی بات برداشت نہیں کر سکتے، اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو تحمل و بردباری سے اسے برداشت کرنا چاہئے، تحمل مزاجی کی وجہ سے آدمی خوش رہتا ہے، کیوں کہ وہ دوسرے کو معاف کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتا ہے، اگر اساتذہ کرام علم سیکھنے کے باوجود اپنے اندر قوتِ برداشت اور تحمل پیدا نہ کر سکیں تو ان کا علم ادھورا رہ جاتا ہے، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''علم کی زینت حلم کے ساتھ ہوتی ہے''

مزہ تو یہ ہے کہ استاد کے اندر یہ دونوں صفتیں ہوں، علم بھی ہو اور حلم بھی، آج کل علم کی صفت تو اکثر مل جاتی ہے، لیکن حلم والی صفت بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہے، بزرگوں نے اپنا تجربہ لکھا ہے جو بندہ اپنے علم پر عمل کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنے علم میں سے علم دیتے ہیں اور اپنے حلم میں سے حلم دیتے ہیں۔

''اپنے اندر اللہ کے اخلاق پیدا کرو۔''

اساتذہ کرام کو چاہئے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین کریں اور علم کے ساتھ ساتھ اپنے اندر حلم اور قوتِ برداشت پیدا کریں تو وہ مثالی اساتذہ میں شمار ہوں گے۔

۴۔ اساتذہ میں باہمی کدورت

اساتذہ میں باہمی کدورت کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ ذمہ داری کا احساس نہیں ہوتا کہ مدرسہ کی خدمت اور انتظام یہ میری ذمہ داری نہیں، مجھے صرف پڑھانا ہے، مدرسہ میں ہر کام استاذ کی ذمہ داری ہوتی ہے، اخلاص تو یہ ہے کہ اپنے ذمہ لگائے گئے کاموں کو بھی پوری ذمہ داری اور اخلاص کے ساتھ مکمل کرے اور مدرسہ میں جہاں ضرورت محسوس کرے اپنی خدمات کو بے غرض ہو کر پیش کرے، مدرسہ ناظم یا مہتمم کی ذمہ داری نہیں ہوتی؛ بلکہ اساتذہ کرام پر بھی مدرسہ کے تمام امور کی ذمہ داری ایسے ہی ہوتی ہے جیسے مہتمم پر ہوتی ہے، کیوں کہ کسی کی ذاتی ملکیت تو ہے نہیں یہ تو اللہ کا گھر ہے، یہاں اللہ کا دین سیکھنے سکھانے کا کام کر رہے ہیں، مہتمم بھی ذمہ داری نبھا رہا ہے، وہ بھی اللہ کے یہاں جوابدہ ہے، اور اساتذہ

اپنی ذمہ داری نبھانے میں اللہ کے یہاں جوابدہ ہیں۔

۵۔اپنی عزت چاہنا

ہر استاذ کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو مدرسہ کا خادم سمجھے اور دوسرے کو استاذ سمجھے، اس کا ادب کرے اور اس کے ساتھ ادب سے پیش آئے ،لیکن آج کل یہ دیکھا گیا ہے کہ جو استاذ بنتا ہے وہ خود چاہتا ہے کہ میری عزت کی جائے ، دوسروں کو ایک استاذ کی عزت کرنی چاہئے ، لیکن استاذ کو خود اپنی عزت کروانے کا شوق نہیں ہونا چاہئے ، یہ بات بھی لڑائی جھگڑے کا باعث بنتی ہے کہ ایک دوسرے کے بارے میں کہتے ہیں کہ فلاں استاذ نے میری بے عزتی کردی، یاد رکھیں کہ ذلت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے،کوئی کسی کو بے عزت نہیں کرسکتا، اس لئے عزت چاہنا بھی چھوڑ دیں؛ بلکہ عاجزی انکساری کو مطمح نظر بنائیں، یہی اصل عزت ہے، کیوں کہ اس سے اللہ کے یہاں عزت نصیب ہوتی ہے، یہ بھی یاد رکھیں کہ آپ دوسروں کی عزت کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو خود بخود عزتوں سے نوازیں گے۔(۱)

مدارس کے منتظمین و معلمین کی خدمت میں چند گذارشات

آئندہ سطور میں اپنے محدود تجربہ کی روشنی میں مدارس کے منتظمین و معلمین کے لیے چند گذارشات پیش کی ہیں، اس صالح جذبہ،حسن نیت اور توقع کے ساتھ کہ یہ اصلاحی مشورے جو دراصل اپنے حضرات اکابر کے افادات سے ماخوذ ہیں، ہمارے ہم مشرب رفیقوں کے لیے نفع کا ذریعہ ثابت ہوں گے

سرپرست حضرات سے مخلصانہ وابستگی ہونا ضروری ہے

کسی بھی دینی ادارہ اور تعلیم گاہ کو صحیح معیاری نہج پر چلانے کے لیے ذمہ داری کا احساس کرنے والے تجربہ کار ماہر تعلیم سے مخلصانہ تعلق قائم کیا جائے پھر موقع بموقع اسے ادارہ کے حالات سے مطلع کرکے اس کی سربراہی میں ادارہ کا تعلیمی وتربیتی سفر طے کیا جائے۔

---

(۱) مثالی تربیت اساتذہ کورس:۱۸۔۲۴

انحطاط وتنزلی کے اس دور میں بہت سے اہل مدارس اس سلسلہ میں بے توجہی اورغفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان کے یہاں سرپرستان کی حیثیت مدرسہ کے تعارفی کتابچہ یا کسی کے سامنے زبانی تذکرہ سے زیادہ نہیں ہوتی، وہ اہل انتظام اپنے اکابر سے نہ توکبھی مدرسہ کے کسی تعلیمی معاملہ کو لے کر ملاقات فرماتے ہیں اور نہ دورانِ تعلیم کبھی ان کو مدرسہ میں مدعو کرنے اور نظام کو ان کی اصلاحی نظروں سے گذارنے کی حاجت سمجھتے ہیں، ایسی صورتِ حال میں جو نتیجہ نکلے گا ظاہر ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اگر ہم لوگ اپنے کام میں مخلص ہیں، اور ہم چاہتے ہیں کہ اپنے ادارہ کو معیاری اور مثالی ادارہ بنائیں، ہمارے یہاں تعلیمی وتربیتی اور روحانی ماحول قائم ہوتو ہمیں اپنے موجودہ اکابر سے سچی وابستگی اور مخلصانہ تعلق قائم کرنا ہوگا، خاص طور سے ان حضرات کے ساتھ اپنے مراسم مستحکم کرنے ہوں گے جو ادارہ کے ضابطہ کی رو سے ہمارے سرپرست ہیں۔

ہم اپنی محنتوں کا محور تعلیم وتربیت کو بنائیں

ایک مدرسہ کے منتظم اور سربراہ کے لیے بحیثیت منتظم جس طرح اخلاص وتواضع اور دیانت داری جیسے اہم اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے اس کے ساتھ اس کا علمی ذوق ومزاج ہونا بھی لازم ہے؛ چونکہ ”الناس علی دینِ ملوکِہِم“قائد ورہنما جس مذاق کا حامل ہوگا اس کے مطابق ادارے کے مدرسین و متعلمین میں عموماً وہ چیز منتقل ہوگی۔

آج ہم لوگوں میں یہ بات کمیاب نہیں؛ بلکہ نایاب ہوتی جارہی ہے کہ ہم نے اپنی منزل کا نشان چھوڑ دیا اور اپنی محنتوں اور کوششوں کا تمام تر محور ومقصد معیار تعلیم کی جگہ حصول زر اور تعمیرات کو بنالیا، یہی وجہ ہے کہ مدرسہ تعمیری واقتصادی حیثیت سے ترقی کرتا نظر آتا ہے اور اصل مقصد یعنی تعلیم وتربیت میں نتیجہ بعض مدرسوں میں صفر کے برابر ہوتا ہے؛ تاہم اپنے اسلاف کی روشن تاریخ سے یکسر غافل ہو چکے ہیں کہ جنھوں نے ہمیشہ انسانوں پر محنتیں کیں، ان کی صلاحیتوں کو سنوارنے اور بنانے میں ہر طرح کی قربانی دینے سے دریغ نہیں فرمایا، ان حضرات کے زمانہ میں تعمیرات بہت کم، نہ کے برابر ہوتی تھیں؛ لیکن ان کی نظریں

ہمیشہ مقصود پر ٹکی رہتی تھیں۔

حضرت بڑوتی علیہ الرحمہ ایسے مدرسوں کے منتظمین سے (جو خالصتا تعمیری ذہن والے ہوتے) فرمایا کرتے تھے کہ بڑا مدرسہ وہ نہیں جہاں اینٹ پتھر زیادہ لگے ہوئے ہوں طلبہ کی کثرت ہو، عمارات خوب ہوں، بڑا نظام ہو، اس سلسلہ میں ہم لوگوں کو حکیم الامت حضرت تھانوی کا وعظ (ذم المکروہات) مطالعہ کرنا چاہیے، آج کل اینٹ پتھروں کی طرف خصوصی توجہ ہم لوگوں کی ہوگئی ہے، اللہ تعالی حفاظت فرمائے؛ بلکہ بڑا مدرسہ وہ ہے جہاں بڑے (اللہ تعالی) کی حسب منشا کام ہو اور وہ بڑے کو پسند آ جائے، تعمیر برائے تعلیم ہو اور تعلیم برائے تعمیل ہو پھر اس میں رضا الٰہی پیش نظر ہونا چاہئے جو کہ اصل مقصود اور مطلوب ہے۔(۱)

ایک صاحب کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا: مدرسہ کا بڑا چھوٹا ہونا تعمیر کے بڑا چھوٹا ہونے پر موقوف نہیں، جیسا کہ بعض لوگوں کو دھوکا ہوا ہے، طلبہ کی بھیڑ پر بھی اس کا مدار نہیں، تعلیمی نصاب بلند کر دینے پر بھی یہ مبنی نہیں، جو بڑے یعنی اللہ تعالیٰ کو پسند آ جائے وہ بڑا ہے، جو پسند نہ آئے وہ چھوٹا بھی نہیں خواہ دیکھنے میں کتنا ہی بڑا نظر آ تا رہے۔(۲)

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے جسمِ مدرسہ کی تعمیر و تزئین کے مقابلہ میں عمدگی تعلیم کو ترجیح دینا، جسم مدرسہ میں اولا ضروری باتوں کو مقدم رکھا جائے پھر عمدگی تعلیم کے بعد مناسب تزئین کی جانب توجہ فرمائی جاوے۔(۳)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں سب سے پہلے بچوں کی تعلیم کے لئے مکتب جاری کر کے اس میں معلم مقرر کیے محلی ابن حزم اور کنز العمال میں وضین بن عطا کی روایت ہے: ”كان بالمدينة ثلاث معلِمين يعلمون الصبيان فكان عمر يرزق كل واحد منهم خمس عشر كل شهر“

(۱) اصلاحی کلمات: ص: ۴۲ (۲) امداد السالک ص: ۱۳۴، ج:۱

(۳) مجالس ابرار، ص: ۱۶۷، ج:۱

مدینہ میں تین معلم بچوں کو تعلیم دیتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان میں سے ہر ایک کو ماہوار پندرہ درہم برائے خورد ونوش دیا کرتے تھے۔

کنز العمال کی روایت میں خمس عشر درھما کی تصریح ہے، اس روایت میں یہ جو (اجرت دیتے تھے) کے بجائے یرزق کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت قرآن اور دین کی تعلیم دینے والے معلمین بقدر کفایت کچھ رقم لے لیتے تھے، عامر بن عبداللہ خزاعی کے متعلق الفواکہ الدوانی علی رسائل ابن ابی زید القیروانی میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے حکم جاری کر کے عامر بن عبداللہ خزاعی کو بچوں کی تعلیم کا حکم دیا، اور بیت المال سے ان کے لیے اجرت نہیں؛ بلکہ وظیفہ جاری کیا اور حکم دیا کہ کند ذہن بچہ کے لیے تختی پر لکھیں اور ذہین بچہ کو زبانی تعلیم دیں، اس حکم کے مطابق عامر بن عبداللہ صبح سے شام تک مکتب میں بیٹھے رہتے، لوگوں نے حضرت عمر سے اس کڑی پابندی کے بارے میں بات کر کے تخفیف کرائی کہ نماز فجر کے بعد دس گیارہ بجے تک اور ظہر کے بعد عصر تک تعلیم دیں، باقی وقت آرام کریں۔

ابوسفیان کی معلمی کا ذکر ایک المیہ میں یوں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان نامی ایک شخص کو بادیہ اور صحرا کے باشندوں کی تعلیم کے لیے بھیجا، جو طالب علم نہیں پڑھتا تھا، ابوسفیان اس کو مارتے تھے؛ چنانچہ انھوں نے اسی بات پر ایک بچہ اوس بن خالد طائی کو کئی کوڑے مارے اور اس کا انتقال ہوگیا، اس کی ماں نے رونا پیٹنا شروع کیا اور حادثہ کی اطلاع ریث بن زید الخیل طائی کو کردی، جس نے ابوسفیان کو قتل کردیا۔(۱)

اس مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ خیر القرون میں مکاتب کا اجراء، نیز بادیہ وصحرا میں تعلیمی بندوبست سب کچھ کیا گیا، معلمین کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے وظائف مقرر فرمائے، نظام تعلیم کے سلسلہ میں مدرسین کو مختلف ہدایات فرمائیں؛ لیکن عمارت پر مستقل نہ محنت کی گئی اور نہ تعمیر وتزئین کو مقصود بنایا گیا۔ آج ہم لوگ اپنے دینی

---

(۱) خیر القرون کی درسگاہیں: ص، مولفہ: قاضی اطہر مبارکپوری بحوالہ امداد السالک، ج:۱، ص:۱۴۲

مدرسوں میں معیار تعلیم وتربیت پر پوری توجہ کی جگہ اگر نصف حصہ بھی دھیان دیں اور طلبہ پر محنت کریں تو نظام میں نمایاں تبدیلی اور بہتری آسکتی ہے اور مدارس میں زیر تعلیم طلبہ پر عوام الناس کی شکایتوں کا سلسلہ بہت حد تک قابو میں آسکتا ہے۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضی

باصلاحیت اور سلیم المزاج اساتذہ کا انتخاب ہو

کسی بھی ادارہ کی بنیادی ترقی اور تعلیمی استحکام محنتی جفاکش اور مخلص اساتذہ پر موقوف ہوتا ہے وہ اگر باذوق سلیم الطبع اور باحوصلہ ہوتے ہیں تو یقینا مدرسہ روز بروز ترقی کے منازل طے کرتا ہے، نظام تعلیم کی مضبوطی میں حضرات معلمین کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی سے کم نہیں، ان پر صرف تعلیمی ذمہ داری نہیں ہوتی؛ بلکہ نونہالان امت کی تربیت کی ذمہ داری کا بوجھ بھی ان کے کندھوں پر ہوتا ہے، معلم تمام بچوں کے لیے آئیڈیل اور نمونہ ہوتا ہے، اس کی فکر وسوچ رفتار وگفتار، رہن سہن اور تمام حرکات طلبہ میں غیر محسوس طریقہ پر منتقل ہوتی ہیں، بہرحال اساتذۂ کرام اگر شریعت وسنت کے پابند اور اپنے منصب کے قدردان ہوں اور ان میں شفقت ورحم دلی اور خیرخواہی کا پہلو غالب ہو تو بلاشبہ ان کے ہاتھوں تیار ہونے والی نئ نسل بھی انھیں صفات کی حامل ہوگی۔

ایک دینی ادارہ کے ذمہ دار اور منتظمہ کمیٹی پر یہ سب سے اہم فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ ایسے معلم اور لائق مدرس کا انتخاب کرے جو باصلاحیت ہونے کے ساتھ ساتھ دینی فکر ومزاج کا حامل سلیم الطبع ہو؛ اس لیے کہ دورِ حاضر میں تجربہ یہ ہے کہ مدرس کی لیاقت طبیعت کی سلامتی کے بغیر اکثر وبیشتر ادارہ کے لیے مضر بن جاتی ہے اور اس کے ضرر سے بچنے کے لیے اہل انتظام کو بڑی مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اساتذہ وملازمین کے ساتھ منتظمین کا سلوک

کسی ادارہ کا منتظم ومہتمم بننا جس طرح ایک طرح خوش نصیبی اور نیک بختی کی بات ہے، اسی طرح ایک عظیم ذمہ داری بھی ہے ادارہ کے سربراہ کا عالی حوصلہ، فراخ چشم، متحمل المزاج، شریف النفس ہونا لازم ہے، اس کے اندر بزرگانہ شفقت بھی ہو اور عزیزانہ محبت

بھی، اپنے ماتحتوں اور خوردوں کے ساتھ اس کا سلوک و برتاؤ ایسا مساویانہ ومتوازن ہو کہ جس میں نفسیات وجذبات کی رعایت بھی ہو اور کسی کی حق تلفی اور دل آزاری کا پہلو بھی نہ ہو، مدرسہ کے ملازمین و معلمین کو ادارہ کے سچے خیر خواہ اور معمار تصور کرے کہ ان مخلص معماروں کی پرخلوص تعلیمی وتربیتی کوششوں اور محنتوں سے ہی ادارہ کا وجود قائم ہے، ورنہ محض اچھی بلڈنگوں، مزین ہوسٹلوں اور خوشنما پارکوں کا نام مدرسہ نہیں ہوسکتا؛ لہٰذا اسی نظریہ کے ساتھ ان کے اکرام واعزاز میں اور حوصلہ افزائیوں میں کوتاہی نہ کرے۔

یہ نظام الٰہی ہے اور اسی کی جانب سے یہ تقسیم امور ہے کہ وہ کسی فرد کو معلمی کی خدمت کے لیے منتخب کرلے اور کسی انسان کو اہتمام وانتظام کی پرخطر ذمہ داری پر فائز کردے، لہٰذا مہتمم کسی مدرس کو بھی حقیر نہ سمجھے، ان کے ساتھ نوکروں کی طرح برتاؤ نہ ہو۔ حضرت محی السنہ ہردوئی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اراکین و منتظمین کو چاہیے کہ دوسرے معاونین اور بالخصوص اساتذۂ کرام کے ساتھ حسن سلوک رکھیں۔)(۱)

اس زمانہ میں بعض ایسے کم ظرف نظما کے واقعات سننے کو ملتے ہیں کہ وہ اپنے مدرسہ کے معلموں کو اپنے نوکر ہونے سے تعبیر کرتے ہیں اور فخریہ بیان کرتے ہیں، اس سطحی ذہنیت کے نتیجہ میں جو بگاڑ ایسے مدرسوں کا سامنے آتا ہے، ظاہر ہے، اللہ تعالی حفاظت فرمائے، آمین۔

اہل انتظام کے لیے ہماری ناقص رائے اور تجربہ یہ ہے کہ وہ حضرات اس سلسلہ کی مزید تفصیل ملاحظہ فرمانے کے لیے حضرت اقدس مفتی مہربان علی شاہ بڑوتی قدس سرہ کی تالیف تعلیم وتربیت کس طرح کا نیا ایڈیشن اور مثالی استاذ مولفہ حضرت مولانا عبدالمجید صاحب مدظلہ مسلسل مطالعہ میں رکھیں۔ محی السنہ حضرت اقدس شاہ ابرارالحق صاحب قدس سرہ کی مجالس ابرار بھی اس باب میں اپنی منفردانہ حیثیت رکھتی ہے۔

ناظم مدرسہ اور مدرسین کی ذمہ داریاں

☆ وہ ایسا منصف مزاج ہو کہ جب بھی مدرسے کے کسی قانون کی مخالفت کی جائے تو وہ

---

(۱) مجالس ابرار، ص: ۱۴۷

حتمی طور پر اس کی حمایت کرے۔

☆ اپنے اوامر وذمہ داریوں میں خوب باریکیوں سے کام لینے والا ہو۔

☆ عقل وتدبیر کا ایسا ماہر ہو کہ جب کوئی ہنگامی پریشانی یا الجھن پیش آئے تو بغیر ٹکراؤ کے اپنے فوری طور پر درست محل کی طرف پھیر دے۔

☆ تمام احوال وحوادث کا مدبر ومنتظم ہو جس کا شعار (ہر شیء کو اس کی جگہ قائم کرنا اور رکھنا) ہو۔

☆ ناظم مدرسہ کے لئے سب سے مقدم اور اہم کام مدرسہ کے نظام پر پوری توجہ رکھ کر اسے مستحکم اور مضبوط بنانا ہے۔لہٰذا اسے اس کے علاوہ دیگر کسی کام کی طرف توجہ ہرگز نہیں کرنی چاہئے؛ بلکہ اسے چاہئے کہ وہ ہمیشہ نظام مدرسہ کے پہلو پر سوچتا رہے۔

☆ اور جب نظام میں پختگی کے کچھ آثار ظاہر ہوں تو اب وہ درمیانی بالا دستی سے مدرسین کو اچھی خاصی جدوجہد پر ڈالے؛ تاکہ وہ اپنے قیمتی اوقات افراد سازی میں صرف کریں اور انہیں ضائع نہ کریں؛ البتہ وہ حضرات اگر افراد سازی میں کوئی دشواری محسوس کریں تو ان جیسے اہم امور میں ناظم مدرسہ کی طرف رجوع کریں۔

☆ بڑے مدارس میں ناظم مدرسہ کے لئے تدریسی وتعلیمی کام عام مدرسین کی طرح مکمل انجام دینا مشکل ہے، کیوں کہ منصب اہتمام،منصبِ تدریس سے بھی بڑھا ہوا ہے، جس کی وجہ سے وہ ہمہ وقت تدریس میں رہے، یہ ناممکن سا ہے تو ایک دو گھنٹہ تدریس کے بعد وہ اپنا مکمل زور اور اپنی پوری توانائی، دانائی مخصوص نظامی کاموں میں صرف کرے اور انہیں عمدہ اور مضبوط بنانے میں صرف کرے۔

☆ اگر ناظم مدرسہ سارے امور کو از خود انجام نہ دے سکتے ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ کچھ امور اپنے ماتحت مدرسین وغیرہ سے انجام دلائے جب کہ وہ اس کام کے اہل ہوں ؛لیکن بعض اہم امور تو از خود انجام دے مثلا: طلبہ کی سستی، ان کی تاخیر اور ان کی تعطیل پر گرفت کرنا، اسی طرح ضرورت پڑنے پر ان کے والدین

سے خط وکتابت اور فون کرنا وغیرہ۔

☆ ناظم مدرسہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام مدرسین وطلبہ کے اعمال وکردار سے واقفیت رکھے۔

☆ طلبہ کی غیر موجودگی میں اساتذہ کے طریقہ تعلیم میں بقدر ضرورت اصلاح جب کہ اس کی ضرورت ہو۔

☆ طلبہ کا از خود امتحان لینا؛ تاکہ طلبہ بھی سیکھنے پر متوجہ رہیں اور اساتذہ بھی تدریس میں توجہ سے کام لیتے رہیں۔

☆ ناظم مدرسہ اس پر توجہ دے کہ کون مدرس کس صلاحیت کا مالک ہے اور اس کی نفسیات کیا ہیں؟ انہیں معلوم کرکے اس کے مطابق روش اختیار کرے، ان کے علاوہ بھی اس کے کام ہوتے ہیں، مثلاً: طلبہ اور اساتذہ کے اعمال واخلاق، مدرسہ کے سامان کی ترتیب، داخل مدرسہ وخارج مدرسہ دونوں میں نظافت، مدرسہ کے اوقات، طلبہ کی دلچسپی، سکون ووقار وغیرہ پر نظر رکھنا؛ لیکن ان میں اہم فالأہم کی ترتیب ملحوظ رکھے۔

☆ اصلاح میں ادب واحترام اور حکمت ودانائی سے کام لے۔(۱)

۱- طلبہ کی تعلیمی تربیتی، اخلاقی ترقی ہمیشہ پیش نظر رکھیں اور نیک ومحنتی طلبہ کی ہمت افزائی کے لئے وظائف کا خیال رکھیں۔

۲- انتظامیہ مدارس برسرعام اساتذہ پر تنقید نہ کریں، ان کی توقیر وتکریم کا خاص لحاظ رکھیں۔

۳- یاد رکھیں کہ لائق اساتذہ مدرسہ کے حق میں مزدور محض نہیں؛ بلکہ وہ بنیادی ستون کی حیثیت رکھتے ہیں اور تعلیمی جدوجہد کے اصل روحِ رواں ہیں۔

۴- اساتذہ کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کا ایسا کوئی خاص طریقہ اختیار نہ کریے کہ اس سے تدریسی ماحول تباہ ہوجائے گا اور وہ حضرات بے اعتمادی کا شکار ہوں گے۔

۵- تعلیمی ترقی کے لئے ضروری اشیاء، طلباء اور اساتذہ کے قیام وطعام کی بہتری کو

---

(۱) فن تدریس کے اصول، شیخ علی عمر صاحب: ۳۵ تا ۳۷

مصارف میں پہلے نمبر پر رکھیں۔

اصول ہشت گانہ برائے دار العلوم ودیگر مدارس اسلامیہ

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے تحریر فرمودہ ان اصولِ ہشت گانہ پر بھی نظر ڈالنا ضروری ہے، جو دار العلوم دیوبند ہی نہیں؛ تمام اسلامی مدارس کے لئے رہنما اصول یا دستور کی حیثیت رکھتے ہیں:

۱) اصل اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنانِ مدرسہ کو ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے، آپ کوشش کریں اوروں سے کرائیں، خیر اندیشان کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔

۲) بقاءِ طعام؛ بلکہ افزائش طعام طلبہ میں جس طرح ہو سکے خیر اندیشانِ مدرسہ ساعی رہیں۔

۳) مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور اسلوبی ہو، اپنی بات کی پچ نہ کی جائے، خدانخواستہ اس کی نوبت آئے گی کہ اہل مدرسہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفت رائے اوروں کی رائے کی موافق ہو، ناگوار ہو تو پھر اس مدرسے کی بنا میں تزلزل آجائے گا، القصہ تہ دل سے ہر وقت مشورہ اور نیز اس کے پس وپیش میں اسلوبی مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو، اور اس لئے ضروری ہے کہ اہل مشورہ اظہار رائے میں کسی وجہ سے متأمل نہ ہوں اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں، یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی تو اگر چہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہوں، بہ دل وجان قبول کریں گے، اور نیز اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مہتمم امور مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے، خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مدرسہ رہتے ہیں، یا کوئی وارد صادر جو علم وعقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو اور نیز اسی وجہ سے ضروری ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے کسی اہل مشورہ سے مشورہ کی نوبت نہ آئے اور بقدر ضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر وہ شخص اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا، ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر اہل مشورہ معترض ہو سکتے ہیں۔

۴) یہ بات بھی بہت ضروری ہے کہ مدرسین یا مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علماء روزگار خود رہیں اور دوسروں کے درپئے توہین نہ ہوں، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر اس مدرسے کی خیر نہیں۔

۵) خواندگی کی مقررہ مقدار اس انداز سے ہو جو پہلے تجویز ہو چکی ہے، یا بعد میں کوئی اور انداز مشورہ سے تجویز ہو، ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر آباد ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

۶) اس مدرسے میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں، جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرطِ توجہ اِلی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسے یقینی حاصل ہو جائے کہ یہ خوف ورجاء، جو سرمایہ رجوع اِلی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہو جائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا، القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

۷) سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

۸) تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندے سے امید ناموری نہ ہو، بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔

اصولِ ہشت گانہ کی تشریح

دار العلوم دیوبند اور اس کے منہاج پر جاری دیگر مدارس دینیہ کے مذکورہ اصول ہشت گانہ کی تشریح حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندی اپنے الفاظ میں یوں فرماتے ہیں:

''ان اصولوں کی بناء پر آسانی سے کہا جاسکتا ہے کہ دار العلوم اور اس کے ہم صنف دیگر مدارس کے مقاصد حسب ذیل ہیں:

(الف) آزادی ضمیر کے ساتھ ہر موقع پر کلمۃ اللہ الحق کا اعلان ہو، کوئی سنہری طمع، مربیانہ دباؤ یا سرپرستانہ مراعات اس میں حائل نہ ہو سکے۔(۱)

---

(۱) مندرجہ بالا الف و ب کے لئے ملاحظہ ہو اصول ہشت گانہ کی دفعہ ۶، ۷، ۸

(ب) اس کا تعلق عام مسلمانوں کے ساتھ زائد سے زائد ہوتا کہ یہ تعلق خود بخود مسلمانوں میں ایک نظم پیدا کردے جو ان کو اسلام اور مسلمانوں کی اصل شکل پر قائم رکھنے میں معین ہو اور اس طرح اسلامی عقائد اور اسلامی تہذیب ہمیشہ کے لئے ورنہ کم از کم اس وقت تک کے لئے محفوظ ہو جائے، جب تک یہ مرکز اپنے صحیح اصول پر قائم رہے، نیز توکل علی اللہ اور عوام کی طرف سے احتیاج خود کارکنانِ مدرسہ کو اسلامی شان پر باقی رکھ سکے اور جابرانہ استبداد یا ریاست کا ٹھاٹ ان میں قطعاً پیدا نہ ہو؛ بلکہ ایک جمہوری تعلق ہو، جو ایک دوسرے کا محتاج بنائے رکھے اور اس طرح آپس میں خود ایک دوسرے کی اصلاح ہوتی رہے۔

(ج) کارکنانِ، خدام اور مستفیضین کی جماعت جملہ اثرات سے محفوظ اور مامون رہ کر ولی اللہی مسلک پر شدت سے عمل پیرا رہے جس کے متعلق تمام عالم اسلامی کا اتفاق ہے کہ وہ سنت قویمہ ہے، مسلک اسلاف کے عین مطابق ہے، افراط وتفریط سے پاک، صراط مستقیم اور معیار صحیح ہے۔(۱)

(د) خودداری اور استبداد (جو شرعی نیز تاریخی حیثیت سے بربادی مسلم کا واحد ذمہ دار ہے) کے برخلاف باہمی مشاورت سے اجتماعی اور جمہوری حیثیت کے ساتھ کام کرنے کا نمونہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے۔(۲)

صفائی معاملات پر خاص توجہ دینے کی ضرورت

اسلامی تعلیمات میں اہل ایمان کو جس طرح اخلاقیات وعبادات اور معاشرت کا مکلف بنایا گیا ہے، وہیں معاملات کی درستگی اور صفائی رکھنے کی واضح ہدایات بھی دی گئی ہیں، قرآن کی آیات اور احادیث نبویہ ﷺ اس پر شاہد عدل ہیں، عصر حاضر میں جو بنیادی

---

(۱) ملاحظہ اصل: ۴

(۲) اس کے متعلق اصل: ۳، میں متعدد ضابطوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے (علماء حق: ۱/ص: ۵۴ تا ۵۶، بحوالہ: ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴

کمزوریاں اسلامی معاشرہ کی علامت بن چکی ہیں، ان میں صفائی معاملات نہ رکھنے کی عادت بھی شامل ہے، عوام الناس کا کیا ذکر خواص سمجھے جانے والے، لکھے پڑھے طبقہ کے لوگ بھی اس مرض میں مبتلا ہیں؛ بلکہ اس سے بھی ایک قدم بڑھ کر یہ کہ بعض مدارس ومکاتب کے ذمہ داران اور سربراہ حضرات بھی اس مہلک بیماری میں مبتلا ہیں کہ مدرسہ کے مدرسین اپنی تنخواہوں کے لیے ان کے پیچھے چکر لگاتے ہیں، مدرسہ میں تعمیری کام کرنے والے معمار ومزدوران کے پیچھے گھومتے نظر آتے ہیں، کسی اللہ کے بندے سے ان کا کوئی معاملہ خرید وفروخت کا ہوجائے وہ بھی ان کی بدمعاملگی سے محفوظ نہیں رہ پاتا، ایسے لوگوں کا معاملہ ادارہ کے داخلی امور میں بھی شفاف نہیں ہوتا، آمد وخرچ کا حساب لکھنے اور محفوظ رکھنے میں بھی وہ غیر محتاط ہوتے ہیں، یقیناً یہ ایک تکلیف دہ صورت حال ہے جو ایک مسلمان کے اور خاص طور پر کسی دینی ادارہ کے منتظم عالم دین کے شایانِ شان نہیں۔ ضرورت ہے کہ ہم اس قسم کے سطحی طرزِ عمل سے اپنے آپ کو اوپر اٹھائیں، اور اپنے روشن مستقبل بنانے کی محنت کریں۔

قدیم فضلاء سے رابطہ

ایک طالب علم چار پانچ سال ہماری زیرِ تربیت رہتا ہے، اگر عالمیت وغیرہ کی تکمیل بھی ہمارے ادارہ میں کیا ہے اور گویا گیارہ بارہ سال اس کی تراش خراش، ذہنی نشو ونما، علمی عملی ترقی کی فکر کی گئی، انتظامیہ، اساتذہ اور قوم نے شب وروز اپنی توانائیوں کو جھونکا، مدارس کی حقیقی کمائی، حاصل شدہ سرمایہ، تمام کی محنتوں کا نتیجہ یہ ہی فضلاء وفرزندان ہیں، چہار دیواری سے باہر کا پرفتن ماحول، ناپختہ طبیعت، بچکانہ مزاج، گھروں کے نامساعد حالات، قوم کی لاپرواہی وغیرہ کے تھپیڑے ایک حافظ قرآن اور عالم دین کو خدمت دین پر جمنے نہیں دیتے، نفس وشیطان کے پے در پے حملے، معاشی حوصلہ مندیاں، : کاروبار کی مشغولیت، بیوی بچوں کے مسائل رواج وسماج کا اثر آدمی کو راہ استقامت سے ہٹاتا ہے،

اسی لئے سال میں ایک مرتبہ یا چھ ماہ میں ایک مرتبہ کم از کم سالانہ جلسوں میں ان کو مدعو کیا جائے ، رسمی جلسے کے بجائے ان کے احوال سنے جائیں، گرتوں کو سنبھالا جائے ، تزکیہ صاحب دل سے تعلق قائم کرے، دعوت وتبلیغ کی محنت سے وابستہ ہونے یا مکاتبِ قرآنیہ سے کسی نہ کسی درجہ پر جمنے اور مرنے کے عزائم پیدا کئے جائیں، ان کے ذوق ومیلان کے مطابق خدمتِ دین کے میدان میں چلایا جائے ، کچھ مالی تعاون کرنا پڑے تو دریغ نہ کرے اگر معاشرتی جھگڑے ہوں تو گھر پہنچ کر سلجھائے ، کہیں کمیٹی یا کسی ادارہ سے اس کا تنازعہ کھڑا ہو چکا ہو (چاہے اس کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے ہو یا ذمہ داروں کی بے اصولی سے) تو اس کو قدمے، سخنے حل کروایا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ مدارس اپنی چالیس، پچاس یا سوسال میں جتنے طلبہ کو تیار کرتے ہیں انہیں کو کارآمد ومتحرک کرلیا جائے تو خدمتِ دین کے بڑے بڑے تقاضے پورے ہوسکتے ہیں۔

اطراف واکناف سے رابطہ

مدارس میں کالجوں اور اسکولوں کے بالمقابل میں اخلاقی قدریں، جذبہ ہمدردی، حیاء وپاکدامنی، مالِ حلال کی اہمیت، ملک وملت کے لئے کچھ کرنے کے ارادے تازہ اور زندہ ہیں، کم بجٹ، کسمپرسی کے عالم میں، حکومتوں پر کوئی بوجھ ڈالے بغیر قوم کے بچوں کو ضروری عصری تعلیم سے آراستہ کرنے کے ساتھ انہیں حافظ عالم بنایا جائے ، دوستوں کے ساتھ ریگنگ، اساتذہ کے ساتھ بدتمیزی ، زنا کاری وبے حیائی ، انتظامی دفاتر میں توڑ پھوڑ ، خدام وعملہ سے ناروا سلوک ، ہر کام میں رشوت، تعلیم برائے تجارت ، استاذ وشاگرد کا صرف ملازمین والا تعلق ، یہ سب وہ جراثیم ہیں جس سے بحمد اللہ مدارس کافی حد تک اس زمانہ تنزل میں بھی محفوظ ہیں، لیکن یہ خوبیاں نہ مسلمان جانتے ہیں، نہ غیر مسلم، نہ اہل سیاست جانتے ہیں نہ اہل ثروت، پھر اس پر میڈیا کا پیروپیگنڈہ ، اخبار بازی، دہشت گردی کا الزام ، اسلام دشمن طاقتوں کی چڑھائی وبہتان تراشیوں کا ایک تسلسل سب کو بدگمان کرتا رہا ہے، کم از کم ان اداروں کو بے وزن بنایا

دیا جائے، اس لئے اہلِ مدارس کو چاہئے کہ وہ وقتاً فوقتاً سرکاری عہدہ داروں، اطراف واکناف کے اہل دیہات واہل محلہ کو اپنی خدمات سے متعارف کروائیں، اعتماد جیتیں، یوم آزادی، رمضان وبقرعید یا سالانہ جلسوں میں خاص طور پر انہیں مدعو کیا جائے، ہوسکے تو رفاہی وفلاحی کاموں کو زندہ کریں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے اہل مکہ کے ساتھ کیا کرتے تھے، گرما میں ٹھنڈا پانی، سردی میں کمبل، غیر مسلم بیواؤں کا وظیفہ، ان کے یتیم بچوں کی تعلیمی کفالت، کھانوں کی تقسیم، انہیں اپنے تعمیری یا مناسب سمجھیں تو انگریزی وغیرہ پڑھانے میں استعمال کریں، اڑوس پڑوس کے لوگوں سے کھچاؤ، تناؤ کی فضاء نہ ہو، ان سے کٹ کر جزیرہ بن کر نہ رہیں، انسانیت کی بنیاد پر جو خدمت کی جاسکتی ہو کریں، اس نیت سے کہ یہ مادی تعاون شاید انہیں اسلام کی دولت سے قریب کرے گا۔

یوم والدین

نظام تعلیم کے تین پائے اور تین ارکان ہیں، استاذ، طالب علم اور والدین، ان میں فکر کی یکسانیت، طالبانہ رنگ، دینداری کا شوق، اپنی متعلقہ ذمہ داریوں کا احساس ہو تو کام نتیجہ خیز ہوتا ہے، ورنہ صرف اگر استاذ فکر مند مگر طالب علم اور والدین تعاون نہ کریں یا والدین اور استاذ تو محنت کریں مگر طالب علم لاپرواہ، بے حس قسم کا ہو ابھی تک اس نے پڑھنے کا ارادہ ہی نہیں کیا، یا استاذ اور طالب علم تو علم دین اور عمل پر پُرعزم ہوں؛ مگر والدین ناجائز تقاریب، گھریلو بے دین ماحول، غیر شرعی لباس، نامحرموں سے بے تکلفی، حرام سے احتیاط نہ کرتے ہوں، اور بچہ کو اپنے حافظانہ وقار، عالمانہ آداب پر جمنے میں حوصلہ شکنی کرتے ہوں، تو ظاہر ہے کہ یہ طالب علم خادم دین نہیں بن سکتا۔

آئے دن ہم دیکھتے ہیں کہ بیٹا حافظ یا عالم بن چکا، مگر والدین اذکارِ نماز نہیں جانتے، وہ احکام اسلام کے اسرار ورموز، اور فقہ، حدیث وتفسیر پڑھ لیتا ہے، مگر افراد خاندان مبادیات اسلام سے واقف نہیں ہوتے، عالم وحافظ کی صحیح قدر، دنیوی اخروی مقام، طرزِ

زندگی، ذریعہ معاش سے واقف نہیں ہوتے، پھر آئندہ میدانِ عمل کا انتخاب، لڑکی کی پسند بھی اسی رواجی زندگی کے مطابق کرلی جاتی ہے، اس سے وہی امید وامنگیں وابستہ کرتے ہیں جو اہل دنیا اپنے ڈگری یافتہ اولاد سے کرتے ہیں، ایسی مصروفیات میں اسے الجھا دیا جاتا ہے جس سے وہ خدمتِ دین سے کوسوں دور ہی نہیں فرائض اور اسلامی لباس کو بھی وہ چھوڑ دیتا ہے بجائے وہ خاندان پر اثر انداز ہونے کے بے دین خاندان کے مطالبات واحکامات کے پورا کرنے میں اپنی پونجی لٹا دیتا ہے۔

"یوم والدین" ان بعض مضرات سے بچنے کے لئے پیش بندی کے لئے ہے، نظامِ عالم بالغوں کے عمل سے چلتا ہے، نہ کہ نابالغوں کے، اپنی آخرت بتانے کے لئے، خود علم دین حاصل کرنا ہے، آئندہ زندگی کے مسائل میں اساتذۂ مدرسہ سے ربط وتعلق رکھنے کی ضرورت سمجھائی جاتی ہے، اپنا مال فضول رسموں پر لگانے کے بجائے مدرسہ کی فیس، اور بچہ کی علمی ضروریات پر لگانے کے لئے فوائد سمجھائے جائیں، انہیں پتہ ہو کہ بچہ کیا پا رہا ہے، اکابر کا بچپن، ان کا اندازِ پرورش کیسا تھا، ان کے سرپرستوں اور والدین کی زندگیاں کیسی تھیں، طالب علم کی کسی خاص علمی، عملی کمزوریوں کے ختم کرنے میں ان سے مدد حاصل کی جاتی، سال میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ اس طرح والدین سرپرستوں کو بلانا یا صرف والدین کو بلانا بہت مفید معلوم ہوتا ہے، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ نے بھی ایسا کیا ہے۔

نظام تربیت

طلبہ کی تعلیم وتربیت ہر استاذ کا اہم فریضہ ہے، تعلیم وتربیت میں اہم ترین فریضہ تربیت ہے، لہٰذا اس کی طرف تعلیم سے زیادہ توجہ دینی ہے، اس لئے کہ آج کل صرف تعلیم طلبہ میں اخلاق پیدا کرنے سے قاصر ہے۔

☆ تربیت کی بنیاد تین باتوں پر ہے:

(۱) استاذ خود اپنے آپ کو ایک نمونہ بنا کر پیش کرے۔

(۲) استاذ ہر بچہ کی چھوٹی سی چھوٹی خامی پر حکمت کے ساتھ روک ٹوک کرتا ہو۔

(۳) اور ہر چھوٹی سی چھوٹی خوبی کو سراہتا ہو اور تعریفی کلمات کے ذریعہ طلبہ کی ہمت افزائی کرتا ہو۔

☆ تربیت کے لئے ہر مدرسہ واسکول میں عمومی طور پر ہر ایک استاذ مربی کے عہدے پر ہونا بہتر ہے۔

☆ ہر درجہ کے کلاس ٹیچر کو اس درجہ کا مربی قرار دے کر اپنے درجہ کی تربیت اس کے ذمہ کردی جائے؛ تاکہ کبھی کبھی بچوں کو دس پندرہ منٹ کے لئے پاس بلا کر ان کو نصیحت اور ان کی تربیت کی جاسکے۔

☆ کبھی کبھی کوئی استاذ اجتماعی طور پر طلبہ کا جائزہ لے مثلاً آج صبح اٹھنے کی دعا کس نے پڑھی، آج کپڑا پہننے کی دعا، وضو کے دوران وبعد کی دعا، مسجد میں داخل ہونے کی دعا، اعتکاف کی نیت، قرآن مجید کی تلاوت، سورہ یس، ملک؟ اس کا جائزہ لیتے رہنا

بھی تربیت کے لئے بہت مفید ہے۔

☆ تربیت کے موقع پر بچوں سے جو بات کہی جائے وہ مع دلیل کہی جائے۔

☆ بچوں کی تربیت کے لئے بہتر یہ ہے کہ اساتذہ "تبلیغ دین" ریاض الصالحین، زادسفر، کے ایک ایک باب کا خلاصہ پیش کریں طلبہ کے سامنے۔

☆ تربیت میں سب سے پہلے اساتذہ کا کسی بزرگ سے تربیت لینا ضروری ہے؛ اس لئے کہ جب آدمی خود تربیت حاصل نہ کیا ہو وہ دوسرے کی تربیت کیسے کرے گا؟

☆ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی تربیت کس طرح کی ہے اسی انداز کو اختیار کرنے کی فکر کرے۔

☆ طلبہ اکثر کپڑے، برتن وغیرہ گندے رکھتے ہیں، دھو کر نہیں رکھتے، نگران اس بات کی تاکید کرے کہ کسی بچے کے پاس کوئی کپڑا گندہ نہ ہو۔

☆ چادر، بستر، تکیہ کے غلاف کو ہر ہفتہ یا ہر مہینہ دھونے کی فکر کرے۔

☆ کبھی کبھی کپڑے حمام میں پڑے سڑتے رہتے ہیں، اس کے مالک طالب علم کا پتہ تک نہیں چلتا، لہٰذا نگراں روزانہ حمام کا چکر لگاتا رہے۔

☆ کھیل کے لئے الگ سے رنگین کپڑے رکھنا بہتر ہے۔

☆ عام طور پر سال کے شروع میں بچہ چار چھ جوڑے کپڑے لے کر آتا ہے پھر گھر جاتے وقت اس کے پاس بدن کے کپڑے کے علاوہ کوئی کپڑا نہیں ہوتا؛ لہٰذا کپڑوں کی نگرانی کرتے رہیں۔

☆ طلبہ کو ضروری کپڑوں کے علاوہ اپنے تمام کپڑے اپنے صندوق میں رکھنے کی تاکید کریں۔

☆ طلبہ اور اساتذہ کے لے مہینہ میں ایک بار چوبیس گھنٹہ کے لئے کم از کم جمعرات کی ظہر سے جمعہ کی صبح تک کے لئے اور سال میں چلہ یا کم از کم عشرہ کے لئے جماعت میں نکلنا انتہائی ضروری ہے۔

☆ بچوں سے سنتوں کا اہتمام کروائے اور ان سے عملی مشق کروائے۔

☆ طلبہ سے کوئی نہ کوئی جرم اور غلطی سرزد ہوتی رہتی ہے؛ لہٰذا طلبہ کو انفرادی یا اجتماعی طور پر تنبیہ کرتے رہنا بہت ضروری ہے۔

☆ بر وقت تنبیہ سے بہت فائدہ ہوتا ہے، مثلاً کسی طالب علم نے نماز پڑھائی یا اذان واقامت کہی اور اس میں غلطی ہو تو نماز کے بعد محبت کے ساتھ وضاحت کرے۔

☆ کبھی کبھی بچوں کو لے کر ڈاک خانہ، ریلوے اسٹیشن، پولیس اسٹیشن یا کسی آفس میں ساتھ لے جا کر وہاں کی معلومات فراہم کرے۔

☆ اگر کسی مکتب یا اسکول میں تعلیم کے دوران یا آخر میں نماز کا وقت آجائے تو تمام طلبہ کے لئے یا اسکول میں تعلیم کے دوران یا آخر میں نماز کا وقت آجائے تو تمام طلبہ کے لئے باجماعت اور طالبات کے لئے انفرادی یا اجتماعی نماز کا نظم ہونا ضروری ہے؛ تاکہ وہ نماز پڑھ کر گھر جائیں۔

☆ طلبہ کی تربیت صرف وعظ وتقریر کے ذریعہ نہ ہو؛ بلکہ عملی مشق کے ذریعہ ہو۔

☆ تمام طلبہ سے اذان، اقامت، تقریر اور بالغ طلبہ سے امامت کرائی جائے۔

☆ بچوں کو اخلاقی کہانیوں اور نظموں کا بہت شوق ہوتا ہے: لہٰذا بچوں کے پاس نظموں اور اشعار کی کاپی ہونی چاہئے۔

☆ اساتذہ میں جس کی آواز اچھی ہو وہ طلبہ کو ضرور سکھائے نظمیں نعتیں، تقریر وغیرہ۔

☆ طلبہ دار الاقامہ میں مستقل نگراں ومربی کے ساتھ رہتے ہیں، درجہ میں طلبہ اپنے استاذ کے سلوک کو دیکھتے ہیں اور غیر شعوری طور پر استاذ ومربی کے عادات واطوار، زبان لہجہ اور اس کی تمام اچھائیاں اور برائیوں کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں؛ اس لئے کہ ہر انسان میں تقلید کا مادہ ہے، لہٰذا استاذ کو چاہئے کہ وہ اپنے افعال وکردار، اپنی سیرت وصورت اپنے لباس، چال، ڈھال اور اپنی آواز کو مثالی اور سنت کے مطابق بنائے۔

☆ سال میں ایک سب سے بااخلاق طالب علم کومثالی طالب علم قرار دیا جائے۔

☆ ہر بچہ کواپنے نام کے معنی اوراپنی تاریخ پیدائش معلوم ہونی چاہئے۔

☆ طلبہ کے قلم اکثر گم ہوتے رہتے ھیں ؛ لہٰذا چھوٹے سے پرچے پر نام لکھ کر قلم کے اندر رکھ دینے سے قلم کی حفاظت ہوتی ہے۔

☆ داخلہ کے موقع پراورسال کی ابتداء میں طلبہ کی اخلاقی باتوں پر کڑی نظر ہونی چاہئے۔

☆ سال کے شروع میں جب تک تعلیم شروع نہ ہومختلف اساتذہ کے ذریعہ طلبہ کی خوب تربیت کی جائے ، دعائیں، حدیثیں، نماز،عبادات کی مشق اور پورے مدرسے کی مکمل صفائی کروالی جائے۔

☆ چھٹی سے پہلے اس بات کا بار بار عہد لیا جائے کہ وہ وقت پر آئیں گے۔

☆ ضرورت پڑنے پر بڑی تعطیلات کے بعد ایک دن پہلے شام تک حاضر ہونے پر سو روپیہ، پہلے دن شام تک حاضری پر پچاس روپیہ اور دوسرے دن شام تک حاضری ہونے والوں کو پچیس روپیہ انعام مقرر کیا جائے ،جلسہ کر کے نقد انعام دیا جائے۔ مناسب ہوتو دیر سے آنے والوں سے جرمانہ لیا جائے ،اساتذہ کی تاخیر سے آنے کا علاج یہ ہے کہ پہلے دن کی حاضری لازمی کردی جائے ،طلبہ کی طرح ان کوبھی انعام دیا جائے ، اور بلا رخصت دیر سے حاضری پر تنخواہ کاٹ لی جائے ؛ بلکہ تاخیر سے آنے والے پرایک ہزارروپیہ جرمانہ عائد کیا جائے۔

☆ سال کے شروع میں مدرسہ کے قوانین وضوابط نوٹس بورڈ پر لکھ کرلگادیں مثلاً طلبہ اپنے سامان کی خود حفاظت کریں،صندوق کوتالا لگا کر رکھیں،کوئی طالب علم اپنے پاس دس روپیہ سے زیادہ نہ رکھے، بلکہ فلاں استاذ کے پاس جمع کرے اورروزانہ عصر کے بعد پانچ تا چھ بجے تک اپنی رقم نکال سکتے ہیں،طالب علم کوتمام چیزیں داخلہ کے موقع پر دلادیں مثلاً کتابیں، کاپیاں،قلم ، بستہ،کورے کاغذ، اس کی جیب خرچ کے لئے رقم اور گھر واپسی کا سفر کا کرایہ دفتر میں جمع کردیں،تا کہ آئندہ شکایت کا موقع نہ ملے۔

☆ سوتے ہوئے طلبہ کو اٹھاتے وقت مار کر نہ اٹھائیں؛ بلکہ پیار ومحبت سے بیٹا کہہ کر جگائیں اور صبح نیند سے بیدار ہوتے ہی فورا بستر چھوڑنے پر مجبور نہ کریں، اس کے لئے ان کو پانچ تا دس منٹ کا وقفہ دینا چاہئے۔

☆ طلبہ وطالبات کے لباس پر خاص توجہ دے، طلبہ وطالبات شرعی لباس پہنیں، لڑکوں کے پاجامہ ٹخنے سے تین انچ اونچے ہوں، آستین گٹہ تک ہو، اس کے آگے نہ ہو، لڑکیاں پاجامہ پہنیں، اور فل آستین کا لباس پہنیں، جو ٹخنہ سے نیچے تک ہو، طالبات کو اسکارف کا عادی بنائے، بڑی اور بالغ لڑکیاں برقع پہنیں، اس کا اوپری حصہ اتنا لمبا ہو کہ اس میں ہاتھ چھپ جائے۔

☆ طلبہ کو نماز تکبیر اولی کے ساتھ اور طالبات کو اول وقت پڑھنے کی فکر دلائے۔

☆ طلبہ کو اپنے ساتھیوں کو پڑھانے اور فارغ ہونے کے بعد استاذ بننے کی ترغیب دیتا رہے۔

☆ بال، ناخن، غسل اور کپڑوں کی صفائی پر خاص توجہ دے، استاذ کے پاس ناخن تراش ہوتا کہ اگر کسی بچے کے ناخن بڑے نظر آئیں تو فورا کٹوادے، اگر کسی طالب علم کے ناخن بڑے ہوں تو ناخن کاٹنے سے پہلے اس کا سبق نہ سنے، تمام بری عادات سے بچوں کو بچاتا رہے، مثلا گھٹکھا، پان، سپاری، بیڑی، سگریٹ، لواطت، استمناء بالید وغیرہ۔

☆ اچھی کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب دے اور رہنمائی کرے اور غلط ناولوں اور فحش لٹریچر سے طلبہ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔

☆ خود سلام میں پہل کرے، بچوں کو سلام کا عادی بنائے، بچوں کو ظلم وتعدی، مار پیٹ سے بچائے، غلطی کرنے پر معافی مانگنے کا عادی بنائے، دوسروں کو معاف کرنا سکھائے، دوسروں کی خامیوں کے پیچھے پڑنے کے بجائے دوسروں کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور اسے اپنانا سکھائے، اچھی باتوں کو قبول کرنے کی عادت ڈالے۔

☆ طلبہ کو تقریر، خطبہ نکاح مع ایجاب وقبول اور طلبہ وطالبات کو مرغی، گائے بیل وغیرہ

ذبح کرنے کی مشق کرائے۔تاکہ ذبیحہ مطابق سنت ہو۔

☆ عموماً چھوٹے طلبہ بہت زور سے بہت جلد تقریر کرتے ہیں، ان کو ٹھہر ٹھہر کر اطمینان سے تقریر کرنا سکھائیں۔

☆ طلباء کو مسنون دعاؤں کا عادی بنائیں، بری صحبت سے اور اپنے سے بڑی عمر کے بچوں کے ساتھ دوستی کرنے سے محفوظ رکھیں۔

☆ بڑے طلبہ کو مدرسہ کی طرف سے کرایہ دے کر اطراف کے دیہاتوں میں نماز جمعہ اور تقریر کے لئے روانہ کرتے رہیں، اس سے مدرسہ کا تعارف ہوگا اور طلبہ تقریر کرنے کے عادی بنیں گے۔

☆ تمام طلبہ واساتذہ فجر کے بعد سورہ یس اور مغرب کے بعد سورہ ملک اور سورہ واقعہ کا معمول بنائیں۔

☆ طلبہ اذان سے پہلے مسجد میں پہنچ کر تحیۃ المسجد وتحیہ الوضوء پڑھ کر تلاوت کا معمول بنائیں، اور جماعت سے پانچ منٹ پہلے سنتیں ایک ساتھ پڑھنے کا معمول بنائیں۔

☆ طلبہ کو اساتذہ کی نگرانی میں تکرار اور یاد کرنے میں رات گذارنا چاہیے، اس میں ایک گھنٹہ تلاوت میں صرف کریں اور امتحان کے زمانہ میں دس یا گیارہ گھنٹے اور تمام دنوں میں بھی اختیاری طور پر طلبہ دس یا گیارہ گھنٹے پڑھ سکتے ہیں۔

☆ درجہ حفظ کے طلبہ کو سال میں ایک ماہ اور دارالاقامہ کے بقیہ تمام طلبہ کو سال میں دو ماہ اور ہفتہ میں ایک دن چھٹی ہونی چاہیے، مکاتب قرآنیہ، شبینہ وصباحی مکاتب میں عیدین اور جمعہ کے علاوہ کبھی چھٹی نہیں ہونی چاہیے۔

☆ جس مدرسے میں بڑے طلبہ رہتے ہوں، وہاں جداری پرچے نکالنا بہت مفید اور ضروری ہے، جس کا ایک مدیر ہو اور طلبہ اساتذہ کی نگرانی میں مضامین لکھیں، ہر درجہ والے مل کر اپنا آٹھ یا چھ یا چار صفحہ کا جداری پرچہ نکالنا چاہیے۔

☆ طلبہ کے دلوں میں مدرسہ کی عظمت اور اس کی ایک ایک چیز کی محبت بٹھادے؛ تاکہ

توڑ پھوڑ سے مدرسہ کی کسی چیز کو ضائع نہ کرے۔(۱)

☆ طلبہ کی شرعی وضع قطع، شرعی لباس، نماز باجماعت پڑھنے کا اہتمام، صاف ستھرے رہنے اور اپنے بستر اور کمرہ کو صاف رکھنے کی طرف سخت توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔

☆ سپر وائزر کے علاوہ مہتمم اور استاذ جس وقت بھی ان امور میں کوتاہی دیکھے اس پر تنبیہ کرنا اپنا فریضہ سمجھیں۔

☆ خلاف ورزی پر تنبیہ کی جائے اس سلسلہ میں بہترین طریقہ: فجر اور عصر بعد اور جمعہ سے پہلے اس سلسلہ میں کوتاہی کرنے والے طلبہ کو اسی موضوع پر تقریر کرنا ضروری قرار دیا جائے، وہ باری باری انہیں عناوین پر بیان کریں، خود جب بیان کریں گے تو خلاف کرنے پر جراءت نہ ہوگی۔

☆ رات کو مطالعہ، تکرار، سونے اٹھنے، قیلولہ وغیرہ کا نیز فجر بعد تلاوت، عصر کے بعد تعلیم یا دعاؤں کا ورد پابندی سے ہونا چاہئے۔

☆ طلبہ کے اولیاء کو نتائج سے مطلع کرنے کا نظام کیا جائے۔

☆ دارالاقامہ میں چھوٹے اور بڑے بچوں کو الگ الگ کمروں میں رکھا جائے۔(۲)

بعض امور تربیت

☆ اس بچہ کو یہ عادت ڈالے کہ اگر اس سے کوئی غلطی ہوجائے تو اس کا اقرار کرلیا کرے... اور اگر وہ غلطی متعدی ہو تو صاحب حق سے معاف کرایا کرے، اس کی عادت ڈالنا بہت سخت ضروری ہے کہ اس میں اسکے دین کی سلامتی اور اس دنیا میں موجب عزت وراحت ہے اور اس میں پس وپیش کرنا تکبر اور ہمیشہ کے لئے موجبِ نفرت وذلت ہے۔

☆ اس کی بھی عادت ڈالے کہ سخن پروری کبھی نہ کرے، حق واضح ہوجانے کے بعد گو اپنے سے کم تر درجہ کا آدمی اس پر مطلع کرے فوراً اس کا اتباع کرے اور ہر امر میں

---

(۱) مدرسہ تعلیم سے تعمیر تک: ۱/ ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰۔

(۲) مدارس دینیہ کے لئے۔۔۔۲۱، مولانا ذوالفقار احمد صاحب

اس کوتواضع وخاکساری کی عادت ڈالے۔

☆ ہنسی، دل لگی کی عادت اس میں نہ پیدا ہونے دے کہ اس سے بیبا کی کا مادہ پیدا ہوگا۔

☆ اس کا اہتمام رکھیں کہ بچوں میں دوستی نہ پیدا ہونے پائے کہ اس کے مفاسد بے شمار ہیں۔

☆ اس کو عاجزی اختیار کرنے کی عادت ڈالو، زبان سے چال سے، برتاؤ سے شیخی نہ بگھارنے پاوے یہاں تک کہ اپنے ہم عمر بچوں میں بیٹھ کر اپنے کپڑے یا مکان یا خاندان یا کتاب وقلم ودوات تختی تک کی تعریف نہ کرنے پائے۔

☆ (یہ بات ذہن میں جمادیں) تہذیب کی بات یہ ہے کہ جو کام خود کر سکے اس کی فرمائش دوسرے سے نہ کرے، بس ایسے کام کو دوسرے سے کہے جو بغیر اس کے ممکن ہی نہ ہو اور وہ بھی بشرط اپنی ضرورت اور اس کی سہولت ہو۔(۱)

☆ ''طلبہ میں'' جس کے اخلاق خراب ہوں اول اس کے اخلاق کی اصلاح کا اہتمام کیا جائے، بات بات پر اس کو ٹوکا جائے، اگر اصلاح کی امید نہ رہے تو مدرسے سے علاحدہ کیا جائے۔

☆ طلبہ کے تمام افعال کی نگہداشت کرو، لباس کی بھی دیکھ بھال رکھو، ان کو اہل علم کے لباس کی ہدایت کرو، ورنہ مدرسے سے الگ کرو، صاف کہدو کہ اگر علم حاصل کرنا ہے تو طالب علموں کی سی صورت بناؤ، ورنہ رخصت ہو جاؤ۔

☆ اہلِ مدارس دینیہ تو سادہ ہی وضع میں رہیں، یہی ان کی خوبی ہے، ان کی رفتار سے، گفتار سے، نشست سے، برخاست سے، ان کے لباس سے اسلامی شان کی جھلک معلوم ہوتی ہو۔

☆ جس کو اپنی بات کی پچ کرنے کا مرض ہو وہ ہرگز پڑھانے کے قابل نہیں۔

☆ طلبہ کے لئے اخبار بینی سم قاتل ہے، اخبار دیکھنے والوں کو تو مدرسہ سے نکال دیتا ہوں۔

☆ میں ایسے شخص کو مدرسے میں رکھنا نہیں چاہتا جس سے دوسروں کو ایذاء پہنچے۔

(۱) تعلیم وتربیت کس طرح؟ ۳۸، ۳۹

☆ طالب علم کے لئے میل جول ''غیر ضروری فضول خلط ملط'' اور تعلقات ''سم قاتل'' اور ''مہلک زہر'' ہے۔

☆ ہم تو علوم درسیہ مروجہ مدارس عربیہ کو بھی جب کہ وہ صرف الفاظ کے درجہ میں ہوں اور عمل کے ساتھ نہ ہوں علم نہیں کہتے۔

☆ بہت سی کتابیں پڑھ لینے'' پڑھا لینے'' ' کا نام دین نہیں ہے، دین میں اصلاح عادات بھی داخل ہے اسی کو تہذیب کہتے ہیں، افعال، حرکات، وسکنات، معاملات، بول چال سب کا نگراں رہنا چاہئے، اعمال کی اصلاح اخلاق کی اصلاح فرض ہے۔

☆ بعض کہتے ہیں کہ لکھ پڑھ کر سب درست ہوجائیں گے، (اس لئے زمانہ طالب علمی میں اصلاح ودرستی کی فکر کی ضرورت نہیں) اے نادانو! اس وقت تو اور بگڑ جائیں گے (چونکہ مخلی بالطبع اور آزاد رہو گے) اس وقت (طالبعلمی میں) تو دوسروں کے ماتحت ہیں جب ابھی ٹھیک نہ ہوئے تو آئندہ مختار ہو کر کیا امید ہوسکتی ہے، اس وقت تو کوئی یہ بھی نہ کہہ سکے گا کہ مولانا آپ سے یہ کوتاہی ہوئی یا آپ نے مسئلہ کے خلاف کیا، درست ہونے کا تو یہ (طالب علمی کا) اسی وقت ہے۔

☆ تربیت سے قطع نظر کرنے کی اور ضروری نہ سمجھنے کی تو کسی حال میں گنجائش نہیں، یہ کوتاہی ہے کہ بعض لوگ تعلیم کو تو ضروری سمجھتے ہیں؛ مگر تربیت کو ضروری نہیں سمجھتے، حالانکہ تربیت کی ضرورت تعلیم سے بھی ''زیادہ اور'' اہم ہے.... **مطلق** تعلیم سے اس لئے کہ مقصود تعلیم سے تربیت ہی ہوتی ہے، کیوں کہ تعلیم علم دینا ہے اور تربیت عمل کرانا ہے اور علم سے مقصود عمل ہی ہے اور مقصود کا اہم ہونا ظاہر ہے....۔

اساتذہ کے ذمہ کچھ تربیتی کام

☆ ہر طالب علم کو سورہ یاسین اور سورہ ملک حفظ کرائیں۔

☆ ہر ایک کا تلفظ اردو زبان میں صحیح ہو۔

(۱) تعلیم وتربیت کس طرح:۴۶، ۴۷، ۴۸

☆ کم ازکم ہر آدمی پر آدھے پارے کی تلاوت لازم سمجھیں۔
☆ ہر آدمی کے اندر اللہ تعالی نے اتنی صلاحیت رکھی ہے کہ وہ معلم بن سکتا ہے، لہٰذا کوشش کرے۔
☆ طلبہ سے محبت سے پیش آئے۔
☆ اصول زریں، حضور ﷺ کا طریقہ تعلیم وتربیت اور مثالی استاذ وغیرہ کتابوں کا مطالعہ رکھیں۔
☆ ہمارے ہر کمرے میں بورڈ ہو اور بورڈ ہمیشہ لکھا ہوا ہونا چاہئے، گھر ہی کیوں نہ، وہاں بھی بورڈ ہو اور نماز کے اوقات کا بھی بورڈ ہو۔
☆ اساتذہ مہتمم صاحب کو اچھی رائے ضرور دیں۔
☆ مہتمم صاحب کو یہ حق ہے وہ استاذ کو ٹوکیں اور ٹوکنے والے کو برا نہ سمجھا جائے، اگر استاذ کو نہ ٹوکیں اور برائی کو ہوتا ہوا دیکھتے رہیں اور عین وقت میں پھر استاذ کو نکال دیں تو یہ ظلم ہے۔
☆ جس عمر کے طلباء ہوں ان کو ان کے مطابق ہدایات دیں۔
☆ کوئی استاذ کسی طالب کو تنہائی میں سزا دے تو بہتر اور محتاط یہ ہے کہ کسی دوسرے استاذ کو گواہ رکھ لے۔
☆ چھوٹے طلباء کو یہ سمجھا دیں کہ وہ بڑے طلبہ کے ساتھ نہ رہیں۔(۱)

مربی کی تربیت

☆ سب سے پہلے نگراں ومربی کی تربیت کا باقاعدہ نظام بنایا جائے؛ کیوں کہ ذاتی زندگی کے کسی معاملہ میں ناتجربہ کار افراد پر بھروسہ نہیں کیا جاتا، نوآموز ڈرائیور کے ساتھ سفر کرنا پسند نہیں کیا جاتا، ناتجربہ کار درزی کا سلا ہوا، کپڑا پسند نہیں کیا جاتا، مگر ایک نسل کی تربیت کے لئے ناتجربہ کار مربی یا اتالیق کے حوالہ کر دیا جائے، یہ بالکل مناسب نہیں!(۲)

۱) استاذ کے لئے ضروری ہے کہ خود پاک وصاف رہے؛ تاکہ طلبہ میں نظافت وصفائی

(۱) معین المدارس، مفتی شاکر خان: ۱۵۴ (۲) معاصر دینی تعلیم مشکلات واحوال: ۱۰۶

پیدا ہو؛ مگر اس سے تکلف و تصنع مراد نہیں۔

۲) تمام دین کی اور خصوصا نماز و دیگر فرائض کی سخت تاکید رکھے۔

۳) طلبہ میں یہ بات پیدا کرے کہ حق بات مان لیں، ہٹ دھرمی نہ کریں۔

۴) خلاف حیا کام طلبہ کے سامنے نہ کریں اور نہ زبان سے اس کے سامنے خلاف حیا کلام نکالے۔

۵) اخلاق رذیلہ و جمیلہ کے امثال قرآن وحدیث سے چھوٹے چھوٹے جملہ کر کے لیں اور اس میں معرب مبنی اعراب عامل وغیرہ معلوم کرنے کی مشق کرا دیں، تا کہ قواعد کی بھی مشق ہوجائے اور ادب بھی آجائے اور حدیث کا علم بھی حاصل ہوجائے اور حدیث ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے۔(۱)

۱) مشاہدہ ہے کہ اگر کتابی علم کامل اور تربیت نہ ہو تو چالاکی اور دھوکہ دہی کا مادہ پیدا ہوجاتا ہے۔

۲) عمل بدوں تربیت مُورث عیاری ہے۔

۳) نرے پڑھنے اور پڑھانے سے کیا ہوتا ہے۔

۴) نرا علم شیطان اور بلعم باعور کا سا ہے۔

۵) درخت خودرو کہیں ٹھیک نہیں ہوتا، ناہموار اور بعض اوقات بدمزہ رہتا ہے، جب تک اسے باغباں درست نہ کرے، کاٹ چھانٹ نہ کرے، قلم نہ لگاوے، ایسے ہی وہ شخص جو محض کتابوں کے پڑھ لینے کو کافی سمجھ بیٹھے اس کی مثال بعینہ درخت خودرو کی سی ہے، جب تک اسے کوئی مربی درست نہ کرے تب تک ٹھیک نہیں ہوتا؛ بلکہ بددین اور بدعقائد یا بداخلاق ہوجاتا ہے۔

اساتذہ کی خدمت میں چند تربیتی امور

۱- نمازوں کی پابندی کریں۔

۲- مدرسہ کے ذمہ دار کا حکم بلا چوں و چرا قبول کریں۔

(۱) تعلیم و تعلیم اور دعوت کے اسلامی اصول وآداب: ۱۱۶، عظیم بکڈپو، دیوبند

۳- ۲۴ گھنٹے مدرسہ کے لئے فارغ کریں۔
۴- تدریس کے علاوہ نگرانی وغیرہ جیسے کام میں خندہ پیشانی سے تعاون کریں۔
۵- اپنی غیر تدریسی ذمہ داری (نگرانی وغیرہ) کی فکر کریں، غیر تدریسی ذمہ داری کی تنخواہ چونکہ علاحدہ ملتی ہے۔
۶- تعطیلات کے بعد بروقت حاضر ہوں ورنہ ایک دن کی تاخیر پر دو دن کی غیر حاضری شمار کی جائے گی۔
۷- شرعی لباس پہنیں۔
۸- صرف ذمہ داروں سے تعلق رکھیں۔
۹- اپنے کام سے کام رکھیں۔
۱۰- بال شرعی رکھیں۔
۱۱- داڑھی کم از کم ایک مشت رکھیں۔
۱۲- دوسروں کی تنخواہ سے قطع نظر صرف اپنی تنخواہ جو کفایت کرے وہ طئے کرے۔
۱۳- طلبہ کی صرف تعلیم نہیں؛ بلکہ تربیت کی بھی ہر ممکن کوشش کریں، کیوں کہ پوری تنخواہ تعلیم و تربیت کی ہے، تربیت کی کمی پر بڑی رقم کٹ سکتی ہے۔
۱۴- مدرسہ سے نکلنے والی ماہانہ جماعتوں میں نکلیں۔
۱۵- رمضان کی چھٹیوں میں آپ کے ذمہ مدرسہ کا چندہ کرنا نہ ہوگا؛ لہٰذا چلہ کی جماعتوں میں نکلیں۔
۱۵- اپنی شادی یا گھر کی کوئی شادی وغیرہ تعطیلات ہی میں رکھیں۔
۱۶- مقدار خواندگی جو بھی طئے ہو پوری کریں۔
۱۷- نورانی قاعدہ سیکھیں
۱۸- عصبیت و علاقائیت اور رنگ و نسل کے تمام امتیازات سے پاک ہو کر رہیں۔
۱۹- سیاسی وسماجی و اسلامی و نیم اسلامی و نیم سیاسی تحریکوں سے قولاً و عملاً ہر اعتبار سے لاتعلق ہوں۔

قابل احتیاط امور

☆ طلباء سے جسمانی خدمت نہ لیں۔

☆ طلبہ کی چیزیں استعمال نہ کریں

☆ طلبہ کو بے تحاشا نہ ماریں

☆ طلبہ کے سامنے کسی استاذ کی برائی نہ کریں

☆ کوئی دوسرا ذریعہ معاش اختیار نہ کریں

☆ کف والے آستین اور بڑے کالر والے کرتے نہ پہنیں، نیز شلوار قمیص پہنیں، پینٹ بالکل نہ پہنیں۔

☆ کسی کی رفع ونزول میں دلچسپی نہ لیں۔

☆ تعطیلات کے علاوہ بلاضرورت چھٹی نہ لیں۔

☆ مدرسہ کی کسی چیز یا اساتذہ یا ذمہ داروں پر نکتہ چینی نہ کریں۔

☆ تعویذ گنڈے کا کاروبار نہ کریں۔

☆ گانے، موسیقی، ناول، فلمی رسائل، بیڑی، سگریٹ، تمباکو وغیرہ سے پرہیز کریں۔

☆ کوئی امر خلاف شریعت یا نامناسب دیکھ کر اصلاح کا صحیح طرز اختیار کرنا ہوگا، برملا بھونڈے انداز میں روک ٹوک کرنے کی بالکل اجازت نہ ہوگی۔(۱)

بے ریش لڑکوں کی صحبت سے احتیاط

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لا تجالسوا أبناء الملوك؛ فإن الأنفس تشتاق إليهم ما لا تشتاق إلى الجواري العواتق“(۲)

ترجمہ: تم شہزادوں اور (امیرزادوں) کے پاس نہ بیٹھا کرو، کیوں کہ

---

(۱) معین المدارس، ۱۵۵

(۲) تلبیس ابلیس، ذکر تلبیس ابلیس علی کثیر من الصوفیۃ فی صحبۃ الأحداث: ۱/ ۲۴۴، دار الفکر، بیروت۔

نفس ان کے دیکھنے کی اتنی خواہش رکھتے ہیں کہ اتنی خوبصورت لونڈیوں کے دیکھنے کی بھی نہیں رکھتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يحد الرجل النظر إلى الغلام الأمرد (١)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ انسان کسی بے ریش لڑکے کی طرف بغور نگاہ ڈالے۔

☆ حضرت حسن بن ذکوان فرماتے ہیں کہ تم امیروں کی اولاد کے ساتھ مت بیٹھا کرو ان کی اولاد کی شکلیں عورتوں کی شکلوں کی طرح خوبصورت ہوتی ہیں، یہ کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں (کیوں کہ ان کے پاس بیٹھنے) کو معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے، اس لئے گناہ میں مبتلا ہونے کے خطرات زیادہ ہیں۔

☆ امام احمد بن صالح کی مجلس درس میں کوئی بے ریش لڑکا داخل نہیں ہوسکتا تھا، جب امام ابوداؤد سجستانی اپنا بیٹا ان کے پاس لے گئے تاکہ وہ ان سے حدیث سماعت کرے تو وہ ابھی بے ریش تھے تو حضرت امام احمد بن صالح نے امام ابوداؤد کے سامنے ان کے بیٹے کو اپنی مجلس میں بٹھانے سے انکار کردیا۔

لیکن یہ کہنے پر مجلس میں بٹھایا کہ یہ باریش لڑکوں سے زیادہ حافظ حدیث ہے، (یہ بے ریش لڑکوں کو احادیث نہ سنانا خود کو بے ریش لڑکوں کے فتنہ سے بچانے کے لئے تھا)۔

☆ امام مالک رحمہ اللہ سماع حدیث کے لئے بے ریش لڑکوں کو اپنی مجلس میں بیٹھنے سے منع کرتے تھے، ہشام بن عمارہ حیلہ کر کے لوگوں کے مجمع میں چھپ کر بیٹھ گئے اس وقت وہ بے ریش تھے، اور امام مالک سے سولہ حدیثیں سن لیں، امام مالک کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے ان کو بلایا اور سولہ درے مارے، حضرت ہشام فرماتے

(۱) السنن الکبری للبیهقی، باب ما جاء فی النظر إلی الغلام الأمرد بالشهوة، حدیث: ۱۳۵۶۷

ہیں کہ کاش کہ میں سو حدیثیں سنتا اور وہ مجھے سو درے مارتے۔

☆ حضرت امام یحیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی بے ریش نے میرے پاس آنے کی طمع نہیں کی اور نہ امام احمد بن حنبل کے سامنے راستے میں آنے کی طمع کی (یعنی یہ دونوں اکابر حدیث بھی بے ریش کو اپنی صحبت میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے)۔

☆ حضرت شیخ فتح موصلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں ایسے تیس شیوخ کے پاس رہا ہو، جن کو ابدال (کے درجے کا ولی) کہا جاتا تھا، ان سب نے مجھے اپنے سے رخصت ہوتے وقت نصیحت کی کہ تم بے ریش لڑکوں کی صحبت وغیرہ سے بچتے رہنا۔(۱)

☆ بعض تابعین کا قول ہے کہ: ”ما أنا أخوف علی الشاب الناسک من سبُعٍ ضار من الغلام الأمرد یقعد إلیه“ (حاشیہ تبیان: ۹۴) مجھے کسی چیر پھاڑ دینے والے پرندے سے اتنا خطرہ نہیں جتنا خطرہ کسی بے ریش نوجوان بچے سے ہے جو اس کے پاس (تخلیہ وغیرہ میں) بیٹھا ہو۔

☆ صاحب ملتقط کہتے ہیں کہ ”جب بچہ بالغ ہوجائے اور صبیح وخوبصورت ہو تو اس کا حکم عورتوں جیسا ہے کہ وہ سر کی چوٹی سے لے کر قدم تک پورے کا پورا ستر اور محل پردہ ہے، لہٰذا شہوت کے ساتھ اس کی طرف نظر کرنا جائز نہیں ہے۔(۲)

☆ ابو عبد اللہ زرداد کو کسی نے خواب میں دیکھا اور ان سے حال پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا، تو جواب دیا کہ دنیا میں میں نے جتنے بھی گناہ کیے، اور ان کا میں نے اقرار کرلیا تھا (اور انہیں گناہ سمجھا تھا) اللہ تعالیٰ نے وہ سب مجھے بخش دیئے، صرف ایک گناہ ایسا تھا جس کے اقرار کرنے سے میں نے دنیا میں شرم محسوس کی تھی (اور اسے کوئی خاص اہمیت نہ دی تھی) اس کی سزا میں مجھے پسینہ میں کھڑا فرمایا، جس کی وجہ سے میرے چہرے کا سارا گوشت گر گیا، خواب دیکھنے

---

(۱) عشق مجازی کی تباہ کاریاں: ۸۹-۹۳، مولانا امداد اللہ انور، دار المعارف، ملتان

(۲) حاشیہ تبیان: ۹۴

والے نے پوچھا: وہ کون سا گناہ ہے؟ کہا: میں نے ایک مرتبہ ایک خوبصورت آدمی کی طرف نظر کی تھی۔(۱)

☆ حاشیہ ابن عابدین ۱/ ۲۷۳ میں ہے کہ ''حسن و جمال کی خوبیوں سے لطف اندوز ہونے اور چسکے لینے کی نیت سے بے ریش بچے کو دیکھنے کے حرام ہونے پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے البتہ لذت ومزے کی نیت کے بغیر دیکھنا بالاتفاق جائز ہے؛ لیکن اس میں بھی یہ شرط ہے کہ دیکھنے والے کو اپنے متعلق کسی قسم کا فتنہ کا قطعی خطرہ نہ ہو (ورنہ بغیر شہوت کے بھی دیکھنا حرام ہے)۔

☆ تمام علماء کا صحیح اور پسندیدہ مذہب ہے کہ بغیر داڑھی والے خوبصورت بچے کو کسی تعلیمی ضرورت وغیرہ کے علاوہ دیکھنا حرام ہے، شہوت کے ساتھ ہو خواہ بغیر شہوت کے، فتنہ کا ڈر ہو خواہ نہ ہو، نظر کرنے والا نیک وصالح ہو خواہ غیر صالح، امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ بے شمار علماء نے اس کے حرام ہونے کی صراحت فرمائی ہے، اور اس کی دلیل حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ''(۲) آپ مسلمان مردوں سے کہئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

☆ تخلیہ: امردوں کے ساتھ تخلیہ، بدنظری سے بھی زیادہ سنگین وخطرناک ہے؛ کیوں کہ اس میں بدکاری واقع ہونے کا بہت زیادہ امکان ہے، تخلیہ کرنے والا صالح ہو خواہ غیر صالح، دونوں کا حکم برابر ہے۔(۳)

☆ مصافحہ: بے ریش بچے کے ساتھ شہوت کے ساتھ مصافحہ کرنا حرام ہے، کیوں کہ وہ فتنے کے لحاظ سے عورتوں سے زیادہ سخت تر ہے۔(۴)

---

(۱) تلبیس ابلیس لابن الجوزی، بحوالہ تبیان: ۹۵

(۲) النور: ۳۰

(۳) فتاوی نوویہ بحوالہ حاشیہ تبیان: ۹۳

(۴) حاشیہ تبیان: ۹۵۔ فضائل حفاظ القرآن: ۴۲۰

طلبہ کو یاد کرانے کے لئے پچاس گناہ کبیرہ

نیز ارشاد فرمایا کہ طلباء کو پچاس گناہوں کی فہرست بھی زبانی یاد کرائی جائیں:

۱) حقارت سے کسی پر ہنسنا۔

۲) طعن کرنا۔

۳) کسی کو برے لقب سے پکارنا۔

۴) بدگمانی کرنا۔

۵) کسی کا عیب تلاش کرنا۔

۶) غیبت کرنا۔

۷) کسی کو بلا وجہ برا بھلا کہنا۔

۸) چغلی کھانا۔

۸) تہمت لگانا۔

۹) دھوکہ دینا۔

۱۱) عار دلانا۔

۱۲) کسی کے نقصان پر خوش ہونا۔

۱۳) تکبر کرنا۔

۱۴) فخر کرنا۔

۱۵) ضرورت کے وقت باوجود قدرت کے مدد نہ کرنا۔

۱۶) کسی کے مال کا نقصان کرنا۔

۱۷) کسی کی آبرو کو صدمہ پہنچانا۔

۱۸) چھوٹوں پر رحم نہ کرنا۔

۱۹) بڑوں کی عزت نہ کرنا۔

۲۰) بھوکوں اور ننگوں کی حیثیت کے موافق مدد نہ کرنا۔

۲۱) کسی دنیاوی رنج سے نہ بولنا۔
۲۲) کسی جاندار کی تصویر بنانا۔
۲۳) کسی کی زمین پر موروثی کا دعوی کرنا۔
۲۴) کسی ہٹے کٹے کا بھیک مانگنا۔
۲۵) داڑھی منڈانا یا یکشمت سے کم کاٹنا۔
۲۶) کافروں اور فاسقوں کا لباس پہننا۔
۲۷) مردوں کو عورتوں کا لباس پہننا۔
۲۸) عورتوں کو مردوں کا سا لباس پہننا۔
۲۹) بدکاری کرنا۔
۳۰) چوری کرنا۔
۳۱) ڈاکہ مارنا۔
۳۲) جھوٹی گواہی دینا۔
۳۳) یتیموں کا مال کھانا۔
۳۴) ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور ان کو دکھ دینا یعنی ستانا۔
۳۵) بے خطا جان کو قتل کرنا۔
۳۶) جھوٹی قسم کھانا۔
۳۷) رشوت لینا۔
۳۸) رشوت دینا۔
۳۹) رشوت کے معاملہ میں پڑنا۔
۴۰) شراب پینا۔
۴۱) جوا کھیلنا۔
۴۲) ظلم کرنا۔

۴۳) کسی کا مال بغیر پوچھے لے لینا۔

۴۴) سود لینا۔

۴۵) سود دینا۔

۴۶) سود لکھنا۔

۴۷) سود کا گواہ بننا۔

۴۸) جھوٹ بولنا۔

۴۹) امانت میں خیانت کرنا۔

۵۰) وعدہ خلافی کرنا۔(۱)

رات کی نگرانی

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ نے بار بار یہاں دینی مدارس میں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ دار الاقامہ جہاں طلباء کی قیام گاہ ہو، وہاں ایک استاذ اور نگراں مقرر ہو جو رات کو دو اچانک معائنہ کرلے کہ طلبہ کس حالت میں ہیں، اس سے طلبہ پر خوف ہوگا اور آپس میں غلط میل جول سے محتاط رہیں گے، تعمیر دار الاقامہ میں بھی اس کا خیال رہے کہ طلبہ کی قیام گاہ کا استاذ معائنہ کر سکے، اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی رہائش کا الگ انتظام ہو، بڑے طلباء کا ان سے الگ انتظام ہو، نیز طلباء کے کمروں کی ایک ایک کنجی مہتمم کے پاس بھی ہوتا کہ جب ضرورت ہو اچانک ان کے کمروں کا معائنہ کیا جا سکے، اس سے ان کی صفائی اور آداب معاشرت کا امتحان کیا جا سکتا ہیں نیز کسی مہمان کو دکھانا ہے تو طلباء سے کنجی مانگنے کی زحمت نہ ہوگی اور مناسب یہ ہے کہ چھوٹے بچوں کے لئے بڑے بڑے کمرے تعمیر ہوں اور ان کی اخلاقی نگرانی کا نہایت اہتمام کیا جائے اور کوئی استاذ ہرگز ہرگز کسی امرد کے ساتھ تنہائی میں نہ رہے، خلوت مع الامارد سے سخت احتیاط رکھے؛ کیوں کہ بہت آہستہ آہستہ اپنا اثر کرتا ہے اور جب پورا اثر ہو جاتا ہے پھر اس سے نجات بڑی مشکل سے ہوتی ہے۔(۲)

(۱) مجالس ابرار، تحفہ مدارس: ۲/ ۱۳۴= ۱۳۵ (۲) مجالس ابرار، تحفۃ المدارس: ۲/ ۱۰۹، مدرس اور مدارس

تربیت طلبہ کا خاص اہتمام

مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں حضرت والا قدس سرہ نے تعلیم کے ساتھ ساتھ طلباء کرام کی تربیت کا خاص اہتمام فرمایا تھا، اور اس کے لئے ایسے جامع اصول تجویز فرمائے تھے کہ تربیت خود بخود ہورہی تھی۔

اولاً تو طلبہ کے لئے چوبیس گھنٹہ کے معمولات اس طرح مقرر کئے جاتے تھے کہ طلبہ کا پورا وقت اس میں مشغول ہوجاتا تھا، کسی طالب علم کو اتنا وقت ہی نہیں ملتا تھا کہ جس میں خرافات کی سوچ سکے، اور معمولات میں بھی تربیت کا خاص خیال رکھا گیا تھا، تمام معمولات تجویز فرما کر اس کا نقشہ بنا کر آویزاں کردیا جاتا تھا اور طلباء کو ہدایت کردی جاتی تھی کہ اس نقشہ کے مطابق اپنے اوقات عزیز کو گزاریں:

معمولات یومیہ طلباء کرام

بعد فجر:

۱) شرکت معمول مسجد۔
۲) روزانہ سورہ فاتحہ پڑھ کر پانی پر دم کر کے پینا۔
۳) تفریح بطور مشی (چلنا)۔
۴) مسجد سے نکلنے پر سلام وسنن کی رعایت کرنا۔
۵) تلاوت اس کے بعد نماز اشراق۔
۶) اس کے بعد ناشتہ۔
۷) مشغولی تعلیم بمدرسہ حسب نظام۔
۸) ختم تعلیم پر کھانا۔
۹) اس کے بعد استراحت اور مشغولی مطالعہ۔
۱۰) اذان کے بعد نماز ظہر کی تیاری۔
۱۱) شرکت ختم خواجگان (حسب تجویز ناظم صاحب)۔

۱۲) مشغولی تعلیم بمدرسہ۔

۱۳) اذان کے بعد نماز عصر کی تیاری۔

۱۴) بعد عصر معمولات مسجد میں شرکت۔

۱۵) تفریح وتکمیل ضروریات۔

۱۶) نماز عصر کے پانچ منٹ بعد حاضری۔

۱۷) نماز مغرب۔

۱۸) بعد مغرب اوابین۔

۱۹) تعلیم میں ایک گھنٹہ مشغولی۔

۲۰) طعام سے فراغت۔

۲۱) عشاء کی اذان کے بعد نماز کی تیاری۔

۲۲) بعد عشاء سنن وقیام لیل۔

۲۳) تعلیم میں تقریبا۴۵ یا ۶۰ منٹ مشغولی سنن نوم کے تذکرہ کے ساتھ

۲۴) تیاری نوم

۲۵) قبل اذان فجر بیداری۔(۱)

معمولات یومیہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ طلباء کرام کا تمام وقت کس طرح مشغول کیا گیا ہے اور تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا کس طرح خیال رکھا گیا ہے، کہ اس کے مطابق عمل کرنے سے طالب علم، طالب علمی ہی کے زمانہ سے سنن وآداب اور مستحبات نیز اشراق واوابین، قیام لیل (تہجد) اور ہمہ وقت کی سنتوں کا عادی ہوجائے گا، اور زمانہ طالب علمی ہی میں انضباط وقت کی عادت ہوجائے گی۔

بچوں کی خاص ترتیب

بچوں کی عمر کے اعتبار سے تقسیم کی جاتی ہے (۱) کبار (۲) متوسطین (۳) صغار اسی

(۱) حیات ابرار: ۱۴۲

اعتبار سے ان کی ترتیب قائم کی جاتی ہے۔

مثلاً رہائش میں بھی اس کا لحاظ ہوتا اور بچوں کی عمر کے اعتبار سے ہی ان کو جگہ دی جاتی، مثلاً ایک کمرہ میں کبار، ایک میں متوسطین، ایک میں صغار کا انتظام ہوتا اور ایک درجہ والوں کا دوسرے درجہ میں جانا یا ان سے ملنا جرم شمار ہوتا۔

اسی طرح درسگاہوں میں بھی ان کو عمر کے اعتبار سے ہی رکھا جاتا۔

کبار الگ، متوسطین الگ، صغار الگ، ہر ایک کی درسگاہ الگ ہوتی۔

نماز میں بھی اس کا لحاظ رکھا جاتا، صغار بالکل الگ اوپر کی منزل میں رکھا جاتا؛ تاکہ کبار سے اختلاط کی نوبت ہی نہ آئے۔

یہی ترتیب، کھانے پینے میں بھی ہوتی کہ حلقہ کے اعتبار سے کھانا تقسیم کیا جاتا کہ فلاں گھنٹی پر فلاں حلقہ والے، فلاں گھنٹہ پر فلاں حلقہ والے کھانا لیں گے۔

ترتیب کے خلاف کسی کو کھانا نہیں دیا جا سکتا تھا، رخصت کے اوقات میں جب کھیلنے کا موقع دیا جاتا اس میں بھی یہ ترتیب ملحوظ ہوتی حلقہ وار کھیلنے کی اجازت ہوتی، ایک حلقہ کے بچے دوسرے حلقہ کے بچوں کے ساتھ کھیلنا جرم تھا اور منشا یہی تھا کہ آپس میں اختلاط ہو کر مفاسد پیدا نہ ہوں جس کی طرف عموماً مدارس میں توجہ نہیں دی جاتی اور باہمی اختلاط کی وجہ سے بڑے مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں اور بعض دفعہ ان کے تدارک اور تلافی کی شکل بھی ممکن نہیں رہتی۔

ہر نقل و حرکت پر نظر

اسی طرح طلباء کرام کی ہر نقل و حرکت پر نظر رکھی جاتی تھی اور ہر ہر چیز میں تربیت کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا، مثلاً وضو وغسل کرنے، کپڑے دھونے میں بھی اس کی کوشش کی جاتی کہ طلباء کرام ابھی سے اس کے عادی ہو جائیں کہ فضول خرچی نہ ہو اور کسی شخص کو اس کے کسی عمل سے اذیت نہ ہو اس کے لئے ٹنکی یا نل سے وضو کرنے کی ممانعت تھی کہ اس سے اسراف کا اندیشہ ہے، لوٹے میں پانی لے کر وضو کریں کہ اس میں اسراف سے حفاظت ہے۔

نیز غسل خانہ میں کپڑے دھونے کی ممانعت تھی کہ کوئی غسل کرنا چاہے نہیں کر سکتا، اس

سے اس کو اذیت ہوگی، اس سلسلہ میں ایک اعلان ملاحظہ ہو

اطلاع

غسل خانہ میں وضو نہ کریں؛ بلکہ لوٹے میں پانی لے کر وضو کریں اور فراغت کے بعد اپنے کپڑے اندر نہ چھوڑیں۔ نیز غسل خانہ میں کوئی کپڑے نہ دھوئے (۱)

طلبہ پر ماحول کا اثر

انسان پر ماحول کا اثر ہونا اور انسان کا ماحول کے اثرات کو قبول کرنا اور اس سے متأثر ہونا ایک کھلی حقیقت ہے، جس سے انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں، بڑے بڑے گنہ گار اور فاسق وفاجر اچھے اور صالح ماحول میں چند دن گذارتے ہیں اور ان کی حالت تبدیل ہونا شروع ہوجاتی ہے، تبلیغی جماعت میں اور بزرگوں کی خانقاہوں میں اس کا خوب مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، کتنے ہزاروں لاکھوں گنہ گار فاسق وفاجر انسان تبلیغی جماعت کے صالح اور نورانی ماحول کی برکت سے گناہوں سے توبہ کر کے تہجد گذار اور متقی و پرہیز گار بن گئے۔

اسی طرح مشائخ کی خانقاہوں سے وابستہ ہو کر کتنی بڑی مخلوق جو خدا سے بیگانہ اور نا آشنا تھی، وہ باخدا اور صاحب معرفت ونسبت بن کر مخلوق کے لئے ہادی و مصلح بن گئے، یہ سب ماحول ہی کا اثر تھا۔

اسی طرح مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی کے نورانی ماحول میں جو طالب علم پہنچ جاتا وہ متأثر ہوئے بغیر نہ رہتا، چند روز ہی میں صلاح وتقوی کے اثرات اس کے چہرے..... سے ظاہر ہونا شروع ہوجاتے، ہر چھوٹے بڑے گناہ کی نفرت دلوں میں بیٹھ جاتی، فرائض کے علاوہ سنن ومستحبات اور آداب کی پابندی شروع ہوجاتی حتی کہ باضو رہنا، باوضو سبق پڑھنا، باوضو سونا، اس کی مستقل عادت ہوجاتی، اور دوسرے مدارس میں جا کر بھی وہ ان چیزوں کے پابند رہتے، بعض طلبہ نے حضرت اقدس سرہ کو لکھا کہ پورے سال میں صرف ایک یا دو حدیث چھوٹیں وہ بھی اس طرح کہ ہاتھ میں کوئی دانہ نکلا ہوا تھا، وہ پھوٹ گیا

---

(۱) حیات ابرار: ۱۶۲

جس کی وجہ سے وضو کرنے گیا، اس وقت ایک دو حدیث نکل گئی، ورنہ پورے سال میں کوئی حدیث پڑھنے سے نہیں رہی۔

ایک طالب علم نے لکھا کہ اتنی مدت سے باوضو سورہا ہوں، ایک طالب علم نے مطبخ سے دودھ استعمال کیا، ایک عرصہ تک اس نے لکھا کہ میں اس کی قیمت جمع کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت والا قدس سرہ کا ایک ملفوظ ملاحظہ ہو:

فرمایا: جب میں نے آیت "والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما" کی تفسیر بیان کی تو ایک طالب علم آیا اور بتانے لگا ہم نے مختلف طلبہ کے بائیس سو روپیئے چرائے ہیں، اب کیا کریں؟ اس نے والد کو لکھا روپیئے آئے سترہ سو روپیئے ساتھیوں نے معاف کردیئے، پانچ سو روپیئے ادا کئے گئے۔

غرض کہ وہاں مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں پڑھنے والے طلباء میں گناہوں کی نفرت، طاعات کی رغبت اور سنن وآداب کا ذوق وشوق پیدا ہوجاتا اور وہ اپنے گھروں میں جانے کے بعد وہاں بھی دینی ماحول پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور خلاف شرع جو باتیں ہورہی تھیں خوبصورتی کے ساتھ ان کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں مثلاً: جن عورتوں سے شرعاً پردہ ہے، مگر ان سے پردہ نہیں کیا جاتا جو بہت بڑا فتنہ ہے، طلباء اپنے گھروں میں جا کر گھر والوں کو سمجھاتے اور پردہ کا اہتمام کرانے کی کوشش کرتے۔

مکتوب گرامی محمد وثیق قنوجی متعلم مدرسہ اشرف المدراس ہردوئی بنام عزیزہ غیر محرم

مکرمی ومحترمی جناب........صاحب/صاحبہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام عرض یہ ہے کہ شریعت نے پردے کے کچھ احکام بتلائے ہیں، یعنی کس سے پردہ کرنا چاہئے، اور کس سے پردہ نہیں کرنا چاہئے، اور جن لوگوں سے پردہ کرنا ضروری ہے تو اگر ان سے پردہ نہ کیا جائے، تو گناہ کبیرہ (یعنی بڑا گناہ ہے) اور گناہ کبیرہ کی سزا دوزخ ہے جب کہ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے ۷۰/گناہ زیادہ ہے، مرد کو جن سے پردہ کرنا ضروری ہے، وہ یہ ہیں (۱) بھائی کی بیوی (بھابھی) (۲) بیوی کی بہن (سالی) (۳) خالہ،

ماموں ، پھوپھی، چچی کی لڑکیاں (۴) مومانی، چچی ان سے بھی پردہ کرنا ضروری ہے، اورعورت جن کوجن جن سے پردہ کرنا ضروری ہے وہ یہ ہیں:

(۱) شوہر کا بھائی (دیور) سے (۲) پھوپھا (۳) خالو (۴) ماموں، چچا، پھوپھی کے لڑکے ان سے عورت کو پردہ کرنا ضروری ہے، اس لئے ہماری عمر پردہ کرنے کی قابل ہوگئی ہے، اس لئے ہم آپ سے پردہ کرنا چاہتے ہیں؛ تاکہ آپ بھی اس گناہ سے بچیں اور ہم بھی اس گناہ بچیں اور اگر آپ پردہ نہیں کریں گی تو ہم آپ کے گھر نہیں آئیں گے اور ور ہمارے مدرسہ کا قانون بھی یہی ہے کہ طالب علم شرعی پردہ کرے گا تو ٹھیک اور جو طالب علم شرعی پردہ نہیں کرے گا اس کا مدرسہ سے نام خارج کردیا جائے گا۔(۱)

ضابطہ اخلاق

برائے مدارس متعلقہ رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیو بند۔

منظور کردہ اجلاس ششم مجلسِ عاملہ رابطہ مدارس منعقدہ ۱۲/۱۱/۲۷ ۱۴۔

۱) مربوط مدارس اسلامیہ کے نظم ونسق کو درست اور بہتر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ہر مدرسہ، رابطہ مدارس کے تجویز کردہ اصول وضوابط کی پابندی کے ساتھ اپنا نظام اپنے طئے شدہ دستور کے مطابق چلائے، نظم باضابطہ اور بہتر بنانے کے لئے مدرسہ کا اپنا دستور اور لائحہ عمل ہونا ضروری ہے، جس کی دفعات کی روشنی میں نظام استوار رکھا جائے۔

۲) مربوط مدارس کے ذمہ دار حضرات باہمی تعاون وتناصر کے جذبے کو فروغ دیں، اتحاد واتفاق کی فضاء قائم کی جائے ، ہر قسم کی آپسی رسہ کشی اور مخالفت سے گریز کیا جائے کہ باہمی منافرت یوں بھی بری چیز ہے، اور موجودہ حالات میں مدارس کے مخالفین کو مدارس میں مداخلت کا موقع مل سکتا ہے۔

---

(۱) حیات ابرار، افادات حضرت شاہ ابرارالحق صاحب: ۱۸۴، مرتب محمد فاروق، جامعہ محمودیہ علی پور، ہاپوڑ روڈ، میرٹھ یوپی

۳) ذمہ داران مدارس آپس میں ایک دوسرے کے متعلق منفی اظہارِ خیال سے گریز کریں۔

۴) اربابِ انتظام اور اساتذہ کرام میں اتحاد و یگانگت، باہمی رواداری اور اعتماد کی فضا قائم رکھی جائے، بدگمانی اور آپسی چپقلش سے مدرسے کا ماحول پراگندہ ہوتا ہے۔

۵) مدارس کا نظم و نسق ارباب شوریٰ کے مشورے اور دستور کے مطابق چلانے کی کوشش کی جائے۔

۶) اختلاف کی صورت میں مدرسے کے مفاد کو پیش نظر رکھا جائے اور ہر ایسی کوشش سے اجتناب کیا جائے جس سے مدرسے کا مفاد متاثر ہوتا ہو، مدرسے کے مفادات کو مقدم رکھ کر ایثار وقربانی کے جذبے سے کام لیا جائے اور اپنی رائے اور نظریئے پر اصرار نہ کر کے خوش اسلوبی کے ساتھ نزاع کو ختم کر دیا جائے۔

۷) مدارس کے کردار کو ہر قسم کی خارجی مداخلت سے آزاد رکھنے کے لئے ہر قسم کی حکومتی امداد سے اجتناب کیا جائے۔

۸) مدارس اسلامیہ دین کی حفاظت کے قلعے اور اسلامی علوم کے سرچشمے ہیں، ان کا بنیادی مقصد ایسے افراد تیار کرنا ہے، جو ایک طرف اسلامی علوم کے ماہر، دینی کردار کے حامل اور فکری اعتبار سے صراط مستقیم پر گامزن ہوں، دوسری طرف وہ مسلمانوں کی دینی واجتماعی قیادت کی صلاحیت سے بہرہ ور ہوں، اس لئے ضروری ہے کہ مدارس اپنے نظام تعلیم کو مزید بہتر بنائیں، طلبہ کی تربیت اور استعداد سازی پر بھرپور توجہ دی جائے، اساتذہ کے انتخاب میں صلاحیت اور صالحیت اور طلبہ کے انتخاب میں کمیت سے زیادہ کیفیت کا لحاظ رکھا جائے

۹) دارالاقامہ کے نظام کو چست بنا کر طلبہ کی اخلاقی تربیت ونگرانی کا اہتمام کیا جائے، خصوصاً نماز باجماعت کے اہتمام اور وضع وقطع کی درستی پر خصوصی توجہ فرمائی جائے، داخلے کے وقت سابقہ مدرسہ کا تصدیق نامہ لازم قرار دیا جائے اور اس معاملے میں

احتیاط کوعمل میں لایا جائے۔

۱۰) اساتذہ کے عزل ونصب اور طلبہ کے اخراج وداخلے کے بارے میں مدرسے کے طئے شدہ دستور کی پابندی کی جائے۔

۱۱) طلبہ واساتذہ کے مسلک صحیح (مسلکِ دیوبند) پر کار بند ہونے کا لحاظ رکھا جائے اور طلبہ سے ذمہ داران تک مدرسے سے متعلق تمام لوگ، شعائر دین کی پابندی کی جائے۔

۱۲) امتحانات کے نظام کو چست اور درست نیز اصول پر مبنی بنایا جائے۔

۱۳) معاشرے سے مربوط رہنے کی کوشش کی جائے، معاشرے میں پیدا ہونے والی عقیدہ وعمل کی خرابیوں کی اصلاح کے لئے اپنے تمام وسائل استعمال کئے جائیں، فرق باطلہ کی تردید منظم انداز میں کی جائے۔

۱۴) اسلامی مدارس اور مذہبِ اسلام کی سازشوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔

۱۵) موجودہ دور میں مدارس پر لگائے جانے والے دہشت گردی وغیرہ کے بے بنیاد الزامات کے ازالے کے لئے علاقے کے غیر متعصب برادران وطن اور مقامی حکام سے رابطہ رکھا جائے، وقتاً فوقتاً ان کو مدعو کر کے مدارس کے حالات وخدمات اور مذہبِ اسلام کے امتیازات وخصوصیات سے روشناس کرایا جائے۔

۱۶) اجمالی طور پر حدیث شریف "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ" کو پیش نظر رکھ کر نہایت دیانت وامانت، اخلاص وللّٰہیت، بیدار مغزی وحوصلہ مندی، مستعدی وجانفشانی کے ساتھ دین متین کی خدمت کے مبارک جذبے کے ساتھ مدارس کا نظام چلایا جائے۔

۱۷) مدارس میں تحریر وتصنیف کا ماحول بھی بیدار کیا جائے اور تحریر کی راہ سے بھی دین متین کی خدمت انجام دی جائے۔(۱)

(۱) مدارس اسلامیہ، حقیقی کردار اور نصب العین کا تحفظ، تجاویز اور مشورے: ۷۳، مولانا شوکت علی قاسمی

داڑھی کے مسئلہ میں نرمی کے لئے

حضرت شیخ زکریا صاحب نے فرمایا: من جملہ ان دس آداب کے ایک داڑھی کا مسئلہ ہے، داڑھی کا مسئلہ میرے یہاں ہمیشہ بہت تشدد کا رہا ہے، اس میں مسامحت مجھ کو بالکل گوارا نہ تھی، اگر کسی طالب علم کی داڑھی میں مجھے شک ہوتا تو پھر اس کا نام کم از کم اپنے رجسٹر سے تو کاٹ ہی دیتا تھا، مدرسہ سے اخراج ہو یا نہ ہو۔

میرا ایک طالب علم کے ساتھ اسی قسم کا قصہ ہوا، مجھے اس کی داڑھی میں شک ہوا، میں نے اس کا نام اپنے رجسٹر سے کاٹ ڈالا جس پر ظاہر ہے کہ وہ مجھ سے بہت غصہ ہوئے، لیکن پھر وہ بیچارہ بعد میں میرا معتقد ہوگیا، چنانچہ ایک عرصہ کے بعد میرے پاس اس طالب علم کا خط آیا، جس میں اس نے بیعت کی درخواست کی تھی، اور یہ بھی لکھا تھا کہ کسی دوسرے شیخ سے تو میری اصلاح نہ ہوگی، آپ ہی کر سکتے ہیں، آپ مجھ کو بیعت فرمالیں تو بڑا احسان ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو بہت ہی جزائے خیر دے۔(۱)

دینی خدام اور ان کا لباس

حضرت شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دینی خدام عموماً کہتے ہیں کہ عوام میں ان کی عزت ووقعت نہیں ہوتی، تو بھائی بات یہ ہے کہ اپنی وضع قطع جب عوام جیسی بنائیں گے تو معاملہ بھی عوام جیسا ہوگا، اگر ایک کانسٹبل اور سپرنٹنڈنٹ سادی وردی میں ہوں تو ان کے ساتھ معاملہ بھی ویسا ہی ہوگا، وضع قطع کا بڑا اثر ہوتا ہے، ایک مرتبہ شہر سے باہر قریب ہی میں ایک جلسہ میں جانے کے لئے ایک واعظ صاحب یہاں آئے، ان کے ساتھ ماسٹر صاحب صلحاء کے لباس میں تھے تو اس کا اثر یہ ہوا کہ جہاں جانا تھا جب وہاں پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے مولانا صاحب کو تو ایک عام آدمی سمجھا اور ماسٹر صاحب کو سمجھا کہ یہی مولانا صاحب ہیں، اور ان سے مصافحہ وملاقات کے لئے بڑھے تو کیا بات تھی؟ یہی کہ وہ ایک عامی لباس میں تھے؛ لہٰذا ان کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کیا گیا، میرا جب بغداد جانا ہوا تھا تو

(۱) ملفوظات شیخ الحدیث: ۳۳، ترتیب مولانا ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن مدنی، ادارہ فیض شیخ، گجرات

میرا برادر نسبتی ڈاکٹر محمود شاہ صاحب مرحوم نے وہاں ایک اچھے عالم قاری صاحب تھے، ان سے ملاقات کرانے کے لئے لے گئے تو میرا تعارف کرانا شروع کیا تو قاری صاحب نے کہا کہ تعارف کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ان کی وضع قطع، شکل وشباہت خود ان کا تعارف کرا رہی ہے، آج دینی خدام اور طلباء کرام کے تعارف کی ضرورت پڑتی ہے کہ یہ فلاں مدرسہ کے طالب علم ہیں، یہ فلاں مدرسہ کے شیخ التفسیر اور شیخ الحدیث ہیں، یہ نوبت کیوں آئی؟ اسی وجہ سے کہ صلحاء کی جو وضع قطع تھی اس کو چھوڑ دیا گیا تو ظاہر ہے کہ پھر معاملہ بھی عوام کی طرف سے ویسا ہی ہوتا ہے، اس لئے اپنی وضع قطع کو صلحاء جیسی بنانا چاہئے۔(۱)

موبائیل فون کے مضر اثرات زمانہ طالب علمی میں

ویسے تو موبائل فون کا ضرورت پر ہی استعمال ہونا چاہئے، یہ آلہ جس قدر مفید اور نافع ہے کہ منٹوں اور سکنڈوں میں اپنے اقرباء اور رشتہ دار اور متعلقین سے ربط کیا جا سکتا ہے، اس کے مضر اثرات بھی عمومی انداز میں بہت ہیں، اس کا بے محابا اور بے تحاشہ استعمال اور اس میں خصوصا نئے موبائل جو جدید ٹیکنالوجی سے لیس ہیں، جس میں انٹرنیٹ، واٹ ساپ اور فیس بک اور دیگر سہولیات دستیاب ہیں، یہ خصوصا طلباء کے لئے نہایت ضرر رساں ثابت ہو رہے ہیں، طلباء اپنا سارا وقت بیکار کی گپ شپ یا موبائیل کے واٹ ساپ اور فیس بک اور انٹرنیٹ وغیرہ میں صرف کر رہے ہیں، اس لئے طلب علم کا زمانہ نہایت قیمتی زمانہ ہوتا ہے، صلاحیتوں کے بننے بگڑنے کا زمانہ ہوتا ہے، اس لئے زمانہ طالب علمی میں موبائیل کے رکھنے سے طلباء خود بھی احتراز اور مدارس کے ذمہ داران بھی طلباء کو موبائل رکھنے اور اس کے استعمال کے حوالہ سے پابند بنائیں کہ بے جا موبائل کا استعمال ہی نہ ہو، یا زمانہ طالب علمی میں موبائیل پر پابندی ہی رہے۔ اس لئے بھی کہ بے جا فون کے استعمال میں فضول خرچی ہے، اور فضول مال کا خرچ کرنا شرعا حرام ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل تمہاری تین چیزوں کو پسند کرتا ہے اور تین چیزوں کو ناپسند کرتا ہے، جن چیزوں کو ناپسند کرتا ہے اس

(۱) مجالس محی السنۃ: ۱۹، ناشر انجمن احیاء السنۃ لاہور

میں فرمایا: "کثرۃ السوال وإضاعۃ المال" (۱)

اس کے علاوہ موبائل فون نوجوان بچے اور بچیوں کے حوالے کرنے میں احتیاط اور نگرانی سے کام لیا جائے اس کی وجہ سے وہ عشق و معاشقہ کے تباہ کن راستے پر چل سکتے ہیں، جس سے ان کی دنیا و آخرت تباہ ہو سکتی ہے۔ (۲)

(۱) بخاری: باب ما ینھی عن إضاعۃ المال، حدیث: ۲۲۷۷

(۲) مسنون معاشرت: ۳۱۳، موبائیل فون آداب وأحکام: مکتبۂ فیصل دیو بند

نظام جلسہ وانعامات

سالانہ جلسہ سے ایک ماہ پہلے مشورہ کرلیا جائے ،جس میں ضروری کاموں کی ایک فہرست بنالی جائے ،اور بعض ہنگامی کاموں کے لئے جلسہ سے پندرہ دن پہلے ایک مشورہ ہوتا ہے اور مختلف جماعتوں پر یہ کام تقسیم ہوتے ہیں ،جس میں حمد، ونعت اور تقاریر اور مکالموں اور دعاء احادیث وغیرہ کے پروگرام پیش کئے جاتے ہیں۔جس کی تیاری نہایت اچھے انداز میں ہونا چاہئے

جلسہ کی تیاری

☆ دورہ والوں کوآخری حدیث کی مشق کرائیں۔
☆ اس سال کے حفاظ کوآخری سورتوں اور دعاء ختم القرآن کی مشق کرائیں۔
☆ ترتیل، تدویر اور سبعہ کی مشق کرائیں۔
☆ حمد، نعت، نظم کی مشق کرائیں۔
☆ عربی اور اردو تقاریر کی مشق کرائیں۔
☆ مکالموں کی مشق کرائیں۔
☆ ائمہ کوخطبہ جمعہ، عیدین اور نکاح کی مشق کرائیں۔
☆ انعامات کے ذمہ دار طئے کریں۔
☆ ایام امتحان سے لے کر چھٹی تک طلبہ پر کنٹرول کریں۔
☆ جلسہ کے دن خصوصی مہمان کی خدمت کے لئے ذمہ دار طئے کریں۔

☆ نیز وقت کا خاص اہتمام ہو کہ صدر صاحب آئیں یا نہ آئیں جو وقت طئے کیا گیا ہے، اس کے مطابق شروع وختم ہو۔
☆ اس طرح جلسہ کی ابتداء وانتہا کا وقت بھی متعین ہو، اسی کے مطابق جلسہ کی کاروائی ہو، اس کا بہت اثر ہوتا ہے۔
☆ عام مہمانوں اور طلبہ کو کھانا کھلائیں۔
☆ رات میں آنے والے مہمانوں کے لئے بستر کا انتظام کریں۔
☆ میدان اور بیت الخلاء کی صفائی کریں۔
☆ پانی پر ایک ذمہ دار طئے کریں۔
☆ مائک اور تخت کا نظم کریں۔
☆ ٹھنڈے پانی کا نظم کریں۔
☆ مسجد کے فرش پر بچھانے والے دریوں کا انتظام کریں۔
☆ چائے پانی کا نظم کریں۔
☆ پارکنگ جماعت بنائیں۔
☆ استقبالہ جماعت بنائیں۔
☆ معاینہ جماعت بنائیں۔
☆ بیت الخلاء ، دار الاقامۃ، مسجد ، دار الطعام، مہمان خانہ وغیرہ کی مکمل صفائیں کرائیں۔
☆ پہلے ہی دسترخوان اور بیٹھنے کی دری دھلوا کر رکھیں۔
☆ بیت الخلاء میں چپلیں رکھوائیں۔

ہدایت برائے جلسہ

☆ تقریروں میں سیاست والے مضامین نہ ہوں، جیسے بابری مسجد وغیرہ۔
☆ بدعتی نعتیں اور نظمیں نہ ہوں۔

☆ باطل عقیدے والے اشعار نہ ہوں۔

☆ لہجہ گانے اور قوالی کا نہ ہو۔

☆ الفاظ درست ہوں۔

☆ دکانیں احاطہ مدرسہ میں نہ ہوں۔

☆ جلسہ کی تیاری پہلے سے ہو۔

☆ خطابت (اناؤنسنگ) کی تیاری پہلے سے ہو، زیادہ بولنا ضروری نہیں؛ تھوڑا بولیں؛ لیکن چست بولیں۔

☆ اسٹیج کا لفظ نہ بولیں اور ہر حال میں انگریزی الفاظ سے احتراز کریں؛ بلکہ تخت بولیں۔

☆ جلسہ کا پروگرام کمپیوٹر کتابت کرواکر مخصوص مہمانوں میں تقسیم کریں۔

☆ بیٹھے ہوئے جانکار علماء غلطیوں کو نوٹ کر کے اصلاح کی فکر کریں، یہ امانت ہے۔

☆ مثبت بیانات ہوں، منفی نہ ہوں جیسے ردّ بدعت، ردّ غیر مقلدیت وغیرہ۔

☆ مکالمے وغیرہ صحیح فکر پر مشتمل ہوں۔

جلسہ کا پروگرام

رات میں آنے والے عمومی مہمانوں کے سونے کے لئے باعتبار موسم بستر کا انتظام کیا جاتا ہے اور صبح بعد نماز فجر عمومی مہمانوں کے لئے ناشتہ کا انتظام بھی ہوتا ہے اور صبح آنے والے مہمانوں کا استقبال ہوتا ہے، مختلف اساتذہ مختلف ذمہ داریوں پر مامور ہوتے ہیں، بعض پارکنگ کے لئے، بعض کھلانے کے لئے، بعض استقبال کے لئے، بعض مائک اور تخت کے لئے وغیرہ وغیرہ۔

جلسہ کے دوران موسم کے اعتبار سے چائے، یا ٹھنڈے پانی کا انتظام ہوتا ہے، جلسہ میں ختم قرآن، ابتدائے بخاری، ختم بخاری، کچھ حمد، نعتیں، نظم اور عربی اردو تقریروں کے علاوہ بڑے علماء کرام کے پرجوش وعظ ونصیحت بھی ہوتے ہیں، اور تمام فارغین کی اسناد

تقسیم کی جاتی ہے، فارغین کی دستار بندی ہوتی ہے۔

انعامات کا طریقہ کار:

مدارس دینیہ میں جس طرح فیل طلبہ کو سزا دی جاتی ہے، اسی طرح جزا یعنی انعام سے بھی نوازا جاتا ہے، اور طلبہ کی ہمت افزائی کا کام کیا جاتا ہے، جس میں سالانہ انعامات کے علاوہ سال بھر چھوٹے چھوٹے امتحان مسابقے، ادبی بیت بازی اور حسن اخلاق کے عنوان سے انعامات کا سلسلہ ہو۔ اس سے طلباء کی ہمت بڑھے گی اور مدرسہ کی طرف طلباء کا رجحان بڑھے گا اور بچوں میں مسابقتی جذبہ پیدا ہوگا۔

انعامات کے بارے میں ضروری اعلان

دینیات

۱- نورانی قاعدہ، مکمل ناظرہ قرآن، عملی نماز، اردو پڑھنا اور لکھنا جو طالب علم ایک سال میں مکمل کرے گا اسے پانچ سو (۵۰۰) روپیہ انعام ملے گا۔

۲- اور جو طالب علم یہ نصاب دو سال میں مکمل کرے گا اسے دوسو (۲۰۰) روپیہ انعام میں دیا جائے گا۔ (لیکن ڈبل کلاس کی اجازت مخصوص شرائط کے ساتھ ہے عام نہیں)۔

حفظ

۱- جو طالب علم ایک مہینہ میں سوا پارہ سنائے اور سبق کا پارہ سبق تک بلا ناغہ سنائے اور آموختہ ایک پارہ بلا ناغہ سنائے اسے اس ماہ (۵۰) روپیئے انعام دیا جائے گا۔

۲- اور جو طالب علم ایک مہینہ میں ایک پارہ سبق سنائے اور سبق کا پارہ سبق تک بلا ناغہ سنائے اور آموختہ آدھا پارہ بلا ناغہ سنائے اسے اس ماہ تیس (۳۰) روپیہ انعام میں دیا جائے گا۔

معلمین (ائمہ)

۱- اس شعبہ میں جو طالب علم عملی نماز، نورانی قاعدہ، پانچ پارے ناظرہ، چار چھوٹی چار

متوسط، چار بڑی سورتیں حفظ کرے گا اور خطبہ (جمعہ) یاد کر کے اردو پڑھنا لکھنا سب سے پہلے مکمل کرے گا اس کو تین سو (۳۰۰) روپیہ انعام دیا جائے گا۔

۲- اس کے بعد جو جلد مکمل کرے تو اسے بالترتیب یہ انعامات دیئے جائیں گے۔

شعبہ تجوید کے انعام کا اعلان

تجوید کی موجودہ ترتیب کے مطابق ہر دو ماہ پر ایک امتحان ہوگا جس میں اعلی طلبہ کی ایک جماعت بنے گی اور اوسط اور ادنی کی ایک پڑھے ہوئے پاروں کا حدرا امتحان ہوگا جو طلبہ حافظ ہیں ان کی الگ جماعت بنے گی۔

ہر جماعت میں سے اول، دوم، سوم والوں کو انعام ملے گا۔

اعلی میں اول نمبر سے آنے والے کو	۳۰۰/روپیہ
اعلی میں دوم نمبر آنے والے کو	۲۵۰/روپیہ
اعلی میں سوم نمبر سے آنے والے کو	۲۰۰/روپیہ
اوسط میں اول نمبر سے آنے والے کو	۱۸۰/روپیہ
اوسط میں دوم نمبر سے آنے والے کو	۱۵۰/روپیہ
اوسط میں سوم نمبر سے آنے والے کو	۱۰۰/روپیہ
ادنی میں اول نمبر سے آنے والے کو	۸۰/روپیہ
ادنی میں دوم نمبر سے آنے والے کو	۷۰/روپیہ
ادنی میں سوم نمبر سے آنے والے کو	۵۰/روپیہ

نوٹ: جس کا اول، دوم نمبر آ گیا، ہر مرتبہ اس کا امتحان تو ہوگا؛ لیکن پہلی مرتبہ کے بعد انعام نہیں ملے گا، بلکہ نمبر ملیں گے، اور چاروں امتحانوں میں اول، دوم نمبر آنے پر اسے انشاء اللہ بڑا انعام دیا جائے۔

اساتذہ کو انعام

یہ بھی ایک المیہ ہے کہ انعام صرف طلبہ کو دیا جاتا ہے اور اساتذہ کو فراموش کر دیا جاتا

ہے، یہ بالکل غلط اور سراسر ظلم ہے، ان کی کوتاہیوں پر ان کی گرفت تو ضرور کریں، کارکردگی پر انہیں مبارک باد اور انعام نہ دیں۔

انتخابی فارم برائے انعامات اساتذہ

مورخہ............... مطابق ....

منتخب کا نام............. مدرسہ کا نام................

نمبر شمار حاضری تکمیل مقدار خواندگی غیر تدریسی ذمہ داری

اطمینان طلبہ مار پر کنٹرول تعلیمی جانچ خلاصے

طلبہ کو جمانا زبانی درس حفظ ناظرہ

دارالعلوم اور تقسیم انعامات

طلباء میں تعلیمی مشاغل کی نسبت ترغیب وتحریص اور باہم مسابقت کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے سالانہ امتحان میں کامیابی پر طلباء کو مستحقِ انعام سمجھا جاتا ہے، جو طالب علم اعلی نمبروں سے پاس ہوتا ہے، اسے خصوصی انعام دیا جاتا ہے، انعام میں طالب علم کی استعداد کے مطابق درسی وغیر درسی کتابیں دی جاتی ہیں۔

دارالعلوم میں بعض دوسرے امور کی طرح شروع ہی سے تقسیم انعام کا بھی رواج ہے ، تقسیم انعام کے عنوان سے ہر سال جو جلسہ منعقد کیا جاتا ہے، اس میں مقامی لوگوں کے علاوہ بیرونی مقامات کے لوگوں کو بھی دعوتِ شرکت دی جاتی رہی ہے، اس اجتماع کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمان عموما اور چندہ دہندگان خصوصا اس بات کا اندازہ کرسکیں کہ انہوں نے اپنی جس نوخیز نسل کو دارالعلوم کے سپرد کیا تھا اس کے تعلیمی نتائج کیا برآمد ہوئے، نیز یہ کہ قوم نے جو روپیہ دارالعلوم کو دیا ہے، اس کے مصرف کا منظر وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔(۱)

(۱) تاریخ دارالعلوم: ۲/ ۳۰۰

مدارس کے جلسے، چند اصلاح طلب امور

مدارس کے جلسے

دینی مدارس میں سال کے ختم پر جو بڑے بڑے جلسے ہوتے ہیں، نیز طلبہ کی انجمنوں کے جو اجلاس ہوتے ہیں، ان میں بھی بعض خرابیاں تیزی سے پھیل رہی ہیں جن پر ارباب مدارس کو سنجیدگی سے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

سجاوٹ اور روشنی

آج کل جلسوں میں ہزاروں روپیہ صرف سجاوٹ، ڈیکوریشن اور روشنی پر صرف کئے جاتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ جلسہ نہیں؛ بلکہ کسی امیر کبیر کی شادی کی تقریب ہو رہی ہے، بعض جگہ یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک محلہ میں تو جلسہ گاہ میں جانے والے راستوں میں بہت دور دور تک جھالریں لگا دی جاتی ہیں، اور کئی روز پہلے سے سجاوٹ شروع ہو جاتی ہے، یہ سب چیزیں فضول خرچی میں داخل ہیں، ان کی اصلاح ضروری ہے اور اصلاح کی ذمہ داری ان مقررین کی ہوتی ہے جو ایسے جلسوں میں بلائے جاتے ہیں، انہیں اس صورت حال پر سختی سے نکیر کرنا چاہئے، تاکہ اس اسراف کی حوصلہ افزائی نہ ہو سکے۔

حضرت شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ دینی جلسوں میں روشنی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

”ایک جلسہ میں لوگوں نے روشنی زیادہ کر رکھی تھی اور چھوٹے چھوٹے کئی ایک بلب لگا رکھے تھے، اس پر ارشاد فرمایا کہ شریعت میں روشنی

کرنا منع نہیں ہے؛لیکن چراغاں کرنا منع ہے، یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے، دیوالی سے مشابہت ہے، اگر ضرورت ہوتو ہزار پاور کا بلب جلا سکتے ہیں، البتہ اگر دور دور فاصلہ کے ساتھ سو پاور کے بلب جلائے اور چراغاں کی مشابہت نہ ہو اور ضرورت بھی ہو تو یہ جائز ہے''۔(۱)

لاؤڈ اسپیکر کا بے جا استعمال

اب جلسوں میں ضرورت سے زائد ہی نہیں ؛ بلکہ بہت زیادہ لاؤڈ اسپیکر لگائے جاتے ہیں، اصل جلسہ گاہ میں چاہے سو پچاس آدمی ہوں ؛ مگر دور دور تک گلی کوچوں میں اسپیکر لگا دیئے جاتے ہیں، اس میں فضول خرچی اور اسراف تو ہے ہی، دوسری طرف دینی باتوں کی توہین اور اہل محلہ کو ایذا پہنچانے کی خرابی بھی پائی جاتی ہے، محلہ میں مریض بھی ہو سکتے ہیں، ایسے ضعیف اور بوڑھے بھی ہو سکتے ہیں جن کی نیندیں بلند آواز سے اڑ جاتی ہیں، وہ اپنے گھروں میں پڑے پڑے جلسہ والوں کو کوستے رہتے ہیں۔ جلسہ کے نام پر ہم دوسروں کو اذیت نہ پہنچائیں، شریعت نے دوسرے کی عبادت میں خلل کے اندیشہ کے وقت مسجد میں بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنے سے روکا ہے، پھر اس طرح کے شور شرابے کی اجازت کہاں سے ہو سکتی ہے جس میں دوسروں کو اذیت اور تکلیف پہنچتی ہو۔

ایک ہی وقت میں جلسے

ایک ہی مہینہ میں تمام مدارس کے جلسے کرنے سے افادیت کم ہوتی جارہی ہے، قریبی دنوں میں مسلسل لوگوں کا جمع ہونا دشوار ہوتا ہے، مختلف مہینوں میں اکابر کا وقت لینا، سال بھر اہل اللہ کی آمد و رفت باقی رکھنا باعثِ برکت اور باعثِ ترقی ہے۔

دعوت جلسہ کے لئے پوسٹر

دعوت جلسہ کے لئے پوسٹرس چھپانا برا نہیں ؛ مگر اس پر آیات، احادیث، دینی اشعار، اسلامی نام چھپوائے جاتے ہیں، اسماء حسنی اور اسماء محمد ﷺ کا ہونا تو ناگزیر ہے، لیکن جلسہ کے

(۱) ملفوظات ابرار: ۱۷۷، یادگار خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

بعد ان پوسٹرس کو اسی اہتمام سے نکالنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا ہے، بے ادبی ہوتی ہے اوراحترام پامال کیا جاتا ہے۔

جھوٹ سے پرہیز

یہ فریب اور دھوکہ ہے کہ مشہور عالم دین کچھ وقت نہ دیا ہو، مگر پوسٹر میں نام لکھا جائے ، یا شرکت متوقع ہو؛ مگر یقینی بتلائی جائے ، ایسے گناہوں کے ساتھ جلسوں سے برکت وقبولیت کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔

اہل دنیا اور اہل سیاست کی شرکت سے زیادہ اہل دل صاحبِ نسبت علماء کرام کی سرپرستی کو اہمیت دی جائے ، دفعِ مضرت یا محض مدرسہ کی کسی مصلحت کی وجہ سے بھی اگر انہیں بلایا بھی جائے تو انہیں خدام پر ترجیح نہ دی جائے ، انہیں اسلامی معلومات دینے کی فکر کی جائے ، نہ کے ان سے لینے کی فکر کی جائے ،لیکن مدرسہ اور اہل مدرسہ ہرگز کسی سیاسی ،علاقائی جھگڑے میں فریق نہ بنے ایک گروپ کو بلا کر دوسرے گروپ کی دل شکنی مول نہ لیں۔

فرض نماز خطرے میں

اب جلسے رات میں اتنی دیر تک چلتے ہیں کہ جلسے کے اکثر شرکاء کی صبح کی نماز نہیں تو جماعت فوت ہوجاتی ہے، منتظمین کا تو پتہ ہی نہیں رہتا کہ کہاں گئے؟ ظاہر ہے کہ آدمی جب رات بھر جاگے تو صبح کا فریضہ کیسے ادا کرسکتا ہے؟ تو غور فرمائے کہ! رات بھر مقرر صاحب نماز کی اہمیت عبادت کی فضیلت پر دھواں دار تقریر کرتے رہے اور اثر یہ ہوا کہ فجر بھی گئی تو ایسی محنت سے کیا فائدہ؟ اس لئے ضرورت ہے کہ جلسہ جلد ہی شروع کر کے جلد ہی ختم کیا جائے اور سب سے بہتر یہ ہے کہ مغرب کے بعد جلسہ شروع کر کے نماز عشاء کچھ تاخیر سے باجماعت پڑھ لی جائے تا کہ لوگ جاگ کر سن سکیں اور نماز فجر کے لئے بآسانی بیدار ہوسکیں، بعض علاقوں میں بحمدہ تعالی مغرب کے بعد جلسوں کا رواج ہوگیا ہے تو اس کے اچھے نتائج برآمد ہورہے ہیں اور جہاں کسی وجہ سے مغرب کے بعد انتظام نہ ہوسکے تو وہاں بہرحال نماز عشاء شروع کر کے جلد ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

مقررین کی کثرت

اب سب سے بڑا جلسہ اسے سمجھا جاتا ہے جہاں تقریر کے لئے مقررین کی پوری کھیپ موجود ہو، گویا جلسہ نہ ہوا، تقریر کا مقابلہ ہوگیا، اس میں کئی خرابیاں ہیں ایک تو وقت خواہ مخواہ زیادہ خرچ ہوجاتا ہے، ایسی صورت میں آپ جلسہ جلدی ختم کرنا بھی چاہیں تو نہیں کرسکتے، اس لئے کہ جس شخص کو تقریر کے لئے بلایا گیا ہے وہ تقریر ضرور کرے گا، ورنہ ناراض ہوجائے گا، دوسرے یہ کہ ہر مقرر دوسرے کے دباؤ میں رہتا ہے اور عوام کے لئے مفید مضمون جلد سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے، تیسرے یہ کہ ایسی صورت حال میں عوام کے فائدے کی باتیں کم آتی ہیں اور مقررین اپنے زور خطابت اور دوسرے پر برتری حاصل کرنے پر زیادہ توجہ دیتے ہیں الا ماشاء اللہ، چوتھے یہ کہ ایسے جلسوں کے ختم پر شرکاء میں سے یہ کسی کو یاد نہیں رہتا کہ کیا نصیحت کی بات کہی گئی ہے کہ اس پر عمل کیا جائے؛ بلکہ ہر ایک صرف مقرروں کے مابین تبصرہ کرتا نظر آتا ہے کہ کس کی تقریر اچھی رہی اور کس کی خراب،، اس لئے ضرورت ہے کہ جلسوں کو ناموری اور سستی شہرت کے بجائے عمومی اصلاح کے ذریعہ بنایا جائے، جلسہ میں خواہ ایک دو ہی مقرر ہوں؛ مگر انہیں کھل کر اصلاحی مضمون بیان کرنے کا موقع دیا جائے، اس کے بغیر یہ دینی جلسے اپنے مقاصد میں ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتے۔

سارا زور چندے پر

بعض مدارس کے جلسوں میں یہ دیکھا گیا کہ منتظمین کا سارا زور صرف اور صرف چندے پر ہوتا ہے، انہیں اس سے کوئی مطلب نہیں کہ حاضرین کو دینی فائدہ پہنچا یا نہیں، بس وہ چندہ ہی کرنے پر ساری توجہ مرکوز کئے رہتے ہیں، تقریریں تو کیا ہوتیں، پورے جلسے میں چندہ دہندگان کے لئے لمبی چوڑی دعائیں ہوتی رہتی ہیں، کوئی اس جلسہ میں پانچ روپئے دے یا پانچ ہزار روپئے اسے جھولی بھر کر دعاؤں کی سوغات اناؤنسر صاحب کی طرف سے دی جاتی ہے، چندہ کرنا منع نہیں، مگر اس کی کوئی حد تو ہونی چاہئے، ایسا نہ ہو کہ چندہ کے جوش میں دینی فائدہ ہی کو پس پشت ڈال دیا جائے، اگر چندہ کرنا ہی ہے تو اس کے لئے جلسہ گاہ

سے الگ کاونٹر بھی بنائے جاسکتے ہیں، زیادہ سے زیادہ اعلان کردیا جائے کہ فلاں جگہ چندہ ہورہا ہے۔(۱)

ویڈیوگرافی

مدارس کے جلسے خالص دینی جلسے ہیں، ان میں ویڈیوگرافی کی قطعا کوئی ضرورت نہیں ہے، ملی وقومی مسائل میں علماء نے اگر میڈیائی مصلحت سے ان منکرات کا تحمل کرلیا ہے تو وہ پھر بھی سمجھ میں آتا ہے، مگر مدارس دینیہ کے جلسوں میں اس کی کوئی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی، سوائے ابتلائے عام اور نقالی محض کے اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی، اگر مدارس دینیہ بھی اس شوق سے محفوظ نہ رہیں تو پھر دین کی کہاں حفاظت ہوسکے گی۔

عصری علوم کی تنقیص

مکالموں میں عام طور سے دینی تعلیم کی اہمیت کو بیان کرنے کے لئے عصری تعلیم اور اس کے حاملین کی بہت تنقیص کی جاتی ہے، جو بالکل مناسب نہیں ہے، کیا علماء واہل مدارس ان علوم کے حاملین کے محتاج نہیں ہیں؟ کیا آج کسی اسلامی ملک کا نظام صرف علماء دین سے قائم ہوسکتا ہے، کیا بیماریوں کا علاج، مساجد ومدارس کی تعمیر، مقدمات کی پیروی اور حسابات کی توثیق وغیرہ کیلئے اہل مدارس ان علوم کے حاملین سے مدد نہیں لیتے؟ پھر سماجی وانسانی ضرورت کے ان علوم کو گرا کر دکھانے کی کیا ضرورت ہے؟ ہاں علم دین کی فضیلت وبرتری کتاب وسنت سے ثابت ہے، ثابت رہے گی، ان مکالموں میں علم دین کی تشویق وترغیب کیلئے اس کی شرعی وعقلی ترجیح اور سب کے لئے اس کے حصول کی ضرورت ثابت کردینا کافی ہے، اس کے لئے دیگر علوم وفنون کی تنقیص وانکار کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

جلسے کا اختصار

پروگرام وقت کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ تین گھنٹوں میں ترتیب دینا چاہئے، طلبہ

---

(۱) ماہنامہ صدائے دارالعلوم: دینی جلسے جو قابلِ اصلاح ہیں: ۱۸۔۹۲، مفتی سلمان منصور پوری، بابتہ اپریل جون: ۲۰۱۵م

کے مظاہرے اور مہمانان کی تقاریر سب اسی میں ہوجانے چاہئے ، مدارس کے جلسوں میں وقت کی بے انتہا اضاعت دیکھنے میں آئی ، بے شمار مقررین جمع کئے جاتے ہیں، ہر ایک کو وقت کا خیال رکھتے ہوئے بیان کرنے کا پابند کیا جاتا ہے جسے بعض تسلیم کرتے ،بعض اس ڈر سے کچھ بول نہیں پاتے ، پھر مہمان خصوصی کو اتنا انتظار کرایا جاتا ہے کہ وہ بے زار ہوجائے ، اس طرح کھانے اور نماز کے معمول سے کافی تاخیر ہوجاتی ہے، جو سب کی زحمت کا سبب ہے۔

تقاریر کا مواد ذمہ دار پہلے دیکھ لیں

تقاریر کا مواد وغیرہ ذمہ دار پہلے سے دیکھ لیں ،بعض مدرسوں میں ایسی جارحانہ تقریریں سننے کو ملیں کہ عقل دنگ رہ گئی ، کیا ہمارے نظمائے مدارس زمانے کی نبض اور ملک وملت کے حالات سے بالکل بے خبر ہیں یا وہ کسی اور دنیا کے باسی ہیں؟ نعتیں بھی پہلے سن لینی چاہئے کہ اعتدال وتوحید پر مبنی ہیں یا نہیں؟ بعض جگہ غالیانہ نعتیں سن کر افسوس ہوا، نیز پڑوسی ملک میں مروج نظمیں اور ترانے بھی سوچ سمجھ کر لینے چاہئے ، اس لئے کہ اس ملک کا ماحول ومزاج مختلف ہے، جو ہمارے ملک کے مزاج وماحول سے جوڑ نہیں کھاتا۔(۱)

شعبہ حفظ کے طلباء کا مظاہرہ

شعبہ حفظ وناظرہ کے مدارس میں بھی طلبہ کے ذریعے اردو، عربی ، انگریزی تقاریر پیش کرائی جاتی ہیں، جب کہ اس سے بہتر یہ ہے کہ حفظ وتجوید، تلاوت حدر وترتیل، ادعیہ واحادیث، اذکار وسنن کا مظاہرہ کرایا جانا چاہئے کیوں کہ انہیں سال بھر یہی تو سکھایا جاتا ہے، البتہ شعبۂ عالمیت کے طلبہ کا تقاریر ومباحث کا مظاہرہ مناسب ہے، جب یہ سال بھر کی کارکردگی کا مظاہرہ ہے تو جس مدرسے میں جو کام ہوا ہے اس کا مظاہرہ حقیقت کے مطابق ہے۔(۲)

---

(۱) ماہنامہ اشرف الجرائد: بہ قلم مدیر :۹، ۱۰، ۱۱، بابت ماہ جون: ۲۰۱۷ء

(۲) ماہنامہ صدائے دارالعلوم: دینی جلسے جو قابلِ اصلاح ہیں: ۱۸۔۹۲، مفتی سلمان منصور پوری، بابتہ اپریل جون: ۲۰۱۵ء

نظمیں ہی نظمیں

بعض جگہ یہ دیکھا گیا کہ جلسہ کو مشاعرہ بنادیا جاتا ہے، دینی، اصلاحی تقریریں ہوں اور ایک تو جلسہ ہی دیر سے شروع ہوتا ہے، جو وقت جاگ کر سننے کا ہوتا ہے وہ زائد پروگراموں میں اور نظموں میں گذر جاتا ہے، جب مقرر صاحب سریر آرائے منصب خطابت ہوتے ہیں تو اکثر سامعین جا چکے ہوتے ہیں، یا نیند میں غوطہ زنی شروع کردیتے ہیں، جس سے جلسہ کا اصل مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے۔

بڑی بچیوں کے پروگرام

ایک بڑا فتنہ بالخصوص دیہاتی علاقوں کے مدارس میں یہ ہے کہ مدرسہ کے جلسوں میں بڑی عمر (۱۲۔۱۵) سال کی بچیاں نظموں، ترانوں اور مکالموں کے پروگرام میں اسٹیج پر آ کر حصہ لیتی ہیں، اور اگر اس پر نکیر کی جاتی ہے تو مدرسہ والے کہتے ہیں کہ صاحب بچیوں کے والدین کی خواہش پر ان کا پروگرام رکھا گیا ہے، اس لئے اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ والدین کے کہنے میں شریعت کا مسئلہ تبدیل نہیں کیا جاسکتا، چاہے کسی کو اچھا لگے یا برا، کم ازکم دینی مدارس کے ذمہ داران کو ان فتنہ انگیز پروگراموں کو بند کرنا چاہئے، اگر مدارس والے ہی دین پر عمل نہ کریں گے تو پھر عوام سے شکایت کا کیا موقع ہے؟

مکالمے نہیں ڈرامے

دینی وعلمی معلومات کے لئے اگر طلبہ کو کچھ سوال وجواب سکھا دیئے جائیں اور انہیں مکالمہ کی شکل میں جلسہ میں پیش کردیا جائے تو ان میں تو فی نفسہ کوئی حرج نہیں؛ لیکن اب ان مکالموں نے ڈراموں کی صورت اختیار کرلی ہے، یعنی ہیئت، لباس، انداز سب کچھ بدل جاتا ہے اور بعض مرتبہ تو نہایت بھونڈے مذاق کی شکل پیدا ہوجاتی ہے، گذشتہ سال ایک ادارہ کے طلبہ کی انجمن کے اجلاس سالانہ میں شرکت ہوئی تو طلبہ نے ''ہندومت اور اسلام'' پر ایک مکالمہ پیش کیا، جس میں ایک طالب علم باقاعدہ ہندو پنڈت کی شکل میں بن کر آیا، جسے دیکھ کر سخت تکدر ہوا، اور اسی وقت اس پر سختی سے نکیر کی، اس قسم کے فضول اور واہیات پروگرام

دینی اداروں کے قطعا شایان شان نہیں، ایسے پروگراموں سے وقتی طور پر ہنسی مذاق اور ٹھٹھہ کا موقع مل سکتا ہے، لیکن اس سے نہ کبھی دینی فائدہ برآمد ہوا ہے اور نہ ہوسکتا ہے، اہل مدارس کو ان پروگراموں پر سختی سے نظر رکھنا چاہئے، بلکہ جو طلباء ایسے پروگراموں کے مرتکب ہوں، انہیں قابل عبرت سزا دینی چاہئے، اگر ان پر ابھی روک نہ لگائی گئی تو آگے ان کے نتائج بھی خراب ہوسکتے ہیں۔(۱)

(۱) ماہنامہ صدائے دار العلوم: دینی جلسے جو قابلِ اصلاح ہیں: ۱۸۔ ۹۲، مفتی سلمان منصور پوری، بابتہ اپریل جون: ۲۰۱۵م

نظام سزا

بعض طبیعتیں ترغیب اور انعام سے اصلاح کو قبول کر لیتی ہیں اور بعض طبیعتیں سختی ترہیب اور سزا کو چاہتی ہیں، لیکن انتظامیہ اور استاذ بھی دیگر احکام شریعت کی طرح اس مسئلہ میں بھی پابند ہیں، للّٰہی غصہ، بے لوث سرزنش مؤثر ہوتی ہے، نفسانی، تادیب، جذباتی طور پر بے لگام سزا دینا خود استاذ کو مجرم بنا دیتا ہے، اہل مدارس کے یہاں اس باب میں بدتہذیبی بعض مرتبہ انسانیت واخلاق سے گر کر جان لیوا سزائیں دینا بہت سے اہل دنیا کی دوری کا سبب بن رہا ہے، ساری دنیا میں عصری اسکولوں میں جسمانی سزا دینا ممنوع ہو چکا ہے، اسلام دشمن طاقتیں خوردبین لگا کر دینی مدارس کی خامیوں کی گرفت کرنے، پھر بند کرانے کی کوشش میں لگی ہیں، انتظامیہ اوراساتذہ مدرسہ کو چاہئے کہ اس سلسلہ میں حدود وقیود کا مطالعہ کریں، اپنے عملہ کو باشعور بنائیں، اصولی بات یہ ہے کہ آپ دعوت ونصیحت کے مکلف ہیں، ہدایت دینا اللہ کا کام ہے، آپ نے عالم حافظ بنانیکا ٹھیکہ نہیں لیا ہے، بلکہ عالم حافظ بنانے کی محنت کرنے کی ٹھانی ہے، اور حقیقت ہے کہ نرمی اور محبت کی دوا کام نہ کرے تو اس دوا کی مقدار کا اضافہ تو حل ہوسکتا ہے؛ لیکن سختی کرنا زیادہ مناسب نہیں، جرم، سزا، مجرم اورعلاقے کے اعتبار سے سزا طئے کرنا ایک اجتہادی چیز ہے، اس سلسلہ میں ذیل کے مواد سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، یاد رہے کہ مقصد صرف اور صرف اصلاحِ ہے۔

طلبہ کی تادیب کے شرعی اصول

استاذ اور شاگرد کا تعلق روحانی باپ اور بیٹے کا سا ہوا کرتا ہے، جس طرح ماں باپ بچے کیلئے جسمانی وجود کا ذریعہ ہوتے ہیں، ایسے ہی استاذ بچے کی روح اور اس کے اندرونی مایہ کے وجود اور اس کے حقیقی انسان بننے کا سبب ہوتے ہیں، اس لئے استاذ کو شاگرد کے حق میں ایک شفیق باپ کا کردار ادا کرنا چاہیے، چنانچہ استاذ کو شاگرد کی اصلاح کی خاطر تادیب کی اجازت ضروری ہے؛ لیکن اس کے کچھ حدود و قیود ہیں۔

☆ اصلاح کیلئے سب سے پہلے طالب علم کو اپنے سے مانوس کرنا ضروری ہے، جب تک استاذ اور شاگرد کے درمیان روحانی تعلق اور رشتہ اور محبت وعقیدت کے جذبات نہ ہوں گے استاذ کا اصلاح اور تادیب کیلئے اقدام کرنا قبل از وقت ہوگا۔ حضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہمیں اس حوالہ سے روشنی ملتی ہے۔

ایک دیہاتی نے جب مسجد نبوی میں پیشاب کرنا شروع کر دیا اور صحابہ نے اس کو مسجد سے نکالنا چاہا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا اور جب وہ پیشاب کر چکا تو اسے پانی سے دھو دیا اور نہایت نرمی سے فہمائش کی کہ مسجد صرف عبادت کی جگہ ہے: ’’انّ هذه المساجد لا تصلح لشيئ من هذا البول ولا القذر‘‘ وہ صحابی رضی اللہ عنہ چونکہ نو مسلم تھے، اس لئے آپ نے ان کے مسجد میں پیشاب کرنے پر ان کا سخت نوٹ نہیں لیا، حالانکہ دوسری طرف مسجد میں تھوکنے پر سخت قسم کی وعیدیں سنائی گئی ہیں۔(۱)

☆ اس کے ساتھ ساتھ بچوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہئے، ایسی صورت اختیار کرنا چاہئے کہ وہ ان کی غلطیوں سے واقف ہی نہیں؛ تاکہ طلبہ اپنے آپ کو ہر دم قید وبند

(۱) مسلم: باب وجوب غسل البول، حدیث: ۲۸۵

میں محسوس نہ کریں اور انہیں گھٹن محسوس نہ ہو، پھر وہ مدرسہ کے ماحول اور وہاں کی ترتیب میں خود کو ڈھال لیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نشہ کی حالت میں پکڑا گیا، لوگوں نے اس کو پکڑ کر حضور ﷺ کے پاس لانے لگے، جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مکان کے پاس لوگ پہنچے تو ان کا نشہ اتر گیا اور مارے شرم کے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے چمٹ گئے اور کسی طرح حضور کے پاس آنے کو تیار نہ ہوئے "**فدخل علی العباس فالتزمه**" حضور ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے ان کو کوئی سزا نہیں دی اور نہ خود اپنے سامنے بلایا" (۱)

یہ غلطی کو نظر انداز کر دینے کی ایک مثال ہے۔

☆ اصلاح کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انسان کی فطری صلاحیت اور ذوق و مزاج کو بدلا نہیں جا سکتا، البتہ اس کا رخ تبدیل کیا جا سکتا ہے، اگر استاذ کسی طالب علم کے اندر یہ صفت دیکھے کہ وہ دوسرے طلباء کو ہمیشہ زیر کرنے اور نیچا دکھانے کا خواہشمند رہتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر مسابقت اور آگے بڑھنے کا جذبہ ہے، لہٰذا اس کو صحیح رخ دیا جائے، کتاب اور اس یادداشت پر اس کو پھیر دے۔ بعض طلباء میں اپنے آپ کو نمایاں کرنے کا جذبہ ہوتا ہے، ان کے اس جذبۂ نمائش کو تحریری اور تقریری صلاحیتوں کے اجاگر کرنے میں لگایا جائے اور ان کی ہمت افزائی کی جائے۔ اسی کو حضور ﷺ نے "**خیارکم فی الجاهلیة خیارکم فی الإسلام**" فرمایا۔ (۲)

☆ جب طالبِ علم سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو پہلے نصیحت و موعظت سے کام لے اور انفرادی طور پر اور تنہائی میں اس کی غلطی پر متنبہ کرے، اس عادت کی قباحت

---

(۱) بودؤد: حدیث: باب فی الحد فی الخمر: ۴۴۷۶، علامہ حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ: اس کو ابوداؤد اور نسائی نے سندِ قوی کے ساتھ روایت کیا ہے: فتح الباری: الضرب بالجرید والنعال: ۱۸۹/۱۹

(۲) بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ یوسف: حدیث ۴۶۸۹

اور برائی کو بیان کرے، پھر اس کے ازالہ کیلئے کوشاں ہو، اگر طالب علم چوری کرتا ہے، کسی سے قرض لیتا ہے، اپنا سامان بیچ لیتا ہے، پیسے جلد ختم کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فضول خرچی کرتا ہے، لہٰذا اب مربی استاذ کا کام یہ ہے کہ اس میں کفایت شعاری کی عادت ڈلوائے، اس کو خرچ کم دے، اگر کوئی طالب علم ذہین تو ہے، لیکن مفوضہ کام اور ذمہ داری کو وقت پر پورا نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام چور ہے، اس کی تربیت یوں ممکن ہے کہ اس کے اوقات کا نظام طئے کر کے وقت مقررہ پر فلاں کام انجام دے اس طرح اس کے اوقات اور مفوضہ وقت میں سپرد کئے ہوئے کاموں کی نگرانی کرے، اس طرح وہ انضباطِ وقت کا پابند ہو جائے گا۔

سب سے پہلے نصیحت وموعظت سے کام لیا جائے اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے "وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ "(۱) اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بد دماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور رسول اللہ ﷺ کی نگرانی میں تھا، اور میرا ہاتھ پیالہ میں چاروں طرف پڑتا تھا تو مجھ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے لڑکے ! اللہ کا نام لے (بسم اللہ پڑھ) اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھا اور جو تیرے قریب ہے اس میں سے کھا "یا غلام، سم اللّٰہ، کل بیمینک، و کل مما یلیک" میں اس کے بعد اسی طرح ہی کھاتا تھا۔(۲)

☆ اگر نصیحت وموعظت کارگر نہ ہو تو ڈانٹ ڈپٹ سے بھی کام لیا جائے، اس لئے کہ انبیاء کو جہاں بشیر (خوشخبری دینے والا) کہا گیا ہے وہیں نذیر (ڈرانے والا) بھی بتایا گیا ہے بعض طبیعتیں اور بعض مزاج نرم گفتگو کو قبول نہیں کرتے، بلکہ نرمی اور نرم خوئی ان کا حوصلہ بڑھا دیتی ہے، البتہ یہ ڈانٹ ڈپٹ کے سلسلے میں دو چیزوں کا

---

(۱) النساء: ۳۴

(۲) بخاری: حدیث: ۳۵۶

ضرور خیال رہے کہ یہ ڈانٹ ڈپٹ بد دعا کے الفاظ پر مشتمل نہ ہو، کیونکہ اس کی وجہ سے طالبِ علم استاذ کو اپنا بدخواہ اور دشمن تصور کرنے لگے گا۔

حضرت محمد بن زیاد روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی کھجور میں سے ایک کھجور کو لے کر اپنے منہ میں ڈال لیا، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تھوکو، تھوکو، "کخ، کخ لیطرحھا" تاکہ وہ اسے پھینک دیں، پھر فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے۔ (۱)

ایک صحابی آپ ﷺ کو بہت ہنسایا کرتے تھے، لوگ غالباً مزاحاً ان کو "حمار" (گدھا) کہا کرتے تھے، "وکان یلقّب حمارا" ان سے کئی دفعہ شراب نوشی کی غلطی سرزد ہوگئی، لوگ ان کو شرم و عار دلانے لگے، اسی دوران ایک صاحب نے کہہ دیا کہ: تم پر اللہ کی لعنت ہو اور کسی نے کہہ دیا کہ: خدا تم کو رسوا کرے، حضور ﷺ نے اس فقرہ کو پسند نہیں فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ ایسی بات کہہ کر تم شیطان کی مدد نہ کرو اور جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے "لا تلعنوہ، فواللّٰہ ما علمتُ انّہ یُحبّ اللّٰہ ورسولہ" (۲)

☆ اصلاحِ حال کا ایک طریقہ بے توجہی اور بے التفاتی بھی ہے، اگر کوئی طالبِ علم کسی غلطی کا بار بار اعادہ کرے تو استاد اس کی طرف چند دن توجہ کرنا چھوڑ دے اور اس کے ہم سبق طلبہ سے بھی اس سے قطعِ تعلق کو کہے، اس طرح وہ اپنے ماحول میں بیگانہ اور اجنبی ہو جائے گا، اس طرح یہ اقدام بعضے دفعہ اس کے اصلاحِ حال میں زیادہ مؤثر ثابت ہوگا۔

حدیث میں اس کی اصل حضرت کعب، وحضرت لبابہ اور مختلف صحابہ میں ملتی ہے کہ جن کے ساتھ آپ ﷺ نے یہی طریقہ اختیار فرمایا تھا، خود بھی ان سے بظاہر بے توجہی کرتے اور صحابہ کو بھی چند دنوں کیلئے ان سے بے توجہی کرنے کیلئے کہا، دراصل مقاطعہ یعنی

---

(۱) بخاری: حدیث: ۱۴۳۲

(۲) بخاری: کتاب الحدود: حدیث: ۶۷۸۰

کسی انسان کو ماحول سے کاٹ دینا بھی اصلاحِ حال کا نہایت مؤثر ذریعہ ہے، البتہ اس کیلئے یہ ضروری ہے کہ طالبِ علم میں دینی تعلیم کا ذوق اور اپنے استاذ سے محبت پیدا ہوگئی ہو۔ ورنہ یہ اقدام طالبِ علم کے مدرسہ سے فرار اور اس کے ماحول سے نفرت اور اس قید و بند سے چھٹکارے کا جذبہ اس کے اندر پیدا کرسکتا ہے، اور یہ آیت بھی اسی پر دلالت کرتی ہے "وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ" (۱) اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو۔

☆ تنبیہ اور اصلاحِ حال کا ایک طریقہ "جسمانی سرزنش" بھی ہے مثلاً کسی مخصوص انداز میں کھڑا کردینا یا بٹھا دینا، یا ایسے بھی کیا جاسکتا ہے کہ اس سے کچھ نفل نمازیں پڑھائی جائیں، ایک دو وقت کا کھانا بند کردیا جائے وغیرہ۔

شریعت میں تادیب کے اس طریقہ کی جانب اشارہ ملتا ہے، چنانچہ متعدد غلطیوں کا کفارہ "روزہ" کو قرار دیا گیا ہے، اس سے پتہ چلا کہ جسمانی سرزنش بھی اصلاحِ حال کا ایک مؤثر اور کارگر طریقہ ہے۔

☆ اصلاحِ حال کا آخری درجہ "ضرب" اور مناسب حد میں مار پیٹ کا ہے، مار پیٹ ایک مناسب چیز ہے، لیکن کبھی یہ اصلاحِ حال کیلئے ضروری اور ناگزیر ہوجاتی ہے، بہرحال نہ یہ نظریہ درست ہے کہ طلبہ کو بالکل نہ مارا جائے اور نہ یہ نظریہ درست ہے کہ ایسے مارا جائے جیسے جانوروں پر کوڑے برسائے جاتے ہیں۔ حدیث میں حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: دس سال کی عمر ہونے کے باوجود بچہ نماز نہ پڑھتا ہو تو اس کو مارو "واذا بلغ عشر سنین فاضربوه" (۲)

یہ آیت بھی اگرچہ اس کا خاص پس منظر ہے؛ لیکن مطلقا تادیب کے طریقہ کار اسلوب اور درجہ بدرجہ اپنانے میں دلالت کرتی ہے:

"وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي

---

(۱) النساء: ۳۴

(۲) ابوداؤد: باب متی یؤمر الغلام بالصلوۃ، حدیث: ۴۹۴

الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلاَ تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلاً"

اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بد دماغی کا احتمال ہوتو ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو اور ان کو مارو پھر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر بہانا مت ڈھونڈو۔

اور ایک حدیث میں ہے حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جو اپنے گھر میں ڈنڈا لٹکا کر رکھے، تاکہ اس کے ذریعہ بچوں کی تربیت کی جائے "رحم اللہ عبدا علّق فی بیتہ سوطا یؤدب بہ أھلہ" (۲)

غصہ میں ہرگز نہ مارے، غصہ میں آدمی بے قابو ہوتا ہے، غصہ ختم ہونے کے بعد جرم کے برابر سزا طئے کر کے مصنوعی غصہ بنا کر نافذ کرنا چاہئے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک شخص کو مارنے کا حکم دیا، جب وہ مارنے کیلئے جانے لگا تو فرمایا: اسے چھوڑ دو، میں نے اپنے اندر غصہ پایا "وجدت فی نفسی علیہ غضبا"

حضرت مولانا الیاسؒ صاحب فرماتے ہیں کہ: استاذ کیلئے طالب علم کو مارنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ چپت (طمانچہ) طالب علم کی نگاہ میں چپاتی سے زیادہ محبوب نہ ہوجائے۔

''ضرب مبرح'' وہ پٹائی جس کی ممانعت وارد ہوئی ہے کے متعلق تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۱- رسول اللہ ﷺ نے جانور کو بھی چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے "لا تلطموا وجوہ الدواب فان کلّ شیئ یسبّح بحمدہ" (۳)

---

(۱) النساء: ۴

(۲) کنز العمال، باب تربیۃ أھل البیت، حدیث ۴۴۹۹۸

(۳) کنز العمال، حقوق الراکب والمرکوب، حدیث: ۲۵۶۲۳

اسی طرح غلام کو بھی چہرہ پر مارنے کی ممانعت فرمائی ہے:

"لا یضرب رجل عبدا ظالما الا أقید منه یوم القیامة" (۱)

اور سرزنش کے سلسلے میں صراحۃً حکم فرمایا کہ چہرہ سے بچا جائے "اذا ضرب أحدکم فلیتّق الوجه" (۲)

۲- جسم کے نازک حصے جیسے پیٹ، سینہ وغیرہ پر بھی نہ مارا جائے۔

۳- مسلسل ایک ہی مقام پر نہ مارا جائے، بلکہ جسم کے مختلف حصوں پر مارا جائے۔

۴- اس طرح نہ مارا جائے کہ ہڈی ٹوٹ جائے، یا مار کا نشان جسم پر نمایاں ہو جائے یہ فقہاء کی رائے میں "ضربِ مبرح" میں داخل ہے۔

ان اُمور کی رعایت کے بغیر سخت ترین اور تکلیف دہ سزا دینا نامناسب تو ہے ہی شرعاً بھی ناجائز ہے اور علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ: خود اس مدرس کی تعزیر کی جائے گی۔

۵- ایک دفعہ دس چھڑی سے زیادہ نہ مارا جائے، حدیث میں ہے کہ حد کے علاوہ کسی اور غلطی پر دس کوڑے سے زیادہ نہیں مارنا چاہئے: "لا یجلد فوق عشر جلدات الّا فی حدّ من حدود اللّٰہ" (۳)

☆ اگر نصیحت وموعظت، تہدید، جسمانی تادیب اور مار پیٹ کے باوجود اگر طالب علم کی اصلاح نہ ہو سکے یا طالب علم کوئی حد سے گذری ہوئی بات کر جائے تو ایسے طالب علم سے مدرسہ کے ماحول کو خالی کر دینا، یہ نہ صرف دوسرے طلبہ؛ بلکہ خود اس کے ساتھ بھی انصاف ہے، اسلام میں اس کی واضح نظیر "تغریب" یعنی جلاوطنی ہے، فقہاء نے از راہِ تعزیر تغریب یعنی جلاوطنی کی اجازت دی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں بارہا اس طریق کو استعمال فرمایا ہے،

---

(۱) کنز العمال: حقوق المملوک، حدیث: ۲۵۶۶۱

(۲) ابوداؤد: باب فی ضرب الوجہ، حدیث: ۴۴۹۳

(۳) بخاری: باب ما یکرہ من ضرب النساء، حدیث: ۴۹۰۸

قرآن نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے درمیان فراق کا جو واقعہ لکھا ہے وہ ایک طالبِ علم کے اخراج کی بہترین نظیر ہے۔

حدیث پاک میں نمک کی ضرورت کو بھی اللہ سے مانگنے کا حکم دیا گیا ہے تو پھر طالب علم کی تربیت کیلئے مناسب طریقہ اللہ سے مانگنا چاہئے کہ جس کے ذریعہ اس کے دل کا تالا کھولا جا سکتا ہو۔

☆ تادیب یعنی مارنا دراصل باپ کا حق ہے، استاذ باپ کی اجازت پر سزا دے سکتا ہے، باپ بالغ بچہ کو نہیں مار سکتا، البتہ استاذ باپ کی اجازت سے بالغ بچہ کو مار سکتا ہے، لہٰذا داخلہ کے شرائط میں تحمل سزا کو شامل کرلیں اور باپ کی عدم رضامندی کی صورت میں سزا نہ دیں۔(۱)

اگر باپ نے اجازت نہ دی ہو اور منع بھی نہیں کیا ہو، تو مجبوری کی صورت میں مار سکتے ہیں، جزا و سزا دونوں بچہ کے لئے ضروری ہیں، لیکن سزا میں جسمانی مار پیٹ کا تصور بقدر ضرورت اور ناگزیر حالات میں ہونا چاہئے، اس سے بچہ کی شخصیت تباہ ہوسکتی ہے، بچہ مدرسہ سے فرار ہوسکتا ہے، بچوں کا کام شرارت کرنا ہی ہوتا ہے، لیکن اس پر مارنا، بہت بڑی غلطی ہے، بچوں کو مار کر ہم ان کی تضحیک کرتے ہیں، اس سے ان کی انا مجروح ہوجاتی ہیں زیادہ مار کھانے والے بچے عموماً ڈھیٹ ہوجاتے ہیں۔

مار کھانے کے ایسے عادی ہوجاتے ہیں کہ پھر مار کا اثر بھی نہیں ہوتا ہے، استاذ کا رعب ختم ہوجاتا ہے، مار کھانے کی ترغیب پر طلبہ کے سامنے کبھی بھی تقریر کریں؛ تاکہ طلبہ مار کھانے پر ناراض نہ ہوں، اگر طالب علم معافی مانگ لے تو پہلی اور دوسری غلطی پر معاف کرسکتے ہیں، یا مار میں تخفیف ضرور کریں، بچہ کو مارتے وقت یہ حدیث ذہن میں رہے جو حضور ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: ''جب کہ وہ اپنے غلام کو مار رہے تھے، ''اللہ أقدر علیک منه'' (یقیناً اللہ تم پر اس سے زیادہ قادر ہے، جتنا تم کو اس غلام پر قدرت حاصل ہے)۔

(۱) بحوالہ درمختار: ۱۹۰/۳

☆ یہ بھی سوچیں کہ بچوں کی جس قدر خطا ہے اور مجھ کو ان پر غصہ ہے تو میں مالک الملک کا اس سے زیادہ خطا کار ہوں، اگر وہ مجھ پر غصہ کرے تو میرا کیا حال ہوگا، اس مضمون کا دیر تک مراقبہ کریں، حدیث میں ہے ''جو کسی کو ظلما مارے گا قیامت کے دن اس کا مؤاخذ ہوگا''۔

☆ جب استاذ کسی بچہ پر لکڑی اٹھائے تو سوچے کہ اس جگہ میرا بچہ ہوتا تو میں کیا کرتا؟ جو استاذ لکڑی اٹھاتا ہے تو اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ میں بچوں کو سمجھانے میں ناکام ہوں۔

☆ مدرسہ کے ذمہ دار یہ قانون بنادیں کہ اگر استاذ ہتھیلی کے علاوہ کسی اور مقام پر بچہ کو مارے اس کی شکایت ذمہ دار تک پہنچائی جائے اور مارنے میں استاذ کی غلطی ثابت ہوجائے تو اس کی ایک دن کی تنخواہ کاٹ لی جائے گی، ترقی رک جائے گی، نیز بار بار شکایت موصول ہونے پر یا شدید مار کی شکایت پر معطل کیا جائے گا۔

☆ اگر طلبہ کو سزا دینا ناگزیر ہو تو مندرجہ ذیل سزاؤوں میں سے کوئی سزا دی جاسکتی ہے (۱) کھڑا کرنا (۲) کھیل بند کرادینا (۳) حسب تحمل اٹھک بیٹھک (اٹھک بیٹھک کرواتے وقت اس بات کا خیال رکھنا بہتر ہے کہ اگر ۲۵ بیٹھک کروانا ہو تو ۵۰ بیٹھک کا حکم دے اور ۲۵ بیٹھک پر معاف کر کے بٹھادے، اس سے بچہ خوش ہوگا اور نہیں تھکے گا) (۴) دو منٹ کے لئے کرسی بنانا (۵) نوافل پڑھوانا (۶) تسبیحات پڑھوانا (۷) کھانے و ناشتہ کو سبق یاد کرنے پر موقوف رکھنا (۸) مسجد میں اعتکاف کرانا (۹) تھوڑی دیر چھوٹا سا پتھر یا لکڑی کا ٹکڑا منہ میں رکھنا (۱۰) چند صفحات لکھنے کا کام دینا (۱۱) لغت سے مشکل الفاظ تلاش کرانا (۱۲) صلاۃ التسبیح پڑھوانا وغیرہ، اگر ان میں سے کسی سے کام نہ چلے تو صرف ہتھیلی پر حسب تحمل ضربیں لگائے، مارنے سے پہلے مارنے کی وجہ طالب علم کو بتادیں؛ بلکہ اس سے غلطی کا اقرار کرالیں، اگر سزا دینے کے بعد بچہ پر ناراضگی کے اثرات ظاہر ہوں یا بچہ بہت زیادہ روئے تو پیار

ومحبت سے اس کی تلافی کردیں، یا تعریف یا ہمدردی دعا اور انعام سے بچوں کی دل جوئی کریں، اس بچے پر زیادہ سے زیادہ توجہ دیں، بچہ کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ آپ اس کے خیر خواہ ہمدرد و مخلص ہیں۔

☆ طلبہ کی غلطیوں پر غصہ آنا امور غیر اختیاریہ میں سے ہے؛ لیکن غصہ پر عمل کرنا امور اختیاریہ میں سے ہے، لہذا غصہ کی حالت میں سزا دینا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ مارنا فیصلہ پر عمل کرنے کی طرح ہے، جب قاضی کے لئے غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنا جائز نہیں تو استاذ کے لئے مارنا بدرجہ اولی جائز نہیں، لہذا غصہ کی حالت میں اگر بچہ کو مارے تو قیامت کے دن اس کا مواخذہ ہوگا، مارنے میں رضائے الٰہی کو مدنظر رکھے، اصلی غصہ ختم ہونے کے بعد مصنوعی غصہ پیدا کر کے تین نمازوں کے اوقات گذرنے کے بعد سزا دے سکتے ہیں۔

☆ ایک غلطی پر دو قسم کی سزا نہ دیں مثلا بیٹھک بھی لگوائیں اور پٹائی بھی کریں، صرف چوری کے الزام پر جرم کے اعتراف کے خاطر پٹائی کرنا جائز نہیں، جرم کی تحقیق کے بغیر سزا نہ دیں۔

☆ گھر کی شرارت پر یا مدرسہ کے علاوہ باہر کی شکایت پر مدرسہ میں سزا نہ دیں، طلبہ کو مسجد میں کوئی سخت سزا نہ دیں، بدگمانی نہ کریں، طالب علم کو جھوٹا نہ سمجھیں، طلبہ کو آپسی جھگڑوں کی صورت میں صلح اور معافی کرادیں اور سزا نہ دیں، غیر اختیاری غلطیوں پر سزا نہ دیں اور طعن نہ کریں مثلا بستر پر پیشاب کرنا وغیرہ۔

اگر سبق یاد نہ ہو تو سزا دینے میں بہت احتیاط سے کام لیں؛ البتہ طالب علم بدتمیز، گستاخ اور متکبر ہو تو حسب مصلحت سزا دے سکتے ہیں، اگر سزا دینے میں غلطی ہو جائے تو طالب علم سے معافی مانگ لیں۔

☆ مہمانوں کے سامنے سزا نہ دیں۔

☆ مخفی جرم پر علانیہ تمام بچوں کے سامنے سزا نہ دیں۔

☆ خفیہ تادیب کے وقت استاذ اپنے ساتھ دوسرے اساتذہ کو بھی رکھے؛ تاکہ اپنے اوپر عائد ہونے والی بدنامی سے محفوظ رہے، پھر طلبہ میں اعلان کر کے اس کو نادم نہ کریں۔

☆ بچوں کے سامنے کبھی استاذ یا صدر مدرس یا اس کے خاندان پر تنقید یا ان کی تنقیص نہ کریں؛ بلکہ طلبہ سے یہ کبھی نہ کہیں کہ تم حافظ یا عالم نہیں بن سکتے؛ بلکہ ہمیشہ ہمت افزائی اور دلجوئی سے کام لیں۔

☆ طلبہ کو جسمانی سزا کم دی جائے ایک، دو مرتبہ کی تنبیہ کے بعد اس کے اولیاء کو بلا کر اس کی حرکات سے آگاہ کر کے تنبیہ کرائیں؛ بعض سنگین جرائم پر اخراج کیا جا سکتا ہے۔(۱)

عقاب وسزا کی قسمیں

(۱) معنوی سزا (۲) حسی سزا

معنوی سزا: اس کا احترام اس طرح کم کیا جائے کہ دوسرے لوگ بھی اور خود وہ طالب علم بھی اس کم احترامی کو سمجھ لے۔

حسی سزا: سزائے بدنی۔

۱- جب کوئی طالب علم اپنے پڑوسی طالب علم سے بکثرت کلام وگفتگو کرتا ہو تو اسے اس سے جدا کر دیا جائے۔

۲- جب جھوٹ بولے تو اس سے اعتماد ہٹا دیا جائے۔

۳- اپنے کام میں سستی برتے یا کام بجا نہ لائے تو دوبارہ اسی عمل کا حکم دیا جائے۔

۴- اگر اپنے کردار واعمال اور اپنے سامانوں کو رکھنے میں بدنظمی کا شکار ہو تو اسے مدرسے کے خارجی اوقات میں ترتیب سکھانے کے لئے روک لیا جائے۔

حسی اور سزئے بدنی اگرچہ ضروری ہے، لیکن:

---

(۱) مدارس کے لئے رہنما اصول: ۱/ ۱۸، مولانا ذوالفقار صاحب

۱- وہ وحشیانہ نظام ہے جس سے بچہ کی خود کی طبیعت وحشی بن جاتی ہے۔
۲- اس سے طلبہ میں بزدلی اور جھوٹ جنم لیتے ہیں۔
۳- "إنه یورثُ البلادۃَ وجمودَ العقل"۔
۴- اس سے طلبہ کی اصلاح وتہذیب دشوار ہوجاتی ہے۔
۵- اس سے مدرس کی تمام چیزیں بچوں کی نظر میں مبغوض بن جاتی ہیں۔
۶- اس کی وجہ سے طالب علم حکمت ودانائی کے استعمال سے دور ہوجاتا ہے۔
۷- بچہ کے ارادے کو کمزور اور مضمحل بنادیتی ہے اور اس سے طالب علم کام کی قدرت کھو بیٹھتا ہے۔(۱)

تعزیرات برائے طلبہ

۱- جماعت کی ایک رکعت چھوٹ جانے پر سب کے سامنے ہاتھ پر قمچی لگاتے جائیں۔
۲- ظہر کی پہلی سنت پہلے نہ پڑھنے پر مسجد کی شمالی دیوار سے جنوبی دیوار تک چار چکر مرغ لگائے۔
۳- باہمی منازعت کی صورت میں دست درازی کرنے والے کو مناسب سزا دی جائے گی۔
۴- ایک گالی زبان سے نکالنے پر نفلی چار رکعت ادا کرنی ہوں گی اور جس کو دی جائے سب کے سامنے اس سے معافی مانگنی ہوگی۔
۵- تعطیلات مقررہ میں ایک روز کی بھی تاخیر معاف نہ ہوگی۔
۶- وقتی تعطیل میں مقدار موعود سے زائد ایک دن پر مناسب سزا دی جائے گی۔
۷- بیماری کی تعطیل اگر مسلسل بلا اطلاع دس روز تاخیر ہوگئی تو ڈاکٹری ثبوت پیش کرنا ہوگا اور اخراج کی سزا دی جاسکتی ہے۔(۲)

---

(۱) فن تدریس کے اصول: ۱/ ۴۲، ۴۳
(۲) تعلیم وتربیت کس طرح: ۱/ ۱۷۶، مہربان علی بڑوتی، مظفر نگر

جزاء وسزا کے ذمہ دار کے لئے ہدایات

۱- زیادہ تر ذہنی سزا دینا، پیٹنے سے پرہیز کرنا۔

۲- سزا میں طلباء کی تعداد زیادہ ہو تو ایک یا دو چھڑی مارنا یا ۵ منٹ مرغا بنانا۔

۳- مسجد میں اگر مہمان ہو تو سزا میں تخفیف کرنا۔

۴- اگر کوئی بڑے مجرم کا پتہ بتادے تو مخبر کی ہمت افزائی کرنا۔

۵- طلبہ کو بار بار جرائم سے بچنے کی ترغیب دینا۔(۱)

تعزیر اور سزا کی حقیقت اور اس کی صورتیں

''تعزیر'' وہ سزا ہے جو تادیب کے لئے دی جاتی ہے اور حد کے درجہ سے کم ہو اور اس کے طریقے مختلف ہیں (۱) ملامت کرنا (۲) ڈانٹنا (۳) ہاتھ یا لکڑی وغیرہ سے مارنا (۴) کان کھینچنا (۵) سخت الفاظ کہنا (۶) محبوس کر دینا (۷) مالی سزا دینا۔(۲)

سزا میں کتنا مار سکتے ہیں؟

سزا اور تادیب کی ضرورت پڑتی ہے اس کی اجازت ہے اور ''الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ'' کے قاعدہ سے اتنی ہی تادیب (سزا دینے) کی اجازت ہو سکتی ہے جو پرورش اور تربیت (تعلیم) میں معین ہو نہ اتنی جو درجہ ایلام (سخت تکلیف اور مصیبت) تک پہنچ جائے ایسی زیادتی قطع نظر گناہ ہونے کے انسانیت اور فطرت کے بھی خلاف ہے (التبلیغ)

ضرب فاحش (سخت مارنے) سے فقہاء نے صراحتاً منع فرمایا ہے اور جس ضرب (مار سے) جلد پر نشان پڑ جائے اس کو بھی فقہاء نے) ضرب فاحش میں داخل کیا ہے اور جس سے ہڈی ٹوٹ جائے یا کھال پھٹ جائے وہ بدرجہ اولی ہے۔(۳)

بلکہ ضرب فاحش سے خود استاذ کو تعزیر دی جائے گی۔(۴)

---

(۱) معین المدارس: ۱/۲۰۱، مفتی شاکر خان صاحب:، مدرسہ بیت العلوم، M.H

(۲) اصلاح انقلاب (۳) درالمختار

(۴) اصلاح انقلاب امت

ضوابط برائے اساتذہ، تعزیرات وتعطیلات برائے طلبہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان کرام شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

۱) نماز با جماعت کی پابندی طلبہ سے زیادہ ضروری ہوگی۔

۲) طلبہ کی نگرانی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری ہوگی۔

۳) درجہ میں بیٹھنے کی ہیئت ایسی رکھنی ہوگی جس سے چستی اور رعب ظاہر ہو۔

۴) درجہ میں بلا عذر کمر لگا کر بیٹھنے کی اجازت نہ ہوگی۔

۵) تعلیمی اوقات میں دوسرے مدارس کے پاس جانے یا درجہ میں بیٹھے ہوئے کسی کے ساتھ باتوں میں لگنے کی اجازت نہ ہوگی۔

۶) طلبہ میں بجائے زجر وتنبیہ انسیت کا پیدا کرنا ضروری ہوگا۔

۸) نیز طلبہ کے اندر کپڑے، جسم، درسگاہ وغیرہ کی صفائی کا جذبہ پیدا کرنے کے طریقے اختیار کرنا ضروری ہوگا۔

۹) کسی کی واقعی کسی کمزوری کا تذکرہ یا حکایت وشکایت کسی مدرس وغیر مدرس کے سامنے کرنے کی اجازت نہ ہوگی، البتہ صدر مدرس کو پیش کر دینا مناسب ہوگا۔

۱۰) حسب صواب دید صدر ومہتمم کسی وقت درجہ بھی تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

۱۱) طلبہ سے خدمت لینے میں ان کی رضا ومناسبت کا لحاظ ضروری ہوگا۔

۱۲) اوقات مدرسہ میں آنے والے مہمان کے لئے مدرسہ کی جانب سے ۱۰/منٹ مہمان نوازی کی اجازت ہوگی۔

۱۳) ایک سال میں تعطیلات مقررہ کے علاوہ بیس یوم کی رخصت ہوگی، اس سے زیادہ غیر حاضری کی تنخواہ وضع کی جائے گی۔

۱۴) مغرب وعشاء کے بعد طلبہ کی نگرانی ضروری ہوگی۔

۱۵) درجہ میں ہر جدید کام کرنے کے لئے پہلے ذمہ دار سے مشورہ کرنا ضروری ہوگا۔

۱۶) پندرہ روز سے پہلے گھر جانے کی اجازت نہ ہوگی۔

۱۷) جمعرات میں دوپہر سے سنیچر کی دوپہر تک یا زائد سے زائد شام تک کی رخصت ہوگی۔
۱۸) اوقات تعلیم میں جتنا وقت اپنے کام میں خرچ کیا جائے گا اس کی تنخواہ وضع کی جائے گی۔
۱۹) وقتی ضرورت پر چھٹی مل جائے گی، مگر اس کا حساب ۲۰/ یوم کی رخصت میں لگے گا۔
۲۰) مسلسل دس پندرہ یوم کی تعطیل مدرسہ کی جانب سے نہیں مل سکے گی، شادی کے موقع پر صرف ۴/۵ یوم کی رخصت ملے گی۔
۲۱) اگر کوئی استاذ درمیانی سال میں مدرسہ سے علاحدہ ہوگا تو اس کی اطلاع پندرہ روز پہلے دینا ضروری ہوگا، اگر بلا اطلاع الگ ہوگیا تو پندرہ یوم کی تنخواہ وضع کی جائے گی۔ اسی طرح اگر مدرسہ نے کسی استاذ کو بلا اطلاع علاحدہ کردیا تو اسکو پندرہ یوم کی تنخواہ مزید دی جائے گی۔

الجواب وباللہ التوفیق:

معلمین کے حق میں جو قوانین وضوابط مقرر کئے گئے ہیں، احقر حرفا حرفا ہر ایک سے متفق ہے، ماشاءاللہ اگر ان پر عمل ہوسکے تو مدرسہ طلبہ، استاذ سب کے حق میں فلاح ہی فلاح ہوگا۔(۱)

سبق یاد نہ ہونے پر مالی جرمانہ مقرر کرنا جائز نہیں

ایک مولوی صاحب نے جو یہاں (تھانہ بھون حضرت کے مدرسہ میں) مدرس ہیں طلباء پر سبق یاد نہ کرنے کے جرم میں بلا حضرت کی اجازت ومشورہ کے کچھ جرمانہ مقرر کیا جب حضرت والا کو اطلاع ہوئی تو مولوی صاحب کو بلا کر فرمایا کہ آپ نے طلبا پر جرمانہ مقرر کیا؟ انہوں نے اقرار کیا، پوچھا گیا کہ یہ جائز کہاں ہے، انہوں نے یہ کہا کہ مالکوں ہی کو انعام کے نام سے دیا جائے گا۔

حضرت والا نے فرمایا: کسی کے مال کا حبس کرنا اس کی بلا رضامندی کے کب جائز ہے، دوسرے یہ جرمانہ بچوں پر تو نہ ہوا؛ بلکہ ان کے ماں باپ پر ہوا؛ کیوں کہ مال ان ہی کا ہے۔

(۱) فتاوی قاسمیہ:۹/۵۲

آپ کا کام سکھانے اور سمجھانے کا ہے، نہ یاد کریں مگر آپ نے شریعت کی مخالفت کیوں کی؟ اور میری بلا اجازت یہ کام کیوں کیا؟ آپ کے سپرد جو کام ہے اس کو کئے جایئے بلا پوچھے کوئی نیا کام نہ کریئے۔

علاوہ اس کے اس مدرسہ کے متعلق میرے دل میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ طالبین خدا کے ہو جائیں، اصطلاحی عالم بنانا منظور نہیں ہے، امتحان کے اچھے یا برے ہونے کا مجھے کچھ خیال نہیں آتا۔(۱)

مولانا رشید احمد گنگوہی کا ناپسندیدگی کا اظہار

حضرت امام ربانی کو گوارا نہ تھا کہ بچوں کے ساتھ ضرورت سے زیادہ سختی کا برتاؤ کیا جائے، اگر کسی صغیر سن بچہ کے پٹنے یا کراہنے کی آواز آپ کے کان میں پڑتی تو آپ بے چین ہو جاتے اور کبھی باپ کے اپنے لڑکے کو زیادہ مارنے کی شکایت آپ سنتے تو آپ کو صدمہ ہوتا اور مناسب الفاظ میں باپ کو نصیحت فرمایا کرتے تھے، مولوی محمد اسماعیل صاحب نے اپنے لڑکے محمد جلیل کو ایک مرتبہ مارا، ان کی پھوپھی نے حضرت سے جا کر شکایت کی، اگلے دن جو مولوی اسماعیل صاحب حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا: مولوی اسماعیل ادھر آؤ، مولوی اسماعیل صاحب ہنسنے لگے؛ کیوں کہ سمجھ گئے کہ کل لڑکے کے مارنے کی چغلی کھائی گئی ہے حضرت نے فرمایا کہ ہنستے کیا ہو، ادھر آؤ اور مولوی یحی تم بھی آؤ (مولوی یحی صاحب بھی اپنے صاحبزادہ محمد زکریا کو بہت مارتے تھے) اس کے بعد چار پائی پر بیٹھ کر فرمایا: ''مولوی یحی میں تم سے مسئلہ پوچھتا ہوں کہ لڑکے کو کس قدر مارنا چاہئے؟ نصیحت کے لئے تو اتنا کافی تھا، اب مولوی یحی صاحب جواب دیں تو کیا دیں، حضرت نے کئی مرتبہ اس فقرہ کو دہرایا،، آخر فرمایا کہ مولوی اسماعیل تم عہد کرو کہ جلیل کے مارنے میں سختی نہ کروں گا اگر عہد نہیں کرتے تو میں جلیل کو گوالیار نہ جانے دوں گا، میں اس کو خود پڑھاؤں گا، کیوں کہ یہ میرا دو وجہ سے عزیز ہے، ایک تمہاری وجہ سے کہ تم میرے عزیز ہو اور دوسرے بھائی عبدالمجید کا نواسہ ہے، آخر

---

(۱) حسن العزیز: تحفۃ المدارس: ۲/۷۷=۸۰

مولوی اسماعیل صاحب نے وعدہ کیا کہ حضرت انشاءاللہ اب ایسا نہ ہوگا، صاحبزادہ حکیم مولانا مسعود احمد صاحب اس وقت حاضر تھے، کہنے لگے: کہ حضرت میں بھی تو سعید کو مارتا ہوں، آپ نے فرمایا: تمہارا مارنا بھی سعید کو مجھے معلوم ہے کہ لڑکے کو اس قدر مارنا نہ چاہئے کہ ایک دو طمانچہ مارنے کا مضائقہ نہیں، اس عجیب نرم انداز پر حضرت امام ربانی نے کئی متعلقین کو بالتخصیص اور عام متوسلین کو علی العموم نصیحت فرمائی۔(١)

بچوں کو سزا دینے کا طریقہ

شیخ الاسلام مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

اس کے لئے حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ نے ایک عجیب سا نسخہ بتایا ہے، اور ایسا نسخہ وہی بتا سکتے تھے، یاد رکھنے کا ہے، فرماتے تھے کہ جب کبھی اولاد کو مارنے کی ضرورت محسوس ہو، یا اس پر غصہ کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو جس وقت غصہ آرہا ہو اس وقت نہ مارو، بلکہ بعد میں جب غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس وقت مصنوعی غصہ پیدا کر کے مارلو؛ اس لئے کہ جس وقت طبعی غصہ کے وقت اگر مارو گے یا غصہ کرو گے تو پھر حد پر قائم نہیں رہو گے؛ بلکہ حد سے تجاوز کر جاؤ گے، اور چونکہ ضرورت مارنا ہے، اس لئے مصنوعی غصہ پیدا کر کے پھر مارلو، تاکہ اصل مقصد بھی حاصل ہو جائے اور حد سے گذرنا بھی نہ پڑے۔

اب پٹائی کا زمانہ نہ رہا

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے ارشاد فرمایا: ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ محمد زکریا صاحب قدس سرہ کے دادا شہزادوں کو پڑھایا کرتے تھے، غلطی پر ان کی پٹائی بھی کر دیتے، ایک روز کسی شہزادہ کو مارنے کے لئے قمچی اٹھائی، اس نے قمچی پکڑ لی، پھر چھوڑ دی تو فرمایا: بس بھی اب پٹائی کا زمانہ نہ رہا۔

طلبہ کی تادیب پر ان کی دلداری

فرمایا: میں طلبہ کو سزا کے طور پر کبھی کبھی مار بھی دیا کرتا تھا، لیکن بعد میں اس کی تلافی

(١) تذکرۃ الرشید

اور دلداری میں کسی کو چار آنے کسی کو آٹھ آنے حسب موقع دیا کرتا تھا، بہت سے طلبہ تو اس انتظار میں رہتے کہ شیخ سزا دیں، تو ہمیں پیسے ملیں گے، جس سے ہفتہ عشرہ کا خرچ چل جائے۔(۱)

طلباء سے خدمت لینے کے شرائط

۱- بچوں سے ایسی خدمت لینا جائز نہیں جس میں والدین کی رضا نہ ہو۔

۲- اور اگر رضا ہو تو جو خدمت بچوں کی طاقت سے باہر ہو، یا خلاف سنت ہو (جیسے تیجہ وغیرہ پڑھوانا) وہ بھی جائز نہیں۔

۳- اگر بالغ ہو تو بشرائط جائز ہے، وہ شرط یہ ہے کہ دلی رضامندی سے جو جبر نہ ہو مگر معلمین ان معاملات میں بہت گڑبڑ کرتے ہیں، اس کا خیال رکھنا چاہئے۔(۲)

طلبہ سے ذاتی کام لینا

عارف کامل حضرت حاجی محمد شریف رحمہ اللہ نے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی خدمت میں لکھا کہ تدریس کے زمانے میں طلبہ سے میں کبھی ذاتی کام لے لیا کرتا تھا، اس بارے میں حضرت اقدس کی عجیب تعلیم ہے، میں نے لکھا کہ طلبہ سے کام لیتا ہوں اگرچہ باضابطہ معاوضہ ادا نہیں کرتا تاہم کچھ دے دلا کر انہیں خوش کر دیتا ہوں اس پر حضرت نے تحریر فرمایا:

۱) کیا ان لڑکوں کے والدین کو خبر اور ان کی اجازت ہے؟

۲) کیا معتمد مزدور نہیں مل سکتے ہیں؟

۳) کیا ان کو اتنے ہی پیسے دئے جاتے ہیں جتنے دوسرے مزدوروں کو؟

اس کے بعد میں نے چند نادار مفلس طلباء کے والدین سے اجازت لی اور حضرت کی خدمت میں لکھا کہ آئندہ ان کو اتنا ہی معاوضہ ادا کیا کروں گا جتنا کہ دوسرے مزدوروں کو حضرت نے تحریر فرمایا: جزاکم اللہ وبارک اللہ (۳)

---

(۱) ملفوظات شیخ الحدیث: ۳۹

(۲) کلمۃ الحق بحوالہ تحفۃ المدارس

(۳) اصلاح دل، بحوالہ تحفۃ المدارس

نظام اخراج

طلبہ کا اخراج مدرسین کی ایک منتخبہ جماعت سے مشورہ کے بعد کیا جائے، تنہا مہتمم اخراج نہ کرے؛ ورنہ ان کے لئے دشواری ہوگی۔(۱)

حضرت آدم اور اماں حواء علیہما السلام کا جنت سے اخراج نہ ہوتا تو دنیا کا یہ کارخانہ وجود میں نہ آتا، حضرت موسی علیہ السلام وخضر علیہ السلام کے قصہ سے بہت سے تعلیمی اصول کے علاوہ یہ ضابط اخراج بھی ملتا ہے، بار بار اصول وہدایات کی یاددہانی کے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: "قَالَ هَٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ" (۲) اب ہمارے اور تمہارے درمیان جدائیگی کا وقت آچکا۔

جسم انسانی میں کسی جگہ کینسر وغیرہ ہوجائے تو بقیہ جسم کے تحفظ کے لئے اس کا آپریشن کرنا بھی پڑتا ہے، اسی طرح بعض طلبہ میں ایسی کوتاہیاں ہوجاتی ہیں ان کی اصلاح کی بھی امید نہیں رہتی، اور اندیشہ ہوجاتا ہے کہ دوسرے طلبہ اس سے متاثر ہوجائیں گے، کسی درجہ صلاحیت باقی ہے اس کی اصلاح پذیر ہونے کی توقع ہوتی ہے۔

نکالنے کے سلسلہ میں مختلف اکابر کا مختلف ذوق رہا، کسی کے اصول میں کافی سختی ہے اور کسی کے یہاں بہت نرمی کوئی علمی غیرت کا قائل ہے، اور کوئی طلبہ پر شفقت کی طرف مائل ہے، نظماء حضرات کے لئے علاقے کی نوعیت اور اپنے مخصوص رجحان کے اعتبار سے اجتہاد کی گنجائش ہے۔

---

(۱) مدارس دینیہ کے لئے رہنما اصول: ۱۸، مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب

(۲) الکہف: ۲۸

اس لئے حضرت والا قدس سرہ (شاہ ابرار الحق صاحب) کے یہاں بھی کچھ اہم کوتاہیوں پر اخراج کیا جاتا تھا اور موجبات اخراج کوتاہیوں کولکھ کر نقشہ بنا کر آویزاں کر دیا جاتا تھا، تاکہ ان کو دیکھ کر طلبہ محتاط رہیں۔

موجبات اخراج

۱) آپس میں لڑائی جھگڑا کرنا۔
۲) درسگاہ سے بلا اجازت چلا جانا۔
۳) استاذ سے بےادبی کرنا۔
۴) بغیر اجازت خود مدرسہ سے باہر جانا۔
۵) سینما دیکھنا۔
٦) آموختہ یاد نہ ہونے پر چھٹی لے لینا۔
۷) تعلیمی یا اخلاقی شکایت بار بار آنا۔
۸) کبار کا متوسطین وصغار سے بات چیت کرنا۔
۹) متوسطین کا حلقہ کبار میں پایا جانا۔
۱۰) بلا عذر معمولات مسجد میں غیر حاضری۔
۱۱) گٹکھا کھانا۔
۱۲) درجہ ومسجد میں مقررہ جگہ پر نہ بیٹھنا۔
۱۳) کسی کی غلطی یا بدعنوانی کی اطلاع طلباء کوکرنا (یہ غیبت ہے اور حرام ہے)۔
۱۴) اپنی مقررہ جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ رہنا۔
۱۵) پردہ شرعی نہ کرنا۔(۱)

اخراج کاروائی فارم

انسان کی عادت ہے اپنے عیوب چھپانا، دوسروں کے عیوب دکھانا، طالب علم چاہے

(۱) حیات ابرار: ۱٦۸۔۱٦۹، مؤلف: محمد فاروق

اپنی کوتاہی وغلطی کی وجہ سے نکلے؛ لیکن اکثر مدرسہ کو بدنام کیا جاتا ہے، اخراج کاروائی اس لئے بنایا گیا کہ جانے والا باضابطہ جائے اور جانبین سے کسی کا حق بھی باقی نہ رہے اور غلط بیانیوں کا حتی الامکان سدباب ہوسکے۔

اجرائی کاروائی فارم

اسم طالب علم............ وطن............درجہ............

نمبر شمار	تفصیل امور	ذمہ دار	دستخط ذمہ دار	دستخط مہتمم
۱	کتابیں وصول کرنا			
۲	طالب علم سے درخواست لکھ کر لینا			
۳	جماعت کی رقم واپس دینا			
۴	دواخانہ کی باقی رقم وصول کرنا			
۵	مدرسہ کا کوئی نقصان کیا ہوتو اس سے لینا			
۶	وجہ اخراج			
۷	رجسٹر میں سے نام خارج کرنا			
۸	طلبہ میں اس کے اخراج کا اعلان کرنا			
				(۱)

طالب علم اگر ہمارے مدرسے سے جانا چاہے، بلا وجہ ہی سہی مثلاً اس کا دل نہیں لگ رہا ہے تو اسے روکا نہ جائے؛ بلکہ ہمارے راضی خوشی تصدیق دے دی جائے اور اس میں لکھ

(۱) معین المدارس: ۱/۱۷، ۷۲

دیا جائے کہ اسے کسی بھی مدرسے میں پڑھنے کی اجازت ہے اور کوئی بھی مدرسہ اسے داخل کرسکتا ہے، ہماری اجازت ہے۔

☆ کسی شرعی وجہ یا سنگین گناہ کے بغیر طالب علم کا اخراج نہ کیا جائے۔

حضرت صدیق احمد صاحب باندوی طلباء کے اخراج کے تعلق سے اصول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر طالب علم کوتاہی کرتا ہے پہلے اس کو شفقت اور نرمی سے سمجھائیے، اس کا اثر نہ ہو تو تنبیہ کرے، اس کا بھی اثر نہ لے تو مدرسہ کے ذمہ دار کو اس کے حالات سے مطلع کرے، اگر بار بار سمجھانے اور تنبیہ کے بعد بھی اس کی حالت درست نہ ہو تو اس کے سرپرست کو مطلع کر دیا جائے کہ یہاں اس کا رکنا مفید نہیں، دوسری جگہ بھیج دیا جائے، ممکن ہے وہاں کچھ حاصل کرلے''(۱)

اور آگے فرماتے ہیں:

''اس وقت کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے دائمی اخراج کسی طرح مناسب نہیں، تنبیہا ان کا اخراج کیا جائے، اور مشروط داخلہ کی گنجائش دی جائے، جو طلبہ معافی نامہ داخل کر کے آئندہ کے لئے عہد کریں کہ اس قسم کی مداخلت نہ کریں گے ان کا داخلہ کرلیا جائے، خدانخواستہ پھر اگر وہ اس قسم کی حرکات کا ارتکاب کریں اس وقت ان کا دائمی اخراج کیا جائے''(۲)

یہ بات بھی مناسب سمجھ میں آتی ہے کہ کسی مناسب مدرسہ کی طرف رہبری اور سفارش کر دی جائے؛ تا کہ وہ طالب علم ضائع نہ ہو، ڈاکٹر بدلنے، دواخانے بدلنے سے بھی شفایابی

(۱) آداب المعلمین: ۱۴

(۲) تحفہ مدارس: افادات حضرت صدیق احمد صاحب باندوی، مرتب: مفتی زید مظاہری، مکتبہ نعیمیہ دیوبند

کی امید ہوا کرتی ہے، اخراج کا مقصد بھی اصلاح ہے۔

استاذ کی بے اصولی پر معطلی

حضرت والا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ استاذ کی بے اصولی کرنے پر حضرت والا قدس سرہ اپنا معمول ارشاد فرماتے ہیں:

> ''جب مدرسہ کا کوئی استاذ بے اصولی کرتا ہے اور اپنی غلطی تسلیم کر کے تلافی نہیں کرتا تو اسے فوراً معطل کر دیتا ہوں، یہ نہیں سوچتا کہ جب دوسرا مل جائے تب معطل کر دوں کیوں کہ میں اس بے اصولی اور اس پر اصرار کو اس کی ممات سمجھتا ہوں؛ کیوں کہ حیات اصلی باقی نہ رہی، ....پھر آگے فرماتے ہیں، پہلے میں تو معطل کیا کرتا تھا، اب یہ کرتا ہوں کہ مستقل سے عارضی کر دیتا ہوں؛ کیوں کہ معطل کرنے میں مفاسد زیادہ تھے، اور استاذ کی سبکی تھی، پس مستقل سے غیر مستقل کر دیا جاتا ہے، بے اصولی کے جرم میں استقلال ساقط پھر آنکھیں کھل جاتی ہیں''(۱)

(۱) حیات ابرار:۱۷۱

نظام تعطیلات

نظام تعطیلات کا مقصد جیسے جسمانی راحت، صلہ رحمی، آنے والے نئے تعلیمی دورانیہ کے لئے نیا نشاط پیدا ہو، جمعہ کے اعمالِ مسنونہ اور رمضان بقرعید میں لیلۃ الجائزۃ کے معمولات، کثرتِ تلاوت، اہتمام نوافل، خانقاہی نظام میں شرکت، انفرادی اعمال کی تلافی اور یکسوئی سے انجام دہی، حسنِ معاشرت کی مشق اور دعوتِ دین کا کام کرنا ہے۔

اس بات کا شعور پیدا کیا جائے کہ کہ یہ چھٹی مخصوص رسمی نظام سے چھٹی ہے نہ کہ شرعی احکام سے چھٹی ہے اور نہ سنتوں سے رہائی ہے، اپنے باوقار لباس سے آزادی، اخلاق و آداب کی پابندی سے نجات کا نام تعطیل نہیں۔

طلبہ کے لیے نظامِ تعطیل

اس وقت تعلیمی موانع میں غیر حاضری سب سے بڑا مانع ہے اوراس میں المیہ یہ ہے کہ بچوں کے سرپرستوں کی جانب سے متواتر کوتاہیاں ہوتی ہیں، ایک طرف وہ بچہ کی اچھی معیاری تعلیم وتربیت کے خواہاں ہوتے ہیں اور دوسری جانب بچہ کو خانگی ہرتقریب شادی، عقیقہ، ولیمہ وغیرہ میں شرکت کی خواہش ہی نہیں کرتے ؛ بلکہ اصرار کر کے چھٹی منظور کرانے کے لیے مجبور کرتے ہیں،ضروری ہے کہ اہل مدارس اس سلسلہ میں بھی اپنے ادارہ کے حسب حال کوئی مستحکم لائحہ عمل مقرر فرمائیں؛ تاکہ طلبہ کی غیر حاضری کے بڑھتے ہوئے رجحان پر روک لگ سکے اور بچے اپنے تعلیمی مقصد کے حصول میں آگے بڑھ سکیں۔

۱- مثلاً ماہ یا ڈیڑھ ماہ سے پہلے تعطیل کم سے کم منظور کی جائے، پھراس میں بھی ایک مرتب نظام ہو کہ جمعرات کی دوپہر سے ہفتہ کی دوپہر تک مثلاً رخصت منظور ہوتو وہ باقاعدہ کسی رجسٹر میں درج ہو، پھر بہ وقت واپسی حاضری ہو، اور وقت واپسی کا اندراج ہو، بہ صورتِ تاخیر مناسب فہمائش کی جائے، وقت مقررہ پر حاضری کی صورت میں حوصلہ افزائی کی جائے۔غرض پورے تعلیمی سال میں اگر منتظمین اس سلسلہ میں مستعدی و بیداری سے کام لیں گےتو کافی حدتک ہمارے بچوں کے ماحول میں سدھار آئے گا۔

۲- عیدالاضحیٰ،ششماہی یا سالانہ تعطیلات کے موقعہ پرطلبہ کواجتماعی طور سے اصلاحِ حال کی جانب متوجہ کیا جائے،اگر ہو سکےتوتحریری طور پر کچھ ناصحانہ باتیں لکھ کران کے حوالہ کی جائیں،ہم یہاں اسی نوعیت کا مضمون نقل کرتے ہیں جس کا عنوان ہے آپ تعطیل کیسے گذاریں؟ یہ ایک صفحہ کی تحریر ہے جس کی فوٹو کاپی چھٹیوں کے موقعہ

پر جامعہ فلاح دارین الاسلامیہ بلاسپور (مظفرنگر) میں طلبہ کو تقسیم کی جاتی ہیں، اس طرز تربیت کے بھی مثبت نتائج ہمارے سامنے آئے ہیں۔

آپ تعطیل کیسے گذاریں؟

عزیز طلبہ! آپ لوگوں کے نفع اور آپ کا مستقبل روشن وتابناک بنانے کے لیے چند مفید باتیں لکھی جاتی ہیں، جن پر عمل کرنا آپ کے ذاتی فائدہ کے ساتھ دوسروں کے لیے بھی سبق اور نصیحت کا باعث ہوگا۔ انشاءاللہ۔

☆ پنج وقتہ نمازوں کا اہتمام تکبیرِ اولی کے ساتھ ایسا ہی ہونا ضروری ہے جس طرح آپ اپنے جامعہ کے دینی ماحول میں کرتے ہیں۔

☆ روزانہ بعد نماز فجر یسین شریف کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کم از کم ایک پارہ ضرور کیا کریں اور صبح شام کی دعائیں بھی معمول میں رکھیں۔

☆ آپ گھر پر رہیں یا کسی قرابت داری میں جانا ہو آپ اپنا لباس ہرگز نہ بدلیں، ٹوپی اور ٹخنوں سے اوپر سلا ہوا پائجامہ جو آپ یہاں استعمال کرتے ہیں وہ باقی رہے۔

☆ یہاں جامعہ میں رہ کر جو آپ نے سیکھا ہے، اسے اپنے اہل خانہ اور قریبی لوگوں کو سکھانے کی کوشش کریں، روزانہ عشا بعد اپنے بہن بھائیوں اور والدین کے سامنے نظامِ تربیت اور سچائی کے ایک سبق کا مذاکرہ کیا کریں۔

☆ آپ کے گھر میں اگر دینی ماحول ہے تو بہتر ورنہ ادب کے ساتھ اپنے گھر کے افراد کے سامنے دینی باتوں، نماز وغیرہ کا مذاکرہ کریں، اور احترام کے ساتھ نماز پڑھنے کی ترغیب دیں۔

☆ اپنے گھر کے کاموں کو انجام دینے میں عار محسوس نہ کریں؛ بلکہ محنت وشوق کے ساتھ ہاتھ بٹائیں، ہمارے نبی ﷺ اپنے گھر کے چھوٹے چھوٹے کام خود انجام دے لیتے تھے، آپ لوگ سنت کی نیت سے گھر والوں کا تعاون کریں۔ سمجھ دار اور سلیم الطبع بچے چھوٹی چھوٹی باتوں میں ضد نہیں کیا کرتے، ناز نخروں سے دور رہتے ہیں۔

☆ آپ کا طرز عمل ہرگز ایسا نہ ہونا چاہیے جس سے آپ کے ادارہ اور آپ کے اساتذہ کی بدنامی ہو۔

☆ اپنی دعاؤں میں اپنے جامعہ کو اور اپنے تمام استاذوں کو نہ بھولیں۔ اللہ آپ لوگوں کو سلامت رکھے، اپنے دین کی خدمت واشاعت اور حفاظت کے لیے قبول فرمائے، آمین۔

☆ آج کے اس دور میں طلباء کا اپنے ساتھ فون رکھنا اور خصوصا اس میں انٹرنیٹ کا استعمال یہ طلباء کی تعلیم کے لئے نہایت خطرناک اور سم قاتل ہے، اس لئے طلباء کو اولا تو فون رکھنے سے سختی سے منع کیا جائے، ورنہ کم از کم انٹرنیٹ کے استعمال پر تو مکمل پابندی ہونا چاہئے۔ اگرچہ انٹرنیٹ کے مفید پہلو بھی ہیں؛ لیکن اس کے نقصانات استعمال کرنے والے کے اعتبار سے بہت زیادہ ہیں۔

تعطیلات میں طلبہ کے لئے ضروری ہدایات

۱) چھٹی کے اعلان پر طلبہ کو خصوصی ہدایتیں کی جائیں اور واپسی پر عمل کرنے نہ کرنے کے بارے میں معلومات کی جائیں۔

۲) قرآن مجید کی تلاوت بلا ناغہ کرتے رہیں۔

۳) جمعہ کے دن اپنے بڑوں کی قبروں پر جائیں اور ایصال ثواب کریں۔

۴) اپنے گھر چھوٹوں، بڑوں کے کلمات، نماز سنتیں درست کرائیں۔

۵) جب تک گھر پر رہیں، بہشتی زیور سے عقیدوں کا بیان اور حیات المسلمین سے نماز کا بیان اور حضور پاک ﷺ کی سیرت روزانہ سناتے رہیں۔

۶) جیسا گھر میں کھانے، پینے کے لئے مل جائے خدا کا شکر ادا کر کے کھا پی لیں۔

۷) نازنخرے نہ کریں، گھر والوں نے تعلیم کے لئے وقت دیا ہے یہی کیا کم احسان ہے؟

۸) قرابت داروں میں زیادہ جانے کی کوشش نہ کریں۔

۹) بلکہ اپنے حفظ کے اساتذہ یا پچھلے اساتذہ سے ملتے رہیں۔

۱۰) بستی میں بھی خواہ مخواہ نہ گھومیں پھریں، کہیں آنا جانا، سخت ضرورت میں ہی ہونا چاہئے۔

۱۱) موقعہ مل جائے تو محلہ کی مسجد میں بھی عقیدے سنایا کریں۔

۱۲) اپنے گھریلو کام کاج میں ہاتھ بٹانے میں اپنی توہین نہ سمجھیں۔

۱۳) اپنے اوقات کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنائیں۔(۱)

بقرعید کے موقع پر دس دن اور ششماہی کے بعد ۱۲ دن کی تعطیلات رہیں اور سالانہ کے بعد دو ماہ کی تعطیلات ہوں، سالانہ امتحان کے بعد طلبہ کو کتابیں انعام میں تقسیم کی جائیں؛ تاکہ تعطیلات میں ان کا مطالعہ کرسکیں۔(۲)

ہدایات برائے سالانہ تعطیلات

۱) اپنے بچے کے علم سے خود فائدہ اٹھائے اور اسے ترغیب دیجئے کہ وہ اپنے بھائی بہنوں کو پڑھائے، تمام گھر والوں کی نماز درست کرے۔

۲) روزانہ فضائل اعمال کی تعلیم گھر میں خود طالب علم کرے

۳) اپنے نئے بچے یا کسی اور کے بچے کو مدرسہ میں داخل کرنا ہو تو ۲۰ رمضان سے قبل مدرسہ خط لکھئے اور اس میں اپنے پتہ کے ساتھ ایک جوابی لفافہ بھی ڈالئے اور اس خط میں یہ ضرور لکھئے کہ بچہ کا نام اور عمر کیا ہے اور کیا پڑھا ہوا ہے۔

۴) گھر ہی سے بچہ کے بال استرے یا مشین سے کٹوا کر روانہ کردیں۔

۵) ہر مہینہ بذریعہ خط یا فون بچہ کی خیریت اور تعلیمی کیفیت پوچھتے رہیں۔

۶) دو جوڑی چپل نشان لگا کر بھیج دیں؛ تاکہ محفوظ رہیں۔

۷) ایک اسٹیل کے گلاس پر بڑے حروف میں نام لکھوا کردیں اور ایک پلاسٹک کی بوتل بھی دیں۔

۸) بچہ کے ساتھ غیر شرعی لباس، استری، ٹیپ ریکارڈ اور ریڈیو اور فون وغیرہ نہ دیں۔

---

(۱) تعلیم وتربیت کس طرح: ۱۶۴، مہربان علی بڑوتی

(۲) مدارس دینیہ کے لئے رہنما۔ ۱۸، مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب

۹) اپنے بچے کا مزاج یہ بنائیں کہ اساتذہ تمہارے خیرخواہ ہیں وہ تمہیں حفظ، عالمیت کے جس درجہ میں بٹھا دیں اسی میں بیٹھو، کلاس بدلنے کا مزاج نہ بناؤ، اس میں بڑا نقصان ہے۔

۱۰) بچہ ناسمجھ اور شکایتی مزاج ہوتا ہے؛ اس لئے اس کی کسی بھی شکایت کا اس وقت تک اعتبار نہ کریں جب تک اس کی تحقیق نہ کرلیں۔

۱۱) چھٹیوں میں نماز، تلاوت، صبح وشام کی تسبیحات، مسنون دعائیں وغیرہ معمولات کی پابندی کریں۔

۱۲) تضییع اوقات، بری صحبت اور بری مجلسوں سے پرہیز کریں۔

۱۳) بال سنت طریقہ پر کٹوائیں، غیر شرعی بال نہ رکھیں۔

۱۴) غیر اسلامی عادات مثلاً بیڑی، سگریٹ، تمباکو گانا وغیرہ سے بچتے رہیں۔

۱۵) مخرب اخلاق، فحش کتب اور اخبارات ورسائل سے بچیں۔

۱۶) گھر پر بھی اسلامی لباس پہنیں، غیر اسلامی لباس مثلاً پینٹ، شرٹ وغیرہ نہ پہنیں۔

۱۷) ماں باپ کا حد درجہ احترام کریں، ضد اور مختلف چیزوں کی فرمائش بالکل نہ کریں۔

۱۸) غرض کہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس پر کوئی حرف آئے یا آپ کی، آپ کے گھر والوں کی اور مدرسہ کی بدنامی ہو۔

۱۹) سفر (private) سواریوں سے ہرگز نہ کریں اس لئے کہ ان میں بے ہوش کر کے گردے نکال لیتے ہیں، سرکاری بسوں میں سفر کریں۔

فارغین کو ۱۵ روزہ چھٹی دینے کے وقت کی ہدایات

(۱) جماعت میں جانے کی پوری تیاری کر کے آئیں، جاتے ہی تیاری شروع کر دیں۔

(۲) بقدر ضرورت رقم کا بندوبست کر کے آئیں، بقیہ رقم حسب ضرورت دی جائے گی یا منگالیا کریں۔

(۳) سامان وکتابیں زیادہ نہ لیں۔

(۴) گھر پر اعمال کی پابندی کریں، گھر میں سیکھنا سکھانا جاری رکھیں۔
(۵) آنے کے بعد بقیہ اسباق کی تکمیل ہوگی، خطبے یاد کر کے آئیں۔
(۶) اپنے وطن میں حتی الامکان نماز پڑھانے کی کوشش کریں۔
(۷) بستی کی مسجد میں اگر جماعت آئی ہوتی ہے تو تعلیم کرائیں۔(۱)

---

(۱) معین المدارس: ۱۳۷، ۱۴۲، مؤلف: محمد شاکر صاحب

نظام (دار الاقامۃ)

یقینا مجاہدہ کے بغیر ہدایت اور علم کا حصول نہیں ہوسکتا، "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" اسلافِ امت کی مجاہدانہ طالبعلمی ہمیشہ کہی اور سنائی جاتی رہتی ہے، ہر زمانہ کے جسم، قُویٰ مختلف ہوتے ہیں، اگر گذشتہ زمانے کی غذائیں اور مکانات میں اس زمانے کے طالب علم کو دی جائے تو بجائے تعلیم و تعلم کے علاج و معالجہ میں وقت گذر جائے گا، سہولت پسندی اور راحت طلبی موجودہ زمانہ کا وطیرہ بن چکا ہے، اسبابِ راحت کے ساتھ بھی دینی علم کی طرف اگر کوئی متوجہ ہوتا ہے تو بسا غنیمت ہے، ذیل کے مضمون سے اندازہ ہوگا کہ اکابرین طلبہ کے لئے کس قدر راحت رسانی کا خیال رکھتے تھے، جلسہ کے اخراجات، مخصوص واردین اور اہم مہمانوں پر جس قدر محنت اور خرچ کیا جاتا ہے بالعموم اس قدر ان چیزوں کا اہتمام نہیں کیا جاتا، حالانکہ ساری کدو کاوش کا محور طلبہ ہیں، مسئلہ وسائل اور مالیہ فراہمی کا نہیں عدم دلچسپی اور ترجیحات کی ترتیب کا ہے، سنت الٰہی یہ ہے کہ ان انتظامات میں ذمہ داران مدارس اگر نیت اور ہمت باندھ لیں، مخیرین اور محسنین کو متوجہ کریں تو اللہ ضائع نہیں فرماتے " أَنِّيْ لَا أُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ " (البقرۃ: ۱۹۵) تجربہ یہ ہے کہ ایسے ماحول میں رہنے والا طالب علم صفائی پسند، سلیقہ مند بنتا ہے، نہ کہ بے ڈھنگا اور بدتہذیب۔

انتظامیہ کو چاہئے کہ وہ طالب علم کی ضروریات کو دوسری تمام ضروریات پر حتی کہ تعمیری غیر اہم ضروریات پر بھی مقدم رکھیں، پانی، بجلی کی کبھی کمی نہ ہونے دیں، ایسی جگہ مدرسہ قائم کریں جہاں بس یا ٹرین کی سہولت ہو، بجلی پانی کا انتظام ہو، پانی میٹھا ہو، ہسپتال ہو، بازار ہو، نائی دھوبی کا نظم ہو، مسلم آبادی طاقتور ہو، ڈاک خانہ ہو، تھانہ، سب کے باوجود وہ کوئی بڑا ترقی یافتہ شہر نہ ہو۔

کمرے صاف ستھرے ہوں اور ایک کمرے میں چھ طلبہ سے زائد نہ ہوں، کسی طالب علم کو تنہا ایک کمرہ نہ دیں، طلبہ کو شہر میں کرائے پر کمرہ لے کر نہ رہنے دیں۔

جنریٹر کا انتظام

حضرت ہردوئی کے مدرسہ کے تعلق سے مذکور ہے:

طلباء کی سہولت کی وجہ سے ہی مدرسہ میں جنریٹر کا معقول انتظام تھا اور ایک جنریٹر کے بجائے دو دو جنریٹر کا انتظام رہتا کہ خدانخواستہ ایک خراب ہوجائے تو دوسرا موجود رہے، بروقت اس کو استعمال کیا جاسکتا ہے، جنریٹر چلانے کے لئے ایک مستقل ملازم رکھا گیا، جس کی رہائش کا انتظام جنریٹر روم کے متصل کیا گیا، تاکہ جنریٹر چلانے میں معمولی تاخیر بھی نہ ہو، بجلی کسی وقت بھی غائب ہو، دن میں یا رات میں فوراً جنریٹر چلادیا جاتا ہے، تاکہ اساتذہ، طلباء کو بجلی نہ ہونے کی وجہ سے ادنی درجہ کی بھی تکلیف نہ ہو۔

دارالطلبہ میں بجلی کا معقول انتظام

مدارس میں عموماً درسگاہوں میں بجلی کا اہتمام رہتا ہے، دارالطلبہ کی طرف زیادہ توجہ نہیں رہتی، اور اگر بجلی کا انتظام ہوا بھی جنریٹر کی روشنی کا عموماً دارالطلبہ میں اہتمام نہیں ہوتا، مگر حضرت اقدس سرہ کے یہاں دارالطلبہ میں روشنی کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا کہ جنریٹر کی روشنی

جس طرح مسجد ودرسگاہوں میں پہنچتی اسی طرح دارالطلبہ میں بھی یہ سہولت برابر میسر تھی۔

دارالطلبہ میں کولر کا انتظام

دارالطلبہ میں پنکھوں کے ساتھ ساتھ کولروں کا بھی انتظام کیا گیا تھا، اور یہ سہولت تمام طلباء کے لئے میسر تھی۔

ٹھنڈے پانی کا انتظام

گرمی کے زمانہ میں ٹھنڈے پانی کا بھی معقول انتظام رہتا، اس کے لئے ٹھنڈے پانی کی مشینوں کا انتظام کیا گیا تھا، جن میں چوبیس گھنٹے ٹھنڈے پانی کی سہولت میسر رہتی اور مشینیں اس طرح رکھی گئی تھیں کہ دارالطلبہ میں رہنے والے اور درسگاہوں میں پڑھنے والے برابر بسہولت ٹھنڈا پانی استعمال کرسکیں۔(١)

گرم پانی کا انتظام:

ساتھ ہی ساتھ اگر ہوسکے نہانے اور پینے دونوں کے لئے گرم پانی کا انتظام بھی موسم کے لحاظ سے ہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔جیسا کہ مفتاح العلوم میل وشارم وغیرہ میں اس طرح کا انتظام ہے۔

دھوبی کا نظم

بعض مدارس میں دھوبی کا بھی نظم ہے، اس میں بچوں کی سہولت بھی ہے اور یکسوئی بھی ہوجائے گی۔

نائی کا نظم

اسی طرح اگر مدرسہ بڑا ہو تو نائی کا انتظام بھی جمعہ کے دن یا مہینہ میں ایک دفعہ ہوجائے تو طلبہ کو باہر جانے کی ضرورت نہ رہے گی۔

مہمان خانہ

مدرسہ میں مہمان خانہ بھی جہاں مہمانوں کے لئے ٹھہرنے کا نظم ہوسکے، مرد وخواتین

---

(١) حیات ابرار:١٣٦

اور بچوں کے اولیاء کے لئے علاحدہ انتظام ہو، رہنے سہنے، بستر سمیت کھانے وغیرہ کا نظم بھی ایک متعینہ مدت کے لئے اس میں ہو۔ جیسے دارالعلوم دیوبند اور دیگر مدارس اسلامیہ میں ہے۔

اس حوالہ سے مفتی زین الاسلام فرماتے ہیں:

''مدرسہ میں جو رقوم آتی ہیں، اگر معطیین کی طرف سے کسی مصرف مثلاً تعمیر، کتابوں کی خریداری وغیرہ کی صراحت کردی گئی ہے، تو ان رقوم کو انہی مصارف میں خرچ کرنا ضروری ہے: ''فإن شرائط الواقف إذا لم یخالف الشرع، وهو مالک فله أن یجعل ماله حیث شاء ما لم یکن معصیة'' (۱) نیز عام عطیات اور صدقاتِ واجبہ جیسی واجب التملیک رقومات کو غریب طلبہ پر خرچ کرنا ضروری ہے، البتہ عام عطیات کی مد میں آئی ہوئی رقم سے ضرورت کے موقع پر مہمانوں کے کھانے پینے کا وغیرہ میں خرچ کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ بات انتہائی قابل لحاظ رہے کہ مدرسے کے فنڈ سے انہی مہمانوں کی خاطر تواضع کی گنجائش ہے، جو خاص مدرسہ کے کام کے لئے آئے ہوں، اپنا ذاتی کام یا کسی دوسرے مقصد سے، اگرچہ دینی ہو جیسے تبلیغ واصلاح وغیرہ کے لئے آنے والوں کو مدرسہ کی رقم سے کھانا کھلانا شرعاً جائز نہیں (۲) البتہ کسی مہمان کے اعزاز میں مہتمم صاحب یا ان کے حکم سے بعض اساتذہ کھانے میں شریک ہوجائیں تو کوئی حرج نہیں، اسی طرح اگر مدرسے کے کام کے لئے مہمان کے ساتھ سفر درپیش ہو اور مہتمم یا اساتذہ کی معیت بھی ضروری سمجھی جائے تو مدرسے کے خرچ پر سفر کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن کفایت شعاری بہر حال ضروری ہے۔ (۳)

مہمانوں کی ضیافت

(۱) غالب یہ ہے کہ چندہ دہندگان کی طرف سے اس کی اجازت نہیں ہوتی ہے، اس لئے

---

(۱) الدر مع الرد، کتاب الوقف، مطلب شرائط الوقف معتبرة ما لم تخالف الشرع: ۶/۵۲۷

(۲) مستفاد: فتاوی محمودیہ: ۲۳/۵۳، احکام المدارس

(۳) چند اہم عصری مسائل: بیع اجارہ اور وقف کے مسائل: ۲۹۲

اپنے پاس سے خرچ کرنا لازم ہے۔

(۲) مخصوص مہمان کی ذات سے مدرسہ کو معتد بہ نفع کی توقع ہو تو درست ہے، ورنہ مہتمم واہل شوری اپنے پاس سے خرچ کریں۔(۱)

صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة" (۲)

الثامنة في وقف المسجد أيجوز أن يبني من غلته منارة؟ قال في الخانية: معزيا إلى أبي بكر البلخي إن كان ذلك من مصلحة المسجد بأن كان أسمع لهم فلا بأس به (۳)

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

اگر مدرسہ کو نفع کی توقع ہو اور چندہ دہندگان کی طرف سے صراحتا یا دلالۃ اجازت اور رضامندی ہو تو مہمانوں کی ضیافت مدرسہ کی جانب سے کرنا درست ہے، یا مدرسہ میں باضابطہ ضیافت کا الگ فنڈ ہو تو اس فنڈ سے کرنا درست ہے، ورنہ ذمہ دار اپنی جیب سے خرچ کرے۔(۳)

کیمرہ نصب کرنا

آج کل ایک کیمرہ رائج ہے، جس کو عام اجتماع گاہوں مثلا بڑے بڑے ہوٹلوں، ہسپتالوں، اسٹیشنوں، ہوائی اڈوں اور شہر کے چوراہوں وغیرہ پر نصب کیا جاتا ہے، اور اس کا کنکشن چھوٹی اسکرین پر کیمرہ کی زد میں آنے والے تمام افراد کی تصاویر نظر آتی ہیں، اور اس کے ذریعہ متعلقہ اشخاص کی نقل وحرکت پر مکمل نظر رکھی جاتی ہے، اور ایک متعینہ مدت تک اس نقل وحرکت کو ریکارڈ کیا جاسکتا ہے، جسے بوقت ضرورت آن کر کے دیکھا جاسکتا ہے، اور یہ چیز بظاہر چوری، خیانت، ایذا رسانی اور ممکنہ خطرات سے حفاظت کا عمدہ سامان ہے، تو اب

---

(۱) مستفاد فتاوی رحمیہ: ۶/ ۸، جدید زکریا: ۹/ ۹۶

(۲) شامی، الوقف، مطلب مراعاۃ غرض الواقفين واجبة، زکریا: ۶/ ۶۶۵

(۳) مستفاد فتاوی رحمیہ: ۶/ ۸ ۷ زکریا، ۹/ ۹۶، البحر الرائق: کتاب الوقف، زکریا: ۵/ ۳۶۰

سوال یہ ہے کہ اس کیمرہ کو کسی اسلامی درسگاہ وغیرہ میں نصب کر کے طلبہ کرام پر نظر رکھ کر متعلقہ فوائد حاصل کرنے اور ان کی لایعنی مصروفیات اور غیر قانونی حرکات پر کنٹرول کرنے کے ارادہ سے استعمال میں لانا شرعی نقطہ نظر سے کیا حکم رکھتا ہے، اور اس کے استعمال کی کہاں تک گنجائش ہے؟ امید ہے کہ تسلی بخش جواب مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

جس کیمرہ کا سوال نامہ میں ذکر ہے، مالی نقصان سے بچنے کے لئے دفع مضرت کے طور پر اس کی گنجائش ہے، لیکن مدارس اسلامیہ اور دینی درسگاہوں میں یہ کیمرہ لگانا کسی طرح مناسب نہیں ہے، اکابر ومشائخ کے طریقہ کے خلاف ہے، اور طلبہ کی اخلاقیات پر نظر رکھنے کے لئے اس قدر تجسس کے ہم مکلف نہیں ہیں، اور مدارس اسلامیہ اور دینی درسگاہوں میں مالی نقصان اور حقوق العباد کے تلف ہونے کا ایسا خطرہ نہیں ہے، جس کے لئے ایسے تجسس کے کیمرے کے لگانے کی ضرورت ہو؛ لہٰذا مدارس اسلامیہ کو ایسے کیمروں سے پاک رکھا جائے۔(۱)

دو پہلو غور طلب ہیں، ایک ان کی تربیت، اساتذہ کرام کی نگرانی اس مقصد کے لئے تو شاید مناسب نہیں ہے، خلوت وجلوت کا تقوی، استحضار واحسان کی کیفیت، ترغیب کا ماحول، وقتاً فوقتاً ایمانی مذاکرے ہی اس کے لئے مفید رہے ہیں، اب بھی ہیں، کسی بھی قانون کے نفاذ کا پہلا قدم یہ ہی ہونا چاہئے، دوسرا پہلو حکومتی قوانین، ناگہانی حوادث، دشمنوں، بدخواہوں کی شرانگیزی، کسی طالب علم یا استاذ کا لڑائی جھگڑے میں انتہائی اقدام، قتل وموت، غیر معمولی زخم وغیرہ کے موقعہ پر یہ کیمرے مدرسہ کی حفاظت، واقعہ کی صحیح نوعیت کا اندازہ کرنے میں معاون بنتے ہیں۔

اس سلسلہ کا ایک اور فتوی ہے:

مدارس میں پڑھنے والے طلبہ قوم وملت کی امانت ہیں، انہیں زیور علم سے آراستہ کرنا اور ان کی دینی واخلاقی تربیت کرنا یقیناً اہل مدرسہ کی ایک اہم ذمہ داری ہے، اور اس کے لئے

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۱۹، حضرت مولانا مفتی شبیر صاحب قاسمی، مکتبۂ اشرفیہ، دیوبند، الہند

جو بھی مناسب طریقہ اختیار کیا جائے حدود شریعت میں رہے نہ کہ صرف جائز؛ بلکہ مستحسن ہے، طلبہ کی تعلیم وتربیت کے لئے ان کی دیکھ بھال اور نگرانی ایک اہم کام ہے، اس لئے اگر انہیں لڑائی جھگڑے سے بچانے، غلط کاموں اور برائیوں سے سے دور رکھنے اور بہتر ومناسب تربیت میں کیمرہ لگانا مفید ومعاون ہو تو کیمرہ لگانا جائز ہے؛ کیوں کہ کیمرے میں آنے والی شکل جب تک اسے کسی چیز پر پرنٹ آوٹ نہ کرالیا جائے تصویر کے دائرہ میں نہیں آتی، اس کی مثال شیشے میں نظر آنے والی شکل کی ہے، جسے تصویر کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، لہٰذا اس میں بچوں کی نگرانی کے ساتھ مسجد کی چیزوں کی حفاظت بھی شامل ہوجاتی ہے، اس لئے گویا یہ مسجد اور مدرسہ اس کی چیزوں کی نگرانی اور حفاظت کا ذریعہ بن جاتی ہے، اس لئے اس میں کوئی قباحت نہیں۔

البتہ طلبہ کے ہاسٹل میں خصوصا وہ طلبہ جو بڑے ہیں اور لنگی وغیرہ پہن کر سوتے ہیں تو ان کے کمروں میں کیمرے کا استعمال محل نظر ہے، کیونکہ نیند کی حالت میں انسان کس حالت میں رہتا ہے اور جسم کے کون سے اعضاء کس حالت میں رہتے ہیں انسان کو اس کی خبر نہیں ہوتی اور وہ چیز کیمرے میں قید ہوجاتی ہے، قرآن مجید میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ عشاء کے بعد کوئی شخص کسی کے کمرے میں بلا اجازت داخل نہ ہو کیوں کہ وہ کمرے میں کس حال میں ہے باہر والے کو کیا معلوم؟، بغیر اجازت داخلہ کی ممانعت کی وجہ یہی ہے کہ اس کی پردہ پوشی باقی رہے اور کسی کی نظر نہ پڑے۔

اس لئے کلاس، روم اور گراؤنڈ وغیرہ میں کیمرے لگانا تو درست ہے، مگر رہائشی کمروں اور ہاسٹل میں لگانا عام حالات میں درست نہیں ہے، اس میں احتیاط کی سخت ضرورت ہے۔

ہاں اگر بچوں کے بگڑنے کا سخت اندیشہ ہو اور تجربات سے معلوم ہو کہ اس کے ذریعہ طلبہ کے غلط کیرکٹر یا گندی حرکتوں پر پابندی لگ سکتی ہو تو گنجائش ہے، کیوں کہ اس میں خود ان بچوں کی دینی وجسمانی حفاظت مقصود ہے۔(۱)

(۱) کتبہ العبد محمد زبیر الندوی، مرکز البحث والافتاء الجامعۃ الاسلامیۃ اشرف العلوم نالاسوپارہ ممبئی انڈیا

نظام دواخانہ

دواخانہ/شفاخانہ کے امور

۱۔ بیمار کے لئے ایک روم متعین کریں جس کا نام دار المرضی وغیرہ رکھیں۔

۲۔ اذن الاستراحۃ نامی ایک کارڈ تیار کریں؛ تاکہ طلبہ بہانہ بازی نہ کرسکیں۔

۳۔ ایک استاذ دواخانہ کے ذمہ دار طئے ہوں اور ان کے ماتحت چند طلبہ معاون ہوں۔

۴۔ اذن الاستراحۃ کے بغیر کسی طالب علم کو دار المرضی میں سونے کی اجازت نہ دیں، جس مریض کو اذن الاستراحۃ دیں اس کی فہرست بنائیں، اس فہرست کے مطابق ہیں یا نہیں دیکھیں اور شفایاب ہونے کے بعد فوراً ان سے اذن الاستراحۃ لے لیں، متعدی بیماریوں کی روک تھام کے لئے مناسب قدم اٹھائیں جیسے نائٹہ وغیرہ۔

۵۔ نادار اور مفلس طلبہ جو اپنی جیب سے دوائیاں منگا نہیں سکتے ان کو مدرسہ سے دوائیاں منگا کر دیں۔

٦۔ چلتے پھرتے بیمار طلبہ کا جائزہ لیں۔

۷۔ جو طلبہ اچھے ہونے کے باوجود بھی دار المرضی میں پڑے رہتے ہیں ان کو کلاس میں بھیج دیں۔

۸۔ بیمار طلبہ کا جو کھانا ان کے لئے مناسب ہے فکر سے ''دار المرضیٰ'' پہنچائیں، کھانے کے بعد فکر سے کھانے کے برتن روم یا دار الطعام میں پہنچائیں۔

۹۔ طالب علم اگر بہت ہی بیمار ہے تو اس کو دفتر کی اجازت سے گھر روانہ کریں۔

۱۰۔ بیمار طلبہ کے کھاتے میں روپیئے جمع ہیں تو ان روپیوں سے ان کا علاج کریں، زیادہ کی ضرورت پڑے تو اپنی جیب یا مدرسے سے دے کر علاج کرائیں، پھر ان کے سرپرستوں سے وصول کریں۔

۱۱۔ دارالمرضی کی صفائی پر زیادہ توجہ دیں۔

۱۲۔ بیمار طلبہ کو باجماعت نماز پڑھوائیں، چاہے دارالمرضی میں ان کی علاحدہ جماعت کرنا پڑے۔

۱۳۔ بیمار طلبہ کو ڈاکٹر کے مشورہ سے پینے کے لئے گرم پانی دیں اور بار بار بیماروں کی تحقیق کر کے صحت یاب ہونے پر ان کو کلاسوں میں بھیج دیں۔

۱۴۔ دوائیوں کی حفاظت کریں۔

۱۵۔ ہر طالب علم کا مکمل ڈاکٹری ریکارڈ رکھیں۔(۱)

نقشہ

إذن الاستراحة

تاریخ: ....

مریض کا نام:.....................

شعبہ: ....

مرض: ....

مدت:......................تک ہے

دستخط ذمہ دار دواخانہ:............

دستخط ذمہ دار شعبہ...............

دستخط استاذ:....................

(۱) معین المدارس: ۱/۲۲۰، مؤلف محمد شاکر خان صاحب قاسمی، مکتبۃ بیت العلوم

نظام صحت

مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی کے طلباء کی تیمارداری اور معالجہ

طلباء کے لئے دوا دارو اور معالجہ کا بہترین انتظام کیا جاتا، بیمار طلبہ کے لئے مستقل کمرہ کا دار الشفاء یا دار المرضی کے نام سے انتظام تھا، تاکہ بیمار طلبہ کی پوری دیکھ بھال کی جاسکے، اور ان کی عیادت نیز معالجہ کا معقول بندوبست ہوتا، ڈاکٹر کو دکھایا جاتا، یا بلایا جاتا اور بہترین علاج کرایا جاتا، پرہیز کا معقول انتظام ہوتا اور بیمار طلباء کی پوری دلجوئی کی جاتی، خود حضرت والا قدس سرہ بار بار عیادت کے لئے تشریف لاتے جس کی وجہ سے اساتذہ کرام اور طلباء بھی عیادت کے لئے بار بار حاضری دیتے، عیادت کے فضائل بیان کئے جاتے، تاکہ زیادہ سے زیادہ عیادت کی سنت پر بھی عمل ہوجاتا اور بیمار طلباء کی دلداری بھی ہوجاتی کہ شاید ان کے گھر پر بھی ایسا علاج اور ایسی تیمارداری نہ ہو پاتی۔

مستطیع طلباء سے ان کے مصارف بھی وصول کئے جاتے، تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت انتہائی شفقت کے ساتھ کی جاتی، بچے اس شفقت کے سائے اپنے والدین کی شفقت کو بھول جاتے۔(۱)

حفظان صحت کا خیال

اللہ تعالی نے انسان کو جو زندگی عطا فرمائی جو جسم عطا فرمایا، عطیہ خداوندی ہے، انسان اس کا مالک نہیں ؛ بلکہ امین اور محافظ ہے، انسان کے ذمہ اپنے نفس کی حفاظت ضروری قرار

(۱) حیات ابرار: ۱۳۵ محمد فاروق صاحب، مکتبہ شاہ ابرار الحق، میرٹھ

دی گئی ہے، ”إن لنفسک علیک حقا“توکل علی اللہ کے ساتھ ساتھ حفظان صحت کا خیال اوراس کی رعایت اس کے اصول کی رعایت حضرت والا قدس سرہ کوجس قدر کرتے ہوئے دیکھا کسی اورکونہیں دیکھا۔

دوا، غذا کا پورا پورا خیال، معالج کے احکام کی پوری پوری رعایت جتنی حضرت والا قدس سرہ فرماتے تھے، کسی اورکونہیں دیکھا، شب وروز میں جتنی دوائیاں استعمال کی جاتی تھیں، دواؤں کی شیشوں پران کا نام لکھا جاتا، ان پر استعمال کا وقت لکھا جاتا، ایک کاغذ پر اس کا نقشہ بنایا جاتا، وہ نقشہ ایک دفتی پر چپکا کر نشست گاہ کے بالکل قریب رکھا جاتا، جس پر آسانی سے نظر پڑ جائے، اسی کے مطابق دواؤں کا پورا اہتمام فرماتے، یہی احتیاط غذا کے بارے میں بھی فرماتے، معالج نے جو غذا تجویز فرمادی اس کی بھی پوری پوری رعایت فرماتے اوراس کے خلاف کرنا ہرگز گوارا نہ فرماتے۔(۱)

مریض طلباء کے لئے ہدایات

مریض طلباء کے لئے اہل دفتر کی خاص ہدایت تھی۔

(۱) تعلیمی گھنٹی سے مریض طلباء دارالشفاء میں آرام کریں گے۔

(۲) بعدعصر مریضوں کوچبوترہ پرمنتقل کیا جائے۔

(۳) مریضوں کی منتقلی کے بعد دارالشفاء کومقفل کردیا جائے۔(۲)

ورزش

مدارس دینیہ میں ورزش کا انتظام ہونا ضروری ہے، بہتر یہ ہے کہ ایک ماسٹر مقرر کرلیا جائے، جو ہر جماعت کے طلبہ کوان کی عمر کے لحاظ سے ایک کھلے میدان میں مختلف ورزشیں یا کھیل کھیلنے کی ترغیب دے کر ورزش کرائے، کھیل وہ سکھلائے جن میں ورزش کے ساتھ ساتھ دفاع کا پہلو بھی ہو جیسے لاٹھی چلانا، کبڈی یافٹبال، والی بال، بچوں کو تیرنا اورسائیکل

---

(۱) حیات ابرار رحمہ اللہ:۱/۵۱۹،مؤلف محمد فاروق صاحب، مکتبہ میرٹھ

(۲) حیات ابرار:۱/۱۸۰،مؤلف محمد فاروق صاحب

چلانا بھی سکھانا چاہئے، نیز طلبہ کو حفظان صحت کے موٹے موٹے اصول بھی بتلانا چاہئے، اور مضر اغذیہ اور مضر عادات سے واقف کرا کر اس سے بچنے کی ہدایات بھی دیں۔

جسمانی صحت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اس کی حفاظت وتقویت کے لئے متعدد حدیثوں میں آیا ہے: ''المؤمن القوی خیر من المؤمن الضعیف'' قوت اللہ کے یہاں چونکہ محبوب وپسندیدہ چیز ہے، لہٰذا اس کو باقی رکھنا اور جو چیزیں قوت کو کم کرنے والی ہیں ان سے احتیاط رکھنا یہ سب مطلوب ومحمود ہیں، اس لئے نظام تربیت کا ایک شعبہ ورزش اور کھیل کود کا رکھا گیا ہے۔

طریقہ عمل: خالی اوقات میں سبھی طلبہ کھیلتے ہیں، فجر بعد اور عصر بعد باقاعدہ استاذوں کی نگرانی میں کھیل کود اور ورزش کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

مدت عمل: پورے سال۔ گرمی سردی کے موسم کے اعتبار سے جزوی ترمیم ہوجاتی ہے۔(۱)

ورزش سے متعلق امور

☆ بچوں کی دو جماعتیں بنائیں، ایک ورزش کی، دوسری صفائی کی اور ہفتہ واری بدلیں۔

☆ فجر کی نماز کے بعد قرآن کی تلاوت کے وقت بچوں کو دو حصوں میں تقسیم کریں، ایک طرف ورزش کرنے والوں کو بٹھائیں اور دوسرے طرف صفائی والوں کو بٹھائیں۔

☆ دعا کے بعد پہلے ورزش والوں کو چھوڑ کر میدان میں صفیں بنوائیں پھر صفائی والوں کو چھوڑیں تا کہ خلط ملط نہ ہو۔

☆ چھوٹے بچوں کو آگے اور بڑے بچوں کو پیچھے کھڑا کریں

☆ ورزش کے ہر اسٹیپ کا فائدہ بچوں کو بتائیں۔

☆ دو چار بچوں کی نگرانی کے لئے طئے کریں اور درمیان میں نگرانی کروائیں؛ تا کہ بچہ ہر اسٹیپ کو پوری طریقہ سے ادا کرے۔

☆ ورزش کے اندر جو اسٹیپ ہیں اس کو ترتیب کے ساتھ نمبر وار ادا کریں۔

(۱) تعلیم وتربیت کس طرح؟: ۱/ ۱۲۲

☆ ورزش کے بعد بچوں کی حاضری لیں۔

☆ جو طلبہ ورزش میں حاضر نہ ہوں ان کا نام لکھ کر عشاء کے بعد تمام طلبہ کے سامنے سزا دیں۔(۱)

اس کے احکام وآداب جاننے کے لئے ہماری کتاب ''مسنون معاشرت'' جلد ۲، ص:۳۹۵، مناسب سمجھیں تو کبھی کبھی طلبہ کو سنا دیا کریں۔

(۱) معین المدارس:۲۱۲

نظام ملازمین

ملازمین میں دیانت دار، نماز کے پابند اور داڑھی والے اور اسلامی لباس پہننے والے رکھنا چاہیے اور ان کو لکھنا پڑھنا بھی آتا ہو۔(۱)

مدرسہ کی چیز ضائع نہ کریں

حضرت ہردوئی ارشاد فرماتے ہیں: جس جگہ بیٹھے ہو وہاں سے جب اٹھ کر جاؤ تو دیکھ لینا چاہیے کہ پنکھا تو نہیں چل رہا، بتی تو نہیں جل رہی ہے، اگر جل رہی ہے تو بند کر دے، ورنہ مدرسہ کے مال کا ضیاع ہوگا، مدرسہ کا نقصان نہ کرے، ہم کو مدرسہ سے کتنا نفع ہو رہا ہے؛ اس لئے جہاں تک ہو سکے اس کو نقصان نہ پہنچائے، اس کی چیزوں کی حفاظت کرے، ضائع ہونے سے بچائے۔(۲)

غیر تدریسی عملہ کے لئے چند امور

۱- ایک مدرس یا ملازم ہمارے ادارے میں اندازاً تیس سال خدمت انجام دیں گے۔

۲- رٹائر ہونے تک ہر ایک کی تنخواہ دوگنی ہو جائے گی۔

۳- رٹائر ہونے پر اگر مزید کام کرنا ہے اور ان میں طاقت و ہمت ہے تو ان کی درخواست پر اہل شوریٰ کی رضامندی و اجازت سے مزید خدمت انجام دے سکتے ہیں؛ لیکن رٹائرمنٹ کے وقت جو تنخواہ تھی وہی رہے گی۔

---

(۱) مدارس دینیہ کیلئے رہنما اصول: ۱۹

(۲) مجالس محی السنۃ: ۱۱۵

۴- یہ جو نظام بنایا گیا ہے ایک ضابطے اور اطمینان کے لئے ہے؛ لہٰذا اس بات کا اطمینان رکھیں کہ مہنگائی وغیرہ ہنگامی ضرورت کے وقت مشورہ کر کے اس میں اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

۵- اضافہ میں پانچ سال کے وقفے بنائے گئے ہیں مثلاً: ستائیس سو روپے تنخواہ والے کے پانچ سال تک ہر سال ۶۰ روپیئے بڑھیں گے۔

۶- چوتھے درجے کے ملازمین کی تنخواہ چوں کہ کم ہوتی ہے؛ لہٰذا اس کی کوشش کی گئی ہے کہ اخیر میں ان کی تنخواہوں میں قدرے اضافہ ہو۔

ملازمین کے درجات

پہلا درجہ: ذہنی ٹیکنیکل، طباخ بھی اسی میں داخل ہیں۔

دوسرا درجہ: ذہنی کام میں دوسری سطح کے لوگ آفس کلرک وغیرہ۔

تیسرا درجہ: مزدور طبقہ میں معمر پرانے قسم کے لوگ۔

چوتھا درجہ: لیبر (مزدور طبقہ نیا عملہ) مثلاً صفائی، باغیچہ، مطبخ، برتن دھونا، دسترخوان وغیرہ۔

ہدایات برائے غیر تدریسی عملہ

۱- ہفتہ میں ایک دن کی چھٹی ملے گی۔

۲- اتفاقی رخصت سالانہ پندرہ روز ملے گی۔

۳- سالانہ ایک ماہ کی تعطیل ملے گی؛ لیکن مدرسہ کے تقاضے کو پیش نظر رکھ کر تقدیم وتاخیر کے ساتھ دی جائے گی۔

۴- ہفتہ واری چھٹی طئے شدہ ایام ہی میں ملے گی۔

۵- ہنگامی مشورہ کے وقت قبل از وقت بھی آنا پڑے گا اور بعد وقت بھی رہنا پڑے گا اوور ٹائم کا معاوضہ نہیں ملے گا۔

۶- اہلیہ نہ ہو تو پانچ روز مفت کھانا کھا سکتے ہیں، اس کے بعد پانچ روپیہ مثلاً فی وقت خرید

کر کھائیں۔

۷- کبھی کام میں کوتاہی نہ ہو، ناراضگی نہ ہو، ناراضگی کے باوجود ایسا کام کرتے ہیں اور جو کچھ شکایت ہو وہ ذمہ داروں کے ماہانہ مشورے میں پیش کی جائے۔

۸- جس کام میں لگادیں قبول کرلیں۔

۹- تقرر کے لئے بستی کے ذمہ داروں کے نام پتے اور تصدیق ضروری ہے؛ تاکہ بوقت ضرورت ان سے رابطہ قائم کیا جاسکے۔(۱)

ہدایات خصوصی برائے عملہ مدرسہ

۱۔ عملہ کا ہر شخص باوضو رہنے کی کوشش کرے۔

۲۔ جب خدمات سے کچھ وقت خالی بچے تو ذکر واذکار میں مشغول رہیں۔

۳۔ کسی کو کچھ پریشانی لاحق ہو تو آپس میں ایک دوسرے سے تذکرہ نہ کریں؛ البتہ مہتمم سے کہہ سکتے ہیں۔

۴۔ کام کے بارے میں ایک دوسرے کا تعاون اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہیں۔

۵۔ صفائی درجوں کی ہو یا کہیں کی سب پڑھائی سے قبل ہونی چاہئے بعد میں نہیں۔(۲)

---

(۱) معین المدارس: ۱/ ۱۵۶، مؤلف: محمد شاکر خان صاحب قاسمی

(۲) حیات ابرار: ۱۷۲

نظام مطبخ

مقامی طلبہ یعنی اصحاب صفہ کا قیام وطعام

درسگاہ نبوت میں مقامی اور بیرونی قسم کے طلبہ تعلیم وتربیت حاصل کرتے تھے اور دونوں کے قیام وطعام کا جدا جدا انتظام تھا، اور دونوں یعنی اصحاب صفہ کا دار الاقامہ مسجد نبوی اور اس کا صفہ تھا اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہ ان کے کھانے کا انتظام کرتے تھے، ان کی تعداد بیک وقت عام طور سے ساٹھ ستر ہوا کرتی تھی۔

شروع میں اصحاب صفہ کے کھانے کا کوئی مستقل نظم نہ تھا، پھر بعد میں رسول اللہ ﷺ نے ان کے کھانے کا یوں انتظام فرمایا کہ انصار کو حکم دیا جس شخص کے یہاں دو آدمیوں کا کھانا ہو، وہ تیسرے شخص کو لیجائے اور جس کے یہاں چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچ چھ شخصوں کو لے جائے، نیز انصار نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمارے یہاں ایک ایک، دو دو آدمیوں کو بھیج دیا کریں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی ص حابہ سے طلبہ کے خورد ونوش کا انتظام کیا، اموال بنی نضیر، اموال بنی قریظہ، اموال خیبر اور اموال فدک میں آپ کے خاص حصے تھے، جن میں فقراء ومساکین، مسافر اور وفود عرب کے حصے مقرر تھے۔

انصار میں حضرت سعد بن عبادہ بن دلم اصحاب صفہ اور وفود عرب کے قیام وطعام میں سب سے آگے تھے، زمانہ جاہلیت سے ان کے باپ دادا اور وہ خود جود وسخا میں مشہور تھے، روزانہ ان کے بالاخانہ سے اعلان کیا جاتا تھا کہ ”من أحبّ الشحم واللحم فليأت أطعم دلم“(۱)

(۱) البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر: ۱۳/ ۲۱۹

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ آنے کے بعد سعد بن عبادہ کے یہاں سے آپ کے پاس کھانے کے طبق آیا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شام کو ہمارے پاس تشریف لاتے، اور ایک صحابی کے ساتھ ایک یا زیادہ اہل صفہ کو بھیج دیا کرتے تھے، بعض اوقات تقریباً دس آدمی بچ جاتے اور رسول اللہ ﷺ کا کھانا لایا جاتا تو سب مل کر کھاتے تھے، اور آپ ان سے کہتے کہ "ناموا فی المسجد" مسجد میں سو جاؤ، مسجد میں سو جاؤ، سعد بن عبادہ ہر رات اسی اصحاب صفہ کو کھانا کھلاتے تھے۔(۱)

خلافت راشدہ میں طلبہ کا قیام وطعام کا نظم

عہد رسالت میں مقامی اور بیرونی دونوں قسم کے طلبہ کے قیام وطعام کا باقاعدہ انتظام تھا، مقامی طلبہ یعنی اضیاف اسلام اصحاب صفہ اور دیگر فقراء ومساکین مسجد نبوی میں قیام کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ اور باحیثیت صحابہ ان کو اپنے گھروں پر بلا کر کھلاتے تھے، مسجد نبوی میں صحابہ ان کے لئے کھجور اور پانی رکھتے تھے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اس کے منتظم تھے، اور بیرونی طلبہ یعنی اطراف وجوانب سے آنے والے افراد اور وفود عام طور سے دار رملہ بنت حارث میں ٹھہرائے جاتے تھے، جو دار الضیافہ کے نام سے مشہور تھا اور اس میں چھ سات سو آدمیوں کے قیام کی گنجائش تھی، ان کے قیام وطعام کا انتظام حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ذمہ ہوتا تھا، بعض افراد اور وفود دوسری جگہوں میں بھی ٹھہرائے جاتے تھے، مگر عہد صحابہ میں غیر مقامی طلبہ کے قیام وطعام کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ملتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو تاکید فرمائی تھی کہ میرے بعد طلب علم میں اطراف واکناف سے نوخیز ونوجوان آئیں گے، تم لوگ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور ہر طرح سے ان کی دلجوئی وخبر گیری کرنا، اس وصیت ونصیحت کے مطابق حضرات صحابہ اور دوسرے حضرات بیرونی طلبہ کا بڑھ کر استقبال کرتے تھے اور ان مہمانان رسول اللہ ﷺ کی میزبانی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے، یوں بھی اس زمانہ میں حالات بدل چکے تھے، کشادگی اور خوش حالی کا دور شروع ہو چکا تھا

(۱) خیر القرون کی درسگاہیں: ۹۴-۹۵

اور دادودہش کرنے والے اجوادواسخیاء حاجت مندوں کی ہر طرح خبر گیری کرتے تھے۔(۱)

یہ تھا اسلام کی پہلی درسگاہ میں قیام وطعام کا نظم، موجودہ مدارس کا نظم بھی ملاحظہ ہو۔

حضرت شاہ ابرار الحق قدس سرہ کے یہاں مطبخ کا نظام بھی قابل دید اور قابل تقلید تھا، کتنے آٹے میں روٹیاں تیار ہوں گی، سالن کس حساب سے تیار ہوگا؟ اور اس میں مصالحہ جات کس حساب سے ڈالے جائیں گے، چائے میں دودھ شکر کتنا اور کس حساب سے ڈالے جائیں گے، یہ سب چیزیں متعین تھیں اور اس کا بھی باقاعدہ نقشہ بنا کر آویزاں کیا جاتا تھا اور اس کے مطابق عمل درآمد کیا جاتا تھا۔

اسی طرح کس دن کیا سالن پکے گا، کس دن ارہر کی دال، کس دن ماش کی دال، کس دن مسور کی دال، کس دن گوشت وغیرہ پورے ہفتہ کا نظام متعین ہوتا تھا اور اس کا نقشہ بھی آویزاں ہوتا تھا۔

جہاں تک ہوسکے کھانا اچھا، صاف ستھرا، مقوی ، روزانہ سالن کی جانچ ہو، اس سلسلہ میں طلبہ کی معقول اور جائز شکایات یا مطالبات کو ضرور سنیں اور اس پر عمل کریں، ہر موسم کا خیال رکھ کر سبزی، یا سالن دیں، بارش کے موسم میں انڈا یا بڑے کا گوشت نہ دیں، سالن چاہے کم ہو مگر لذیذ ہو، طباخ اور مطبخ کے ملازم مرد ہوں، عورتیں نہ ہوں، مطبخ اور مطبخ کے ملازمین کی نگرانی ہونی چاہیئے، سب طلبہ کو ایک ساتھ بٹھا کر کھلائیں، تقسیم نہ کریں، مالدار طلبہ سے کھانے کی فیس ضرور لیں، ناشتہ میں باسی روٹی اور چائے دیں، چائے دو پیالی دیں، باسی روٹی حافظہ کو قوی کرتی ہے اور بلغم کو جذب کر لیتی ہے، سالن میں زیرہ اور ادرک کا استعمال ضرور کریں کہ وہ بادی کو کاٹتی ہے، پانی کی ٹنکی ہر ماہ صاف کرائیں، کھانے اور پکانے کے برتن مزدوروں سے صاف کرائیں، صاف دھلے یا نہیں اس کی نگرانی کرائیں، بلکہ مطبخ کی نگرانی، سامان لانے اور ہر چیز کو تول کر پکانے والوں کو دینے اور اس کا حساب رکھنے کے لئے ایک مستقل ملازم رکھنا چاہیئے، جو ناظم مطبخ کے علاوہ ہوتا کہ سپرویزن کرسکے، جہاں غلہ، آٹا، تیل رکھا رہتا ہے ان کمروں میں چوہے نہ

---

(۱) خیر القرون کی درسگاہیں: ۱۴۲

ہوں، ان میں صفائی رہے، دھویں کے دھبے اور جالے نہ پڑ جائیں، ناظم مطبخ مہینے میں ایک بار طلبہ سے پوچھ کر ان کی مرضی کا کھانا بھی پکوادیا کرے، تاکہ وہ خوش رہیں۔

ملازمین مطبخ کے لئے ہدایات

اگر مطبخ کے ملازمین غیر حاضر ہوں تو ان کے لئے بھی نظام تجویز تھا کہ ان کو جا کر باری باری معلوم کریں، نیز خدام مطبخ کام ختم پر نگراں صاحب کو اطلاع کر کے جائیں۔

☆ خدام مطبخ وغیرہ کے کام کے ختم ہونے پر اطلاع نگراں صاحب کو کر کے جاویں گے، جب سب فارغ ہوں گے تب جانے کو ملے گا۔(۱)

ملازمین مطبخ کے درمیان کام تقسیم کرنا، طئے شدہ کھانا ان سے صحیح ڈھنگ سے پکوانا، برتن دھلوانا، صفائی کروانا، ضرورت کی سبزی، ترکاری، ایندھن منگوانا۔(۲)

مطبخ والے ملازمین کی ذمہ داریاں

۱۔ آٹا پسوانا۔

۲۔ برتن صاف کر کے ہر وقت تیار رکھنا۔

۳۔ تھالیاں فوراً دونوں طرف سے پوچھ کر الماری پر جما دینا (الٹی رکھنا)۔

۴۔ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو دفتر میں ایک روز پہلے لکھ کر اطلاع دینا۔

۵۔ دودھ کی ڈگری لگا کر لینا۔

۶۔ بچی ہوئی دال، سالن اچھی طرح رات کو گرم کر لینا۔

۷۔ جب لائٹ ہو تو ادرک لہسن دو تین وقت کا پیس کر فریج میں رکھوانا۔

۸۔ گیس کے لئے دو روز قبل دفتر میں اطلاع دینا۔

۹۔ کسی استاذ یا طالب علم سے بالکل نہ الجھنا۔

۱۰۔ نمازوں کی پابندی کرنا، آپس میں غیبت وغیرہ واہی تباہی باتیں نہ کرنا، تسبیحات کی پابندی کرنا۔

---

(۱) حیات ابرار: ۱۷۵ (۲) معین المدارس: ۱۷۶

نظام گودام

گودام والے کی ذمہ داریاں:

۱۔ راشن آنے کے بعد اس کو اپنے پاس جمع کرنا۔

۲۔ فہرست کے مطابق ہے یا نہیں دیکھنا۔

۳۔ سامان گودام میں ترتیب سے رکھنا۔

۴۔ چوہے ہوں تو ان کا حل سوچنا۔

۵۔ چاول وغیرہ صاف کرنے کا انتظام کرنا۔

۶۔ روزانہ طباخ کو راشن وزن کر کے دینا اور اس کا ریکارڈ رکھنا۔

۷۔ راشن ختم ہونے سے کچھ دن پہلے فہرست بنانا اور دفتر میں دینا۔

۸۔ گودام سے کسی کو کوئی چیز نہ دیں۔

۹۔ فریج میں بلا ضرورت کوئی چیز رکھ کر استعمال نہ کریں۔

۱۰۔ سبزی ترکاری صرف ایک یا دو یوم کی منگوائے۔

برتن روم والے کی ذمہ داریاں

۱۔ کلاس کی گھنٹی سے پندرہ منٹ مطبخ پہنچنا۔

۲۔ خدمت والوں کو رکابیاں، بالٹیاں، دال کے چمچے، پیالے، برتن وغیرہ گن کر دینا۔
خدمت ختم ہونے کے بعد دوبارہ گن کر لینا، خدمت والوں میں سے ایک کو ذمہ دار بنا کر دینا اور اسی سے گن کر لینا، یہ ذمہ دار نہ دے تو دار الطعام کے ذمہ دار سے وصول

کروانا۔

۳۔ دارالطعام کے باہر بلاضرورت شدیدہ برتن نہ دینا۔

۴۔ ضرورت پر دینے پر لے جانے والے کا نام لکھ کر دینا اور اسی سے وصول کرنا۔

۵۔ اساتذہ کے برتن کا بھی ایک ذمہ دار بنایا جائے، اور اسی سے حساب لے۔

نظام طعام خانہ

۱۔ دار الطعام کے ذمہ دار اساتذہ ۲۰ منٹ پہلے پہنچے اور خدام طلبہ کی حاضری لیں اور طلبہ آنے سے قبل پلیٹ اور پیالے وغیرہ لگوائیں۔

۲۔ دار الطعام کی صفائی اگر نہیں ہوئی ہو تو صفائی کروانا۔

۳۔ تمام چیزوں کی فہرست بنانا اور ۱۰ دن میں ایک مرتبہ فہرست کے مطابق سامان جانچنا۔

دار الطعام کے ملازمین میں فہرست کے مطابق سامان تقسیم کر کے ان کو ذمہ دار بنانا، اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو ان سے وصول کرنا۔

۴۔ دستر خوان اور دری کی ہفتہ میں دو مرتبہ صفائی کرنا۔

۵۔ ہفتہ میں ایک مرتبہ پورے دار الطعام کی صفائی پانی سے دھو کر کرائیں۔

۶۔ کھانا وقت سے پہلے نہ بنے تو ذمہ دار مدرسہ کو اطلاع دینا۔

۷۔ کھانا کم ہو جائے تو ذمہ دار مدرسہ کو اطلاع دیں اور ذمہ دار کی اجازت لے کر کھانا بنوائے۔

۸۔ کھانا یا سبزی صحیح نہ بنے تو ذمہ دار مدرسہ کو اطلاع دیں۔

۹۔ دار الطعام میں گھنٹی کے بعد ۱۰ منٹ بچوں کا انتظار کریں اور طلبہ کو دس منٹ میں آنے کا پابند بنائیں۔

۱۰۔ دار الطعام میں بچے ہوئے کھانے کی فکر کرنا۔

۱۱۔ خراب کھانا بچوں میں تقسیم نہ کریں۔

۱۲۔ مہمانوں کا ٹکٹ دیکھنا اور جو استاذ مدرسہ کے دستر خوان پر نہیں کھاتے ان کا ٹکٹ دیکھنا۔

۱۳۔ آداب ودعا یاد ہانی کا نظام بنانا۔(۱)

برتنوں کی حفاظت ایک اہم مسئلہ ہے، طلبہ دار العلوم سے برتن وغیرہ اپنی ضرورت کے لئے لے آتے ہیں، اور پھر پھینک دیتے ہیں، اس لئے اس پر ایک ذمہ دار طئے ہو جو اس کی فکر کرتا رہے، تمام برتنوں کا ایک روم ہو؛ تاکہ ذمہ دار حفاظت سے برتن اس میں رکھوائے۔

جنوب ہند کے مدارس میں عموماً دیکھا گیا کہ مطبخ میں پکاتی طباخہ خاتون مقرر کی جاتی ہے، باشعور طلبہ، اساتذۂ مدرسہ، ناظم صاحب اور ان کے صاحبزادے اس اجنبیہ سے بے تکلف رہتے ہیں، فتنہ ہونے کا اس وقت اندیشہ بڑھ جاتا ہے (بلکہ واقعہ بن چکا ہے) جب وہ بیوہ اور مطلقہ بھی ہو، اور ساڑی پہننے کی عادی بھی، کہیں اسلام اپنے ہی قلعوں میں غیر محفوظ نہ بن جائے، ایسے کبائر اور محرمات کے ساتھ نصرتِ الٰہی کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

مرد طباخ کی تنخواہ کا زیادہ ہونا، پابندی نہ کرنا جیسے عذر کی وجہ سے ناجائز امور کو ہرگز نہیں گوارہ کیا جاسکتا، بہر حال یا تو مرد پکانے والے کا انتظام یا کسی خاتون کو متعین کریں تو پردہ کا پورا اہتمام کیا جائے۔

---

(۱) معین المدارس: ۱/۱۷۷، مؤلف: مفتی شاکر صاحب

نظام صفائی

یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ پاکی آدھا ایمان ہے؛ لیکن ہمارے بہت سے مدرسوں میں اس کی طرف توجہ کم دی جاتی ہے۔

☆ مدرسہ کے احاطہ میں اور باہر کاغذات، کچرا وغیرہ ہمیشہ دکھائی دیتا ہے۔

☆ چھت پر جالے اور پنکھے میل سے اٹے رہتے ہیں۔

☆ مطبخ بھی عموماً گندہ رہتا ہے، طعام خانہ جہاں طلبہ کھانا کھاتے ہیں وہ بھی گندا رہتا ہے۔

☆ مدرسہ کی چھت پر لکڑی، چٹائی، پرانے پتھر، ریت کنکر، چادریں، کپڑے وغیرہ پڑے رہتے ہیں، جو چھت کو نقصان دیتے ہیں۔

☆ دار الاقامہ کی نالیاں گندی، کہیں روٹی و آلو کے ٹکڑے کہیں دال و چاول کے سڑنے کی بدبو آتی رہتی ہے۔ جس کی صفائی کی عموماً فکر نہیں رہتی، فضا گندی ہونے کی وجہ سے بچے بھی بیمار پڑتے ہیں اور ان کے علاج پر کافی روپیہ خرچ ہو جاتا ہے۔

☆ اگر اساتذہ کے مشورہ سے ایک استاذ بارعب ان کاموں کو اپنے ذمہ لے لے اور صفائی کی فکر کرے تو سارے کام آسانی سے انجام پا سکتے ہیں۔

☆ اس کی ترکیب یہ ہے کہ سال کے شروع میں صفائی کے لئے ایک استاذ مقرر ہو جو تمام درسگاہوں اور دار الاقامہ کے کمروں وغیرہ کی طلبہ کے مشورہ سے باری طے کرے۔(۱)

(۱) مدرسہ تعلیم سے تعمیر تک: ۶۵

ہدایات برائے صفائی دارالاقامۃ

☆ اپنی نگرانی میں صفائی کروائیں۔

☆ درسگاہوں کی صفائی پر توجہ دیں اور کلاسوں کا چکر لگا کر دیکھیں۔

☆ صفائی کے اوقات متعین کریں۔

☆ وقت کی قلت کی بناء پر صفائی کرنے والے طلبہ میں اضافہ کریں۔

☆ صفائی ہوتے ہی جھاڑو اسٹور روم پہنچانے کی تاکید کریں۔

☆ مہمانوں کی آمد پر صفائی کی جانب زیادہ توجہ دیں۔

☆ درسگاہوں کی صفائی پر ایک ایک ذمہ دار طالب علم کو طئے کریں اور صفائی نہ ہونے پر ذمہ دار طلبہ و صفائی کرنے والے طلبہ سے باز پرس کریں۔

☆ پیٹی کے نیچے اور پیچھے سے صفائی کروائیں۔

☆ ہفتہ بھر کا نظام ہر جمعہ بنائیں اور سال بھر کا بیک وقت بھی بنا سکتے ہیں۔

☆ جمعہ کی ذمہ داری والے جمعہ کی صفائی کا نظام بنائیں۔

☆ دو مضبوط طلبہ کو نیچے کھڑا کیا جائے تاکہ کچرا بڑے گڑھے میں پھینکوائیں۔

☆ درسگاہوں کی صفائی کے لئے ہر جماعت کے مانیٹر کے پاس جھاڑو دے دیں۔

☆ سوکھے ہوئے کپڑے جمع کر کے ذمہ دار کے حوالہ کر دیں۔

☆ دیواروں میں ٹھونسے ہوئے کاغذات کو نکالنے لگائیں اور اس سے سختی کے ساتھ منع کریں۔

☆ کمروں کی صفائی پر زیادہ توجہ دیں۔

☆ جمعہ کے دن کے علاوہ روزانہ صبح (بعد نماز فجر) صفائی کروائیں۔

☆ بعد نماز ظہر اور سوتے وقت درسگاہ کی صفائی کرنے کی تاکید طلبہ کو کریں اور صفائی نہ کرنے پر نام لکھ کر ذمہ دار جزاوسزا تک پہنچائیں۔

☆ وقت مقررہ پر صفائی نہ کرنے والے طلباء کو جزاوسزاء کے ذمہ دار کے پاس پہنچادیں۔(۱)

---

(۱) ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، معین المدارس

ماليات

شریعت وعقل کا مسلمہ ضابطہ ہے کہ ہر اجتماعی کام عموماً وعادۃً ہر مذہب وقوم میں چندہ سے چلتا ہے، چندہ سنت وتوکل کے خلاف نہیں، بقدرِ ضرورت معاشی یکسوئی کے بغیر خدمت دین میں بہتری نہیں آسکتی ہے، چندہ بڑھانا، ذمہ دارانِ مدارس کا اہم کام ہے، چندہ وصول کرنے اور خرچ کرنے کے کیا ضابطے ہیں؟ شریعت وسوانح اکابر سے ہمیں کیا رہبری ملتی ہے؟ عمومی چندہ کی اہمیت اور اس کی شکلیں نیز حکومتی امداد کے تباہ کن اثرات کو اس مضمون میں مفصل ذکر کیا گیا، جس میں فقہ کی خشکی، قانون کے روکھے پن، رخصتوں کی تحدید کے ساتھ تذکیرہ ودعوت کی چاشنی، عزیمت پر ابھارنے والے واقعات، اہتمام واحتیاط، حصول تعاون واستغناء، جمعِ اسباب وتوکل کو سمجھانے والے قصوں کی حسین آمیزش ہے۔

نظامِ چندہ

دارِارقم میں خفیہ طریقے سے آنے والے اسلام کے مبادیات سیکھ لیا کرتے تھے، احکامِ اسلام تو زیادہ نہیں تھے، دعوتِ اسلام کی مہم پہلے خفیہ طور پر پھر علانیہ جاری رہی، مسجد نبوی کے صفہ میں البتہ کچھ مستقل نظامِ تعلیم بنا، کچھ لوگ طلبِ معاش سے یکسو ہو کر طلبِ علم میں لگے رہے، حضور اکرم ﷺ کے گھر یا ان کی آمدنی یا آنے والوں کی امداد پر گذارا تھا، فاقہ ہی نہیں کفن کی قلت گوارا تھی؛ مگر سوال اور شکایت نہیں، کبھی کھجور کے خوشے، دودھ وغیرہ وہاں پہنچادیا جاتا یا بعض صحابہ مہمانانِ رسول، طلبہ صفہ کو اپنے گھر لے جاتے، یا ایک بھائی تجارت، دوسرا طلب علم میں یا دن رات کا کچھ حصہ کسب معاش میں کچھ حصہ صحبت رسول اللہ ﷺ میں گذرتا، پھر اسلامی سلطنتوں اور فتوحات کے دور میں بیت المال سے دینی جامعات، دینی مدارس، طلبہ کے اخراجات کا فراخ دلی اور اعلی معیار سے تکفل کیا گیا، پھر امت مسلمہ کے سیاسی عسکری زوال کے بعد دوبارہ قرنِ اول کا نظام جاری کیا گیا، چنانچہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا منشا تھا کہ عمومی چندے یا ایسے سادی سیدھی عوام کے مال سے مدارس چلائے جائیں جن میں اپنے چندے سے کوئی امید نہ ہو، اصحاب ثروت، ارباب سیاست کی کسی طرح کوئی مداخلت نہ ہو، فراہمیٔ مال کی محنت میں مدارس کی روح متاثر نہ ہو، مقاصد پر زد نہ پڑے اور ان کی خودداری مجروح نہ ہو، کسی علاقے والے ایک ایک آنے والے طالب علم کو اپنے گھر کھانا کھلا دیا کرتے تھے، خود طالب علم رات کے کسی حصہ میں کچھ کام کر کے ضروریات زندگی کی تکمیل کرتے، پھر مطبخ و وظائف کا نظام شروع ہوا، مستطیع

صاحب نصاب طلبہ سے فیس وصول کی جانے لگی، مٹھی فنڈ، دصولی زکاۃ، وغیرہ سے نہایت آسان طریقے سے ضروریات زندگی پوری کی جانے لگی۔

چرم قربانی سے تعاون حاصل کیا گیا، خدام مدارس ذمہ داری پورا کرنے کی فکر کریں، پرودگار عالم ضروریات پوری کرتے ہیں، مہتممین مدارس قوم کے مال اور طلباء کے وقت میں خیانت نہ کریں، قوم بہت تعاون پیش کرے یا نہیں، اصول واخلاص سے کام ہو، مدارس کبھی مقروض نہیں ہوتے، ذیل میں کچھ مسائل ذکر کئے جارہے ہیں، جس کی روشنی میں مدارس کے مالیاتی نظام کو حدودِ شریعت کا پابند بنایا جاسکتا ہے، جب اللہ کی رضا مقصود ہے تو ان کے احکام کا لحاظ کرنا ضروری ہے، مال لینے مال دینے میں صرف مدرسہ کا مفاد پیش نظر ہو، خاص طور پر تعلیمی فائدہ، اس لئے ذیل میں ضروری مسائل لکھ دیئے گئے تا کہ ہم اہل مدارس اپنے شعبہ کے حرام سے بچ سکیں۔

دورِرسالت میں صدقات نافلہ اور ہنگامی چندے

نبی کریم ﷺ نے کئی بار جب بیت المال میں مالی وسائل کی کمی ہوئی تو ہنگامی ضروریات جو بالعموم جنگی اخراجات کے لئے ہوتی تھیں کو پورا کرنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے صدقات نافلہ سے پورا کیا کرتے تھے، کئی بار یہ صدقات چند محتاجوں اور مسافروں کی کفالت اور مصالح عامہ کے لئے بھی طلب کئے گئے، اور جواب میں صحابہ کرام نے اپنی کمائیاں آپ کے سامنے ڈھیر کردیں، تاریخِ اسلام سے ایسی متعدد مثالیں تلاش کی جاسکتی ہیں، جب آپ ﷺ نے صدقات نافلہ اور ہنگامی چندوں کی ترغیب دی۔

☆ جب آپ ﷺ نے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور مکہ مکرمہ سے مہاجر مسلمانوں کی بھی ایک معتد بہ تعداد ہجرت کرکے مدینہ منورہ آکر آباد ہوئی تو آپ نے محسوس فرمایا کہ یہاں مسلمانوں کو پینے کے پانی کی شدید قلت کا سامنا ہے، آپ نے مخیر اور مالدار مسلمانوں کو اس کارِ خیر کی ترغیب دی کہ مسلمانوں کی اس بنیادی ضرورت کی فراہمی کے لئے مدد کریں، اللہ کریم نے یہ سعادت اکیلے حضرت عثمان

رضی اللہ عنہ کے حصہ میں لکھی تھی، اکیلے انہی نے ایک کنواں جس کا پانی بہت شیریں اور ٹھنڈا تھا ایک یہودی سے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

☆ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک جماعت پیش ہوئی، جو ننگے پیر اور ننگے بدن تھی، جو چیتے کے کھال کی طرح کا صوف یا عبا پہنے ہوئے تھے اور تلواریں حمائل تھیں، ان میں سے زیادہ تر قبیلہ مضر کے لوگ تھے، ان کے چہروں سے فاقہ کشی کی حالت ٹپکتی تھی، ان کی حالتِ زار دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اذان دیں، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہوئے تو حجرے میں داخل ہوئے، پھر تشریف لا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے سورۃ النساء اور سورۃ الحشر کی آیات تلاوت فرمائیں جن کا مدعا یہ ہے کہ اللہ کریم نے تمام انسانوں کو خواہ وہ امیر و کبیر ہوں یا فقیر و صغیر ایک انسانِ آدم سے پیدا کیا؛ لہٰذا تمام اولادِ آدم آپس میں بھائی بھائی ہیں، اور انہیں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے، اور انسان کو ڈرنا چاہئے کہ کل وہ قیامت کے دن کیا کچھ اپنے کریم کے سامنے (خرچ کر کے) لے جا رہا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ سن کر اثر تو ہونا ہی تھا، آن کی آن میں اناج و کپڑوں کا ڈھیر لگ گیا ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے درہموں کا ایک توڑا جو اس قدر وزنی تھا کہ ان سے اٹھایا نہ جاتا تھا لا کر پیش کیا، جو ان فاقہ کشوں میں تقسیم کر کے ان کے افلاس کا علاج ہنگامی بنیادوں پر کیا گیا۔

☆ غزوہ تبوک کے وقت مسلمانوں کی معاشی بدحالی بہت تھی، یہ غزوہ ان حالات میں پیش آیا کہ مسلمانوں کے پاس سوائے جگر آزمانے اور مادی وسائل بالکل نہ تھے، مگر عزم بالجزم ہو اور جینے کا ڈھنگ آتا ہو تو ایسی مشکلات سنگِ راہ نہیں بن سکتی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اسلامی لشکر کے زادراہ کی رغبت دی، اکیلے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان اور ایک ہزار دینار بارگاہ نبوی میں لا کر پیش کئے، آپ خوش ہو کر انہیں بار بار پلٹتے اور فرماتے جاتے اس

نیکی کے بعد (عثمان رضی اللہ عنہ) کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکے گا، اے اللہ کریم!"میں عثمان سے راضی تو بھی اس سے راضی ہوجا"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھر کا آدھا اثاثہ لاکر قدموں میں ڈھیر کردیا، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ دوسو (۲۰۰) اوقیہ چاندی لاکر پیش کی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا سارا سامان لاکر قدموں پر نچھاور کردیا، جس کی کل مالیت غالبا پانچ سو درہم تھی، مگر سب پر گویا سبقت لے گئے، دیگر صحابہ کرام نے بھی اپنی اپنی استطاعت کے موافق اس غزوہ کے لئے ہنگامی امداد پیش کی۔(۱)

اور ایک روایت میں حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں: کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی سائل یا حاجت مند شخص اپنی ضرورت اور حاجت کی طلب میں آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: "اشفعوا توجروا، ویقضی اللہ علی لسان نبیه صلی اللہ علیه وسلم ما شاء" (۲) سفارش کرکے اجر حاصل کرو، اور اللہ عزوجل اپنی نبی کے زبانی اپنی چاہت کے مطابق فیصلہ فرماتے ہیں۔

اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں چندہ کا طریقہ یہ تھا کہ لوگوں سے اجتماعی یا انفرادی طور پر تعاون کی اپیل کی جاتی تھی، اور لوگ اپنی مرضی سے کبھی نقدی ادا کرتے تھے، اور کبھی سامان کی شکل میں تعاون کرتے تھے، جب کہ اسلامی حکومت میں اموالِ ظاہرہ کی زکوۃ حکومت کی طرف سے مقرر کردہ نمائندے علاقوں میں جاجا کر وصول کیا کرتے تھے، اس کی تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دور رسالت میں ایک شخص کو خریدے ہوئے پھل میں نقصان ہوگیا، جس کی وجہ سے اس کا قرضہ بڑھ گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تصدقوا علیه" (اس کو صدقہ دو) لوگوں نے اس کو مال بطور صدقہ دیا، جس کی وجہ سے اس

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی تعلیمات: ۲۸۹، پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری، مکتبہ ارشاد محل دیوبند

(۲) بخاری

کا دین اور قرض مکمل نہ ہوسکا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا: ”خدوا ما وجدتم ولیس لکم إلا ذلك“ (۱) ”جو ہے وہ لےلو اور تمہیں اتنا ہی ملے گا“۔

اس لئے علامہ زبیدی فرماتے ہیں کہ سوال کی مذمت اور ممانعت کی وعیدات میں وہ سوال داخل نہیں ہے جو سوال کسی دوسرے کے لئے ہو؛ بلکہ وہ اس کی اعانت ہے۔

اس کی دلیل مذکورہ بالا دلائل ہیں:

ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کمانے پر قادر ہے، اور علمی اشتعال کی وجہ سے اس کو نہیں کرتا تو اس کو زکاۃ کا لینا بھی جائز ہے اور صدقات تطوع کا لینا بھی، اور اگر باوجود قدرت کے کمانا، نوافل اور عبادات میں مشغولی کی وجہ سے چھوڑا ہے تو اس کو مال زکاۃ کا سوال جائز نہیں، صدقات تطوع سے سوال میں مضائقہ نہیں، گو کراہت ہے، اور اگر کوئی جماعت اصلاح نفس اور تزکیۂ باطن کے لئے مجتمع ہے تو بہتر یہ ہے کہ کوئی ایک شخص ان سب کے لئے روٹی کپڑا جمع کرلیا کرے۔ (۲)

علمی اشتغال چاہے علوم ظاہرہ ہوں یا علوم باطنہ، یقینا بہت زیادہ اہم ہے، اور ایسے لوگوں کے لئے یقینا کسی دوسری چیز میں مشغول ہونا ہرگز نہ چاہئے، اور محض نادانوں، احمقوں کے طعن وتشنیع کے خوف سے اس اہم مشغلہ کے ساتھ کمائی وغیرہ کی طرف لگنا، جاہلوں کی طعن کے خوف سے اپنی قیمتی مایہ کو ضائع کرنا ہے، نادانوں کے طعن وتشنیع سے نہ اہل علم کبھی بچے ہیں، نہ انبیائے کرام بچے۔

آج کل یہ وبا بہت عام ہوتی جارہی ہے کہ اپنا گذر چلانے کے لئے کسی صنعت وحرفت کا سیکھنا ضروری ہے، اور اہل علم بھی دنیا داروں کے طعن وتشنیع سے بددل ہوکر اس کی اہمیت کو محسوس کررہے ہیں، اور مدارس عربیہ دینیہ میں یہ سلسلے بھی جاری ہورہے ہیں؛ لیکن یہ علم کو بہت زیادہ نقصان دینے والی چیز ہے، اس میں اسلاف کے نمونے سامنے رکھے جاتے ہیں، جنہوں

---

(۱) سنن الترمذی، من تحل لہ الصدقۃ من الغارمین، حدیث: ۶۵۵

(۲) مرقاۃ المفاتیح

نے اپنی معاش کے لئے تجارت وحرفت وغیرہ کے مشاغل اختیار کرتے ہوئے دین کی اور علم کی خدمت کی اور یقیناً اگر اللہ عز وجل توفیق عطا فرمائے تو یہ طریقہ بہترین طریقہ ہے، مگر ہم لوگوں کے قلوب اور قوی ہمارے احوال نہ تو اس کے متحمل ہیں کہ ہم لوگ دو کام بیک وقت کر سکیں، اور نہ ہماری طمع نفس اور حب دنیا اس کی گنجائش دیتی ہے کہ مال کی بڑھوتری کے اسباب پیدا ہونے کے باوجود اللہ کے واسطے، دین کی خاطر، علم کی خاطر ہم اپنے اوقات کو دنیا کمانے کے مشاغل سے زیادہ سے زیادہ فارغ کر سکیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابتداء میں دونوں کام شروع کئے اور آخر میں علمی مشغلہ پر دنیا کی کمائی اور طلب غالب آ گئی، جس کے بارہا تجربے ہو چکے ہیں۔(۱)

بنیادی ہدایات

☆ چندہ کرنے کے لئے جو لوگ مقرر کئے جائیں وہ ایماندار ہوں، ان کو چندہ کی رسیدیں لکھ کر دی جائیں اور چندہ لانے کے بعد پر رسید چیک ہو۔

☆ مکمل حساب کیا جائے ☆ چندہ کرنے والا رسید پر چندہ دینے والے سے یہ لکھا کر لایا کرے کہ میں نے اپنا چندہ دیا اور دستخط کرا لیا کرے، اس سے سفیر کے لکھے عدد میں گڑبڑ کرنے کے شبہ سے بچا جا سکتا ہے۔

☆ چندہ کی رقم عدد کے ساتھ ساتھ حرفوں میں بھی لکھنا چاہیئے۔

☆ جو بڑے چندہ دہندگان ہیں ان سے مدرسہ رابطہ رکھے، ان کو شکریہ کا خط لکھے، مدرسہ کے کوائف سے ان کو وقتاً فوقتاً مطلع کرتے رہیں۔

☆ مدرسہ سالانہ پروگرام میں بڑے چندہ دہندگان کو مدعو کرتا رہے، اگر کوئی کتاب یا کیلنڈر مدرسہ سے چھپے تو ان کو ضرور ارسال کریں۔

☆ چندہ جن مدوں میں دیا جائے انہیں مدوں میں خرچ کیا جائے اور اس کا مکمل حساب رکھا جائے۔(۲)

---

(۱) فضائل صدقات: ۴۳۹، حصہ دوم، کتب خانہ فیضی لاہور، پاکستان

(۲) مدارس دینیہ کے لئے: ۲۰، مولانا سید ذوالفقار صاحب

☆ مدرسہ کی رسید بک چھپوانے سے پہلے اس کا بلاک یا نمونہ مشورہ سے طئے کریں، نمونہ بناتے وقت چند باریکیاں یا چند ایسے نشانات چھوڑ دیں جس کا علم ٹرسٹیوں کو ہی ہو جس کی وجہ سے اصلی اور نقلی رسید میں فرق کیا جاسکے۔

☆ رسید بک چھپواتے وقت سیرئیل نمبر ڈال دیا جائے؛ تاکہ ایک نمبر کی دو رسیدیں کوئی استعمال نہ کرسکے۔

☆ چھپوانے کا کام ہوتے ہی بلاک کو اپنے قبضہ میں کرلیا جائے، اس کے یہاں نہ چھوڑے۔

☆ مدرسہ کی چھپوائی ہوئی رسیدوں پر ٹرسٹیوں کا کنٹرول ہو اور اس کا ایک الگ رجسٹر رکھا جائے، اس میں تاریخ اور جس کو دی گئی اس کا نام اور پتہ معرفت رسید نمبر درج کیا جائے اور دینے سے پہلے ان کی دستخط لی جائے۔

☆ چندہ دینے والوں کی شہر کے اعتبار سے ہر سال کی الگ فہرست بنانی چاہئے اور موجودہ سال کے علاوہ پچھلے دو سالوں کو شامل کرکے ایک فہرست الگ سے بنائی جائے، اس سے یہ معلوم ہوگا کہ اس میں کس کا نام رہ گیا ہے اور وصولیابی کے بعد اگر مشورہ والے طئے کرسکتے ہیں تو چندہ دینے والوں کا آنے والے رمضان سے پہلے شکریہ ادا کیا جائے جس سے چندہ دینے والوں کو اطمینان بھی رہے گا اور یاددہانی بھی ہوگی۔

تعمیری مد ♦♦

تعمیر کے نگران کی ذمہ داری حتی الامکان ٹرسٹی خود لیں تو بہتر رہے گا، اس میں جتنی بھی اشیاء ریت، سمنٹ وغیرہ آتی ہیں اس کی بھی رسید دینا بہت ضروری ہے۔(۱)

☆ مدرسہ میں اگر چندہ کا صندوق رکھا گیا ہو تو اس کی چار چابیاں چار مختلف افراد کے پاس رکھ دی جائیں، جب ٹرسٹیوں کی میٹنگ ہو تو اس دوران اس کو کھول کر جمع شدہ کی رسید بنائی جائے اور حساب میں جمع کیا جائے۔

---

(۱) بقیہ سرکاری امداد: دینی مدارس، ذاکر صاحب

☆ مدرسہ کے آفس میں ضرورت کے اعتبار سے ایک چھوٹی رقم مشورہ سے طئے کر کے ہمیشہ رکھی جائے اور زائد رقم فورا بنک میں جمع کی جائے اس کے علاوہ براہِ راست مدرسہ کے آفس میں جو رقم جمع ہوتی ہے وہ اور مدرسہ میں آنے والے مہمانوں سے جو رقم آتی ہے، یا تو ترغیب دے کر چندہ کے صندوق کے اندر ڈالنے کے لئے کہے اور کسی قسم کی فیس، جرمانہ بچوں سے وصول ہوتا ہے تو اس کی بھی رسید فورا کاٹ دی جائے۔

☆ چیزوں کی شکل میں کوئی عطیہ آتا ہے تو اسکی بھی رسید کاٹ دی جائے۔

☆ اگر کھانے پینے کی چیزیں ہوں تو مطبخ کے گودام میں اندراج کی جائے اور ذمہ دار آدمی اس کے استعمال کی نگرانی کرے۔

☆ اگر استعمال کی اشیاء مثلا ''کرسی'' ''دری'' ''ڈیسک'' وغیرہ آئے تو اسے اشیاء کے رجسٹر میں اندراج کیا جائے۔

☆ اشیاء کا رجسٹر بناتے وقت شعبوں کے اعتبار سے رجسٹر الگ الگ بنایا جائے مثلا: مسجد کے اشیاء، آفس کے اشیاء، درسگاہوں کے اشیاء، دار الاقامہ، دار الاساتذہ اور کھیل کود کے اشیاء، اور شفاخانہ، کتب خانہ کے اشیاء وغیرہ۔

چندہ کی دیگر مدات

(۱) عطیہ (۲) زکوۃ (۳) فطرہ وصدقہ ایصال ثواب (۴) چرم قربانی (۵) امدادی پیٹی چندہ (۶) تعمیری مد (۷) قرض کی مد (۸) بنک کا سود۔(۱)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس مدرسے میں متفرق مدوں میں چندہ آتا ہے، میں نے سب کے لئے متفرق تھیلیاں تیار کر رکھی ہیں، اور سب کا حساب جداگانہ ہر وقت صاف اور پاکیزہ رکھتا ہوں اور آمدنی اور یافتی کو لکھتا ہوں اگر چہ چند پیسے ہوں۔(۲)

---

(۱) معین المدارس:۱۳=۱۴، مفتی شاکر صاحب

(۲) تحفت المدارس:۲/ ۲۷۵، چندہ اور مدارس

☆ مدرسہ کے استاذ کو مقامی طور پر مدد کے لئے چندہ جمع کرنے کا کام سپرد کرنا مناسب نہیں، جب مدرس یہ محسوس کرکے کہ وہ اپنے بچوں کے سرپرستوں یا دوسرے مقامی اصحاب خیر سے صدقات جمع کرکے اپنی تنخواہ پوری کرنے کا اہتمام کررہاہے تو اس کی عزت نفس کو ٹھیس لگتی ہے، بعض اوقات چندہ دینے والوں کا سلوک بھی اچھا نہیں رہتا، اس سے استاذ کا وقار مجروح ہوتا ہے، بالآخر اس کا برا اثر ان بچوں پر پڑتا ہے جن کی تعلیم وتربیت اس استاذ سے متعلق ہے۔

☆ جب استاذ کو چندہ وصول کرنے کے لئے کلکتہ، ممبئی، مدراس، دلی یا کسی دوسرے ملک کو بھیجا جاتا ہے تو اس کو اس خدمت کا الگ سے معاوضہ دینا ضروری ہوجاتا ہے، اکثر اوقات یہ معاوضہ وصول کئے جانے والے چندہ میں سے فی صد٪ کمیشن کی شکل میں دیا جاتا ہے۔

کتاب النوازل میں ہے:

> ’’تنخواہ دار ملازم اگر چندہ کا پورا پیسہ لاکر مدرسہ کے فنڈ میں جمع کردے اور پھر مدرسہ حسنِ کارکردگی کی بنیاد پر امدادی فنڈ سے بطور حوصلہ افزائی کوئی متعین رقم اس ملازم کو دے تو اس کی گنجائش ہے، یہ چندہ پر کمیشن پر چندہ کے حکم میں نہیں ہے، دارالعلوم دیوبند میں بھی تنخواہ دار سفراء کے لئے انعام کی یہ صورت رائج ہے‘‘(۱)

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

> ’’جو شخص مدرسہ کا باتنخواہ ملازم ہو، وہ اگر مدرسہ کے لئے مالی فراہمی کا کام کرے اور اہلِ مدرسہ اس کو حسن کارکردگی پر کچھ رقم بطور انعام دیں تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، اب یہ انعام کتنا ہو اور کس حساب سے ہو؟

---

(۱) مستفاد: فتاوی محمودیہ: ۱۶/ ۶۲۴، ڈابھیل، ایضاح المسائل: ۱۲۲، چند اہم عصری مسائل: ۲۸۸، کتاب النوازل: ۱۴/ ۱۶۷، المرکز العلمی للنشر والتحقیق، لال باغ، مرادآباد

اس کا مکمل اختیار مہتمم اور کمیٹی کو ہے، بس یہ خیال رہے کہ وصول شدہ رقم کے نصف سے زائد نہ ہو، تاہم ان کے لئے بہتر یہ ہے کہ اس بارے میں کوئی ضابطہ بنالیں جو سب پر یکساں طور پر لاگو ہو؛ تاکہ انتظامیہ اور اساتذہ میں بداعتمادی نہ ہواور اگر مدرسہ کے لئے جو لوگ اس طرح مالی فراہمی کریں کہ وہ باتنخواہ ملازم نہ ہوں؛ بلکہ چندہ سے حاصل کردہ کمیشن ہی کو وہ بطور اجرت لیں تو یہ درست نہیں؛ اس لئے کہ اولا یہ اجرت مجہول ہے، یہ پتہ نہیں کہ کتنا اور کس قدر چندہ ہوگا؟ دوسرے یہ کہ مدارس کے سفراء مطلقا اسلامی حکومت کے سرکاری عاملین کے درجہ میں نہیں ہیں؛ بلکہ صرف بعض معاملات میں ان کے مشابہ ہیں'' (۱)

''لا یزاد علی نصف ما قبضہ'' (۲)

''وشرطھا کون الأجرۃ والمنفعۃ معلومتین'' (۳)

☆ بعض اوقات چندہ دہندگان کی مصالح کا تقاضا ہوتا ہے کہ رقم باقاعدہ رسید لئے بغیر دی جائے اور لینے والے چاہتے ہیں کہ ان رقموں کو بینک کے ذریعہ سرکاری شرح مبادلہ کے مطابق ہندوستان منتقل کرنے کے بجائے حوالہ کی شرح پر بے ضابطہ منتقل کیا جائے ، یہ تینوں باتیں حوالے کے ذریعہ بیرونی امداد کی ہندوستان منتقلی باقاعدہ رسید واندارج کی بغیر رقوم کی وصولیابی اور محصول کو وصول شدہ رقم میں سے کمیشن کے طور پر معاوضہ دینا یہ تینوں طریقے کرپشن اور اخلاقی فساد کا دروازہ کھولتے ہیں، بدنیتی سبب ہو یا خود غرضانہ تاویل نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ ان رقموں کا ایک حصہ مدرسہ تک نہیں پہنچتا۔ (۴)

---

(۱) مستفاد از: امداد المفتیین: ۴۶۱، کراچی، احسن الفتاوی: ۷/ ۲۸۴، معارف القرآن: ۴/ ۳۹۹، ایضاح النوادر: ۲/ ۵۳-۵۶ (۲) شامی: باب المصرف: ۲/ ۳۴۰، کراچی

(۳) شامی: ۵۱۶، کراچی، ۷/ ۹۰، زکریا، حوالہ سابق: ۱۴/ ۱۷۰، ۱۷۱

(۴) دینی مدارس مسائل اور تقاضے: ۸۷ تا ۸۹، نجات اللہ صدیقی

فضائل چندہ

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں:

غرض ضرورت ہے دین کی اور مدرسوں کی اسی ہیئات پر باقی رکھنے کی، آپ جو کچھ دیں اپنی ضرورت اور منفعت کی تحصیل کے واسطے دیں گے ہم پر کچھ احسان نہیں، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”فیأخذہ یمینه فیربیه، کما یربی أحدکم فلوہ حتی یکون أعظم من الجبل“ باری تعالی اپنے یمین میں لیتے ہیں جو کچھ دیا جاتا ہے، یمین کا لفظ متشابہات میں سے ہے، اس کے معنی اور تاویل سے تو اس وقت بحث نہیں مراد قبول ہے، اور باری تعالی کے ہاتھ میں کیسے نمونہ ہوگا جب زمین میں ڈالنے سے دانہ پہاڑ سے بڑا ہوجاتا ہے، اگر ایک کھجور کو بویا جائے اور پھر اس سے جتنے پھل پیدا ہوں ان کو بویا جائے اور ایسے حساب لگایا جائے تو یہ بات معلوم ہوسکتی ہے، اور میں کہتا ہوں کہ احد اعظم الجبال تھا، مدینہ میں اس واسطے آنحضرت ﷺ نے اس کی مثال دی ہے، ورنہ پہاڑ سے اور اس سے کیا نسبت؟

اہل مدارس کو مدرسہ سے قرض لینے کی جائز آسان صورت

عام طور پر مدارس اسلامیہ کے منتظمین ان کی مشکلات کی وجہ سے مجبور ہوتے ہیں اور خزانہ وقف سے قرض دینا درست نہیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے دارالعلوم دیوبند کے ارباب انتظام کو یہ مشورہ دیا کہ اس کام کے لئے الگ چندہ کرکے ایک قرضہ فنڈ کیا جائے اور اسی میں سے قرض دیا جائے اور پیش قدمی کرکے اپنی طرف سے پانچ سو روپیہ اس مد کے لئے دیئے۔(۱)

چندہ کی باقی رقم کو خرچ کرنے کے لئے چندہ دہندگان کی اجازت شرط ہے

بعض اوقات کچھ رقم چندہ کی بچ جاتی ہے، اسکو بھی منتظم خودخرد وبرد کرتا ہے یا اپنی رائے سے کسی دوسرے کام میں لگالیتا ہے، یادرکھو! کہ جو بچا ہے اگر یہ رقم دوسرے اشخاص

(۱) تحفت المدارس: ۲/۲۵۱، چندہ اور مدارس

کے رقم کے ساتھ مخلوط نہیں تھی تب تو خاص اسی کی ملک ہے، اسے اطلاع کر کے اجازت لینا چاہئے اور اگر بعض کا پتہ نہ ہو تو اس کے حصے کی رقم کا حکم مثل لقطہ کے ہے اور جو حصہ دار معلوم ہیں ان سے اجازت اور ان کی رضا حاصل کرنا ضروری ہے۔(۱)

مالِ وقف میں احتیاط کی ضرورت ہے

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ کا بہت مشہور مقولہ ہے کہ مجھے مدرسہ کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے اتنا کسی سے نہیں لگتا، اگر کوئی شخص کسی کے یہاں ملازم ہو وہ مالک سے کام میں کچھ کوتاہی کرے، خیانت کرے، کسی قسم کا نقصان پہنچائے، ملازمت سے علاحدہ ہوتے ہوئے یا مرتے وقت مالک سے معاف کرالے تو معاف ہوسکتا ہے؛ لیکن مدرسوں کا روپیہ جو عام غرباء اور مزدوروں کے دو دو پیسے، ایک ایک آنے کا چندہ ہوتا ہے ہم سرپرستان مدرسہ تو اس کے مالک نہیں امین ہیں، اگر اس کے اندر افراط وتفریط ہو تو ہم لوگوں کے معاف کرنے سے معاف ہو تو نہیں سکتا، اس لئے دوسرے کے مال میں ہم کو معافی کا کیا حق ہے؟ اتنا ضرور ہے کہ ہم اگر بمصالح مدرسہ چشم پوشی کریں تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ ہم سے درگذر فرمالے، لیکن اگر اپنے ذاتی تعلقات سے ہم لوگ تسامح کریں تو ہم بھی جرم کے اندر شریک ہیں؛ لیکن جرم کرنے والے سے کسی حال میں بھی معاف نہیں ہوسکتا کہ حقوق العباد ہے اور جن کا مال ہے وہ اتنے کثیر کہ ان سے معاف نہیں کرایا جاسکتا''(۲)

---

(۱) تحفت المدارس:۲/۲۵۲، چندہ اور مدارس

(۲) آپ بیتی، تحفت المدارس:۲/۲۵۵،۲۵۶ چندہ اور مدارس

چندہ کے بعض منکرات

بعض جگہ دوامی چندہ کا وعدہ کرنے والے کی موت کے بعد وارث اس چندہ کو جاری رکھتے ہیں اور اہل مدارس اس کی تحقیق نہیں کرتے کہ ان لوگوں نے اپنی ملک خاص سے جاری رکھا ہے یا ترکہ مشترکہ سے اور اس ترکہ مشترکہ میں کوئی یتیم یا غائب یا غیر راضی کی ملک تو نہیں شریک ہے، اسی طرح میت کے کپڑوں کو مدرسہ میں لیتے وقت ان کے ورثاء اور ان کے بلوغ و رضا کی تحقیق نہیں کی جاتی۔

چندہ کی جائز صورتیں

۱) ہاں چندہ کا ایک طریقہ جائز یہ ہے کہ مسلمانوں کو اطلاع کردو کہ فلاں جگہ مدرسہ ہے اور فلاں شخص کے پاس اس کے لئے چندہ جمع ہو رہا ہے جس کا جی چاہے وہاں اپنی رقم جمع کرے۔

۲) جس کام کے لئے چندہ کی ضرورت ہو صرف اس کام کی عام اطلاع کردینا کافی ہے، اس پر اگر کوئی اعانت قبول کرے ورنہ علماء کو امراء کے دروازوں پر جاکر ان سے سوال کرنا نہایت ناپسندیدہ بات ہے۔(۱)

۳) اور یہ کبھی نہ خیال کیا جائے کہ اس طرح کون دیتا ہے، یہ خیال غلط ہے جتنا آنا ہے آتا ہے اور اس کا کامل تجربہ ہو چکا ہے، ہرگز وسوسہ نہ کیا جائے۔(۲)

چندہ وصول کرنے کی شرائط

۱) اسی موقع پر ایک اور امر کو جو کہ ہدیہ صدقہ وغیرہ میں مشترک ہے، سمجھ لینا چاہئے کہ ہدیہ صدقہ چندہ قرض وغیرہ حرام مال سے نہ ہونا چاہئے، اگر کوئی حرام مال سے دینا چاہے تو صاف انکار کردے۔

۲) دوسرا امر یہ ضروری ہے کہ وسعت سے زیادہ نہ لے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے کسی سے وسعت سے زیادہ نہیں لیا سوائے ان لوگوں کے جن پر حضور ﷺ کو پورا اطمینان

---

(۱) ملفوظات حکیم الامت (۲) تجدید تعلیم تبلیغ

تھا کہ ان کی قوت توکل کامل ہے جیسے حضرت صدیق اکبر کو کہ حضور ﷺ نے ان کا کل سرمایہ قبول فرمالیا۔

۳) ایک شرط یہ ہے کہ چندہ دینے والے کی طبیعت پر گرانی نہ ہو یعنی ایسے طریقے سے بچے جن میں دینے والے کی طبیعت پر بار پڑنے کا احتمال ہو؛ کیوں کہ حدیث میں ہے "لا یحل مال امری مسلم إلا بطیب نفسہ" (دلی رضامندی کے بغیر کسی کا مال حلال نہیں)۔

۴) ایک شرط یہ ہے کہ (چندہ لینے میں) اپنی ذلت نہ ہو؛ کیوں کہ بعض طریقے ایسے بھی چندہ لینے کے ہیں کہ ان میں دینے والے پر تو بار نہیں ہوتا؛ مگر لینے والا نظروں سے گر جاتا ہے، حدیث شریف میں جو سوال کی ممانعت آئی ہے، وہ اسی بناء پر ہے اور اسی وجہ سے جہاں نہ گرانی ہو اور نہ ذلت ہو وہاں حاجت کے وقت طلب کرنا درست ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ اگر یا تو صلحاء سے مانگو یا بادشاہ سے مانگو۔

خلاصہ یہ کہ یا تو اہل اللہ سے مانگو یا بہت بڑے امیر سے مانگو۔(۱)

چندہ کے حلال ہونے کی اصل شرط

حضرت تھانوی نے فرمایا: اگر کسی قسم کا بھی دباؤ ہو تو میں اس چندہ کو حلال نہیں سمجھتا؛ کیوں کہ حدیث شریف میں یہ حکم صاف طور پر موجود ہے کہ "لا یحل مال امری مسلم الا بطیب نفسہ" (۲) (یعنی کسی انسان کا مال بغیر اس کی دلی رضامندی کے حلال نہیں)۔

دیکھئے حضور اکرم ﷺ "لا یحلّ" فرمارہے ہیں، پھر ایسا چندہ کیسے حلال ہوسکتا ہے، پھر حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ چندہ دینا ناگوار نہ ہونا چاہئے، گو ریاء کے طور پر سے ہی دینا ہو؛ کیوں کہ ریاء کی صورت میں طیب خاطر (دلی رضامندی) تو ہوتی ہے، جس سے وہ رقم حلال ہوجاتی ہے؛ لیکن ریاء کی وجہ سے عمل مقبول نہیں ہوتا۔(۳)

---

(۱) تجارت آخرت: ۵۹ (۲) مسند احمد

(۳) الأفاضات الیومیۃ

زبردستی چندہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا: بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ مساجد اور مدارس کے لئے زبردستی چندہ وصول کرتے ہیں جو اس سے بھی بدتر ہے، اس واسطے کہ اگر اپنے نفس کے لئے کرتا تو اپنے کو دینی نفع پہنچتا اور جب حق تعالیٰ کے لئے ایسے کیا تو خدا تعالیٰ بھی راضی نہ ہوئے اور اپنے پاس بھی نہ رہا پس ''خسر الدنیا والآخرۃ'' ہوگیا کہ نہ خود منتفع ہوا اور نہ خدا راضی ہوا اور یہ حرام اس لئے ہے کہ حدیث میں ہے کہ ''لا یحل مال امری مسلم إلا بطیب نفسہ'' بعض لوگ کہتے ہیں کہ ''لا یحل'' اس جگہ مرتبہ حرمت میں مستعمل نہیں؛ لیکن اس دعوی کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں (۱)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

آج کل چندہ کی حالت یہ ہے کہ لوگ ایسے اس کے پیچھے پڑتے ہیں کہ فنا فی الچندہ ہوگئے ہیں، نہ جائز کو دیکھتے ہیں نہ ناجائز کو بس چندہ ہونا چاہئے اور جب کوئی ان سے کہے کہ چندہ میں یہ خرابیاں ہیں تو وہی جواب یہاں بھی ملتا ہے جو اس کھانے والے نے دیا تھا کہ سارے کام تو آج کل مالی قوت پر موقوف ہیں، اور مالی قوت کا مدار چندہ پر ہے، تو سارے کام موقوف ہوئے چندہ پر اور تم اس سے منع کرتے ہو۔

نظام چندہ کی موجودہ زمانے میں ایک خاص افادیت

اب جب کہ بڑی بڑی ریاستیں خواب وخیال بن چکی ہیں، زمینداریاں ختم ہوگئی ہیں، مگر کشمیر سے آسام تک ہزاروں مدرسے چل رہے ہیں، اور ان پر حکومت کی تبدیلیوں کا کوئی اثر نہیں ہے، اس سے عوامی چندے کی افادیت اور مدارس کی بنیادوں کے استحکام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اوقاف کے سابقہ طریقے کے بجائے عوامی چندے کا یہ طریقہ بہت کامیاب اور بڑا نتیجہ خیز ثابت ہوا، دینی مدارس کے قیام اور دینی تعلیم کی نشر واشاعت کے لئے یہ ایک ایسا مفید

---

(۱) دعوات عبدیت، تحفۃ المدارس: ۲/۲۵۹

اور مستحکم طریقہ تھا جس نے دینی تعلیم کے فروغ کو عوامی چندے کی تحریک میں تبدیل کردیا، چندے کی نسبت دارالعلوم کا شروع سے طئے شدہ اصول ہے کہ اس میں نہ تو چندے کے لئے کوئی لازمی مقدار مقرر کی گئی ہے، نہ مذہب وملت کی تخصیص روا رکھی گئی ہے، چندے کی اس دفعہ کے الفاظ یہ ہیں: ''چندے کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے اور نہ خصوصیت مذہب وملت ہے'' (۱)

(۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند، تحفت المدارس: ۲/ ۲۸۰ چندہ اور مدارس

دینی تعلیم کے لئے حکومتی امداد

فی نفسہ دینی تعلیم کے مقصد سے حکومت سے امداد لینا جائز ہے، اور حکومت کی طرف سے ملنے والی امداد جس مد کے لئے ہو، اس میں صرف کی جائے، اگر بچوں کے لئے ہے تو ان پر خرچ کیا جائے اور اگر اساتذہ کی تنخواہ کے لئے ہے تو ان کی تنخواہ میں استعمال کی جائے، لیکن ''مدارس عربیہ اسلامیہ'' جن کا مقصد علم دین کی ترویج وتعلیم اور دین اسلام کی نشر واشاعت ہے، ان میں ہمارے اکابرین نے حکومت کی امداد لینے کو پسند نہیں فرمایا؛ تاکہ دینی مقاصد میں حکومت کی مداخلت کا امکان نہ رہے، اس لئے اہلِ مدارس کو حکومت کی امداد لینے سے احتیاط کرنا چاہئے۔

حکومتی امداد سے بچایئے

دارالعلوم دیوبند کے قدیم دستور اساسی میں قیام دارالعلوم کے مقاصد کو پانچ دفعات میں بیان کیا گیا ہے، ان میں چوتھی دفعہ ہے۔

''حکومت کے اثرات سے اجتناب واحتراز اور علم وفکر کی آزادی کو برقرار رکھنا'' اس لئے ہمارے اکابر واسلاف رحمہ اللہ نے کبھی کوئی مدد طلب نہیں کی، مدد طلب کرنا تو دور کی بات ہے، کبھی پیش کی گئی تو اس کو قبول نہیں کیا، مالی تعاون کا یہ سلسلہ برطانوی دور حکومت سے جاری ہے، پچھلے سالوں میں اس طرح کی کوششیں تیز ہوگئیں تھیں، چنانچہ رجب ۱۴۱۹ھ میں رابطہ مدارس اسلامیہ کا کل ہند اجتماع دارالعلوم دیوبند میں منعقد ہوا، اور مدارس اسلامیہ کے لئے حکومتی امداد کے مسئلے پر غور وخوض ہوا اور اتفاق رائے سے سرکاری امداد سے احتراز کی

تجویز منظور کی گئی، مدارسِ اسلامیہ کے ذمہ داران کو تاکید کی گئی کہ اس طرح کی سازشوں سے ہوشیار رہیں اور حکومت سے کسی طرح کا مالی تعاون حاصل کرنے سے احتراز کریں۔

بعد ازاں حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب نور اللہ مرقدہ، سابق مہتمم دار العلوم دیوبند و سابق صدر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کی جانب سے رابطہ مدارس اسلامیہ سے مربوط اور غیر مربوط تمام مدارس اسلامیہ (جن کے پتے دستیاب ہو چکے) درج ذیل مکتوب ارسال کیا گیا، جس میں سرکاری امداد کے نقصانات اور مضر اثرات کو بیان کیا گیا، اور اس سے اجتناب کی اپیل کی گئی۔

اسلامی مدارس میں سرکاری امداد کے مضر اثرات

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ برصغیر میں قائم اسلامی مدارس نے علوم اسلامیہ کی حفاظت واشاعت، اسلام کے بقاء وتحفظ، مسلمانوں کے درمیان اسلامی اقدار وروایات اور دینی ثقافت کے فروغ اور ملک وملت کی قیادت وسیادت کے حوالے سے نہایت ہی قابل قدر اور زریں خدمات انجام دی ہیں۔

ان مدارس نے اکابر رحمہم اللہ کے مقرر کردہ منہاج کی روشنی میں توکل علی اللہ کے قیمتی سرمایہ کے ساتھ، عوامی تعاون کے ذریعے، پوری فکر آزادی کو قائم رکھتے ہوئے اپنے مشن کو جاری رکھا ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دار العلوم دیوبند کے لئے طئے فرمودہ، اپنے الہامی اصول ہشت گانہ میں ارباب حکومت کی ہر سطح کی امداد سے اجتناب کی تاکید فرمائی اور اسے مضر قرار دیا ہے، اور ہر دور میں اکابر و ارباب مدارس ہی اسی اصول کی پیروی کرتے رہے؛ اس لئے انہوں نے کبھی حکومتِ وقت سے کوئی مالی امداد طلب نہیں کی، کبھی امداد کی پیش کش کی گئی تو قبول نہیں کیا، اس نظریئے کی بنیاد یہ ہے کہ حکومت کی امداد سے مندرجہ ذیل نقصانات کا پیدا ہو جانا یقینی امر ہے۔

۱- پہلی بات یہ ہے کہ اسلام میں حصول علم کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے اور علم دین

کو دنیوی مقاصد اور مفاد کے لئے حاصل کرنے پر شدید وعید کا ذکر کیا گیا ہے، اگر سرکاری امداد حاصل کی جائے تو علم دین حاصل کرنے والوں کی نیت کو محفوظ رکھنا مشکل ہو جائے گا۔

۲- دوسری بات یہ ہے کہ علماء کی ذمہ داریاں بے شمار ہیں، انہیں تعلیم و تربیت کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا فرض بھی ادا کرنا ہے، مسلمانوں کی دینی قیادت بھی کرنی ہے، اس لئے کسی کی داد و دہش کا مرہونِ منت ہونا ان کے فرض منصبی کی ادائیگی میں حارج ہوسکتا ہے۔

۳- سرکاری امداد قبول کرنے کا ایک کھلا ہوا نقصان جو مشاہدے میں آرہا ہے، یہ ہے کہ کتنے ہی مدارس اس امداد کو قبول کرنے کے بعد اپنی تعلیمی و تربیتی کارکردگی باقی نہیں رکھ سکے، اور عوامی جواب دہی سے بے نیازی کے تصور نے ان کو یکسر معطل اور بے کار بنا دیا ہے۔

۴- پھر آزاد ہندوستان میں اب تک تجربات کے تحت اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ ارباب حکومت سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ اسلام یا مذہبی تعلیم کی سربلندی کے لئے تعاون کریں گے؟

موجودہ صورت حال یہ ہے کہ ملک کے بہت سے صوبوں میں مدرسوں کو امداد دینے والے سرکاری بورڈ پہلے سے موجود ہیں، جن کے تحت بہت سے مدرسے حکومت کی امداد حاصل کر رہے ہیں، بعض اور صوبوں میں حال ہی میں مدرسہ بورڈ اور ترقیاتی فنڈ برائے مدارس کا قیام کا فیصلہ کیا گیا ہے، بعض صوبوں میں دینی مدارس کے رجسٹریشن کو لازمی قرار دے کر ان کی امداد اور ان میں سدھار کے نام پر نصاب میں تبدیلی کی بات کی جارہی ہے، جن کے پس پردہ حکومت کے اپنے مقاصد ہیں، کیوں کہ کسی خاص فرقے کی مذہبی تعلیم وثقافت کو فروغ دینے کے لئے سرکاری مالی امداد دینا، آئینی اعتبار سے حکومت کے دائرہ عمل سے باہر ہے، پھر بھی حکومت کی اس معاملے میں یہ فراخ حوصلگی دور رس مقاصد کے تحت ہی

ہے، اس لئے ہمیں سمجھنا چاہئے کہ یہ ایک زرین دامِ فریب ہے، جو مدارس اسلامیہ میں مداخلت کی راہ نکل آئے اور اس کے بعد آسانی سے ان کی علمی وفکری آزادی کو سلب اور ان کے مذہبی ودینی کردار کو ختم کردینے کا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر ہوجائے۔

اس وقت عالمی سطح پر اسلامی تعلیم کے خلاف صہیونیوں کے منصوبے کے تحت تیار کردہ سازش کو زور وشور سے روبہ عمل لانے کی کوشش کی جارہی ہے، تاکہ اسلامی تعلیم کے نظام کو اس طرح مفلوج کردیا جائے کہ اس سے صرف نام ونہاد اور جذبہ دین وفہمِ دین سے عاری علماء تیار ہوں، ہمارے ہاں حکومتی مشینری پر پر تشدد طبقے کے چھاجانے کی وجہ سے مدارس کے سلسلے میں جو خطرات پیدا ہوچکے ہیں، اور حکومت اور ذمہ داران حکومت کے بیانات اور طرزِ عمل سے جو یقینی خدشات جنم لے رہے ہیں، انہیں بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

ان حالات کا تقاضا یہ ہے کہ اسلامی مدارس کی آزادی کے تحفظ، نظام تعلیم وتربیت کو فعال بنائے رکھنے، مدارس کو حکومت کے دامِ فریب سے محفوظ رکھنے اور ان کے دینی منہاج اور اسلامی کردار وتشخص کی حفاظت وبقاء کے لئے مؤثر تدابیر اختیار کی جائیں، اور ان مقاصد کے حصول کے لئے ہر طرح کی حکومتی امداد سے مکمل احتراز کیا جائے۔(۱)

مدارس اور حکومتی امداد کے نقصانات

اگر حکومت یہ سلسلہ شروع کرتی ہے اور مدرسین اسے قبول کرتے ہیں تو علماء کرام اس کے نتیجے میں درج ذیل خطرات اور اندیشے محسوس کررہے ہیں، اور انہی خطرات کے مدنظر اس پیشکش کو قبول کرنے سے ائمہ ومؤذنین کو منع کیا جارہا ہے۔

۱- مدرسین کا تقرر علم دین اور ورع وتقوی کے بجائے رشوتوں اور سفارشوں کی بنیاد پر ہوگا۔

۲- مدرسین کے تقرر میں سیاسی وابستگی دیکھی جائے گی۔

---

(۱) مدارس اسلامیہ، حقیقی کردار اور نصب العین تحفظ، تجاویز اور مشورے،: ۴۳=۴۶، مرکزی دفتر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند

۳- تقرر میں صلاحیتوں کے بجائے سرکاری عہدیداروں اور قریبی تعلقات کو اہمیت دی جائے گی۔

۴- مدرسین اسلام کی ترجمانی کے بجائے حکومتِ وقت کی ترجمانی کرنے لگیں گے، بوقت ضرورت شرعی رہنماء کے بجائے حکومت وقت کی رعایت ملحوظ رکھی جائے گی۔

۵- مدرسین کے حکومت کے تنخواہ لینے کے نتیجہ میں مساجد کا روحانی نظام اور ان کا تقدس یقینا متاثر ہوگا۔

۶- معلم اور عالم دین کی حیثیت مذہبی قائد کے بجائے سرکاری ملازم کی ہوجائے گی۔

۷- عوام سے علماء کا رابطہ منقطع ہوجائے گا جو کہ دینی حیثیت سے ان کے لئے تباہی کے مترادف ہوگا۔

۸- مدرسین اپنی خدمت میں وقت کی پابندی کو ضروری خیال نہیں کریں گے، چونکہ وہ مدرسہ کے منتظمین کو جوابدہ نہ ہوں گے، پھر مدارس کا بھی وہی حشر ہوگا جو سرکاری اسکولوں میں دیکھا جارہا ہے، تجربہ ہوچکا ہے کہ دینی مدارس میں اساتذہ کو حکومت سے تنخواہیں مل رہی ہیں، وہاں مدارس کا نظام درہم برہم ہوچکا ہے۔

۹- مدرس بننے کے لئے جعلی سندوں کا سہارا لیا جانے لگے گا جو اسلامی نقطہ نظر سے بدترین گناہ ہے۔

۱۰- نا اہل افراد سفارش اور جعلی سندوں کے ذریعہ منصب تدریس حاصل کریں گے جو بہت بڑا نقصان ہے۔

۱۱- ایک مدرسے کی مدرسی کے لئے دو امیدوار ہوں گے تو ان میں مخاصمت پیدا ہوگی حتی کہ رسہ کشی کی نوبت آجائے گی، پھر علماء کے درمیان عدالت بازی کا سلسلہ شروع ہوگا۔

۱۲- حکومتیں بدلتی رہتی ہیں، کوئی ضروری نہیں کہ ہر حکومت ائمہ ومؤذنین کی تنخواہوں کو بحال رکھے، تنخواہوں کے حکومت کی جانب سے موقوف کردینے پر دوبارہ عوام سے

چندہ اکھٹا کرنا مشکل ہوجائے گا، عوام میں جب نہ دینے کا مزاج بن جائے گا تو دوبارہ دینے کا مزاج بنانا مشکل ہوگا،

۱۳- حکومت جب تنخواہوں میں تاخیر کرے گی تو مدرسین احتجاج کریں گے، سڑکوں پر اتر آئیں گے، ریالیاں نکالیں گے، ہر سال اضافہ کے لئے باقاعدہ مدارس مدرسین یونین تشکیل پائے گی اور یہ سب منصب امامت کے تقدس کے خلاف ہے۔

۱۴- حکومت جب تنخواہ دے گی تو مدرسین مدرسہ کے پابندیٔ وقت کا نگراں کون ہوگا؟ منتظمین مدرسہ کی حیثیت کیا ہوگی؟ اگر مدرسہ کی انتظامیہ کی توسط سے تنخواہ دی جائے گی تو حساب وکتاب کے حوالہ سے انتظامیہ اور عملہ کے درمیان شکایت ہوگی، اس سے بھی عدالت بازی اور یونین سازی کی نوبت آئے گی۔

۱۵- مدرسین سفارش کے حصول کے لئے دنیاداروں، وزیروں، آفیسروں کے دفتروں کے چکر کاٹنے پڑیں گے۔

۱۶- سرکاری دفاتر میں جس طرح کام چوری ہوتی ہے، اسی طرح مدارس کی خدمات میں بھی کام چوری کا رواج چل پڑے گا۔

۱۷- ہندوستانی مسلمان مذہبی خدمات کو اپنا فریضہ سمجھے ہوئے ہیں اور وہ اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی سنبھال رہے ہیں، جو پوری دنیا میں اپنی مثال آپ ہے، اس جذبہ اسلامی اور غیرت ملی کا بقاء اسی طرح کام چلتے رہنے میں ہے۔

۱۸- مدارس پر جب عوامی سرپرستی رہے گی یہ نظام روحانیت کے ساتھ چلتا رہے گا، اور جب سرکاری سرپرستی کا آغاز ہوگا تو مدارس کا نظام پر مادیت کا غلبہ ہوجانے لگے گا۔(۱)

مدرسہ قدوسیہ اور حکومتی امداد

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ گنگوہ میں مدرسہ قدوسیہ تھا، اس کے مہتمم حکیم محمد یوسف صاحب تھے، مولانا زکریا صاحب قدوسی وہیں

(۱) مولانا مصدق صاحب قاسمی، ماہنامہ ضیاء علم، مجلس علمیہ، حیدرآباد، بابتہ ماہ اکتوبر ۲۰۱۵ء

کے پڑھے ہوئے تھے، گنگوہ کا نوجوان طبقہ اٹھا، اور کہا کہ مدرسہ ہم چلائیں گے، چنانچہ حکیم محمد یوسف صاحب نے مدرسہ کے تمام حسابات وغیرہ صاف کر کے ان کے حوالہ کر دیئے۔

نوجوانوں نے اپنے ہاتھوں میں لیتے ہی کہا کہ فلاں چیز برابر نہیں ہے، فلاں چیز برابر نہیں، اس کو ٹھیک کرنا چاہئے، پیسہ پاس نہیں تھا، اس لئے طئے ہوا کہ حکومت سے مدد لینی چاہئے، چنانچہ مدد لی گئی، حکومت کی طرف سے آدمی آتا تھا، اور حسابات چیک کرتا تعلیم کا معائنہ کرتا تھا، حکومت کی طرف سے ممتحن آیا اور سب طلباء کو فیل کر کے اساتذہ کو نااہل قرار دے دیا، حکومت کے مدرسین آئے، نتیجہ یہ ہوا کہ کل دیڑھ سال میں ہی وہ مدرسہ بند ہو گیا، اب اس کی دیواریں منہدم پڑی ہیں۔

مدارس میں سرکاری اور غیر مسلم کا مال صرف کرنے کا حکم

دینی مدارس اللہ تعالیٰ پر توکل اور عامۃ المسلمین کے تعاون سے چلتے ہیں، جن مدارس نے حکومت سے وظائف لینا شروع کیا ہے، وہ کبھی آزاد مدارس سے آگے بڑھ کر ترقی نہیں کر پائے، اس لئے دینی مدارس کا حکومت سے ملحق ہو کر وظائف حاصل کرنا روحانی ترقیات پر روک لگاتا ہے، اس لئے حکومت سے ملحق کرنا مناسب نہیں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وَعَسٰى أَن تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى أَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لاَ تَعْلَمُوْنَ (١)

مدرسہ کے لئے غیر مسلموں کا چندہ لینا

کیا مدرسہ کے لئے غیر مسلم ہندوؤں کا چندہ لیا جا سکتا ہے:

اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل کو اہل اسلام پر احسان رکھیں گے اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہل اسلام ان کے ممنون ہو کر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے تو اس شرط سے قبول کرنا جائز ہے۔

”وأما الإسلام فليس من شرطه، فصح وقف الذمی بشرط

(١) البقرة:٢١٦

کونہ قربۃ عندنا وعندہم‘‘(۱)

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

’’اگر کوئی غیر مسلم اپنی خوشی سے مدرسہ کے لئے چندہ دینا چاہتا ہے، اور کسی مضرت کا اندیشہ نہیں ہے، تو اس کو مدرسہ کی ضروریات میں چاہے تنخواہوں میں یا تعمیر یا مطبخ یا کسی بھی ضرورت میں خرچ کرنا جائز ہے‘‘(۲)

مٹھی فنڈ کا نظام

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ تعالی نے مالیات کے سلسلے میں فرمایا کہ ہم نے دعوۃ الحق کا جب سلسلہ شروع کیا تو چٹکی کا فنڈ قائم کیا، اور ’’چٹکی کا قاعدہ اور چٹکی کا فائدہ‘‘ کے عنوان سے پرچہ شائع کیا ہے، پہلے اس کو ایک گاؤں میں شروع کیا، چند گھروں میں ڈبے رکھنے کے بعد ایک غریب بڑھیا کا گھر چھوڑ دیا گیا؛ کیوں کہ یہ بہت مفلس اور نادار تھی، لیکن جب اسے پتہ چلا کہ اور گھروں میں آٹا وصول کرنے کے لئے ایک خاص نظام کے تحت ڈبے رکھائے گئے ہیں، یا ہانڈیاں مٹی کی رکھائی گئی ہیں اور گھر والی عورتیں کھانا پکاتے وقت ایک مٹھی آٹا اس میں ڈال دیں گی اور ہفتہ بھر جو آٹا اس طرح جمع ہوگا وہ قرآن پاک کے مدرسہ چلانے کے لئے استاذ کی تنخواہ اس کی قیمت سے دی جائے گی تو وہ بڑھیا شام کو حاضر ہوئی اور مدرسہ کے ناظم سے درخواست کی کہ ہمارے یہاں بھی ہانڈی یا ڈبہ رکھ دیجئے مجھے اس ثواب سے محروم نہ کیجئے، جس وقت ہمارے یہاں کھانا پکے گا ہم بھی ایک مٹھی آٹا ڈال دیں گے اور جس وقت فاقہ ہوگا نہ ڈالیں گے۔

اس بڑھیا کے خلوص سے اہل مدرسہ اور پورا گاؤں بہت متاثر ہوا اور ان بڑی بی کے یہاں بھی چٹکی فنڈ کا نظام قائم کر دیا گیا۔

---

(۱) البحر الرائق: کتاب الوقف کوئٹہ: ۵/ ۸۹، بحوالہ فتاوی قاسمیہ: ۱۹/ ۱۳۳

(۲) فتاوی قاسمیہ: ۱۹/ ۱۳۳

ارشاد فرمایا کہ اس چٹکی کی برکت سے ہر گاؤں کے مدرسے مقامی امداد سے چل رہے ہیں، باہر سے امداد کو خلاف غیرت سمجھتے ہیں، اور ایسے گاؤں جہاں کہ جمعہ جائز نہیں وہاں سات سو آٹھ سو روپیئے کا آٹا فروخت ہوتا ہے اور تین چار اساتذہ کر رہے ہیں، ابتدائی دور میں چٹکی فنڈ سے سات سو روپیئے کی وصولی تھی، لیکن اب یہ کام نظم سے چلایا گیا تو دعوۃ الحق کے تمام مدارس جن کی تعداد ستر سے زائد ہے، سب جگہ چٹکی فنڈ کی آمدنی تقریبا پچپن ہزار روپیئے تک ہے، ہر گھر سے آٹا وصول کرنے کے لئے محصل بھی مقرر ہیں اور ان کو معقول تنخواہ دی جاتی ہے۔

چٹکی فنڈ سے کسی گھر کو بار بھی نہیں محسوس ہوتا اور اچھا خاصا کام چلتا ہے اور غریب گھرانوں کو بھی دین کی خدمت کی سعادت حاصل ہوجاتی ہے، ہر ماہ نقد دینا تو دو روپیہ بھی کھلتا ہے؛ مگر انہیں گھر سے ماہانہ پانچ روپیئے کا آٹا وصول ہوجاتا ہے۔(۱)

چندہ خاص طور سے غرباء سے

مولانا مملوک علی صاحب (سابق نائب مہتمم دار العلوم دیوبند) سے مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت شیخ العرب والعجم شیخ الہند مولانا محمود صاحب رحمہ اللہ کے سامنے کسی نے یہ اشکال پیش کیا کہ مدارس اسلامیہ کے لئے چندہ کرنے میں بہت سے منکرات پیش آتے ہیں، لوگوں میں علم وعلماء کی تحقیر پیدا ہوتی ہے اور چندہ نہ کریں تو ان مدارس کا کام کیسے چلے؟ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: چندہ کرو مگر غریبوں سے۔

حضرت نے یہ روایت نقل کر کے فرمایا کہ یہ بالکل صحیح ہے کہ غریب لوگ چندہ جمع کرنے والے علماء کو حقیر نہیں سمجھتے، تعظیم کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور جو کچھ دیتے ہیں، خوش دلی کے ساتھ دیتے ہیں، جس میں برکت ہی برکت ہوتی ہے، اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غریبوں سے چندہ ملے ہی گا کتنا؛؟ مگر یہ خیال اولاً تو یوں غلط ہے کہ دنیا میں ہمیشہ غریبوں کی تعداد مالداروں سے زیادہ رہی ہے، اگر سب غریب آدمی ایک ایک آنہ دینے لگیں تو لاکھوں

---

(۱) مجالس ابرار، تحفت المدارس: ۲/ ۲۸۵ چندہ اور مدارس

کی رقم جمع ہو جائے گی، دوسری بات یہ ہے کہ اگر فی الواقع چندہ کم وصول ہو تو کام کو اسی پیمانہ پر کرو زیادہ نہ بڑھاؤ، کیا ضروری ہے کہ قدرت سے زیادہ بار اٹھایا جائے۔(۱)

ایک شخص کہنے لگے کہ امراء سے تعلق رکھے بغیر مدارس وغیرہ کا کام نہیں چلتا، میں نے کہا: ”انا عند ظن عبدی بی“ (میں اپنے بندہ کے گمان کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں) چونکہ تمہارا یہی خیال ہے تو تمہارا کام نہ چلتا ہوگا۔

اگر اہل علم استغناء اختیار کر لیں تو تمام امراء ان کے دروازوں پر آنا شروع کر دیں، میں اہل مدارس کو چندہ کرنے سے منع نہیں کرتا؛ لیکن میں دو چیزیں ضروری قابل التزام سمجھتا ہوں ایک تو یہ کہ چندہ کا خطاب عام ہو کسی خاص تحریک سے نہ کیا جائے، دوسرے یہ کہ (چندہ کی تحریک) صرف غرباء سے کی جائے اور غرباء سے مراد مفلس (غریب) نہیں: بلکہ مخلص امراء بھی ان میں داخل ہیں، امراء (مالداروں) میں بھی ہر قسم کے لوگ موجود ہیں، اہل دنیا بھی اور اہل دین بھی سو یہ مسکنت مال کی نہیں: بلکہ وہ مسکنت تواضع اور خلوص کی ہے اور ایک مسکنت ”ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ“ کا مصداق ہے، تو یہ مسکنت عتاب ہے۔

اسی طرح فقر دو طرح کا ہے، ایک فقر اختیاری جس کی حقیقت زہد ہے اور ایک فقر اضطراری یہ عذاب ہے (الافاضات الیومیۃ)۔(۲)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

”غرباء کے چندہ کی قدر کرنی چاہئے، اور ان پر ہنسنا نہیں چاہئے، کیوں کہ یہ بڑا جرم ہے، تعزیرات الہیہ کا، چونکہ ارشاد باری عز وجل ہے: الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (التوبۃ: ۷۹) شان نزول اس آیت کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ

---

(۱) تجارت آخرت

(۲) تحفۃ المدارس: ۲/ ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، چندہ اور مدارس

حضور اکرم ﷺ نے چندہ کی ترغیب دی تھی تو حضرت عبد الرحمن بن
عوف اتنا لائے کہ اٹھ بھی نہ سکے، اور ایک صحابی جو کے دانے لائے،
منافقین دونوں پر ہنسے ایک کو ریاکار اور ایک کو بے شرم کہا''(۱)

اگر علماء چندہ چھوڑ دیں

فرمایا: چندہ کرنا علماء کا کام نہیں، یہ کام دنیا والوں کا ہے، علماء اس طرح نہیں کر سکتے اور جو ایسا کرتے ہیں اچھا نہیں کرتے، اس کا انتظام سب مسلمانوں کے ذمہ ہے، ہم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ کام بھی کریں اور بھیک بھی مانگیں، فرمایا: میں تو چندوں کی بابت علماء کا زبان سے کہنا بالکل پسند نہیں کرتا، لوگ بڑی تہمتیں لگاتے ہیں، بالکل یہ سمجھتے ہیں کہ کھانے کمانے کے لئے مولویوں نے مدرسے کھول رکھے ہیں، ان کے دروازہ پر چندہ کے لئے نہ جائیں۔

واللہ اگر علماء آج دستکش ہو جائیں جیسا کہ اہل حق بحمد اللہ ہیں تو یہ بڑے بڑے متکبرین ان کے سامنے سر تسلیم خم کریں؛ بلکہ علماء کے لئے تو یہ مناسب ہے کہ اگر کوئی دنیا دار ان کے سامنے کوئی چیز بھی پیش کرے تو لینے سے انکار کر دیں، علماء کا وجود فی نفسہ ایسا محبوب تھا کہ اگر یہ کسی کے گھر چلے جاتے تو اس دن عید ہونی چاہئے تھی، حالانکہ آج وہ دن یوم الوعید ہو جاتا ہے، اور وجہ اس کی یہی ہے کہ ان طماعوں کی بدولت ہر عالم کی صورت دیکھ کر یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ کچھ مانگنے آئے ہوں گے، علماء کی تو وہ حالت ہونی چاہئے کہ مال اور جاہ دونوں کو آگ لگا دو، اگر تم ان امراء کے دروازہ پر جانا چھوڑ دو تو یہ خود تمہارے دروازے پر آئیں گے۔

چندہ کی ناپسندیدہ تدبیر

فرمایا: آج کل لوگ چندہ جمع کرنے ایک یہ تدبیر کرتے ہیں کہ اہل ثروت کو دعوت دیتے ہیں، پھر ان سے مجلس میں سب کے سامنے چندہ کرتے ہیں، یہ طریقہ ناجائز ہے، اور اس کے ذریعہ ملنے والی رقم حرام ہے، کیوں کہ مجلس میں شریک ہونے والا نہ دینے میں اپنی سبکی محسوس کرتا ہے۔ ''لا یحلّ مال امرءٍ مسلم إلا بطیب نفس منه''۔

---

(۱) تحفت المدارس: ۲/ ۲۹۰ چندہ اور مدارس

علماء کرام چندہ ہرگز نہ کریں

حکیم الامت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مولویوں کے چندے سے تو دین کی بڑی بے وقعتی ہورہی ہے، عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا دھندا اپنے پیٹ کے لئے کیا جارہا ہے، اس لئے میری رائے یہ ہے کہ علماء کو چندہ کا کام ہرگز نہ کرنا چاہئے، بلکہ جو کام دین کا کرنا ہو اس کے لئے قوم کے معزز آدمیوں کو جمع کر کے یہ کہہ دیا جائے کہ صاحبو! دین کی حفاظت کے لئے اس کام کی ضرورت ہے، آپ بھی غور کرلیں کہ اس کی ضرورت ہے یا نہیں، اگر وہ ضرورت کو تسلیم کرلیں تو ان سے کہا جائے کہ سب مل کر اس کا انتظام کریں، علماء اصل کام کریں اور معززین روپیہ کا انتظام کریں اور روپیہ بھی جمع کردیں اور اگر وہ یہ کہیں کہ یہ کام ضروری نہیں فضول ہے تو علماء کو چندہ کی ضرورت نہیں بس وہ کام بند کر کے اپنے گھر پر رہیں اور تجارت وزراعت یا کسی اور شغل میں لگیں اور فرصت کے وقت میں جتنا ہو سکے دین کا کام کریں، اس صورت میں قیامت میں مواخذہ نہیں ہوگا۔

میری رائے یہ ہے کہ علماء سے چندہ کی تحریک بھی مت کراؤ، انہیں چندہ وصول کرنے کے لئے مت مقرر کرو، اس میں ان کا اعتبار جاتا رہتا ہے، میری رائے یہ ہے کہ چندہ کی تحریک رؤساء کریں ان کی تحریک کا اثر زیادہ ہوگا؛ کیوں کہ وہ خود بھی دیں گے علماء کی طرف سے یہ خیال ہوگا کہ وہ دوسروں ہی سے کہتے ہیں خود کچھ نہیں کرتے، رؤساء پر یہ بدگمانی نہیں ہوگی، کیوں کہ ظاہر ہے کہ جو شخص پچاس روپیہ اپنی جیب سے دیگا تو وہ اوروں سے پچیس لے سکتا ہے، اور یہ رؤساء کرسکتے ہیں، اس لئے علماء کو چاہئے کہ وہ اس کام کو نہ کریں، پھر یہ تحریک علماء کے فرض منصبی میں بھی مخل ہوتی ہے۔

علماء سے وہی کام لو جس کام کے لئے وہ ہیں: یعنی ان سے دین سیکھو، مگر آج کل علماء سے وہ کام لیا جاتا ہے جو ان کا نہیں ہے، کانفرسوں میں لوگ علماء کو صرف اس لئے بلاتے ہیں کہ ان کے "قال اللہ قال الرسول" کے ذریعہ خوب چندہ ہوگا۔

اور ایک جگہ حضرت ہردوئی فرماتے ہیں:

’’بالخصوص علماء اور اہل علم کے لئے یہ مناسب نہیں ہے، چندہ کی ترغیب میں تو کوئی حرج نہیں ؛ لیکن چندہ کرنا یہ ان کی شان کے مناسب نہیں، الحمدللہ ہمارے یہاں مجلس دعوۃ الحق میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے، میں نے ایک جگہ کہا تھا کہ جو شخص پنج وقتہ نماز میں تمہارا امام، جمعہ میں امام اور عیدین میں امام ہے، اس کے ساتھ یہ معاملہ کہ جب مدرسہ کے چندہ کا وقت آیا، وہ امام تمہارا غلام بنے اور چندہ کرتا پھرے، تمہاری غیرت کو کیا ہوگیا کہ مقتدی لوگ بیٹھے رہیں اور امام صاحب یہ کام کریں؟ بنیادی بات یہی ہے کہ اصل مقصد دین کی خدمت ہے، آسانی اور سہولت سے جتنا ہوسکے اصول وقاعدے کے موافق کام کرے، پھر انشاء اللہ ہلکے ہلکے راستے کھلتے ہیں، آسانیاں ہوتی ہیں، انتظامات ہوتے ہیں، آج کل پہلے ہی سے بڑے بڑے منصوبے بنالیتے ہیں، نقشہ پہلے تیار کرلیتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مقصد کام نہیں رہ جاتا، بس پیسہ جمع کرنا، چندہ کرنا، اسی پر توجہ اور محنت ہوتی ہے، مدرسہ اشرف المدارس کا جب کام شروع کیا گیا تو اعلان کردیا گیا کہ کل سے مدرسہ کھل رہا ہے جو لوگ اپنے بچوں کو تعلیم دینا چاہتے ہیں وہ بھیجیں اور تعلیم کی کوئی فیس وغیرہ نہیں لی جائے گی، اور مدرسہ کی جو مسجد ہے اس وقت دو منزلہ نہیں تھی، آگے برآمدہ بھی نہیں تھا اسی میں جو حصہ خارجِ مسجد تھا وہاں دو چار پائیاں ڈلوادی گئیں، پہلے دو طالب علم آئے، ایک قرآن کی تعلیم کے لئے اور ایک فارسی عربی پڑھنے کے لئے، بس انہیں دو طالب علموں سے کام شروع کیا گیا، پھر ماشاءاللہ دھیرے دھیرے کام چلتا رہا، اب اس شکل میں ہوگیا‘‘۔(۱)

(۱) مجالس محی السنۃ: ۹۲

اللہ پر بھروسہ میں کمی آتی جارہی ہے

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ عرصہ کی بات ہے کہ ایک مرتبہ پرتاب گڈھ جارہا تھا تو گاڑی میں میری طالب علمانہ صورت وضع کو دیکھ کر ایک صاحب آئے، اور سلام کر کے پوچھا کہ آپ کہاں جارہے ہیں؟ تو میں نے کہا کہ پرتاب گڈھ ایک دینی جلسہ میں جارہا ہوں، پھر پوچھا کہ آپ کیا کرتے ہیں؟ میں نے کہا: ہردوئی میں ایک مدرسہ ہے اسی میں ہوں، پھر انہوں نے تفصیلات معلوم کیں تو ان کو بتلایا، اس وقت مدرسہ قائم ہوئے چار سال ہو چکے تھے، انہوں نے کہا کہ اتنے دنوں سے مدرسہ قائم ہے، آپ کا سفیر میرے یہاں نہیں آیا اور مدرسوں کے سفراء تو آتے ہیں، میں نے کہا: جب سفیر ہی نہیں ہے تو وہ کہاں سے آئے؟ اب ان کو حیرت اور تعجب کہ یہ سب کام ہورہا ہے اس کے اخراجات کہاں سے پورے ہوتے ہیں، چنانچہ انہوں نے پوچھا کہ کیا اس کے لئے کوئی وقف ہے؟ میں نے کہا: نہیں، کہنے لگے: کیا گورنمنٹ سے امداد ملتی ہے، میں نے کہا نہیں، کیا محلے کے لوگوں نے اس کا خرچ اپنے ذمہ لیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، کیا چند رؤساء نے اس کی ذمہ داری لی ہے؟ میں نے کہا: نہیں، اب ان کو حیرت اور تعجب کہ ان ساری چیزوں کے باوجود مدرسہ کیسے چل رہا ہے؟ اس کے اخراجات کیسے چل رہے ہیں؟ تو پھر میں نے ان سے پوچھا یہ بتلایئے کہ جب آپ نے دوکان کھولی تھی کیا محلہ کے لوگوں نے ذمہ داری لی تھی کہ آپ دوکان کھولیں ہم آپ کے یہاں سے کپڑا لیں گے؟ کہنے لگے کہ نہیں، پھر میں نے عرض کیا تو کیا گورنمنٹ نے اس کی ذمہ داری لی تھی؟ کہنے لگے کہ نہیں، پھر میں نے کہا: کیا چند مال دار لوگوں نے اسکی ذمہ داری لی تھی؟ کہنے لگے کہ نہیں، تو کیا آپ نے اس کے لئے ایجنٹ بنائے تھے،؟ کہنے لگے کہ نہیں، تو میں نے پوچھا کہ پھر آپ کی دوکان کیسے چلتی ہے؟ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ گاہک کو بھیجتا ہے، میں نے کہا: کیوں صاحب آپ کے یہاں تو اللہ تعالیٰ گاہک بھیجتا ہے اور ہمارے یہاں مدرسہ کے اخراجات اور اس کی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ لوگوں کو نہیں متوجہ کرے گا؟ اس جواب کو سن کر وہ کہنے لگے کہ جواب عجیب ہے، میں

نے کہا: لیکن صحیح تو ہے، میں نے عرض کیا کسی کے یہاں گا ہک جاتا ہے پیسہ دے کر کباب لے جاتا ہے کسی کے یہاں سے کتاب لے کر جاتا ہے آپ کے یہاں سے کمخواب لے کر جاتا ہے، آج کل اکثر لوگوں کی روپیہ پیسہ دینے والوں کے ہاتھ اور جیب پر نظر ہوتی ہے، جس نے جیب میں ڈالا ہے اس پر نظر نہیں ہے، بزرگوں کی ہدایت کے موافق کام کرے، پھر اس کی برکت کا مشاہدہ ہوگا۔(۱)

قیام دارالعلوم اور اس کا پہلا چندہ

۱۸۵۷ء کے خونی انقلاب میں جب دہلی اجڑی اور اس کے سیاسی بساط الٹ گئی، تو دہلی کی علمی مرکزیت بھی ختم ہوگئی، اور علم ودانش کا کارواں وہاں سے رختِ سفر باندھنے پر مجبور ہوگیا، اس وقت کے اہل اللہ اور خصوصیت سے بزرگوں می۔ جو اس خونیں انقلاب سے خود بھی گذر چکے تھے، اور مسلمانوں کی نعشوں کو خاک وخون میں تڑپتا ہوا دیکھ چکے تھے، یہ فکر واضطراب لاحق ہوا کہ علم ومعرفت کے اس کارواں کو کہاں ٹھکانا دیا جائے، اور ہندوستان میں بے سہارا مسلمانوں کے دین وایمان کو سنبھالنے کے لئے کیا حکمت عملی اپنائی جائے، اسے بخت واتفاق کہئے یا تقدیر الٰہی کہ اس وقت اس راہِ عمل کے لئے مذاکروں کا مرکزی مقام دیوبند کی مسجد چھتہ بن گئی، یہ وہی مسجد ہے جس میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا ورود دیوبند کے موقع پر قیام رہتا تھا، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی سسرال کے محلہ دیوان میں تھے، اس لئے اکثر دیہات آوری ہوتی رہتی تھی، دیوبند میں حضرت مولانا ذوالفقار علی، حضرت مولانا فضل الرحمن اور حضرت حاجی محمد عابد سے مودت ومحبت کا رشتہ قائم تھا، ان حضرات کے وقت کا اکثر حصہ اسی ذکر وفکر میں صرف ہونے لگا سوانح مخطوطہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

”اس زمانے میں جناب مولوی رفیع الدین صاحب اور جناب حاجی محمد عابد رحمہما اللہ چھتے کی مسجد میں قیام پذیر تھے، مولانا نے ان بزرگوں کی وجہ سے اسی مسجد میں قیام کیا اور ان دونوں بزرگوں سے کمال درجے کا ربط ضبط قائم ہوگیا“۔

(۱) مجالس محی السنۃ: ۹۴۔۹۵

اسی وقت بنیادی نقطہ نظر یہ قرار پایا کہ مسلمانوں کے دینی شعور کو بیدار رکھنے اور ان کی ملی شیرازہ بندی کے لئے ایک دینی وعلمی درسگاہ کا قیام ناگزیر ہے، اس مرکزی فکر کی روشنی میں حضرت نانوتوی اور ان کے رفقاء خاص حضرت مولانا ذوالفقار علی، حضرت مولانا فضل الرحمن اور حضرت حاجی عابد رحمہم اللہ نے یہ طئے کیا کہ اب دہلی کے بجائے دیوبند میں یہ دینی درسگاہ قائم ہونی چاہئے۔

یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ اسلامی عہد حکومت میں مدارس کے لئے حکومت کی جانب سے اوقاف مقرر ہوتے تھے، جن سے مدارس کے اخراجات پورے کئے جاتے تھے، والیانِ ریاست اور امرائے حکومت بھی پوری فیاضی کے ساتھ مدارس کی سرپرستی کرتے تھے، مگر جب دار العلوم قائم ہوا تو اسلامی حکومت کی وہ شمع جو چھ سوسال سے ہندوستان میں روشن تھی، اسلامی حکومت نے عوام کو اس سے بے نیاز کر دیا تھا کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کی ذمہ داری اپنے سر اٹھائیں، اس لئے اس وقت کا سب سے زیادہ فائدہ یہ تھا کہ آئندہ بچوں کی تعلیم کا اس طرح انتظام کیا جائے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی جدوجہد کے جرم میں انگریزوں نے مسلمانوں پر جہاں بے پناہ مظالم توڑے تھے، وہیں اسلامی علوم وفنون اور مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کو بھی تباہ وبرباد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی، اوقاف ضبط کر لئے گئے تھے، جن کی وجہ سے قدیم مدارس قریب قریب ختم ہو گئے تھے، اس لئے اب ضرورت تھی کہ اوقاف کے سابقہ طریقے پر بھروسہ کے بجائے کوئی دوسرا طریق اختیار کیا جائے، حضرت نانوتوی کے اصول ہشتگانہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہ طریقہ عوامی چندے کا تھا، جس میں نہ حکومت کی مالی امداد دشامل ہو اور نہ جاگیرداروں کی؛ تا کہ سرکاری اثرات سے یہ تعلیم گاہ آزاد رہے۔

چندے کی تحریک

چندے کی فراہمی کے سلسلے میں جس نے سب سے پہلے عملی اقدام کیا وہ حضرت حاجی محمد عابد رحمہ اللہ تھے، حاجی فضلِ حق صاحب نے حضرت نانوتوی کی سوانح مخطوطہ میں دار

العلوم کے لئے چندے کا طریقہ اختیار کرنے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ایک دن بوقت اشراق حضرت حاجی سید محمد عابد سفید رومال کی جھولی بنا اور اس میں تین روپیئے اپنے پاس سے ڈال چھتہ کی مسجد سے تنِ تنہا مولوی مہتاب علی مرحوم کے پاس تشریف لائے، مولوی صاحب نے کمال کشادہ پیشانی سے چھ روپیئے عنایت کئے اور دعا کی اور بارہ روپیئے مولوی فضل الرحمن صاحب نے اور چھ روپیئے اس مسکین (سوانح مخطوطہ کے مصنف حاجی فضل حق صاحب) دیئے، وہاں سے اٹھ کر مولوی ذوالفقار علی سلمہ اللہ تعالی کے پاس آئے، مولوی صاحب ماشاء اللہ علم دوست ہیں فوراً بارہ روپیئے دیئے اور حسن اتفاق سے اس وقت سید ذوالفقار علی ثانی دیوبندی وہاں موجود تھے، ان کی طرف سے بھی بارہ روپیئے عنایت کئے، وہاں سے اٹھ کر یہ درویش بادشاہ صفت محلہ ابوالبرکات پہنچے، دوسو روپیئے جمع ہو گئے اور شام تک تین سو روپیئے، پھر تو رفتہ رفتہ خوب چرچا ہوا، اور جو پھل پھول اس کو لگے وہ ظاہر ہیں، یہ قصہ بروز جمعہ دوم ماہ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ میں ہوا۔

آج سے سوا سو سال پہلے بلاشبہ یہ ایک عجیب وغریب اور نئی بات تھی کہ عوامی چندے کی بنیاد پر ایک ایسا تعلیمی ادارہ قائم کیا جائے جو حکومت کے اثرات سے آزاد ہو، آنے والے عوامی دور کے پیش نظر ایک زبردست پیش بینی تھی، تحریکِ خلافت کے موقع پر جب مولانا محمد علی مرحوم دارالعلوم میں آئے تو نہوں نے حضرت نانوتوی کے اصول ہشتگانہ دیکھے تو مولانا مرحوم کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا کہ: ان اصول کا عقل سے کیا تعلق! یہ تو خالص الہام ومعرفت کے سرچشمے سے نکلی ہوئی باتیں ہیں، سو برس کے بعد دھکے کھا کر ہم جس نتیجے پر پہنچے ہیں حیرت ہے کہ یہ بزرگ پہلے ہی اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے''

اب جب کہ بڑی بڑی ریاستیں خواب وخیال بن چکی ہیں، اور زمینداریاں ختم ہو گئی ہیں؛ مگر کشمیر سے آسام تک ہزاروں دینی مدرسے چل رہے ہیں، اور ان پر حکومت کی تبدیلیوں کا کوئی اثر نہیں ہے، اس سے عوامی چندے کی افادیت اور مدارس کی بنیادوں کے استحکام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے!

اوقاف کے سابقہ طریقے کے بجائے عوامی چندے کا یہ طریقہ کامیاب اور بڑا نتیجہ خیز ثابت ہوا، دینی مدارس کے قیام اور دینی تعلیم کی نشر واشاعت کے لئے یہ ایک ایسا مفید اور مستحکم طریقہ تھا، جس نے دینی تعلیم کے فروغ کو عوامی چندے کی تحریک میں تبدیل کر دیا، چندے کی نسبت دارالعلوم کا شروع سے طئے شدہ اصول یہ رہا ہے کہ اس میں نہ تو چندے کے لئے کوئی لازمی مقدار مقرر کی گئی ہے نہ مذہب وملت کی تخصیص روا رکھی گئی ہے، چندے کی اس دفعہ کے الفاظ یہ ہیں:

''چندے کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے اور نہ خصوصیت مذہب وملت ہے''۔(۱)

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت نانوتوی نے دینی مدارس خصوصا دارالعلوم کے قیام وبقاء کے لئے جو دستور العمل تجویز فرمایا ہے، اس میں اسلامی دورِ حکومت کے سابقہ طریق کے برعکس اسی عوامی چندہ اور جمہوری طرز کے اختیار کرنے کی پر زور تلقین کی گئی ہے، دستور العمل کی دفعہ نمبر ایک میں ہے:

''اصل اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنان مدرسہ کی اہمیت تکثیر چندہ پر نظر رہے، آپ کوشش کریں اوروں سے کرائیں، خیر اندیشانِ مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے''(۲)

اس دفعہ میں واضح طور تکثیر چندہ پر پورا زور دیا گیا ہے:

تکثیر چندہ کی صورتیں

سوال یہ ہے کہ تکثیر چندہ کے لئے کونسی صورتیں اختیار کی جائیں؟ ہمارے اکابر کا اس سلسلہ میں طرز عمل مختلف رہا ہے:

(۱) استغناء سے کام لیا جائے

حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: انسان واستغناء کی حقیقت اختیار کرنا چاہئے، اس میں خود یہ اثر ہے کہ دنیا کھینچی چلی آئے گی، مگر خدر امحض اس نیت سے

---

(۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۱/ ۱۴۸ تا ۱۵۲

(۲) أیضا: ۱/ ۱۵۳

استغناء نہ کرنا، محض اللہ واسطے مستغنی بننا چاہئے اور کسی کے سامنے حق تعالیٰ کے ہاتھ نہ پھیلانا چاہئے، یہ طریقہ علماء نے چھوڑ دیا ہے، اسی وجہ سے ان کی بات میں اثر نہیں رہا۔(۱)

ہمارے اکابر جو کہتے ہیں وہ خود بھی اس پر عمل کرتے ہیں، حضرت تھانوی نے استغناء کے ساتھ مدرسہ چلایا، اس سلسلہ کا ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے:

حضرت تھانوی کا طریقہ

میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر لوگ خالص نیت کے ساتھ اپنا کام کرتے رہیں تو اپنے آپ ہی لوگ آ آ کر خدمت کریں گے، کانپور میں جب میں پڑھاتا تھا تو مدرسہ کی مسجد میں طلباء کے لئے ایک حوض تیار کرانے کی ضرورت ہوئی اور روپیہ تھا نہیں اور کسی سے چندہ مانگنے کو طبیعت نے گوارہ نہ کیا، بس میں نے مدرسہ والوں سے کہا کہ تم اپنے اختیار کا کام کرو اور ایک جگہ متعین کرکے گڑھا کدھوایا اور چھوڑ دیا گیا، لوگ دریافت کرتے کہ یہ کیا ہے؟ ہم کہتے کہ حوض ہے، جتنی ہماری اندر طاقت تھی اور جتنا امان ہمارے پاس تھا اتنا ہم نے کرلیا، آگے اللہ تعالیٰ مالک ہے، دو ایک دن تو یوں ہی پڑا رہا اس کے بعد ایک دن محلہ میں ایک بڑی بی نے مجھ کو اپنے گھر بلایا جو پہلے بھی کبھی کبھی بلایا کرتی تھیں اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک حوض تجویز ہوا ہے، اس کا کیا انتظام کیا گیا ہے، میں نے کہا: جتنا کام ہمارے اختیار میں تھا، اتنا کرادیا ہے، کہنے لگے: کیا تخمینہ ہے؟ میں نے کہا: پانچ سو روپیئے، کہنے لگیں: میں دوں گی، میرے سوا کسی اور کی رقم نہ لگے اب اور لوگ آنے شروع ہوگئے کہ صاحب! ہمارے پانچ روپیئے قبول کرلیجئے، ہمارے دس روپیئے قبول فرمائیے، میں نے کہہ دیا کہ ایک نے بی بی ایسا کہہ دیا ہے، ہاں ایک سائبان تجویز کیا ہے اس کے اوپر ڈالا جائے، کہنے لگے: تو پھر ہم اسی کے لئے دیتے ہیں، چنانچہ اس طرح حوض بھی تیار ہوگیا اور سائبان بھی تیار ہوگیا، تھوڑا سا کام شروع کردینے سے کام قابو میں رہتا ہے۔(۲)

---

(۱) العلم والعلماء: ۱۳۷

(۲) القول الجمیل: ۳۲

ہم نے اپنے وطن میں ایک مدرسہ کر رکھا ہے؛ مگر اس انداز سے کہ نہ کسی سے چندہ مانگا جاتا ہے، نہ کسی کو ترغیب دی جاتی ہے، طلبہ سے صاف کہہ دیا تو ہم دیں گے؛ مگر باجود اس استغناء کے مدرسہ اچھی خاصی طرح چل رہا ہے۔(۱)

حضرت بنوری کا استغناء اور ان کے جامعہ کی خصوصیات

محدث عصر حضرت مولانا یوسف بنوری (بانی جامعۃ العلوم الاسلامیۃ نیو ٹاؤن، کراچی، پاکستان) کے نام نا سے شاید ہی اہل علم میں سے کوئی ناواقف ہوں، ان کا یہ جامعہ پاکستان کے ممتاز مدارس میں شمار کیا جاتا ہے، حضرت بنوری کے حالات میں لکھا ہے:

''اخلاص وتوکل اللہ تعالیٰ نے اتنا اعلیٰ عطا فرمایا تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں کسی سفیر ،جلسہ، اشتہار واعلان کی ضرورت نہیں، جس کا مدرسہ ہے وہ خود چلائے گا، چنانچہ مخلص حضرات خود آکر چندہ دے جاتے تھے، کوئی سفیر نہ تھا نہ اپیل، حتیٰ کہ ہمارے شیخ علیہ الرحمہ بعض مرتبہ تو زکوۃ دینے والوں سے فرمادیا کرتے تھے کہ ہمارا سال بھر کا انتظام ہو چکا ہے، آپ کسی دوسرے مدرسہ کو دے دیں، بعض مرتبہ خود لے کر کسی دوسرے مدرسہ کو دے دیتے تھے، کتنے مدرسے ایسے تھے جن کی امداد خود ہی فرمایا کرتے تھے، نہ حکومت سے مدد لیتے تھے، نہ اوقاف سے، نہ ہی کسی اور سرکاری وغیر سرکاری ادارہ سے، بھروسہ تھا تو صرف خدا کی ذات پر، وہی دلوں کا پھیرنے والا ہے، وہ دلوں کو اس طرح پھیر دیتا تھا کہ حیرت ہوتی تھی کہ لوگ پیسے دے رہے ہیں اور شیخ رحمہ اللہ استغناء سے واپس فرما رہے ہیں کہ ہمیں زکوۃ کی ضرورت نہیں، یہ بھی کوئی پیسہ ہے، تم پر ہمارا احسان نہیں کہ زکوۃ دے رہے ہو، بلکہ ہمارا تم پر احسان ہے کہ ہم تمہارے پیسے قبول کرتے ہیں اور صحیح جگہ پر لگاتے ہیں، کسی سے فرماتے کہ یہ زکوۃ کا پیسہ اس وقت قبول کریں گے جب کہ اتنی ہی مقدار میں غیر زکوۃ کا پیسہ دو، جب وہ صاحب حامی بھر لیتے تو قبول کر لیتے، فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے مدرسہ کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

۱۔ مدرسین حضرات کی تنخواہ اس فنڈ سے دی جاتی ہے جس میں صرف عطیات وتبرعات

(۱) دعوات عبدیت: ۷/ ۱۶، العلم والعلماء: ۷ ۳۳، ۸ ۳۳

کا پیسہ ہو، زکوۃ وصدقات تنخواہوں میں قطعاً نہیں دیئے جاتے۔

۲۔ زکوۃ اور صدقات واجبہ کے اموال صرف طلباء کے وظائف میں لگائے جاتے ہیں، تنخواہ کے لئے اس مد سے قرض تک نہیں لیا جاتا، نہ حیلہ تملیک کر کے کسی دوسرے مصرف میں لگایا جاتا ہے۔

۳۔ ہر ضرورت کی چیز اس کے خاص فنڈ سے خریدی جاتی ہے، اگر تعمیر کی ضرورت ہے تو اس کے نام سے پیسہ آنا چاہئے اور وہ صرف اسی پر خرچ ہوگا، اگر دریاں، قالین، پنکھے وغیرہ خریدنا ہے تو اس کے نام سے قوم پیسہ دیتی ہے، اور یہ چیزیں خریدی جاتی ہیں، کتابوں کی خرید کے نام سے پیسہ لیا جاتا ہے وہ اسی جگہ پر خرچ ہوتا ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ تعمیر کے نام سے جو پیسہ لیا جاتا ہے، وہ اسی جگہ پر خرچ ہوتا ہے۔

(۲) تکثیر چندہ کی دوسری صورت

تکثیر چندہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ تحریر کے ذریعے چندہ کا عام اعلان کیا جائے، مثلاً پمفلٹ شائع کر کے حسب ضرورت کسی رسالہ میں مضمون یا اعلان لکھ دیا یا مدرسہ کی سالانہ روئداد میں مدرسہ کی ضروریات لکھ دیں، وغیرہ وغیرہ، جو صاحب اموال مصارف خیر کے متلاشی ہوں گے وہ اپنی رقوم پہنچا دیں گے۔

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کا یہ بھی طریقہ رہا ہے فرماتے ہیں:

مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کا قصہ ہے کہ میں نے مدرسہ کے لئے چندہ اس طرح مقرر کرایا تھا کہ ایک کاغذ پر یہ لکھ دیا کہ مدرسہ کے اخراجات کے لئے چندہ کی ضرورت ہے، جو صاحب اس میں شریک ہونا چاہیں وہ اپنا نام اور رقم خود اپنے قلم سے لکھ دیں، اس کاغذ پر کسی معین چندہ دہندہ کا نام نہیں لکھا گیا، اور ایک لڑکے عبدالکریم کو وہ کاغذ دے دیا اور کہہ دیا کہ اس کاغذ کو فلاں جگہ لے جاؤ، کسی سے کچھ مت کہنا، صرف دے دینا، اگر وہ کچھ لکھ دیں تب اور نہ لکھیں تب واپس لے کر چلے آنا، یہ چندہ بالکل حلال تھا۔(۱)

(۱) العلم والعلماء: ۲۳۵

دارالعلوم کے بیرونی طلباء کے قیام کے لئے کمروں کی تعمیری غرض سے حیدرآباد میں دارالعلوم کے ہمدردوں نے بڑی گرمجوشی کا اظہار کیا، مولوی شوکت حسین صاحب مددگار صوبیدار ورنگل حیدرآباد میں اس تحریک کے روح رواں تھے، انہوں نے دارالعلوم کی اپیل پر اپنی جدوجہد سے سات ہزار روپیئے چندہ کرکے کمروں کی تعمیر کے لئے بھیجے، اس زمانہ میں موصوف نے علی گڈھ انسٹیوٹ گزٹ میں ایک طویل مضمون لکھا تھا، جس میں انہوں نے بڑے مؤثر انداز میں بتلایا تھا کہ دارالعلوم کی امداد کیوں ضروری ہے؟ (۱)

(۳) فراہمی سرمایہ کی بعض مفید صورتیں

تکثیر چندہ اور فراہمی سرمایہ کی بعض مفید اور آسان صورتیں دارالعلوم ندوۃ العلماء نے اپنے قیام کے ابتدائی دور میں اختیار کی تھیں، ان کا نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، تاریخ ندوۃ العلماء میں ہے:

قیام دارالعلوم، دارالافتاء اور اشاعت اسلام کی مد میں دس بارہ لاکھ روپیئے سرمایہ کی ضرورت کا اظہار کیا گیا تھا، اس خطیر رقم کی وصولیابی کس طرح ممکن ہے، اس پر درج ذیل تجاویز پیش ہوئیں۔

۱۔ ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمانوں میں سے (اس وقت یہی آبادی تھی) ۴/کروڑ مسلمانوں سے فی کس چار آنے وصول کئے جائیں تو ایک کروڑ روپیہ وصول ہوسکتا ہے۔

۲۔ ہر شخص اپنے اوپر لازم کرلے کہ جس وقت وہ اپنی ضرورت سے روپیہ خوردہ کرائے تو ایک پیسہ اس کام کے لئے علاحدہ کرلے۔

۳۔ برادری میں اس بات پر عہد ہوجائے کہ تقریبات شادی، ختنہ، عقیقہ نکاح وغیرہ کے موقع پر اس اہم دینی کام کے لئے معتد بہ رقم دی جائے۔

۴۔ اپنی پہلی تنخواہ یا اس کا ایک حصہ ندوہ کے لئے نکالیں جیسا کہ میرٹھ کے عالی ہمتوں نے کیا ہے۔

---

(۱) تاریخ دارالعلوم: ۱/ ۲۰۴

۵۔ سوداگر اور ٹھیکیدار اپنے نفع میں سے ایک قلیل مقدار اس مذہبی خدمت کے لئے جدا کرتے جائیں۔

۶۔ مسجدوں یا عام نشست گاہوں میں مقفل امدادی صندوق رکھے جائیں۔

۷۔ لاولد مالدار مسلمان اپنی جائداد اور دیگر اموال ایسے کاموں کے لئے وقف کر دیں۔

یہ چند آسان اور سہل طریقے ہیں ان پر جابجا عمل بھی شروع ہو گیا ہے، ندوۃ العلماء کو قائم ہوئے چار سال ہو چکے، اس کے اغراض ومقاصد کی اشاعت ہو چکی، اور اس کی آواز مسلمانوں کے کانوں تک پہنچ گئی، اب کام کرنے کا زمانہ آگیا ہے۔

اس اجلاس کی روداد میں تحریک ندوۃ العلماء کے سرپرست کی حیثیت سے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ کا نام نامی نمایاں ہے۔

(۴) خصوصی چندہ

مالداروں اور رؤساء کے پاس جا کر مدرسہ کی امداد کی خصوصی درخواست سے ہمیشہ ہمارے علماء نے اجتناب کیا ہے، خود بانی دار العلوم دیو بند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے دار العلوم دیو بند کے دستور العمل کے نمبر ۶ میں تحریر فرمایا ہے:

''۶/اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں، جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ إلی اللہ اسی طرح چلے گا، اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہے کہ یہ خوف ورجاء۔ جو سرمایہ رجوع إلی اللہ ہے، ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہو جائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا؛ القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے'' (۱)

البتہ جو رؤساء دینی امور میں حصہ لینے کو اپنی سعادت اور اہل مدرسہ کو اپنا محسن سمجھتے ہوں ایسے رؤساء کے دربار میں حاضر ہو کر مدرسہ کی ضروریات ان کے سامنے ظاہر کی جائیں تو اس کی گنجائش ہے، ہمارے اکابر کے قائم کردہ مدارس میں اس کے نمونے بھی موجود ہیں۔

---

(۱) تاریخ دار العلوم: ۱۵۴

۱۳۴۲ھ میں علامہ کشمیری، شیخ الاسلام حضرت مدنی، علامہ شبیر احمد عثمانی اور دیگر اکابر کو دارالعلوم دیوبند کی طرف سے نواب ڈھاکہ کی خدمت دارالحدیث کی تعمیر کی اپیل کے سلسلہ میں بھیجا گیا تھا جس کی تفصیل دارالعلوم میں موجود ہے۔(۱)

چندہ کے لئے ایک اہم مشورہ

ارشاد فرمایا کہ ان مدارس دینیہ کا وجود بھی ضروری ہے، اور انکی بقاء بھی چندہ پر موقوف ہے، (مگر چندہ جمع کرنے میں آج کل بے شمار خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں، جن میں سے سب سے بڑی خرابی چندہ جمع کرنے والے علماء کا وقار مجروح ہوتا ہے، جو عوام کے لئے زہر ہے، اس لئے مناسب صورت یہ ہے کہ چندہ کی تحریک عام کی جائے، خطاب خاص سے پرہیز کیا جائے اور خطاب خاص صرف اس صورت میں جائز ہے، کہ خطاب کرنے والا کوئی بااثر شخصیت کا مالک نہ ہو جس کے اثر سے مغلوب ہو کر لوگ چندہ دینے لگیں۔

جو تحریک عام اور خاص میں امتیاز کرتا ہو اس کی وجہ یہی ہے کہ ایک مسلمان پر بار نہ ہو اور وہ بدنام نہ ہو اور دعوت عام اور چیز ہے اور انفرادی صورت میں کسی سے سوال کرنا اور چیز ہے، مجھے تجربہ ہے کہ لوگوں کی حالت معلوم ہے اس تحریک خاص کا اثر ظہور بخل قرآن مجید میں مذکور ہے، "إِن يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا" کیوں احفاء والحاف خطاب خاص ہی سے ہوسکتا ہے، اور اس کے بعد خطاب عام کا اس عنوان سے ذکر ہے، حکیم الامت نے تحریر فرمایا کہ ہم نے تم سے اس کا کب مطالبہ کیا تھا؛ لہٰذا اسی سال سے واپس ہے۔(۲)

علماء کا نان ونفقہ قوم کے ذمے ہے

حکیم الامت رحمہ اللہ نے فرمایا: اصولی مسئلہ ہے کہ جو کوئی کسی کی خدمت میں محبوس ہو اسکا نفقہ اس کے ذمہ ہوتا ہے اور یہ قاعدہ تمام دنیا کے عقلاء کا معمول بہ ہے کہ حتی کہ سلاطین تک کے لئے بھی یہی قانون نافذ ہے بادشاہ کو جو خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے وہ بھی محض

(۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۱/ ۲۳۸، ۲۳۹

(۲) تحفہ مدارس: ۲/ ۲۴۳، چندہ اور مدارس

اس لئے کہ وہ رعایا کے کام میں محبوس ہے؛ کیوں کہ بادشاہ وہ ہے جس کو ساری قوم حاکم مانتی ہے اور اس کو بیت المال کے خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے اور بادشاہ پر کیا موقوف ہے سب کو چندہ قومی ہی سے تنخواہ ملتی ہے، کلکٹر (کمشنر) کو بھی، ڈپٹی کلکٹر کو بھی، جج کو بھی، منصف کو بھی، بس یہ عقلی مسئلہ ہوا اور اسی قاعدہ کو شریعت نے تسلیم کرلیا ہے، جیسے زوجہ کا نفقہ اس کے شوہر پر اسلئے ہوتا ہے کہ وہ اس کے پاس محبوس ہوتی ہے، اب بتلائے یہ علت علماء کے استحقاق تنخواہ وغیرہ میں بھی مشترک ہے یا نہیں؛ کیوں کہ وہ بھی قوم دینی خدمت میں محبوس ہیں؛ اس لئے ان کا نفقہ بھی قوم کے ذمہ ہے، کیوں کہ جب تک وہ معاش سے فارغ نہ ہوں دین کا کام نہیں کرسکتے، اگر ان کی خدمت نہ کی جائے گی تو وہ کھائیں کہاں سے؟ غرض علماء چونکہ قوم کی دینی خدمت میں محبوس ہیں، اس لئے ان کی تنخواہ یا نذرانہ قوم کے ذمہ ہے، ایسا نہ ہو تو پڑھنے پڑھانے کا اور تبلیغ کا سلسلہ ہی ختم ہوجائے گا اور سارا دین درہم برہم ہوجائے گا۔

اس تقریر سے دونوں باتوں کا جواب نکل آیا، ایک تو یہ کہ مولوی تنخواہ وغیرہ کیوں لیتے ہیں؟ دوسری یہ کہ خیرات کے ٹکڑے کھاتے ہیں، سمجھ لو کہ اگر یہ لوگ خیرات کے ٹکڑے کھاتے ہیں تو بادشاہ، جج، کلکٹر سب ہی خیرات کھاتے ہیں، اگر یہی بات ہے تو کسی کو بھی تنخواہ نہ لینی چاہئے، کیوں کہ سب کو قوم ہی کے چندے سے تنخواہ ملتی ہے، سرکاری قانون ہے کہ جو شخص سرکاری ملازم ہو اس کو دوسرا کوئی کام تجارت وغیرہ کرنا ممنوع ہے، مثلاً کوئی شخص سرکاری ملازم ہے اور وہ ٹھیکہ لینے لگے تو سرکاری طور سے اس پر گرفت ہوگی، اس میں حکمت یہ ہے کہ ایک شخص دو طرف پورا متوجہ نہیں ہوسکتا، اگر ملازم سرکاری دوسرا کام کرے گا تو ضرور سرکاری کام میں خلل واقع ہوگا، اس لئے اس کو اجازت نہیں کہ بحالت ملازمت دوسرا کام کرے، اسی طرح جو لوگ مولویوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کی ترقی کیوں نہیں کرتے؟ مشین اور کارخانے کیوں نہیں چلاتے؟ تو وہ مثال مذکور کو پیش نظر رکھ کر خوب سمجھ لیں کہ جب یہ لوگ دنیا میں مشغول ہوں گے تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ یہی ہوگا کہ دین کا کام نہ کرسکیں گے (خیر المال للرجال)۔(۱)

---

(۱) تحفۃ المدارس: ۲/۲۷۱، ۲۷۲ چندہ اور مدارس

علماء کا چندہ لینا ان کا احسان ہے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ لعنت ہے ایسے چندہ پر جس کی وجہ سے لوگ علماء سے یہ توقع رکھیں کہ وہ ان کی آواز پر حاضر ہوجایا کریں، اس غرض سے چندہ دیتے ہیں مہربانی کر کے وہ اپنے چندہ کو اپنے گھر میں رکھیں، علماء اپنے واسطے چندہ نہیں کرتے؛ بلکہ دینی کاموں کے واسطے کرتے ہیں اور دین سب مسلمانوں کا ہے تنہا مولویوں کا نہیں ہے، پس علماء کا تم پر یہ احسان ہے کہ وہ تمہارا مال دین کے کاموں میں لگادیتے ہیں تمہارا ان پر احسان نہیں ہے تمہارا احسان جب ہوتا جب تم ان کی ذات خاص کے واسطے چندہ دیتے، مگر جب تم خدا کے واسطے اور دین کے کاموں کے واسطے دیتے ہو تو یہ اپنے کام کے واسطے دینا ہوا تو اس دینے کا مولویوں پر کیا احسان ہے اور اس کی وجہ سے تم کو کیا حق ہے کہ مولویوں سے اپنی تعظیم وتکریم کی امید رکھو اور یہ کہ وہ تمہاری خاطر سے اپنا قیمتی وقت ضائع کریں، اور یہ ساری خرابی اس کی ہے کہ علماء آج کل چندہ دینے والوں کا لمبے چوڑے القاب سے تذکرہ کرتے ہیں، مجھے تو یہ طرز بہت ناگوار ہے، آخر علماء پر انہوں نے کیا احسان کیا ہے، جس کا وہ شکریہ ادا کرتے ہیں، ہاں دعا دینے کا مضائقہ نہیں یہ تو نص سے ثابت ہے:

"خُذۡ مِنۡ أَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ" (۱)

آپ ﷺ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے، آپ (ان کو گناہ کے آثار سے) پاک وصاف کردیں گے اور ان کے لئے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان ہے۔

اہل مدارس چندہ لیتے ہیں یہ ان کا احسان ہے

فرمایا: مدارس کے لئے عادۃً چندہ ضروری ہے؛ مگر ہم آپ سے مانگتے نہیں اور بے

---

(۱) التوبۃ: ۱۰۳

مانگے اگر ہم لے لیں تو اس میں عامل لغیرہ ہیں عامل لنفسہ نہیں (اپنی ذات کے واسطے نہیں لیتے) ہمیں کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ جھگڑے میں پڑیں، آپ سے مانگیں، وصول کریں، پھر اس کی حفاظت کریں، حساب و کتاب لکھیں، پھر سب سے زیادہ مشکل ہے کہ اس کے مصرف میں اس کو صرف کریں اور غیر مصرف میں اس کو صرف نہ ہونے دیں، یہ سب کام تمہارا ہے ہمارا احسان ہے کہ تمہاری طرف سے ہم کر دیتے ہیں، اگر ہم پر بدگمانی ہے تو ہم کو ایک پیسہ مت دو، ہمیں اور سینکڑوں کام ہیں اس کو اگر ثواب کی بات سمجھتے ہو خود کرو ہم ہی کیوں کریں۔(۱)

علماء کو ضرورت انفاق

حضرت شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ہر اہل علم جو اہل مدارس کہلاتے ہیں ان کو بھی حسب حیثیت کچھ نہ کچھ چندہ دینا چاہئے، جب علماء کرام انفاق کے فضائل بیان فرماتے ہیں اگر کسی وقت کوئی عامی کھڑا ہو کر دریافت کرے کہ مولانا آپ اپنی آمدنی سے کتنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو کیا جواب ہوگا، شرم سے گردن جھک جائے گی، کچھ نہ کچھ ہر اہل علم کو خواہ قلیل رقم ہی ہو انفاق عالیہ کی سعادت حاصل کرنی چاہئے، اس عمل سے عوام کا حوصلہ بھی بلند ہوتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ ایک قصبہ کے لوگ دعوۃ الحق کے لئے غلہ دیا کرتے تھے، ایک آسمانی آفت کھیتی پر قرب وجوار کی بستیوں پر آئی؛ مگر یہ بستی محفوظ رہی، وہاں کے لوگوں کے دلوں میں یہی خیال آیا کہ ہم لوگ اپنی کھیتی سے چونکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیا کرتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہماری بستی کو اس بلائے آسمانی سے محفوظ فرمایا کہ جس نے سرکار کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیا (چندہ دے کر) پھر اس کو خسارہ اور نقصان کیسے ہوگا؟

ارشاد فرمایا کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ اپنی آمدنی کا چوتھائی حصہ فی سبیل اللہ خرچ کرتے تھے۔

---

(۱) القول الجلیل: ۴۴؛ تحفہ مدارس: ۱۴۹/۲، چندہ اور مدارس

ارشاد فرمایا کہ اگر علماء کرام اپنا مال دیں تو اس میں زیادہ برکت ہوگی۔(۱)

خوش اخلاقی ضروری ہے

خوش خلقی ضروری چیز ہے، اور ہر شخص سے نرمی کے ساتھ پیش آئیں؛ مگر ان کے اموال پر نظر نہ رکھیں اور کسی خاص شخص کی اعانت کو دین کا موقوف علیہ نہ سمجھیں؛ البتہ ترغیب اور اظہارِ ضرورت کا مضائقہ نہیں، یہ طریقہ مسنون ہے، اس میں راز یہ ہے کہ فی الحقیقت کام کے کفیل اللہ میاں ہی ہیں اور ظاہری صورت میں اس کی تکمیل یہ رکھی گئی ہے کہ چند بندے ایک دوسرے کی اعانت کریں اور اس کو انجام دیں اگر بندوں کو اطلاع نہ ہوگی تو وہ کیوں کر شریک ہوں گے، یہ ضرورت ان کے اطلاع کرنے کی ہے، اطلاع نہ کرنے میں صورتا کام کو بگاڑ دینا ہے، اور خوشامد کرنے میں بندوں پر تکیہ لازم آتا ہے اس میں حقیقتا کام کو بگاڑنا ہے، اس وجہ سے خوشامد سے منع کیا گیا ہے، غرض محض اگر کوئی ظاہرا معین ہوتا ہے تو وہ اعانت بھی درحقیقت کارسازِ حقیقی ہی کی اعانت ہے

کار ز زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چین بستہ اند(۲)

چندہ کے بغیر دین کا کام

اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ چندہ کے بغیر دین کا کام کیوں کر چلے گا، میں کہتا ہوں کہ دین کا کام سب مسلمانوں کا کام ہے، سب لوگ مل کر کام کریں، مولویوں کا کام وعظ کہنا، تبلیغ کرنا، درس دینا وغیرہ ہے، یہ کام تو وہ کریں چندہ کرنا ان امراء ورؤساء کا کام ہے، جن پر کسی کو یہ شبہ نہ ہوسکے کہ یہ اپنے واسطے مانگ رہا ہے، کیوں کہ لوگ جانتے ہیں کہ اسی کی اتنی بڑی حیثیت ہے، کہ ہم دس روپیہ دیں گے تو یہ اپنے پاس سے پچاس دے سکتا ہے، ایسے شخص کا چندہ کرنا ذلت کا سبب نہیں ہوسکتا تو یہ کام امراء ورؤساء کریں، یہ لوگ چندہ جمع کر کے پھر علماء سے پوچھ

---

(۱) تحفۃ المدارس: ۲/۲۷۸ چندہ اور مدارس، مجالس محی السنۃ: ۴۳

(۲) تحفہ مدارس: ۲/۳۳۱

کر کام میں لگادیں، اس طرح کر کے دیکھیں معلوم ہو جائے گا کہ دین کا کام چلتا ہے یا نہیں۔

مقصود دین کی خدمت ہے

ارشاد فرمایا کہ مقصد دین کی خدمت اور دین کا فائدہ ہے، مدرسہ مقصود نہیں ہے، نہ کوئی خاص ہیئت مدرسہ مقصود ہے کہ یہ مدرسہ ضروری ہے، یہ مدرسہ رہے، جب یہ چیز پیش نظر ہو جاتی ہے تو پھر بے اصولیاں ہونے لگتی ہیں، بے اصولیوں سے چشم پوشی کی جانے لگتی ہے، نتیجہ بگاڑ اور فساد کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، مقصد کام ہے، ایک جگہ مدرسہ کھولا گیا وہ کسی وجہ سے ترقی نہیں کر سکا اب اس بستی میں دوسرا مدرسہ کھلا اور اس سے لوگوں کو فائدہ ہو رہا ہے، تو پہلے مدرسہ والوں کو خوشی ہونی چاہئے اور ترقی کی دعا کرنی چاہئے اور یہ سوچنا چاہئے کہ بھائی مقصد دین کا کام ہے وہ کسی کے ذریعہ سے بھی ہو، ہمارے مدرسہ کے ذریعہ نہیں ہوا تو کوئی بات نہیں، اسی مدرسہ کے ذریعہ ہو رہا ہے، بڑی خوشی کی بات ہے کام ہو رہا ہے اور آج معاملہ الٹا ہو رہا ہے، خوشی کے بجائے حسد ہو جاتا ہے کہ وہ کیوں ترقی کر رہا ہے؟ جب مقصد کا کام تو بھائی اس دنیا کو اللہ تعالیٰ دارالاسباب بنایا، اس لئے اسباب وسائل اختیار کرے، جتنے اسباب ہوں اتنا ہی کام کرے، اگر دس کا انتظام ہے تو داخلہ دس کا کرے، ایسی حالت میں کیا ضرورت ہے کام کو بڑھانے کی؟ انتظام سو طلبہ کا ہے داخلہ ڈیڑھ سو دو سو کا کر لیا، اب ان کی رہائش کھانے پینے اور دیگر ضروریات کے لئے پریشان ہیں، کہیں ان کے پاس کہیں ان کے پاس جا رہے ہیں، مالدار اور امراء کی خوشامد کر رہے ہیں ، اس چیز نے اہل دین کی وقعت کو گھٹا دیا ہے۔(۱)

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کا ایک خط معاونین و مخلصین دارالعلوم دیوبند کے نام

<u>حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تقریباً ساٹھ برس دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے، آپ کے دور اہتمام میں جو ظاہری و باطنی ترقی ہوئی وہ محتاج بیان نہیں، مالی تعاون کے سلسلے میں تحریر کردہ یہ خط اسلام کی تعلیمات اور ہمارے اکابر کے ذوق کا آئینہ دار</u>

---

(۱) مجالس محی السنۃ: ۹۲

ہے، جس میں قدرے دارالعلوم دیوبند کا تعارف بھی ہے، اور پروقار انداز سے امور خیر میں تعاون کی اپیل ہے، حضرت کے اس خط سے ارباب مدارس بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

پس منظر

شعبان ۱۳۷۳ھ کے اخیر میں اچانک ایسی صورتحال پیش آگئی کہ دارالعلوم دیوبند کے مالی حالات غیرِ متوازن ہوگئے، رجب اور شعبان کی تنخواہیں بھی بروقت تقسیم نہ ہوسکیں، شروع رمضان ۱۳۷۳ھ میں حضرت مہتمم صاحب رحمہ اللہ نے ذیل کا خط معاونین دار العلوم کے نام جاری فرمایا تھا، جو ان حالات میں کافی حد تک مؤثر اور کارآمد ثابت ہوا، مگر اس وقت بھی دار العلوم کی مالی ضرورتوں کی طرف سے پورا اطمینان نہیں، ہمیں امید ہے کہ معاونین دارالعلوم کا دست تعاون پوری سرگرمی کے ساتھ دارالعلوم کی طرف بڑھے گا۔

حضرت محترم المقام زید مجدکم السامی

سلام مسنون، نیاز مقرون ..... دارالعلوم دیوبند کی مرکزی اور قدیم الایام درسگاہ ہے، جسے ۵۷ء کے ہنگامہ انقلاب کے بعد وقت کے اکابر اولیاء اللہ نے علم اور دین کی بقاء کے لئے قائم کیا تھا، اس درسگاہ نے اس مقصد کو بحمد اللہ اپنے بانیوں کے حسن نیت اور اخلاص وللّٰہیت کے زیر اثر بکمال حسن وخوبی انجام دیا اور اس نوے سال مدتِ عمر اسنے ہزار ہا علماء فضلاء مفتی، مناظر، مدرس، واعظ خطیب اور مصنف تیار کر کے ملک کو دیئے اور جو کچھ ملک کی جیب سے لیا اس سے بدرجہا زائد ہی نہیں؛ بلکہ بالا نرخ ہو کر بلا قیمت وعوض لاکھوں گنا حصہ علم اور دین کا ان کے جیب وگریباں کو عطا کیا، مسلمانوں نے ہندو بیرون ہند کا دین سنبھالا، عقائد وایمان کی حفاظت کی، خیالات کا راستہ سیدھا کیا، عملی زندگی کو دینی رنگ پر ڈھالا، معاندین اولین اور مبطلین کی تلبیس اور ابلہ فریبیوں کے پردے چاک کئے، خدا کی زمین پر لاکھوں نفر "قال اللہ وقال الرسول" کا درد رکھنے والے پیدا کر کے زمین کو منور کر دیا، اور "اشرقت الأرض بنور ربھا" کا منظر ملک کو دکھایا، ملک سے وقتی دولت کے چند پیسے لئے اور کروڑوں کی بے بہا دولت ایمان انہیں بخشی، یہ فخر نہیں ہے تحدیث نعمت اور شکر الٰہی کا

اظہار ہے، ہمہ وقت اس درسگاہ میں ہزار ڈیڑھ ہزار طلبہ کا ہجوم چالیس پچاس مدرسین کا اجتماع اور دوڑھائی سو عملہ دفاتر کا جم غفیر قلیل قلیل تنخواہوں پر محض اس امانت الٰہی کی حفاظت کے لئے کام کرتا ہے، اور ہر قسم کی مالی مشکلات جھیل کر اس ترکہ انبیاء کی خدمت کے لئے کمر بستہ ہے، ۲۰ شعبوں پر کام تقسیم ہے، ہر سال ہزار ہا فتاوی شعبہ افتاء سے، سینکڑوں تقریریں اور مواعظ اس کے شعبہ تبلیغ سے، سینکڑوں علمی مضامین اس کے شعبہ نشر واشاعت سے، سینکڑوں مدرس اس کے شعبہ تعلیم سے تیار ہو کر ملک میں منتشر ہوتے ہیں، اور علم اور اخلاق اور عمل صالح کی دولت تقسیم کرتے ہیں اور قوم جو کچھ اسے دیتی ہے وہ اسے ایک کے سات سو کر کے قوم ہی کو پھر واپس کر دیتا ہے، آج ملک کی اقتصادی بدحالی کی وجہ یہ عظیم مرکزی ادارہ بھی متاثر ہے، مالیہ کی کمی کی وجہ سے بہت سے ضروری اخراجات اکثر ترک کر دیئے جاتے ہیں؛ لیکن امسال ضرورت سے بڑھ کر بنیادی اور مقررہ اخراجات کے چلنے کی صورت بھی نہیں رہی ہے، ماہ رجب کی تنخواہیں تک پوری تقسیم نہیں ہوسکی ہیں، حالانکہ ماہ شعبان کی آج ۲۲ تاریخ آ چکی ہے، گویا قلیل تنخواہوں والے کارکنوں پر ایک مہینہ صاف گذر گیا ہے کہ ان میں سے بہت سے اپنی تنخواہوں سے مستفید نہیں ہوئے اور قرض پر گذار رہے ہیں، اس سے دوسرے اخراجات کی تنگی بلکہ بندش کا اندازہ فرمالیا جائے، اگر خدانخواستہ یہی حالت رہی تو خاکم بدہن وہ وقت بھی آسکتا ہے کہ اس مرکزی درسگاہ کے طلبہ ایک بڑے عدد کو جواب دے دیا جائے، منتخب اور چیدہ مدرسین ہاتھ سے کھو دیئے جائیں، متعین عملہ دفتر میں تخفیف کر دی جائے، اور بہت سے مصارف خیر اور کار خیر کے سلسلے بند کر دیئے جائیں، دوسرے لفظوں میں دارالعلوم کی مرکزیت کو اپنے ہاتھوں ختم کر دیا جائے۔

یہ سب کچھ معطیان خیر کی سرد مہری کی بدولت ہوگا، ہم عنداللہ یہ کہہ کر عذر پیش کرسکیں گے کہ ہم نالائق خدام نے اس دینی سرچشمہ کی خدمت میں اپنی جان کی حد تک کمی نہیں کی؛ لیکن مالیہ ہمارے قبضہ کی چیز نہیں، ہم یہی کر سکتے ہیں کہ اپنی ذات کی حد تک فقر وفاقہ کر کے بھی اس امانت الٰہیہ کی حفاظت کریں؛ لیکن مالیہ پیدا نہیں کر سکتے، یہ کام اہل خیر کا ہے کہ

اپنے دینی احساس کو بیدار رکھ کر اس امانت خداوندی کے چمن کو اپنی گاڑھی کمائی سے سینچیں اس لئے موجودہ صورتحال کی ذمہ داری ملک کے اہل خیر پر ہی عائد ہوگی، اس مرکز کی جلد سے جلد خبر لیں اور اس آنے والے برکت کے مہینہ رمضان میں اپنے مرکز کے خالی شدہ خزانہ کو بھر دیں؛ تاکہ آنے والے تعلیمی اور انتظامی حیثیت سے خسارہ میں نہ رہے اور دار العلوم کے امور خیر میں کسی قسم کی کمی اور کوتاہی رہ نہ جائے، ہر شہر اور ہر قصبہ میں وہ حضرات جو دار العلوم سے محبت رکھتے ہیں، کھڑے ہو جائیں اور اپنے اثرات کی حد تک حلقے قائم کر کے دار العلوم کے لئے مالیہ فراہم کرنے کی مہم شروع فرمائیں، اگر اس قسم کے بیدار اور حساس افراد نے ضرورت ظاہر فرمائی تو دار العلوم کی جانب سے وفود بھی روانہ کئے جائیں گے، جب کہ مقامی اہل خیر وفود کے ساتھ پورے پورے تعاون کا عزم مصمم کر لیں، زکوۃ وصدقات سے غریب طلبہ کی امداد کی جائے، اور اس کے علاوہ حسب فرمان نبی ﷺ "إن في مال المرء حقا سوي الزكاة" (آدمی کے مال میں زکوۃ کے سوا بھی حقوق ہیں) "عطایا اور رقوم چندہ اس دار العلوم کے عام کاموں کو برقرار رکھنے کا سامان فراہم فرمائیں، اگر مستعد ہونے والے حضرات ہر شخص سے کم از کم فی روپیہ ایک پیسہ کی اپیل کریں اور ہر ہر قصبہ وقریہ سے نظم کے ساتھ وصول کیا جائے تو دینے والوں پر کوئی بوجھ نہ پڑے گا، اور دار العلوم کا خالی خزانہ پر ہو جائے گا، حق تعالیٰ ایسے محسنوں اور خادموں کے اجر کو کبھی ضائع نہیں فرماتا، وہ یہ رقوم دے کر اس سے ہزارہا گنا دنیا وآخرت میں وصول کر لیں گے، غلہ اسکیم کے سلسلے میں ہم خدام نے بلا واسطہ غلہ دینے والے کاشتکاروں سے ان کے یہ مقولے سنے ہیں کہ جب ہم نے دار العلوم میں غلہ کی یہ حقیر مقدار دینی شروع کی ہے، ہمارے کھیتیوں میں برکت اور پیداوار میں اضافہ ہوا ہے اور بہت سے ایسے کھیت بارآور ہو گئے ہیں جن سے اس سے پہلے کبھی کچھ وصول نہ ہوتا تھا۔

اسی طرح نقد پیسہ دینے والے بھی عقیدہ رکھیں اور تجربہ کریں (مگر نہ بہ نیت امتحان قدرت؛ بلکہ بہ نیت اطاعات وادائے فرض) کہ ان عطایا سے خود ان کے اموال میں کتنی برکت اور زیادتی ہوتی ہے حق تعالی پر اعتماد کریں اور عرض کردہ اسکیم کے مطابق نظم کے ساتھ

چندہ کی فراہمی فرمائیں اور پھر قدرت خداوندی کا مشاہدہ کریں۔(۱)

سفراء کی تذلیل سے عذابِ دنیوی کا اندیشہ

عموماً اہل مدارس کے سفراء رمضان المبارک میں چندہ وصول کرنے آتے ہیں، وہ بے چارے روزہ کی حالت میں در بدر پھر کر شام کے تھکے ماندے مسجد میں آتے ہیں، ان میں شیوخ حدیث اور بڑے بڑے علماء بھی ہوتے ہیں، جن کا اپنا حلقہ میں خاص مقام ہوتا ہے، بعض علماء صاحب نسبت بھی ہوتے ہیں، ایسے ذی وقار اہل علم کو مسجد میں قیام کرنے سے روکنا، دھکے دے کر باہر کرنا بہت ہی برا ہے، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے دار العلوم کراچی کے لئے محصل چندہ کسی عالم کو کبھی مقرر نہیں فرمایا، ایسا کیوں؟ اس کی وجہ خود وہاں کے ناظم (حضرت مولانا سبحان محمود) صاحب تحریر فرماتے ہیں، ان ہی کے الفاظ میں:

آپ نے (مراد حضرت مفتی شفیع صاحب) دار العلوم کے لئے چندہ وصول کرنے کرنے والا سفیر کبھی کسی عالم یا حافظ کو مقرر نہیں کیا، فرمایا کرتے تھے کہ اہل علم کی تذلیل وتحقیر ایک طرف تو علماء کی دنیوی رسوائی ہے اور دوسری طرف ذلیل سمجھنے والے کے دین وایمان کے لئے بھی بڑا خطرہ ہے، بعض اوقات علماء کی تذلیل کفر تک پہنچا دیتی ہے، اور پتہ بھی نہیں چلتا، اور اس سے بھی بڑا خطرہ یہ ہے کہ اگر وہ عالم اللہ والا بھی ہے تو ذلیل سمجھنے والے پر دنیا میں بھی عذاب کا اندیشہ ہے، آخرت کا معاملہ اللہ جانے، اس طرح آپ نے علماء کی عزت کے تحفظ کے ساتھ عام مسلمانوں کے دین وایمان کو بھی محفوظ کرلیا۔(۲)

سفراء کا مسجد میں قیام کرنا

حضرات فقہاء نے مسافر اور پردیسی کے لئے مسجد کے احترام کو باقی رکھتے ہوئے

---

(۱) محمد طیب دار العلوم دیوبند، ۲۲ شعبان ۱۳۷۳ھ (علماء دیوبند کی یادگار تحریریں، تحفۃ المدارس: ۲/۳۱۱، چندہ اور مدارس

(۲) البلاغ خصوصی اشاعت: ۸۹۲

مسجد میں سونے کی اجازت دی ہے، حدیث وفقہ سے ثابت ہے کہ، ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"کنا ننام علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد ونحن شباب" (۱)

ہم رسول اللہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسجد میں سویا کرتے تھے دراں حالانکہ ہم نوجوان تھے۔

معلوم ہوا کہ عہد رسالت میں بوقت ضرورت مسجد میں سونا صحابہ کا معمول تھا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"ولا بأس للغریب ولصاحب الدار أن ینام فی المسجد فی الصحیح من المذہب، والأحسن أن یتورع فلا ینام" (۲)

مسافر اور مقیم کے لئے مسجد میں سونے میں کوئی حرج نہیں ہے، مذہب کے صحیح قول کے مطابق، اور پسندیدہ بات یہ ہے کہ پرہیزگاری اور تقوی اختیار کرتے ہوئے نہ سوئے۔

اسی طرح مسجد میں چندہ کا اعلان کرنا حقوق مسجد ومصلیان کا خیال رکھتے ہوئے درست ہے، لہٰذا جو لوگ مدارس کے لئے چندہ کرنے والے سفراء کو قیام مسجد سے روکتے ہیں ان کا یہ روکنا شرعا درست نہیں، چندہ بھی ایک کارِ خیر ہونے کی وجہ سے مسجد میں انجام دیئے جائے والے امور میں داخل ہے، اس کی دلیل میں شیخ الاسلام حضرت مدنی کے ایک اہم فتوی کے دو اقتباس نقل کئے جاتے ہیں، فتوی کا پس منظر یہ ہے:

مسجد میں چندہ کا ثبوت

"۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں مساجد میں دینی وملی اجتماعات کے انعقاد کے متعلق ایک استفتاء ملک کے اہم علماء اور مراکز افتاء کو بھیجا گیا، اس استفتاء کے جواب میں ملک کے مقتدر علماء ومفتیان کرام نے فتاوی تحریر فرماتے ہوئے جو سہ روزہ الجمعیۃ دہلی کی متعدد

---

(۱) ترمذی: ۱/ ۷۳

(۲) الفتاوی الہندیۃ: ۵/ ۳۲۱

اشاعتوں میں شائع ہوئے، اسی ضمن میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا مفصل فتوی مع تصدیقات دیگر علماء شائع ہوا، اس میں ہے:

یہ مقدس (مراد مسجد نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) زمانۂ سعادت اور اس کے بعد زمانہ ہائے خیر القرون میں صرف دار الصلاۃ والعبادات ہی نہیں رہی جیسا کہ بعض کوتاہ فہم خیال کرتے ہیں الخ''

اس کے بعد حضرت نے نمبر وار تیرہ امور بتلائے ہیں جو مسجد نبوی میں انجام دیئے جاتے تھے، نمبر تیرہ میں تحریر فرماتے ہیں:

۱۳۔ اسی طرح یہ مسجد ''دار الاعانۃ والاستمداد'' رہی ہے، جب بھی کوئی مالی ضرورت: جنگی کاروائیوں یا ارباب احتیاج وفقر یا خون بہا اور دیات وغرامات کے لئے پیش آتی تھی، جناب رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو مسجد میں منادی کے ذریعہ سے بلا کر اعانت اور چندہ کی ترغیب دیتے تھے، مسجد میں ہی چندہ اصول کیا جاتا تھا، اور تقسیم بھی وہاں کیا جاتا تھا، سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ کا واقعہ غزوہ تبوک اور دوسرے غزوات میں بارہا ترغیبیں دی جاتی تھیں، قبیلہ مضر وہوازن وغیرہ فقراء اور ارباب حاجت وفود کے لئے بار بار یہیں چندہ کیا گیا

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمانوں کے جماعتی جملہ امور خواہ ان کا تعلق دنیاوی زندگی سے ہو یا آخرت سے اور خواہ وہ عبادات کی قسم سے ہوں یا معاملات وغیرہ سے عموماً مسجد نبوی میں انجام پاتے تھے، اور مساجد میں وہ امور نہ صرف جائز ہیں، بلکہ مساجد کی ساخت ایسے امور کے لئے ہوئی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ عینی وحافظ ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

''قال المهلب: المسجد موضوع لأمر جماعة المسلمين فما كان من الأعمال يجمع منفعة الدين وأهله جاز فيه'' الخ''(۱)

مہلب کہتے ہیں کہ مسجد کی وضع سے شرعی مقصود مسلمانوں کی اجتماعی

(۱) عمدۃ القاری: ۴/۲۲۰، فتح الباری: ۱/۴۳۶، فتاوی شیخ الاسلام: ۲۳۳

امور کا انصرام ہے؛ لہٰذا ہر وہ کام جس میں اسلام اور اہل اسلام کی مصلحت موجود ہو مسجد میں جائز ہو جائے گا۔

فتوی بالا کے اقتباس سے معلوم ہوا کہ دینی امور کے لئے چندہ وصول کرنے کا معمول زمانہ ہائے خیر القرون سے چلا آرہا ہے، اس کو بند کرنا، روکنا اور حقیقت کارِ خیر کو روکنا ہے، کسی مومن کا یہ کام ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

ایک کافر ولید بن مغیرہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ ارفع میں گستاخی کی تھی، اللہ تعالیٰ نے بسزا استہزاء قرآن پاک میں دس کلمات (صفات) ارشاد فرمائے، اس میں نمبر چھ کا وصف ہے "مناع للخیر" یعنی بھلے کام سے روکنے والا، حضرت شاہ صاحب اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: یہ سب کافر کے وصف ہیں، آدمی اپنے اندر دیکھے اور خصلتیں چھوڑے۔(۱) لہٰذا چندہ سے روکنا در حقیقت کارِ خیر سے روکنا ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔(۲)

مسجد میں چندہ کا طریقہ

محصل اور سفیر کے پاس مرکزی اداروں (جیسے دار العلوم دیوبند، مظاہر العلوم) یا معتمد تنظیموں (جمعیۃ علماء ہند، مسلم پرسنلاء بورڈ) کا تصدیق نامہ ضرور ہونا چاہئے، جس علاقہ کا سفر کیا جارہا ہے وہاں کے مرجع ومقبول عالم اور متعارف شخص کی عام سفارش بھی مل جائے تو بہتر ہے، سب سے پہلے ذمہ دارانِ شہر، پھر ذمہ دارانِ کمیٹی سے اجازت حاصل کرلیں، اپنے ساتھ کوئی کارٹون (ڈبّہ) ہو جس پر مدرسہ کا نام واشتہار لگا دیا جائے، مسجد میں کسی نماز کے بعد مسجد کے اصول ومعمولات کے مطابق مختلف تعارفی اعلان کردیں، مبالغہ آرائی بھی نہ ہو، عزّت نفس کی نیلامی بھی نہ ہو، ضرور ایسی بات کہی جائے جس سے عوام کو ضروریاتِ مدرسہ کا اندازہ ہو اور انہیں ہم پر اعتماد بھی حاصل ہو، مسجد کے باہر کپڑا بچھانا مناسب معلوم نہیں ہوتا،

---

(۱) تفسیر عثمانی

(۲) محمود الرسائل، حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری: ۵۰۲، ۵۰۳

ایک سفیر کی موجودگی میں دوسرے سفیر کا بھی اعلان کرنا اخلاقی و مالی اعتبار سے نقصان دہ ہوتا ہے، محصل وسفیر نہایت خوددار وغیرت مند ہونا چاہئے، چندہ بڑھانے اور مدرسہ کا صحیح تعارف کرانے اور مخاطب کا اعتماد جیتنے کا ماہر ہونا چاہئے، کچھ کڑوی کسیلی نبی کی راہ سننا ہی پڑتا ہے، جو دے اس کا بھی بھلا، جو نہ دے اس کا بھی بھلا کا مزاج بنانا پڑتا ہے، چندہ دے، چندہ مخاطب مدارس کے کام کے سلسلے میں غیر غلط فہمیوں کا ازالہ کرے، اگر کچھ قابلِ اصلاح مشورہ دیئے جائیں تو اس کے مخلصانہ جذبہ دیکھ کر سن لیں اور بڑوں تک پہنچائیں، سفر وصولیٔ چندہ میں اپنے لئے ہدیہ لینا رشوت کے شبہ سے خالی نہیں ہے، ضرور احتیاط کریں، تقوی اور عملی زندگی کا زبان زوری کے مقابلے میں زیادہ اثر ہوتا ہے۔

معاونین و چندہ دہندگان سے رابطہ

اکابرین دار العلوم وغیرہ کا معمول رہا ہے کہ وہ سالانہ روداد وغیرہ چھاپتے تھے، مدرسہ کی آمدنی اخراجات، تقاضے، منصوبے، تعلیمی کارگذاری وغیرہ پوری وضاحت سے بتلاتے، قومی ادارہ ہونے کے ناطے بھی ضروری ہے، اعتماد وتعاون کی فضا قائم کرنے کے لئے بھی اہم، خود دار العلوم دیوبند وقتاً فوقتاً غلہ اسکیم کا اجلاس رکھتا ہے، اطراف واکناف کے گاؤں دیہات (جو فصل کٹائی کے موقعہ پر وافر مقدار میں غلہ پوری فراخ دلی کے ساتھ پہنچاتے ہیں) کی پر تکلف مہمان نوازی کرتا ہے، سالانہ جلسوں میں بالخصوص انہیں شخصی دعوت کے ذریعہ مدعو کیا جائے، یا کبھی ان کی خصوصی نشست رکھی جائے جس میں مدارس دینیہ کی اہمیت وافادیت مال کے قبول ہونے کے ضابطے بتلائے جائیں، معاونین کا سلسلہ بڑھانے کی ترغیب دی جائے، اس موقعہ سے ان باتوں کا مذاکرہ ہوسکتا ہے:

۱۔ دین اور دین کا کام ہمارا محتاج نہیں ہے، ہم ان کے محتاج ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے مال کو قبول کیا، مقام شکر ہے، مقام فخر نہیں ہے۔

۲۔ سمجھنا چاہئے کہ مسجد بنانے سے فجر معاف نہیں ہوجاتی، زکاۃ صدقہ دینے سے روزہ معاف نہیں ہوسکتا، قرآنی علوم کی اشاعت وترویج پر خرچ کرنے کے ساتھ بھی

پڑھنے کی فکر کرے، اپنی معاشرت ومعاملات کو علماء کرام سے ضرور سیکھیں۔

۳۔ باغ والوں کا واقعہ (سورۃ القلم) اور دیگر واقعات بتلاتے ہیں کہ راہ خدا میں خرچ کرنے کا سلسلہ روکنے سے کتنا نقصان ہوسکتا ہے۔

۴۔ کپڑے دھوکر دھوبی نے احسان کردیا کہ اس کی اجرت دی جاتی ہے، اہل مدارس نے زکوۃ، صدقات لے کر ہمارے نفس کو بخل وحرص سے مال کو آفات وبلیات سے پاک کر کے احسان کررہے ہیں۔

۵۔ اہل مصارف کا احسان ہم پر زیادہ ہے کہ ہم نے فانی مال دیا، انہوں باقی اجر دیا

۶۔ خود مال پہنچانے کی فکر کریں: ”مناولة یدالمسلمین تقی میتة السوء“۔

۷۔ اپنے اولاد کو مدارس مکاتب میں داخلہ کروائیں۔

۸۔ خدا کے لئے! کبھی مالی تعاون کر کے مدرسہ کے نظام تعلیم میں بے جا مداخلت نہ کیجئے، ہاں! اس شعبہ کے ماہرین دیگر ذمہ دارانِ مدارس سے مشورہ وصلاح ضرور لیں۔

نظام چندہ اور ہمارے اکابر کا احتیاط

حضرت تھانوی کی نظماء سے کچھ باتیں

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ مدرسہ امداد العلوم سے متعلق اپنی وصایا میں فرماتے ہیں کہ ...... میرے بعد جو بھی اس مدرسہ کا منتظم ہو وہ چند باتوں کا اہتمام کرے۔

دیکھو ایک ہے مدرسہ کی آمدنی یہ تمہارے اختیار میں نہیں، البتہ مدرسہ کے اخراجات تمہارے اختیار میں ہیں۔ اسلئے نظر اخراجات پر رہے نہ کے آمدنی پر۔ یہ ایسا نسخہ ہے اگر اپنالوگے تو کبھی پریشانی نہ ہوگی۔

یاد رکھو! ہم نے مدرسہ کھولا علم دین پڑھانے کے لیے۔ اب جتنی وسعت ہو اتنا کام کیا جائے، آمدنی زیادہ ہے کام بڑھادو، کم ہے کم کردو، طلبہ کو کھانا کھلانے میں دشواری ہے طلبہ کم کرو۔، آخرت میں تم سے سوال یہ نہیں ہوگا کہ ۲۰۰ طلبہ کیوں نہیں رکھے۔، سوال یہ ہوگا ۲ بھی رکھے تو کام کے کیوں نہیں بنائے۔

اگر دو طلبہ بھی سال بھر میں ہم کام کے نہ بنا پائے اور انکا وقت ہم نے ضائع کرادیا تو آخرت میں ہم سے انکے متعلق باز پرس ہوگی۔

اور یہ جو آجکل چندہ کنندہ حضرات کی جگہ جگہ بھر مار ہے اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ پریشانی ہم نے خود اپنے اوپر مسلط کررکھی ہے، مدرسہ میں مثلاً طلبہ کے قیام کی گنجائش ۵۰ ہے، رکھ لیے ۱۰۰۔

اب جب پریشانی لاحق ہوئی تو ہوسٹل کی تعمیر کا چندہ شروع کردیا، اب کوشش کے بعد ہوسٹل بن گیا تو پھر آئندہ سال طلبہ ۱۵۰ کر لیے، اب ہوسٹل کا نظام درست ہوا تو مطبخ کے اخراجات آسمان چھونے لگے، ادھر سہولت ہوئی ادھر پریشانی کھڑی ہوگئی، سکون پھر ختم ہوگیا. یاد رکھیے اعتبار کمیت کا نہیں کیفیت کا ہوتا ہے، جتنا کام آسانی سے ہوا تنا کیا جائے، حضرت تھانوی کا یہ ملفوظ میں نے سلسلہ اشرفیہ کے بڑے بزرگوں سے بارہا سنا ہے کہ حضرت فرماتے تھے کہ علمائے کرام کو چاہیے کہ وہ امراء سے کم ملیں، اور انکے دروازوں پر دستک نہ دیں. ،اسلیے کے اگر علما امراء کے سامنے دست سوال دراز کریں گے تو علما کا وقار مجروح ہوگا. اورعلم دین اور مدارس کی ساکھ خراب ہوگی .

اسی لیے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی خانقاہ میں جو مدرسہ امدادالعلوم چلتا تھا اور چند طلبہ زیر تعلیم ہوتے تھے اور مدرسہ کی نگرانی حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے بھتیجہ مولانا شبیر احمد صاحب اور مولانا سید ظہور الحسن کسولوی ثم تہانوی کے ہاتھوں میں تھی. حضرت کا زیادہ تر مشغلہ اپنا تصنیف وتالیف اور خانقاہی نظام سے متعلق تھا. ،الحمدللہ آج بھی حضرت کے دور کے اس مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کے ایک طالب علم جنہوں نے حضرت تھانوی سے میزان ومنشعب پڑھی ہے حیات ہیں ،جن کو آپ حضرات بخوبی جانتے ہیں، خطیب الاسلام۔ برکت العصر حضرت مولانا سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم صدر مہتمم دار العلوم وقف دیوبند ہیں. ،آپ نے حضرت تھانوی سے صرف میزان ومنشعب ہی نہیں پڑھی: بلکہ حضرت تھانوی کے ہاتھوں سے پٹائی بھی کھائی ہے۔

خیر .....اس زمانہ میں جب مدرسہ امدادالعلوم حضرت تہانوی رحمہ اللہ علیہ چلاتے تھے ،تو حضرت تھانوی کے پاس اخراجات ختم ہوگئے، رقم اپنے پاس بالکل نہ رہی. ،تو حافظ منفعت تھانوی رحمہ اللہ علیہ سابق استاذ مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد فرماتے تھے کہ حضرت تھانوی نے طلبہ کو جمع کر کے فرمایا کہ دیکھو بھائی میرے پاس اس وقت مدرسہ کے اخراجات ختم ہوگئے ،تم میں اگر استطاعت ہو وہ اپنے کھانے کا نظم خود کر لے ،اور سبق یہاں رہ کر

پڑھتا رہے. اور جسکے اندر اخراجات کی استطاعت نہ ہو وہ جلال آباد مدرسہ میں چلا جائے. انشاءاللہ مولانا مسیح اللہ صاحب تم کو کھانا بھی دیں گے اور تعلیم بھی، اور جب میرے پاس نظم ہو جائے گا میں تمکو یہاں بلا لوں گا، اس طرح تمہارا کھانے کا نظم بھی ہو جائے گا اور تعلیمی حرج بھی نہیں ہوگا .

واضح رہے کے حضرت تھانوی نے اپنے مدرسہ کا اصول یہ بنایا تھا کہ اگر حضرت کے پاس آمدنی زیادہ ہوتی کام بڑھا دیتے، کم ہوتی کم کر دیتے، اور پھر اخیر عمر میں فرمایا تھا کہ کوئی وقت ایسا آئے کہ مدرسہ کے اخراجات کے لیے رقم پاس نہ ہو تو مدرسہ بند کر دیا جائے لیکن امراء کے سامنے کسی صورت دست سوال دراز نہ کیا جائے۔

اللہ کو منظور ہوگا وہ اس جگہ سے کام لے لے گا، نہیں تو کوئی حرج نہیں، اس سے آپ کا استغناء ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمہ اللہ کا کمال احتیاط

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمہ اللہ تعالی بخاری و ترمذی کے محشی جب مظاہر العلوم کی قدیم تعمیر کے چندے کے سلسلے میں کلکتہ تشریف لے گئے کہ وہاں کے قیام کی وجہ سے لوگوں سے حضرت مولانا رحمہ اللہ کے خصوصی تعلقات تھے تو مولانا مرحوم نے سفر سے واپسی پر اپنے سفر کی آمد و خرچ کا مفصل حساب مدرسے میں داخل کیا تو وہ رجسٹر میں مولانا زکریا رحمہ اللہ نے خود پڑھا، اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا اگر چہ وہاں چندہ خوب ہوا؛ لیکن میری نیت دوست سے ملنے کی تھی؛ چندہ کی نہیں؛ اس لئے وہاں کی آمد و رفت کا اتنا کرایہ حساب سے وضع کر لیا جائے۔

اساتذہ مظاہر العلوم کا کمال احتیاط

مظاہر العلوم کا جب سالانہ جلسہ ہوتا تھا تو میں نے اکابر مدرسین و ملازمین میں سے کسی کو جلسے کے کھانے یا چائے یا پان کو کھاتے نہیں دیکھا، جملہ مدرسین اپنا اپنا کھانا کھاتے

تھے، البتہ حضرت قدس سرہ مدرسے کے خصوصی مہمانوں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے، جب کہ مکان سے دس بارہ آدمیوں کا کھانا آتا تھا جو متفرق مہمانوں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا، اسی میں سے حضرت نوش فرماتے تھے، مدرسے کی کوئی چیز کھاتے نہیں دیکھا، مولانا عنایت اللہ علی رحمہ اللہ شب وروز مدرسہ میں رہتے اور دن کو ظہر کے وقت اور رات کو ۱۲ بجے اپنے دفتر کے کونے میں بیٹھ کر اپنا ٹھنڈا اور معمولی کھانا کھا لیتے تھے۔(۱)

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے ایک دوست کا قصہ ہے کہ وہ ایک اسلامی مدرسہ میں مہمان ہوئے، مغرب کے بعد مہتمم صاحب نے کسی خادم کو حکم دیا کہ ان کے کمرے میں لالٹین روشن کر دے انہوں نے فوراً ہی کہا کہ اگر مہتمم صاحب کا تیل ہو تو لانا اور اگر مدرسہ کا تیل ہو تو مت لانا، وہاں ایک بزرگ خان صاحب تشریف فرما تھے، جو ہمارے حضرات کے صحبت یافتہ ہیں، کہنے لگے: کہ یہ شخص اشرف علی کا تعلیم یافتہ معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ ایسی احتیاط اسی کے یہاں ہے، ان باتوں پر لوگ مجھے وہمی کہتے ہیں، مگر ایسا وہم بھی مبارک ہے جو حضرات سلف کے مذاق کے مطابق ہو۔(۲)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ایک صاحب نے تھانہ بھون کے مدرسہ میں دوسو روپیہ بھیجے اور خط میں اتنا لکھ دیا کہ زیارت کا بہت شوق ہے، کوئی تاریخ مقرر فرمائی جائے تو بہت عنایت ہو، میں نے روپیہ واپس کر دیا اور لکھ دیا کہ خط میں اگر میرے آنے کی تحریک نہ ہوتی تو میں روپیہ وصول کر لیتا، مگر اب نہیں لے سکتا، کیوں کہ مجھے شبہ ہو گیا ہے شاید آپ مدرسہ میں یہ رقم دے کر مجھ پر دباؤ ڈالنا چاہتے ہیں کہ اب ضرور آؤں گا، کیوں کہ ہم مدرسہ کے اتنے بڑے معاون ہیں، تھوڑے دنوں کے بعد روپیہ پھر واپس آیا، جس کے ساتھ ایک خط بھی آیا اس میں لکھا تھا کہ واقعی مجھ سے بڑی بدتہذیبی ہوئی مجھے رقم بھیجنے کے ساتھ شوق زیارت کا ذکر نہ کرنا چاہئے تھا، اب میں اپنی اس

---

(۱) آپ بیتی

(۲) تحفت المدارس: ۲/ ۲۷۴، چندہ اور مدارس

تحریک کو واپس لیتا ہوں، اللہ کے واسطے آپ یہ رقم وصول کر کے مدرسہ میں داخل کر دیجئے میں تو مدرسہ میں یہ رقم دے رہا ہوں، آپ کو تھوڑا ہی دے رہا ہوں، اس لئے آپ کا اس پر کوئی احسان بھی نہیں، اس شائستہ جواب کے بعد میں نے رقم مدرسہ میں داخل کر دی۔

حضرت حکیم الامت تھانوی ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

ایک صاحب نے طلبہ کے لئے پانچ روپیہ بھیجے اور ساتھ میں دعا کی استدعا بھی لکھی، میں نے روپیہ واپس کر دیا کہ یہاں دعا کی دکان نہیں، ہم بدون ہدیہ بھی سب مسلمانوں کی بھلائی کے لئے دعاء کرتے ہیں، روپیہ پھر واپس آیا اور ساتھ میں خط بھی آیا کہ مجھ سے حماقت ہوئی، واقعی مجھے ہدیہ کے ساتھ دعا کی درخواست نہ کرنی چاہئے تھی، اب میں دعا نہیں کرانا چاہتا، آپ للہ طلبہ کے لئے یہ ہدیہ قبول فرمالیں، اب میں نے لے لیا اور ان کو لکھا کہ آپ کے مقصد کے لئے دعا بھی کر دی گئی، تو جہاں روپیہ لینے سے دین کی وقعت کم ہوتی ہو وہاں ہر گز روپیہ نہ لیا جائے واپس کر دینا چاہئے، واللہ لاکھوں اور کروڑوں روپیہ بھی ملتے ہوں مگر دین کی عزت کم ہوتی ہو تو ایسے روپیہ بھی ملتے ہوں مگر دین کی عزت کم ہوتی ہو تو ایسے روپیہ پر لعنت بھیجنی چاہئے۔(۱)

حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ کے چندہ کا طریقہ

حضرت مفتی محمود صاحب سہارنپور سے چندہ کے لئے بھیجے گئے، بمبئی تشریف لے گئے، لوگوں سے صاف صاف فرما دیتے تھے کہ عربی مدرسہ ہے، اس میں باہر کے اتنے لڑکے ہیں، اتنے مدرس ہیں، یہ تعلیم ہوتی ہے، جو کچھ دینا چاہتے ہیں دے دیجئے، کسی کی خوشامد نہیں کرتے تھے۔(۲)

مدارس کے مال میں احتیاط:

بڑے حضرت (شاہ عبد الرحیم رائپوری) فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جتنا مدارس کی

(۱) خطبات حکیم الامت

(۲) افادات صدیق: ۱۲۲، محمد زید مظاہری ندوی، افادات اشرفیہ دوبا گا لکھنو

سرپرستی سے ڈر لگتا ہے اتنا کسی اور چیز سے نہیں؛ چونکہ مدارس کی رقم کے ہم تو مالک ہیں نہیں، مختلف لوگوں کا پیسہ ہوتا ہے، اگر کسی کا حق دبا دیا ہے تو اس سے معافی مانگنا آسان ہے، لیکن جہاں بہت سارے لوگوں کا پیسہ ہوتا ہے، ہر ایک سے معاف کرانا ناممکن ہے،، لہٰذا اس سے گریز کرنا چاہئے، مدرسہ کے مال میں بے احتیاطی نہ ہو، مدارس کے بقاء کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں: ایک مالی شعبہ میں خرد برد نہ ہو، دوسرے آپس میں اتفاق ہو، یہ دونوں چیزیں مدرسہ کے تحفظ کی ضامن ہیں۔(۱)

مولانا اکرام الحسن صاحب کی امانت داری

ارشاد فرمایا: کہ مولانا اکرام الحسن (والد ماجد حضرت مولانا انعام الحسن صاحب) مدرسہ مظاہر العلوم کا حساب دیکھ رہے تھے، دوپہر کے کھانے میں حضرت شیخ کے یہاں تاخیر سے پہنچے، ان کی ہمشیرہ (امۃ الودود) نے معلوم کیا، کہ بھائی آج اتنی دیر کیوں ہوئی، مولانا اکرام الحسن صاحب نے فرمایا: کہ حسابات دیکھ رہا تھا، اس میں چار آنے کی کمی ہو رہی تھی، ان کی ہمشیرہ نے کہا کہ چار آنے ہی تو تھے، فرمایا: ہاں تھے تو چار آنے ہی، مگر تھے مدرسے کے، یہ تھی امانت داری۔(۲)

مکان فروخت کر کے مدرسہ کی امانت ادا کی

ارشاد فرمایا: کہ حضرت مولانا منیر احمد صاحب مدرسہ دارالعلوم دیوبند مہتمم کے کام سے دہلی تشریف لے گئے، ان کے پاس مدرسہ کی رقم تھی، وہ چوری ہوگئی، انہوں نے مدرسہ سے ہفتہ عشرہ کی رخصت لی، اور دہلی سے گھر تشریف لائے، مولانا کی ایک جائیداد تھی، وہ فروخت کردی، رقم لے کر دہلی تشریف لے گئے اور کام پورا کر کے دیوبند آئے، بعد میں مہتمم صاحب نے ان کے منشی سے معلوم کیا کہ مولانا تو مدرسہ کے کام میں بہت محتاط تھے، مگر انہوں نے اتنی لمبی رخصت کیوں لی؟ انہوں نے عرض کیا: حضرت مدرسہ کی رقم چوری ہوگئی تھی، یہ گھر

---

(۱) ارشادات افتخار الاولیاء: ۲/۷۹

(۲) ارشادات افتخار الأولیاء: ۱/۱۴۱-۱۴۲

تشریف لے گئے اور ایک بڑی جائیداد فروخت کر کے مدرسہ کا کام مکمل کیا ہے، حضرت گنگوہی (۹ / جمادی الثانی: ۱۳۲۳ھ) کے پاس سوال لکھ کر بھیجا، حضرت نے تحریر فرمایا: کہ اگر انہوں نے اپنی رقم کی طرح حفاظت کی اور پھر چوری ہوئی تو تاوان نہیں، وہ جواب مولانا محمد منیر صاحب کو دکھلایا کہ آپ کے شیخ کا فتوی ہے، مولانا نے فرمایا: کہ مولانا گنگوہی نے فقہ میری ہی لئے پڑھی تھی، ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں کہ یہ معاملہ ان کے ساتھ ہوتا تو وہ بھی یہی کرتے، میں ہرگز روپیہ نہ لوں گا۔(۱)

محصلین عاملین کے حکم میں نہیں

زکوۃ کی رقم وصول کر کے لانے والوں کو اسی رقم میں سے اجرت عمل دینے کی گنجائش ہے، خواہ وہ غنی ہوں، مگر کسی حال میں ان کی وصول کی ہوئی رقم نصف سے زیادہ نہیں دی جائے گی۔ کسی مستحق زکوۃ کو زکوۃ کی رقم کسی عمل کے معاوضہ میں (سوائے تحصیل وجمع زکوۃ کے) نہیں دی جاسکتی، کیوں کہ زکاۃ کی ادائیگی میں تملیک بلاعوض شرط ہے، ملازمین مدتبلیغ وتعلیم کو تنخواہ بطور عقد اجارہ ہوتی ہے، جو تملیک بلاعوض نہیں ہے۔(۲)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں:

ہندوستان میں جہاں مسلمانوں کے اتفاق وتراضی سے امیر شرعی ہو امارت شرعیہ کا نظام قائم ہو اور امیر شرعی نے اپنی طرف سے عمال مقرر کئے ہوں، وہاں تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ انہیں عاملوں کو زکوۃ حوالہ کر دیں۔۔۔۔۔اور جہاں ایسا نظام شرعی موجود نہ ہو وہاں دینی ادارے اور درس گاہیں زکوۃ کے اجتماعی طور پر اکٹھا کرنے اور مستحقین تک پہنچانے کا نظم کر سکتے ہیں، اس لئے کہ دینی مدارس کے طلباء بھی زکاۃ کا بہترین مصرف ہیں، وہاں ان اداروں کی طرف سے وصولی زکاۃ کا کام کرنے والے جزوی طور پر عاملین ہی کے حکم میں ہیں کہ گو وہ امیر المسلمین کی طرف سے اس کام پر مامور نہیں ہیں؛ لیکن وصولی زکاۃ کا حق

---

(۱) حوالہ سابق: ۱/ ۱۹۳

(۲) کفایۃ المفتی: ۷/ ۱۰۳، ۱۰۴، دارالاشاعت کراچی

امیر کو تفویض کرنے سے شریعت کا جو اصل مقصود ہے یعنی اجتماعی طور پر زکوۃ کی وصولی و تقسیم کا نظم کرنا وہ اس طرح پورا ہو جاتا ہے، البتہ ان کو زکاۃ کا حوالہ کرنا واجب نہیں۔(۱)

یہی بات مفتی شعیب اللہ خان صاحب فرماتے ہیں:

عام طور پر مدارس میں وصولی چندہ کے لئے سفراء رکھے جاتے ہیں اور ان کو ان کا حق الخدمۃ دیا جاتا ہے، ان کے متعلق سوال یہ ہے کہ کیا یہ لوگ ''العاملین علیھا'' میں داخل ہو کر مستحق زکاۃ ہیں؟ اور کیا ان کو زکاۃ کی رقم ان کا معاوضہ دینا جائز ہے؟

جواب یہ ہے کہ ہاں یہ عاملین صدقہ کے حکم میں داخل ہیں، اور چونکہ عاملین صدقہ کی حیثیت وکیل فقراء کی ہونے کی ہے، اس لئے ان کو زکاۃ کی مد میں سے ان کا حق خدمت دینا جائز ہے، جیسے کوئی فقیر کسی کو اپنے مقدمہ کا وکیل بنادے اور اس کا حق الخدمۃ زکاۃ کا مال، وصول کر کے اس سے ادا کرے تو جائز ہے، حضرت مفتی شفیع صاحب نے تفسیر معارف القرآن میں اگر چہ یہ لکھا ہے کہ مدارس کے سفراء عاملین صدقہ کے حکم میں نہیں اور ان کو زکاۃ کے مد سے معاوضہ دینا جائز نہیں (۲) مگر امداد المفتیین میں صراحۃ اس سے رجوع فرمالیا ہے، اور سفراء اور اہل مدرسہ کو صدقہ کے عاملین کے حکم میں داخل فرمایا ہم، اور حضرت گنگوہی اور حضرت تھانوی وحضرت سہارنپوری کا یہی مسلک رہا ہے۔(۳)

کمیشن پر چندہ کرنے پر انعام لینے کا حکم

کمیشن پر چندہ کرنا بچند وجوہ ناجائز ہے:

(۱) اجرت من العمل ہے، جو ناجائز ہے یعنی اس جمع شدہ چندہ میں سے یہ اجرت دی جاتی ہے تو یہ معاملہ نہیں؛ کیوں کہ صورت ''قفیز طحان'' کی ہے، جو حدیث شریف کی رو سے ممنوع ہے (اگر مدرسہ اپنے فنڈ سے دے گا تو یہ وجہ ناجائز ہونے کی باقی نہ

---

(۱) قاموس الفقہ: ۴/ ۸۲، زمزم پبلیشر، پاکستان

(۲) معارف القرآن: ۴/ ۳۹۹

(۳) امداد المفتیین: ۱۰۸۵

رہے گی، مگر دوسری مندرجہ ذیل وجوہ قائم رہیں گی)۔

(۲) اجیر اس عمل پر قادر نہیں، قادر بقدرۃ الغیر ہے، اس کا عمل چندہ دینے والوں کے عمل پر موقوف ہے، اور قادر بقدرۃ الغیر بحکم عاجز ہے، جب کہ صحت اجارہ کے لئے بوقت عقد اجیر کا قادر علی العمل ہونا اور مستاجر کا قادر علی تسلیم الاجرۃ ہونا، صحت عقد کے لئے شرط ہے، لہٰذا یہ اجارہ باطلہ ہوا، اس لئے چندہ لانے کے لئے اس کی اجرت بصورت حصہ مقررہ حلال نہیں ہے۔(۱)

(۳) اسی طرح اس میں اجرت اور منفعت بھی مجہول ہے، کیوں کہ اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں کہ کتنے گھنٹے روزانہ لوگوں کے پاس جانا ہے، ان تمام وجوہات کی بناء پر کمیشن کی بنیاد پر چندہ کرنا ناجائز ہے۔

(۴) سفیر کے لئے چندہ جمع کرنے پر اجرت کا بے غبار طریقہ یہ ہے کہ مہتمم مدرسہ جس شخص کو چندہ کرنے کے لئے مقرر کرے، اس کے چندہ کرنے کے عمل میں کوئی معین اجرت طئے کردے، خواہ ماہانہ ہو یا یومیہ اور وہ شخص اس طئے شدہ معاملہ کے مطابق چندہ جمع کرے، تو یہ صورت بلا شبہ جائز ہے، اور اگر سفیر تنخواہ دار ملازم ہے تو اس کی حسن کارکردگی یا متعینہ مقدار (وصولیابی کی) پوری کرنے کی وجہ سے تنخواہ کے علاوہ کچھ رقم بطور انعام دینا تو جائز ہے، لیکن زکاۃ کے پیسے سے دینا جائز نہیں؛ بلکہ زکاۃ کا پیسہ مدرسہ میں جمع کرنا لازم ہے اور یہ انعام مدرسہ اپنے امدادی فنڈ سے (جس سے تنخواہ دی جاتی ہے) دے سکتا ہے۔

اب یہاں دو باتیں ہوئی کمیشن پر چندہ کرنا (جو کہ ناجائز ہے) دوسرے تنخواہ پر چندہ کرکے اخیر میں انعام کا دیا جانا، یہ جائز ہے، ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ کمیشن اجرت کے درجہ میں ہوتا ہے، جس کا اجارہ فاسدہ میں داخل ہونا اوپر ذکر کیا جاچکا، اور انعام اجرت کے علاوہ کارکردگی پر اضافی طور پر دیا جاتا ہے، جو شرعا ناجائز ہے، یہاں یہ وضاحت بھی ضروری

---

(۱) احسن الفتاوی

ہے کہ اگر انعام بطور فیصد دیا جائے تو بھی اس کی گنجائش ہے، کیوں کہ یہ اصل اجرت نہیں ہے کہ اجرت مجہول میں داخل ہونے کا گمان ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ خاص چندہ کی رقم، جو عموماً زکوۃ، صدقات واجبہ کے مد کی ہوتی ہے، اس میں سے کمیشن یا انعام دینا جائز نہیں، بلکہ مدرسہ اپنے عمومی فنڈ سے تنخواہ یا انعام دے، جس طرح مدرسہ کے دوسرے جائز مصارف میں خرچ کرنے اور ملازمین کو تنخواہ دینے کا مہتمم مجاز ہے، اس کا بھی مجاز ہوگا، معطیین کی زکوۃ وغیرہ رقم خاص سے نہیں دیا جاتا کہ معطیین کو اعتراض یا اشکال ہو، ہاں ارباب حل وعقد یا شوری اس کے صواب وناصواب ہونے کی جانچ کر سکتے ہیں، اور جہاں کہیں معطیین کی رقم خاص سے تنخواہ یا انعام کمیشن لے لینے کا طریقہ ہو، وہاں معطیین کا اعتراض بجا ہوگا۔(۱)

کمیشن پر چندہ کرنا

جو سفراء با قاعدہ مدرسہ کے تنخواہ دار ملازم ہیں، ان کو حسن کارکردگی کی بنیاد پر تنخواہ سے زائد متعینہ اضافی رقم دینے کی گنجائش ہے، اور یہ انعام کے درجہ میں ہوگی، جو مدرسہ کے امدادی فنڈ سے دی جائے گی، نہ کہ زکاۃ وصدقات واجبہ کی رقم سے، اور جو سفراء مدرسہ کے ملازم نہیں ہیں؛ بلکہ محض کمیشن پر کام کرتے ہیں تو اجارہ فاسدہ کے ہونے کی بناء پر اس معاملہ کی قطعاً اجازت نہیں اور نہ اس طرح چندہ کرنا جائز ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مزدور کو اجرت کی وضاحت کے بغیر اجرت پر لینے سے منع فرمایا ہے "نهى عن استيجار الأجير يعني حتى يبين له أجره"(۲) ہدایہ میں ہے:

"ولا يصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة"(۳)

---

(۱) چند اہم عصری مسائل: ۲۸۸، مکتبہ دار العلوم دیوبند

(۲) السنن الکبری للبیهقی: باب لا تجوز الإجارة حتى تكون معلومة، رقم الحدیث: ۱۱۸۵۵

(۳) الهداية: كتاب الإجارات: ۳/ ۲۹۳

اجرت پر لینا صحیح نہیں جب تک کہ اجرت معلوم نہ ہو۔

تملیک کے صحیح طریقے

تملیک کے دو طریقے ہیں:

(۱) مہتمم مدرسہ کسی (مستحق مصرف زکوۃ) سے مدرسہ کے لئے قرض طلب کرے، وہ قرض دے دے خواہ اپنے پاس سے خواہ کسی اور سے لے کر اس کے بعد مہتمم مدرسہ زکوۃ کی رقم اس کو دے دے تا کہ وہ اپنا قرض ادا کر لے۔

(۲) مستحق طلبہ کو مدرسہ کی طرف سے کھانا وغیرہ نہ دے؛ بلکہ کہہ دے کہ اتنا وظیفہ تم کو دیا جائے گا، اور کھانے کا اتنا کرایہ وصول کیا جائے گا، مہینہ پورا ہونے پر وظیفہ ان کو دے دے، پھر کھانے کی قیمت اور کمرہ کا کرایہ وصول کر لے، وظیفہ اتنا مقرر کرے کہ معاوضہ طعام اور سیٹ کی اجرت وصول کرنے کے بعد طلبہ کے پاس صابن وغیرہ ضرورت کے لئے بھی کچھ بچ جائے۔

اب رہا تملیک کا مسئلہ تو بعض مدارس میں با قاعدہ تملیک کا سلسلہ قائم ہے، کیوں کہ زکاۃ میں تملیک فقراء شرط ہے، یہ بات اہل مدارس اچھی طرح جانتے ہیں وہ لوگ زکاۃ کی رقم کو تملیک کرا کے خزانے میں رکھتے ہیں؛ تا کہ حسب ضرورت خرچ کرتے رہیں۔

☆ یہ تملیک حیلۂ شرعی ہے جس کی مفتیان کرام نے اجازت دی ہے؛ کیوں کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو مدرسہ چلانا مشکل ہو جائے، بعض محتاط مفتیان کرام نے زکوۃ کی رقم مدرسے کی تعمیر اور مدرسین کی تنخواہوں میں بھی استعمال کرنے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی ہے کہ اس کے لئے حیلۂ شرعی اختیار کیا جائے

☆ مثال کے طور پر طلبہ کی تعلیمی فیس اور خوراکی فیس اور رہائشی فیس متعین کر دی جائے اور ان کو زکاۃ سے وصول شدہ رقم دے کر مالک بنا دیا جائے اور پھر ان سے ان کے فیسوں کی رقم وصول کر کے مدرسے کے خزانے میں جمع کر لی جائے، اب اس رقم کو مدرسے کے مختلف ضروریات پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔

☆ بعض مدارس نے (مثلاً دار العلوم دیو بند نے) یہ تدبیر اختیار کی ہے کہ طلبہ سے داخلے کے وقت ہی یہ تحریر لی جاتی ہے کہ وہ مہتمم مدرسہ کو اموال زکوۃ کی وصولی اور وصول شدہ رقم کو کھانے، کپڑے، تعلیم اور رہائش وغیرہ جیسی ضروریات پر خرچ کرنے پر اپنا وکیل مقرر کرتے ہیں، اس سلسلے میں کئی سال پہلے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے ایک فتوے کو بنیاد بنا کر دار العلوم دیو بند کی مجلس شوری نے طلبہ سے وکالت نامہ حاصل کرنے کی تجویز پاس کی تھی اسی پر عمل ہو رہا ہے۔(۱)

تملیک کے سلسلے میں دار العلوم کا فتوی

یہاں مزید وضاحت کے لئے دار العلوم دیو بند کا فتوی مع سوال کے لکھ دیا جاتا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں؟

مدارس میں اموال زکاۃ کے استعمال میں خرد و برد ہو رہا ہے، وہ واضح ہے، بالخصوص رمضان المبارک کے موقع پر مدارس والے مال زکاۃ وصول کرتے ہیں؛ البتہ اس کے صرف کرنے کے سلسلے میں بے احتیاطی برتتے ہیں، اکثر بغیر تملیک کے مال زکاۃ تنخواہ بابت استعمال کرتے ہیں، اس مسئلہ کی وضاحت کے واسطے مندرجہ ذیل استفتاء کیا جا رہا ہے، برائے کرم مع دلائل وحوالہ ان کی تصریح کر دی جائے، نوازش ہوگی۔

مسئلہ نمبر (۱) زکاۃ کا مال یا رقوم وصولی کے بعد بہ ذریعہ تملیک استعمال کرنے کا عام رواج ہے، تملیک کی چند مروجہ شکلیں درج ذیل ہیں، ان کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟

(الف) کسی مستحق زکاۃ کو بلا کر زکاۃ کے رقوم اس کو دے دیا، اس کو معلوم ہے کہ یہ رقوم زکاۃ کی ہیں، اور مجھے واپس بھی کرنا ہے، لہٰذا وہ اپنے علم کے مطابق یہ رقوم معطی کو واپس کر دیتا ہے۔

(ب) کسی مستحق زکاۃ کو مال زکاۃ کی تملیک کا مسئلہ بتا کر اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ

---

(۱) اس سلسلے میں فتاوی دار العلوم ۱۴؍۱۲۵ پر مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری کا مضمون ''مہتمم کی شرعی حیثیت'' بھی ملاحظہ کیا جائے۔

میں آپ کو زکاۃ کے رقوم دوں گا، آپ اگر چاہیں تو اس کو اپنے کام میں لگا سکتے ہیں اور چاہیں تو کسی دینی کام مثلاً مدرسہ، مکتب وغیرہ میں استعمال کے لئے میرے حوالے کر سکتے ہیں، اس صورت میں پوری رقم صدقہ کرنے کا ثواب اب آپ کو ملے گا۔

پھر دوسری مجلس میں اس شخص کو زکاۃ کا مال یہ کہہ کر دیا جاتا ہے کہ یہ زکاۃ کا مال ہے، اسے لے جاؤ، البتہ دینے کے لئے دل میں یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص مجھے زکاۃ کا مال واپس کر دے گا اور لینے والا بھی دل میں سوچتا ہے کہ مجھے بھی یہ واپس کر دینا ہے، لیکن زبان سے کوئی کسی کو کچھ نہیں کہتا۔

(ج) کسی غریب کو زکاۃ کے رقوم دے دیا گیا، پھر اس شخص سے یہ رقوم مدرسہ میں چندہ لے لیا گیا اور غریب شخص کو کچھ رقم دے دیا گیا۔

(د) مدارس میں زیر تعلیم بچوں کے لئے ماہانہ فیس مقرر کر دی جائے، پھر زکاۃ کے رقوم سے ان کی طرف سے فیس ادا کر دی جائے۔

مسئلہ نمبر (۲) اکثر مدارس میں اساتذہ کو مکمل تنخواہ ملتی، اساتذہ کو مکمل تنخواہ نہیں ملتی، اساتذہ رمضان المبارک یا دیگر اوقات میں اموالِ زکاۃ وصول کرتے ہیں، اپنی ضرورت اور بقیہ تنخواہ بابت اموالِ زکاۃ وصول کرتے ہیں، اپنی ضرورت اور بقیہ بابت اموال زکاۃ براہِ راست خرچ کرتے ہیں، ان کا یہ خرچ کرنا کیسا ہے؟

نوٹ: ایسے حالات میں اساتذہ کے لئے مالِ زکاۃ خرچ کرنے کی کوئی بھی جائز صورت ہو تو اس کی تصریح فرما دیں۔

مسئلہ نمبر (۳) مدرسہ کے مہتمم صاحب زکاۃ کھانے کے مستحق طلبہ کی طرف سے وکیل بن سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر وکیل بن سکتے ہیں تو ان کی یہ وکالت تملیک کے لئے کافی ہے یا نہیں؟

مسئلہ نمبر: (۴) سفراء مدارس مدرسہ کے مہتمم صاحب کی طرف سے وکیل بن سکتے ہیں یا

نہیں؟ اگر وکیل بننے کی گنجائش ہے تو ان کی یہ وکالت تملیک کے لئے کافی ہے یا نہیں؟

مسئلہ نمبر (۵) مدرسہ کے لئے وصول شدہ اموالِ زکاۃ اسی مدرسہ کے متعلقہ مصرف زکاۃ استاذ صاحب اپنی ذاتی حوائج میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

مسئلہ نمبر (۶) حیلہ تملیک کی ضرورت کے وقت کس حد تک گنجائش ہے؟ برائے کرم مفصلا بیان فرمادیں۔

مسئلہ نمبر (۷) مدارس کی تعمیرات خواہ دار الاقامہ یا درسگاہ یا مہمان خانہ یا گیٹ وغیرہ ضرورت کی حد میں شامل ہے یا نہیں؟۔

الجواب بتوفیق اللہ عز وجل:

مسئلہ نمبر (۱)۔ (الف) اس صورت میں ''تملیک شرعی'' کا تحقق نہیں ہوا، اس لئے کہ جس شخص کو یہ رقم دی جارہی ہے، وہ اس رقم میں حسبِ منشاء تصرف کرنے کا مختار نہیں ہوتا، جب کہ تملیک شرعی کے لئے اس طرح مالک بنادینا ضروری ہے کہ جس شخص کو زکاۃ کی رقم دی گئی وہ اس میں حسبِ منشاء تصرف کر سکے ''هی۔الزکاۃ۔ تملیک جزء مال مال عینه الشارع من مسلم فقیر غیر ہاشمی ولا مولاہ مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه''۔(۱)

(ب) واپس کرنے والا شخص اگر رقم کو اس استعمال کرنے میں اپنے آپ کو مالک ومختار سمجھتا ہے، پھر کسی دباؤ کے بغیر اپنی مرضی سے مدرسہ میں دے دیتا ہے، تو یہ طریقہ درست ہے، ورنہ نہیں، ''والحيلة فی الجواز فی هذه الأربعة أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب''(۲)

---

(۱) تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۳/۱۷۳ (۲) البحر الرائق: ۲/۴۲۴

(ج) ''چندہ لے لیا گیا'' مبہم تعبیر ہے، اس کی وضاحت ضروری ہے، بہر حال اگر یہ صورت ہے کہ ایک غریب آدمی کو زکاۃ کی رقم پورے طور پر مالک بنا کر دے دی جاتی ہے، پھر یہ شخص کچھ رقم اپنے پاس رکھ کر مابقیہ مدرسہ میں بہ طور چندہ دے دیتا ہے، تب اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر مراد یہ ہے کہ وہ شخص مالک بننے کے بعد پوری رقم مدرسہ کے حوالہ کر دیتا ہے، پھر ذمے داران مدرسہ کچھ رقم اس غریب کو دے دیتے ہیں، تو ذمہ داران کا اس طرح رقم دینا درست نہیں ہے، اس لئے ذمہ داران مدرسے کے امین ہوتے ہیں، اس لئے ضروریاتِ مدرسہ کے علاوہ دیگر امور میں مدرسے کا مال خرچ کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ اس صورت میں تو رشوت کا بھی شائبہ ہے، جس کا جائز نہ ہونا واضح ہے، مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ (۱)

(نوٹ) ان تمام صورتوں میں معطیین کی طرف سے صراحۃ یا دلالۃ اجازت کے بغیر طلبہ کے علاوہ کسی اور شخص کو رقم دے کر تملیک کرنا شرعا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ مدرسہ میں زکاۃ، صدقات وغیرہ دینے والوں کا منشاء طلبہ کا خرچ کرنا ہوتا ہے نہ کہ غیر متعلقہ شخص پر، اور ذمہ داران پر منشاء معطیین کی رعایت ضروری ہے۔ الوکیل إنما یستفید التصرف من المؤکل وقد أمرہ بالدفع إلی فلان، فلا یملک الدفع إلی غیرہ (۲)

(د) یہ شکل سب سے بہتر ہے کہ مدرسے کا جتنا ماہانہ خرچ بہ شمول مطبخ، تعلیم، تنخواہ مدرسین وغیرہ آتا ہو، اس کو طلبہ پر تقسیم کر کے جو حاصل آئے اس رقم کو ہر طالب پر بہ طور فیس مقرر کر دیا جائے اور ہر مہینہ فیس کے بہ قدر رقم طالب علم کو دے کر اس سے بہ مد فیس وصول کر لیا جائے ۔۔۔۔۔ ہر مہینہ کے بجائے

---

(۱) ردالمحتار علی الدر المختار: ۶/ ۶۶۵، مطلب: مراعاۃ غرض الواقفین واجبۃ

(۲) المصدر السابق: ۳/ ۱۸۹

سالانہ فیس کی شکل میں پورے سال میں فیس یکمشت بھی طالب کو دے کر اس سے واپس لی جاسکتی ہے، لیکن اس صورت میں اگر یہ وضاحت کردی جائے تو بہتر ہے کہ اس مدرسے میں تعلیم حاصل کرنے کی سالانہ فیس اتنی رقم ہے، خواہ طالب علم پورے سال پڑھے یا بیچ میں چھوڑ کر چلا جائے۔

مسئلہ نمبر (۲) اساتذہ یا ملازمین کا زکاۃ کے حق دار مستحقِ زکاۃ نادار طلبہ ہیں، انہیں بہ طور ملک دے دینا ضروری ہے، تنخواہ کی ادائیگی کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وصول کنندگان پوری رقم مدرسہ میں جمع کردی، پھر ذمے داران مدرسہ طلبہ کو بہ مد وظیفہ دے کر بہ طور فیس مدرسے کے فنڈ میں جمع کرالی، پھر اس میں اساتذہ کو حسبِ ضابطہ بہ طور تنخواہ رقم دے دی جائے۔

مسئلہ نمبر (۳=۴) اس سلسلے میں محتاط قول یہ ہیکہ مدرسہ کے مہتممین (اوران کے واسطے سے) مدرسہ کے نمائندہ سفراء معطین کے وکیل ہیں اور معطین کا منشاء نادار طلبہ پر زکاۃ کا وغیرہ کا خرچ کرنا ہے؛ لہٰذا جب تک یہ رقومات طلبہ پر خرچ نہ کی جائیں ''تملیکِ شرعی'' کا تحقق نہ ہوگا ''إذا قيّدت الوكالة بقيد فليس للوكيل مخالفته'' (۱)

اگر مہتممین کو وکیل طلبہ قرار دیا جائے جیسا کہ بعض کتابوں میں ہے تو اس کا صرف اتنا فائدہ ہوگا کہ ''زکاۃ'' مہتممین اور سفراء کے ہاتھوں میں آتے ہی معطیین کا ذمہ فارغ ہوجائے گا اور وہ دوبارہ اس کا مطالبہ نہیں کرسکتے؟ لیکن اس کی وجہ سے مہتمم کو یہ اختیار نہ ملے گا کہ وہ مالِ زکاۃ جہاں مرضی ہو خرچ کریں؛ بلکہ اب بھی ان پر ضروری ہے کہ مصرفِ زکاۃ طلبہ پر خرچ کریں اس لئے کہ اسلامی حکومت کے ''بیت المال'' کے ''عاملوں'' کے ہاتھ زکاۃ وغیرہ آتے ہی معطیین کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے، لیکن اس کے باوجود زکاۃ کی رقم مصارف ہی میں خرچ کرنا ضروری ہوتا ہے، اس لئے ''بیت المال'' کے سارے مد لگ الگ رکھے جاتے ہیں؛ تاکہ ہر ایک کو اس کے مصارف ہی میں صرف کیا جائے ''بدائع الصنائع'' میں ہے:

(۱) مجلة الأحكام العدلية، الفصل الثاني في بيان الوكالة بالشراء المادة: ۱۴۷۹

"ولما حصل فی ید الإمام حصلت الصدق موداة حتی لو ہلکت المال فی ید تسقط الزکاة عن صاحبہا" (۱)

اور درمختار مع الشامی ہے:

"بیوت المال أربعة لکل مصارف بینتہا العالمون، وقال الشامی۔۔۔۔ ذکرو أنه یجب علیه أن یجعل لکل نوع منہا بیتا یخصه ولا یخلط بعضه ببعض الخ (۲)

مسئلہ نمبر (۵) مدرسے میں جو حضرات زکوۃ، فطرہ اور دیگر رقومات دیتے ہیں، ان کا منشاء طلبہ یا ضروریاتِ مدرسہ میں خرچ کرنا ہوتا ہے، لہٰذا زکوۃ کی رقوم اساتذہ کو دینا جائز نہیں، اگر چہ وہ مستحقِ زکاۃ کیوں نہ ہوں:

"إذا قیدت الوکالة بقید فلیس للوکیل مخالفته "(مجلة الأحکام العدلیة المادة : ۱۴۷۹، الفصل الثانی فی الوکالة بالشراء) وفی رد المحتار : الوکیل إنما یستفید التصرف من المؤکل وقد أمره بالدفع إلی فلان، فلا یملك الدفع إلی غیره کما لو أوصی لزید بکذا لیس للوصی الدفع إلی غیره "(۳)

مسئلہ نمبر: (۶) اصل تو یہ ہے کہ زکوۃ صدقات واجبہ مستحق زکوۃ غرباء، فقراء یتیموں اور بیواؤں پر صرف کی جائیں، لیکن اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے چوں کہ آج کل دینی مدارس کی پشت پناہی حکومت کی طرف سے نہیں ہو پاتی، اس لئے علماء نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ جہاں مدارس اور دینی اداروں کے واقعی اخراجات پورے کرنے کے لئے بھی امداد اور عطیات کی رقم کافی نہیں ہوتی، وہاں بہ قدر

---

(۱) بدائع الصنائع: ۱۵۲/۲، فصل: وأما الذی یرجع إلی المودی

(۲) رد المحتار علی الدر المختار: ۲۸۱/۳، مطب فی بیوت المال ومصارفہا

(۳) رد المحتار علی الدر المختار: ۱۸۹/۳

ضرورت اموالِ زکاۃ ''شرعی حیلہ تملیک'' کے بعد مدرسے کی عام ضروریات میں صرف کئے جاسکتے ہیں۔(۱)

مسئلہ نمبر (۷) ان میں زکاۃ کی رقوم خرچ کرنا جائز نہیں ہے، یہ ضروریات طلبہ نہیں ہیں، طلبہ کی ضروریات میں تو صرف ان کا کھانا، پینا، علاج ومعالجہ، نقد وظیفہ اور وہ مصارف شامل ہیں، جن کا تعلق براہ راست طلبہ سے ہے اور انہی کی ذات پر منتہی ہوجائیں ''ولا یجوز أن یبنی بالزکاۃ المسجد، وکذا القناطیر۔۔۔۔وکل ما تملیک فیہ الخ''۔(۲)

وصول زکاۃ کے سلسلے میں مدرسہ کے مہتمم کی حیثیت

مدرسہ کے مہتمم وناظم کی حیثیت میں دو پہلو ہیں:

اول زکاۃ وصول کرنے کے تعلق سے تو اس میں وہ طلبہ کے وکیل ہیں، اور ان کے لینے سے زکاۃ ادا ہوجائے گی، اور من وجہ مالدار معطیین کے بھی وکیل ہیں جس مصرف کے لئے دیا اسی میں خرچ کرسکتے ہیں۔

چنانچہ مفتی سعید صاحب پالن پوری دامت برکاتہم فتاوی دارالعلوم دیوبند کے حاشیہ میں بھی تحریر فرماتے ہیں اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ اور حضرت تھانوی قدس سرہ کی تائید سے مزید فرمایا ہے:

مدارس کے مہتمم ایک طرف تو چندہ دہندہ کے وکیل ہوتے ہیں، اس طرح کہ چندہ دینے والے اگر مصرف متعین کرکے دیں تو مہتمم صاحب اسی مصرف میں خرچ کرنے کے پابند ہیں، مثال کے طور پر چندہ (غیر زکاۃ) دینے والے نے مدرسہ کی عمارت میں خرچ کرنے کی قید لگائی تو مہتمم صاحب اس کی اجازت کے بغیر دوسرے مصرف میں خرچ نہیں کرسکتے۔(۳)

---

(۱) المصدر السابق: ۳/ ۲۹۴ (۲) الفتاوی الہندیۃ: ۱/ ۱۸۸، چند اہم عصری مسائل: ۲

(۳) فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۵/ ۱۲ / ۱۲

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں: ظاہرا مہتمم وکیل معطی کا ہے“(۱)

مدارس کے مہتمم دوسری طرف طلبہ کے قیم اور نائب بھی ہوتے ہیں، اس لئے ان کا قبضہ طلبہ کا قبضہ کہلائے گا، چندہ دیتے ہی چندہ دہندگان کی ملکیت سے چندہ خارج ہوجاتا ہے، اور اس پر طلبہ کی ملکیت ہوجاتی ہے، مدارس بیت المال کی طرح ہیں اور مہتمم صاحب نگراں کی طرح، اس میں طلبہ کا معلوم ومتعین ہونا بھی ضروری نہیں ہے جس طرح بیت المال کے مستحقین کا معلوم ومتعین نہیں ہوتے۔(۲)

مدرسہ کا مہتمم کس کا وکیل ہے؟

اصل میں مدرسہ کا مہتمم چندہ دہندگان کا وکیل ہے کہ وہ اس چندہ کی رقم کو مصارف میں خرچ کرے، لیکن بعض اکابر نے اسے بعض خاص مسائل میں من وجہ طلبہ مدرسہ کا بھی وکیل مانا ہے، اسی بناء پر مہتمم کے قبضہ میں آتے ہی معطیان کی زکاۃ کی ادائیگی کا قول کیا جاتا ہے۔(۳)

مہتمم کی حیثیت میں دوسرا پہلو ان رقوم کے خرچ کرنے کے سلسلے میں ہے تو اس میں وہ امین ہے اور امانت داری سے خرچ کرنا ضروری ہے، اور جس نے جس مصرف کی تعیین کی ہے اس کے خلاف میں صرف کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح ذاتی استعمال میں لانا قطعا جائز نہیں ہے۔

اور جو ایسا کرتا ہو وہ خائن اور مجرم ہے، اسے اس جگہ اور عہدے سے معزول کرنا لوگوں پر ضروری ہے، اگر ذمہ داری جاننے اور قدرت کے باوجود ایسے خائن کو نہ ہٹائیں تو وہ بھی مجرم ہیں۔

مدزکاۃ سے فیس کی وصولی

اس حوالہ سے مفتی شعیب اللہ خان صاحب فرماتے ہیں:

---

(۱) امدادالفتاوی:۱۳۱/ ۳ (۲) فتاوی دارالعلوم:۱۲۵/ ۱۲

(۳) مستفاد: تذکرۃ الرشید:۱۶۲۔۱۶۵

مستحق زکاۃ طالب علم پر بسلسلہ قیام وطعام وتعلیم پر جو خرچ آتا ہے، مدرسہ کی مدز کاۃ سے اہل مدرسہ کیا اس کو ادا کر سکتے ہیں، یا اس رقم کا چیک اس طالب علم کے نام دے کر کیش کرنے کے بعد اس سے وصول کر کے مدرسے میں جمع کر سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری (چیک والی) صورت میں تو کوئی شبہ ہی نہیں، یہ تملیک کی معقول صورت ہے، اور بلا شبہ جائز ہے، البتہ پہلی صورت میں احتیاط یہ ہونا چاہئے کہ پہلے طالب علم، اہل مدرسہ کو اس بات کا وکیل بنادے، جب اہل مدرسہ طالب علم کے وکیل کی حیثیت سے مدزکوۃ سے مقررہ رقم فیس میں ادا کردیں گے تو جائز ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ مہتمم مدرسہ طلبہ کا وکیل ہے یا نہیں؟ نیز زکاۃ دہندگان کا وکیل ہے یا نہیں؟

اس بارے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا ایک فتوی تذکرۃ الرشید میں واضح وصریح ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے نزدیک مہتمم طلباء کا وکیل ہے، اور بعض اعتبارات سے زکاۃ دہندگان کا بھی وکیل ہوسکتا ہے، وہ فتوی یہ ہے:

''مہتمم مدرسہ کا قیم ونائب جملہ طلبہ جیسا کہ امیر نائب جملہ عالم کا ہے، پس جو شیء کسی نے مہتمم کو دی مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبضہ ہے، اس کے قبضہ سے ملک معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہو گیا اور مہتمم بعض وجوہ سے وکیل معطی کا بھی ہوسکتا ہے۔(۱)

یہی حضرت خلیل احمد سہارنپوری کی رائے ہے اور حضرت تھانوی نے بھی آخر میں اسی کی طرف رجوع فرما کر اس کے خلاف او مولانا مفتی شفیع صاحب دیوبندی نے بھی اسی کو اختیار فرما کر اس کے خلاف سے رجوع کرلیا تھا۔(۲)

الغرض مہتمم واہل مدرسہ وکیل فقراء ہیں؛ لہٰذا جب وہ وکیل ہوئے تو طلبہ کی طرف سے ان کی ضروریات میں مدزکاۃ سے خرچ کرنا ان کے لئے جائز ہے، پھر بھی اگر صراحۃ توکیل ہوجائے تو احتیاط کا تقاضا ہے۔(۳)

---

(۱) تذکرۃ الرشید: ۱/۱۶۴، امداد المفتیین: ۱۰۸۵ (۲) معارف القرآن: ۴/۳۹۹

(۳) احکام زکاۃ، اور جدید حالات: ۴۴، مفتی شعیب اللہ خان صاحب

کیا اموال زکاۃ بغیر تملیک خرچ کرسکتے ہیں؟

اس بارے میں حضرت مفتی سعید صاحب فرماتے ہیں:

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے فتوے میں اس کی وضاحت نہیں تھی اور مسئلہ اس طرح چلتا رہا کہ تملیک ضروری ہے، اس لئے دار العلوم نے یہ طئے کیا کہ داخلہ کے وقت طالب علم سے ہی وکالت واجازت لے لی جائے اس صورت میں بلا تملیک ضروریات میں خرچ کرنا درست ہوگا، اور وکیل مان لینے کی صورت میں تو بلا کسی حیلہ تملیک کے ضروریات طلبہ میں خرچ کرسکتا ہے۔

لیکن اس میں ایک تفصیل ہے جو حضرت مفتی سعید صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ جن چیزوں کا فائدہ براہ راست ان تک پہنچتا ہے جیسے کھانا یا کپڑا وغیرہ اس میں بلا تملیک خرچ کرسکتے ہیں۔

اور جن چیزوں میں بالواسطہ طلبہ پر خرچ ہوتا ہے جیسے مدرسے کے بل، اساتذہ کی تنخواہیں یا جو چیزیں طلبہ کو مستعار دی جاتی ہیں جیسے کتابیں، پلنگ وغیرہ اس میں تملیک ضروری ہے۔(۱)

لہٰذا طلبہ کے وکیل ہونے کی بنا پر ان کی ضرورتوں میں خرچ کیا جاسکتا ہے، البتہ ضرورت سے زیادہ نہ ہو اور بلا ضرورت کا خرچ نہ ہو اس کی ذمہ داری مہتمم کے اوپر ہے۔

حیلۂ تملیک کی چار صورتیں

حیلہ تملیک کی ضرورت اس لئے بھی پیش آتی ہے غیر مصارف زکاۃ میں خرچ کرنے کے لئے رقم نہیں ہوتی، جب کہ ایک دینی مدرسہ کو جاری رکھنے کے لئے دیگر اہم ضروریات میں خرچ کرنے کے لئے رقوم درکار ہوتی ہیں، زکاۃ کی رقم حیلۂ تملیک کے ذریعے خرچ کر کے ضرورت پوری کی جاتی ہیں، اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے ایسا بے غبار حیلہ تملیک اختیار کرنا چاہئے کہ زکاۃ کی ادائیگی میں کوئی خلجان نہ رہے:

(۱) حاشیہ فتاوی دار العلوم: ۱۲۵/۱۲

۱۔ مہتمم معطیین زکاۃ کی وکیل ہے یا بحکم عامل؟

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اب تک کے تعامل امت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ حکومت کے مقرر کردہ عاملین زکاۃ کے زکاۃ وصول کرتے ہی مالِ زکاۃ معطی کی ملک سے نکال جاتا ہے (گو حکام کی یہ ذمہ داری پھر بھی رہتی ہے کہ زکاۃ کو ان کے مصارف میں ہی خرچ کریں) کیوں کہ مختلف مالکان کے مال زکاۃ کو الگ الگ رکھنے اور قبل الصرف مالک کی موت کی صورت میں مال ورثاء کو لوٹانے کا رواج نہیں تھا۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ مہتمم مدرسہ معطیین زکاۃ کا وکیل بالصرف اور امین محض ہے یا حکومت اسلامیہ کے مقرر کردہ عاملین زکاۃ کے حکم میں ہے؟

اگر پہلی صورت تو مدرسہ میں رقم جمع کرنے سے معطیین کے ملک سے نہیں نکلے گی اور وہ تمام مشکلات پیش آئیں گی جو اوپر مذکور ہوئیں، اور اگر عاملین کے حکم میں تو مہتمم یا اس کے کسی کارندے کے وصول کرنے سے مالِ زکاۃ کی ملک سے نکل جائے گا اور مذکورہ بالا مشکلات میں سے بیشتر مشکلات پیش نہیں آئیں گی، البتہ مصارف زکاۃ میں خرچ کرنے کی اہم ترین ذمہ داری باقی رہے گی۔

حضرت حکیم الامت مجدد تھانوی رحمہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی سید عبد الکریم گمتھلوی صاحب رحمہ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی رائے یہی تھی کہ مہتمم عاملین کے حکم میں نہیں؛ بلکہ امین محض ہے۔

امداد الأحکام میں حضرت مولانا مفتی عبد الکریم صاحب کا فتوی ہے، جس میں مدارس کے مالی امور پر سوالات کے جوابات ہیں، اور اس فتوے پر مولانا ظفر أحمد عثمانی رحمہ اللہ کی بھی تصدیق ہے۔

البتہ ابوحنیفہ وقت امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ اور فقیہ النفس حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ علیہ کا فتوی یہ ہے کہ مہتمم حکومت اسلامیہ کے مقرر کردہ عاملین کے حکم میں ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ "إمامة التشکیک فی إناطة الزکاة بالتملیک" میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ والا موقف اختیار کیا تھا، بعد میں حضرت مفتی صاحب نے رجوع فرما کر حضرت گنگوہی وحضرت سہارنپوری رحمہما اللہ والا موقف اختیار کر لیا تھا۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> "تملیک زکاۃ کے مسئلہ سے متعلق میرا رسالہ جو سن ۱۳۶۱ھ لکھا گیا تھا.........اس میں مہتممین مدرسہ کا حکم عاملین صدقہ کے حکم سے مختلف اسی شبہ کی بنیاد پر لکھا گیا تھا، جو خود سیدی حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ کا وہ شبہ رفع ہو گیا اور اسی حکم پر مطمئن ہو گئے جو حضرت ممدوح نے لکھا تھا"۔(۱)

حضرت گنگوہی حضرت سہارنپوری اور حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمہم اللہ کی ان تصریحات کے بعد راجح یہ ہے کہ مہتمم عاملین صدقہ کے حکم میں ہے، مہتمم یا اس کے کارندے کے وصول کرنے سے مال مالک کی ملکیت سے نکال جائے گا، مالک کی ملکیت سے نکالنے کے لئے تملیک کی ضرورت نہیں رہے گی۔

جن حضرات کے نزدیک مہتمم عاملین کے حکم میں نہیں ہے، ان کے نزدیک صرف معطیین کا وکیل بالداء فی المصارف المخصوصہ ہے اور جو حضرات مہتمم کو عاملین کے حکم میں مانتے ہیں ان کا وصول کرنا فقراء کا ہی وصول کرنا ہے۔

اس لئے مہتمم یا اس کے کارندے کے وصول کرنے سے ہی مالِ زکاۃ معطیین کی ملک سے نکل جائے گا۔(۲)

---

(۱) فتاوی دارالعلوم دیوبند، امداد المفتیین: ۱۰۸۵، کتاب المتفرقات، رسالۃ "إماطة التشکیک فی إناطة الزکاة بالتملیک"، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی۔

(۲) حیلہ تملیک سے متعلق تحقیق، مفتی غفران، ادارہ غفران راولپنڈی۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب مہتمم کا وصول کرنا فقراء کا وصول کرنا ہے تو پھر تملیک کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے، اس کا جواب مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے امداد الفتاوی جواب نمبر ۱۳ جلد ۲/ ۱۷ کے قلمی حاشیہ میں میں دیا ہے:

''بعد کی تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ متولی مدرسہ وناظم معطیین کے وکیل نہیں ہوتے؛ بلکہ معطی لھم کے وکیل ہوتے ہیں، تو ناظم ومتولی کا قبضہ طلبہ ہی کا قبضہ شمار ہوگا اور ان کے قبضہ کرنے سے زکاۃ معطیین کی ادا ہوجائے گی؛ لیکن یہ صرف وکیل بالقبض ہیں نہ کہ وکیل بالصرف اور یہ توکیل عملی ہے یا اقتضائی؛ لہٰذا متولی وغیرہ کے لئے ضروری یہ ہوا کہ اس مال کو معطی لہم تک پہنچائیں یا ان کی مرضی سے صرف کریں یا ان کے مصارف میں استعمال کریں۔

۲۔تملیک کی دوسری ضرورت کا حل

مال زکاۃ وصدقات واجبہ مدرسہ کی ملک میں آنے کے باوجود اس مال کو مصارف زکاۃ میں خرچ کرنا ضروری ہے، کبھی بلکہ عموماً مدارس میں اموال زکاۃ کو غیر مصارف میں خرچ کرنے کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے، جس کے لئے حلیہ تملیک کی ضرورت پڑتی ہے۔

فقہاء کی عبارات اور اکابر کے تعامل سے اس کی چار صورتیں سمجھ میں آتی ہیں:

ان چار صورتوں میں سے ہر ایک صورت کی بحث الگ الگ جاتی ہے تا کہ منافع ومفاسد معلوم ہوکر احوط صورت کی تعیین ہوسکے۔

۱۔حلیۂ تملیک کی پہلی صورت (فقیر کو دے کر مدرسہ کے لئے لینا)

تملیک کا معروف حیلہ یہ ہے کہ فقیر کو مال زکاۃ دے دیا جائے اور اسے کہا جائے کہ اس مال کے آپ مالک ہیں، آپ اپنی طرف سے اسے فلاں کارخیر میں صرف کریں۔

عموماً یہ لین ودین صرف ہزل اور مذاق ہوتا ہے، تملیک وتملک مقصود نہیں ہوتا۔ فقیر اس کو اپنی کسی ضرورت یا مرضی میں کچھ بھی خرچ نہیں کرسکتا، اس میں تملیک کہاں ہوئی۔

٢۔حلیۂ تملیک کی دوسری صورت: (فقیر کا قرض لے کر عطیہ کرنا)

تملیک کی ایک صورت حضرت تھانوی رحمہ الہ نے لکھی ہے جس کی تفصیل حضرت ہی کے الفاظ میں یہ ہے:

"اگر کہیں ایسے ہی موقع پر زکاۃ سے امداد کرنے کی ضرورت ہو، اس کی ایک اور تدبیر جو کہ بالکل قواعد کے مطابق ہے یہ ہے کہ کسی مسکین کو مشورہ دیا جائے کہ تم دس روپیئے مثلاً کسی سے قرض لے کر فلاں سید کو دے دو، یا فلاں مسجد و مدرسہ میں دے دو، ہم تمہاری اعانت اداءِ قرض میں کرائیں گے، جب وہ مسکین وہاں دے دے، تم اس مسکین کو دس روپیئے زکاۃ میں دے دو، پھر اس سے اس کا قرض خواہ وصول کرلے گا، اس میں مسکین کو دینا بھی حقیقتا ہوا اور اس مسکین پر صدقہ دینے میں جبر بھی نہ ہوا، کیوں کہ وہ آزاد ہے خواہ قبول کرے یا نہ کرے بخلاف حلیہ تملیک کہ اگر وہ مسکین موافق تعلیم کے نہ دے تو کدورت بلکہ نزاع واقع ہوجائے، اور ہر چند کہ بعد مل جانے اس روپیہ کے قرض خواہ اس سے جبراً لے سکتا ہے، مگر قرض تو حق واجب عبد کا ہے، اور اس میں جبر جائز ہے، اور چونکہ وہ روپیہ حقیقتا اس فقیر کا ہوگیا، اس لئے اس کو جبرا اپنے قرض میں لے لینا سہل ہے، جیسے اس مسکین کے پاس خاص اس کا مکسوبہ ہوتا اور اس کو جبراً لینا جائز ہوتا"۔(١)

کثرت استعمال سے اس صورت میں بھی ہزل اور مذاق محسوس ہونے لگا، اس امر ذوقی کی تعبیر تو مشکل ہے، لیکن کسی درجہ میں اس احساس کو الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔ ہزل کے اس شائبہ سے بچنے کے لئے صورت یہ ہے کہ مسکین اپنے حلقہ واقفیت سے قرض لے کر اور مدرسہ کا تعاون کرے، دوسری مجلس میں مہتمم صاحب اسے مال زکاۃ دے دیں اور اس حیلہ کو احیانا استعمال کیا جائے۔

---

(١) اصلاح انقلاب امت حصہ اول: ١٥٠

۳۔حیلۂ تملیک کی تیسری صورت: (مستحق طلباء کو نقدی دے کر اخراجات وصول کرنا)

تیسری صورت یہ ہے کہ مستحق زکاۃ طلباء کو کثیر نقد رقم دے کر ان سے اخراجات وصول کر لئے جائیں، مستحق کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ جس جگہ بیٹھ کر بڑے طلباء کو وظیفہ دیا جائے وہاں جلی حروف میں لکھ کر لٹکا دیا جائے کہ ''یہاں زکاۃ اور صدقات واجبہ کے مال سے مدرسہ ہذا کے طلبہ کو وظائف دیئے جاتے ہیں'' اس طرح کی پہچان کے لئے زیادہ چھان بین کی ضرورت نہیں، غیر مستحق ہونے کی صورت میں وضاحت کرنا خود طالب علم کا کام ہوگا، چھوٹے طلباء سے تحقیق کا طریقہ یہ ہو کہ ایک فارم پر نابالغ کے مستحق زکاۃ ہونے یا نہ ہونے کا ضابطہ شرعیہ لکھ کر والد سے دریافت کرلیا جائے کہ اس ضابطہ کے مطابق آپ کا بچہ زکاۃ کا مستحق ہے یا نہیں؟ اس صورت میں نقد تو بچوں کو دیئے جاسکتے ہیں، آٹا، چاول وغیرہ اشیاء ان اجناس کو طلباء کو دینے میں مشقت ہے؟

اس صورت میں کھانے کی قیمت وصول کرنے کی تین صورتیں:

طلباء سے کھانے کی قیمت وصول کرنے کی تین صورتیں ہیں:

۱) طلباء سے آنے والے ماہ کے کھانے کے انتظام کے لئے رقم وصول کر کے ان کی طرف سے منتظمین مدرسہ کھانے کے انتظام کے لئے رقوم وصول کر کے ان کی طرف سے منتظمین مدرسہ کھانے کا انتظام کریں۔

۲) مدرسہ میں آئے ہوئے عطیات کی رقم سے کھانا تیار کر کے طلباء کو فروخت کیا جائے۔

پہلی صورت میں مطبخ کے انتظامات میں طلباء اصیل ہوں گے اور اہل مدرسہ وکیل ہوں گے، مطبخ کے انتظامات میں طلباء کو دخل دینے کا حق ہوگا اور کھانے کی لاگت کا حساب کر کے بقایا رقم واپس کرنی ہوگی۔

دوسری صورت میں طلباء تیار شدہ کھانے کی خریدار ہوں گے اور اور امور مطبخ میں دخل دینے کا حق نہ ہوگا اور منافع کے ساتھ بھی فروخت کیا جاسکے گا۔

۳) طلباء سے کھانے کی قیمت وصول کرنے کی ایک بے غبار تیسری صورت یہ ہے کہ طلباء

سے کھانے کی قیمت بطور فیس وصول کی جائے اور اس مقصد کے لئے مد زکاۃ وغیرہ میں سے ان کا ماہانہ وظیفہ بڑھا دیا جائے۔

اس طرح وظیفہ میں زکاۃ وغیرہ بے غبار ادا ہوگی اور پھر طلباء سے بطور فیس وصول ہو کر مدرسہ کی ملک ہوگی (کراچی میں جامعۃ الاسلامیہ نیوٹاؤن میں تقریبا اسی صورت پر عمل ہوتا ہے)۔(۱)

اور دراصل یہ بھی تملیک کا ایک مناسب طریقہ ہے، جس کو متعدد اہل علم نے اختیار فرمایا ہے، چنانچہ حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب زید مجدہ فرماتے ہیں:

''مہتمم ہر مستحق طالب علم کا ہانہ وظیفہ مقرر کردے، اور یہ وظیفہ اس کو پکڑا بھی دیا جائے تو اس میں سے کچھ رقم چھوڑ کر (کہ طالب کے ناشتے اور بعض دیگر ضروریات کے لئے ہو) باقی رقم قیام، طعام اور تعلیم کے اخراجات کی مد میں اس سے لے لی جائے مثلا چار زار روپیئے اس کو دیے، اور اس میں سے تین ہزار روپیئے اس سے مذکورہ اخراجات کے لئے لئے، اس طریقے سے طعام کے اخراجات تو واضح ہیں، قیام کے اخراجات میں سے بجلی، گیس، پانی، مدرسے کے خدمتی عملے کی تنخواہیں (بشمول ان کی رہائش) مدرسے کی تعمیر ومرمت کے خرچے نکالے جاسکتے ہیں، تعلیم کے اخراجات میں سے اساتذہ کی تنخواہیں اور ان کی رہائش کے خرچے ارو درسی کتابوں کے اخراجات نکالے جاسکتے ہیں، اس کے بعد صرف چند ہی اخراجات رہ جاتے ہیں، مثلا مدرسے کی تشہیر، یا درسی کتابیں اور اکرام ضیوف وغیرہ تو ان کے لئے غیر زکاۃ فنڈ میں موصول ہونے والے چندوں سے کام نکالا جائے۔(۲)

۴۔حیلۂ تملیک کی چوتھی صورت (طلباء کا مہتمم کو وصول اور خرچ کا وکیل بنانا)

تمام مستحق زکاۃ طلبا (یعنی بالغ فقیر، غیر بنو ہاشم یا نابالغ سمجھدار جن کا والد اور وہ خود فقیر ہوں) مہتمم صاحب کو زکاۃ وصدقاتِ واجبہ وصول کرنے اور مصارفِ مدرسہ میں خرچ

(۱) بندہ عبدالرؤف سکھروی، جامعہ دارالعلوم کراچی

(۲) فقہی مضامین: ۲۷۶، ۲۷۷، تاریخ اشاعت: ۲۰۰۶ء

کرنے کا اپنی طرف سے وکیل بنا دیں۔

فقہائے کرام نے مسکین کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ وہ کسی دوسرے کو اپنی طرف سے زکاۃ کی رقم وصول کرنے کا وکیل بنا سکتا ہے، اور وکیل بن جانے کے بعد وہ دوسرا شخص مسکین کی اجازت سے اس کا قرض بھی ادا کرسکتا ہے، اور دوسرا تصرف بھی کرسکتا ہے۔(۱)

وحیله أخری أن یقول الطالب للمطلوب من الابتداء ، وکل أحدا من خدمی لیقبض لك زکاۃ مالی، ثم وکله بقضاء دینك، فإذا قبض الوکیل یصیر المقبوض ملکا لمؤکله وهم المدیون، والوکیل بالقبض وکیل بقضاء دینه، فیقضی دینه من هذا المال وکالته"(۲)

اس صورت میں مہتمم صاحب کے زکاۃ وصدقات واجبہ وصول کرتے ہی معطی کی ملک سے نکل کر متعین طلباء کی ملک میں آجائے گی، اس صریح توکیل سے پہلے مہتمم صاحب غیر معلوم الکمیت والکیفیت طلباء کے وکیل تھے، جس سے مہتمم صاحب کے وصول کرنے سے زکاۃ معطیین کی ملک سے نکل جاتی تھی، لیکن متعین طلباء کی ملک میں نہیں آتی تھی، طلباء کا زکاۃ دینے تک تملیک کا فریضہ مہتمم صاحب کے ذمہ رہتا تھا، مستحق زکاۃ طلباء کی طرف سے صراحتا توکیل کے بعد مہتمم صاحب کے زکاۃ وصول کرنے سے طلباء مالک ہوجائیں گے، زکاۃ میں جو تملیک ضروری ہے وہ فریضہ بھی پورا ہوجائے گا۔

اس لئے چوتھی صورت میں بہتر یہ ہے کہ طلباء مہتمم صاحب کو صرف وکیل بالاخذ نہ بنائیں؛ بلکہ مہتمم صاحب کو اس چیز کا بھی وکیل بنائیں کہ وہ زکاۃ وصول کر کے طلباء کی طرف سے مدرسہ کو عطیہ دیدیں، چنانچہ دار العلوم کراچی کے عربی داخلہ فارم کی عبارت یہ ہے:

"اخیّر رئیس دار العلوم ونائبه أن یستلم أموال الزکاۃ

(۱) کذا فی احسن الفتاوی: ۲۶۰/۴، کتاب الزکاۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید، کمپنی، کراچی

(۲) عالمگیری: ۳۹۲/۶

والصدقات الواجبة وكيلا منى ثم ينفقها فى مصارف الطلبة
أو يجعلها وقفا على دار العلوم"

اردو والے فارم کی عبارت اس طرح ہے:

''تا قیام دار العلوم میری طرف سے صدر دار العلوم کراچی کو یا جس کو وہ واجازت دیں اس کا اختیار ہوگا کہ وہ زکاۃ وغیرہ کی رقم یا اشیاء وصول کر کے طلباء کی ضروریات طعام وقیام وتعلیم وغیرہ میں حسب صوابدید خرچ کریں یا دار العلوم کو وقف کریں''(۱)

مگر اس فرم پر وہی طلبہ دستخط کریں جو مذکورہ تفصیل کے مطابق مستحق ہوں۔

اس طرح روز کے روز اموالِ زکاۃ وصدقاتِ واجبہ عطیات سے تبدیل ہوتے رہیں گے، طلباء کی ملک میں آنے اور مہتمم صاحب کے مدرسہ کو عطیہ کرنے کے بعد ان کی ملک سے نکلتے رہیں گے اور کسی طالب علم کو مطالبے کا حق نہیں رہے گا، اور ان کی ملک میں مال جمع نہ ہونے کی وجہ سے کوئی طالب علم غنی نہیں ہوگا۔

نیز طالب علم کے فوت ہوجانے کے بعد مدرسہ میں جمع شدہ رقم سے اس کے ترکہ کا کوئی تعلق نہ ہوگا، اور طالب علم کے مدرسہ چھوڑ کر چلے جانے سے بھی کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوگا؛ لیکن اس صورت میں مہتمم صاحب کے لئے لازم ہے کہ وہ مدرسہ کو عمومی اخراجات کی نیت کے ساتھ مالِ زکاۃ وصدقاتِ واجبہ ہبہ وعطیہ کرتے رہیں۔(۲

مدارس میں جمع شدہ رقم پر زکاۃ

وجوب زکاۃ کی جو شرط یہاں زیر بحث آئی ہے یعنی ''ملک'' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس مال کا کوئی متعین مالک نہ ہو جیسے مدارس اداروں میں جمع شدہ رقوم ان پر بھی زکوۃ نہیں ہے۔

---

(۱) حیلہ تملیک کے متعلق تحقیق: ۱۶۹، مفتی غفران صاحب، ادارہ غفران راولپنڈی

(۲) حاشیہ فتاوی دار العلوم: ۵/۱۲۵/ ۱۲

علامہ یوسف القرضاوی نے ''فقہ الزکاۃ'' میں لکھا ہے کہ ایسا مال جس کا کوئی متعین مالک نہ ہو اس پر زکاۃ نہیں، مثلاً حکومت زکاۃ اور ٹیکس وغیرہ سے جو مال حاصل کرتی ہے، اس پر زکاۃ واجب نہیں ہے، اس لئے کہ اس مال کا کوئی متعین مالک نہیں ہے؛ بلکہ یہ مال تمام امت کی ملکیت ہے۔(۱)

اور بعض علماء نے رقوم مدرسہ وادارہ پر زکوۃ کے عدم وجوب کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ اگر وہ رقم صدقات واجبہ کی ہے تو اس لئے اس پر زکاۃ نہیں کہ اگر یہ رقم اصل مالک کے پاس ہی ہوتی اور وہ چندہ میں نہ دیا ہوتا تو تب بھی اس پر زکاۃ نہیں ہے، کیوں کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ زکاۃ اگر نہ دیا تو آئندہ سال کی زکاۃ کی مقدار وضع کر کے باقی مال پر زکاۃ واجب ہوگی (۲) اور اگر وہ رقم مدعطیہ کی ہو تو مہتمم کی تحویل میں دینے کے بعد چونکہ وہ معطی کی ملک سے خارج ہو جاتی ہے، اس لئے اس پر بھی زکاۃ ہے اور یہ بمنزلہ غلۃ الوقف ہے۔(۳)

(۱) فقہ الزکاۃ: ۱/۱۷۶

(۲) احسن الفتاوی: ۱/۴۳۱-۴۳۲

(۳) احکام زکاۃ اور جدید حالات: ۱۳۰، مفتی شعیب اللہ خان صاحب)

مدرسہ کے اخراجات

پہلا مؤثر طریقہ کار توفیس کے وصول کرنے کا نظام ہے کہ تمام اخراجات مدرسہ کو (تعمیرات کے علاوہ) تمام طلبہ پر تقسیم کردیا، اور وہی مقدار فیس قرار پائے، پھر اگر طالب علم یا اس کے سرپرست اس فیس کو ادا ہی نہیں کرسکتے ہیں یا کچھ کم ادا کرسکتے ہیں تو اچھی طرح شرعی مسئلہ سمجھائیں یا یہ کہ زکاۃ کی وصولی کے مستحق ہونے نہ ہونے کا اندازہ کرلیا جائے، کوشش اور ذہن سازی تو یہ ہونی ہی چاہئے، کہ وہ مکمل فیس ادا کریں ورنہ باقی رقم مدرسہ عطیہ، صدقہ نافلہ کی مد سے (اگر وہ زکوۃ کے مستحق نہیں ہیں) یا زکوۃ کی مد سے پوری کرلی جائے، دوسرے ذریعہ آمدنی فدیہ، زکوۃ، صدقہ فطر، کفارات، وغیرہ ہوسکتے ہیں، جس کی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

مفت تعلیم، رہائش اور طعام

بلا شبہ مسلم دنیا میں شروع ہی سے تعلیم مفت رہی ہے، مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تعلیم کی مفت فراہمی کوئی شرعی حکم ہے، دوسری تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں اور پھر اس کے بعد بھی طالب علموں سے فیس وصول کر کے پڑھانے کا طریقہ جزئی (partial) طور پر رائج تھا- اس ٹیوشن فیس کی شرح کا تعین، استاد شاگرد کی باہمی رضامندی سے ہوتا تھا۔ زجاج نے لکھا ہے کہ ابوالعباس مبرد، لوگوں کو مفت تعلیم نہیں دیتا تھا۔ تاہم مسلمان ماہرین تعلیم اور علمائے کرام کے مابین متعدد فقہی اختلافات کی طرح یہ بھی مختلف فیہ مسئلہ رہا ہے۔ بعض نے اسے مباح سمجھا، کچھ نے اس سے روگردانی کی۔ بعض علماء نے فیس لینے میں اس حد تک اجتناب کیا کہ خلفاء کے ہدایا اور بادشاہوں کے عطیات تک قبول کرنے کو برا سمجھا۔ وہ حضرات جنھوں نے تعلیم کا معاوضہ لینا حرام سمجھا، ان میں امام غزالیؒ بھی تھے۔ مگر بعدازاں امام غزالیؒ نے اپنی کتاب فاتحۃ العلوم، میں کسی حد تک توازن اور اعتدال پیدا کر لیا تھا، اور اس بات کو جائز قرار دیا تھا کہ: طلبہ اور معلم، مدارس کی طرف سے جاری کردہ تنخواہوں اور وظائف سے اس حد تک فائدہ اٹھا سکتے ہیں کہ وہ اپنی ضرورت پوری کر سکیں۔ معلم کو معاشی لحاظ سے آسودہ خاطر ہونا چاہیے، مگر اپنا مطلوب و مقصود علم ہی کو قرار دینا چاہیے۔(۱)

اس لئے اس میں کسی ایک لگے بندھے طریقے پر اصرار یا صرف سو فی صد مفت تعلیمی سرگرمی ہی کو اسلامی طریقہ سمجھنا اور کہنا صحیح نہیں ہے، جب، جس جگہ اور پیش آمدہ حالات میں جو طریقہ مقصد کے حصول کے لئے مناسب نظر آئے اسے اختیار کیا جائے۔

تعلیم وتدریس کے مصارف میں برابر اضافہ ہو رہا ہے، طریق تدریس میں عصری

(۱) امام غزالیؒ، فاتحہ العلوم، ص ۱۵، بحوالہ اسلامی جامعات، ص ۳۲۰

تقاضوں کے مطابق ایسی تبدیلیاں لانا پیش نظر ہو کہ جس سے طالب علموں میں جستجو، نئی دریافت کا حوصلہ، تحقیق کا ذوق اور تخلیق کی صلاحیت پروان چڑھائی جائے تو لازمی بات ہے کہ اخراجات بڑھیں گے، اساتذہ کو بہتر تنخواہیں دینا ہوں گی، تاکہ وہ وقار اور دلجمعی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکیں، خود اس پہلو کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اندرون و بیرون ملک سے عطیات اور اعانتوں کا سلسلہ بھی حالات کے تناظر میں کم پڑ جائے گا۔

عام تعلیم کے لئے اگر صرف صاحب ثروت ہی نہیں؛ بلکہ وسائل والدین بھی اپنے بچوں کی تعلیم پر اٹھنے والے اخراجات برداشت کرتے ہیں تو پھر دینی تعلیم وتربیت جیسی قیمتی چیز کی یکسر مفت فراہمی پر کیوں زور دیا جائے اس مقصد کے لئے کم ازکم صاحب استطاعت والدین سے ضروری فیس لینی چاہئے، کچھ طلبہ سے آدھی فیس لی جائے، اور جو نہ دے سکیں انہیں مستثنیٰ قرار دیا جائے۔(۱)

مدارس کے مالیات کے یہ ذرائع ہو سکتے ہیں، جن میں زکاۃ، صدقات، چرم قربانی، صدقہ فطر اور دیگر فدیوں وغیرہ سے مدارس کے مالیات کا انتظام ہوسکتا ہے، جب کہ اس کو اس کے مستحق طلباء اور مستحق مصارف میں یا تملیک کے ذرائع وغیرہ کے ذریعہ استعمال کیا جائے۔

دینی مدارس میں انحطاط کی وجہ

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی فرماتے ہیں:

دینی مدارس تو بہت زیادہ قابل رحم ہیں، ان میں روحانیت کی بیحد ضرورت ہے، پہلے زمانہ میں جب دورہ شروع کرتے تھے تو بسا اوقات ان پر آثار ذکر ظاہر ہوتے تھے، اور نسبت کامل ہوجاتی تھی، اب انحطاط کی وجہ سے نہ علوم میں انہماک ہے نہ اعمالِ صالحہ کی طرف التفات، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جیسی غذا پہنچتی ہے، ویسے ہی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

---

(۱) دینی مدارس میں تعلیم: کیفیت، مسائل، امکانات

دینی مدارس میں جیسا پیسہ آتا ہے، وہ آپ جانتے ہیں، اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ جس کو نہ آدمی خود کھا سکتا ہے، نہ اہل وعیال کو کھلا سکتا ہے،، وہ پیسہ مدارس میں آتا ہے وہی اساتذہ کو تنخواہ میں ملتا ہے، وہی طلبہ کو وظائف میں ملتا ہے، انسان کے بدن میں جو چیز سب سے پہلے آتی ہے وہ اس کا پیٹ ہے، حرام روزی جب پیٹ میں پہنچے گی اور اس سے خون تیار ہوگا وہی قلب وجگر اور دماغ میں پہنچے گا ویسے ہی اثرات مرتب ہوں گے، پاکیزہ مال کھایا جائے تو اعمالِ صالحہ کی توفیق ہو "کلوا من الطیبات واعملوا صالحا" اللہ پاک حلال روزی دے۔(۱)

۱)زکوۃ

صدقات فرض وواجب کو زکاۃ کہتے ہیں:

صدقات فرض حسب ذیل ہیں:

(۱) عشر کی ادائیگی، کھیت یا باغ کی پیداوار سے پانی بلا قیمت، بلامحنت ہو، محض بارش یا زمین کی نمی سے ہو تو پیداوار کا دسواں حصہ یعنی عشر دینا فرض ہے، اور اگر پانی قیمت یا محنت یا دونوں سے ہو جیسے نہر کا پانی، ٹیوب ویل کا بڑے ڈول یا بیلچہ سے دیا ہو تو پیداوار کا بیسواں حصہ دینا فرض ہے جو کچھ بھی پیدا ہو غلہ وغیرہ میں سے۔

(۲) زیور کی زکوۃ: سونے چاندی اور نقد رقم میں سے چالیسواں حصہ دینا فرض ہے۔

(۳) جانوروں کی زکوۃ: اسی طرح وہ جانور جو خودرو گھاس کھا کر پرورش پائیں اور محض اون گوشت یا دودھ کے لئے پالے جائیں، اونٹ، بکری، گائیں وغیرہ تو ان میں ان کے قاعدے کے مطابق زکاۃ دینا فرض ہے، تجارتی مال پر بھی چالیسواں حصہ زکوۃ دینا فرض ہے۔

۲)صدقہ واجبہ

صدقات واجبہ جیسے فطرہ، فدیہ، کفارہ، قربانی کی کھال کی قیمت اور نذر ومنت۔

(۱) تربیت الطالبین، مایتعلق بالمدارس: ۲۶۱، جامعہ محمودیہ نوگزہ، علی پور، ہاپوڑ، میرٹھ، یوپی

۳) چرم قربانی

چرم قربانی بعینہ اپنے یا غیر کے استعمال میں لائی جاسکتی ہے اور صدقہ بھی کی جاسکتی ہے لیکن جب اسے فروخت کر دیا جائے تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا لازم ہے، اور مدارس کے نادار بچے بہرصورت اس صدقہ کا بہترین مصرف ہیں، تاہم اس کی وصولیابی کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے اہلِ مدارس کی حیثیت عرفی مجروح ہو یا آپس میں رسہ کشی کی کیفیت ہو نہیں ہونا چاہئے۔ البتہ جن مدارس میں طلباء کا قیام نہیں وہاں چرم قربانی کا استعمال درست، اس لئے کہ اس کو غرباء اور مساکین اور نادار طلباء پر صرف کرنا ہے نہ کہ مدرسہ کی ضروریات کے لئے:

"ويتصدق بجلدها ... فإن بيع اللحم أو الجلد به أي بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه"(۱)

مدرسین کا چرم قربانی وصول کرنے پر معاوضہ لینے کا حکم

قربانی کے موقع پر چرم قربانی کی وصولی مدرسین کے ذمہ لازم نہیں ہوتی ہے، اور یہ ایام چھٹی کے ہوتے ہیں اور جب چھٹی کے ایام میں مدرسین اپنی چھٹیوں سے فائدہ اٹھانے کے بجائے چرم قربانی کی وصولی پر محنت کریں تو ان کو فی چرم دس روپیہ یا پندرہ روپیہ محنتانہ کے طور لینا جائز اور درست ہے، اس لئے کہ اس محنت کا تعلق تنخواہ سے نہیں۔ وشرطها كون الأجرة والمنفعة معلومتين (۲)

یاد رکھیں کہ قربانی کا چمڑا وصول کرنے میں دوسرے مدرسوں سے چپقلش یا عوام الناس کے درمیان اپنی تذلیل وتحقیر ہرگز نہیں کرنی چاہئے، نمازیں ہرگز قضا نہ کریں، صفائی کا بطور خاص اہتمام فرمائیں، جہاں وصول کر کے جمع کریں یا خود مدارس میں جب ذبح کا انتظام ہو تو ضرور مکمل اچھے سے اچھے انداز میں صاف بھی کریں، قربانی اور چمڑا وصول کرنے کی نیکی ایذاء مسلم اور گندگی پھیلا کر اسے گناہ نہ بنائیں۔

---

(۱) تنویر الأبصار مع الدر المختار: ۹/ ۴۷۵، بحوالہ کتاب النوازل: ۱۴/ ۶۰۹

(۲) در مختار: کتاب الاجارۃ، زکریا: ۹/ ۷

قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دینا

قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دیا جاسکتا ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے لکھا ہے: ”یجوز أن یطعم من الأضحیة کافرا“ (۱) قربانی کا گوشت کافر کو کھلانا جائز ہے۔

اور ایک جگہ فرماتے ہیں: ” وللمضحی أن یهب کل ذلک أو یتصدق به أو یهدیه لغنی أو فقیر مسلم أو کافر“ (۲) قربانی دینے والا اس کو دے سکتا ہے، صدقہ کرسکتا ہے، یا کسی فقیر، مسلم یا کافر کو ہدیہ کرسکتا ہے۔

اس زمانے میں اڑوس پڑوس کے غیر مسلم برادران وطن سے صلہ رحمی، ودلجوئی اور اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ پیش کرنے کا اچھا موقع ہے کہ جس جانور کا (جیسے بکری، بیل، بھینس) جس کا وہ گوشت پسند کرتے ہوں انہیں ضرور تقسیم کیا جائے، عیسائیت زدہ، قادیانیت سے متأثرہ علاقوں تک ضرور پہنچایا جائے۔

۴) فدیہ، کفارات

فدیہ میں صدقہ فطر داخل ہے۔

اس کے علاوہ سب سے بڑا فدیہ نماز کا ہے، کیوں کہ نمازیں دن کی چھ ہیں، پانچ فرض اور وتر واجب اور ہر نماز کا فدیہ پونے دو کلو گندم یا اس کی قیمت ہے، چھ نمازوں کا فدیہ ساڑھے دس کلو گندم یا اس کی قیمت ہوئی اور مہینہ کے احتیاطا تیس دن کے ۳۱۵ (تین سو پندرہ) کلو گو یا سات من پینتیس کلو گیہوں بنے، پھر اس کو بارہ ماہ کے لئے بارہ سے ضرب دیں تو ۸۸ من ۲۰ کلو گیہوں ہوتے ہیں، یہ صرف ایک سال کے نمازوں کا فدیہ ہے۔

اب جتنے سال کی نمازیں رہ گئیں ہوں ان کو اتنے سے ضرب دے کر معلوم کیجئے کہ کتنے من گیہوں اور کتنے لاکھ روپیئے بنتے ہیں۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کثیر رقم کو ادا کریں یا ہر مرد وعورت اپنی نمازوں کی قضا کریں۔

---

(۱) إعلاء السنن: ۷/ ۲۸۸، کراچی

(۲) إعلاء السنن/ باب بیع جلد الأضحیة: ۱۷/ ۲۶۲، إدارة القرآن، کراچی

روزے کا فدیہ اس سے کم ہوگا، لیکن نمازوں کے ساتھ مل کر تو وہ بھی بہت ہوجائے گا۔

سجدہ تلاوت کا فدیہ

سجدہ تلاوت کا فدیہ بعض فقہاء کے یہاں ایک سجدہ کا فدیہ پونے دو کلو گیہوں ہے، بہتر یہ ہے کہ اس کو زندگی میں خود ہی ادا کریں۔

کفارہ: بعض جملے یا بعض کام اس قسم کے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کا ارتکاب کرے تو اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے اس پر کچھ جرمانہ عائد ہوتا ہے، جس کو کفارہ کہتے ہیں، جس کی ادائیگی فرض ہے، اگر اپنی زندگی میں ادا نہیں کیا تو اس کی وصیت کرنا ضروری ہے، اور تہائی مال سے اول ان کی ادائیگی کی جائے، پھر ترکہ تقسیم کریں، اگر وصیت نہیں کی تو ضروری تو نہیں لیکن ورثہ کو چاہئے کہ اپنے بزرگوں کی طرف سے اب ادا کردیں؛ تاکہ وہ عذاب آخرت سے بچ سکیں۔

الف: کفارہ قسم، یعنی اگر کسی نے قسم کھائی تھی کہ ایسا کروں گا، پھر نہیں کیا تو قسم کا کفارہ فرض ہے کہ دس غریبوں کو صبح وشام پیٹ بھر کر کھانا کھلائیں، اس کی طاقت نہ ہو تو تین روزے رکھیں۔

ب: جان بوجھ کر روزہ توڑنے کا کفارہ: اگر فرض روزہ میں قصداً صحبت کر لی یا کچھ جان بوجھ کر کھا پی لیا تو رزہ ٹوٹ گیا، اس پر کفارہ واجب ہے، یعنی ساٹھ روزے مسلسل رکھے، اگر بہت کمزوری ہے یا بیماری کی وجہ سے مسلسل روزہ نہ رکھ سکیں تو ساٹھ غریبوں کو صبح وشام پیٹ بھر کر کھانا کھلائیں، اگر ایسا ہوگیا ہو اور وہ ادا نہ ہوا ہو تو وارثوں کو اپنے اعزہ کو عذاب سے بچانے کے لئے ان کی طرف سے ساٹھ غریبوں کو کھانا کھلانا ہے۔(۱)

اس لئے فتاوی محمودیہ میں ہے کہ ان تمام زکاۃ، صدقات اور چرم قربانی، فدیہ اور کفارے وغیرہ کی رقم کو مدرسہ کے مستحق طلباء کو دی جاسکتی ہے۔

---

(۱) فدیہ وقضا: ۸۔۱۷، فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب: ، انجمن احیاء السنۃ لاہور

مہتمم مدرسہ مستحق طلبہ کی طرف سے حکماً قبضہ کا وکیل ہوتا ہے؛ لہٰذا مدرسہ کے فنڈ میں فدیہ یا صدقات کی رقم آتے ہی معطی کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے، بریں بنا اگر اس رقم کو طلبہ کے درمیان تقسیم کرنے میں بالفرض فدیہ کی مقدار میں کمی بیشی ہوجائے تو بھی کوئی حرج کی بات نہیں، اور بیک وقت متعدد فدیوں کی رقم ایک فقیر کو دینا بہر حال جائز ہے، اس سے تمام فدیہ دہندگان کا فدیہ ادا ہوجاتا ہے۔(۱) "یجوز إعطاء فدیة صلوات وصیام أیام ونحوها لواحد من الفقراء جملة"(۲)

۵)اوقاف

اوقاف کے مصرف مدارس شروع سے رہے ہیں، جس کا رواج آج کل نہیں رہا، حالانکہ یہ مدارس کی مالیات کے استحکام کا بہترین اور مستقل ذریعہ ہے، تاریخ میں مدارس دینیہ استحکام کے لئے یہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے، تاریخ ملاحظہ کیجئے:

بے شمار مدرسے بھی جن پر بڑے بڑے اموال وقف کئے تھے، یہ اوقاف نہ صرف امور دین پر تھے، اس میں بہت سے اوقاف مدارس فقہ، طب، تنظیم وادارت کے تخصص کے مدارس قائم کرنے کے لئے وقف تھے۔ چھوٹی چھوٹی مسجدوں کو بھی مدارس سے ملحق کردیا گیا تھا۔

سبکی کہتے ہیں: وزیر نظام الملک کے دور میں مدرسہ نظامیہ کی بنیاد ڈالی گئی، یہ مدرسہ کی بنیاد سال (۴۵۷ھ ۱۰۶۴م) کو رکھی گئی اور اس میں تعلیم کی ابتداء سال (۴۵۹ھ ۱۰۶۶م) میں ہوئی۔

نظام الملک نے اس کے علاوہ مدرسہ بغداد، مدرسہ بلغ، مدرسہ نیشاپور، مدرسہ بہرات، مدرسہ اصبہا، مدرسہ بصرہ، مدرسہ مرو، مدرسہ طبرستان، مدرسہ موصل، کی تعمیر کی، بلکہ مورخین کا کہنا ہے کہ اس نے عراق اور خراسان کے ہر شہر میں مدرسہ بنایا۔ ان تمام مدرسوں میں طلباء کو وظیفہ دیا جاتا۔(۳)

---

(۱) مستفاد فتاوی محمودی: ۱۰/ ۱۷۷، ڈابھیل

(۲) مراقی الفلاح علی الطحطاوی: ۴۳۹۔ ۴۴۰، المکتبۃ الأشرفیہ، دیوبند، کتاب النوازل: ۱۴/ ۲۱۶۔ ۲۱۷

(۳) طبقات الشافعیہ للسبکی، ۴/ ۳۱۴

نظام الملک کے علاوہ سلاجقی امراء نے بھی علم اور علماء کی قدردانی اور مدارس کے لئے بہت سارے اموال وقف کئے۔

اسی طرح شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کا بھی ایک مدرسہ تھا جس پر بہت سارے اوقاف تھے، ابھی تک بھی یہ مدرسہ قائم ہے اور اسی اوقاف سے مدرسہ کی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے (۱) اسی طرح غازی بن سلطان صلاح الدین ایوبی نے بھی قلعہ حلب کے پاس ایک مدرسہ بنایا۔ (۲)

علامہ سیوطی نے مصر کے بہت سارے مدارس جن میں مدرسہ صلاحیہ، مدرسہ کاملیہ وغیرہ ہیں، مدرسہ صالحیہ کو ملک صالح نجم الدین ایوب بن الملک الکامل نے بنایا، مدرسہ ظاہریہ کو ملک ظاہر بیبرس البندقداری نے اور مدرسہ منصوریہ اور ناصریہ بھی تعمیر کروائے، اسی طرح مدرسہ صرغتمس، مدرسہ سلطان حسن بن الناصر محمد قلاوون وغیرہ مدارس قابل ذکر ہیں، جن کو اس کے دور کے بادشاہوں نے بنایا۔ (۳)

کتب خانے

اسی طرح کتابوں کی طباعت کے لئے کتب خانوں پر بھی اموال وقف کئے جاتے، جس کی وجہ سے عربی اسلامی کتابوں کی طباعت آسان ہوگئی، کاتب اور خطاط ہاتھوں سے کتابوں کو تحریر کرتے جن کی ضروریات کی تکمیل وغیرہ علمی اداروں اور مکتبوں پر وقف اموال سے ہوتی، اسی طرح ان کتب خانوں میں کتابیں بھی وقف کی جاتیں۔

ابن الجوزی نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے سن ۵۰۹ میں اپنی ایک ملکیت کو بیچ کر اس کی قیمت سے کتاب الفنون ابن عقیل اور کتاب الفصول خرید کر اس کو

---

(۱) شذرات الذهب فی أخبار من ذهب، لابن العماد الحنبلی: ۵/۴۵-۴۶

(۲) حوالہ سابق

(۳) أثر الوقف فی نشر التعليم والثقافة: ۳۰۵، الدتور یاسین بن ناصر الخطیب، المجمع الفقهی الاسلامی، رابطہ عالم اسلامی، سعودیہ

مسلمانوں کے لئے وقف کردیا (۱) اس کے علاوہ بے شمار کتب خانے تھے جن سے علماء استفادہ کرتے، ابن جوزی نے سن ۴۸۳ھ۔۱۰۹۰ میں شہر بصرہ کے جل جانے اور اس کی وجہ سے ایک بہت بڑے کتب خانے کے جلنے کا ذکر کیا ہے، جس کی تعمیر چوتھی صدی ہجری میں ہوئی تھیں، ابن الاثیر نے اس حادثہ کے بارے میں مزید لکھا ہے: ان مجموعی جلے ہوئے کتب خانوں میں ایک کتب خانہ وہ تھا جس کو عضد الدولۃ بن بویہ کے زمانہ میں وقف کیا گیا تھا، دوسرا وہ تھا جس کو وزیر منصور شاہ مردان نے وقف کیا تھا، جس میں نہایت نفیس اور قیمتی کتابیں تھی۔(۲)

نہایت معتبر ذرائع سے پتہ چلتا ہے: کہ سابور بن اردشیر نے کرخ بغداد میں سال ۳۸۱ھ۔۹۹۱م) ایک کتب خانہ تعمیر کیا، جو علماء اور باحثین کا مرجع وماوی تھا، جو سن ۴۵۱ھ ۱۰۵۹م میں جل گیا۔

جس میں بے شمار کتابیں جل گئیں۔

اس طرح اہل علم، محبان علم اور امراء نے ہر مدرسہ اور مسجد کے تحت کتب خانے وقف کئے، اس کے علاوہ بھی امراء، وزراء، علماء وغیرہ کے پاس ذاتی کتب خانے ہوتے، جس پر وہ خود اپنی ذات سے خرچ کرتے، یہاں ان کتب خانہ میں ان کے نگران، خزانچی اور خادم ہوتے جو وہاں کے انتظامی کاموں کو انجام دیتے، یہاں افادہ واستفادہ کی مختلف خدمات انجام دیتے، ان کتب خانوں میں اوراق اور روشنائی بھی ہوتی، منظم ہال ہوتے، جس میں مطالعہ کے لئے جگہیں ہوتی، یہاں نسخ وکتابت کا بھی کام ہوتا، ان کتب خانوں میں فہارس ہوتیں، تاکہ کتب خانوں سے کتابیں بآسانی نکالی جاسکیں، یہ فہرستیں بھی نہایت منظم ہوتی، یہاں کی تنظیمی امور کے ذمہ دار اس فہرست سازی کا کام کرتے، مکتبہ نظامیہ کے خزانے میں ایک نہایت دقیق اور باریک فہرست تھی، جس میں مدرسہ نظامیہ میں وقف کردہ کتابوں کو درج کیا گیا تھا، یہ تقریبا چھ جلدوں پر مشتمل تھی، یہاں بھی اس قیمتی کتابوں کے خزینہ کی حفاظت کے لئے نگراں تھے۔

(۱) المنتظم لابن الجوزی: ۹/ ۱۸۳ (۲) حوالہ سابق

قطفی نے اخبار العلماء باخبار الحکماء میں یہ ذکر کیا ہے کہ خلیفہ ناصر الدین عباسی کا ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا، جس میں کا بڑا حصہ اس خزانہ دار المسناۃ = جس کو خلیفہ ناصر نے بنایا تھا۔ اور رباط خاتونی کے خزانہ کتب اور مدرسہ نظامیہ کے خزانہ کتب پر وقف کر دیا تھا۔ (۱)

ایک کتب خانہ وزیز ابن شاہ مردان کا بصرہ میں تھا، جس کو اس نے طلبہ علم کے لئے وقف کر دیا تھا۔ (۲)

اس کے علاوہ پبلک کتب خانے ہوتے، جہاں مدارس، مساجد اور رباطوں پر وقف کی ہوئی کتابیں ہوتی، مدرسوں کے کتب خانے بھی عمومی کتب خانے ہوتے جہاں سے طلبہ، علماء، اساتذہ وغیرہ استفادہ کرتے، اس کے خدمات سے مستفید ہوتے، مدرسہ نظامیہ کے کتب خانہ میں ہر نادر، قیمتی، ہر فن کی تالیفات تھیں، اس کتب خانہ پر اس کی اصلی کتابوں کے علاوہ بہت ساری کتابیں وقف کی گئی تھی،، خلیفہ ناصر نے اپنے خزانہ کتاب خاص سے اس پر وقف کیا تھا۔ (۳)

سبکی نے عبد السلام بن بندار قزوینی متوفی ۴۸۸ھ، کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے نظام الملک کو چار چیزیں بطور ہدیہ دی تھیں، یہ نہایت نادر چیزیں تھیں، جن میں غریب الحدیث ابراہیم حربی جو دس جلدوں پر مشتمل تھی، جس کو نظام الملک نے دار الکتب بغداد کو وقف کر دیا تھا۔ (۴)

مورخ محب الدین بن نجار متوفی سن (۶۴۳ھ) نے نظامیہ کے کتب خانے میں ایک ہزار دینار کے مساوی کتابیں وقف کی تھیں، جس کی خلیفہ معتصم نے اجازت دی تھی۔ (۵)

---

(۱) اخبار العلماء لابن الجوزی، ۶۶/۹

(۲) المنتظم لابن الجوزی: ۱۵۳/۹، الکامل لاثیر: ۱۵۳/۸

(۳) الکامل لابن اثیر: ۲۲۹/۹، عسیری

(۴) طبقات الشافعیۃ للسبکی: ۲۳۰/۳

(۵) البدایہ والنہایۃ لابن کثیر: ۱۶۶/۱۲

ابن الجوزی کہتے ہیں کہ: یہ خزانہ کتب چھ ہزار جلدوں پر مشتمل تھا، جو مختلف فنون میں تھا، یہ وہاں کتب خانہ جاتے تھے۔(۱)

مدرسہ ابوحنیفہ کا کتب خانہ جس کی تعمیر شرف الملک، ابو منصور العمید الخوارزمی نے کی تھی، جس کی افتتاح سن ۴۵۹ھ میں ہوئی، یہ بہت ساری نفیس اور قیمتی کتابوں اور مصنفات پر مشتمل تھا جو طلبہ علم کے لئے وقف تھے۔(۲)

اس کتب خانہ کی اہمیت کو بتلانے کے لئے ابن الساعی بغدادی نے اس کی ذمہ داری ضیاء الدین ابوالفضل احمد بن مسعود ترکستانی نے لیا تھا، جس میں انہوں نے یہ کہا: کتب خانہ میں موجود تمام جلدوں کی فہرست سازی کی جائے اور جو چھوٹ گئی ہوں اس کو شامل کیا جائے، اور خازن اس کی اصلاح کے بعد اس کی نگہداشت کرے، اس کی کوئی بھی کتاب صرف امانتدار اور اس پر رہن دینے والے کو دی جائے (۳) اس کتب خانہ کو مختلف اوقات میں بہت ساری کتابیں وقف کی گئیں، ایک موقع سے اس کتب خانہ کے لئے ایک بڑی مقدار میں کتابیں وقف کی گئیں، جن میں تفسیر کبیر تیس جلدوں میں، اس کو ابو یوسف عبدالسلام بن محمد بن نبدار قزوینی متوفی ۴۸۸ھ نے وقف کیا، یہ طلباء کے لئے وقف تھی، اسی طرح ابن جزلہ طبیب بغدادی متوفی سن ۴۹۳ھ میں اپنے مرض الموت میں اپنے کتب خانہ کے تمام کتابوں کو مدرسہ مشہد الامام ابوحنیفہ کو وقف کیا۔

خطیب بغدادی حافظ احمد بن علی بھی ایک بڑے کتب خانہ کے مالک تھے جس کو انہوں نے مسلمانوں پر وقف کر دیا تھا۔(۴)

ابوالحسن محمد بن ہلال الصابی، المقلب بغرس النعمۃ، متوفی سن ۴۸۰ھ، انہوں نے

---

(۱) صید الخاطر لابن الجوزی: ۳۶۶۔۳۶۷

(۲) صید الخاطر لابن الجوزی: ۳۶۷

(۳) الجامع المختصر للساعاتی: ۹/ ۲۳۶

(۴) معجم البلدان یاقوت الحموی: ۱/ ۲۵۹

شارع ابن ابی عوف میں ایک کتب خانہ بنایا، وہاں چار سو جلدیں وقف کیں، جو مختلف علوم وفنون میں تھیں،، ابن کثیر کہتے ہیں، یہاں غرس النعمۃ کی وقف کردہ کتابوں کی تعداد چار ہزار جلدیں تھیں۔(۱)

اسی طرح مؤرخ ابوعبداللہ محمد بن ابی نصر فتوح الحمید المغربی اندلسی متوفی ۴۸۸ھ کا ایک خزانہ کتاب تھا جس کو انہوں نے طلبہ پر وقف کیا تھا۔(۲)

جن کتب خانوں کا تاریخ اسلامی میں اہم ثقافتی کردار رہا ہے، یہ وہ کتب خانہ ہے جس کو بنوعمار نے ملک شام کے طرابلس میں وقف کیا تھا، یہ نہایت وسیع وعریض کتب خانہ تھا، یہاں صرف کتابیں لکھنے والوں کی تعداد ۱۸۰ خطاط تھے، یہ رات ودن کام میں مشغول ہوتے، نسخ وکتابت کا کام بالکل نہیں رکتا۔ یہاں ملینوں کتابیں تھیں۔(۳)

اگر ان مساجد، مدارس اور کتب خانوں کی پشت پناہی یہ اوقافی اموال نہ کئے ہوتے تو یہ زمانہ کی دست وبرد کے نذر ہوجاتے، اس لئے بہت سارے علمی ادارے اوقافی اموال کے نہ ہونے سے ختم ہوگئے، مقریزی کا کہنا ہے کہ: بے شمار مدرسے ایسے تھے جن کی تعمیر وتاسیس ہوئی؛ لیکن ان کا تعلیمی سلسلہ اس کے منافع اوقاف کی آمدنی کی شکل میں نہ ہونے کی وجہ سے منقطع ہوگیا۔(۴)

اگر اوقافی جائدادیں نہ ہوتی تو یہ علمی مراکز کا مسابقی علمی میدان نظر نہ آتا، اور یہ مساجد، مدارس اور کتب خانوں کی شکل میں یہ ہل چل نظر نہ آتی، ان مدارس کے چلانے اور کارکنوں کو آگے بڑھانے اور برقرار رکھنے میں ان اوقافی جائیدادوں کا بہت اثر رہا ہے۔

اب اس اوقافی جائداد کو ہر طرح کے مصرف میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ۱۲/۳۱۶

(۲) المنتظم لابن الجوزی: ۹/۹۶

(۳) اثر الوقف فی نشر التعلیم والثقافۃ: ۳۰۷۔۳۱۳

(۴) الخطط المقریزیۃ للمقریزی: ۲/۳۷۴

کتاب النوازل میں ہے:

اوقاف کی زمینوں کو مسلمانوں کے مفاد کے مطابق حسبِ ضرورت مساجد، مدارس، عیدگاہ، اور قبرستان وغیرہ کے لئے استعمال کرنا بلاشبہ درست ہے:

"فیزول ملک الواقف عنه إلی الله تعالی علی وجه تعود منفعته إلی العباد، فلیزم ولا یباع ولا یوهب ولا یورث"(۱)

۶) ہدایا

ہدیہ اور تحفہ کی شکل میں مدارس کو کچھ امداد دی جاتی ہے تو اس کے جواز کے سلسلہ میں تو کوئی شک نہیں، اس کو مدرسہ کی ہر آمدنی میں استعمال کیا جاسکتا ہے اور اس کو ہر موقع اور محل میں استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔

---

(۱) الہدایۃ: کتاب الوقف ۲/۶۴۰، دار المعارف دیوبند، کتاب النوازل: ۱۳/۵۷، المرکز العلمی للنشر والتوزیع، لال باغ، مرادآباد

مدارس اور نظام مالیات

جامعات و مدارس کا نظامِ مالیات اتنا صاف اور بے غبار ہونا چاہئے کہ ’’حق بحقد ار رسید‘‘ کا مصداق ہونے کے ساتھ عدل وانصاف اور امانت و دیانت، احتیاط اور صفائی معاملات کا مظہر ہو۔

مدرسہ میں آنے والی رقوم یا کسی بھی قوم کی چیز کے بارے میں تھوڑی سی مراجعت کے بعد پتہ چلایا جاسکتا ہو کہ وہ کب آئی، کس مقدار میں آئی، کس مصرف کے لئے آئی؟ کہاں اور کن اصولوں کے تحت استعمال کی گئی، یا صرف کی گئی، صرف کرنے یا استعمال کرنے کے بعد بچی یا نہیں؟ اگر بچی تو کس مقدار میں؟

جامعات و مدارس کے نظام مالیات کی نسبت سے دو عنوان اہمیت رکھتے ہیں:

آمدنی مصارف

آمدنی

اس عنوان کے تحت بہت سی باتیں قابلِ توجہ ہیں:

۱۔مقامِ وصولیابی ۲۔وصول کنندہ

۳۔رسیدات ۴۔طریق وصولیابی

۵۔رسید بک ۶۔دفتر حسابات

دفتر زکاۃ وصدقات وعطیات

زکوۃ وصدقات، عطیات اور دوسرے سامان کی وصولیابی کے لئے مدرسہ میں باقاعدہ

ایک دفتر ہونا مناسب ہے، یہ دفتر محفوظ ہونے کے ساتھ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے ایسا ہونا چاہئے کہ وہاں پہنچنا بھی آسان ہو اور اس کی طرف رہنمائی بھی آسان ہو، ضرورت کے موقع پر استقبالیہ سے بھی یہ کام لیا جاسکتا ہے، یہاں وصولیابی سے متعلق ضرورت کا ہر سامان مثلا رسیدات، قلم، پینسل، کیلکو لیٹر وغیرہ موجودہ ہونا چاہئے، نیز ایک لاکر کا انتظام بھی مناسب ہے جس میں فوری پر طور رقوم وغیرہ کو محفوظ کیا جاسکے۔

اس مقام پر ٹیلیفون وغیرہ کا انتظام بھی مناسب ہے۔

یہ مقام ایسا ہونا چاہئے کہ رقم جمع کرانے والے کو تحفظ کے ساتھ پرائیوی بھی حاصل ہو، قریب میں واش روم وغیرہ کی سہولت بھی حاصل ہو تو بہتر ہے۔

زرِتعاون کا وصول کنندہ

زکاۃ وصدقات وعطیات کا وصول کنندہ حساب کتاب کا ماہر تعلیم یافتہ، نمازی، دیانتدار، سلیقہ مند، بااخلاق شخص ہونا چاہئے۔

رسیدات

وصولیابی کی رسیدات کی اہمیت مسلم ہے۔

رسیدات وصولیابی دو طرح کی ہونی چاہئے۔

رسید نقود، رسید اشیاء۔

رسید نقو د اس طرح ہونی چاہئے۔

ادارہ کا نام مع مکمل پتہ

فون نمبر..............فیکس وغیرہ..................بک نمبر..........

رسید نمبر.............تعاون ازمحترم...................دامت فیوضہم

فون نمبر.............ای میل.........................

پتہ...

فون نمبر.............ای میل.........................

مبلغ.................

(عبارت میں)......................ہندسوں میں..........

چیک نمبر/پے آرڈر نمبر..............بینک

مد..............

مورخہ..............۱۴ھ مطابق..............۲۰۱ء

دستخط محصل..............دستخط معطی....................

دستخط تصدیق کنندہ..............

دینی تعلیم و تربیت کی جدو جہد میں اس تعاون پر اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم سے نوازے اور آپ کی جان و مال کی حفاظت فرما کر برکت عطا فرمائے آمین

دستخط رئیس الجامعۃ..............

طریق وصولیابی

رسید مکمل دیانت، پوری وضاحت اور احتیاط کے ساتھ تیار کی جانی چاہئے، ضروری ہے کہ رسید ہو کاربن کے ذریعہ اس کی نقل رسید بک میں موجود رہے۔

رسید کے دینے یا پہنچانے کا اہتمام کیا جانا چاہئے۔

رسید بک

رسید بک کا اجراء محاسبی سے مکمل اندراج کے ساتھ ہونا چاہئے یعنی یہ واضح چاہئے کہ رسید بک کا نمبر کیا ہے؟ اس میں رسید کس سیریل سے کس سیریل تک ہیں؟ یہ رسید بک کس کے نام پر جاری کی گئی؟ اور کس تاریخ کو جاری کی گئی؟

نقد رقومات کا اسی دن محاسبی میں جمع کرایا جانا ضروری ہے۔

جمع کراتے وقت یہ وضع ہونا ضروری ہے کہ حاصل ہونے والی کل رقم کتنی ہے؟

اس رقم کا تعلق فلاں رسید بک نمبر کی رسید نمبر فلاں سے رسید نمبر فلاں تک ہے۔

جب ایک رسید بک پوری ہو جائے تو اس کے مندرجات پر مبنی ایک گوشوارہ تیار کیا

جانا چاہئے، مناسب یہ ہے کہ یہ گوشوارہ محاسبی میں جمع کر دیا جائے اور اس کی کاپی اپنے پاس بھی محفوظ رکھی جائے۔

رسید بک کے مندرجات پر مشتمل گوشوارہ اس طرح ہونا چاہئے۔

نام ادارہ

رسید بک کے مندرجات کا گوشوارہ

رسید بک بنام............رقم جمع کرانے کی تاریخ............واؤچر نمبر

رسید بک نمبر............رسید نمبر از............تا............

جمع شدہ رقم (عبارت میں)............(ہندسوں میں)............

نمبر شمار	تفصیل مدات آمدنی	رقم (روپیئے)
(۱)	صدقات واجبہ	
	زکاۃ	
	کفارہ قسم / منت / عشر / نذر / ظہار	
	فدیہ نماز / روزہ	
	صدقہ فطر	
(۲)	صدقاتِ غیر واجبہ	
	نفلی صدقہ	
	عطیات	
	نفلی خیرات	
(۳)	صدقہ جاریہ	
	تعمیر مسجد	

	دیگر تعمیرات	
(۴)	آمدنی برائے مصارف طلبہ	
(۵)	یوٹیلیٹی (مثلاً بجلی، پانی، گیس اور فون	
(۶)	آمدنی برائے مطبخ	
(۷)	وصولی بابت قرض رپیشگی رتحویل بنام	
	میزان	

رقم جمع کرانیوالے کی دستخط............دستخط تصدیق کنندہ............

تاریخ............ تاریخ............

تصدیق ناظم محاسبی.............

محاسبی بھی رقم وصول کرتے وقت وصولیابی کی پختہ رسید جاری کرے، ناظم محاسبی کی ذمہ داری ہوگی، کہ وہ پوری احتیاط کے ساتھ امکانی حد تک از جلد رقوم کو محفوظ طریقے سے مدرسہ کے بینک اکاؤنٹ میں جمع کرا کر پختہ ثبوت حاصل کرے۔

ادارہ (مدرسہ یا جامعہ) کا اکاؤنٹ خواہ ایک ہو اس کے شعبۂ حسابات کو تمام مدات کو الگ الگ اپنے لیجز (تفصیل نامہ) میں رکھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، ہر مد تک الگ الگ کھاتہ ہو، ہر کھاتے کا الگ نمبر ہو، رجسٹر میں سارا محفوظ کیا جائے۔

کمپیوٹر پر حسابات کا ریکارڈ

کمپیوٹر بھی جدید اصولوں کے مطابق حسابات کا اندراج اور پورا ریکارڈ محفوظ ہونا ضروری ہے، ایسی صورت میں کمپیوٹر پروگرام بنوانے کی ضرورت پیش آئے گی، اچھے ماہر فن سے یہ کام کرایا جانا بہتر ہ جو ادارے کے حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کمپیوٹر پروگرام بنائے۔

ادارے کے حسابات کا تمام ریکارڈ کمپیوٹر پر محفوظ ہو (یہ کمپیوٹر اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ''دفتر حسابات'' میں ہو جس کا ذکر آگے آرہا ہے) اور احتیاط کے طور پر رجسٹروں میں بھی اس کا اندراج اہمیت رکھتا ہے۔

دفتر حسابات

پچھلی سطور اور مضمون کے اگلے حصوں سے محاسبی کی ضرورت واہمیت واضح ہے، چنانچہ ہر منظم ادارہ (مدرسہ جامعہ) میں شعبہ محاسبی یا دفتر حسابات ضروری ہے، یہ دفتر ایسا ہونا چاہئے جہاں حسابات سے متعلقہ تمام سامان موجود ہوں، کمپیوٹر سمیت تمام ضروری سہولتیں مہیا ہوں، سافٹ ویئر کی نسبت سے کمپیوٹر اکاؤنٹنگ کی لائن کا ہر مستند تعلیم یافتہ تجربہ کار ہو جسے عصری اصطلاح میں چیف اکاؤنٹینٹ کہا جاتا ہے۔

اساتذہ کرام اور ملازمین کی تنخواہوں کی ادائیگی، طلبہ کے وظائف اور نقد انعامات وغیرہ کی ادائیگی اس کی ذمہ داری ہو، خواہ براہ راست یا بینک کے واسطے سے حسبِ ضرورت وحالات، اسی طرح واجبات کی وصولیابی بھی اس کے ذمہ ہو، مثلاً بجلی، پانی یا گیس بل وغیرہ۔

اس شعبہ میں اکاؤنٹنگ کا تعلیم یافتہ کیشئر ہونا بھی ضروری ہے، جس کے ذریعے سے رقوم کا لین دین ہو، اس شعبہ میں حسبِ ضرورت وحالات افراد میں اضافہ ہوسکتا ہے، مدرسہ کے تمام تر حسابات کی ذمہ داری اس شعبہ کی ہوگی، آڈٹ کرانا بھی اس شعبہ کی ذمہ داری ہے۔

رسید اشیاء

نقود کی رسیدات کا ضروری تذکرہ پیچھے ہو چکا ہے، سامان واشیاء کی رسید کا ہونا بھی ضروری ہے۔

رسید اشیاء کا ایک نمونہ پیش ہے:

ادارہ کا نام مکمل پتہ

رسید.................بک نمبر...............

تاریخ..............۱۴ھ مطابق...............۲۰ء

جناب..............دامت برکاتہم

پتہ...

فون نمبر/دفتر................................

نمبر شمار	تفصیل اشیاء	مد	تعداد	وزن گرام۔کلو گرام	نام اسٹاک رجسٹر	صفحہ رجسٹر	دستخط وصول کنندہ

دستخط معطی .... دستخط محصل .... دستخط تصدیق کنندہ...............

دینی تعلیم وتربیت کی جدوجہد میں اس تعاون پر اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم سے نوازے اور جان ومال کی حفاظت فرما کر عمر میں برکت عطا فرمائے، آمین

دستخط رئیس الجامعۃ رمہتمم ....

واضح رہے کہ رسید اشیاء کے تین پرت ہوں گے، یعنی رسید اشیاء تہ بہ تہ تین کاغذوں پر مشتمل ہوگی اوپر والی رسید اصل ہوگی جو معطی کو دیجائیگی ، دوسری کاربن کاپیاں ہوں گی، ایک کاپی کو استقبالیہ والے اس رسید پر حاصل کردہ اشیاء کو اسٹور میں جمع کراتے وقت ناظمِ اسٹور سے تصدیقی دستخط وصولیابی لے کر اپنے پاس محفوظ کریں گے جب کہ رسید کی تیسری کاپی ناظم اسٹور کے ریکارڈ میں محفوظ ہوگی۔

اسٹور

ہر منظم ادارہ میں اسٹور کا ہونا بھی ضروری ہے اور اسٹور ایک سے زائد بھی ہو سکتے ہیں۔

مثلا (۱) مطبخ کے سامان کا اسٹور

(۲) تعمیراتی اسٹور (سیمنٹ، سریا، پلمبرنگ، بجلی وغیرہ)۔

رسید اشیاء کے ذریعے وصول ہونے والا تمام سامان یعنی صدقات، عطیات وغیرہ کا اسٹور میں جمع کرانا ضروری ہے، اسی طرح مطبخ اور شعبہ تعمیرات کے سامان کا بھی اسٹور میں اندراج ضروری ہے۔

واضح رہے کہ باہر سے آنے والا صدقات وعطیات کا سامان براہِ راست اسٹور میں وصول نہیں کیا جائے گا، بلکہ استقبالیہ یا یا دفتر صدقات وزکوۃ میں آنے والی اشیاء کی پختہ رسید برائے اشیاء کاٹی جائے گی۔

استقبالیہ یا دفتر صدقات وزکاۃ میں رسید کاٹنے والے حضرات رسید کاٹنے سے قبل اشیاء کی تعداد یا مقدار کو اچھی طرح چیک کریں گے اور اسٹور میں مختص مقام تک پہنچانے کے پابند ہوں گے۔

ان اشیاء کے اسٹور میں جمع ہونے اور ناظم اسٹور کی وصولیابی سے قبل ذمہ داری رسید کاٹنے والے حضرات ہی کی سمجھی جائے گی اور جب تک وہ ناظم اسٹور سے وصولیابی کے تصدیقی دستخط نہ لے لے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں سمجھے جائیں گے۔

اسٹور میں وصولی اشیاء کا طریقہ کار

اسٹور میں پہنچنے والے سامان کی رسید اشیاء کے مطابق چیکنگ اور رسید وصولیابی کی کاپی پر اسٹور میں وصولیابی کے تصدیقی دستخط ناظم اسٹور کی ذمہ داری، اس موقعہ پر متعلقہ اسٹاک رجسٹر میں سامان کا اندارج ضروری ہوگا، اس میں رسید نمبر کا بھی حوالہ دیا جائے گا۔

اسٹاک رجسٹر

پچھلی سطور سے اسٹاک رجسٹر کی ضرورت واضح ہے۔

اسٹاک رجسٹر ایک بھی ہوسکتا ہے اور حسب ضرورت ومصلحت ایک زائد بھی ہوسکتے ہیں۔ مثلاً:

۱- اسٹاک رجسٹر برائے مطبخ۔

۲- اسٹاک رجسٹر برائے تعمیراتی سامان۔

۳- اسٹاک رجسٹر برائے غیر تعمیراتی سامان وغیرہ حسبِ ضرورت۔

اسٹور کے سامان سے متعلق اہم باتیں

۱) اسٹور میں آنے والی تمام اشیاء کو حفاظت وصفائی سے رکھنا ناظم اسٹور کی ذمہ داری ہوگی، اس کام کے لئے وہ خادم اسٹور سے مدد لے گا۔

۲) تمام اشیاء کو صحیح ترتیب سے رکھنا بھی ضروری ہے۔

۳) اسٹور میں موجود تمام سامان کا ریکارڈ میں محفوظ کرنا بھی ناظم اسٹور کے فرائض میں شامل ہے۔

[۴) ہر ماہ اختتام پر اسٹور میں موجود تمام اشیاء کی فہرست محترم مہتمم صاحب کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔

۵) فراہم کردہ فہرست سے متعلق محترم مہتمم صاحب کی تحریری ہدایات کے مطابق عمل کیا جائے گا اور اسٹاک میں اس کا ضروری اندراج کیا جائے گا۔

تحویلی رقم

اکثر مدارس وجامعات میں مختلف شعبہ جات ہوتے ہیں، ہر شعبہ کا کوئی ذمہ دار یا ناظم ہوتا ہے، اس ناظم کے مخصوص اختیارات ہوتے ہیں۔

اپنے اختیارات کے دائرہ میں رہتے ہوئے ہر ناظم کو بسا اوقات مختلف قسم کے سامان اور ضروری اشیاء کی خریداری کی ضرورت پیش آتی ہے۔

ایسی صورتحال میں تعلیمی ادارے کے ذمہ دار کے لئے مناسب ہے کہ ہر ناظم کے مناسبِ تحویلی رقم کا تعین کرکے ناظم شعبہ کے حوالے کرے، ناظم شعبہ اپنے دائرہ اختیار میں رہتے ہوئے حسب ضرورت ومصلحت اس رقم کو صرف کرے گا اور اس کی مدد کی ضروریات کا سامان حاصل کرے گا، ناظم شعبہ جب اپنا بل شعبۂ حسابات میں جمع کرائے گا، تو صرف کردہ رقم اس کو واپس مل جائیگی، شعبہ میں دوسری ضرورت پیش آنے پر وہ اس رقم کو دوبارہ استعمال کر سکے گا مثلاً اگر کسی ناظم شعبہ کی تحویلی رقم پانچ ہزار روپیئے ہو وہ شعبہ کی کسی ضرورت پر صرف ہو گئے، تو

شعبۂ حسابات میں بل جمع کرانے پر پانچ ہزار کی رقم واپس اس کے پاس آجائیگی۔

اسی طرح ضرورت کے موقع پر یہ تحویلی رقم گردش کرتی رہے گی اور صرف ہونے کے بعد واپس ملتی رہے گی، اس انداز کی تحویلی رقم سے آسانی بھی پیدا ہوتی ہے، اور کاموں کی روانی بھی متاثر نہیں ہوتی۔

شعبہ جات کا خرید کردہ سامان

سامان اگر شعبہ جات کا خرید کردہ ہو اس سامان کا اسٹور میں اندراج اور ناظم اسٹور کو دکھانا ہے، خرید کردہ سامان کو دکھلانا شعبہ جات کی ذمہ داری ہے؛ البتہ سامان کے زیادہ ہونے یا وزنی ہونے کی صورت میں ناظم اسٹور متعلقہ شعبہ میں ہی چیک کرنے کا پابند ہوگا۔

''سامان رسیدات خریداری کے مطابق ہے'' اس کی تصدیق کرنے کا ناظم اسٹور ہی مجاز ہے۔

اس مرحلہ پر ناظم اسٹور اسٹاک وصولی سلپ بھی جاری کرے گا، اور اسٹاک اجراء سلپ بھی، دونوں کا حاصل یہ کہ شعبہ کی خرید کردہ چیز کا مدرسہ کے اسٹور میں باقاعدہ اندراج بھی ہو گیا اور پھر وہ شعبہ کو جاری بھی کر دی گئی۔

اسٹاک وصولی سلپ کا ایک نمونہ

اسٹاک وصولی سلپ

نام ادارہ (شعبہ اسٹور)

جلد نمبر..............تاریخ خریداری مطابق رسید..............

سلپ نمبر..............تاریخ وصولی اور اسٹور..............

نام سپلائر/دکاندار..............نام خرید کنندہ..............

نمبر شمار	نام سامان	تفصیل	وزن/ناپ/تعداد	قیمت (روپئے)

کل رقم الفاظ میں			کل رقم (ہندسوں میں	

اسٹور کیپر..............

اسٹاک اجراء سلپ کا ایک نمونہ

اسٹاک اجراء سلپ

نام ادارہ (شعبہ اسٹور)

جلد نمبر............ تاریخ درخواست برائے سامان...........

سلپ نمبر............. تاریخ اجراء از اسٹور..............

نام استعمال کنندہ..................

مقام و تفصیل استعمال....................

نمبر شمار	نام سامان	تفصیل	وزن/ناپ/تعداد	قیمت (روپیۓ)
کل رقم الفاظ میں				کل رقم ہندسوں میں

اسٹور کیپر............. دستخط کنندہ..............

اشیاء کے اجراء کا طریقہ کار

شعبہ جات کی خرید کردہ اشیاء کی اسٹور میں وصولی اور اسٹور سے اجراء کا ذکر ہو چکا، استقبالیہ، یا دفتر زکاۃ و صدقات کے واسطے سے اسٹور میں آنے والی چیزوں کا طریق وصولیابی بھی پیچھے آ چکا۔

بہت سی چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو ضرورت کے تحت خود ادارہ خرید تا ہے، مثلا مطبخ کی مختلف اشیاء یا تعمیرات کا سامان یہ سب چیزیں اصولوں کے مطابق اسٹور کی وصولیابی

میں شامل ہوکر وہاں جمع ہوتی ہیں۔

اسٹور میں موجود سامان ضرورت پڑنے پر متعلقہ شعبہ کو جاری کیا جائے گا، اس کے لئے مندرجہ ذیل امور کا اہتمام ضروری ہے۔

(۱) مہتمم مدرسہ سے تحریری اجازت حاصل کرلی گئی ہو۔

(۲) ڈیمانڈ (طلب) فارم پر کر کے وصول کیا جائے۔

ڈیمانڈ فارم کا ایک نمونہ

ڈیمانڈ فارم (ادارہ کا نام)

مورخہ............... شعبہ............... میں مندرجہ ذیل اشیاء کی ضرورت ہے۔

نمبرشمار	نام اشیاء	مقدار	حوالہ رجسٹر	تفصیل
۱				
۲				
۳				
۴				
۵				
۶				
۷				
۸				
۹				
۱۰				

دستخط وصول کنندہ............... دستخط ناظم شعبہ.......

دستخط اسٹور انچارج............

(۳) اسٹاک رجسٹر پر روانگی کا اندراج کر دیا جائے۔

(۴) اجراء سلپ کا جاری کرنا بھی مناسب ہے، اگرچہ ڈیمانڈ فارم پر اکتفار کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

(۵) مطبخ کا اور تعمیراتی سامان متعلقہ عملہ کو بروقت جاری کیا جائے گا اور اس کے استعمال پر نظر رکھی جائے گی کہ سامان اجراء بقدر ضرورت ہو۔

بہر حال اجراء کردہ سامان اگر پورا استعمال نہ ہوا تو بقیہ سامان کی واپسی اسٹور میں ضروری ہے، ایسی صورت میں محسوبی فارم پر کیا جائے گا۔

محسوبی فارم

(اسٹور/ادارہ کا نام)

تاریخ قمری............تاریخ شمسی............فارم نمبر.............

نمبر شمار	نام اشیاء	اجراء اشیاء مقدار	تعداد استعمال	قابل واپسی	حوالہ رجسٹر	کیفیت
۱						
۲						
۳						
۴						
۵						
۶						
۷						
۸						
۹						
۱۰						

میں تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا سامان خالصۃ (ادارہ کا نام) کے مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور اس کے جملہ اندراجات درست ہیں۔

دستخط استعمال کنندہ...............

تصدیقی دستخط ناظم جامعہ...............

دستخط قابل واپسی سامان کی وصولیابی از اسٹور کیپر...............

تاریخ...............   تاریخ...............

اشیاء کی تقسیم کار کا طریقہ کار

جیسا کہ پہلے بھی تحریر کیا جاچکا ہے کہ اسٹور میں موصول ہونے والی تمام اشیاء کی فہرستیں محترم مہتمم صاحب کی خدمت میں حسب مصلحت ہر ہفتے / ہر ماہ پیش کی جائیں گی، ان فہرستوں میں مدات کی صراحت ضروری ہوگی، محترم مہتمم صاحب کی اجازت سے قابل تقسیم اشیاء مستحق طلبہ وکارکنان وغیرہ میں تقسیم کی جائینگی۔

(۱) مستحق طلبہ کی فہرست ناظم دارالاقامہ فراہم کریں گے جس کے مطابق سامان کی تقسیم کی جائے گی۔

(۲) فہرست بنانے میں اس کا خیال رکھا جائے کہ اشیاء طلبہ کے درمیان انصاف کے تقاضوں کے مطابق تقسیم ہوں۔

(۳) سامان فہرستوں کے مطابق قیم حضرات کے حوالہ کیا جائے گا، وہ براہِ راست مستحق طلبہ کو دیں گے یا اپنی نگرانی میں تقسیم کرادیں گے۔

(۴) تقسیم کے وقت سامان وصول کرنے والے طلبہ سے دستخط لئے جائیں گے۔

(۵) دستخط شدہ فہرستوں ناظم اسٹور کے پاس جمع کرادی جائیں گی۔

(۶) اسٹور میں ان فہرستں کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جائے گا۔

منتقلی سامان

کوئی شعبہ یا فرد اسٹور سے جاری کردہ سامان کو اپنی تحویل سے کسی دوسرے شعبہ یا

فرد کی تحویل میں براہِ راست منتقل نہیں کرے گا، اس کے لئے اولاً مہتمم صاحب سے منظوری حاصل کی جائے گی، ثانیاً وہ سامان شعبہ اسٹور کو باضابطہ طور پر واپس ہوگا، ثالثاً: حسبِ ضابطہ کسی دوسرے شعبہ یا شخص کو منتقلی کی کاروائی ہوگی۔

فروختگی سامان

کوئی ناظم شعبہ اپنی تحویل میں موجود سامان خود فروخت نہیں کرے گا؛ بلکہ وہ سامان اگرچہ ناکارہ ہو چکا ہو اسٹور میں جمع کرایا جائے گا، اور بعد میں ممکنہ داموں میں اس کی فروختگی کی کوشش کی جائے گی۔

صحیح سامان نسبۃً کارآمد سامان درج ذیل ضوابط پر عمل کرتے ہوئے فروخت کیا جائے گا۔

(۱) اعلان فروختگی نمایاں جگہوں پر لگایا جائے۔

(۲) سامان کی فروختگی کمیٹی کے ذریعہ ہونی چاہئے۔

(کمیٹی کا تعین محترم مہتمم صاحب خود بھی کرسکتے ہیں یا اپنے اعوان وانصار کے ذریعہ کراسکتے ہیں)۔

(۳) سامان کے کم ہونے، غیر اہم ہونے یا قیمتی نہ ہونے کی صورت میں فروختگی سامان کے بارے میں کمیٹی خود مختار بھی بنائی جائے گی، بصورت دیگر محترم مہتمم صاحب کی منظوری لازم ہوگی۔

(۴) اجازت کے ضروری ہونے کی صورت میں جس پارٹی کی جانب سے سب سے زیادہ قیمت کی پیشکش ہوگی اس کے بارے میں کمیٹی فروختگی کی سفارش کرے گی۔

(۵) سامان کی فروختگی میں ادارے کے متعلقہ اساتذہ کرام اور کارکنان کو امکانی طور پر ترجیح دی جائے گی۔

(۶) فروختگی کی رقم ادارے کے استقبالیہ/دفتر زکاۃ وصدقات کی چالان بک کے ذریعے وصول کی جائے گی۔

چالان بک کا ایک نمونہ

ادارہ کا نام

فون نمبر.............. جلد نمبر..............

فیکس.............. رسید نمبر..............

چالان بک

تاریخ..............۱۴ھ مطابق..............۲۰ء

جناب..............دامت برکاتہم

پتہ..............فون رہائش/دفتر..............

نمبر شمار	تفصیل اشیاء	مقدار	نرخ	رقم (روپیئے)
رقم (عبارت میں)			رقم ہندسوں میں	

دستخط خریدکنندہ.............. دستخط محصل..............

(۷) چالان بک کا حوالہ اسٹاک رجسٹر میں درج کیا جائے گا۔

(۸) حاصل شدہ رقم جلد از جلد محاسبی میں جمع کر کے جمع کرانے کا ثبوت حاصل کیا جائے گا

مثلاً درج ذیل ایسی رسید کی صورت میں ....

شعبہ جات

ادارہ کا نام

کیش رسید نمبر.............. شعبہ..............

تاریخ..........

مبلغ..............روپیئے مبلغ..............روپیئے

(ہندسوں میں) (عبارت میں)

بابت..........

جناب..............دامت فیوضہم سے نقد/بصورت چیک نمبر..............

وصول پائے۔

کیشیئر:..............

شعبہ حسابات یہ رسید استقبالیہ کی جانب سے جمع کرائی جانے والی رقوم پر جاری کرے گا خواہ یہ رقم استقبالیہ میں زکاۃ صدقات وعطیات کی صورت میں آئی ہوں یا کسی چیز کو چالان کے واسطہ سے فروخت کرنے کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہو۔

فروختگی طعام ٹوکن

بہت سے مدارس میں اساتذہ وکارکنان کو طعام مفت دیا جاتا ہے، گویا ایسی صورت میں وہ ملازمت کی مراعات کا حصہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں مناسب یہ ہے کہ معاہدۂ ملازمت کے وقت مراعات ذیل میں اس کی تصریح کردی جائے، تاکہ استاذ وکارکن کا طعام وغیرہ لینا بے غبار ہو۔

بعض مدارس میں اساتذہ اور کارکنان کو طعام وغیرہ خریدنا ہوتا ہے، یہ صورت زیادہ احتیاط والی ہے۔ (خریدے جانے کی صورت میں رعایتی قیمت پر خریدنے کا حق حاصل ہونا مراعات کا حصہ ہوگا)۔

بہرحال فروخت کی صورت میں طعام کے یا روٹی، سالن، دال سبزی کے ٹوکن ہونے چاہیئے۔

اس نظم میں درج ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱) طعام ٹوکن خریدنے کا حق غیر امدادی طلبہ، اساتذہ کرام، کارکنان ادارہ یا اس شخص کو ہوگا جس کو مہتمم اجازت دے۔

۲) مصلحت کے خلاف نہ ہو تو طلبہ کو مہمان کے لئے ٹوکن خریدنے کا حق بھی تحدید کے ساتھ دیا جاسکتا ہے۔

۳) طعام ٹوکن اسٹور سے خریدے جائیں گے۔

۴) اسٹور طعامی ٹوکن شعبہ حسابات سے حاصل کرے گا۔

۵) ٹوکن کی فروخت سے حاصل شدہ رقم استقبالیہ یا دفترِ حسابات میں جمع کرا کر باضابطہ رسید حاصل کی جائے گی، ان رسیدات کو اسٹور کے ریکارڈ میں رکھا جائے گا۔

اساتذہ وکارکنان کی تنخواہیں اور گریڈنگ

اساتذہ اور ملازمین کی تنخواہوں کے تعین میں گریڈ سسٹم ہونا مناسب ہے؛ بلکہ ضروری ہے، حالات کی روشنی میں گریڈنگ اس لائن کے ماہرین سے حسب ضرورت ومصلحت کرائی جاسکتی ہے۔

گریڈنگ کی صورت میں ناخواندہ، غیر تجربہ کار خادم کا گریڈ کچھ کم ہوگا اور خواندہ او رتجربہ کار کا کچھ اور، ناظرہ قرآن کے استاذ کا گریڈ کچھ اور ہوگا اور حفظ قرآن کریم کے استاذ کا کچھ اور مدرسہ کے ابتدائیہ کے استاذ کا گریڈ کچھ اور ہوگا اور مرحلہ متوسطہ کے اساتذہ کا کچھ اور تربیت یافتہ اساتذہ کا گریڈ کچھ اور ہوگا غیر تربیت یافتہ کا کچھ اور، اور متوسط تعلیم یافتہ اساتذۃ کا گریڈ کچھ اور ہوگا اور اعلی تعلیم سے آراستہ اساتذہ کا گریڈ کچھ اور، غرض گریڈ سسٹم میں خواندہ، تربیت یافتہ غیر تربیت یافیہ اور تجربہ کار، غیر تجربہ کار وغیرہ تمام امور کو حسب مراتب ملحوظ رکھا جائے گا۔

اساتذہ کی تنخواہوں کی نسبت سے چند باتیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں

(۱) ملک میں حکومت کی جانب سے کم از کم تنخواہوں کی جو مقدار مقرر ہو اساتذہ کرام کی تنخواہ اس سے کم نہ ہونی چاہئے، نیز نبی کریم ﷺ کے فرمان **"أنزلوا الناس منازلهم"** کو بھی ملحوظ رکھا جانا چاہئے۔

(۲) مدرسہ اور ادارے کے جو دستیاب وسائل ہوں ان کو استعمال کر کے حتی الامکان فراخی اور وسعت کی کوشش کی جائے، بعض اداروں کی نسبت یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسباب و وسائل مہیا ہونے کے باوجود اساتذہ کی تنخواہوں کی نسبت سے بخل سے کام لیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں حوصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔

جامعہ دار العلوم کراچی کے رئیس مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی دامت اقبالہم فرماتے ہیں: جب بھی ہم نے اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ کیا، اس کی خاص برکات نظر آئیں، منجانب اللہ پہلے سے زیادہ وسعت پیدا ہوئی۔

اساتذہ کی تنخواہوں میں ادارہ کی بساط کے مطابق وسعت پیدا کرنے کی تعلیمی اہمیت بھی ہے، اس لئے کہ جب استاذ اپنی روزمرہ کی زندگی میں معاشی وسعت پائے گا تو تعلیمی خدمات انجام دینے میں یکسوئی پیدا ہوگی، اور کیفیت کے اعتبار سے اس کی کارکردگی میں اضافہ ہوگا، اس کے مقابلے میں جو استاذ معاشی طور پر دباؤ میں ہوگا تو اسے اطمینان اور یکسوئی حاصل نہ ہوگی، اور وہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہاتھ پیر مارے گا، کہیں ٹیوشن پڑھائے گا، کہیں مؤذن بنے گا، کہیں امامت کی سعی کرے گا، اور ان کاموں کے لئے مختلف اوقات میں مسافت طئے کرے گا، نتیجۃً پورے اطمینان وانشراح کے ساتھ تعلیمی خدمات انجام نہ دے سکے گا اور یہ بہت بڑا نقصان ہے۔

(۳) اساتذہ کی تنخواہوں میں سالانہ کم از کم دس فیصد اضافہ مناسب ہے، البتہ یہ اضافہ متعلقہ نگراں اور ناظم تعلیمات کی سالانہ تسلی بخش رپورٹ کی روشنی میں محترم مہتمم صاحب کے فیصلہ کے تحت ہونا چاہئے۔

(۴) تنخواہیں بروقت یعنی مہینہ کی شروع میں دیئے جانے کی پوری کوشش کی جائے اور ایسی صورت سے بچا جائے کہ اساتذہ کی ایک ماہ یا زائد مہینوں کی تنخواہیں ادارے کی ذمہ میں دین ہوجائیں؛ اس لئے کہ اس جیسی صورتحال سے تعلیمی ادارے کی ساکھ بھی متاثر ہوتی ہے، اور اساتذہ کو بھی ناقابل برداشت تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے اور ہر اعتبار سے مدد فرمائے۔(۱)

---

(۱) ماہنامہ البلاغ: مالیات اور مدارس: ۶۰، ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ/ ۲۰۱۸ء

نظام تنخواہ

صحابہ تعلیم پر اجرت نہیں لیتے تھے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بچوں کی تعلیم کے لئے مکاتب (کتاتیب) کا انتظام کیا، اوران کے معلمین کے لئے مشاہرہ اور تنخواہ جاری کی؛ مگر فقہاء صحابہ کے تعلیمی حلقے اور مجلسیں حسبۃ للہ تبلیغ دین اوران أجری إلا علی اللہ کے اصول پر منعقد ہوتی تھیں، اوراس کے لئے مشاہرہ اور وظیفہ مقرر نہیں تھا، ۲۰ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے وظیفہ کا انتظام کیا اور حسب حیثیت لوگوں کے جو وظیفے مقرر کئے گئے وہی ان کے کافی تھے، دینی علوم کی تعلیم اور شہروں کی امامت، جہاد کی امارت، قضاء اور اسی قسم کے منصب کے لئے علاحدہ رقم اور وظیفہ کا انتظام نہیں تھا، حضرات صحابہ میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنا وظیفہ لینا پسند نہیں کرتے تھے اور بعض مقررہ وظیفہ سے کم لیتے تھے، وہ کار نبوت پر اجرت تو کیا لیتے تھے، خود طالب علموں کو اپنے مال سے حصہ دینے پر آمادہ تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ابوحمیرہ سے کہا تھا کہ تم میرے یہاں رہو، میں تم کو اپنے مال سے حصہ دوں گا، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اہل دمشق کو علم کی ترغیب دیتے ہوئے ان سے کہا تھا ”ما یمنعکم من مودتی وإنما مؤنتی علی غیرکم“ تم کو میری مؤدت وصحبت سے کیا چیز مانع ہے؟ میرا بار تمہارے علاوہ (اللہ تعالیٰ اور بیت المال) پر ہے، البتہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے وظیفہ کے علاوہ اپنے قرابت داروں کو زائد مدد دی تھی، انہوں نے عمار بن یاسر کو کوفہ کا امیر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم اور وزیر بنا کر بھیجا تھا، اسی کے ساتھ

حضرت عثمان بن حنیف کوعراق کی زمین پیمائش پر مقرر کیا تھا اوران تینوں حضرات کے لئے روزانہ ایک بکری کا حکم دیا جس کا آدھا گوشت عمار بن یاسر کواور ایک چوتھائی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کواور ایک چوتھائی عثمان بن حنیف کو ملتا تھا، یہ تعاون حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے صواب دید اور مصلحت کے تحت کیا تھا، اس میں ان حضرات کی طلب وخواہش کو دخل نہیں تھا، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے وظیفہ کی رقم بیت المال میں پڑی تھی، ان کے انتقال کے بعدان کے وصی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا وظیفہ مجھے دیدیں، ان کے اہل وعیال بیت المال سے زیادہ اس کے حقدار ہیں، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انکو پندرہ ہزار دراہم دیئے، جن حضرات کے استغناء کا یہ حال تھا کہ ان کے وظیفہ کی رقم بیت المال میں پڑی رہتی تھی، وہ دینی خدمت پر اجرت کیا لیتے؟ کمال درجہ تو یہ ہی ہے مگر متاخرین نے دیکھا کہ عوام الناس علماء کرام کی طرف سے بے رغبتی برتنے لگی، تو خود علماء کرام صفات کے اعتبار سے بھی کمزور ہوئے تو اجرت لے کر ہی صحیح کام انجام دینے پر ابھارا، اگر تنخواہ نہ ہو تو دوسرے کاروبار وغیرہ اپنانا پڑھتا ہے، پھر تدریسی یکسوئی باقی نہیں رہتی، تعلیم کا حرج ہوتا ہے۔(۱)

اس زمانہ میں تنخواہ لے کر بھی سلیقہ سے خدمتِ دین ہوجائے تو بہتر ہے، تنخواہ حضرات مدرسین کی خدمت کا معاوضہ نہیں حق الحبس ہے، چونکہ وہ دنیوی کاروبار کو چھوڑ کر اس خدمت میں لگے ہوئے ہیں، اس لئے قوم ان کو مستغنی کردے، عادۃ اللہ یہی رہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بیشتر تعداد فقراء کی ہے، تجربہ یہ ہے کہ جس کے پیشواؤں کو مال کی فراوانی مل گئی انہوں نے مذہب کو برباد کردیا، ماتحت عوام ان کے ناقدرے بھی بن گئے، حضرت ہردوئی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ''تألم تنعم'' کے درمیان کی تنخواہ مل رہی ہو تو اس کے باوجود نقل مکانی اختیار کرنے والے کی نیت میں فتور ہے، اخلاص مشتبہ ہے، خدمت دین کے وسیع اہم مفید بنے بنائے نظام کو چھوڑ کر معیارِ زندگی کے لئے مدرسہ نہ بدلیں۔

(۱) خیر القرون کی درسگاہیں: ۱۱۳۔ ۱۱۴

اکابر اوران کی تنخواہیں

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں: حضرت مولانا محمد سہول عثمانی صاحب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالی کے ممتاز شاگردوں اور دارالعلوم دیوبند کے ان مقبول اساتذہ میں سے تھے جن کو بیک وقت حدیث اور فقہ دونوں میں اللہ تعالیٰ نے کمال عطا فرمایا تھا، حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ: حضرت! ہم دینی علوم پڑھاتے ہیں اور ان پر تنخواہ بھی لیتے ہیں تو کیا ایسی تدریس پر کچھ ثواب بھی ملے گا؟

حضرت شیخ الہند نے فرمایا: مولوی صاحب! ثواب کی بات کرتے ہو؟ اس تدریس میں جو کچھ کوتاہیاں ہم سے ہوتی ہیں، اگر ان پر مواخدہ نہ ہو تو اسکو غنیمت سمجھو''

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد تشریحا فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ تنخواہ لینے کے بعد ثواب کی کوئی امید نہیں، کیوں کہ اگر نیت بخیر ہو تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس میں بھی ثواب کی امید ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ تنخواہ کا حق پورا پورا ادا کیا ہو اور اگر مقررہ وقت سے کم پڑھایا، غیر حاضریاں کیں اور پڑھانے کے لئے جس محنت اور مطالعے کی ضرورت ہے اس میں کوتاہی کی تو تنخواہ کا حلال ہونا بھی مشکوک ہے، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حضرت شیخ الہند کا تنخواہ میں کمی کا مطالبہ

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ ہمارے ماضی قریب کی ان شخصیتوں میں سے تھے جن کی مثالیں ہر دور میں گنی چنی ہوا کرتی ہیں، ان کا اردو ترجمہ قرآن وتفسیر مشہور ومعروف ہے، اس کے علاوہ آزادی ہند کے سلسلے میں ان کی تحریک ریشمی رومال، اور تحریک خلافت میں ان کی سرگرم خدمت ہماری تاریخ کا روشن باب ہیں، وہ دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم تھے، اور پھر تعلیم سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں عمر بھر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، یہاں تک

کہ ''شیخ الحدیث'' کے منصب پر فائز ہوئے اور ماضی قریب کے بے شمار مشاہیر نے ان کی شاگردی کا اعزاز حاصل کیا۔

جب یہ دار العلوم دیوبند میں ''شیخ الحدیث'' کے طور پر تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے تو دار العلوم کی مجلس شوری نے محسوس کیا کہ ان کی تنخواہ ان کے منصب، ان کے علم وفضل اور ان کی خدمات کے لحاظ سے بہت کم؛ بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے، ان کا کوئی اور ذریعہ آمدنی بھی نہیں ہے، اور ضروریات بڑھتی جارہی ہیں، چنانچہ مجلس شوری نے باتفاق رائے فیصلہ کیا کہ مولانا کی تنخواہ میں اضافہ کیا جائے اور اس مضمون کا ایک حکم نامہ مجلس شوری کی طرف سے جاری کردیا گیا۔

جو صاحب مولانا کے پاس مجلس شوری کے فیصلے کی خبر لے کر گئے انہیں یقینا یہ امید ہوگی کہ مولانا یہ خبر سن کر خوش ہوں گے، لیکن معاملہ برعکس ہوا، مولانا یہ خبر سن کر پریشان ہوگئے اور فوراً مجلس شوری کے ارکان کے نام ایک درخواست لکھی جس کا مضمون یہ تھا کہ:

''میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ دار العلوم کی طرف سے میری تنخواہ میں اضافہ کیا جارہا ہے، یہ اطلاع میرے لئے سخت تشویش کا موجب ہے، اس لئے کہ میری عمر کی زیادتی اور دوسری مصروفیات کی وجہ سے اب دار العلوم میں میرے ذمہ پڑھانے کے گھنٹے کم رکھے گئے ہیں، جب کہ اس سے پہلے میرے ذمے زیادہ گھنٹے ہوا کرتے تھے، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ مجلس شوری میری تنخواہ کم کرنے پر غور کرتی، چہ جائے کہ میری تنخواہ میں اضافے پر سوچا جائے، لہٰذا میری درخواست ہے کہ میری تنخواہ بڑھانے کا فیصلہ واپس لیا جائے اور اوقات کے لحاظ سے تنخواہ کم کرنے پر غور کیا جائے۔

اکابر کا تنخواہ کو زائد سمجھنا

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''میرے حضرت کی تنخواہ مظاہر علوم میں چالیس اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ علیہ کی دار العلوم دیوبند میں پچاس روپیئے تھی، ان دونوں کے

متعلق جب بھی ممبران اور سرپرستان کی طرف سے ترقی تجویز ہوتی تو دونوں حضرات اپنی اپنی جگہ یہ کہہ کر ترقی سے انکار کر دیا کرتے تھے کہ ہماری حیثیت سے بھی زیادہ ہے، دونوں مدرسوں میں جب بھی مدرس دوم کی تنخواہ کے برابر پہنچ گئی تو ممبران نے یہ کہہ کر اب ماتحت کے انکار سے ان کی ترقیاں رک جائیں گی، اس پر مجبوراً دو اکابر نے اپنی اپنی ترقی قبول کی، میرے استاذ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نور اللہ مرقدہ نے کئی بار مجمع میں فرمایا: ''میں نے اپنی ساری ملازمت میں کبھی اپنی ترقی کی درخواست نہ تحریراً پیش کی نہ زبانی کبھی کسی سے کہا''۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ جب جامع العلوم کان پور میں مدرس اول بن کر تشریف لے گئے تو حضرت کی تنخواہ پچیس روپیئے تھی؛ لیکن حضرت تھانویؒ اس کو زائد ہی سمجھتے رہے، حضرت تھانویؒ کا ارشاد نقل کیا ہے:

''میں طالب علمی کے زمانہ میں جب کبھی اپنی تنخواہ سوچا کرتا تھا تو زیادہ سے زیادہ دس روپے سوچتا تھا، پانچ روپیئے اپنی ضروریات کے لئے اور پانچ روپیئے گھر کے خرچ کے لئے، بس اس سے زیادہ تنخواہ پر کبھی نظر نہیں جاتی تھی، نہ اس سے زیادہ کا اپنے کو مستحق سمجھتا تھا''۔

حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ایک ارشاد نقل کیا ہے فرماتے ہیں:

''نقل کرتے بھی صدمہ ہوتا ہے کہ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ علیہ ایسے بے نظیر بزرگ اور پھر بھی ان کی تنخواہ کیا تھی، صرف چالیس روپیئے ماہوار جو آج کا ایک نو آموده طالب علم بھی مشکل سے قبول کرتا ہے کہ اگر تنخواہ کی کمی بھی منظور کرتا ہے تو اس طرح کہ اثر میں کمی نہ ہو، چنانچہ ایک مدرسہ میں بوجہ قلت آمدنی مدرسین سے کہا گیا کہ

اپنی تنخواہوں میں تخفیف منظور کرلیں، صدر مدرس صاحب نے کہا کہ اسطرح تو تخفیف نہیں کروں گا، میں تنخواہ تو پوری لوں گا، لیکن جتنی ضروری سمجھی جائے اتنی رقم اپنی طرف سے مدرسہ میں داخل کردیا کروں گا؛ تاکہ نام تو رہے کہ تنخواہ اتنی ہے، تو یہاں تک باتیں نظر میں آنے لگیں کہ چاہے تنخواہ کم ہوجائے؛ لیکن شان ویسی ہی رہے، اب تو اتنی تنخواہ کو کوئی خاطر میں بھی نہیں لاتا اور وہاں اس کی بھی بڑی قدر تھی، وجہ کیا ہے کہ وہ حضرات اپنے کو صاحب کمال ہی نہ سمجھتے تھے اس واسطے کہ صاحب مال ہونا نہیں چاہتے تھے"۔

حضرت نانوتوی کا واقعہ

ارواح ثلاثہ میں لکھا ہے کہ مولوی امیر الدین صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بھوپال سے مولانا (حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی) کی طلبی آئی اور پانچ سو (۵۰۰) روپیئے ماہوار تنخواہ مقرر کی، میں نے کہا کہ: اے مولوی قاسم تو چلا کیوں نہیں جاتا تو فرمایا کہ: وہ مجھے صاحب کمال سمجھکر بلاتے ہیں، اور اس بناء پر وہ پانچ سو روپیئے دیتے ہیں؛ مگر میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا، پھر کس بناء پر جاؤں؟ میں نے بہت اصرار کیا مگر نہیں مانا۔(۱)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری

حضرت مولانا جب سہارنپور پہنچے تو مدرسہ پہنچتے ہی تنخواہ لینے سے انکار کردیا اور ذمہ داران مدرسہ کو تحریر فرمایا:

"میں عرصہ سے خدمت مدرسہ سے معذور ہوں، اس لئے مولانا محمد یحی کو بلایا تھا وہ میری مدد کرتے تھے، اب وہ بھی رحلت کر گئے، بجز اسکے کوئی چارہ نہیں کہ اپنے بار سے مدرسہ کو سبکدوش کردوں"

خلیل احمد ۱۲ صفر ۳۵ھ

---

(۱) ارواح ثلاثہ: ۱۳۷

حضرت شاہ عبدالرحیم رائے رائپوری کو جو سرپرست مدرسہ بھی تھے، حضرت مولانا سے بہت تعلق تھا اور ہمیشہ انہوں نے آپ کا ساتھ دیا اور آپ کی ہر پریشانی کو دور کرنے کی فکر کی وہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ تنخواہ نہ لے کر اقتصادی پریشانی میں پڑیں، اسی لئے انہوں نے آپ کی درخواست پر یہ تحریر فرمایا:

''حضرت کو راضی کیا جائے کہ وہ تنخواہ لیں اور کام کا بار نہ ڈالا جائے؛ ورنہ حضرت سرپرست اور باقی سب شیر بنائے جائیں اور یہ بھی نہ ہوتو میرا بھی استعفاء ہے، میں بھی ضعیف ہوگیا ہوں''۔

عبدالرحیم ۲۲ رصفر

حضرت مولانا نے جب حضرت رائپوری کا یہ جواب دیکھا تو ان کی محبت وتعلق کا دل پر بہت اثر پڑا اور آپ نے فوراً تحریر فرمایا:

''صرف تنخواہ سے انکار ہے، مدرسہ کی خدمات بدستور کروں گا اور مجبور ہوا تو کچھ امداد بھی لے لوں گا''۔

حضرت مولانا نے جو ارادہ فرمایا تھا اس پر ثابت قدم رہے، تنخواہ نہ لی اور حسبۃ للہ مدرسہ کی اسی طرح خدمت کرتے رہے، جس طرح پہلے کرتے تھے، کچھ دنوں تک کوئی دقت پیش نہیں آئی؛ لیکن بعد میں بعض شدید الجھنیں اور پریشانیاں ہوئیں، مہمانوں کی آمدورفت اسی طرح تھی جیسے پہلے تھی، اخراجات بڑھتے رہے اور مدرسہ سے آمدنی بند ہوگئی، تنخواہ لینے پر کسی طرح دل آمادہ نہیں ہوا، جب دیکھا کہ شہر میں رہ کر اس طرح زندگی گذارنی مشکل ہے تو انبیٹہ جا کر سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا؛ بلکہ جانے کا سامان بھی شروع کردیا، آپ کے جانے کی خبر جب شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کو پہنچی تو ان کو بڑی فکر دامنگیر ہوگئی اور یہ خیال کرکے کہ آپ کے درس چھوڑ دینے سے مدرسہ بالکل خالی ہوجائے گا اور اس کی بہار رخصت ہوجائے گی، اس لئے کہ مدرسہ میں جو کچھ باغ وبہار ہے وہ آپ ہی کے دم قدم سے ہے، اس لئے حضرت شاہ صاحب نے آپ سے پھر تنخواہ لینے پر اصرار کیا اور تحریر فرمایا:

''نہایت لجاجت اور اصرار سے درخواست ہے کہ آپ کا مجھ سے وعدہ تھا کہ تو جب کہے گا تنخواہ لوں گا؛ لہٰذا اب انکار نہ فرمائیں''

ادھر حضرت رائے پوری نے آپ کو یہ لکھا اور دوسری طرف اہل مدرسہ کی طرف سے تنخواہ لینے پر اصرار کرایا، اہل مدرسہ کی خواہش اور اصرار کے باوجود آپ کے پائے ثبات کو لغزش آئی نہ استغناء اور قناعت میں کوئی فرق آیا، آپ نے اہل مدرسہ کو جواب دیا:

''مدرسہ کا روپیہ چندہ کا ہے اور خدا کا مال ہے جس کے ہم لوگ صرف امین اور خازن ہیں اور بے جا تصرف یا مراعات کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے، اور میں خود خوب سمجھتا ہوں کہ پچاس روپیئے کے قابل درس نہیں دے سکتا؛ لہٰذا تنخواہ نہ لوں گا''

حضرت رائپوری اور اہل مدرسہ کے نزدیک مدرسہ کے لئے آپ کا وجود ضروری تھا؛ اس لئے حضرت رائپوری نے اکابر مدرسہ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ حضرت مولانا پر سے تدریس کی ذمہ داری اٹھالی جائے اور کارنظامت آپ کے سپرد کیا جائے کہ بلا تعیین وقت اور دن آپ یہ خدمت انجام دیں اور درس کی وجہ سے اوقات کی پابندی کرنی پڑتی ہے، اور جس پابندی کی آپ کی صحت اور عمر متحمل نہیں ہے، اس سے بھی آزادی مل جائے اور کارنظامت کا معاوضہ مشاہرے کے طور پر خدمت میں پیش کیا جاتا رہے، حضرت رائے پوری کی یہ تجویز اراکین مدرسہ نے بالاتفاق منظور کرلی اور حضرت مولانا سے درخواست کی کہ:

''جناب والا کی تنخواہ صرف کارنظامت کی بناء پر طئے ہوئی ہے، درس وتدریس کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے؛ لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ اب تنخواہ قبول فرمالیجئے کہ اس میں عنداللہ مسئولیت کا کوئی سوال نہیں ہے، اور اپنی خواہش کے مطابق اگر ایک آدھ سبق جناب اپنے پاس رکھنا چاہیں تو ضرور رکھ لیں جب تک قیام رہے درس دیں اور جب سفر میں تشریف لے جائیں تو وہ سبق صدر مدرس پڑھائے''

آپ کو اس تجویز پر انشراح قلب نہ ہو سکا؛ لیکن بڑی ردو قدح کے بعد آپ نے تنخواہ قبول کر لیا اور کارنظامت کے عہدے پر فائز ہوئے۔

آپ صرف مدرس نہ تھے ؛ بلکہ مدرسہ کے ناظم بھی تھے ، مدرسہ کا تعمیری ، تعلیمی اور انتظامی نظام آپ کے ہاتھوں میں تھا، درس وتدریس کا انتظام، مدرس کی کمی وبیشی، تعمیر وترقی کے سارے شعبے آپ ہی کی رائے پر چلنے لگے، اور مدرسہ کو پہلے سے زیادہ ترقی ہوئی۔(۱)

ضرورت سے زائد تنخواہ مدرسہ میں داخل کیا کریں

ایک شخص نے حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ سے فرمایا:

احقر مدرسہ میں خدمتِ تدریس میں مشغول ہے، مدرسہ کی ابتداء سے ہی ارادہ تھا کہ تنخواہ نہ لوں، اب تک جو کچھ ملتا تھا، اس کو مہمانوں کی خدمت اور خود اپنے اکابر کی خدمت میں دیوبند حاضری کے کرایہ پر ہی خرچ کرتا تھا، اب کچھ دنوں سے زیادہ تقاضا ہے طبیعت پر کہ مدرسہ کی تنخواہ نہ لیا کروں لیکن دل ٹٹولتا ہوں تو زیادہ توکل کی ہمت نہیں پاتا، حکم فرمادیں کیا مناسب ہے۔

جواب میں فرمایا: آپ تنخواہ مدرسہ سے ضرور وصول کرلیا کریں، اور جو ضرورت سے زائد ہو تو اس کو بطور چندہ مدرسہ میں داخل کردیں، کچھ روز تک ایسا کریں پھر دیکھیں کہ تنگی تو محسوس نہیں ہوتی، اگر محسوس نہ ہوتی ہو تو مستقلا ایسا ہی کیا کریں۔

دارالعلوم میں ۱۳۳۳ھ میں تنخواہوں میں اضافہ

مولانا محبوب رضوی صاحب فرماتے ہیں:

تنخواہوں کے بارے میں دارالعلوم کا طرز ابتداء تاسیس سے نہایت سادہ رہا ہے، شان ونمود کے لئے گراں قدر مشاہرے مقرر کرنا کبھی پسند نہیں کیا گیا، اسی کے ساتھ خود دارالعلوم کے اساتذہ اور کارکنوں نے بھی تنخواہ کی نسبت ہمیشہ یہ بات ملحوظ رکھی کہ وہ دارالعلوم پر صرف اسی قدر تنخواہ کا بار ڈالیں گے جس میں سادہ معاشرت اور قناعت وکفایت کیساتھ گذر بسر ہوسکے، چنانچہ سب سے پہلے صدر المدرسین حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ کا

(۱) حیات خلیل: ۲۵۴، محمد ثانی حسنی ندوی، مظاہری، کتب خانہ یحیوی مظاہر علوم سہارنپور

مشاہرہ صرف چالیس روپیئے ماہانہ تھا، چنانچہ روداد میں مذکور ہے:

دارالعلوم میں مشاہروں کی مقدار اس کی عظمت وشان اور مدرسین کے کمال وشہرت نیز ان کی کفایت ما یحتاج، ہر ایک لحاظ سے ہمیشہ کم رہی ہے، مولانا محمد یعقوب صاحب کو باین عظمت وکمال صرف چالیس روپیئے ملتے تھے، مولانا سید احمد صاحب کو ۵۳ روپیئے، دارالعلوم کی شان اور ان حضرات کی وقعت وعظمت کو خیال کر کے ان مشاہروں کو خیال کر لیا جائے، جس تنگی اور عسرت کے ساتھ یہ بزرگواران مشاہروں میں گذر اوقات کرتے تھے اس کا حال سب پر واضح ہے، اور ہم نے خود مشاہدہ کیا ہے، یہ بزرگوار دیوبند سے باہر جانا گوارہ فرماتے ہیں کس منصب پر اور کتنے مشاہرے پر تشریف لے جاتے تھے، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کو بھوپال بلایا گیا تھا، آپ نے انکار فرمادیا؛ لیکن مولانا سید احمد صاحب بھوپال تشریف لے گئے تو تقریبا ڈیڑھ سو روپیئے ماہوار مقرر ہوئے۔(۱)

لیکن اسی کے ساتھ دارالعلوم نے بھی کبھی یہ پسند نہیں کیا کہ اس کے کارکن معاشی پریشانیوں میں سرگرداں رہیں اور ان کا فراغ خاطر مفقود ہوجائے، چنانچہ جب کبھی ایسی صورت پیش آئی تو دارالعلوم نے اس پر فوری توجہ کی اور بروقت مشاہروں میں حالاتِ زمانہ کے لحاظ سے اضافہ کر کے اپنے کارکنوں کے لئے سکون خاطر اور اطمینان قلب کے ساتھ کام کرنے کا موقع بہم پہنچایا، چنانچہ سال رواں میں صدر المدرسین کا مشاہرہ پچاس روپیئے کے بجائے پچھتر کیا گیا، اور اسی نسبت سے دوسرے کارکنوں کی تنخواہوں میں اضافہ عمل میں آیا۔(۲)

کالج کی ملازمت

دارالعلوم دیوبند کے ایک انتہائی ممتاز مدرس جو حضرت شیخ الہند کے شاگرد بھی تھے، ان کو

(۱) روداد ۱۳۳۴ھ ص: ۳۸

(۲) تاریخ دارالعلوم، سید محبوب صاحب رضوی: ۲۴۰۔۲۴۱، المیزان ناشران وتاجران کتب، لاہور

کسی کالج کی طرف سے اچھی تنخواہ پر مدرسی کی پیش کش ہوئی، انہوں نے حضرت شیخ الہند سے ذکر کیا اور کہا کہ حضرت! ہم یہاں دارالعلوم میں آٹھ آٹھ دس دس گھنٹے پڑھاتے ہیں، باقی وقت مطالعہ میں گذرتا ہے، اور تصنیف وتالیف یا وعظ وخطابت کے لئے وقت بہت کم ملتا ہے، خیال ہے کہ کالج میں تدریس کا وقت بہت کم ہوگا، اور باقی فارغ وقت میں تصنیف وتالیف اور دوسری دینی خدمات کا زیادہ موقع ملے گا، اس لئے یہ رجحان ہے کہ اس پیش کش کو قبول کرلیا جائے۔

حضرت شیخ الہند نے اس رائے کی مخالفت کی اور فرمایا کہ مولوی صاحب! مجھے امید نہیں ہے کہ وہاں جاکر آپ اتنی دینی خدمات کے لئے بھی فارغ اوقات میں انجام دے سکیں، جتنی یہاں ہوجاتی ہے؛ لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی کہ زیادہ فرصت اور فراغت کے باوجود کام زیادہ کیوں کر نہیں ہوسکے گا؟ حضرت کی رائے تو نہ تھی؛ لیکن اس کی شدید خواہش دیکھ کر اجازت دے دی، وہ کالج چلے گئے، تقریباً ایک سال کے بعد چھٹیوں میں وہ دیوبند آئے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے سلام اور دریافت خیریت کے بعد پوچھا:

''کیوں مولوی صاحب! اس عرصے میں آپ نے کتنی تصنیف کی؟
کتنے فتوے لکھے؟ کتنے وعظ کہے؟

یہ سن کر وہ صاحب رو پڑے اور کہا حضرت حساب وکتاب کے نقطہ نظر سے تو آپ کی بات سمجھ میں نہ آئی تھی؛ لیکن تجربے سے سمجھ میں آ گئی، واقعہ یہ ہے کہ جتنا کام دارالعلوم میں عدیم الفرصتی کے باوجود ہوجاتا تھا، وہاں فرصت کے باوجود اتنا نہ ہوا۔(۱)

حقوق مدرسہ میں احتیاط:

حضرت مفتی شفیع صاحب قدس سرہ نے اپنا واقعہ سنایا کہ دارالعلوم دیوبند کی ملازمت کے آخری سالوں میں بعض عوارض کی وجہ سے امور مفوضہ کے ادا کرنے کے لئے پورا وقت

(۱) البلاغ مفتی اعظم نمبر: ۱/۶/۱۳۱۱ بحوالہ: نمونے کے انسان، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی رحمہ اللہ ۱/۳۹، مکتبہ ضیاء الکتب، خیر آباد، ضلع مئو، یوپی

نہ دیتا تھا، دار العلوم سے علاحدہ ہوا تو مجھے بڑی فکر ہوئی کہ مدرسہ کا حق میرے ذمہ ہے، اس کے ادا کرنے کی کیا صورت ہو؟ اس وقت میرے پاس زائد سرمایہ نہ تھا، جو مدرسہ میں داخل کر دیتا، ہاں ایک ذاتی کتب خانہ کافی مالیت کا تھا، اس کو میں نے مدرسہ میں داخل کر دیا اور مدرسہ کے حق سے سبکدوش ہوا، اس کی مجھے بڑی خوشی ہوئی۔(۱)

قلیل تنخواہ:

دار العلوم دیوبند میں مالی وسائل کی قلت تھی، اساتذہ کرام کی تنخواہیں نہایت قلیل ہوتی تھیں، قارئین کو حیرت ہوئی کہ ابتداء دار العلوم میں آپ (مفتی محمد شفیع صاحب) کو صرف پانچ روپیئے ماہوار وظیفہ ملتا تھا، اسی پر قناعت فرمائی، پھر رفتہ رفتہ مشاہرہ میں تھوڑا اضافہ ہوتا گیا، جب آپ ۲۶؍سال کی جلیل القدر خدمات کے بعد دار العلوم دیوبند سے مستعفی ہوئے تو اس وقت بھی مشاہرہ صرف ۶۵ روپیئے تھا، اس عرصہ میں دوسرے مدارس سے بڑی بڑی تنخواہوں پر بلانے کی مسلسل کوشش ہوتی رہی، مدرسہ عالیہ کلکتہ سے سات سو روپیئے مشاہرہ کی پیش کش بار بار کی گئی، جہاں کام بھی دیوبند سے کم تھا؛ مگر پیش نظر تنخواہ کبھی منظور نہ کی، دیوبند کی قلیل تنخواہ پر قناعت کی، مادر علمی کو چھوڑنا پسند نہ فرمایا۔(۲)

ایام رخصت کی تنخواہ:

اس سلسلے میں حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی فرماتے ہیں:

صورت مسؤلہ میں آپ کے مدرسہ و مکتب کا جو قانون و قاعدہ مروج و مشہور ہو، اسی کے مطابق عمل ہوگا، بعض مدارس میں سالانہ کچھ ایام کی رخصت اتفاقیہ کا قانون ہوتا ہے، ان ایام کے بقدر رخصت لینے پر تنخواہ کا استحقاق ہے، اس سے زائد کا نہیں، نیز اس کے بعد تمام سال ضرورت پڑنے پر جو رخصت لی جائے گی، اس رخصت کے ایام کی تنخواہ کا بھی استحقاق نہیں رہے گا۔(۳)

---

(۱) نمونے کے انسان: ۱؍۹۲ (۲) البلاغ مفتی اعظم نمبر، بحوالہ نمونے کے انسان: ۱؍۱۰۸

(۳) فتاویٰ قاسمی: ۱۹؍۲۴۲

اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

”الصلح جائز بين المسلمين، إلا صلحا حرم حلالا، أو احل حراما، والمسلمون على شروطهم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما“(۱)

اور ایک جگہ حج کی رخصت کے تعلق سے فرماتے ہیں:

حج چونکہ اسلام کے اساسی اور بنیادی فرائض میں سے ہے، اس لئے اہم بڑے اداروں میں اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے منجانب مدرسہ حج کے فرض کی ادائیگی کے نام سے ایک مرتبہ رخصت دی جاتی ہے، جیسا کہ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ شاہی وغیرہ کا دستور ہے۔(۲)

بیمار ملازم کی تنخواہ:

اکثر مدارس اسلامیہ کا یہ قاعدہ اور قانون ہے کہ بیمار ملازم کو اس کی تنخواہ دی جاتی ہے، لہٰذا جو بھائی بیمار ہو گئے، ان کو مدرسہ کی جانب سے صرف تنخواہ ملے گی، مزید رقم یا انعام کچھ نہ ملے گا۔

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

آپ کے مدرسہ کا جو قانون ودستور ہے، اس کے مطابق عمل ہوگا؛ لہٰذا جتنے ایام کی رخصت بیماری باتنخواہ دیئے جانے کا قانون ہے، یا مجلس شوری جتنے ایام کی رخصت منظور کرے ان کی تنخواہ لینا شرعا جائز اور درست ہے۔(۳)

تعطیلات رمضان کی تنخواہ:

تعطیلات رمضان ایام تعلیم کے اس وقت تابع ہوں گے، جب کہ آئندہ سال بھی

---

(۱) سنن الترمذی، أبواب الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، دار السلام، حدیث: ۱۳۵۲

(۲) فتاوی قاسمی: ۱۹/ ۲۳۸ (۳) فتاوی قاسمیہ: ۱۹/ ۲۲۱

آپ اسی مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دیں، لیکن جب آپ کا ارادہ اس سال مدرسہ چھوڑ دینے کا ہے تو اس صورت میں آپ رمضان کی تنخواہ کے مستحق نہ ہوں گے، یہی مدارس کے اندر معروف ومشروط ہے۔(۱)

(۱) مستفاد: فتاوی محمودیہ: ۱۲/ ۲۲۶، جدید ڈابھیل

مدارس ومکاتب سے متعلق فقہی مسائل

دینی ومذہبی ادارہ کورجسٹریشن کرانے کا حکم:

فتاوی قاسمیہ میں مفتی شبیر صاحب فرماتے ہیں:

احقر نے جن بڑے اداروں کا رجسٹریشن ہو چکا ہے، ان میں سے کوئی شرط فقہ اسلامی کے خلاف نہیں پایا ہے، بلکہ ساری شرائط وقیودات فقہ اسلامی کے موافق اورادارے کے حق میں مفید ومعاون ہیں، اس لئے ان میں کوئی تشویش کی بات نہیں۔

مدارس کے اصول وضوابط کی شرعی حیثیت:

فتاوی قاسمیہ میں ہے

مدارس اسلامیہ کے قوانین وضوابط کا سارادارومدار ایک حدیث شریف پر ہے:

عن عبد اللہ بن عمر بن عوف المزنی، أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحا حرم حلالا، أو أحل حراما، والمسلمن علی شروطھم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما (۱)

مسلمانوں کی آپسی رضامندی سے ہروہ صلح اور قانون جائز ہے، جس سے قرآن وحدیث کے حرام کو حلال کرنا لازم نہ آتا ہو، اسی طرح ہروہ شرط بھی ضابطہ اور قانون میں جائز ہے جس سے قرآن وحدیث کے قطعی حرام کو حلال، یا حلال کو حرام کرنا لازم نہ آتا ہو، اب

(۱) ترمذی، باب ماذکرعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: حدیث: ۱۳۵۲

سوالات کے جوابات ملحوظ ہوں:

۱) جب مدرسہ نے یہ قانون بنایا کہ دس منٹ کی تاخیر سے پورا گھنٹہ غیر حاضری میں شمار ہوا کرے گا تو مدرس کو یہ اختیار بھی حاصل ہوگیا کہ وہ گھنٹہ پڑھائے اور دس منٹ کی تاخیر کے بعد رجسٹر پر دستخط کرے، اور اگر رجسٹر پر دستخط کردیا گیا ہے اور پھر پورا گھنٹہ مدرس نے نہیں پڑھایا ہے اور مدرسہ میں حاضر رہ کر کوئی کام نہیں کیا ہے تو اس گھنٹے کی تنخواہ وضع کرلینا مدرسہ والوں کے لئے جائز ہے، لیکن مدرسہ والوں کے لئے یہ جائز نہیں ہوگا کہ پورا گھنٹہ غیر حاضر قرار دیں اور پھر اس گھنٹہ میں کام بھی لیں جیسا کہ اوپر کی حدیث شریف سے یہ بات واضح ہوگئی۔

۲) جب پندرہ منٹ کی تاخیر ہوگئی ہے اور پندرہ منٹ سے زیادہ تاخیر ہوجائے تو پورے چار گھنٹے غیر حاضری لگ جاتی ہے تو مدرسہ والوں کے لئے غیر حاضری لگانا جائز ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ اب مدرس کو بھی اختیار حاصل ہوجائے کہ یہ پورے چار گھنٹہ مدرسہ میں کوئی کام نہ کرے، گویا ایک وقت کی مکمل غیر حاضری ہوگئی؛ لیکن اگر مدرسہ والے پندرہ منٹ سے زائد تاخیر کے بعد چار گھنٹہ کی تنخواہ وضع کرلیں اور کام بھی لیں یہ جائز نہیں ہے، صرف اتنا جائز ہے کہ اپنا قانون ایسا بنالیں کہ پندرہ منٹ سے زائد تاخیر کی صورت میں مدرس کو اختیار ہوگا کہ مدرسہ میں رہے یا غیر حاضر رہے، ان گھنٹوں کی تنخواہ نہیں ملے گی، جیسا کہ اوپر کی حدیث شریف کے مضمون سے واضح ہے۔

۳) مدرسہ کے مدرسین اور ملازمین کے کارمفوضہ متعین ہونے کے ساتھ ساتھ قانون اور ضابطہ میں اگر یہ بات بھی ملحوظ رکھی گئی ہے کہ صبح کے چار گھنٹے یا شام کے دو گھنٹے کے درمیان اس کارمفوضہ کے علاوہ ضرورت مدرسہ کی وجہ سے ذمہ دار مدرسہ دوسرا کام بھی لے سکتا ہے، مثلاً چار گھنٹے میں سے دو گھنٹے پڑھانے کے بعد ایک گھنٹہ دفتری کام کرنا ہے، پھر چوتھا گھنٹہ پڑھانا ہے، یا ایک دو گھنٹے مدرسہ کی ضرورت سے متعلق

میٹنگ میں بیٹھنا ہے، یا مدرسہ کی ضرورت سے متعلق آس پاس کے لوگوں سے ملاقاتیں کرنی ہے، تو اس طرح کا قانون مذکور حدیث شریف کی رو سے جائز اور درست ہے، ہاں البتہ مدرسہ میں اگر دوٹائم کی پابندی ہے، مثلاً صبح کو چار گھنٹے اور شام کو دو گھنٹے، ان کے علاوہ خارج میں کام کرنا مدرس کی ذمہ داری نہیں، تو اگر خارج میں کام کرنے پر پابند کیا جائے تو اس کے لئے الگ سے الاؤنس مقرر کرنا من جانب مدرسہ لازم ہے، اور بغیر الاؤنس مدرس پر دباؤ ڈالنا ذمہ دار کے لئے اس قانون کی رو سے ایثار وتبرع ہے، اور اگر درجہ حفظ کے لئے مدرسہ نے شروع سے یہ قانون بنایا ہے کہ ان کو تین ٹائم کا کام کرنا پڑے گا، صبح سے دوپہر تک، شام کے ٹائم سے عصر تک، اس کے بعد مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت تو ایسے مدرسین کو تینوں ٹائم کام کرنے کی تنخواہ ملتی ہے، اگر ان کے لئے الگ سے ضابطہ نہیں بنا ہے، تو پھر مغرب کے بعد طلبہ کی نگرانی کے لئے بیٹھانے پر منجانب مدرسہ ان کو الگ سے الاؤنس لازم ہے، اور الاؤنس مدرسہ اپنی صواب دید پر متعین کرسکتا ہے، یہ ساری باتیں اوپر کی حدیث شریف سے ثابت ہوتی ہیں، اسی طرح مدرسہ کے ضابطہ کے مطابق جائز اور درست ہے۔(۱)

مدرسین کے لئے ایصال ثواب کا کھانا کھانا:

ایصال ثواب کا کھانا صدقہ ہے، اور صدقہ فقراء کا حق ہے، اغنیاء کو صدقہ دینے سے صدقہ کا ثواب نہیں ملتا، لہٰذا اگر اساتذہ سرمایہ دار ہیں تو ان کے لئے ایصال ثواب کا کھانا درست نہیں ہے، البتہ اگر صدقہ نافلہ کریں تو اس کا کھانا اساتذہ کے لئے درست ہوگا، خواہ صاحب نصاب ہوں یا نہ ہوں، سوال نامہ میں جس پریشانی کا ذکر ہے کہ الگ کھانا تیار کرنے میں مدرسے کا نقصان ہوگا، نیز طباخ بھی تیار نہیں ہوتے، تو اس صورت میں جواز کی صورت یہ ہے کہ مستحق طلبہ کھانا لے آئیں وہ اپنا کھانا اساتذہ کو اپنی خوشی سے کھلادیں، تو اس کی گنجائش

(۱) فتاوی قاسمیہ: بقیۃ الوقف، ۱۹، ۵۲

ہے، جیسا کہ حدیث بریرہ سے واضح ہوجاتا ہے۔(۱)

عن عائشه رضی الله عنها أنها ارادت أن تشتری بریرة للعتق... وأوتی النبی صلی الله علیه وسلم بلحم، فقلت: هذا ما تصدق به علی بریرة، فقال: هو لها صدقة ولنا هدیة"(۲)

وأما بقیه الصدقات المفروضة والواجبة وقوله: فلا یجوز صرفها للغنی، (إلی قوله) خرج النفل عنها، لأن الصدقة علی الغنی هبة"(۳)

جان کے صدقے کا بکرا مدارس کے لئے:

جان کے بدلہ جان ضروری سمجھ کر بکرا یا کوئی جانور صدقہ دینا (پیسہ اور رقم دینے کو اس کے قائم مقام نہ سمجھنا) اور اس طرح جانور دینے کی خصوصیت سمجھنا، خلاف شریعت اور بدعت ہے، اس لئے بیماری، مصیبت و پریشانی کے موقعہ پر صدقہ دینا ہو تو جانور کو مخصوص نہ کیا جائے؛ بلکہ جو میسر آئے وہ اللہ کے نام پر صدقہ دیدیں، بلکہ رقم دینا زیادہ بہتر ہے، اور امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ صدقہ کی برکت سے ثواب دیں گے اور مصائب وآفات سے حفاظت فرمائیں گے اور بیماری سے شفاء عطا کریں گے اور یہ سب صدقہ کی برکت سے ہوگا، صدقہ کے بدلہ نہیں، برکت و بدلہ میں بہت فرق ہے۔ اللہ تعالی صدقہ سے خوش ہوکر اس پر برکات مرتب فرماتے ہیں، یہ نہیں ایک چیز لے کر اس کے بدلہ دوسری چیز دیتے ہیں؛ دیکھئے قربانی کے سلسلہ میں فرمایا گیا کہ قربانی کا گوشت وخون خدا کے پاس نہیں پہنچتا؛ بلکہ اللہ کے پاس تمہارا تقوی پہنچتا ہے، اس لئے جو میسر آجائے وہ صدقہ میں دیں۔

---

(۱) مستفاد کفایت المفتی، قدیم ۴/ ۸، جدید زکریا: ۵/ ۱۵۷

(۲) بخاری: باب الصدقة علی موالی أزواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۱۴۷۱

(۳) البحر الرائق: کتاب الزکاة، باب المصرف، دار الفکر، بیروت، فتاوی قاسمیہ: ۹/ ۱۱۵، فصل فی المدارس

عام لوگ جو صدقہ کے جانور مدارس اسلامیہ میں طلبہ کے لئے دیتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ اخلاص سے دیتے ہیں، مگر بدعت ہونے کی وجہ سے یہ بے برکت ہوتے ہیں، لہٰذا اہل مدارس کو اس کے لینے میں احتیاط کرنا چاہیئے، ایک تو اس کے لئے مدارس کی طرف سے بدعت کو سند جواز نہ مل جائے، دوسرے اس لئے کہ طلبہ کے لئے اس قسم کی چیز مناسب بھی نہیں ہے جس میں بدعت شامل ہے۔

دوسرے یہ کہ اہل مدارس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قسم کی بدعات پر نکیر کریں اور عوام کے عقائد واعمال کی اصلاح کی طرف خصوصی توجہ دیں، تاکہ ایک طرف اگر عوام کی اصلاح ہو تو دوسری طرف اہل مدارس کو ان کی طرف سے پاک وصاف اور حلال وطیب مال کے ذریعہ امداد ملے، جس میں برکات کا ظہور ہوگا، اور طلبہ پر نیک اثرات مرتب ہوں گے۔(۱)

لہٰذا آنے والوں سے معذرت کر دی جائے، اور کہہ دیا جائے کہ اسے بیچ کر قیمت یا کوئی ضرورت مدرسہ میں تعاون فرمائیں ضرور قبول کرلیا جائے گا۔

مدرسہ کی آمدنی اسکول میں لگانا:

مدرسہ تعلیم القرآن کی جو بھی آمدنی ہوگی، چاہے بازار یا گاؤں سے ہو یا باہر سے جو نیر ہائی اسکول میں لگانا شرعا جائز نہیں ہے، تمام آمدنی مدرسہ تعلیم القرآن ہی میں لگانا لازم ہوگا، اس لئے کہ لوگوں نے مدرسہ کیلئے دی ہے نہ کہ ہائی اسکول کے لئے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: المسلمون عند شروطھم (۲)

المسلمون عند شروطھم (۳)

مدارس کے ملازم اجیر بالعمل یا اجیر فی الوقت

۱) مدارس اسلامیہ کا عرف اس زمانہ میں یہ ہے کہ ملازمین ومدرسین ومنتظمین وقت مقررہ

---

(۱) صدقہ کا بکرا:۸۔۹، حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی، شعبہ تحقیق واشاعت، جامعہ مسیح العلوم بنگلور

(۲) بخاری: کتاب الاجارۃ، باب اجر السمسر ۃ، حدیث

(۳) قواعد الفقہ: اشرفی دیوبند: ۱۲۱

میں امور مفوضہ کی تکمیل کیا کریں اور یہی ضابطہ مقرر اور معروف ہے اور شریعت اسلامیہ میں اس طرح کا اجارہ اور ملازمت کا معاملہ کرنا جائز اور مشروع ہے؛ اس لئے مدارِس اسلامیہ کے ملازمین اجیر بالعمل فی الوقت ہیں؛ لہٰذا عمل نہ کرنے اور وقت مقررہ میں حاضر نہ ہونے پر مقررہ ضابطہ کے مطابق مواخذہ جائز ہے، نیز عرف وشرط وضابطہ کی وجہ سے بوقت تقرری بغیر صراحت قانونی تعطیلات کے مستحق ہوجاتے ہیں۔

لأن المعروف کالمشروط (۱)

۲) صرف اجیر فی الوقت نہیں ہے، اس لئے شرائط وضوابط کے مطابق مطالبہ ومواخذہ نہیں۔ (۲)

اور اگر کسی مدرسہ میں کوئی ضابطہ بنا ہوا نہیں ہے، تو علاقہ کے مشہور اداروں کے عرف وشرائط کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔

۳) صرف اجیر بالعمل نہیں ہے، اس لئے اوقات مقررہ پر غیر حاضری کی وجہ سے مواخذہ کا حق ہوگا۔ (۳)

اور اگر کسی ملازم کو مخصوص شرط پر رکھا ہے تو وہ اسی شرط کا پابند ہوگا۔ (۴)

لیٹ فیس وصول کرنے کی شرعی حیثیت

لیٹ فیس کے نام سے جو لیا جاتا ہے یہ تاخیر سے آنے کا جرمانہ ہے، اور شرعا اس طرح مالی جرمانہ لینا جائز نہیں ہے، ہاں البتہ اگر یہ انتظام کیا جائے کہ وقتی طور پر مالی جرمانہ ان سے وصول کرلیا جائے؛ تاکہ وہ آنے میں لیٹ نہ کریں اور سال کے آخر میں جس سے

---

(۱) الاشباہ والنظائر: ۱۵۲

(۲) مستفاد: امداد الفتاوی: ۳/۳۴۹، ۳/۳۵۶

(۳) مستفاد: امداد الفتاوی: ۳/۳۴۹، ۳/۳۵۶

(۴) فتاوی قاسمیہ: ۱۹/۹۶، کتاب الوقف، فصل فی المدرسین

جتنا مالی جرمانہ لیا گیا ہے، وہ ان کو واپس کر دیا جائے تو گنجائش ہے، ورنہ جائز نہیں ہے۔

عند ابی یوسف یجوز التعزیر للسطان بأخذ المال، وعندہما وباقی الأئمة الثلاثة لا یجوز، کذا فی فتح القدیر، ومعنی التعزیر بأخذ المال علی القول بہ: إمساک شیء من مالہ عندہ مدة لینزجز، ثم یعیدہ الحاکم إلیہ لا أن یأخذہ الحاکم لنفسہ، أو لبیت المال کما یتوہم الظلمة'' (۱)

دوسرا جائز حل یہ ہوسکتا ہے کہ داخلہ منسوخ کر دیا جائے اور تجدید داخلہ کی فیس وہی ہو تو جرمانہ کی رقم اس طرح وصول کی جاسکتی ہے۔

ایام مرض کی تنخواہ:

آپ کے مدرسہ کا جو قانون اور دستور ہے اسکے مطابق عمل ہوگا؛ لہٰذا جتنے ایام کی رخصت بیماری باتنخواہ دیئے جانے کا قانون ہے یا مجلسِ شوری جتنے ایام کی رخصت منظور کرے ان کی تنخواہ لینا شرعاً جائز اور درست ہے؛ اس لئے مجلسِ شوری کے مشورہ سے پچھلی جو تنخواہ دی جاچکی ہے، وہ شرعاً جائز اور درست ہے، اور آئندہ کے لئے مجلس شوری جو درحقیقت مدارسِ اسلامیہ کے حق میں مجلسِ قانون ساز ہے، اس کے مشورہ کے مطابق عمل کرنا جائز ہوگا، اور مدارس اسلامیہ کے حق میں قوانین وضوابط، بخاری وترمذی کی اس حدیث شریف سے مستنبط ہوتے ہیں:

''عن عبد اللّٰہ بن عمرو بن عوف المزنی عن أبیہ، عن جدہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: الصلح جائز بین المسلمین إلا صلحا حرم حلالا، أو احل حراما، والمسلمون علی شروطہم، إلا شرطا حرم حلالا، أو أحل حراما'' (۲)

---

(۱) الفتاوی الہندیة: کتاب الحدود، فصل فی التعزیر، زکریا قدیم ۲/ ۱۶۷، جدید: ۲/ ۱۸۱، فتاوی قاسمیہ: ۱۹/ ۱۳۲

(۲) ترمذی، ابواب النکاح، باب ماذکر عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی الصلح بین الناس، حدیث: ۱۳۵۲

بخلاف إذا لم یقدر لکل یوم مبلغا، فإنه یحل له الأخذ، وإن لم یدرس فیهما للعرف" (۱)

تعلیمی اوقات میں طلبہ کو قرآن خوانی کے لئے بھیجنا

فی نفسہ قرآن کریم کی تلاوت باعث خیر وبرکت ہے؛ لیکن اس زمانہ میں جو مدارس کے طلبہ کو تعلیمی وقت وغیرہ میں لے جا کر پڑھوایا جاتا ہے، اس میں بہت سی خرابیاں ہیں، مثلا: طلبہ کی تعلیم کا حرج، وہاں جا کر کھانے پینے کا التزام وغیرہ؛ اس لئے مروجہ طریقے سے گھروں میں لے جا کر پڑھوانا ممنوع اور بدعت سیئہ ہے۔

ومن قال من المشائخ: إن ختم القرآن بالجماعة جهرا ویسمی بالفارسیة سی پارہ خواند مکروہ (۲)

طلباء کو انعام میں ملنے والے روپیوں کا مالک کون؟

دینی مدارس کی جانب سے جن بچوں کو قراءت وغیرہ کے مقابلے یا مظاہرہ کے لئے بھیجا جاتا ہے، اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ بچہ کی ہمت افزائی اور مدرسہ کی شہرت ہوتی ہے اور انعام دینے والے بھی محض بچہ کی حوصلہ افزائی کی غرض سے خاص طور پر بچے کو دیتے ہیں، اگر یہ معلوم ہو جائے کہ بچے سے لے لیا جائے گا تو بچے کو بھی نہیں دیں گے، اس لئے عرف میں جو کچھ انعام بچے کو ملتا ہے، وہ سب بچے کا حق ہے، جبرا یا دباؤ ڈال کر بچے سے لے لینا جائز نہیں جیسا کہ بعض مدرسۃ البنات میں ایسا ہوتا ہے۔ اور یہ اس وعید کے تحت آتا ہے: "لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفس منه" (۳)

---

(۱) شامی: کتاب الوقف، مطلب فی استحقاق القاضی والمدرس الوظیفیة فی یوم البطالة، زکریا دیوبند: ۶/ ۵۶۸

(۲) المحیط البرهانی، کتاب الکراهیة والاستحسان، الفصل الرابع: المجلس العلمی: ۷/ ۵۱۳، فتاوی قاسمیہ، ۱۹/ ۶۴

(۳) شعب الایمان للبیهقی، باب فی قبض الید علی الأموال المحرمة، دار الکتب العلمیة، بیروت ۴/ ۳۸۷، حدیث: ۵۴۹۲

مصادر ومراجع

عربی کتب

- تلبیس ابلیس، ابن الجوزی، دار الفکر، بیروت۔
- البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔
- آداب حملۃ القرآن للآجری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔
- اسرار حفظ القرآن الکریم، احمد بن سالم بادویلان، مکتبۃ الحضارۃ، ریاض۔
- التبیان فی آداب حملۃ القرآن، یحی بن شرف النووی، مکتبۃ المؤید، الطائف۔
- فضائل القرآن، ابو العباس جعفر بن محمد المستغفر ی، داراسبن حزم، بیروت۔
- فضائل القرآن ومعالمہ وآدابہ، عبید بن قاسم سلام، المملکۃ المغربیۃ۔
- طرق تدریس التجوید، د فہد عبد الرحمن الرومی، د، محمد السید الزغبلاوی، مکتبۃ التوبہ، ریاض۔
- عون الرحمن فی حفظ القرآن، ابو ذکر القلمونی، مکتبۃ التراث الاسلامی حقق حلمک فی حفظ القرآن الکریم، د عبد اللہ المحلم، الکویت مرجع الطلاب فی الخط العربی، خالد محمد المصری الخطاط، مکتبۃ المعارف، دیوبند۔

اردو کتب

- علوم وفنون، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب، مکتبہ ادارہ افادات، ہتھورا، باندہ
- افادات صدیق، محمد زید مظاہری ندوی، افادات اشرفیہ، دوباگاہ لکھنو۔
- تحفۂ مدارس، مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند۔

- معین المدارس تعلمی تربیتی اور انتظامی رہبر، مفتی محمد شاکر خان صاحب، مدرسہ بیت العلوم مہاراسٹر، ۲۰۰۸ء ۱۴۲۹ھ
- فن تدریس کے اصول، شیخ علی عمر مصری، مترجم، عبدالحفیظ صاحب، راہی پرنٹرس، ۲۰۱۴ء
- مدارس دینیہ کے لئے رہنما اصول، مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب، شعبہ نشر واشاعت، ۲۰۰۰ء۔
- علوم وفنون اور نصاب تعلیم، مولانا اشرف علی تھانوی، ادارہ افادات اشرفیہ، ۱۴۱۲ھ۔
- تحفظہ حفاظ، افادات حضرت مولانا زکریا، قاری طیب صاحب، مولانا ابوالحسن ندوی، فرید بک ڈپو۔
- حیات ابرار، محمد فاروق صاحب، مکتبہ محمودیہ، ۱۴۲۶ھ (مجلس دعوۃ الحق جس کے بانی حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب تھے، اس ادارہ کے ماتحت کئی ایک مدارس اورمکاتب چلتے ہیں، جس کا نظام نہایت مستحکم اور باریک بینی پر مشتمل ہے، مدرسہ چلانے کے اصول کے تحت ہم نے اس سے کافی استفادہ کیا ہے)۔
- دینی وعصری درسگاہیں۔ تعلیمی مسائل، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، ہدی بک ڈسٹری بیوٹرس، ۲۰۰۴ھ۔
- ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، مولانا سید مناظر احسن گیلانی، مکتبہ الحق، ۲۰۰۷ء۔
- آسان منطق، مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری، مکتبہ وحیدیہ، ۱۴۱۷ھ۔
- تیرہ سالہ خدمات، محمد شمیم احسن قاسمی، رابطہ مدارس اسلامیہ، مغربی بنگال، ۱۴۳۲ھ۔
- تعلیم وتعلیم اور دعوت کے اسلامی اصول وآداب، مولانا نصیب الرحمن علوی، عظیم بک ڈپو، دیوبند ۲۰۰۲ھ۔
- الفوائد التجویدیہ، قاری انیس احمد خان صاحب، قراءت اکیڈمی۔
- درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں، مفتی محمد تقی عثمانی، زمزم بکڈپو۔

- مدرسہ تعلیم سے تعمیر تک، مولانا محمد ایوب ندوی بھٹکلی، فرید بک ڈپو، ۲۰۰۸ء۔
- حفظ قرآن مجید کے رہنما اصول، مفتی سبیل احمد صاحب، محمودیہ ٹرسٹ، ۱۴۳۲ھ۔
- آسان اصول حدیث، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمہ، ۲۰۰۱ء۔
- آسان اصول فقہ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمہ، ۲۰۰۱ء۔
- دینی مدارس مسائل اور تقاضے، ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشر، ۲۰۰۱ء۔
- تحفہ المدارس، محمد اسحاق ملتانی، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، پاکستان۔
- کتاب النوازل، حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری، المرکز العلمی للنشر والتوزیع والتحقیق، لال باغ، مرادآباد۔
- تحفہ حفاظ، افادات اکابر، فرید بک ڈپو، دیوبند۔
- تسہیل اصول التحفیظ، حافظ تجمل صدیق، نوگاں، ہوجائی، آسام (اس کتاب میں بھی حفظ قرآن مجید کے نہایت رہنما اور اصولی باتیں بتائی گئی ہیں، جس کو نہایت تجربہ کے بعد مرتب کیا گیا ہے)۔
- تحفہ حفاظ، از افادات مولانا اشرف علی تھانوی، اداراہ افادات اشرفیہ دوباگا، ہردوئی، لکھنؤ۔
- آسان خاصیات ابواب، مفتی سعید صاحب، مکتبہ نعیمیہ، دیوبند۔
- قرآن کریم اور خوش الحانی، محمد صدیق فلاحی، قرائت اکیڈمی، ۱۹۹۴ء۔
- ہمارا تعلیمی نظام، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، زم زم بکڈپو، ۱۹۹۵ء۔
- معاصر دینی تعلم، مشکلات واحوال، ایفا پبلیکشنز۔
- چندہ اوراس کے آداب واحکام، مولانا محمد اسماعیل صادق صاحب، مرشد الامت، ۱۴۳۱ھ۔
- تعلیم وتربیت کس طرح؟ مہربان علی بڑوتی، کتب خانہ حیات الاسلام، مظفرنگر، ۱۴۱۳ھ۔
- اصلاح الرسوم، مولانا اشرف علی تھانویؒ۔
- مبادیات منطق، حکیم تسخیر صاحب۔
- آسان نحو، مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری، مکتبہ وحیدیہ، ۱۴۱۷ھ۔

- آسان صرف مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری، مکتبہ وحیدیہ، ۱۴۱۷ھ۔
- علم الصیغۃ، مفتی رفیع الدین صاحب، زم زم بکڈپو۔
- حفظ قرآن مجید کے رہنما اصول: مولانا مفتی سبیل اُحمد صاحب، محمودیہ ٹرسٹ، وانمباڑی، ٹاملناڈو (یہ کتاب بھی نہایت باریک بینی اور حفظ قرآن مجید کے بڑے مدارس اشرف المدارس ہردوئی، مدرسہ فیض العلوم، مدرسہ سبیل الفلاح، اشرف العلوم حیدرآباد، دعوت القرآن پرنامبٹ، احیاء العلوم وانمباڑی، اور مفتاح العلوم میل وشارم اور رفیق العلم آمبور کے تجربات اور ماہر وجید حفاظ واساتذہ سے استفادہ کے بعد لکھی گئی ہے)۔
- درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں، مؤلف مولانا تقی عثمانی صاحب، مکتبہ زمزم۔
- یومیہ تعلیمی اطلاع، طلبہ شعبہ ناظرہ، مکتبہ احیاء سنت، مدرسہ امداد العلوم، حیدآرباد۔
- خیر القرون کی درسگاہ، قاضی اطہر، مبارک پوری، شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند۔
- رہنمائے خطابت، مفتی ابولبابہ شاہ منصور، کراچی، پاکستان۔
- حرف شیریں، حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب، ادارہ علم وادب، دیوبند۔
- خط رقعہ کیسے سیکھیں، حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی، ادارہ علم وادب، دیوبند۔
- فتاوی قاسمیہ، مفتی شبیر احمد قاسمی، مکتبہ اشرفیہ، دیوبند۔
- شاہ راہ علم، مجلہ سہ ماہی، جامع اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، مہاراسٹر۔
- حسن تدبیر، مدارس نمبر، فروری، ۲۰۱۱۔
- المذکرہ الیومیۃ الدراسیہ، دارالدعوۃ والارشاد۔
- قواعد داخلہ، دارالعلوم دیوبند۔
- فضائل حفظ القرآن، مولانا امداداللہ انور، دارالمعارف، ملتان، پاکستان۔
- حقوق القرآن مع احکام التجوید، افادات مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، ادارہ افادات اشرفیہ، دوبگہ، ہردوئی، لکھنؤ۔
- قرآن حکیم کی تلاوت کے احکام ومسائل، مفتی محمد سعید خان، ندوۃ المصنفین، الندوۃ

ایجوکیشنل ٹرسٹ، اسلام آباد۔

- اصلاح انقلاب امت، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، ادارۃ المعارف، کراچی۔
- کامیاب طالب علم: ۷۱۔ ۷۲، روح اللہ نقشبندی، مکتبۃ دار الہدی پاکستان۔
- نسیان القرآن، قاری حبیب الرحمن صاحب: البلاغ: ۷۴، محرم الحرام: ۱۴۳۶۔
- تحفہ حفاظ مع احکام تراویح، افادات: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، ادارہ افادات دوبگا ھردوئی، روڈ، لکھنو۔
- آپ قرآن مجید کیسے حفظ کریں: علامہ یحی بن عبدالرزاق الغوثانی تلخیص وترجمانی: مولانا محمد ابرار الحق، مکتبۃ الابرار، حیدرآباد۔ (اس کتاب کے مؤلف نے علم قرائت میں جامع القرآن الکریم والعلوم ال اسلامیۃ، ام درمان سوڈان سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، جمعیۃ تحفیظ القرآن الکریم جدہ میں پانچ سالہ تدریس، برناج تحفیظ القرآن الکریم کی ادارت وسرپرستی، قواعد علم تجوید، تلاوت قرآن تدریس قرآن کے طریقوں اور مکاتب قرآنیۃ سے متعلق مدرسین قرآن کو مختلف ممالک میں ٹریننگ دی، غانا، توغو، بنین، بوکینا فاسو اور نائجریا میں ''جمعیات تحفیظ القرآن'' کی تاسیس وداخلی نظام العمل کی ترتیب میں شرکت)۔
- منتخب احادیث، حضرت مولانا یوسف کاندھلوی، اریب پبلیکیشنز، دہلی۔
- مسنون معاشرت: موبائیل فون آداب وأحکام، مفتی ابوبکر جابر قاسمی، مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی، مکتبۃ فیصل دیوبند۔
- فدیہ وقضا، فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل، احمد صاحب: انجمن احیاء السنۃ لاہور۔
- تربیت الطالبین، مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ، جامعہ محمودیہ نوگزہ، علی پور، ہاپوڑ، میرٹھ، یوپی۔
- تاریخ دار العلوم، سید محبوب صاحب رضوی، المیز ان ناشران وتاجران کتب، لاہور۔
- نقوش ابرار، محمد زید مظاہری ندوی، کتب خانہ نعیمہ دیوبند۔
- تذکرہ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی، نور الحسن راشد کاندھلوی، حضرت مفتی الٰہی بخش

اکیڈمی، کاندھلہ۔

- ارشادات افتخار الاولیاء، ابوعثمان محمد شعبان بستوی، مدرسہ اسلامیہ سلیمانیہ، عیدگاہ، کاندھلہ، ضلع شاملی۔
- نمونے کے انسان، حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی رحمہ اللہ ۱/ ۳۹، مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو، یوپی۔
- ملفوظات شیخ الحدیث: ۳۳، ترتیب مولانا ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن مدنی، ادارہ فیض شیخ، گجرات۔
- ارشادات ابرار، سید سلیم اللہ غوری، مکتبۃ محاسن الابرار، حیدرآباد۔
- مجالس مسیح الامت، مولانا محمد غیاث الدین مظاہری، مکتبۃ الاشرف، الہ آباد
- ارشادات قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوری، کتب خانہ اختری، سہارنپور۔
- نبی کریم ﷺ کی معاشی تعلیمات: ۲۸۹، پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری، مکتبہ ارشاد محل دیوبند
- مدارس اسلامیہ، حقیقی کردار اور نصب العین تحفظ، تجاویز اور مشورے،: ۴۳=۴۶، مرکزی دفتر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دار العلوم دیوبند۔
- فضائل حفاظ القرآن معہ علوم وقصص واخلاق حملۃ القرآن، محمد طاہر رحیمی مدنی، اریب پبلیکشنز۔
- چند اہم عصری مسائل، مفتی زین الاِسلام قاسمی الہ آبادی، مکتبۃ دار العلوم دیوبند۔
- احکام زکاۃ اور جدید حالات: ۱۳، مفتی شعیب اللہ خان صاحب۔
- البلاغ، محرم الحرام ۱۴۳۹ھ۔
- ترک ناداں سے ترک دانا تک، مفتی ابولبابہ شاہ منصور ۔
- محمود الرسائل، از حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم، متکبہ محمودیہ محمودنگر، ڈابھیل۔

مدارس اسلامیہ کے، تعلیمات وانتظامات سے متعلق، تجرباتِ اکابر کا نچوڑ

مُنظّمِ مدارس

عالمیت

نظامِ عالمیت اور کتب عالمیت کی تدریس سے متعلق ایک جامع کتاب

جلد سوم

مُرتّبین

مفتی ابوبکر جابر قاسمی

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

Faisal International

مُنَظِّمُ مدارس

جلد سوم

(عالمیت)

مُرتبین

مفتی ابوبکر جابر قاسمی ۞ مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی

پہلا ایڈیشن: ۱۴۳۹ھ = ۲۰۱۸ء

نام کتاب : منظم مدارس (عالمیت)

ترتیب : مفتی ابوبکر جابر قاسمی، 09885052592

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی، 09550081116

صفحات : 480

گرافکس تزئین: مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری، قبا گرافکس، حیدرآباد
فون: 09704172672, 8801198133

ناشر : دارالدعوہ والارشاد، یوسف گوڑہ، حیدرآباد

ملنے کے پتے

- مدرسہ خیر المدارس، بورابنڈہ، حیدرآباد، فون: 23836868 - 040
- دکن ٹریڈرس، پانی کی ٹانکی، مغلپورہ، حیدرآباد، فون: 66710230 - 040
- مکتبہ کلیمیہ، یوسفین ویڈنگ مال، نامپلی، حیدرآباد

اجمالی فہرست

منظم مدارس

جلداول

تعلیمات 23 - 231

اجمالی فہرست

منظم مدارس

جلد دوم

انتظامات (27-185)

مالیات (334-187)

اجمالی فہرست

منظم مدارس

جلد سوم

تفصیلی فہرست

منظم مدارس

جلد سوم

تقریر وتحریر کے اہم اور ضروری عناصر

چند مثبت اور منفی پہلو

عربی مضمون نگاری کیسے سیکھیں؟

پہلی بات

اس کتاب کا مقصد صرف دار العلوم دیوبند کے نصاب تعلیم کے طریقۂ تدریس اور نظام تعلیم سے متعلق تمام جزئیات کی تفہیم وتشریح کی طالب علمانہ کوشش کی گئی ہے، جو کچھ ہے وہ صرف تقریبا منقولات، اقتباسات اور ملفوظات ہیں، ہندو پاک کے معروف وغیر معروف اکابر کے کے طویل تجربات ہیں، عمل ورواج میں نہ ہونے کی وجہ سے بعض پہلو نادر یا نئے محسوس ہونے لگے، مگر اپنی ذہنی کاوش وذاتی رائے کو پیش کرنے سے مکمل احتراز کیا گیا، جتنا جب ہمارے اکابر (علیہم الرحمۃ والرضوان) نے کیا ہے، وہی ہم سے ہوجائے تو بہت ہے، عصری تقاضوں کی رعایت انہوں نے کی اور کررہے کی ہمارے رابطہ اور مطالعہ کی ہے، کبھی ہم اپنے لگے بندھے رسومات سے بالاتر ہوکر سونچنا نہیں چاہتے، دینیات سے لے کر عالمیت تک، نظام انجمن سے لے کر تبلیغ وتزکیہ تک کوئی ایسا پہلو نہیں ہے کہ اسے سرسری لیا جائے، یا اس کی واقعی مطلوبہ حیثیت سے گرا کر سوتیلا پن برتا جائے، وقت اور وسائل کی قلت کا شکوہ لے کر سالہا سال، نسل درنسل اسے سرد خانہ میں ڈالا جائے، فراغت کے بعد زمانہ طالب علمی کی کمی کی تلافی کا موقعہ کسے ملتا ہے، فتنوں کی رفتار ہماری تیاری کا انتظار نہیں کرتی ہے، خارجی داخلی سرگرمیاں، درسی وغیر تدرسی کام، فنِ خطابت وخوشخطی کا اہتمام، اپنے مقصد پر مکمل توجہ مرکوز کرتے ہوئے دیگر زبانوں کو سیکھنا جس قدر عصری اسکولوں میں بڑھتا جارہا ہے، اتنا ہی اربابِ مدارس کی اس باب میں سرد مہری پائی جارہی ہے، یہ موجودہ معیار کی ناقدری نہیں مطلوبہ معیار اور خود احتسابی کی دعوت ہے، درس نظامی کا مقصود اہل السنۃ والجماعت کے ترجمان پیدا کرنا ہے۔

ہمیں سوچنا چاہئے کہ جن اکابر کے ہم نام لیوا ہیں ہم ان کے مزاج ومنہاج، تعداد

اوراستعداد میں ان کے ذوق کی کیا ہم رعایت کررہے ہیں، یہ بدترین طلبہ کوتختہ مشق تونہیں بنایا جارہاہے، کم ازکم افتتاحِ تعلیمی سال کے موقعہ پر تدریب المعلمین کا تربیتی کیمپ رکھا جائے، ماہرین سے استفادہ کیا جائے، مدرس کا علمی قناعت میں ملوث ہونا طلبہ کی پرواز کوروکتا ہے، مقاصد سے چشم پوشی کئے بغیر وسائل وطرق میں تنوع یا خوب سے خوب تر کی تلاش؛ کوئی بدعت یا شجرممنوعہ نہیں ہے، ہمیشہ تمام اکابراس کے قائل اور عامل رہے ہیں، بعض فنون کی تدریس یا کچھ نظاموں (نظام خارجی مطالعہ، نظام انجمن وغیرہ) سے متعلق جو کچھ ذکر کیا گیا، وہ متعدد اکابر کے تجربات اور بہت سی جگہوں کا طریقہ کار ہے، رابطہ مدارس دارالعلوم دیوبند سے شائع ہونے والے تجاویز مختلف فنون کی تدریس سے متعلق فقہ اکیڈمی انڈیا کے جمع کئے ہوئے مقالات، بعض کہنہ مشق، مبصّر، صاحب رائے اکابر کی تحریریں بھی شاملِ کتاب ہیں، یہ حرف آخر نہیں کہا جاسکتا، البتہ ان گذرے ہوئے مراحل کوسامنے رکھ کراپنے اعتبار سے یا اس سے بہتر کوئی نہج تخلیق کرسکتے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے نصاب کا دیگر تعلیمی نظاموں سے موازنہ وتقابل ہمارے موضوع سے خارج ہے، اس جمع وترتیب کا محرک یہ ہی رہا کہ جامعیت واعتدال میں مثالی نمونہ ہمارے اکابر کی توکم ازکم مکمل اتباع کی جائے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے اساتذہ وانتظامیہ اس گئے گذرے زمانہ میں بے حد مشقت سے کام کررہے ہیں، ان کے مسائل وقربانیوں کا عام دنیادار تصورنہیں کرسکتا، لیکن انہیں وفاشعار، جفاکش، دردمند مدرسین کو چاہئے کہ اپنی قربانی وصول کریں، زیادہ سے زیادہ بافیض پراثر، دوررس اور دیرپا بنانے کی فکر کریں۔

واضح رہے کہ تادیب کے اصول، تبلیغ کا نظام، دینیات وناظرہ اور حفظ وانتظامات ومالیات کے مسائل کا گذشتہ دوجلدوں میں احاطہ کیا گیا، یہ تیسری جلد پیش خدمت ہے، پرودگار عالم قبول فرماکر ذخیرۂ آخرت بنائیں۔

ابوبکر جابر قاسمی

دارالدعوہ والارشاد، یوسف گوڑہ، حیدرآباد

پیر ۵/مارچ ۸۱۰۲- ۱۶ جمادی الثانی ۱۴۲۹ھ

نظام عالمیت شروع کرنے سے پہلے

☆ کیا نظام عا لمیت کے لوازم (حسبِ ضرورت اسا تذہ، کتب خانہ، انجمن) کیا موجود ہیں؟

☆ ہم اس طالب علم کو کسی ایسے قریبی مدرسہ کی طرف ہم نہیں بھیج سکتے، جہاں کہنہ مشق اسا تذہ اور قدیم متحرک نظام ہے؟

☆ کیا طالب علم کا واجبی حق ادا کر پائیں یا صرف مدرسہ کی تشہیری مہم میں ایک شعبہ کا اضافہ کام آئے گا؟

☆ درس کا اجتماعی ماحول کیا ہم دے پائیں گے؟

☆ اگر ان سوالوں کے جوابات مثبت میں ہیں تو ہمیں شروع کرنا چاہیئے، ورنہ خُدارا! طلبہ کی عمروں سے ہرگز کھیلا نہ جائے۔

حصول علم کے آداب قرآن وسنت کی روشنی میں

علم دین کیوں حاصل کرے؟

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے علم اس لئے تلاش کیا کہ وہ اس علم کے ذریعہ علماء کے ساتھ دوڑ لگائے یا اس کے ذریعے بے وقوفوں سے مناظرہ کرے، یا اس کے ذریعہ لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو جہنم میں داخل کرے گا:

"لیجاری به العلماء أو لیماری به السفهاء أو یصرف به وجوه الناس إلیه، أدخله الله النار" (۱)

اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم دین حاصل کرنے والوں کو تین غلطیوں سے روکا ہے کہ وہ علم دین اس لئے حاصل نہ کریں کہ:

۱۔ میں بڑے بڑے علماء کے ساتھ ریس (Race) لگاؤں گا۔

۲۔ بیوقوفوں کے ساتھ مناظرہ کروں گا۔

۳۔ عام لوگوں کی نگاہوں میں بلند مقام حاصل کروں گا۔

اس سوال کا جواب اگر چہ اس حدیث میں نہیں دیا گیا لیکن قرآن مجید اور دوسری احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علم دین کا اصل مقصد صرف دو چیزیں ہونی چاہئے:

۱) دین کو سمجھنا کہ مجھے دین کے احکام، اس کی حدود اچھی طرح سمجھ میں آجائیں؛ تا کہ عمل کرنا آسان ہو۔

---

(۱) ترمذی، باب ماجاء فیمن یطلب بعلمه الدنیا، حدیث نمبر: ۲۶۵۴

۲) میرا پروردگار مجھ سے راضی ہوجائے، قرآن مجید میں اس مقصد کو اس طرح بیان کیا گیا ہے "لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ"(۱) تاکہ انہیں دین کی سمجھ حاصل ہوجائے۔

اور ایک حدیث شریف میں یہ مقصد ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

من تعلم علما مما يبتغي به وجه الله ..... الحديث

جس نے وہ علم سیکھا جس سے اللہ کی رضا مقصود ہوتی ہے۔

قرآن اور حدیث کے ان دو حوالوں سے معلوم ہوا کہ علم دین حاصل کرنے کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ مجھے دین سمجھ میں آجائے؛ تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوسکے۔

بلکہ کئی اکابر نے طالب علمی کے زمانہ میں اس مقصد کو بھی پسند نہیں کیا کہ میں یہ علم حاصل کر کے آگے لوگوں کو سکھاؤں گا، کیوں کہ اس نیت میں مخلوق بھی بطور مقصود شامل ہوجاتی ہے، جو کامل اخلاص کے منافی ہے، علم دین تو صرف اور صرف اس لئے حاصل کرنا چاہئے کہ مجھے دین کی سمجھ آجائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوجائے باقی رہی لوگوں کو تبلیغ وتعلیم، تصنیف وتالیف، تقریر وخطابت، وعظ ونصیحت کی خدمت تو یہ علم کا مقصود اصلی نہیں ہے، بلکہ علم دین حاصل ہوجانے کے بعد ثانوی احکام ہیں جو علم دین حاصل کرنے کے بعد بوقت ضرورت اور بوقت حاجت عالم کے ذمہ آجاتے ہیں اور علم دین حاصل کرنے کے بعد وہ عالم محض اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ان سب کاموں تعلیم وتبلیغ، تصنیف وتالیف، تقریر وخطابت اور وعظ ونصیحت کو اپنے وقت پر بجالاتا ہے، واضح رہے کہ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ بھی بن جاتے ہیں، لیکن یہ طالب علم کے مقاصد میں سے نہیں ہیں؛ بلکہ حصول علم کے بعد کی ذمہ داری اور اس کے نتائج وثمرات میں سے ہیں؛ لہٰذا طالب علم کو علم دین حاصل کرتے وقت تو صرف یہ نیت کرنی چاہئے کہ مجھے دین سمجھ میں آجائے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرسکوں۔

۱۔ ليجاري به العلماء (تاکہ علماء کے ساتھ دوڑ لگائے)

(۱) سورۂ توبہ: ۱۲۲

اگر کوئی طالب علم دین اس نیت سے علم حاصل کرے کہ یہ علم حاصل کر کے میں بڑے بڑے علماء کے ہم پلہ ہو جاؤں گا؛ بلکہ ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کروں گا، جس میدان میں وہ کام کر رہے ہیں، اس میدان میں ان سے آگے بڑھ جاؤں گا تو یہ سب نیتیں علم دین کے اصل مقصد کے خلاف ہیں اور ایسے شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کی وعید سنائی ہے۔

واضح رہے کہ کسی بڑے عالم دین کی خدمات کی قدر کرنا اور اس کی اچھی باتوں کی پیروی کرنا کوئی بری بات نہیں؛ بلکہ اچھی بات ہے، لیکن علم دین کا مقصد اس کی ذات کو قرار دے کر دینی منصب میں اس کے برابری کی خواہش کرنا یا دینی خدمات میں ان سے آگے بڑھنے کی خواہش کو علم دین کا مقصد بنانا غلط ہے؛ لہٰذا کسی عالم یا قابل قدر علماء سے ریس، ان کے ساتھ برابری کی نیت اور پھر ان سے آگے بڑھنے کی نیت رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔

۲۔ أو ليماري به السفهاء: (یا علم دین کے ذریعے بے وقوفوں سے مناظرہ (جھگڑا) کرے)

اس دوسرے جملہ کی تشریح یہ ہے کہ بعض اوقات طالب علم کی نیت میں مخلوق کا مقصد منفی طور پر داخل ہو جاتا ہے، یعنی وہ اہل باطل، بے علم اور بے وقوف لوگوں سے مناظرہ، ان کے ساتھ مسلسل مخاصمت کو اپنے علم دین اور اپنی زندگی کا مقصود بنا لیتے ہیں، یہ مقصد بھی غلط ہے، واضح رہے کہ اگر مخلوق انسان کے علم کا مقصود ہو خواہ جلبا (جیسے پہلے جملہ میں تھا) اور خواہ سلبا (جیسے دوسرے جملہ میں ہے) دونوں طرح غلط ہے، مخلوق کو علم دین کا مقصود بنانا وہ بنیادی غلطی ہے جس سے بچنا طلبہ کے لئے لازم ہے۔

اب یہ ہوتا ہے کہ مختلف علاقوں میں مختلف طرح کے اہل باطل کا زور ہوتا ہے، ان کی شرارتوں، ناجائز حرکات وسکنات، ان کی خلافِ دین باتوں کو دیکھ کر اور سن کر ایک دیندار شخص قدرتی طور پر متنفر ہوتا ہے، اور تنفر طبعی بات بھی ہے، اور شریعت کے عین مطابق بھی، یہ بغض فی اللہ میں داخل ہے، جو أحب الأعمال إلى الله میں سے ہے (مشکوۃ) لیکن اس

طبعی اور شرعی نفرت کا بھی ایک حد میں رہنا بہت ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ یہ نفرت اور تنفر ہی آدمی کی زندگی کا مقصود بن کر رہ جائے۔

اب اگر کوئی شخص کسی باطل فرقہ، باطل طبقہ یا باطل لوگوں سے نفرت ہی کو اپنا مقصود بنالے اور قرآن وحدیث، اجماع اور قیاس پر مبنی علم دین اس لئے حاصل کرے کہ میں ان باطل لوگوں سے مناظرہ کروں گا اور ان کی مخالفت میں اپنی زندگی وقف کردوں گا تو بدیہی طور پر یہ ایک غلط طرزِ عمل ہوگا۔

قرآن وحدیث کا علم تو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے ہے، اپنی دنیا وآخرت کو درست کرنے کے لئے ہے اور جنت میں پہنچنے کے لئے ہے، چنانچہ اس عظیم علم کا مقصد گھٹیا لوگوں کی مخالفت کو بنالینا خود اس علم کی توہین ہے، یہ ٹھیک ہے کہ باطل طبقات اور باطل نظریات کی تردید بھی علم دین کا ایک حصہ ہے، لیکن یاد رہے کہ وہ ایک حصہ ہے، مقصود اصلی نہیں ہے، اسے مقصود اصلی بنالینا غلط ہے۔

۳۔ أو يصرف به وجوه الناس إليه: (یا اس علم کے ذریعہ لوگوں کے چہروں کو اپنی طرف پھیر لے)

حدیث شریف میں تیسری بات یہ ارشاد فرمائی گئی کہ جو شخص علم دین اس لئے حاصل کرے گا کہ میں لوگوں کے چہرے اپنی طرف پھیر دوں تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔

اس تیسرے جملہ کا حاصل بھی یہ ہے کہ علم دین تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے اور اپنی دنیا وآخرت درست کرنے کے لئے حاصل کرنا چاہئے اب اگر کوئی شخص یہ علم دین اس لئے حاصل کرے گا کہ اسے مخلوق میں توجہ حاصل ہوجائے، لوگ اس کی عزت کریں، اسے معاشرے میں بلند مقام حاصل ہوجائے، وہ جہاں جائے لوگ اس کا استقبال کریں، اسے عزت کے ساتھ اونچے مقام پر بٹھایا جائے، لوگ اس کی باتیں غور سے سنیں، راہ چلتے لوگ مڑ مڑ کر اسے دیکھیں، اس کے ہاتھ چومے جائیں، اس کے جوتے سیدھے کئے جائیں جو کام وہ کسی کو کہہ دے تو لوگ اس کی فرمائش فوراً بجالائیں اسے ہدیہ

دینے کو لوگ اپنی سعادت سمجھیں وغیرہ وغیرہ تو یہ سب کچھ مخلوق پرستی ہے، خدا پرستی نہیں ہے، یہ مخلوق کو راضی کرنا ہے، خدا کو راضی کرنا نہیں، علم دین کا یہ حصول مخلوق کے لئے ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہے، لہٰذا ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کردے گا (أعاذنا الله من ذلك) جتنی خواہشات اوپر ذکر کی گئی ہیں ان سب کا خلاصہ دو چیزیں ہیں: حب مال اور حب جاہ، اور کسی بھی دیندار شخص، عالم یا بزرگ کے دین کو خراب کرنے والی بنیادی طور پر یہی دو چیزیں ہیں کہ انسان کو مال کی اور شہرت کی ایسی محبت ہو کہ وہ دینداری یا علم دین کو نعوذ باللہ مال اور شہرت حاصل کرنے کے لئے استعمال کرے تو اس میں اس کے دین کی بڑی تباہی ہے۔(۱)

رسول اللہ ﷺ کا طریقۂ تعلیم

☆ رسول اللہ ﷺ اپنے ان تمام حاضرین مجلس کو اس طرح تعلیم دیتے تھے کہ عالم، جاہل، شہری، بدوی عربی، عجمی، بوڑھے، بچے جوان پوری طرح فیض اٹھاتے تھے، اور آپ کی بات ہر ایک کے دل میں اتر جاتی تھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"إنه كان إذا تكلم بكلمة أعادها ثلاثا حتى تفهم عنه، وإذا أتى على قوم فسلم عليهم ثلاثا" (۲)

جب آپ ﷺ کوئی بات کہتے تھے تو تین بار کہتے تھے، تاکہ سمجھ لی جائے، اور جب کسی جماعت کے پاس جاتے تو تین بار سلام کرتے۔

سوال وجواب اور افہام وتفہیم

حاضرین مجلس رسول اللہ ﷺ سے دینی امور کے متعلق دریافت کرتے اور آپ ﷺ اس کا جواب مرحمت فرماتے، حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ

---

(۱) طالب علم کیا نیت رکھے، حدیث پاک کی روشنی میں ۱۹، مولانا محمود اشرف عثمانی، ادارہ اسلامیات کراچی لاہور

(۲) بخاری کتاب العلم، باب من أعاد الحديث ثلاثا

سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ایک بات آپ سے سنی ہے حضور ﷺ نے جواب دیا، جس کے بارے میں شک ہے: "إذا شك أحدكم في الأمر فليسئلني عنه"، جب تم میں سے کوئی کسی بات میں شک کرے تو مجھ سے پوچھ لے۔

شاگردوں سے محبت اوران کے ساتھ حسن سلوک

وصیت نبوی ﷺ کے مطابق حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے حلقہ نشینوں اور شاگردوں کے ساتھ انتہائی شفقت ومحبت اور ایثار وخلوص کا معاملہ کیا، ان کی دلداری ودل جوئی میں کوئی کسر نہیں چھوڑا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد حمید الطویل کا بیان ہے کہ ہمارے ساتھ ثابت بن اسلم بنانی بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مجلس میں جاتے تھے، راستہ میں جو مسجد آتی ثابت اس میں جاکر نماز پڑھتے، جب ہم لوگ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ جاتے تو کہتے:

"أين ثابت، إن ثابتا دويبة أحبها" ثابت کہاں رہ گیا، ثابت ایسا ننھا کیڑا ہے جس کو میں محبوب رکھتا ہوں۔

خود ثابت کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ ہم کو دیکھ کر کہنے لگے:

"والله لأنتم أحب إلى من عدتكم من ولد أنس إلا من على مثل ما أنتم عليه" (۱)

خدا کی قسم تم لوگ مجھے انس کی اولاد سے زیادہ محبوب ہو، البتہ ان میں سے جو تم لوگوں کے طریقہ پر ہو۔

ابو العالیہ ریاحی نے غلامی کی حالت میں قرآن پڑھا اور لکھنا پڑھنا سیکھا اور کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ مجھے اپنے تخت پر بٹھاتے تھے، حالانکہ قریش کے اعیان واشراف نیچے بیٹھتے تھے اور کہتے تھے کہ یوں ہی علم عزت وشرافت عطا کرتا ہے، اور عالم کو بادشاہ کی طرح تخت پر بٹھاتا ہے۔ (۲)

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۷/۲۳۲ (۲) تذکرۃ الحفاظ: ۱/۵۸

ابوحمزۃ نصر بن عمران ضبعی کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں مجھے تخت پر بٹھاتے تھے اور کہتے تھے: تم میرے یہاں رہو، میں تمہارے لئے اپنے مال سے ایک حصہ مقرر کرتا ہوں۔(۱)

طلبہ کا باہمی مذاکرہ

حضرات صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درسگاہ سے اٹھنے کے بعد آپس میں اسباق کا دور اور مذاکرہ اور مراجعہ کیا کرتے تھے، اور آپ اس کی تاکید و تشجیع فرماتے تھے، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں منتہائے مہاجرین کی جماعت میں تھا، ہم لوگوں کو ایک قاری قرآن سنا رہا تھا، اسی حال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر پوچھا کہ تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ ہم نے کہا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أنه کان قاریا لنا یقرء علینا فکنا نستمع إلی کتاب اللہ" یا رسول اللہ! ہمارا ایک قاری قرآن پڑھ رہا تھا اور ہم کتاب اللہ کو سن رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگوں کو پیدا کیا ہے جن کے ساتھ مجھے بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے، اس کے بعد آپ ہماری جماعت میں بیٹھ گئے اور ہم کو جنت کی بشارت دی۔(۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: بسا اوقات ہم ساٹھ ساٹھ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں رہا کرتے تھے، آپ ہم سے حدیث بیان کرتے تھے، آپ کے تشریف لے جانے کے بعد ہم لوگ آپس میں ان حدیثوں کا مذاکرہ و مراجعہ کیا کرتے تھے اور اس حال میں مجلس مذاکرہ سے اٹھتے تھے کہ گویا وہ حدیثیں ہمارے دلوں میں پودے کی طرح جڑ پکڑ گئی ہیں۔

اس لئے طلبہ کو مذاکرہ کرنا چاہئے اس سے بات ذہن نشین ہوتی ہے۔(۳)

---

(۱) الفقیہ والمتفقہ: ۲/۱۹۲، خیر القرون کی درسگاہیں: ۱۳۲

(۲) ابوداؤد

(۳) خیر القرون کی درسگاہیں: ۳۷، شیخ الہند اکیڈمی، دار العلوم، دیوبند

طلبہ کا امتحان اور سند

رسول اللہ ﷺ طالب علموں کا امتحان بھی لیا کرتے تھے، امام بخاری نے "باب طرح الإمام المسئلة علی أصحابه لیختبر ما عندهم من العلم" کے ذیل میں بعض واقعات بیان کئے ہیں، آموختہ سننے کا مقصد طلبہ کی ہمت افزائی اور بعض باتوں کی تصحیح تھا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو سونے کے وقت کی یہ دعا بتائی:

"اللهم أسلمت وجهي إليك، وفوضت أمري إليك، وألجأت ظهري إليك، رغبة ورهبة إليك، لا ملجأ، ولا منجأ منك إلا إليك، آمنت بكتاب الذي أنزلت، وبنبيك الذي أرسلت"

حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کے سامنے یہ دعا اسطرح پڑھی "ورسولک" کہا تو آپ نے میرے سینے کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ "وبنبیک" یہ دعا پڑھ کر جو شخص سوئے گا، اگر اسی رات اس کی موت آئی تو فطرت کی موت ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک لفظ کی تصحیح فرمائی حالانکہ دونوں لفظ ہم معنی معلوم ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسنون دعاؤں کے الفاظ میں فرق سے قبولیت میں فرق آجاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سورہ یوسف کی تلاوت کی تو آپ ﷺ نے ان کو داد دی اور فرمایا: "أحسنت" آپ ﷺ نے ایک سریہ میں چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو روانہ فرمایا اور سب سے قرآن پڑھوا کر سنا، ان میں ایک نوجوان کو پوری سورہ بقرہ زبانی یاد تھی، آپ ﷺ نے اسی کو امیر سریہ مقرر فرمایا: "قال اذهب فأنت أميرهم" رسول اللہ ﷺ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے بھی قرآن پڑھوا کر سنا کرتے تھے، اسی طرح حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی خوش الحانی سے محظوظ ہوتے تھے، درسگاہ نبوت کے فضلاء اور فارغین کو زبان رسالت سے سند وشہادت دی جاتی تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کے

دینی وعلمی رسوخ کی شہادت دیکر امت کوان سے علم حاصل کرنے کی تاکید فرمائی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد ابوبکر وعمر کی اقتدا کرواور قرآن ان چار سے پڑھو، عبداللہ بن مسعود، سالم بن مولی ابی حذیفہ، معاذ بن جبل اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم میری امت میں حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم ہیں جس شخص کوتروتازہ قرآن پڑھنا پسند ہو، عبداللہ بن مسعود سے پڑھے، زید بن ثابت میری امت میں فرائض کے سب سے بڑے عالم ہیں، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ قرآن کے بہترین ترجمان ہیں، ابوموسی اشعری کوآل داؤد کی شہنائی دی گئی۔(۱)

طلب علم میں حسن نیت

علم دین رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے، اس کی طلب میں اخلاص اور حسن نیت مطلوب ہے، اس کے لئے خاص اہتمام کیا جاتا تھا، اور مجلس میں ہوا پرستوں اور فتنہ پردازوں پر خاص نظر رکھی جاتی تھی؛ تاکہ ان کے اثراتِ بد سے حلقہ نشین محفوظ رہیں اور وہ شیوخ واساتذہ کی طرف غلط باتیں منسوب نہ کرسکیں، حسن بصری ایسے ہوا پرست اور دنیا دار لوگوں کے بارے میں بہت حساس تھے، وہ کہتے تھے:

"إنه ليجالسنا فى حلقتنا هذه قوم ما يريدون به إلا الدنيا رحم الله عبدا لم يتقول علينا ما لم نقل" (۲)

ہمارے اس حلقہ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہمارے ساتھ بیٹھتے ہیں جن کا مقصد علم سے صرف طلب دنیا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جو ہماری طرف غلط بات کی نسبت نہ کرے۔

راس الاعتزال واصل بن عطا اور راہب المعتزلہ عمرو بن عبید بصری قدری دونوں حسن بصری کی مجلس سے اٹھ کر اسلامی عقائد وتصورات میں رخنہ انداز ہوئے شاید حسن بصریؒ نے یہ جملہ ان ہی کے متعلق فرمایا ہو۔

(۱) حوالہ سابق: ۳۔۷۴۔۷۵

(۲) طبقات ابن سعد: ۷/۱۶۹

بعض مرتبہ مجالس درس میں ان فتنوں سے علمی و دینی وقار مجروح ہوتا تھا، اشعث بن عبدالملک کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مجلس میں ہمارے ساتھ بتی، سوّار، داؤد، اورعوف وغیرہ شریک درس تھے، اسی درمیان میں داؤد اور عوف میں قدر کی بحث چھڑ گئی، عوف قدر کے قائل تھے، بات بڑھ گئی، اور دونوں نے ایک دوسرے پر حملہ کردیا، میں نے اٹھ کر داؤد کو پکڑا اور سوار نے عوف کو قابو میں کیا اور ہم نے دونوں کو چھڑایا(۱) اور اس دور میں بعض لوگ علم دین کو ذریعہ عز وشرف سمجھ کر یا ادب وتفریح کے طور پر حاصل کرتے تھے، ان میں کسی قسم کا انحراف اور زیغ نہیں تھا، بلکہ حسنِ نیت میں فتور تھا، بعض لوگ ان پر نکیر کرتے تھے، مگر اساتذہ وشیوخ ان کو بڑی محبت وشفقت سے تعلیم دیتے تھے اور کہتے تھے کہ نیت کچھ بھی ہو علم دین میں آخر میں للّٰہیت پیدا ہوجاتی ہے، اور اس کی مثال میں اپنے کو پیش کرتے تھے۔

ایک مرتبہ سفیان ثوری نے کہا کہ میرے نزدیک رضائے الٰہی کا سب سے بہتر ذریعہ علم دین کا حصول ہے، اس پر ایک شخص نے کہا کہ یہ لوگ جو حدیث لکھ رہے ہیں، ان کی نیت رضائے الٰہی نہیں ہے، سفیان ثوری نے کہا: ''طلبھم لہ نیۃ'' یعنی ان کا علم طلب کرنا ہی نیت ہے۔(۲)

سماک بن حرب کی مجلس جاری تھی، درمیان میں کچھ طلبہ آئے تو اہل مجلس نے کہا کہ آپ ان لوگوں کو حدیث نہ پڑھائیں، دین میں ان کو رغبت نہیں ہے، یہ سن کر سماک بن حرب نے ان سے کہا کہ اچھی بات کہو، میں نے زمانۂ طالب علمی میں رضائے خداوندی کی نیت نہیں کی تھی، مگر جب علم حاصل کرلیا تو اس نے مجھے مفید باتوں کی ہدایت کی اور مضر باتوں سے روکا۔

مجاہد بن جبر کہتے ہیں کہ ہم نے علم حاصل کیا تو اس میں کچھ زیادہ حسن نیت نہیں تھا، بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس میں حسن نیت پیدا کردیا۔

سفیان بن عیینہ کی مجلس میں ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ میں اللہ کا واسطہ دے کر آپ

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۷/ ۶۷۲

(۲) المحدث الفاضل: ۱۸۳

سے پوچھتا ہوں کہ جس زمانہ میں آپ نے علم حاصل کیا، اللہ کے لئے حاصل کیا تھا؟ اس نے تین مرتبہ یہی سوال کیا، آخر میں سفیان بن عیینہ نے کہا کہ اللہ جانتا ہے کہ ہم نے ادب وظرافت کے طور پر علم حاصل کیا تھا، مگر اللہ نے اس کو اپنے لئے بنا دیا۔

سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہؒ کہا کرتے تھے کہ اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ کوئی طالب علم صحیح نیت سے علم حاصل کرتا ہے تو ہم اس کے گھر جا کر تعلیم دیں گے، ہشام دستوائی اپنے شاگردوں کے صدق طلب اور حسن نیت کو دیکھ کر کہتے تھے:

"وددت أن الحديث ماء فاسقيكموه" (۱)

میں چاہتا ہوں کہ حدیث پانی بن جائے اور میں تم لوگوں کو پلا دوں۔

عکرمہؒ اپنے شاگردوں سے کہتے تھے کہ تم لوگ مفلس ہو گئے ہو، مجھ سے علمی سوالات کیوں نہیں کرتے ہو؟

نوجوانوں میں علم دین کا ذوق

نوخیز ونوجوان طلبہ نہایت ذوق وشوق اور حسن نیت سے حضرات تابعین کی مجالس میں شریک ہوتے تھے، اور وہ ان کو بڑی محبت وشفقت سے تعلیم دیتے، ان کی ہمت افزائی کرتے اور ان کی ضروریات پوری کرتے تھے، عقبہ بن ابو حکیم ہمدانی کا بیان ہے کہ ہم چند لڑکے عطاء بن ابی رباح کی مجلس میں تھے، انہوں نے ہم سے کہا کہ آؤ مجھ سے حدیث لکھو، تم میں سے جو اچھی طرح نہیں لکھ سکتا ہم اس کے لئے لکھ دیں گے، اور جس کے پاس کاغذ نہیں ہوگا ہم اس کو کاغذ دیں گے۔ (۲)

سعید بن مسیبؒ مکتب کے بچوں کو دیکھ کر کہتے تھے "هؤلاء الناس بعدنا" یہ ہمارے بعد یہی بچے بڑے ہو کر عالم ہوں گے۔ (۳)

(۱) المحدث الفاضل ۱۸۳

(۲) طبقات ابن سعد: ۵/ ۱۴۱

(۳) طبقات ابن سعد: ۵/ ۳۷۳

حسن بصریؒ کہا کرتے تھے کہ نوجوانوں کو ہمارے سامنے رکھو، ان کے دل فارغ ہیں جو سنتے ہیں یاد کرلیتے ہیں، ان میں سے اللہ جس کو چاہے گا علم دین دے گا، ابوبکر بن عیاشؒ کی مجلس سے گذرتے ہوئے ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ یہ بچے یہاں کیوں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا:

''هؤلاء الذين يحفظون عليك دينك''

یہ لوگ تمہارے دین کی حفاظت کریں گے۔

یہی جواب حماد بن سلمہ نے ایک شخص کو دیا تھا۔

امام ربیعۃ الرائے مدینہ کے اجواد واسخیاء میں سے تھے، انہوں نے اپنے اصحاب واخوان پر چالیس ہزار درہم خرچ کئے، مشہور محدث وفقیہ عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی کی سالانہ آمدنی چالیس ہزار تھی اور وہ یہ تمام رقم اصحابِ حدیث پر خرچ کرتے تھے، اسماعیل بن عیاش حمصی کے متعلق ابوخاطی یحی کا بیان ہے کہ میں ان سے بڑا آدمی کسی کو نہیں دیکھا، جب ہم لوگ ان کے یہاں جاتے تھے تو وہ ہم پر غالہ اور حلوہ پیش کرتے تھے، عبدالرحمن بن ابو لیلیٰؒ کے مکان میں قراء جمع ہوتے تھے، اور بغیر کھانا کھائے نہیں لوٹتے تھے، خلیفہ ولید بن عبد الملک نے اہل علم وفضل اور طلبہ ومعلمین کے لئے وظیفے جاری کئے، ابن ابوعیلہ کا بیان ہے کہ خلیفہ ولید مجھ کو چاندی کے ٹکڑے دیا کرتا تھا جن کو میں بیت المقدس کی مسجد کے قراء اور طلبہ میں تقسیم کیا کرتا تھا۔(۱)

طلبۂ علم کے اوصاف وآداب

علم دین کی تحصیل کے لئے عمر کی قید نہیں ہے، بلکہ طالب علم میں عقل وشعور اور حفظ وضبط ضروری تھا، البتہ عہد تابعین میں عام طور پر سن بلوغ کے بعد حدیث کی تعلیم دلائی جاتی تھی۔

(۱) خیر القرون کی درسگاہیں: ۲۴۵

امام مالکؒ اپنے طالب علمی کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ میں علم (حدیث) لکھنے جاؤں گا، انہوں نے کہا کہ آؤ میں تم کو ثیاب العلماء (علماء کے کپڑے) پہنا دوں، پھر جاؤ حدیث لکھو، اس کے بعد مجھے اٹنگے کپڑے پہنائے، سر پر طویلہ (سیاہ لمبی ٹوپی) رکھی اور اس کے اوپر عمامہ باندھ کر کہا کہ "اذہب الآن فاکتب" (اب جاؤ، حدیث لکھو) اور ایک روایت میں ہے کہ والدہ نے کہا کہ: "اذہب إلی ربیعة فتعلّم من أدبه قبل علمه" (۱) ربیعہ رائے کے پاس جاؤ اور ان کے علم سے پہلے ان کا ادب سیکھو۔

سفیان بن عیینہؒ اپنی مجلس درس میں اپنے بچپن میں طالب علمی کے واقعات بڑے دلچسپ انداز میں سناتے تھے، ان کا بیان ہے کہ جس وقت میں ابن شہاب زہریؒ کی مجلس میں گیا، میرے کان میں بالیاں اور سر پر چوٹیاں تھیں، زہری نے مجھے آتا ہوا دیکھ کر کہا "واسنیه واسنیه"، یہاں بیٹھو، یہاں بیٹھو، میں نے اس سے چھوٹا طالب علم نہیں دیکھا۔

نضر ہلالیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں سفیان بن عیینہ کی مجلس میں تھا، ایک بچہ مجلس میں آیا، جس کو اہل مجلس حقارت سے دیکھنے لگے، سفیان بن عیینہؒ نے ان سے کہا کہ پہلے تم لوگ بھی ایسے ہی تھے، اللہ تعالی نے تم پر احسان کیا، اس کے بعد میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

"یا نضر لو رأیتني ولي عشر سنین، طولي خمسة أشبار، ووجهي کالدینار، وأنا کشعلة النار، ثیابي صغار، وأکمامي قصار، وذیلي بمقدار، ونعلي کآذان الفار، اختلف إلی علماء الأمصار، مثل الزهري، وعمرو بن دینار، اجلس بینهم کالمسمار، محبرتي الجوزة، ومقلمتي کالموزة، وقلمي کاللوزة، فإذا دخلتُ المجلس قالوا أوسعوا للشیخ الصغیر" (۲)

(۱) المحدث الفاضل: ۲۰۱

(۲) الکفایہ فی علم الروایۃ: ۶۰-۶۱

''اے نضر! تم اس وقت مجھے دیکھتے تو تعجب کرتے جب میری عمر دس سال تھی، میرا طول پانچ بالشت تھا، میرا چہرہ دینار کی طرح اور میں خود شعلہ نار کی طرح تھا، میرے کپڑے چھوٹے، میری آستین چھوٹی، میرا دامن مناسب مقدار میں، میرا جوتا چوہے کے کان کی طرح اور میں مختلف شہروں کے علماء جیسے زہری اور عمرو بن دینار کے یہاں آتا جاتا تھا، اور ان کے حلقہ نشینوں میں کیل کی طرح بیٹھتا تھا، میری دوات اخروٹ کی طرح، میرا قلمدان موزہ کی طرح، میرا قلم پستہ کی طرح ہوتا تھا، جب میں مجلس میں داخل ہوتا تو اہل مجلس کہتے کہ چھوٹے شیخ کے لئے جگہ خالی کردو''

ابن عیینہؒ یہ واقعہ بیان کر کے مسکرائے اور ہنسنے لگے ۔

تابعین کے دور میں عام طور پر بلوغ کے بعد حدیث کے سماع وتحمل کا رواج تھا، اس سے پہلے حفظ قرآن اور عبادات کا اہتمام ہوتا تھا۔۔۔۔۔اس زمانہ میں طلبہ سے کہا جاتا تھا کہ علم حاصل کرو اور علم کے لئے سکینہ اور وقار اور حلم وبردباری سیکھو، جس سے علم حاصل کرو، اس کے لئے متواضع بنو اور چاہئے کہ پڑھانے والا تم لوگوں کے لئے متواضع بنے۔

مسعر بن کدام نے ایک باحیثیت شخص کو دیکھا جس کے بدن پر بہترین کپڑے تھے، اس سے پوچھا کہ تم حدیث کے طالب علم ہو؟ اس نے کہا کہ: ہاں تو مسعر بن کدام نے کہا:

''لو كنت من أصحاب الحديث كنت مقنعا وكانت نعلك مخصوفة'' اگر تم حدیث کے طلبہ میں ہوتے تو چہرہ چھپائے ہوتے اور تمہارے جوتے سلے ٹکے ہوتے''۔

یعنی تم طلب حدیث میں محنت کرتے، اس کے لئے سفر کرتے، اور اس طرح پہننے اوڑھنے کا اہتمام نہ کرتے، حفص بن غیاث کہتے ہیں کہ میں نے اعمش کے پاس جا کر کہا کہ

آپ مجھ سے حدیث بیان کریں، انہوں نے کہا: کیاتم نے قرآن یاد کرلیا ہے؟ میں نے کہا کہ: نہیں، تو کہا جاؤ پہلے قرآن یاد کرو، پھر میرے پاس آؤ، میں تم کو حدیث کی تعلیم دوں گا، ان کی بات سن کر میں چلا گیا، اور قرآن یاد کر کے آیا تو انہوں نے مجھ سے قرآن پڑھوایا، میں نے پڑھا، پھر حدیث کا درس دیا۔(۱)

(۱) المحدث الفاضل: ۲۰۱، خیر القرون کی درسگاہیں: ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸

استاذ کے حقوق

❁ استاذ کی قدرو تعظیم کرے اوران کا احترام اورادب بجالائے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ"(۱)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا کہ ان میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر ﷺ کو بھیجا جوان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے اوران کو پاک کرتے اوران کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ جو کسی کو تعلیم دے تو اس پر اس کا انعام ہے؛ لہٰذا اس کی قدر و تعظیم بجالانا چاہئے۔

❁ علم کا ادب یہ ہے کہ شاگرد پڑھنے کیلئے خود استاذ کے پاس جائے، استاذ جس بات کے پوچھنے سے منع کریں رک جائے، اگر غلطی سے استاذ کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہوجائے تو معذرت کرے۔

یہ تمام آداب واحکام حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم ہوتے ہیں:

"قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ

(۱) ال عمران: ۱۶۴

رُشْدًا"۔(۱)

❁ استاذ کے یہاں بلا اجازت نہ جائے۔

چونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ"۔(۲)

مومن وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، اور جب ہوتے ہیں رسول ﷺ کے ساتھ کسی اجتماعی بات پر تو نہیں جاتے جب تک کہ آپ ﷺ سے اجازت نہ لے لیں۔

❁ استاذ، شاگرد کو کسی کتاب کے پڑھنے سے منع کرے تو شاگرد کو اس کے مطالعہ سے رک جانا چاہئے۔

چونکہ حضور اکرم ﷺ نے ایک امیرِ لشکر کو حکم نامہ لکھ کر دیا اور (ایک مصلحت کے سبب) یہ فرمایا کہ جب تک فلاں مقام پر نہ جاؤ اس کو مت پڑھنا، چنانچہ اسی کے موافق عمل کیا:

"فلمّا بلغ ذلك المكان قرأهٗ على النّاس وأخبرهم بأمر النبى صلى الله عليه وسلم"۔(۳)

❁ شاگرد کے بے جا اور بے ڈھنگے اور بے جوڑ سوالات پر استاذ کو غصہ آجائے تو شاگرد اس کا تحمل کرے۔

زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے لقطہ (گری ہوئی چیز کے پانے) کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس کا سر بند اور ظرف (تھیلی وغیرہ) پہچان لے اور سال بھر تک اس کی تعریف کر (اعلان کیا کر) اگر کوئی

---

(۱) الکہف:۶

(۲) النور:۶۲

(۳) بخاری: باب مایذکر فی المناولۃ، حدیث: ۶۴

مالک نہ ملے (اور تو محتاج ہو تو اس سے نفع اٹھا ورنہ صدقہ کردے) پھر اگر اس کا مالک آوے تو اس کو دیدے، اس سائل نے کہا: گمشدہ اونٹ کا حکم کیا ہے؟ اس سوال سے آپ ﷺ پر غصّہ کے آثار نمایاں ہوئے؛ یہاں تک کہ رخسارِ مبارک سرخ ہوگئے، "**فغضب حتّی احمرّت وجنتاه**" آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے اس سے کیا کام ہے؟ اس کیلئے اس کا مشک ہے اور اس کے موزے، پانی پر جا کر پانی پیتا ہے اور درختوں سے چارہ کھاتا ہے؛ یہاں تک کہ اس کا مالک اسے حاصل کرلے گا" **ترد الماء، وتأكل الشجر، دعها حتى يجدها ربها**"(۱)

❁ جس قدر ممکن ہو سکے استاذ کے ساتھ رہنے کی کوشش کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے کہ وہ اپنے پیٹ بھر غذا ملنے تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہمیشہ رہتے تھے، اس قدر اور لوگ حاضر نہ رہ سکتے تھے اور احادیث اس قدر یاد کرتے تھے اور لوگ یاد نہ کرسکتے تھے "ويحفظ ما لا يحفظون"(۲)

❁ استاذ کی تقریر کے وقت شاگردوں کو بالکل خاموش رہنا چاہیئے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں خطبہ کے وقت حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: لوگوں کو چپ کرو"استنصت الناس"(۳)

❁ اگر استاذ کسی بات پر ناراض ہوں تو ان کو خوش کرنا چاہیئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک نسخہ توراۃ کا جنابِ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ نسخہ توراۃ کا ہے، یہ سن کر آپ ﷺ خاموش رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پڑھنا شروع کیا اور جناب رسول اللہ ﷺ

---

(۱) بخاری: باب من عرف اللقطۃ ولم یدفعھا، حدیث: ۲۴۳۸

(۲) بخاری: باب حفظ العلم، حدیث: ۱۱۸

(۳) بخاری: باب الانصات للعلماء، حدیث: ۱۲۱

کا چہرہ متغیر ہوا "وجعل یقرأ و وجه رسول الله یتغیّر"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عمر! روئیں تجھ پر رونے والیاں، رسول اللہ ﷺ کے رُخِ انور کو دیکھنا چاہئے۔(۱)

❁ اہلِ علم اور استاذ کے ساتھ ادب و تواضع کے ساتھ پیش آنا چاہئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہیں سکھانے والے عالم کا یہ حق ہے کہ تم اس سے سوال زیادہ نہ کرو اور جواب دینے کی مشقت میں نہ ڈالو یعنی اسے مجبور نہ کرو اور جب وہ تم سے منہ دوسری طرف پھیرے تو پھر اس پر اصرار نہ کرو اور جب وہ تھک جائے تو اس کے کپڑے نہ پکڑو اور نہ ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرو اور نہ آنکھوں سے اور اس کی مجلس کا کچھ نہ پوچھو اور اس کی لغزشیں تلاش نہ کرو اور اگر اس سے کوئی لغزش ہو جائے تو رجوع کرنے کا انتظار کرو، اور جب وہ رجوع کر لے تو تم اسے قبول کرو اور یہ بھی نہ کہو کہ فلاں نے آپ کی بات کے خلاف بات کہی ہے اور اس کے کسی راز کا افشاء نہ کرو اور اس کے پاس کسی کی غیبت نہ کرو، اس کے سامنے اور اس کے پیٹھ پیچھے دونوں حالتوں میں اس کے حق کا خیال کرو اور تمام لوگوں کو سلام کرو؛ لیکن اسے خاص طور پر سلام کرو، اور اس کے سامنے بیٹھو اگر اسے کوئی ضرورت ہو تو دوسروں سے آگے بڑھ کر اس کی خدمت کرو "وان کانت له حاجة سبقت القوم الی خدمته"، اور اس کے پاس جتنا بھی وقت گذرے تنگ دل نہ ہو؛ کیونکہ یہ عالم کھجور کے درخت کی طرح ہے جس سے ہر وقت کسی نہ کسی فائدے کے حاصل ہونے کا انتظار رہتا ہے اور یہ عالم اس روزہ دار کے درجہ میں ہے جو اللہ کے راستے میں جہاد کر رہا ہو، جب ایسا عالم مر جاتا ہے تو اسلام میں ایسا شگاف پڑ جاتا ہے جو قیامت تک پر نہیں ہو سکتا اور آسمان کے ستر ہزار مقرب فرشتے طالب علم کے ساتھ (اکرام کیلئے) چلتے ہیں۔(۲)

❁ اسلاف اپنے اساتذہ کے ساتھ عزت و احترام کا اور تواضع کا معاملہ کرتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ام ولد باندی حضرت جمیلہ کہتی ہیں کہ: جب حضرت

(۱) سنن الدارمی: مسند عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حدیث: ۴۴۹

(۲) کنز العمال: آداب العلم متفرقۃ، حدیث: ۲۹۵۲۰

ثابت بنانیؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اے لونڈیا! ذرا خوشبو لانا کہ میں اپنے ہاتھوں کو لگالوں، یہ ثابتؒ کی ماں کا بیٹا یعنی خود حضرت ثابتؒ، جب تک میرے دونوں ہاتھوں کو چوم نہیں لے گا، اس وقت تک راضی نہیں ہوگا ''فانّ ابن امّ ثابت لا یرضی حتی یقبل یدی''(۱) علایہ ثابت بنانی بصریؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، استاذ کے احترام میں ان کے ہاتھوں کو چوم لیتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک بات پوچھنا چاہتا تھا؛ لیکن ان کے رعب اور ہیبت کی وجہ سے ان سے دو سال تک نہ پوچھ سکا، یہاں تک کہ کسی سفر یا حج یا سفرِ عمرہ میں وہ کسی ضرورت کیلئے مر الظہر ان کی وادی میں اراک مقام پر اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے اور مجھے تنہائی کا موقع مل گیا تو میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں آپ سے دو سال سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں؛ لیکن صرف آپ کی ہیبت کی وجہ سے نہ پوچھ سکا، ''انّی أرید أن أسئلك عن حدیث منك منذ سنتین ما استطیع هیبة لك''، انہوں نے فرمایا: جس بات کا مجھ سے پوچھنے کا ارادہ ہو تو فوراً پوچھ لیا کرو، اگر مجھے وہ بات معلوم ہو تو میں تمہیں بتادوں گا، ورنہ کہوں گا، مجھے معلوم نہیں، پھر تم اس آدمی سے پوچھ لینا جو اسے جانتا ہو، میں نے کہا: وہ دو عورتیں کون ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے (سورۃ تحریم میں) فرمایا ہے کہ: وہ دونوں حضور ﷺ کے مقابلہ میں ایک دوسرے کی مددگار بنی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں۔(۲)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا اپنے استاذ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کے دریافت میں ان کی تعظیم واحترام اور ان کا اجلال کرنا۔

---

(۱) علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو ابویعلی نے روایت کیا ہے اور مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے ان کے احوال لکھے ہوں۔ مجمع الزوائد: باب أدب الطالب: حدیث: ۵۴۵،

(۲) بخاری: سورۃ الطلاق، حدیث: ۴۶۲۹

❁ حضرت سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہا: میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں؛لیکن آپ سے ڈر بھی لگتا ہے "انّی أرید أن أسئلك شیئًا وانّی أهابك" حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اے میرے بھتیجے! مجھ سے نہ ڈرو، جب تمہیں معلوم ہو کہ وہ چیز مجھے معلوم ہے تو تم مجھ سے ضرور پوچھو ، میں نے عرض کیا جب غزوۂ تبوک میں حضور ﷺ اپنے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ گئے تو ان سے کیا فرمایا تھا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: حضور ﷺ نے فرمایا تھا: اے علی! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لئے ایسے ہو جاؤ جیسے کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے تھے "اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی" (۱)

❁ ہارون رشید ایک دفعہ کسائیؒ کے پاس گئے، کسائیؒ ان کو دیکھ نہیں رہے تھے، یہ ہارون رشید کے دونوں لڑکوں امین اور مامون کے استاذ تھے، کسائیؒ اپنے کسی کام سے جوتے پہننے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے، تو دونوں شہزادے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے ، اوران دونوں نے کسائی کے جوتوں کو ان کے پیروں کے سامنے لا رکھا، کچھ دیر بعد ہارون رشید اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: اے کسائی! سب سے زیادہ باعزت خادم کس کے ہیں؟ تو کسائی نے کہا: امیر المؤمنین کے ہیں، ہارون رشید نے کہا: نہیں بلکہ کسائی کے ہیں، کیوں کہ ان کی خدمت امین اور مامون شہزادے کرتے ہیں "بل الکسائی یخدمه الأمین والمأمون" (۲)

---

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ، باب فی ھیبۃ المتعلم للعالم: ۱/ ۱۱۲
(۲) قصص العرب: ۱/ ۸۵

شاگرد کے حقوق

- استاذ اپنے شاگرد کے ساتھ نرمی اوراس کی استعداداور صلاحیت کی رعایت کرے۔
ارشادِ باری عزوجل ہے:
"اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ" (۱)
بلاؤ خدا کے راستہ کی طرف حکمت اوراچھی نصیحت کے ساتھ اور مناظرہ کرو اچھے اور نرم طریقہ سے۔
- لوگوں کو نفع پہنچانا (جن میں شاگرد بھی داخل ہیں) علماء پر واجب ہے، جس کو اس آیت میں صیغۂ امر کے ذریعہ تعبیر کیا گیا ہے۔
اس لئے ان کے ساتھ نرمی اور ملاطفت کا معاملہ کیا جائے، ارشادِ خداوندی ہے
"كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" (۲)
تم بہترین امت ہو لوگوں کی ہدایت کے واسطے پیدا کئے گئے ہو، اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو، اور بری باتوں سے روکتے ہو۔
- شاگرد کے ساتھ گھٹیا اور نچلے درجہ کا سلوک کرنا مناسب نہیں اور نہ اپنے تعلیمی نفع کے ذریعہ اس پر احسان جتانا چاہئے، جو کہ ان کی تحقیر اور اذیت کا سبب ہوتا ہے، چونکہ طالب علم اور شاگرد کی حیثیت سائل (سوال کرنے والے) کی ہوتی ہے،

(۱) النحل:۱۵۲　(۲) آل عمران:۱۱۰

اور اللہ عز وجل کا ارشاد ہے: "وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ" (۱) سائل کو مت جھڑکئے۔

اور ارشادِ باری عز وجل ہے:

"ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَا اَذًى وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ" (ومما رزقنهم ينفقون من أنواع المعرفة يفيضون كما نقله البيضاوى) (۲)

صدقہ دے کر احسان نہیں جتاتے اور نہ کسی قسم کی تکلیف دیتے ہیں اور جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں (یعنی ہم نے جو انوارِ معرفت ان کو عطا کئے ہیں لوگوں پر ان کا فیضان کرتے ہیں)۔

❁ استاذ طالبِ علم کے ساتھ بھلائی اور حسنِ سلوک کا معاملہ کرے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اور لوگ تمہارے تابع ہیں اور تمہارے پاس دور دراز ملکوں سے لوگ علمِ دین سیکھنے اور سمجھنے کو آئیں گے اور ان کے بارے میں میری وصیت کے موافق بھلائی سے پیش آؤ

"وان رجالاً يأتونكم من أقطار الأرض يتفقّهون فى الدين فاذا اتوكم فاستوصوا بهم خيرًا" (۳)

❁ استاذ چونکہ باپ کا درجہ رکھتا ہے؛ اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ شاگردوں کو وہی پیار و محبت دے جو ایک باپ اپنی اولاد کو دیتا ہے۔

---

(۱) الضحیٰ: ۱۰ (۲) البقرۃ: ۲۶۲

(۳) ترمذی: باب ماجاء فی الاستیصاء بمن، حدیث: ۲۶۵۰، امام ترمذیؒ اس روایت کے ایک راوی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: یحییٰ بن سعید کہتے ہیں: شعبہ ابو ہارون العبدی کو ضعیف قرار دیتے ہیں، اور یحییٰ بن سعید نے کہا کہ کہ: ابن عون نے ابو ہارون العبدی سے ان کی موت تک روایتیں نقل کی ہیں اور ابو ہارون ان کا نام: عمارۃ بن جوین ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنے طلبہ کی نسبت فرماتے تھے کہ اگر ان پر ایک مکھی بھی بیٹھ جاتی ہے تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔(۱)

سلف صالحینؒ کو اپنے شاگردوں سے ایسی محبت تھی کہ ان کی نجی دشواریوں کو بھی حل کرتے تھے، امام شافعیؒ بڑے اعلیٰ درجہ کے فقیہ و محدث ہیں، یہ حصولِ علم کیلئے مدینہ پہنچے، غریب آدمی تھے، امام مالکؒ نے اپنے اس ہونہار شاگرد کو خود اپنا مہمان بنایا اور جب تک مدینہ میں رہے ان کی کفالت کرتے رہے، پھر جب امامِ شافعیؒ نے مزید کسبِ علم کیلئے کوفہ کا سفر کیا تو سواری کا بھی نظم کیا، اور اخراجاتِ سفر بھی، اور شہر سے باہر آکر نہایت محبت سے آپ کو رخصت کیا، امام شافعیؒ کوفہ آئے تو امام ابوحنیفہؒ کے شاگردِ رشید امام محمدؒ نے امام شافعیؒ کی کفالت فرمائی، اور بھرپور تعاون فرمایا، امام شافعیؒ اس حال میں کوفہ پہنچے کہ نہایت ہی معمولی کپڑا آپ کے جسم پر تھا، امام محمدؒ نے اسی وقت ایک جوڑے کا انتظام فرمایا، جو ایک ہزار درہم قیمت کا تھا، پھر امامِ شافعیؒ کو رخصت کیا تو اپنی پوری نقدی جمع کر کے تین ہزار انہیں حوالہ کئے۔(۲)

- استاذ کسی مقام پر غلط تقریر یا کسی بات پر عدم واقفیت کے باوجود غلط مسئلہ نہ بتائے، بلکہ اپنی لاعلمی یا اس مقام کے مطالعہ کے بعد حل بتانے کو کہے، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری طرف سے کوئی بات بیان کرے اور وہ جانتا ہو کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ جھوٹا ہے: "من حدّث عنّي بحديث يرى أنّه كذب فهو أحد الكاذبين"(۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی سائل کو کسی نے بلا علم کے مسئلہ بتادیا تو اس کا وبال اس بتانے والے پر ہے اور جس شخص نے اپنے بھائی

(۱) تذکرۃ السامع:۴۹

(۲) جامع بیان العلم لابن عبدالبر:۲۶۸

(۳) مسلم: باب وجوب الروایۃ عن الثقات، حدیث:۱

کو مشورہ دیا اور وہ جانتا ہے کہ وہ مشورہ ٹھیک نہیں ہے تو اس نے اس کی خیانت کی: "من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من أفتاہ" (۱)

❁ اگر کوئی بات نہ معلوم ہو تو کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں، اپنی طرف سے کچھ نہ کہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اے لوگو! جو شخص کسی بات کا علم رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ بتادے اور جو نہ جانتا ہو اس کو چاہئے کہ کہہ دے: اللہ جاننے والا ہے؛ کیونکہ یہ کہہ دینا بھی علم کی بات ہے: "یا أیّھا الناس! من علم منکم شیئًا فلیقل بہ و من لم یعلم فلیقل اللّٰہ أعلم فانّ من العلم أن یقول لما لا یعلم "اللّٰہ أعلم" (۲) اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِیْنَ" (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دو کہ میں تم سے کچھ مزدوری نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں کہ اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ کہہ دوں۔

حضرت نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے ایک مسئلہ پوچھا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا سر جھکا لیا اور کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ لوگ یہ سمجھے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا سوال ہی نہیں سنا، اس لئے اس آدمی نے کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے، کیا آپ نے میرا سوال نہیں سنا، انہوں نے فرمایا: سنا ہے، لیکن شاید آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ لوگ ہم سے جو کچھ پوچھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سے اس کے بارے میں باز پرس نہیں کرے گا، اللہ تم پر رحم کرے، ہمیں ذرا مہلت دو؛ تاکہ ہم تمہارے سوال کے بارے میں سوچ لیں، اگر ہمیں اس کا جواب سمجھ میں آئے تو بتادیں گے اور اگر نہ آیا تو تمہیں بتادیں گے کہ ہمیں نہیں معلوم:

" اترکنا۔ یرحمك اللہ۔ حتی نتفھّم فی مسألتك، فان کان

---

(۱) ابوداؤد: باب التوقی فی الفتیا، حدیث: ۳۶۵۷، حاکم نے اس کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

(۲) صحیح مسلم: باب الدخان، حدیث: ۲۷۹۸

لها جواب عندنا والّا أعلمناك أنّه لا علم لنا بها ''(۱)

حضرت یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ جب کوئی عالم ''میں نہیں جانتا'' کہنا چھوڑ دیتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ اپنی ہلاکت کی جگہ پہنچ گیا ''اذا ترك العالم ''لا أعلم'' فقد أصيبت مقالته ''(۲)

❁ درس وتقریر میں طلباء کے نشاط وشوق کی بھی رعایت کی جائے۔

حضرت شقیقؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو وعظ سنایا کرتے تھے، کسی شخص نے عرض کیا کہ: حضرت روزانہ وعظ کیجئے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے روزانہ وعظ کہنے سے یہ چیز مانع بن رہی ہے کہ میں تم کو اکتاہٹ میں ڈالنا نہیں چاہتا ''أنّه يمنعني من ذلك أنّي أكره أن أملّكم ''اور میں تمہاری خبر گیری اور نگہداشت ایسی ہی کرتا ہوں جیسی رسول اللہ ﷺ ہماری خبر گیری فرمایا کرتے تھے کہ ہم ملول نہ ہوں۔(۳)

❁ جو اساتذہ طلبہ کو حد سے زیادہ پڑھاتے ہیں یا زیادہ کتابیں پڑھاتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم طلبہ پر خوب محنت کر رہے ہیں، ان کی محنت رائیگاں جانے کی مثال یوں ہے:

''اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ''(۴)

یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کرائی محنت سب کی سب گئی گذری ہوئی اور (وہ بوجہِ جہل) اس خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

اس لئے ہفتہ میں کم از کم ایک روز کی تعطیل ہونی چاہیے۔

❁ نا اہلوں کو دینی خدمات اور درس وتدریس کی ذمہ داری سونپنا قیامت کی علامت

---

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد: عبد الله بن عمر بن الخطاب: ۴/۹۱۶۸

(۲) حلية الأولياء: سفيان بن عيينة: ۷/۲۷۴

(۳) بخاری: باب من جعل لأهل العلم، حدیث: ۷۰

(۴) الکهف: ۱۰۴

ہے (جس میں متعلقہ مضمون کے بارے میں استاذ کی استعداد اور صلاحیت کا لحاظ کرنا بھی داخل ہے)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دینی خدمات نالائق اور نااہلوں کے سپرد ہو جائیں تو قیامت کا انتظار کرو "اذا وسد الأمر الی غیر أهله فانتظروا الساعة" (۱)

- شاگرد کے اخلاقی احوال کی خبر گیری بھی استاذ کی ذمہ داری ہے، صرف علم کا پہنچانا ہی کافی نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ جنابِ رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے، آپ ﷺ ہم سے ایسے وقت آکر ملے کہ نماز کا وقت آ گیا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے، جلدی کی وجہ سے ہم نے پاؤں دھونے میں جلدی کی، جس کی وجہ سے کچھ حصہ سوکھا رہ گیا، آپ ﷺ نے دیکھ کر دو تین بار باآوازِ بلند فرمایا: خبردار ہو جاؤ، عذابِ دوزخ ان ایڑیوں کیلئے ہے جو سوکھی رہ جاویں "ویل للاعقاب من النار" آپ ﷺ نے یہ بات دو یا تین بار کہی۔ (۲)

- اس روایت سے یہ بھی پتہ چلا کہ اگر یہ امکان ہو کہ اگر باآواز بلند تقریر نہ کی جائے تو استاذ کی آواز شاگردوں کے پاس نہ پہنچے گی تو بلند آواز میں تقریر کرنا بھی شاگرد کا حق ہے۔
- اور یہ بھی پتہ چلا کہ ایک بار تقریر کرنے سے طلباء نے نہ سمجھا ہو تو دوسری، تیسری بار بھی تقریر کر دینا مناسب ہے، جس طرح حضور ﷺ نے دو تین بار فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ کوئی مہتم بالشان بات فرماتے تھے تو تین مرتبہ فرماتے تھے؛ تاکہ لوگ خوب سمجھ لیں۔ (۳)

---

(۱) بخاری: باب من سئل علما وهو مشتغل فی حدیثه، فاتم الحدیث ثمّ أجاب السائل، حدیث:۵۹

(۲) بخاری: باب من رفع صوته بالعلم، حدیث:۶۰

(۳) بخاری: باب من أعاد الحدیث: حدیث:۹۵

❁ استاذ کبھی کبھی شاگردوں کا امتحان لے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ: ایک ایسا درخت ہے کہ وہ پت جھڑ نہیں ہوتا اور مثلِ مسلم کے ہے، بتاؤ وہ کیا ہے؟، سب لوگ جنگل کے درختوں کو سوچنے لگے کہ کون سا درخت اس شان کا ہے، میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے، مگر چونکہ میں چھوٹا تھا؛ اس لئے میں نے حیاء کی اور چپ رہا، پھر لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ارشاد فرمائیے کہ کون سا درخت ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کھجور کا درخت "فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ھی النخلة" (۲)

❁ کوئی فن یا کوئی کتاب کسی خاص طالبِ علم کیلئے مضر اور نقصان دہ ہو تو اسے اس سے روکنا چاہئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: جو شخص میرے خدا سے اس حال میں ملے، اور وہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! کیا لوگوں کو یہ خوشخبری نہ سناؤں؟ فرمایا کہ: مت سناؤ، کیونکہ میں خوف کرتا ہوں کہ اس پر تکیہ کرلیں گے "لا، انّی أخاف أن یتّکلوا" (۲)

❁ شاگردوں کے ساتھ نرمی اور آسانی کا معاملہ کرنا چاہئے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دینی امور میں لوگوں پر آسانی کرو، تکلیف میں مت ڈالو، خوش خبری سناؤ، دین سے نفرت مت دلاؤ، "یسّروا ولا تعسّروا وبشّروا ولا تنفّروا" (۳)

آپریشن تھیٹر میں جانے والا ڈاکٹر اگر غصہ میں ہو تو اس کا آپریشن ناکام ہوتا ہے،

---

(۱) بخاری: باب الفھم فی العلم، حدیث: ۷۲

(۲) بخاری: باب من خص بالعلم قوما، حدیث: ۱۲۹

(۳) بخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "یسروا ولا تعسروا" حدیث: ۵۷۷۴

اسی طریقہ سے درسگاہ میں جانے والا استاذ اگر غصہ میں ہو تو وہ ناکام استاذ ہوتا ہے۔

❁ شاگرد کیلئے اللہ عزوجل سے علمِ نافع کی دعا بھی کرنا چاہئے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے مجھ کو سینہ سے لگایا اور یوں فرمایا کہ: یا اللہ! اس کو قرآن کا علم عطا فرما دے "اللھمّ علمہ الکتاب"۔(۱)

❁ اگر کوئی بات شاگرد کیلئے غصہ کی صورت میں کہنا بہتر ہو تو اس طرح کہے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! فلاں شخص کے نماز کو طویل کرنے کی وجہ سے قریب ہے کہ میں نہ پاسکوں (یعنی بددل ہو کر جماعت چھوڑ دوں) تو رسول اکرم ﷺ اس قدر غصہ ہو گئے کہ ایسا کبھی غصہ ہوتے ہوئے میں نے آپ کو نہیں دیکھا، پھر آپ ﷺ نے امام سے فرمایا کہ: تم لوگوں کو نفرت دلاتے ہو، جو آدمی نماز میں امامت کرے اس کو چاہئے کہ (قراءت) میں تخفیف کرے؛ کیونکہ مریض اور ضعیف اور حاجت مند سب قسم کے لوگ نماز میں ہوتے ہیں "فمن صلی بالنّاس فلیُخفّف فانّ فیھم المریض والضعیف وذا الحاجۃ"۔(۲)

❁ اگر مناسب سمجھے تو تقسیمِ اوقات اور جماعت بندی کی جاسکتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورتوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم پر مرد غالب آ گئے کہ آپ ﷺ کا وعظ سننے کا موقع ہم کو نہیں ملتا، ہمارا بھی ایک دن مقرر کر دیجئے، آپ ﷺ نے ان کیلئے وعظ و نصیحت اور احکامِ الٰہی سنانے کا ایک دن مقرر فرمایا: "فوعدھنّ یومًا ولقیھنّ فیہ فوعظھنّ وأمرھنّ"۔(۳)

اس حدیث سے پتہ چلا کہ اگر کسی طالبِ علم پر کسی بے جا سوال پر غصہ آ جائے اور اس کے بعد پھر وہ کوئی معقول سوال کرے تو اس کے جواب میں پہلے غصہ کا اثر نہ آنا چاہئے۔

---

(۱) بخاری: باب الاعتصام بالکتاب، حدیث: ۶۸۴۲

(۲) بخاری: باب تخفیف الامام فی القیام واتمام الرکوع والسجود، حدیث: ۶۷۰

(۳) بخاری: باب ھل یجعل للنساء یوم علی حدہ فی العلم، حدیث: ۱۰۱

❁ اگر طالب علم کو واقعتاً کوئی بات سمجھ میں نہ آئے یا استاذ کی تقریر میں کوئی شبہ رہ جائے تو اس کے دوبارہ پوچھنے پر ناراض نہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب رسول اللہ ﷺ سے ایسی باتیں سنتی تھیں کہ جوان کو معلوم نہ ہوں تو برابر جنابِ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کرتی تھیں، یہاں تک کہ سمجھ لیتی تھیں، ایک مرتبہ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص حساب میں گرفتار ہوا وہ عذاب میں مبتلا ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ: اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا کہ: حساب آسان کیا جائے گا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: یہ پیشی ہے، ورنہ جس سے مناقشہ کیا گیا حساب میں تو وہ ہلاک ہوگیا" ولكن من نُوقش الحساب يهلك" (۱)

❁ اگر طالبِ علم تواضع کے ساتھ واقعتاً استاذ کی تقریر کا باحوالہ رد کرے تو اسے قبول کر لینا چاہئے:

حضرت عبداللہ بن مصعبؒ کہتے ہیں کہ: ایک دفعہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عورتوں کا مہر چالیس اوقیہ (ایک اوقیہ چالیس درھم کا ہوتا ہے) سے زیادہ مقرر نہ کرو، چاہے ذی الغصہ قیس بن حسین حارثی (جیسے سردار) کی بیٹی کیوں نہ ہو جو اس سے زیادہ مہر مقرر کرے گا میں وہ زائد رقم لے کر بیت المال میں جمع کر دوں گا، اس پر عورتوں کی صف میں سے ایک عورت کھڑی ہوئی جس کا قد لمبا تھا اور ناک چپکی ہوئی تھی اور اس نے کہا: آپ کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں؟ عورت نے کہا: کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا " (۲) اور تم اس کو انبار کا انبار دے چکے ہو تو تب بھی تم اس میں سے کچھ بھی مت لو، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: عورت نے ٹھیک کہا، مرد نے غلطی کی "امرأة اصابت ورجل اخطأ" (۳)

---

(۱) بخاری: باب من سمع شیئا راجعہ، حدیث: ۱۰۳

(۲) النساء: ۲۰

(۳) کنز العمال: الصداق، حدیث: ۴۵۸۰۰

❁ استاد کو چاہئے کہ جس چیز کی عملی تعلیم دینا چاہتا ہو بذاتِ خود اس پر عمل پیرا ہو کر عملی انداز میں تعلیم دے، جب حضور ﷺ کسی چیز کا حکم فرماتے تو پہلے خود آپ ﷺ اس پر عمل پیرا ہوتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو عملی شکل میں وہ عمل اس طرح سمجھاتے کہ ان کے ذہن نشین ہو جاتا۔

حضرت شعیب رضی اللہ عنہ کے بیٹے عمرو رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! وضو کا طریقہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ایک برتن میں پانی منگوایا، پہلے آپ ﷺ نے تین مرتبہ ہاتھ دھویا، پھر تین مرتبہ چہرہ دھویا، پھر تین مرتبہ کہنیوں تک ہاتھ دھوئے، اس کے بعد سر کا مسح کیا اور دونوں ہاتھوں کی شہادت والی انگلیوں کو کانوں کے سوراخ میں ڈالا اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں سے کانوں کے اوپری حصہ پر مسح کیا اور شہادت والی انگلیوں سے کان کے اندرونی حصہ پر مسح کیا، پھر تین مرتبہ دونوں پاؤں دھوئے اور فرمایا یہ مکمل وضو ہے " ثم قال ھکذا الوضوء "پس جو کوئی اس پر زیادتی کرے گا تو یقیناً اس نے برا کیا اور اپنے اوپر ظلم کیا یا (یہ فرمایا کہ) اس نے اپنے اوپر ظلم کیا اور برا کیا۔(۱)

حضرت عبادہ بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہم حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، وہ اپنی مسجد میں تھے، انہوں نے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ ہماری اس مسجد میں تشریف لائے اس حال میں کہ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ابن طاب نامی کھجور کی ایک شاخ تھی آپ ﷺ نے مسجد میں قبلہ کی طرف بلغم لگا ہوا دیکھا، آپ ﷺ ادھر گئے اور اس کو کھجور کی شاخ سے کھرچ دیا "فحکھا بالعرجون" اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کون یہ بات پسند کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے منہ پھیر لے؟ پھر فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز کیلئے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ اس کے سامنے ہوتا ہے؛ اس لیے سامنے کی طرف

---

(۱) ابوداؤد: باب الوضوء ثلاثا ثلاثا، حدیث: ۱۳۵، علامہ نووی فرماتے ہیں کہ: اس کی سند حسن درجہ کی ہے: خلاصۃ الاحکام: فصل فی ضعیفہ، حدیث: ۲۰۹، موسسۃ الرسالۃ، لبنان

نہ تھوکے اور نہ داہنی طرف تھوکے؛ بلکہ بائیں جانب بائیں پاؤں کے نیچے تھوکے، اگر جلدی ہو تو اپنے کپڑے میں لے کر یوں مسل دے، پھر آپ ﷺ نے کپڑے کو منہ پر رکھا اور اس کو مل دیا، اس کے بعد فرمایا: عبیر قبیلہ کا ایک جوان اٹھا اور دوڑتا ہوا اپنے گھر گیا اور اپنی ہتھیلی میں خوشبو لے کر آیا، آپ ﷺ نے وہ خوشبو اس سے لے کر کھجور کی لکڑی کے سرے پر لگائی اور جہاں بلغم لگا تھا وہاں مل دیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: اسی بنا پر تم اپنی مسجدوں میں خوشبو لگایا کرتے ہو۔(۱)

- استاذ کو چاہئے کہ تعلیم دینے میں تدریجی نہج اختیار کرے، ترتیب قائم رکھے، تھوڑا تھوڑا سبق آگے بڑھائے، حضور اکرم ﷺ کا معمول بھی اس حوالہ سے یہی تھا۔

ایک صحابی ﷺ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ سے دس دس آیات پڑھتے تھے اور اگلی دس آیات اس وقت تک نہیں پڑھتے تھے جب تک کہ پہلی دس آیات میں علم و عمل سے متعلق چیزیں اچھی طرح سیکھ نہ لیتے یوں ہم نے علم و عمل کو حاصل کیا ہے، "ما فی ہذہ من العلم والعمل" (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے جب انہیں یمن کی طرف بھیجنے لگے، ان سے فرمایا کہ: تم ایسی قوم کے پاس چلے جاتے ہو، جو اہلِ کتاب ہیں جب ان کے پاس پہنچو تو انہیں دعوت دو کہ اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اگر وہ مان لیں تو انہیں یہ بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور وہ ان کے فقراء میں تقسیم کی جائے گی، اگر وہ اس کو بھی منظور کر لیں تو ان کے اچھے مال لینے سے بچو اور مظلوموں کی بد دعا سے بچو؛ اس لیے کہ مظلوم کی

(۱) مسلم: باب حدیث جابر الطویل وقصة أبی الیسیر، حدیث: ۷۷۰۵

(۲) مسند احمد: حدیث رجل من أصحاب النبیصلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: ۲۳۵۲۹، محقق شعیب الارناؤوط کہتے ہیں کہ: اس کی سند عطا کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے۔

بد دعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے "اتق دعوة المظلوم، فإنه ليس بينه وبين الله حجاب"۔(۱)

۞ متعلّمین اور شاگردوں کی انفرادی خصوصیات کی رعایت کرے، یعنی ہر شخص کو اس کے مطابق اور اس کے مقتضاء حال اس کی تربیت کرے، حضور ﷺ کا بھی اس حوالے سے یہی معمول تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ (ایک مرتبہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ کی سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے سوار تھے، حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: اے معاذ (بن جبل)! انہوں نے عرض کیا لبيك يا رسول الله وسعديك آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے معاذ انہوں نے عرض کیا: "لبيك يا رسول الله وسعديك" تین مرتبہ (ایسا ہی ہوا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جو کوئی اپنے سچے دل سے اس بات کی گواہی دے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں ،اللہ اس پر (دوزخ کی) آگ حرام کر دیتا ہے، حضرت معاذ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں لوگوں کو اس کی خبر کر دوں؟ تا کہ وہ خوش ہو جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس وقت جب کہ تم خبر کر دو گے لوگ (اسی پر) بھروسہ کر لیں گے اور عمل سے باز رہیں گے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اپنی موت کے وقت اس خوف سے بیان کر دی کہ کہیں (حدیث کے چھپانے پر ان سے) مواخذہ نہ ہو جائے "وأخبر بها معاذ عند موته تأثما"۔(۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک نوجوان آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! روزے کی حالت میں میں اپنی بیوی کو بوسہ دے سکتا ہوں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں تھوڑی دیر بعد ایک بڑی عمر کا آدمی آیا اور اس نے بھی وہی سوال پوچھا، نبی کریم ﷺ نے اسے اجازت دے دی، اس پر ہم لوگ ایک

(۱) بخاری: باب الإتقاء والحذر من دعوة المظلوم، حدیث: ۲۳۱۶

(۲) بخاری: باب من خص بالعلم قوما، حدیث: ۱۲۸

دوسرے کو دیکھنے لگے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم ایک دوسرے کو کیوں دیکھ رہے ہو؟ دراصل عمر رسیدہ آدمی اپنے اوپر قابو رکھ سکتا ہے، "إن الشيخ يملك نفسه" (۱)

- استاذ کو چاہئے کہ گفتگو اور سوالات کے ذریعہ مسئلہ کی حقیقت کو سمجھائے، یہ طریقہ کار نفس مسئلہ کے سمجھنے میں معین و مددگار ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تمہارا خیال ہے کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر کوئی نہر ہو، اور وہ روزانہ اس میں پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو، کیا اس کے بدن پر کوئی میل کچیل باقی رہے گا "هل يبقى من درنه شيء" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: اس پر سے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان نمازوں کے ذریعہ سے اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہوتا ہے؟ "هل تدرون من المفلس" صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تو مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس کوئی روپیہ پیسہ اور ساز وسامان نہ ہو، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت کا مفلس وہ آدمی ہوگا جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوۃ لے کر آئے گا؛ لیکن کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، اسے بٹھا لیا جائے گا اور ہر ایک کو اس کی نیکیاں دے کر ان کا بدلہ دلوایا جائے گا، اگر اس کے گناہوں کا فیصلہ مکمل ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں، تو حقداروں کے گناہ لے کر

---

(۱) مجمع الزوائد: باب القبلة والمباشرة للصائم، حدیث: ۴۹۶۲، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس میں ابن لہیعہ ہے اور ان کی حدیث حسن درجہ کی ہے اور اس میں کلام ہے۔

(۲) بخاری: باب الصلوات الخمس كفارة، حدیث: ۵۲۸

اس پر لاد دیئے جائیں گے پھر اسے جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔(۱)

طریقہ تعلیم میں گفتگو کے انداز کی سب سے بہترین اور مشہور مثال ''حدیث ِجبرئیل علیہ السلام'' ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: ہم لوگ ایک روز رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اس دوران ایک شخص آیا جس کے کپڑے بہت سفید تھے، اس کے بال بہت سیاہ رنگ کے تھے، معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ سفر سے آیا ہے، اور ہم میں سے کوئی شخص ان کو نہیں پہچانتا تھا، وہ رسولِ کریم ﷺ کے پاس بیٹھا، اپنے گھٹنے آپ ﷺ کے گھٹنوں سے لگا کر اور اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر رکھے (یعنی ادب سے بیٹھا جس طریقہ سے کہ کسی استاذ کے سامنے کوئی شاگرد بیٹھتا ہے) پھر وہ کہنے لگا: اے محمد ﷺ! بتلایئے کہ اسلام کیا ہے؟ فرمایا: اس بات کی گواہی دینا کہ عبادت کے کوئی لائق نہیں ہے علاوہ خداوندِ قدوس کے اور بلاشبہ محمد (ﷺ) اس کے بھیجے ہوئے رسول ہیں اور نماز پڑھنا زکوۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا خانہ کعبہ کا حج کرنا اگر طاقت ہو (یعنی حج کیلئے آنے جانے اور دیگر شرائط شرعی حج کی پائی جائیں) اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا، ہم کو حیرت ہوئی کہ خود ہی سوال کرتا ہے، پھر کہتا ہے کہ آپ نے سچ فرمایا، پھر کہا بتلایئے کہ ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یقین کرنا خداوند ِقدوس پر یعنی اس کی ذات اور صفات میں اور اس کے فرشتوں پر کہ وہ اس کے پاک بندے ہیں، جیسا خداوندِ قدوس کا حکم ہوتا ہے بجالاتے ہیں ان میں بڑی طاقت اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور اس کی کتابوں پر (جیسے قرآنِ کریم تورات انجیل زبور پر اور اس کے صحیفوں پر) جو کہ خداوندِ قدوس نے اپنے رسولوں پر نازل فرمائے، وہ سب حق ہیں، خداوند قدوس کی طرف سے ہیں، خداوندِ قدوس کے کلام میں اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر (کہ خیر اور شر سب کچھ خداوندِ قدوس کی جانب سے ہے یعنی اچھے اور برے سب کام پیدا کرنے والا خداوندِ قدوس ہے اس کو خوب معلوم تھا کہ یہ شخص برا ہوگا یہ اچھا ہوگا) اس کے حکم کے بغیر

(۱) مسلم: باب تحریم الظلم، حدیث: ۲۷۴۴

اوراس کے ارادے کے بغیر انجام نہیں پاتے؛ لیکن وہ اچھے لوگوں سے خوش ہوتا ہے اور برے لوگوں سے ناراض ہوتا ہے اوراس نے ہم کو اختیار عطا فرمایا ہے، یہ سن کر اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا، پھراس نے کہا کہ: بتلائیے کہ احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: خداوند ِقدوس کی عبادت اس طریقہ سے کرنا کہ گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر یہ مقام حاصل نہ ہوتو (کم ازکم یہ مقام حاصل ہو کہ) خداوندِ قدوس تم کو دیکھ رہا ہے، پھراس شخص نے کہا مجھ کو بتلائیے کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس سے تم دریافت کررہے ہو، وہ سوال کرنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا (یعنی خداوندِ قدوس کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہیں ہے) اس شخص نے کہا کہ: آپ اس کی علامات بتلائیے، آپ ﷺ نے فرمایا اس کی ایک علامت تو یہ ہے کہ باندی اپنے مالک کو جنے گی، دوسرے یہ کہ ننگے پاؤں اور ننگے جسم والے لوگ جو (ادھر ادھر) پھرتے ہیں، مفلس بکریاں چرانے والے وہ بڑے بڑے محل تعمیر کریں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں تین روز تک ٹھہرا رہا، پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عمر رضی اللہ عنہ! تم واقف ہو کہ وہ سوال کرنے والا اور دریافت کرنے والا کون شخص تھا؟ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول ﷺ کو ہی علم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے جو کہ تم کو دین سکھلانے کیلئے تشریف لائے تھے۔(۱)

اس حدیثِ پاک میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا اور سوالات کر کے آپ ﷺ سے گفتگو کرنا یہ سب کچھ تعلیمی مقصد کے تحت ہوا تھا۔

- استاذ کو چاہئے کہ بسا اوقات طلبہ کو سوال و جواب کی شکل میں عقلی و منطقی دلائل کے ذریعہ ان کی نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے اخلاقیات کی درستگی کرے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان نبی کریم ﷺ کی خدمت میں

(۱) صحیح ابن حبان، ذکر البیان بأن الإیمان والإسلام شعب، حدیث: ۱۷۳، محقق شعیب الارناؤوط کہتے ہیں کہ اس روایت کی سند صحیح ہے۔

حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے زنا کرنے کی اجازت دے دیجئے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو کر اسے ڈانٹنے لگے اور اسے پیچھے ہٹانے لگے، لیکن نبی ﷺ نے اس سے فرمایا میرے قریب آ جا، وہ نبی ﷺ کے قریب جا کر بیٹھ گیا، نبی ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تم اپنی والدہ کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان جاؤں، نبی ﷺ نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی ماں کیلئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا: کیا تم اپنی بیٹی کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، آپ پر قربان جاؤں، نبی ﷺ نے فرمایا لوگ بھی اسے اپنی بیٹی کیلئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا: کیا تم اپنی بہن کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، آپ پر میری جان قربان، نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی بہن کیلئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا: کیا تم اپنی پھوپھی کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا اللہ کی قسم! کبھی نہیں، میں آپ پر قربان، نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی پھوپھی کیلئے پسند نہیں کرتے، پھر پوچھا کیا: تم اپنی خالہ کے حق میں بدکاری کو پسند کرو گے؟ اس نے کہا کہ: اللہ کی قسم کبھی نہیں، میں آپ پر قربان، نبی ﷺ نے فرمایا: لوگ بھی اسے اپنی خالہ کیلئے پسند نہیں کرتے، پھر نبی ﷺ نے اپنا دستِ مبارک اس کے جسم پر رکھا اور دعا کی کہ اے اللہ! اس کے گناہ معاف فرما، اس کے دل کو پاک فرما اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما "**اللّٰھم اغفر ذنبہ وطھر قلبہ وحصن فرجہ**"، راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان نے کبھی کسی کی طرف توجہ بھی نہیں کی۔(۱)

❁ استاذ شاگردوں کو بات مثالوں کے ذریعے ان کے ذہین نشیں کروائے، حضور ﷺ کا طریقہ کار بھی یہی تھا آپ ﷺ مثالوں کے ذریعہ مخاطب کو بات سمجھاتے جس سے اس کو وہ بات آسانی سے سمجھ میں آ جاتی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جہینہ کی ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت

---

(۱) مجمع الزوائد: باب فی أدب العلم، حدیث: ۵۴۳، علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ: اس کو احمد اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ: میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی لیکن وہ حج نہ کرسکی اور مرگئی تو کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! اس کی طرف سے حج کر اگر تیری ماں پر کوئی قرض ہوتا تو کیا اسے ادا نہ کرتی؟ "لو كان على أمك دين أكنت قاضية"، اللہ تعالیٰ کا حق تو اور بھی پورا کئے جانے کا مستحق ہے۔ (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: وہ مومن جو قرآن کریم پڑھتا ہے اس کی مثال ترنج کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی پاکیزہ ہے اور اس کا ذائقہ بھی عمدہ ہوتا ہے اور وہ مومن جو قرآنِ کریم پڑھتا نہیں ہے اس کی مثال کھجور کی سی ہے کہ اس کا ذائقہ تو عمدہ ہوتا ہے؛ لیکن اس کی کوئی خوشبو عمدہ نہیں ہے اور اس فاسق وفاجر آدمی کی مثال جو قرآنِ کریم پڑھتا ہے ریحان کے پھل کی طرح ہے کہ اس کی خوشبو عمدہ ہوتی ہے؛ لیکن اس کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے اور وہ فاجر آدمی جو قرآنِ کریم کی تلاوت نہیں کرتا اس کی مثال حنظل کے پھل کی سی ہے کہ اس کا ذائقہ بھی کڑوا ہوتا ہے اور خوشبو بھی کچھ نہیں ہوتی اور نیک آدمی کے ہم نشین کی مثال مشک والے کی سی ہے کہ اگر تجھے اس مشک میں سے کچھ بھی نہ ملے تو اس کی خوشبو تو تجھے پہنچے گی ہی، اور برے آدمی کے ہم نشین کی مثال دھونکنے والے کی سی ہے کہ اگر اس کی کالک تجھے نہ بھی لگے لیکن اس کا دھواں تو تجھے ضرور پہنچے گا، "إن لم يصبك من سواده أصابك من دخانه"۔ (۲)

❁ استاذ کو چاہئے کہ بات کو سمجھانے کیلئے نقشہ بنانے کی ضرورت پڑے تو نقشہ بھی بنالے اس سے بات کے سمجھنے میں سہولت اور آسانی ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شکل چار خطوط (لکیروں) کی بنائی اور اس میں ایک خط کھینچا جو اس سے باہر نکلا ہوا تھا، اور اس کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی لکیریں اس طرح بنا دیں، جو حصہ اس مربع کے درمیان تھا، اور فرمایا یہ آدمی ہے اور یہ اس کی موت ہے، جو

(۱) بخاری: باب الحج والنذور عن المیت، حدیث: ۱۸۵۲

(۲) أبوداؤد: باب من یؤمر أن یجالس، حدیث: ۴۸۲۹

اس کو گھیرے ہوئے ہے اور وہ خط جو باہر کو نکلا ہوا ہے، اس کی دراز آرزویں اور امیدیں ہیں اور یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں اغراض اور مصائب ہیں، اگر ایک سے بچ کر نکلا تو دوسرے میں پھنسا، اور اس سے نکلا تو پھر کسی اور میں پھنسا، "وإن أخطأه هذا نهشه هذا" (١)

❁ استاذ ضرورت پڑنے پر گفتگو اور اشارے دونوں سے تعلیم دے، اشارے بھی بات کو سہولت کے ساتھ سمجھنے میں مددگار ہوتے ہیں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا (کہ وہ یتیم خواہ اس کا ہو یا کسی اور کا) جنت میں اس طرح ہوں گے یہ کہہ کر آپ ﷺ نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کے ذریعہ اشارہ کیا اور دونوں کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی "وأشار بالسبابة والوسطى وفرج بينهما شيئا" (٢)

❁ استاذ کو چاہئے کہ طلباء کو بغیر کسی سوال یا پیشکش کے علاوہ اہم امور بھی بیان کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ اور فلاں کو کس نے؟ حتی کہ یہ کہتا ہے کہ (بتا) تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب یہاں تک معاملہ پہنچ جائے تو اللہ سے پناہ مانگنا اور خاموش ہو جانا چاہیے، "فليستعذ بالله ولينته" (٣)

❁ استاذ کو چاہئے کہ شاگردوں کو سوالات کرنے پر ابھارے اور ان کو سوالات کرنے کی ترغیب دے اور پھر ان سوالات کا جواب دے، اس طرح بھی طلباء کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم سفر کیلئے روانہ ہوئے، راستہ میں ایک شخص کو پتھر لگا جس سے اس کا سر پھٹ گیا (رات کو جب سو گیا تو) اس کو احتلام ہوا،

---

(١) بخاری: باب فی الأمل وطوله، حدیث: ٦٤١٧

(٢) بخاری: باب فضل من یعول یتیما، حدیث: ٦٠٠٥

(٣) بخاری: کتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، حدیث: ٣٢٧٦

اس نے ساتھیوں سے پوچھا کہ: کیا تم مجھے تیمم کی اجازت دیتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں ہم تیرے لیے تیمم کی کوئی گنجائش نہیں پاتے؛ کیونکہ تجھے پانی کے حصول پر قدرت حاصل ہے؛ لہٰذا اس نے غسل کیا اور مر گیا، جب ہم رسول ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں نے اس کو ناحق مار ڈالا، اللہ ان کو ہلاک کرے جب ان کو مسئلہ معلوم نہ تھا تو ان کو پوچھ لینا چاہیئے تھا؛ کیونکہ نہ جاننے کا علاج معلوم کر لینا ہے "فإن شفاء العي السوال" اس شخص کے لیے کافی تھا کہ وہ تیمم کر لیتا اور اپنے زخم پر کپڑا باندھ کر اس پر مسح کر لیتا اور باقی سارا بدن دھوڈالتا۔(۱)

استاذ ایسے مواقع کی تلاش میں رہے جس سے تعلیم مؤثر ہوسکتی ہے اور پیش آمدہ خاص واقعہ اور اس علمی بات یا حکم کے درمیان ربط پیدا کرے، اس سے بات سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ قیدی لائے گئے اور قیدیوں میں سے ایک عورت کسی کو تلاش کر رہی تھی، اس نے قیدیوں میں اپنے بچے کو پایا، اس نے اسے اٹھا کر اپنے پیٹ سے لگایا اور اسے دودھ پلانا شروع کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ عورت اپنے بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ ہم نے عرض کیا نہیں اللہ کی قسم جہاں تک اس کی قدرت ہوئی اسے نہ پھینکے گی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس عورت کے اپنے بچہ پر رحم کرنے سے زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم فرمانے والا ہے، "الله أرحم بعباده من هذه بولدها"(۲)

- استاذ خشونت اور تیکھا اور سخت رویہ ہر دم اختیار کئے نہ رہے، بلکہ طلباء سے مزاح بھی کیا جاسکتا ہے، جب کہ یہ مزاح حق بات پر مشتمل ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا

(۱) ابوداؤد: کتاب الطھارۃ، باب فی المجروح یتیمم

(۲) بخاری: باب رحمۃ الولد وتقبیلہ ومعانقتہ، حدیث: ۸۶۵۳

اور اس نے نبی ﷺ سے سواری کیلئے درخواست کی، نبی ﷺ نے فرمایا ہم تمہیں اونٹنی کے بچے پر سوار کریں گے، وہ کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! میں اونٹنی کے بچے کو لے کر کیا کروں گا؟ نبی ﷺ نے فرمایا کیا اونٹنیاں اونٹوں کے علاوہ بھی کسی کو جنتی ہیں؟ "وهل تلد الإبل إلا النوق"(١)

اس میں لطیف مزاح ہے کہ اونٹ خواہ وہ مال برداری کے قابل کیوں نہ ہو جائے ہوتا ہے وہ اونٹنی کا بچہ ہی۔

۞ استاذ کو چاہئے کہ بیٹھنے کا انداز بدل کر، بات کو مکرر کر کے کہی جانے والی بات کی طرف طلباء کی توجہ مبذول کروائے۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرہ، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتاؤں؟ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا، اس وقت آپ تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر (سیدھے ہو کر) بیٹھ گئے اور فرمایا سن لو جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا، سن لو! جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی دینا، آپ ﷺ اسی طرح (بار بار) فرماتے رہے؛ یہاں تک کہ ہم نے سوچا کہ آپ خاموش نہ ہوں گے "فمازال يقولها، حتى قلت لا يسكت"(٢)

☆ استاذ کو چاہئے کہ بار بار نام لے کر اور جواب میں تاخیر کے ذریعے طالب علم کی توجہ کو اپنی طرف مائل کرے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک سواری (دراز گوش) یعنی گدھے پر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھا، آپ ﷺ کے اس دراز گوش کا نام عفیر تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالی کا حق اس کے بندوں پر کیا ہے، میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے، فرمایا اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے، کہ اس کی

(١) ترمذی: المزاح، حدیث: ١٩٩١، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔

(٢) بخاری: باب عقوق الوالدین من أکبر الکبائر، حدیث: ٥٩٧٦

عبادت کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ جو شخص اس کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو اس کو عذاب نہ دے، میں نے عرض کیا میں اس بات کی لوگوں کو بشارت دے دیتا ہوں فرمایا بشارت نہ دو، ورنہ وہ اسی پر تکیہ کر لیں گے، اور اعمالِ صالحہ چھوڑ بیٹھیں گے، "لا تبشر هم فيتكلوا" (١)

❁ استاذ شاگرد کی توجہ مبذول کرانے اور بات کو اس کے ذہن و دماغ میں جاگزیں کرنے کیلئے اس کے کاندھے اور ہاتھ کو بھی پکڑ سکتا ہے، جیسا کے حضور اکرم ﷺ کا اس حوالہ سے معمول تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے تشہد اس طرح سکھایا جس طرح قرآن کی سورۃ سکھاتے تھے اور میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں لے لیا (وہ کلماتِ تشہد یہ تھے) :

التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله

(آپ ﷺ اس وقت ہمارے درمیان موجود تھے) جب آپ ﷺ کی وفات ہوگئی تو ہم لوگ السلام على النبي صلى الله عليه وسلم کہنے لگے۔ (٢)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا مونڈھا پکڑ کر فرمایا کہ تم دنیا میں اس طرح رہو گویا تم مسافر ہو یا راستہ طے کرنے والے ہو اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب شام ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کرو، اور جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کرو اور اپنی صحت کے اوقات سے اپنے مرض کے اوقات کیلئے حصہ لے لے، اور اپنی

---

(١) بخاری: کتاب الجهاد، باب اسم الفرس والحمار، حدیث: ٦٥٨٢

(٢) بخاری: باب الأخذ باليدين، حدیث: ١٩٥

حیات کے وقت سے اپنی موت کیلئے کچھ حصہ لے لے، "ومن حیاتك لموتك"(۱)

❁ استاذ کو چاہئے کہ شمار کی جانے والی چیزوں میں پہلے اجمال پھر تفصیل بیان کرے، اس سے طالبِ علم کے ذہن ودماغ میں بات بالکل جاگزیں ہوجاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھو: بڑھاپے سے پہلے جوانی کو، بیماری سے پہلے صحت کو، فقر ومحتاجی سے پہلے مالداری کو، مشغولیت سے پہلے فرصت کو اور موت سے پہلے زندگی کو "وحیاتك قبل موتك"(۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شادی کیلئے عورت کی چار باتیں دیکھی جاتی ہیں، مال، نسب، خوبصورتی، دین، تجھے دینداری کو حاصل کرنا چاہئے (اگر تو نہ مانے) تو تیرے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں گے "فاظفر بذات الدین تربت یداك"(۳)

❁ استاذ اگر کسی باعث شرم وحیاء بات کی تعلیم دینا چاہتا ہو تو اس سے پہلے بطور تمہید اور تقریب کے کوئی بات کہہ سکتا ہے، تاکہ شرم وحیاء کا ازالہ ہوسکے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے لئے ایسا ہی (شفیق اور مربی) ہوں جیسا باپ اپنے بیٹے کیلئے میں تمہیں از راہ شفقت تمام امور کے متعلق تعلیم دیتا ہوں، "انما انا مثل الوالد لولده" مثلاً (جب تم قضائے حاجت کیلئے جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ مت کرو اور تین پتھر استعمال کرنے کا حکم دیا اور گوبر اور ہڈی استعمال کرنے سے اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔(۴)

❁ استاذ کو چاہئے کہ قابل شرم وحیاء امور کی تعلیم میں اشارات وکنایات کا اسلوب اختیار کرے۔

---

(۱) بخاری: باب قول النبیا، کن فی الدنیا الخ، حدیث: ۳۵۰۶

(۲) المستدرك: کتاب الرقاق، حدیث: ۷۸۴۶

(۳) بخاری: باب الأکفاء فی الدین، حدیث: ۵۰۹۰

(۴) ابن ماجة: باب الاستنجاء بالحجارة والنهی عن الروث، حدیث: ۳۱۳

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک عورت نے حضرت نبی ﷺ سے اپنے غسل حیض کے متعلق پوچھا تو آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ اس طرح غسل کرے، فرمایا کہ ایک ٹکڑا (کپڑے کا) مشک سے (بسا ہوا) لے اور اس سے صفائی کر، اس نے عرض کیا کہ اس سے کس طرح صفائی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! صفائی کرلے، تو میں نے اس عورت کو اپنی طرف کھینچ لیا اور کہا کہ اسے خون کے مقام پر پھیر دے "تتبعی بها اثر الدم"(١)

❁ استاذ سے غلطی ہوجائے اور شاگرد متنبہ کرے تو استاذ فوراً اس کو قبول کرے، ٹال مٹول نہ کرے۔

حضرت محمد بن کعب قرظیؒ کہتے ہیں کہ: ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ پوچھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا کچھ جواب دیا، اس آدمی نے کہا: اے امیر المؤمنین! مسئلہ اس طرح نہیں ہے، بلکہ اس طرح ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: تم نے ٹھیک کہا، میری بات غلط تھی اصبت واخطأت "فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ"(٢) اور ہر جاننے والے کے اوپر اس سے زیادہ جاننے والا ہوتا ہے۔(٣)

حضرت خلف بن احمر مشہور امامِ لغت گذرے ہیں، امام احمدؒ ان کے تلامذہ میں سے ہیں لیکن علومِ اسلامی میں مہارت اور زہد وتقوی کی وجہ سے امام صاحبؒ کو اپنے استاذ سے بھی زیادہ عزت ملی، اس کے باوجود امام احمدؒ کبھی ان کے برابر بیٹھنے کو تیار نہیں ہوتے اور کہتے ہیں کہ: آپ کے سامنے بیٹھوں گا؛ کیونکہ ہمیں اپنے اساتذہ کے ساتھ تواضع اختیار کرنے کا حکم ہے۔(٤)

---

(١) بخاری: کتاب الحیض، باب دلک المرأۃ نفسھا إذا تطھرت من المحیض، حدیث: ٨٠٣

(٢) یوسف: ٧٦

(٣) جامع بیان العلم وفضلہ، فصل فی الانصاف فی العلم، ١/١٣١

(٤) تذکرۃ السامع والمتکلم: ٨٧

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے شاگردوں میں سے ہیں، کہتے ہیں کہ: جب میں امام مالکؒ کے سامنے ورق پلٹتا تو بہت نرمی سے کہ کہیں آپ کو بارِ خاطر نہ ہو۔(۱)

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں منقول ہے کہ اپنے استاذ حمادؒ کے مکان کی طرف پاؤں کرنے میں بھی لحاظ ہوتا تھا، امام صاحبؒ خود اپنے صاحبزادے کا نام اپنے استاذ کے نام پر حماد رکھا۔

حضرت قاضی ابو یوسفؒ کو اپنے استاذ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے ایسا تعلق تھا کہ جس روز بیٹے کا انتقال ہوا اس روز بھی اپنے استاذ کی مجلس میں حاضری سے محرومی گوارا نہ کی۔

منتظمین و مہتممین اور معلمین کی خدمت میں

جہاں تک راقم الحروف نے غور کیا، ہمارے انحطاط کا بنیادی سبب یہ ہے کہ رفتہ رفتہ دینی مداس کے تعلیم وتعلم کا یہ نظام ایک رسم بنتا جارہا ہے، اور اس کا اصل مقصد نگاہوں سے اوجھل ہوتا جارہا ہے، اگرچہ ہماری زبانوں پر یہی جملہ رہتا ہے کہ ہماری تمام کاوشوں کا مقصد اصلی دین کی خدمت ہے؛ لیکن بسا اوقات یہ محض گفتار ہی کی حد تک محدود رہتی ہے اور دل کی گہرائیوں میں جاگزیں نہیں ہوتی، اگر یہ مقصد واقعہ ہمارے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہوتا تو اس کی لگن سے ہمارا کوئی لمحہ خالی نہ ہوتا، پھر ہمیں اپنے اسلاف کی طرح ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی کہ ہمارا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تو نہیں، اور ہمارا طرز عمل خدمت دین اور اس کے مقصد کے لئے مفید ہورہا ہے یا مضر؟

اس کے برعکس عملاً ہماری تمام تر توجہات دینی مدارس کے ظواہر پر مرکوز رہتی ہیں اور ان توجہات میں مقصد اصلی کی لگن کا کوئی عکس نظر نہیں آتا، عموماً منتظمین کے عملی مسائل یہ ہوتے ہیں کہ کس طرح مدرسے کی شہرت میں اضافہ ہو کس طرح اس میں طلبہ کی تعداد بڑھے؟ کس طرح مشہور اساتذہ کو اپنے یہاں جمع کیا جائے؟ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ کس طرح عوام میں مدرسے اور اس کے اہل حل وعقد کی مقبولیت میں اضافہ ہو؟ ہمارا طرزعمل

(۱) تذکرۃ السامع والمتکلم: ۸۷

اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ مدارس کے قیام سے ہمارے پیش نظر یہی بنیادی مقاصد ہیں جن کے حصول کی دھن میں ہمارے شب وروز صرف ہورہے ہیں، چنانچہ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے بعض اوقات ایسے ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں جو کسی طرح دین اوراہل دین کے شایان شان نہیں ہوتے، بلکہ بعض اوقات توان مقاصد کے لئے واضح طور پرناجائز ذرائع کے استعمال میں بھی باک محسوس نہیں کیا جاتا، اوراگرکسی مدرسہ کوان مقاصد میں فی الجملہ کامیابی حاصل ہوجائے تو یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ مقصد اصلی حاصل ہوگیا، لیکن طلباء کی تعلیمی، اخلاقی اوردینی حالت کیسی ہے؟ ہم کس قسم کے افراد تیار کرکے اس سے معاشرے کی قیادت کے خواہش مند ہیں؟ اورفی الواقع ہماری جدوجہد سے دین کو کتنا فائدہ پہنچ رہا ہے ،ان سوالات پرغور کرنے اوران کی تڑپ رکھنے والے رفتہ رفتہ مفقود ہوتے جارہے ہیں۔

اس صورت حال کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم ایک مرتبہ زبان سے اپنا مقصد اصلی خدمت دین کوقرار دینے کے بعد عملی زندگی میں اسے بھول جاتے ہیں اوراپنی کوششوں کا تمام ترمحوران ظواہرکو بنالیتے ہیں جو یاتو شرعاً مطلوب ہی نہیں، یا اگر مطلوب ہیں تو اس شرط کے ساتھ کہ ان کو نیک نیتی سے مقصد کا محض ذریعہ قرار دیا جائے، خودمقصد نہ سمجھ لیا جائے۔

اسی طرح اساتذہ کا معاملہ عام طور سے یہ نظرآتا ہے کہ ان کا محورفکر بسا اوقات یہ رہتا ہے کہ ہمیں کونسا مضمون یا کونسی کتاب پڑھانے کے لئے ملے؟ طلبہ پرکس طرح اپنے علمی تفوق کی دھاک بٹھائی جائے؟ وہ کونسے ذرائع اختیار کئے جائیں جن سے طلبہ میں اپنی مقبولیت بڑھے؟ اورپھراس مقبولیت میں اضافہ کی خاطر بسا اوقات یہ بات مدنظرنہیں رہتی کہ طلبہ کے لئے کونسا طرزعمل زیادہ مفید اورمناسب ہے؛ بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ کیا طرزعمل طلبہ کی خواہشات کے مطابق ہے؟ چنانچہ اس کے نتیجے میں اساتذہ اپنے طلبہ کی رہنمائی کرنے کے بجائے ان کی خواہشات کے تابع ہوکر رہ جاتے ہیں اورطلبہ اساتذہ کے پیچھے نہیں چلتے؛ بلکہ اساتذہ طلبہ کی خواہشات کے پیچھے چلنے لگتے ہیں۔

ماضی میں خاص طور پردینی مدارس کی روایت یہ رہی ہے کہ اساتذہ اورطالب علم کا

رشتہ محض ایک رسمی رشتہ نہیں ہوتا تھا جو درسگاہوں کی حد تک محدود ہو، اس کے بجائے ایک ایسا روحانی رشتہ ہوتا تھا جو دائمی طور پر عمر بھر قائم رہتا تھا، استاذ صرف کتاب پڑھانے کی ڈیوٹی ادا کرنے والا معلم نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ ایک شفیق نگراں کی حیثیت رکھتا تھا، جو طلبہ کے نجی معاملات تک دخیل ہوتا تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ طلبہ سلیقہ سیکھتے تھے، ان سے للّٰہیت، ایثار، تواضع اور دوسرے اخلاق فاضلہ اپنی زندگی میں جذب کرتے تھے، اور اس طرح شاگرد اپنے استاذ کے علم وعمل کا آئینہ ہوا کرتا تھا۔

اب رفتہ رفتہ یہ باتیں داستان پارینہ ہوتی جارہی ہیں، اور وجہ وہی ہے کہ استاذ نے اپنا مقصد صرف درسگاہ میں ایک ایسی تقریر کرنے کو بنالیا ہے جسے طلبہ پسند کرسکیں، رہی یہ بات کہ کس قسم کی تقریر ان طلبہ کے لئے زیادہ مفید ہے؟ ان طلبہ کو مفید تر بنانے کے لئے ان کو کن کاموں کا مکلف کرنا ضروری ہے؟ طلبہ کو کونسے رجحانات ان کے علم وعمل کے لئے مضر ہیں؟ ان رجحانات کو کس طرح ختم کیا جاسکتا ہے؟ طلبہ علم درسگاہ سے باہر جاکر کس قسم کی زندگی گزارتے ہیں؟ ان سوالات کے بارے میں سوچنے اور ان مقاصد کی لگن رکھنے والے الا ماشاء اللہ مفقود ہوتے جارہے ہیں۔

اساتذہ کرام کا اصلاحی تعلق

دارالعلوم دیوبند اور اس کے فیض یافتہ دوسرے دینی مدارس کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی تھی کہ انہوں نے صرف ''علم برائے علم'' کو کبھی مقصد نہیں بنایا، چنانچہ وہاں کے تمام طلبہ درسیات سے فراغت کے فوراً بعد کسی شیخ کامل سے اصلاح وتربیت کا تعلق قائم کرتے تھے، آج علماء دیوبند کی فہرت میں جن اصحاب کے اسماء گرامی اپنی علمی کارناموں کے لئے معروف اور ممتاز ہیں وہ سب کسی نہ کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق رکھتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے عہد شباب میں کسی ایسے استاذ کا تصور تقریباً ناممکن تھا جو کسی شیخ کامل سے وابستہ نہ ہو، اس کا نتیجہ تھا کہ اساتذہ صرف علمی استعداد ہی نہیں؛ بلکہ کردار وعلم اور ذہن وفکر کے لحاظ سے اپنے طلباء کے لئے ایک مثالی نمونہ کی حیثیت رکھتے تھے، ان کے

دل للٰہیت کے جذبے سے سرشار، ان کے جذبات پاکیزہ، ان کے اخلاق جلا یافتہ، اور ان کے ذہن دنیا طلبی اور جاہ پرستی کے فتنوں سے پاک ہوتے تھے، اور وہ صرف اللہ کی رضا جوئی کی خاطر درس وتدریس کی خدمات انجام دیتے تھے۔

افسوس ہے کہ اب دینی مدارس اور ان کے فارغ التحصیل حضرات میں اپنی اصلاح وتربیت کے لئے کسی شیخ کامل سے رجوع کرنے کا ذوق ختم ہوتا جارہا ہے، بلکہ بہت سی جگہوں پر سلوک وتصوف اور تربیت وارشاد کے سلسلے کو فضول سمجھ لیا گیا ہے، اسکا نتیجہ یہ ہے کہ طلباء فارغ التحصیل ہونے کے بعد بھی اپنے آپ کو کسی تربیت کا محتاج نہیں سمجھتے اور جب اس ناپختگی کے عالم میں اپنی پختگی کا زعم باطل لے کر عملی زندگی میں داخل ہوتے ہیں، یا دوسروں کی رہنمائی کا منصب سنبھالتے ہیں تو "او خویشتن گم است گرا رہبری کند" کا منظر سامنے آتا ہے۔

ان گزارشات کا مقصد خدانخواستہ تنقید برائے تنقید نہیں؛ بلکہ ان حقیقی مسائل کی طرف توجہ دلانا ہے جن سے ہم دوچار ہیں، اگر مدارس کے اہل حل وعقد ان مسائل کی طرف کما حقہ توجہ دیں تو اب بھی اس صورت حال کا مداوا ہوسکتا ہے، تجربہ یہ ہے کہ ان باتوں کا بار بار تذکرہ کرنے سے بھی اصلاح حال میں مدد ملتی ہے، لہٰذا ہم اہل مدارس سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ تعلیمی سال کے آغاز میں ان مسائل پر غور وفکر کے لئے اساتذہ کی مجلس منعقد کریں جن میں ان حالات کا تجزیہ کر کے ان اسباب کو دور کرنے اور اصلاح کی تدابیر پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔

تجربہ یہ بھی ہے کہ ان حالات کی اصلاح کے لئے اپنے بزرگوں کے حالات اور ملفوظات کا مطالعہ اور مذاکرہ بھی بہت مفید ثابت ہوتا ہے، اس لئے ہماری تجویز یہ ہے کہ ہر مدرسے میں کچھ وقت اس مذاکرے کے لئے مخصوص کیا جائے، اور اس میں علامہ زرنوجیؒ کی "تعلیم المتعلم" علامہ خفاجی کی "تذکرۃ السامع والمتکلم" حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی "ارواح ثلاثہ" شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ

کی ''فضائل علم'' اور ''آپ بیتی'' اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے مختلف مواعظ وملفوظات کا اجتماعی طور پر مطالعہ کیا جائے، ضرورت تو اس کی ہے کہ یہ مذاکرہ روزانہ ہوا کرے، لیکن اگر ایسا کرنا مشکل ہو تو کم از کم ہفتے میں ایک بار پابندی کے ساتھ اس مذاکرے کی مجلس منعقد ہو اور اس میں اساتذہ وطلبہ سب شریک ہوں، امید ہے کہ انشاء اللہ یہ مجلس اصلاح احوال میں نہایت مؤثر ثابت ہوگی، اور اپنے اسلاف کی باتیں بار بار کانوں میں پڑیں گی تو اس سے انشاء اللہ جذبہ عمل خود بخود پیدا ہوگا۔(۱)

نظام حاضری وہدایات برائے معلمین و متعلمین شعبہ عالمیت

شوال کے مہینے میں عربی مدارس میں تعلیم کا آغاز ہوتا ہے، تعلیمی سرگرمیاں شروع ہوجاتی ہیں، اساتذہ وطلبہ رمضان المبارک کے وقفے کے بعد ایک تازہ نشاط کے ساتھ مصروف عمل ہوجاتے ہیں، امت کے یہ دونوں طبقے دین کی ایک بہت اہم خدمت میں مصروف ہیں۔

خدمت علم کی اہمیت کے پیش نظر اس کے آداب وشرائط اور ذمہ داریاں بھی بہت اہم ہیں، اس بات میں نظام حاضری۔

۱) ہر طالب علم کو لازم ہوگا کہ وہ روزانہ اپنے درجہ کے گھنٹوں میں حاضر ہو۔

۲) اگر کوئی طالب علم معذور ہو تو اس کو ایک دن یا اس سے زیادہ کی ضرورت کے لئے ایک درخواست مہتمم دار العلوم کی خدمت میں پیش کرنا ہوگی، درخواست پر ناظر دارالاقامہ (اگر طالب علم دار الاقامہ میں رہتا ہو) ورنہ اس کے سرپرست کی تصدیق ہونی چاہئے۔

۳) دس روز متواتر بلا اجازت غیر حاضری پر طالب علم کا نام دارالعلوم سے خارج کر دیا جائے۔

۴) جو طالب علم اکثر غیر حاضر رہتا ہو، جس کی چال چلن خراب ہوں یا حکم عدولی یا

(۱) ہمارا تعلیمی نظام: ۱۲۶-۱۲۷

گستاخی کرے اس کو مہتمم فہمائش کرے، اگر یہ مؤثر نہ ہوا تو اس کا نام دارالاقامہ یا دارالاقامہ و دارالعلوم دونوں سے خارج کر سکتا ہے اور اگر ضرورت ہو تو آئندہ کے لئے ممنوع الادخال قرار دے سکتا ہے۔

۵) جس طالب علم کا نام دارالعلوم سے خارج ہوگا وہ دارالاقامہ سے فوراً خارج کر دیا جائے گا۔(۱)

۶) آفس میں حاضری رجسٹر رکھا جائے، ہر آنے والے استاذ، نیز ملازمین روزانہ دونوں وقت مدرسہ آتے ہی کسی ایک جگہ رکھے رجسٹر میں دستخط کر کے جائیں، جس دن دستخط نہ ہوں اور درخواست بھی نہ ہو تو تین دن کی تنخواہ وضع کر لی جائے یا پھر کسی معقول عذر کی وجہ سے تاخیر کو معاف کیا جائے۔

۷) اگر مدرس ایک یا دو گھنٹے کے لئے کہیں جائیں تو آفس میں اطلاع دے کر جائیں۔

۸) اگر مدرس زیادہ دیر کے لئے کہیں جائیں تو تحریری درخواست ضروری ہوگی۔

۹) ہر مدرس کی ایک علاحدہ فائل جس میں اس کا معلوماتی فارم ہو اور اس کے متعلق سارے کاغذات اس میں رکھے جائیں۔

۱۰) اساتذہ اپنے درجہ میں خود طلبہ کی حاضری لیں؛ تاکہ ان کو ہر طالب علم کا نام اور شکل وصورت مشخص رہے اور غیر حاضری یا اسباق میں غفلت کی شکل میں اس کو تنبیہ کر سکیں۔

۱۱) اساتذہ خود مؤثر بنیں، بار بار انتظام کے پاس بھیجنا، بھیجنے کی دھمکی دینا، یا اولیاء کو مطلع کرنا، طالب علم میں بے شرمی اور بغاوت پیدا کرتا ہے۔

۱۲) ایک سال میں تعطیلات مقررہ کے علاوہ دس یوم کی رخصت اتفاقی ہوگی، اس سے زیادہ غیر حاضری کی تنخواہ وضع کر دی جائے گی۔(۲)

---

(۱) نصاب تعلیم: ۶

(۲) مدارس دینیہ کے رہنما اصول: ۱۸

۱۳) پندرہ روز سے پہلے گھر جانے کی اجازت نہ ہوگی ناگہانی ضرورت مستثنیٰ ہے۔

۱۴) پندرہ روز میں جمعرات کی دوپہر سے سنیچر کی دوپہر تک رخصت ہوگی۔

۱۵) وقتی ضرورت پر بھی چھٹی مل جائے گی؛ مگر اس کا حساب دس یوم کی رخصت میں ہوگا ہاں بیماری کی چھٹی اس میں محسوب نہ ہوگی۔

۱۶) مسلسل دس پندرہ یوم کی تعطیل مدرسے کی جانب سے نہیں مل سکے گی، تقریب کے موقع پر صرف ۴ / ۵ یوم کی رخصت مل سکے گی۔

۱۷) تعطیلاتِ مقررہ کے علاوہ 15% غیر حاضری ہونے سے مدرسہ آئندہ تعلیمی خدمت سے معذور رہے گا۔

۱۸) مقدار رخصت سے بلا عذر پانچ روز زائد ہوتے ہی مدرسے سے نام خارج کر دیا جائے گا۔

۱۹) ایک ماہ سے پہلے چھٹی لینے کی اجازت نہ ہوگی، جمعرات کی دوپہر سے سنیچر کی دوپہر تک اجازت ہوگی۔

۲۰) کسی وقتی حادثے پر بھی چھٹی مل سکتی ہے۔(۱)

ہدایات برائے اساتذہ (ہردوئی)

۱۔ تعلیمی خدمت کو اپنا فرض منصبی خیال کرنا اور وظیفہ کو انعام خداوندی سمجھنا۔

۲۔ انتظام وظیفہ وانتظام تعلیم کرنے والوں کو اپنا محسن سمجھنا اور ان کے لئے دعائے خیر کرتے رہنا، نیز عامۃ المسلمین کے لئے بھی دعا کا اہتمام کرنا۔

۳۔ طلباء کو بھی اپنا محسن سمجھنا کہ ان کی وجہ سے علمی اور عملی ترقی کا موقع ملتا ہے۔ نیز ان کو اللہ تعالیٰ نے سبب روزی بنایا ہے کہ خدمت دین کے ساتھ روزی کا نظم بھی ہے، ہم خرما و ہم ثواب کا سلسلہ بھی ہے۔

۴۔ طلباء کی عظمت بوجہ مجاہد فی سبیل اللہ اور ضیف رسول اللہ ﷺ ہونے کے کرنا۔

---

(۱) تعلیم وتربیت کس طرح: ۱۷۴

۵۔ مثل اولاد کے طلباء سے شفقت ومحبت کا معاملہ کرنا۔

۶۔ ایسے معاملات سے احتیاط فرمانا کہ طلباء یا منتظمین یا معاونین کی تحقیر ظاہر ہو یا عامۃ المسلمین کے سامنے شکایت و بے وقعتی ہو۔

۷۔ غصہ کی حالت میں تادیب سے احتیاط کرنا۔

۸۔ تادیب ضربی سے حتی الوسع احتیاط فرمانا اور بشرط ضرورت تادیب حدود کے اندر کرنا۔

۹۔ نماز باجماعت ؛ بلکہ تکبیر اولی ، تعدیل ارکان، ادعیہ ماثورہ اور اوقات مقررہ کی پابندی کی تلقین فرماتے رہنا گاہِ بگاہِ نگرانی ازخود کرنا (یہ حق اسلام بھی ہے)

۱۱۔ امارد کو خلوت میں آنے سے سختی سے روکنا۔

۱۲۔ بڑے طلباء سے خدمت کے لئے اجازت منتظم لینا، امارد سے سخت احتیاط اس بارے میں رکھی جائے۔

۱۳۔ طلباء کی عیادت اور ضروری اعانت کا خاص خیال رکھنا۔

۱۴۔ ناغہ سبق کے نقصانات گاہِ بگاہِ بیان کرنا۔

۱۵۔ مطالعہ کی تاکید فرمانا، اسی طرح تاکید مطالعہ سبق کی بھی۔

۱۶۔ قرآن شریف میں ہر ایک کا سبق خود سننا، دیگر جماعتوں میں باری باری سبق پڑھانا، یا ایک دن میں کئی طلباء سے۔

۱۷۔ طالب علم کے سبق کا مدار اپنی تجویز پر رکھنا کہ آج کون پہلے سنائے ، تاکہ سب تیاری کر کے لائیں۔

۱۸۔ طلباء کی شرارت اور بے ادبی پر صبر وتحمل کا اہتمام چاہیے اور اس وقت کفار مکہ کے حالات کو سامنے رکھ کر اسوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سونچا جائے بعد شفاءِ غیظ مناسب طریقہ اصلاح کا تجویز کیا جائے ،فہمائش یا تادیب۔

۱۹۔ کسی کے توجہ دلانے پر اپنی غلطی یا عملی کمزوری ظاہر ہو تو اس کا ممنون ہونا چاہیے۔

۲۰۔ ظہورِ غلطی پر اس غلطی کی تلافی کی فکر کرنا چاہئے، اس سے عظمت بڑھتی ہے

۲۱۔ تعلیم المتعلم کا مطالعہ میں رکھنا۔(۱)

۲۲۔ اس کی کوشش کرے کہ استاذ جب بنے کہ اپنی اصلاح کسی شیخ کامل سے کرا چکا ہو اور ماتحتوں کو ان کی نظر سے دیکھے اور طلبہ کے اخلاق کی نگرانی اور ان کی اصلاح کو مدنظر رکھے۔

۲۳۔ طلباء سے خدمت نہ لے اگر ضرورت پڑے تو کام میں آسانی کا خیال رکھے، خود مدد کرے یا کسی اور سے مدد کرائے۔

۲۴۔ شاگردوں کا ممنون رہے کہ ان لوگوں نے اپنے کو تمہارے سپرد کیا ہے تم اپنے دین کی کھیتی باڑی میں خوب شوق سے کام کرو۔

۲۵۔ متعلمین کو ایک نظر سے دیکھے اور یکساں برتاؤ رکھے؛ تاکہ کسی متعلم کے دل میں حسد یا رنج نہ پیدا ہو اور بدگمانی نہ ہو کسی کے ساتھ کچھ خاص معاملہ کرنا ہو تو اس کو مع اس کی وجہ کے اوروں پر صراحۃً یا یا اشارۃً ظاہر کردے۔

۲۶۔ تعلیم میں دنیا پیش نظر نہ ہو؛ بلکہ دین مدنظر ہو۔

۲۷۔ حیاء اور وقار سے رہے؛ تاکہ یہ اخلاق متعلمین میں پیدا ہوں؛ کیوں کہ حیاء ایمان کے درخت کی بڑی شاخ ہے، اگر یہ پیدا ہو جائے گی تو دین کے بہت سے کاموں کی پابندی کرلیں گے؛ مگر وقار سے مراد کبر نہ سمجھے۔

۲۸۔ کچھ دیر تک خلوت میں فراغت کے وقت رہے اور اس میں اپنے نفس سے محاسبہ کرے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے اوامر میں کیا کیا پورا کیا اور نواہی میں سے کس کس کو چھوڑا اور تعلیم میں اور تربیت میں کیا کیا کوتاہیاں ہوئیں اور کیا کیا سرانجام ہوئیں، مرضیات خداوندی کے بجالانے پر تہہ دل سے شکریہ ادا کرے؛ تاکہ موافق وعدہ خداوندی "لئن شکرتم لازیدنکم" اور ترقی ہو، اور ارتکاب معاصی پر دل

(۱) مجالس ابرار، تحفہ مدارس: ۲/ ۱۱۱

سے توبہ واستغفار کرے؛ تا کہ بشارت یعنی ”طوبی لمن وجد فی صحیفته استغفارا کثیرا“ میں داخل ہو اور کوتاہیوں کو دفع کرنے کی دل وجان سے کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ سے بصد عاجزی والحاح التجا کرے کہ مرضیات بجالانے کی توفیق عنایت فرمائیں اور نامرضیات سے اجتناب نصیب فرمائیں اوراسی پرعمر بھر قائم رکھیں اوراسی پر خاتمہ فرمائیں ”وما ذلك علی الله بعزیز“ خلاصہ یہ ہے کہ کچھ دیر تک ضرور خلوت اختیار کرے اور مذکورہ بالا کاموں کو بجالائے تا کہ نور باطن نصیب ہواور بہت سی آفتوں سے نجات ہو۔

۲۹۔ خلوت بالامرد سے بہت اجتناب کرے اور امرد خوبصورت سے بہت ہی سخت اجتناب کرے ہرگز ان کے ساتھ خلوت نہ کرے اورجلوت میں بھی ضرورت سے زیادہ بات چیت نہ کرے نہ ان کی طرف قصدا دیکھے اورنہ ان کی بات نفس کے تقاضہ سے سنے؛ کیوں کہ امرد پرستی کا مرض اسی طرح پیدا ہوتا ہے کہ پہلے بالکل پتہ نہیں چلتا اور جب جڑ مضبوط ہوجاتی ہے تب پتہ چلتا ہے کہ اس وقت کنارہ کشی امرد سے بہت دشوار ہوگئی ہے۔

اپنی پاکدامنی پر ناز نہ کرے، کہ میں بھلا اس مرض میں کہاں مبتلا ہوسکتا ہوں حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ”إن النفس لأمارة بالسوء“ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ نے امام محمد رحمہ اللہ کے رخ پر جب تک وہ امرد تھے نظر نہ ڈالی، حضرت حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں دنیا میں سوائے نفس کے کسی سے نہیں ڈرتا تو ہم تم اپنے پاک ہونے پر کیا ناز کرسکتے ہیں۔

۳۰۔ طلبہ کی صحت کے لئے اوران کی فراغت کے لئے برابر دعا کیا کرے؛ تا کہ اپنے دین کی کھیتی کرسکے۔

۳۱۔ اگر طلباء سے کوئی بات خلاف طبیعت پیش آئے اور باعث ملول ہوتو یہ خیال کرے کہ ان سے دین کا نفع مجھ کو بہت ہورہا ہے، اور معاف کردینے سے اور بھی اللہ

میاں کے یہاں قرب بڑھے گا۔(۱)

ہدایات برائے طریقہ تعلیم

۱۔ جہاں کتاب نہ سمجھ میں آئے تو باتیں نہ بنائے؛ بلکہ صاف کہہ دے کہ اس وقت میری سمجھ میں نہیں آتا ہے، دوسرے وقت کتاب دیکھ کر یا کسی سے پوچھ کر بتاؤں گا جب معلوم ہو بتلا دے۔

۲۔ اگر شاگرد کوئی بات بیان کرے اور وہ حق ہو تو بلا تکلف فوراً مان لے، ٹال مٹول نہ کرے۔

۳۔ پڑھائے گئے سبق کی بہت نگرانی کرے۔

۴۔ پڑھانے کے وقت نہ اوروں سے باتیں کرکے ان کا نقصان کرے اور نہ ان کو فضول باتیں جو کتاب سے متعلق نہ ہوں بتلا بتلا کر ان کا حرج کرے۔

۵۔ ہر کتاب پڑھنے کا جو نفع ہو اتنی لیاقت پیدا کرا کر تب اگلی کتاب شروع کرادے۔

۶۔ ان کے ہر فضول سوال کا جواب نہ دے؛ بلکہ اگر فضول سوال ہو تو ان کو ڈانٹے اور سزا دے۔

۷۔ اس کا خیال رکھے کہ سوال سے زیادہ جواب نہ دیں جتنی باتوں کا سوال ہو اتنا ہی جواب دیا کریں۔

۸۔ نیچے کی کتابوں میں اوپر کی باتیں نہ بتادے اس سے طالب علم پریشان ہوگا اور جو ضروری باتیں کتاب کے سبق میں ہوں گی انہیں بھی نہ یاد کر سکے گا۔

۹۔ پڑھاتے وقت ہر طالب علم کی طرف توجہ کرے تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔

۱۰۔ ہر کتاب کا خلاصہ بیان کردے، خصوصاً جو سبق ہوا اور گذشتہ سبق کو اختصاراً بیان کردیا کرے؛ تاکہ طالب علموں کو خلاصہ کتاب سے آگاہی ہو جایا کرے اور یادداشت میں سہولت وآسانی ہوجائے اور روزانہ سبق میں یہ بیان کردیا جائے

(۱) مجالس ابرار، تحفہ مدارس: ۲/۱۲۶

کہ آج کے سبق میں یہ فلاں فلاں باتیں یاد کرنے کی ہیں اور خلاصہ ان کا یہ ہے کہ طالب علم کثرت مضامین سے گھبرائے نہیں اور مضامین ذہن میں محفوظ رہیں اور ہر کتاب اور ہر سبق کے نئے مضامین پر انہیں مطلع کردے اور ہدایت کردے کہ نئے مضامین کو الگ نوٹ کر کے یاد کریں۔

۱۱۔ کتابوں میں جو مسائل کی مثالیں ہیں انہیں پر کفایت نہ کرے؛ بلکہ اور بہت سی مثالیں صحیح وغلط بنا کر انہیں دکھادے اور صحیح وغلط کی ان سے تمیز کرادے، مثلا ”دخلت فی المسجد“ میں اعراب ان سے دلوادے یا خود اعراب دے کر ان سے تصحیح کرادے؛ تاکہ مسائل کی خوب مشق ہوجائے۔

۱۲۔ طالب علموں کو مطالعہ کرنے کا سبق یاد کرنے کا آموختہ کی نگرانی کا طریقہ سکھلائے، اگر اس کی پابندی نہ کریں، تنبیہ کرے اور بغیر طریقہ بتائے ہوئے مارنا ظلم ہے۔

۱۳۔ جس فن سے مناسبت نہ ہو وہ طلبہ کو نہ پڑھائیں اگرچہ ان کے سرپرستوں کی تاکید ہو؛ کیوں کہ وہ فن پڑھانا ان کا وقت ضائع کرنا ہے۔

۱۴۔ اخلاق رذیلہ وجمیلہ کے امثال قرآن وحدیث سے چھوٹے چھوٹے جملے نکال کر معرب مبنی اعراب عامل معمول وغیرہ کی مشق کرادیں؛ تاکہ قواعد کی بھی مشق ہوجائے اور ادب بھی آجائے اور حدیث کا علم بھی ہوجائے اور حدیثیں ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائیں۔

۱۵۔ مسائل وقواعد کی تقریر طلبہ سے کرادے؛ تاکہ ان کی زبان کھلے۔

۱۶۔ بغیر مطالعہ سبق نہ پڑھائیں؛ مگر مطالعہ کرنے کا امتحان کرلیں اس طرح پر کہاں تک پڑھو گے، اگر ایسی جگہ بتائے جہاں پر بات تمام ہونے کو ایک جملہ باقی ہو یا سوال کرلے کسی مسئلہ کی علت کا جو بعد میں بیان ہوا گر وہ کچھ نہ بولے تو سمجھو کہ اس نے مطالعہ نہیں دیکھا، یا دیکھا ہے، مگر بغیر غور وفکر کے۔

۱۷۔ تھوڑا پڑھائیں؛ مگر مطالعہ خوب کرادیں، یہ نہ خیال کریں کہ زیادہ زیادہ پڑھائیں،

کتاب جلد ختم ہوجائے؛ کیوں کہ کتاب ہی ختم کرا کرکیا کریں گے، جب سمجھیں گے نہیں یا یاد نہ رکھیں گے اور یہ بھی نہ خیال کریں کہ دوسری کتاب میں سمجھالیں گے؛ کیوں کہ شاید دوسری کتاب پڑھنے کا موقعہ نہ ملے اور یہ مثل پیش نظر رکھیں کہ جو تھوڑا پڑھتا ہے وہ تھوڑے دن میں پڑھتا ہے اور جو زیادہ پڑھتا ہے وہ زیادہ دن میں پڑھتا ہے، وجہ ظاہر ہے کہ جو زیادہ پڑھے گا وہ مطالعہ ٹھیک طور پر کرے گا اور نہ آموختہ کی نگرانی کر سکے گا، نہ اچھی طرح سمجھے گا اور آموختہ کا اختصار ان سے بیان کر دے گا اور اس کا اکثر ان سے سوال کرلیا کرے یہاں تک کہ آموختہ ازبر ہوجائے۔

۱۸۔ استاذ کو چاہئے کہ صرف میں جو افعال باعتبار صحیح مہموز و معتل وغیرہ کے گیارہ قسم پر ہیں ہر ایک کی ایک ایک گردان صرف صغیر کی ایک ایک گردان صرف کبیر کی خوب یاد کرادیں، اور ان کی تعلیلیں خوب مشق کرادیں اور اشعار عربیہ دعائیہ وصلواتیہ یاد کرادیں؛ تاکہ ادب بھی آجائے اور دعا ودرود جو مغز عبادت ہے یہ بھی حاصل ہوجائے اور انہیں جب ذوق وشوق ہو تب ان اشعار کو پڑھ کر دعا بھی مانگ لیں اور علم نحو میں عامل معمول کی خوب مشق کرادیں؛ کیوں کہ اس کی مشق کی بہت ضرورت ہے۔(۱)

۱۹۔ کسی طالب علم کے متعلق ایسے طالب علم کا سبق نہ کرے کہ ان دونوں میں یارانہ اور دوستانہ تعلق ہونے کا احتمال ہو، اگر غلطی اس خیال میں ہوگئی کہ سمجھا تھا کہ نہ ہوگی ؛مگر ہوگئی تو بعد علم فوراً ان کا تعلق سبق وغیرہ کا چھڑا دے اور ان کو آپس میں بات چیت سلام وکلام سے منع کردے، اگر یہ علاج کام نہ کرے تو ایک کو نکال دے، اگر گندہ تعلق معلوم ہوجائے تو دونوں کو نکال دے۔

۲۰۔ اگر شاگرد مغموم ہو اور استاذ کو معلوم ہو کہ یہ اس خیال سے غمگین ہے کہ میں ناخوش

(۱) مجالس ابرار، تحفۃ المدارس: ۲/ ۱۳۳

ہوں یا اس کی طرف سے میرا گمان برا ہے اور واقع میں استاذ جی کے دل میں کچھ نہ ہوتو شاگرد پر اظہار کردے کہ میرے دل میں کچھ نہیں ہے؛ تا کہ اس کا غم جاتا رہے۔

۲۱۔ خود آزاد رہے اور انہیں بھی آزاد رکھے یعنی تعلیم وتربیت واصلاح کا تعلق تو رہے اور خوب دل سے رہے، اس کے علاوہ اپنے کسی کام کی وجہ سے ان کی آزادی میں خلل نہ ڈالے اور نہ ان کے کام کی وجہ سے اپنی آزادی میں خلل ڈالے، اپنے کام کے واسطے ان کو مجبور نہ کرے اور نہ ان کے کام کے واسطے خود مجبور ہو، اپنی مصلحت کے خلاف نہ ہو اور ان کا بھلا ہو تو کردے اور اپنا بھلا ہو اور ان کی مصلحت کے خلاف نہ ہوتو کرالے، جیسے بہشت میں لوگ رہیں گے ویسے ہی رہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ مدرسہ کے مدرسین کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جو کتاب آپ کو سپرد کی گئی اس کے مصنف کو ایصال ثواب کرنا چاہئے ،اگر ایک قرآن کریم مکمل پڑھ کر بخش دیا جائے تو انشاء اللہ زیادہ فائدہ ہوگا، باوضو رہنے کا اہتمام کریں، پہلے زمانہ میں قدوری کے ساتھ یہ معاملہ کیا جاتا تھا کہ حاملہ عورت کو جب ولادت کا وقت قریب ہوتا اور دردزہ شروع ہوتا تو اس کے سرہانے قدوری رکھ دی جاتی تھی اس کی برکت سے ولادت بہت سہل ہوجاتی، اور جو کتابیں پڑھانا شروع کریں تو اس کے مصنف کے حالات مختصر طلبہ کے سامنے بیان کردیا کریں، سن ولادت، سنِ وفات، فقہی مسلک، اہم اساتذہ، اہم تلامذہ، کتاب کی خصوصیات بیان کردیا کریں''(۱)

اور ایک جگہ مدرسین کو تدریس کے سلسلے میں نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مصنف کتاب کو وقتاً فوقتاً ایصالِ ثواب کریں، باوضو رہیں، سبق میں

(۱) تربیت الطالبین: ۲۶۳

جانے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھ لیں تو بہتر ہے، معمولات کی پابندی کریں، یہی ترقی کا زینہ ہے، طلبہ پر خاص طور سے اور مخلوق پر عام طور پر شفقت رکھیں، مہربانی کا معاملہ کریں، ان کو اپنا محسن تصور کریں، غلطیوں اور کوتاہیوں پر صبر وتحمل کریں'' (۱)

اور ایک جماعت نئے فارغین کو جو آئندہ مصروفِ تدریس ہوں گے نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۱۔ عہدہ طلب نہ کرنا کہ مجھے یہ کتاب پڑھانے کے لئے دو وغیرہ۔

۲۔ پیسے مت مانگنا کہ میری تنخواہ اتنی کردو۔

۳۔ اگر کوئی کہے کہ یہ لائق نہیں تو دل سے اس کا اقرار کرنا اور کہنا کہ ہاں بھئی میں تو بالکل لائق نہیں؛ مگر مدرسہ والوں نے بٹھا دیا ہے، اللہ مجھے اس کی لیاقت دے او رکتب کا حق ادا کرائے۔

۴۔ کوئی طالب علم سوال کرے تو شفقت سے اس کا جواب دینا اگرچہ وہ اس طعن سے سوال کرتا ہو۔

۵۔ کسی جگہ کتاب سمجھ میں نہ آئے تو دو رکعت صلاۃ الحاجت پڑھ کر دعا مانگنا اور مصنف کتاب کو ایصال ثواب کرنا بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

۷۔ طلبہ سے خدمت نہ لینا، حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ میں اپنے کسی مرید یا شاگرد سے خدمت لینا حرام سمجھتا ہوں۔

۸۔ طلبہ سے اختلاط نہ ہونا چاہئے، اسلئے کہ اس میں مختلف اغراض سے لوگ آتے ہیں۔

۹۔ طلبہ کا احسان مانو کہ انہوں نے اپنے قلوب کی زمین تمہارے علم کے لئے ہموار کی ورنہ تمہارا علم یونہی رہتا، تمہارا ان پر احسان نہیں۔

---

(۱) حوالہ سابق: ۲۶۴

۱۰۔ طلبہ مختلف اغراض سے اشکال کرتے ہیں کوئی اپنے کونمایاں کرنے کے لئے کوئی استاذ کو دق کرنے کے لئے وغیرہ مگر سب کا جواب علی اسلوب الحکیم دینا، مناظرہ نہ کرنا۔

۱۱۔ مصنف کو تین مرتبہ قل ھو اللہ پڑھ کر ایصال ثواب کرتے رہنا۔

۱۲۔ اگر کوئی بات سبق میں غلط کہہ دی جائے تو اس سے رجوع کرنے میں تأمل نہ کرنا۔

۱۳۔ سبق کی مشغولیت کی وجہ سے ذکر وغیرہ معمولات کو ترک نہ کرنا۔

۱۴۔ مطالعہ کے بغیر کوئی کتاب نہ پڑھانا۔(۱)

---

(۱) تربیت الطالبین:۲۹۶

اکابر کا اندازِ تدریس

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا طرز تدریس

آپ قوت اجتہاد، قابلیت استنباط، خوبی تطبیق وارتباط، جودت ذہن، اتقان وعدالت، حافظہ وثقاہت، تقدس وتبحر، تقاریر وسلامت بیانی، فراست وہمہ دانی، حلم ورفق، لطف وشفقت، خندہ روئی وکرم گستری، مسکین نوازی اور طلبہ کی گستاخ وبیجا حرکات پر صبر وتحمل، حضرت کے درس حدیث میں یہ خاص برکت تھی کہ مضمون حدیث سن کر اس پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہوتا تھا، یہ خاص روحانی اثر تھا کہ یہ تحدیث کتابی نہیں بلکہ حضرت اقدس سرہ کے دل صفا منزل کے سامنے ایک آئینہ لگا ہوا ہے جس میں صاحب حدیث علیہ السلام کے انوار کا عکس پڑتا ہے، اس کا انعکاسی تجلی سے حضرت اپنے طلبہ کو متمتع فرما رہے ہیں، آپ کی تدریس میں ایسا محویت کا عالم ہوتا تھا کہ بے اختیار دل خواہش کرتا کہ کاش تقریر کا سلسلہ دیر تک ختم نہ ہو، حضرت کی تقریر سلیس عام فہم ہوتی تھی کہ پاس بیٹھے ہوئے عامی لوگوں کو بھی حرفا حرفا سمجھ میں آتی اور دل کے کواڑ کھولتی چلی جاتی تھی، اسناد حدیث کے متعلق پوری تحقیق فرماتے، اختلافات احادیث اور تعارض کے متعلق مختصر مگر جامع تطبیق فرماتے تھے۔تقریر میں ایک یہ عجیب کرامت تھی کہ وسیع تقریر اور بلیغ تحقیق کی طرف دیکھا جاتا تو خیال ہوتا تھا کہ سبق بہت کم ہوا؛ لیکن اوراق

وصفحات شمار کئے جاتے تو حیرت ہوتی کہ اس قدر سبق کیوں کر ہو گیا، آپ کی تقریر کے بعد حواشی بالکل نکمے معلوم ہوتے تھے، اور یوں خیال ہوتا کہ جب رسول مقبول ﷺ یا آپ کے صحابی نے اس حدیث کو بیان فرمایا ہوگا تو ہمارے حضرت وہیں کسی جگہ کھڑے سن رہے ہوں گے۔

حضرت امام ربانیؒ صحاح میں سب سے پہلے عموماً ترمذی شریف شروع کراتے تھے، اور ما لہ و ما علیہ کی تحقیق کے ساتھ واضح تقریریں فرما کر طلبہ کے ذہن نشین کر دیا کرتے تھے، ہر ہر حدیث کا ترجمہ اور معنی مطلب سلیس اور عام فہم الفاظ میں بیان فرماتے اور نفس مطلب کو ایسا کھول دیا کرتے تھے کہ گوشت یا پوست اور چھلکے سے مغز اور گودے کو نکال کر سامنے رکھ دیا اور اس کے بعد احادیث کا باہم یا حدیث کا کسی آیت قرآن سے تعارض ہوتا تو اس کا دفع فرماتے اور مطابقت اور موافقت ظاہر فرماتے تھے، بقدر ضرورت اسماء الرجال ذکر فرماتے اور اس کے بعد حدیث کی بات سے مناسبت بیان کرتے تھے، باہم عبارت اور سیاق وسباق میں ارتباط مخفی ہوتا تو اسکو کھولتے اور ایک مضمون کو دوسرے مضمون سے ربط دیتے تھے، اگر کوئی حدیث دیگر کتب حدیث کے معارض ہوتی تو ان کو بھی تطبیق دیتے ، اصول حدیث اور اصول فقہ اور عبارات کے اشارات بھی بیان فرماتے تھے، مشکل مقامات کو متنبہ کر کے کئی کئی بار بیان فرماتے اور اس پر اگر طلبہ مکرر پوچھتے یا بیجا سوال اور اپنی غلطی پر ناحق اصرار کرتے تو ہرگز چیں بجبیں نہ ہوتے۔

ترمذی شریف کے ختم ہونے پر صحاح کی دوسری کتابیں ہوتی تھیں، ان کتابوں کے درس میں حدیث کا ترجمہ نہ ہوتا تھا صرف جو حدیث نئی یا

مؤلف کی عبارت آتی، اس کی توضیح مثل بیان گذشتہ فرماتے اور باقی حدیثوں کی قراءت پر اکتفا فرمایا کرتے تھے۔

حضرت امام ربانیؒ تو ہر وقت ہی باوضو رہتے تھے؛ مگر درس کے وقت خصوصیت کے ساتھ اس کا اہتمام فرماتے تھے کہ ابتداء سے انتہا تک ایک حرف بلا وضو نہ ہونے پائے اور باضو رہنے کی طلبہ کو صراحۃً وکنایۃً تاکید فرماتے تھے، اسی طرح آپ کی پیشانی ہر وقت خندہ تھی اور آپ ہنس مکھ رہتے تھے، ہر شخص کے ساتھ خلق سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ پیش آتے تھے، مگر پڑھاتے وقت تو طلباء سے بالکل بے تکلف اور ظریف الطبع ہوجاتے۔(۱)

حضرت امام ربانی قدس سرہ کا درس کچھ عجیب ہی درس تھا، ہمیشہ طلبہ کی استعداد کے موافق کلام کرتے اور ہر شاگرد کی قابلیت اور سمجھ کے انداز پر گفتگو فرماتے تھے، اس میں شک نہیں کہ آپ کا درس اس زمانہ کے تمام اساتذہ میں طلبہ کے لئے سب سے زیادہ نافع اور مفید تھا، عقدہائے مشکلہ اور عبارات مغلقہ کو بسہولت حل کرتے اور سہل ترین الفاظ میں سمجھا دیا کرتے تھے، حدیث سے مسائل کا استنباط اور استخراج فرماتے اور مذاہب بیان کیا کرتے تھے، دوسرے مذہب کی کافی تقریر فرما کر امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی ترجیح بیان فرماتے اور شافی دلائل وبراہین سے اس درجہ مدلل فرماتے تھے کہ شمس فی نصف النہار روشن ہوجاتا۔

کسی طالب علم کی زبان سے کسی محدث پر اعتراض یا تنقیص شان کا کلمہ سنتے تو چہرہ پر کراہت کا اثر پیدا ہوتا اور دوران سبق بجائے ترجیح مذہب حنفیہ مذاہب دیگر امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ کی وجوہ ترجیح بیان فرمانے لگتے، تاکہ طلبہ کو محدثین کے ساتھ حسن ظن پیدا ہوجائے اور جہاں یہ بات پیدا ہوگئی تو ترجیح حنفیہ کی طرف متوجہ ہوجاتے۔(۲)

---

(۱) تذکرۃ الرشید: ۸۸۔۸۹۔۹۰ طبع قدیم، بلالی سٹیم سادھورہ میں طبع ہوئی

(۲) تذکرۃ الرشید: ۹۲

حضرت خلیل احمد سہارنپوریؒ کی درسی خصوصیات

حضرت مولاناؒ کا درس وتدریس میں ایک نظریہ تھا وہ پورے سال یکساں طور پر پڑھنے کا تھا، بہت سے مدرسین کا جو یہ قاعدہ ہے کہ شروع سال میں طویل طویل بحث کرتے اور میں کتاب پوری کرنے کی خاطر ورق گردانی اور مختصر بحث کر کے کورس پورا کر دیتے ہیں، ایسے قاعدے اور طرز تعلیم کے آپ مخالف تھے، فرماتے بھی تھے، اور خود اپنے دور درس وتدریس میں اس توازن اور یکسانیت پر عمل بھی کیا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب زید مجدہ ارشاد فرماتے ہیں،:

میرے حضرت اس کے شدید مخالف تھے کہ ابتداء میں لمبی تقریریں کی جائیں اور آخری رمضانی حافظ کی طرح ورق گردانی کی جائے، اس سلسلہ میں حضرت قدس سرہ نے اکابر مدرسین کو مجمع میں ڈانٹا ہے کہ مجھے یہ طرز بہت ناپسند ہے، میرے حضرت قدس سرہ کے یہاں جب تک ترمذی شریف، بخاری شریف مستقل ہوتی رہی اور صبح کے پہلے دو گھنٹوں میں سبق تھا، ماہ صفر کے کسی حصہ میں ترمذی شریف ختم ہو جاتی تھی، اس کے ختم ہونے کے بعد اس کی جگہ بخاری شریف شروع ہو جاتی تھی، اول کے چند ایام چھوڑنے کے بعد حضرت قدس سرہ جب سبق شروع کراتے تو جہاں سبق کے شروع کا نشان رکھا ہوا ہوتا تھا سبق کے شروع میں اس نشان کو نکال کر اور پانچ ورق گن کر پانچ ورق کے بعد وہ نشان رکھ دیتے تھے، مجھے بڑی حیرت ہوتی تھی کہ اور بارہا اس کو بہت غور سے دیکھا کہ دوسرے گھنٹے کے ختم پر وہ پانچ ورق بھی ختم ہو جاتے نہ تو کبھی گھنٹہ بچتا نہ کبھی ورق بچتا، میں بہت کثرت سے اس منظر کو غور کرتا رہا، اس میں احکام کے ابواب بھی آتے تھے، اور رقاق وآداب کے بھی آتے تھے، تقریر بھی کم وبیش ہوتی تھی؛ لیکن ان پانچ ورقوں میں تخلف نہیں ہوتا تھا۔(۱)

حضرت شاہ اسعد اللہ صاحبؒ کی درسی خصوصیات

یہاں بطور تذکیر کے حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ ناظم اعلی جامعہ

---

(۱) حیاتِ خلیل: ۲۵۸، مکتبہ یحیوی سہارنپور

مظاہر العلوم سہارنپور کے درسی خصوصیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱) تمام علوم وفنون میں مستحضر ہونے کے باوجود آپ جو سبق بھی پڑھاتے، پہلے اس کا مطالعہ ضرور فرماتے، خواہ چند ہی منٹ مطالعہ فرمائیں، بغیر مطالعہ آپ کوئی سبق نہیں پڑھاتے تھے، اور طلبہ کو بھی اس کی تاکید فرماتے کہ بلا مطالعہ سبق ہرگز نہ پڑھیں، مطالعہ میں درسی مباحث کے اقوال ودلائل اور حوالجات پر نظر ضرور ڈالتے، خواہ آپ کو وہ سب چیزیں یاد ہوتیں۔

۲) سبق کا گھنٹہ شروع ہوتے ہی بلا تاخیر آپ درسگاہ میں پہنچ جاتے، اور طلبہ کی حاضری لے کر فورا سبق شروع کروادیتے، اور گھنٹہ ختم ہوتے ہی سبق ختم ہوجاتا، اگر کوئی بحث ناتمام رہ جاتی تو اگلے دن اس کو ابتداء سے انتہا تک مکمل فرماتے۔

(۳) عبارت کی صحت ودرستگی پر بہت زور دیتے، نحوی قواعد کے اعتبار سے بھی اور تلفظ وادائیگی کے اعتبار سے بھی ان کے یہاں عبارت کا صحیح ہونا انتہائی ضروری تھا، خصوصا حدیث کی عبارت میں قواعد نحویہ وصحتِ تلفظ کے ساتھ قواعد تجوید کی رعایت بھی ضروری تھی، ہمزہ وصلی کو درج کلام میں گرانا اور نون قطنی کا تک پڑھنا ضروری تھا، اس کے علاوہ صحابہ کرام کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہم صاف صاف کہنا، اور رسول اللہ ﷺ کے ذکر شریف پر درود پاک صحیح صحیح اس طرح پڑھنا ضروری تھا کہ سننے والے کو محسوس ہو کہ پڑھنے والا درود پاک سے لطف اندوز ہورہا ہے، آپ تنبیہ فرماتے کہ رسول اللہ، نبی اللہ اور آپ کا اسم گرامی کو بہت ہی صحت وادب وعظمت کے ساتھ اس طرح والہانہ انداز میں ادا کریں کہ اس کی لذت وحلاوت محسوس ہونے لگے، اسی طرح درود پاک بہت ہی مزے لے لے کر پڑھا کریں، بار بار تنبیہ کے باوجود بھی طلبہ عبارت میں غلطیاں اور اصول کی خلاف ورزیاں کرتے تو آپ ناراض ہوجاتے، بعض مرتبہ آپ اتنے متاثر ہوتے کہ سبق بند کردیتے، پھر جب کوئی ایک طالب علم عرض کردیتا، حضرت معاف فرمادیجئے تو فورا

خوش ہوجاتے، معلوم ہوتا کہ ناراض ہی نہ تھے، اور پوری شفقت کے جذبہ کے ساتھ سبق شروع فرمادیتے، عبارت پڑھوائی، اس نے بھی غلط پڑھی، آپ خفا ہوکر کمرہ میں چلے آئے ہیں، میں فورا پیچھے پیچھے آیا اور عرض کیا حضرت ہمیں معاف فرمادیجئے، آپ اس لفظ کو سنتے ہی راضی ہوگئے، اور درسگاہ میں واپس تشریف لے آئے، اسی اہتمام کی وجہ سے آپ کے سامنے عبارت پڑھنے کی طلبہ ہمت نہ کرتے تھے؛ بلکہ بعض فضلاء واساتذہ جو سبق میں اجازت لے کر شامل ہوجاتے عبارت پڑھنے کی ان کو بھی ہمت نہ ہوتی، بندہ کو یہ بات پہلے سے معلوم تھی، دورہ حدیث کے سبق میں اسی ارادہ سے کہ حضرت اگر ماریں گے بھی تب بھی عبارت ضرور پڑھا کروں گا، اول ہی دن سے عبارت پڑھنی شروع کی، اور آخری دن تک پڑھتا رہا، طحاوی شریف کی اکثر عبارت، ابوداؤد کی اکثر عبارت، اور موطا امام محمد شریف کی پوری عبارت، الحمد اللہ بندہ ہی نے پڑھی تھی، درمیان میں بہت سے طلبہ نے شروع کی، اور نباہ نہ سکے، میرے ساتھ مولوی عبدالکریم صاحب آسامی نے البتہ کافی دنوں تک عبارت پڑھی تھی، حضرت شیخ کے درس بخاری شریف میں بھی سہ ماہی امتحان تک عبارت پڑھی تھی، لیکن عبارت اسی انداز میں پڑھتا تھا جو حضرتِ والا کے درس میں سیکھا تھا، حضرت شیخ رحمہ اللہ نے سہ ماہی کے بعد فرمایا: او قاری صاحب ہمارے یہاں تو عبارت رواں دواں ہوتی ہے، تیرے بس کی نہیں، چنانچہ بخاری شریف کی عبارت اور دوسرے تیز رو ساتھی پڑھتے رہے، اور ہم ختم بخاری تک سامع بنے رہے۔ (حضرت مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری مراد ہیں، جو اس کتاب کے مصنف ہیں)

۴) حضرت والا لغوی تحقیق اور اسماء الرجال کے صحیح ضبط کا بھی اہتمام فرماتے تھے، لغوی کلیات اور مواد کلمات کی کلیات مفسر بیضاوی وصاحب کشاف کے طرز پر عموما طلبہ کو بتاتے تھے، اس سلسلہ میں قرآنی آیات سے استدلال فرماتے؛ بلکہ بعض

قواعد کا قرآن مقدس کی روشنی میں استنباط فرماتے، مثلاً ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ لفظ ''سوء'' جب مضاف ہوگا تو بضم السین ہوگا جیسا کہ قرآن پاک میں ''سُوءُ الحِسَابِ'' ہے اور جب مضاف الیہ ہوگا تو بفتح السین ہوگا جیسے کہ ''عَلَيْهِمْ دائرةُ السَّوْءِ'' اور شاعر کے قول ''إذا كان الطباع سوء'' میں ہے اور اگر نہ مضاف ہو نہ مضاف الیہ تو اس صورت میں بضم السین ہی ہوگا۔

۵) عبارت کا ترجمہ ایسا سلیس وشستہ ہوتا کہ مطلب تک ذہن پہنچ جاتا، ترجمہ میں ضمائر کے مراجع کا مکمل اظہار فرماتے، مطالب ومعانی اور مفاہیم ایسے صاف ستھرے اور مختصر انداز میں بیان فرماتے کہ طلبہ الفاظ کتاب سے معانی کتاب سمجھتے، اور اس میں کوئی دشواری نہ ہوتی، تقریر اتنی مختصر نہ ہوتی کہ تشنگی رہ جائے، اور اتنی طویل بھی نہ ہوتی کہ مطلب خبط ہوجائے ہاں دوران درس علمی وادبی نکتوں کا خوب بیان فرماتے، زوائد اور فضولیات سے آپ کا بیان مبرا اور پاک ہوتا، ہاں فوائد وحکم آپ خوب بیان فرماتے، اور اس سلسلہ میں آپ کے تفردات بہت تھے، جو بحمد اللہ ہمارے پاس حضرت والا کی تقاریر میں محفوظ ہیں۔

۶) ائمہ کے اختلافات کا بیان فرما کر سب کے دلائل بیان فرماتے، اور احناف کے مسلک کو دلائل نقلیہ وعقلیہ سے مبرہن فرماتے تھے، آپ کے عقلی دلائل بڑے مضبوط وعجیب فیصلہ کن ہوتے تھے، پوری تقریر (تائید وتردید) میں ائمہ کرام وشراح حدیث کا احترام ملحوظ رہتا، بیان میں کبھی تعلّی کا شائبہ بھی نہ ہوتا تھا۔

قدیم وجدید فرق باطلہ کی تردید بھی خوب فرماتے، مگر اہل باطل کی بھی توہین نہ فرماتے، ہر فرقہ اور ہر مذہب کے مقتداؤں کا ذکر احترام سے کرتے، اور تاکید فرماتے کہ کسی کی توہین نہیں کرنی چاہئے، ہاں حق کی تائید اور باطل کی تردید یقینا ضروری ہے، اسی کا نتیجہ تھا کہ غیر مسلم اور شیعہ حضرات تک بھی آپ سے محبت وعقیدت رکھتے تھے، حالانکہ آپ مناظروں کے میدانوں میں ان سے نبرد آزما

رہے تھے۔

۷) اگر کوئی طالب علم سوال یا اعتراض کرتا تو اس کو بغور سنتے، اگر اعتراض غلط کیا جاتا تو اس کے اعتراض کی اولاً غلطی ظاہر فرماتے، پھر اس کو درست کرتے، کہ اس طرح کہنا چاہئے تھا، اور اس کا معقول جواب دیتے، اگر اعتراض نامعقول کیا جاتا یا ایسا کوئی سوال کرلیا جاتا جس کا جواب آپ دے چکے تھے، تو مسکرا کر اس کو تھوڑا سا اس طرح بناتے تھے کہ سب طلبہ کی طبیعت میں تازگی پیدا ہوجاتی، اور پھر ارشاد فرماتے کہ ہم ابھی اس کا جواب اس طرح دے چکے ہیں، یا یہ اعتراض مناسب نہیں ہے۔

۸) اگر کوئی مسئلہ کی کما حقہ تحقیق نہ ہوسکی تو برملا اس کا اظہار فرماتے، اور جب تک حضرت کے اساتذہ حیات رہے تو درس چھوڑ کر کتاب لے کر ان کے پاس پہنچ جاتے اور طلبہ کی موجودگی ہی میں نہایت ادب کے ساتھ ان کو جا کر دریافت فرمالیتے اور واپس آکر طلبہ کو بتادیتے تھے، کسی لغت میں اشکال ہوجاتا تو فوراً لغت دیکھ کر طلبہ کو بتاتے، غرض کبر و تعلّی سے آپ کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا، اور نہ افادہ و استفادہ میں کوئی تکلف تھا۔

۹) اگر کسی طالب علم نے کوئی ایسا سوال کرلیا جس کے جواب کی تحقیق نہ تھی تو آپ صاف اعتراف فرمالیتے، اور لاادری (مجھے معلوم نہیں) کہنے میں آپ کو قطعاً تردد نہ ہوتا تھا۔

۱۰) دوران درس انتہائی سنجیدگی و متانت ملحوظ رکھتے، اور غیر متعلق باتوں سے احتراز کرتے، درسگاہ، کتاب اور علم کا مکمل احترام، طلبہ پر نظر کہ وہ سبق سے غافل تو نہیں ہیں، یا ان کی نشست احترام کے خلاف اور ناشائستہ تو نہیں ہے، یہ سب باتیں ملحوظ رہتی، ہاں گاہے گاہے طلبہ میں دلچسپی و تازگی پیدا کرنے کے لئے کوئی مفید لطیفہ یا عبرت آموز واقعہ یا کوئی شعر یا چند اشعار سنا دیا کرتے تھے۔

۱۱)　پوری متانت وسنجیدگی کے ساتھ کبھی کبھی طلبہ سے مزاح فرما کران کو مانوس فرماتے، ایک مرتبہ طحاوی شریف کے درس میں شرکاءِ درس کی حاضری لے رہے تھے، تو آپ نے فرمایا: ''عبد الکریم'' جلدی سے مولوی عبد العزیز گونڈوی بولے ''حاضر جناب''، حضرت نے مسکرا کران کی طرف دیکھا، اوراس انداز سے کہ جماعت میں ہنسی کے پھول کھل گئے اورنشاط کی لہر دوڑ گئی فرمایا:

نہ دانش بداری نہ عقل وتمیز
دماغت خراب است عبد العزیز

۱۲)　بعض خاص باتوں کوبشکل اشعار یادکرادیتے تھے، کیوں کہ عموماً نظم کا حفظ کرنا نثر کی بہ نسبت آسان ہوتا ہے، مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کو یاد کرنے کے لئے ایک شعر سناتے تھے:

کُن حدیثِ بوہریرہ را شمار
پنج الف وسہ صد وہفتاد وچار (۵۳۷۴)(۱)

جذبۂ افادہ استفادہ ونفع رسانی

آپ ویسے تو ہر ایک کے لئے جذبہ نفع رسانی رکھتے تھے، لیکن طلبہ کے لئے تو آپ نے زندگی وقف کردی تھی، وہ طلبہ کو اپنی بہترین اولاد اور سرمایہ حیات سمجھتے، جس کو خطاب فرماتے ''بیٹا'' کہہ کر خطاب فرماتے، ایک مرتبہ بندہ سہارنپور زیارت وملاقات کے لئے حاضرِ خدمت ہوا تو آپ یہ تذکرہ فرمارہے تھے کہ میری علمی اولاد کی اتنی نسلیں چل گئی ہیں، مجھ سے پوچھا: ''بیٹا'' آپ کی علمی نسلیں کتنی ہوگئی ہوں گی، میں نے سوچ کر عرض کیا کہ حضرت اندازہ یہ ہے کہ پانچ نسلیں ہوگئی ہوں گی، حضرت بہت خوش ہوئے، اورفرمایا الحمدللہ حق تعالی نے میری زندگی ہی میں میری علمی نسلیں دور تک چلادیں اورکئی پشتوں تک علم کا سلسلہ پہنچایا۔

طلبہ آپ سے دوران درس کے علاوہ بھی استفادہ کرتے، آپ سے درس کے علاوہ

(۱)　حیات اسعد: ۲۰۰-۲۰۴، حضرت مولانا نسیم احمد غازی مظاہری، مکتبہ نسیمیہ مرآدآباد

کچھ پوچھنے کے لئے آتے تو ان کی بہت قدر کرتے ، اور نہایت خندہ پیشانی سے ان کے سوالات کا جواب دیتے ، وہ طلبہ جن کے اسباق آپ سے متعلق نہیں تھے، کسی فن کی کوئی کتاب لے کر پہنچ جاتے ، آپ کو ناگوار نہ ہوتا، بلکہ پوری بشاشت کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہوتے ، اور جب تک ان کو مطمئن نہ فرمادیتے سمجھاتے رہتے۔

جو طلبہ حضرت سے قرب وتعلق رکھتے اور حاضر خدمت ہوتے رہتے تو آپ سے بہت زیادہ استفادہ کرتے ، حضرت والا خود بھی ان کے علمی نشو ونما، گفتار وکردار وغیرہ پر کڑی نظر رکھتے ، اور وقتاً فوقتاً ان کا محاسبہ کرتے رہتے تھے ، بعض مرتبہ ایسے طلبہ کو خود ہی کو کتاب پڑھاتے۔

چنانچہ مولانا عبدالقیوم صاحب شاکر الاسعدی لکھتے ہیں:

زمانہ طالب علمی میں یہ ناکارہ محنت نہیں کرتا تھا، گو بفضلہٖ تعالیٰ ذہن اوسط درجہ کا تھا، حضرت والا کو بجا طور پر میری بد استعدادی کا ظن غالب تھا، اتفاق سے دیوان متنبی یا عروض المفتاح کا ہمارا امتحان حضرت والا کے پاس تھا، اتفاقاً پرچہ اچھا گیا، حضرت والا کو اس سے حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی ، بلا کر مبارک بادی دی اور فرمایا کہ تمہارے اندر صلاحیت موجود ہے ، اگر تم محنت سے پڑھو تو کچھ کام کر سکتے ہو، ورنہ اس چہار دیواری سے نکلو گے اور درس وتدریس کا مشغلہ ہوگا تو دیوار سے سر ٹکرا دینے کو جی چاہے گا، پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا: تم سے میرا ایک کام ہے، اور وہ میرا ذاتی کام ہے، کیا تم اس کو انجام دے سکتے ہو،؟ میں نے عرض کیا انشاء اللہ، ضرور انجام دوں گا، فرمایا: جانے دو تم اس کو انجام نہ دے سکو گے، تم سے کہنا فضول ہے، تم کرو گے نہیں تو کیا فائدہ کہنے سے؟

اسی طرح چند منٹ تک اصرار پر انکار فرماتے رہے، اس کے بعد فرمایا: میرا کام سمجھ کر مجھ سے کوئی کتاب دس منٹ پڑھ لیا کرو۔

طلبۂ کرام سے محبت اور تعلق

افادہ واستفادہ کے لئے طلباء اور شاگردوں کے مابین محبت وتعلق ناگزیر ہے، اس

زمانہ میں یہ چیز مفقود ہو چکی ہے، اور عموما اسکا مقام نفسانیت اور خود غرضی نے لے لیا ہے، یہی وجہ ہے کہ افادہ واستفادہ کا دروازہ تقریبا بند ہو چکا ہے۔

جب تعلیمی سال ختم ہوتا، طلبہ رمضان کی کلاں تعطیل میں اپنے گھروں کو جانے کے لئے تیاریاں کرتے تو حضرت والاؒ فکر مند اور اداس نظر آتے، اور رخصتی مصافحہ کے لئے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت پر رقت طاری ہوتی اور بسا اوقات زار وقطار رو پڑتے۔

اور طلبہ بھی اپنے مشفق ومربی استاذ سے روتے ہوئے جدا ہوتے۔

عنایت واعانت

حضرت والا کی طبیعت خصوصا طلباء کے تعلق سے بہت زیادہ وسیع القلب واقع ہوئی تھی، خاص طور پر طلبہ کی تعلیم وتربیت کا اہتمام فرماتے، ان کو بڑی دلسوزی سے زندگی کے نشیب وفراز سمجھاتے، ان کو تدین، تقوی اور پرہیز گاری کا خوگر بناتے، آپ تمام طلبہ پر نظر رکھتے، ان کے احوال کا تفقد فرماتے، مستحقین طلباء کی بہت خاموشی سے امداد فرماتے، جن طلبہ میں علم کا ذوق وشوق اور لگن محسوس فرماتے ان پر آپ کی عنایت بہت ہوتی، اور ان کے تو گویا آپ گرویدہ ہو جاتے، راقم کا خاص تعلق حضرت والا سے دورہ حدیث کے سال ہوا تھا، لیکن میں حیران رہ گیا جب ایک دن حضرت والا نے میری مظاہر العلوم کی پنج سالہ زندگی کے تمام حالات مجھ کو سنا دیئے، فرمایا: بیٹا آپ فلاں تاریخ کو مظاہر العلوم میں آئے، فلاں فلاں کمرہ میں اتنے اتنے دنوں قیام رہا، اتنے دن بیمار رہے وغیرہ وغیرہ۔

ایک دن حضرت والا نے دیکھا کہ میرے پیر میں ٹوٹا ہوا جوتا ہے، تو اپنے ایک مرید خاص کو حکم دیا کہ میرے بیٹے کے لئے ایک جوڑی اچھے جوتے بنا کر لائے، (ان کا جوتوں کا کارخانہ تھا) اور جو دام اوروں سے لیتے ہیں وہی ہم سے لیں، چنانچہ انہوں نے حضرت کے حکم کی تعمیل کی، ایک دن ایک صاحب سے (جو کسی گاؤں کے رہنے والے تھے اور آپ کے پاس ہر ہفتہ حاضر ہوتے تھے) میری طرف اشارہ کر کے فرمایا: میرا بیٹا حدیث

شریف پڑھ رہا ہے، اور بہت محنت کرتا ہے، پڑھتے پڑھتے اس کی آواز بیٹھ جاتی ہے، میرے بیٹے کے لئے عمدہ گھی جو آپ کے گھر تیار ہوا ہو اور اچھا قابل اطمینان ہو ایک سیر لا دو، اور مجھے اس کے پیسے بتادو۔

حضرت والا بہت سے طلبہ کی بڑی خاموشی اور رازداری سے اعانت فرماتے تھے۔ باوجودیکہ تحائف قبول کرنے میں محتاط تھے، تنخواہ کم تھی اخراجات زیادہ۔

مولانا صدیق احمد صاحب شریف نگری نے مجھ سے بیان کیا کہ:

میں زمانہ طالب علمی میں تنگ دست تھا، مجھے اساتذہ کی تقریریں لکھنے کا شوق تھا اتفاق سے کاپی ختم ہوگئی، پیسے بھی نہ تھے، اس لئے مجھے اس کی بہت فکر تھی کہ کل اساتذہ کی تقریریں کیسے لکھوں گا؟ کسی سے قرض لینے کی عادت نہ تھی، اسی فکر میں اپنے کمرہ میں بیٹھا تھا کہ حضرت کا ایک خادم میرے پاس آیا، اور کہا کہ حضرت ناظم صاحب آپ کو بلا رہے ہیں، میں حاضر خدمت ہوا، تو کمرہ میں حضرت محمد اللہ صاحب (صاحبزادہ محترم) اور قاری احمد گورا خادم خاص اور حضرت والا موجود تھے، حضرت نے صاحبزادہ محترم سے ارشاد فرمایا: جاؤ کمرہ ۱۹ کے سامنے والے نل سے ایک لوٹا پانی لاؤ، اور پھر قاری گورا کو انہیں بلانے کے لئے بھیج دیا، اور فوراً ایک چیتھڑے میں بندھی ہوئی کوئی چیز میرے ہاتھ میں دی اور فرمایا: دیکھو کیا ہے، میں کھولا تو اس میں کچھ ریزگاری تھی، میں نے عرض کیا: پیسے ہیں، فرمایا شمار کرلو، میں نے شمار کئے تو وہ ایک روپیہ کی تھی، فرمایا: جیب میں رکھ لو، اپنے کام میں لاؤ اور کسی سے بالکل ذکر نہ کرنا۔(۱)

حضرت مولانا یوسف بنوری کا اندازِ تدریس

معروف معاشی اسکالر حضرت مولانا محمد طٰہٰ یسین مرحوم رقم طراز ہیں:

’’تدریس میں مولانا بنوری کا جو طریقہ کار تھا وہ بڑی حد تک اپنے محبوب استاذ حضرت شاہ صاحب نورہ اللہ مرقدہ کے طریقۂ تدریس

(۱) حوالہ سابق: ۲۰۷ تا ۲۱۱

سے ملتا جلتا؛ بلکہ اس سے ماخوذ تھا، وہ یہ کہ زیر درس مسئلہ کے متعلق صرف ان باتوں کے بیان پر اکتفا کرتے جو کتاب، اس کے حواشی اور مطبوعہ شروح میں لکھی ہوتیں؛ بلکہ ان کے ساتھ ساتھ بہت سی ایسی نادر معلومات بھی پیش فرماتے جو اس علم وفن کی دوسری کتابوں میں مذکور ہوتیں اور جن سے زیر بحث مسئلہ پر کس نے کس کتاب میں زیادہ بہتر طور پر لکھا ہے؛ تاکہ طلباء اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ انہوں نے جو پڑھا ہے وہی سب کچھ ہے، اب مزید کچھ پڑھنے کی ضرورت نہیں اور تاکہ وہ آئندہ مزید پڑھنے اور مطالعہ کرنے کی کوشش کریں اور ان کے علم میں وسعت اور گہرائی پیدا ہو، بالفاظ دیگر تدریس کا وہ طریقہ یہ تھا کہ زیر درس مسئلہ کے سمجھنے میں مدد مل سکتی تھی‘‘(۱)

حضرت باندوی رحمہ اللہ کا انداز تدریس

حضرت کے درس میں ایک خاص بات عمومی طور پر یہ پائی جاتی تھی کہ خواہ چھوٹی کتاب کا درس ہو یا بڑی کتاب کا، حضرت اس کو طلباء کی تعلیمی واخلاقی تربیت کا بہترین ذریعہ سمجھتے، اور بناتے، چنانچہ حسب موقع تعلیم پر توجہ، اس کے لئے محنت، تعلیم میں کیا جذبہ ہو؟

مستقبل کے لئے تیاری وحوصلہ کی گفتگو فرماتے، نصیحتیں فرماتے، اور اس بابت اکابر کے اور ماضی کے لوگوں کے قصے سناتے، اور باجودیکہ اپنے حالات میں اخفاء ہی پسند تھا لیکن ضرورت کا احساس کر کے اپنے حالات ومجاہدات بھی سناتے، اور دوران سبق متعلقہ کتابوں کے مسائل وعبارت میں جہاں بھی کوئی مناسبت نکلتی عبرت ونصیحت کی بات فرماتے اور توجہ دلاتے۔

(۱) جمال یوسف، تدریس وتحقیق وعلوم ومعارف: ۵۷، علامہ محمد یوسف بنوری کا تذکرہ سوانح، مولانا عبد القیوم حقانی، القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرۃ

حضرت نے یہ بات اپنے اساتذہ سے سیکھی تھی، اور بعض اساتذہ نے حضرت کو اس کی وصیت اور تاکید کی تھی، یہ تو بات حضرت کے سبق میں تربیتی پہلو کی تھی۔

رہا تعلیمی پہلو: کتاب اس کے مسائل اور اس کی عبارت اور متعلقہ فن کی نسبت سے درس کا معاملہ تو اس اعتبار سے حضرت کا درس بڑا کامیاب، مفید اور نمونہ کا درس تھا، ہر فن کی کتاب میں اس کا پورا حق ادا فرماتے، محنت کرتے اور محنت لیتے اور محنت کراتے، فنی کتابوں میں سوالات قائم کر کے ان کے جوابات طلب کرتے؛ بلکہ لکھاتے اور بتاتے، چنانچہ حضرت نے متعدد فنی کتابوں کے سوالات پر مشتمل کاپیاں بنا رکھی تھیں۔

سبق میں تقریر اور بے ضرورت تفصیل کا مزاج نہ تھا؛ بلکہ توجہ و اہتمام عبارت کی توضیح اور فنی بات کی تفصیل کا تھا۔

منطق کے مسائل بہت سہل اور اچھے انداز میں سمجھاتے، ہدایہ میں بھی دلائل عقلیہ کو صاحب ہدایہ کے ذوق کے مطابق بہت اچھی طرح قضایا کی روشنی میں سمجھاتے، صغری کبری حسب ضرورت بتاتے، بناتے اور ملاتے اور پھر نتیجہ کا تذکرہ فرماتے جیسا کہ صاحب ہدایہ نے عموماً کیا ہے۔

حضرت مولانا انتظام حسین صاحب جنہوں نے حضرت سے فتح پور میں پڑھا تھا اور قریب سے دیکھا تھا وہ فرماتے ہیں:

> ''حضرت کے سبق پڑھانے کا انداز یہ تھا کہ طلباء سے پہلے عبارت پڑھواتے، درمیان میں نحوی صرفی اشکالات خود کرتے، اعرابی حالت کی وجہ بھی دریافت کرتے، طلبہ نہ بتاتے تو خود ہی بتلاتے، عبارت سے فارغ ہونے کے بعد مطلب بیان فرماتے، ترجمہ طلبہ سے ہی کراتے، بعض کتابوں میں سبق کے ختم ہونے پر سوالات لکھاتے، کبھی خود لکھ دیتے؛ تاکہ کتاب کی روشنی میں طلبہ ان سوالات کے جواب یاد کرلیں''۔(۱)

(۱) مآثر حضرت باندی: ۸۴۔۸۵۔۸۶، مولانا عبید اللہ الاسعدی، فرید بک ڈپو دہلی

حضرتؒ کے اسباق میں برکت کا ایک سبب

حضرت کے اسباق میں برکت اور افہام وتفہیم کے اعتبار سے سہولت وقدرت کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ حضرت کے یہاں علم کا بڑا اہتمام واحترام تھا، اساتذہ درسگاہوں کے ادب، انتہائی توقیر وتعظیم کے ساتھ، آلات واسباب علم کا بڑا احترام تھا، کاغذ کا احترام تو معروف کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا بھی کہیں پڑا ہوا دیکھنا گوارہ نہ تھا، فرماتے کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا کارخیر وصدقہ ہے، اس سے بھی تکلیف ہوتی ہے تو اسکو بھی اٹھانا یہی حیثیت رکھتا ہے، ایک مرتبہ کسی نے اس بابت کچھ استخفاف کا ذکر کیا تو حضرت نے فرمایا اور ایک جوش کے ساتھ ’’بخدا اگر اس کی وجہ سے نجات نہ ہو تو قیامت میں دامن پکڑ لینا‘‘۔

مطالعہ وسبق کے لئے وضو کا بڑا اہتمام تھا، اور بے وضو مطالعہ وسبق شاید و باید ہی ہو اور اس میں بھی اسکا اہتمام فرماتے تھے کہ براہ راست کتاب کو ہاتھ نہ لگاتے رومال سے پکڑتے اور اوراق کو پلٹتے۔

اساتذہ اور طلباء کے درمیان ربط وتعلق کی اہمیت

حضرت مولانا قاری طیب صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

’’میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ فتن اس کی بنیاد ہیں، حالات اتنے بگڑ چکے ہیں، اور مزاج اتنے فاسد ہو چکے ہیں کہ وہ جو ایک عقیدت اور ایک محبت اساتذہ سے ہوتی تھی وہ نہیں ہے، کچھ تو حالات کا اثر ہے۔

اور مثل مشہور ہے: ’’کچھ لوہا کھوٹا کچھ لوہار کھوٹا‘‘ کی تھوڑی بہت اساتذۃ میں بھی آئی ہے، ان کو جس درجہ کا معیاری ہونا چاہئے، نئے اساتذہ میں وہ چیز کم ہے، تو طلباء پر اثر پڑنا لازمی ہے، یہ الگ بات ہے کہ وہ اساتذہ چند سالوں کے بعد پرانے بن کر کسی اونچے مقام پر پہنچ جائیں؛ لیکن ابتدائی حالت اساتذہ کی، نوجوان اساتذہ کی وہ نہیں جو ان کے اساتذہ کی تھی۔

ہم لوگوں نے تعلیم پائی، اس وقت اساتذہ علمی اعتبار سے بھی معیاری تھے، اور تقوی

وطہارت کے لحاظ بھی معیاری تھے، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ علیہ (مولانا انور شاہ کشمیری) پر اتباع سنت کا اتنا غلبہ تھا کہ ان کے طرز کو دیکھ کر ہم مسئلہ معلوم کر لیتے تھے، اور وہی مسئلہ نکلتا تھا جو ان کا طرز عمل تھا، اس درجہ گویا وہ منہمک تھے، اور ہمہ وقت انہیں فکر آخرت ضرور رہتا تھا۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمنؒ صاحب دوپہر کو چھوٹی مسجد میں آکے قیلولہ کرتے تھے، تو عموماً گھٹنے پیٹ میں دے کے لیٹا کرتے تھے، یعنی سکڑ کے، یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ پیر پھیلا کے لیٹے ہوں تو میرے خسر مولوی محمود صاحب رامپوری مرحوم، طالب علمی کے زمانہ میں مفتی صاحب کے ساتھ چھوٹی مسجد ہی میں رہتے تھے تو ابتداء میں وہ یہ سمجھے کہ امر اتفاقی ہے، لیکن جب دیکھا کہ عادت ہی یہ ہے تو انہوں نے ایک دن پوچھا کہ آپ پیر پھیلا کے کبھی نہیں سوتے؟ فرمایا کہ: بھائی پیر پھیلا کے سونے کی جگہ قبر ہے" دنیا نہیں، ۔۔۔۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے ان کے اوپر ہر وقت فکر آخرت غالب رہتی تھی۔

حضرت مفتی صاحب ہی کا واقعہ ہے، جلالین شریف ہم نے ان کے یہاں پڑھی، آیت یہ آئی کہ "لیس للإنسان إلا ما سعی" آدمی کو وہی ملے گا جو اس نے سعی کی ہے، یہ نہیں کہ کسی غیر کی سعی اس کے کام آجائے ۔۔۔۔۔ادھر تو یہ آیت اور ادھر روایت میں ایصال ثواب ثابت، جس کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کی سعی کام آئے گی، اب آیت اور روایت میں ایک قسم کا تعارض ہوتا، جب یہ آیت پہنچی تو حضرت مفتی صاحب نے کتاب میں مثبت پہلو میں مطلب سمجھا دیا اور بعد میں یہ فرمایا کہ میں اس میں الجھا ہوا ہوں، اور ابھی رفع تعارض کی صورت سمجھ میں نہیں آئی کہ حدیث بتلاتی ہے کہ دوسرے کی سعی کار آمد ہے اور آیت بتلاتی ہے کہ قطعاً کار آمد نہیں تو فرماتے تھے کہ کتابیں دیکھیں، رجوع کیا، کتابوں کی طرف، مگر تشفی نہیں ہوئی، گھر تشریف لائے رات کا وقت، گرمی کا زمانہ، چارپائی پر لیٹے تو خیال یہ بندھ گیا کہ تجھے ایک آیت میں شک ہے، اگر اسی حالت میں موت آگئی تو آیت خداوندی میں شک لے کر جائے گا تو تیرا ایمان کہاں رہے گا، یہ تو "ریب" (شک) کی

کیفیت ہے، بس یہ جذبہ آنا تھا کہ اسی وقت کھڑے ہو گئے، اور پیدل سفر شروع کر دیا گنگوہ کا کہ حضرت (مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ) سے جا کر تحقیق کروں گا، تو پہلا جذبہ تو اس سے معلوم ہوا فکر آخرت کا کہ وہ (اس علم کو) محض ریسرچ یا تحقیق نہیں سمجھتے تھے؛ بلکہ اپنی آخرت سمجھتے تھے، جب آیت میں ایک قسم کا شک ہے تو وہ ریب ہوا اور ایمان میں اگر ذرا سا بھی ریب ہو تو ایمان کی بقاء مشکل ہے، یہ جذبہ تھا اصل میں، محض علمی تحقیقات نہیں تھیں، پیدل سفر کر لیا گنگوہ کا ساری رات چلتے رہے، حالانکہ عادت نہیں تھی، پیدل سفر کرنے کی، آخر شب میں گنگوہ پہنچے، صبح کی نماز کا وقت تھا، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ علیہ وضو فرما رہے تھے، انہوں نے سلام کیا، فرمایا کون؟ عرض کیا کہ عزیز الرحمن، فرمایا کہ: اس وقت! کیا رات آئے تھے؟ کہا کہ رات بھر سفر کیا بس ابھی پہنچا ہوں، فرمایا ایسی کیا ضرورت پیش آئی تھی جو ساری رات سفر کیا، انہوں نے کھڑے کھڑے وہ اشکال پیش کر دیا کہ حضرت یہ ایک اشکال ہے کہ آیت میں نفی ہے کہ کسی کی سعی کسی کے کام نہیں آئے گی اور احادیث میں اثبات ہے کہ ایک کا عمل دوسرے کے کام آجائے گا ایصال ثواب کی صورت میں، یہ تعارض رفع نہیں ہو رہا ـــــ حضرت گنگوہیؒ نے وہیں کھڑے کھڑے فرمایا کہ "لیس للإنسان إلا ما سعی" میں سعی ایمانی مراد ہے، یعنی ایک کا ایمان دوسرے کے لئے نجات کا ذریعہ نہیں بنے گا، عمل کی نفی نہیں، تو حدیث ثابت کر رہی ہے عمل کو کہ عمل کا فائدہ پہنچے گا اور آیت نفی کر رہی ہے سعی ایمانی کی کہ ایک کا ایمان دوسرے کے کام نہیں آئے گا، اس میں کوئی تعارض نہیں تو یہاں ایمان مراد ہے، وہاں عمل مراد ہے، آیت میں جس چیز کی نفی کی جا رہی ہے حدیث میں اس کا اثبات نہیں اور حدیث جسے ثابت کر رہی ہے، قرآن میں اس کی نفی نہیں ہے تو تعارض کہاں سے آگیا؟ تو مفتی صاحب یہ کہتے تھے کہ کھڑے کھڑے یہ معلوم ہوا جیسے ایک علم کا دریا میرے اندر پھوٹ گیا تو غزیر (وسیع) اور گہرا علم تھا ان اکابر کے ایک ایک لفظ میں۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت حدیث میں بدعت کی ممانعت فرماتے ہوئے کہا گیا ہے کہ "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو

رد‘‘ جو ہمارے دین میں احداث کرے اور وہ چیز دین کے ذوق کی نہ ہو تو وہ چیز مردود ہے‘‘ اس پر کسی نے کہا کہ پھر یہ مدارس بھی مردود ہونے چاہئے تو، یہ قرن اول میں کہاں تھے؟ اور یہ مدرسوں کے لئے گھنٹوں کا تعین اور گھنٹا بجانا یہ کہاں تھا؟ اور یہ جماعت بندی (کلاس بندی) یہ سارے بدعات ومحدثات ہیں تو اس حدیث کی رو سے ممنوع ہونے چاہئے، حضرت نے ایک مختصر سا جواب دیا فرمایا کہ: احداث فی الدین کی ممانعت ہے، احداث للدین‘‘ کی ممانعت نہیں۔

ان دولفظوں میں مسئلہ کھول دیا یعنی یہ احداث جو ہے ’’لتقویۃ الدین، لإعانۃ الدین، لنصرۃ الدین‘‘ ہے، عین دین کے اندر اضافہ نہیں ہے، کسی مدرسہ میں صبح کے گھنٹے مقرر ہیں، کسی میں شام کے، یہ نہیں کہ اس کو دین سمجھ رہے ہیں کہ یہی چار گھنٹے ہونے چاہئیں، دوسرے نہ ہوں، ایک تدبیر ہے، ایک معالجہ ہے، تو احداث للدین اور فی الدین کے فرق سے حضرت نے سارے اشکالات رفع فرمادیئے۔(۱)

تو یہ بات مجھے اس پر یاد آئی تھی کہ ان اکابر کے یہاں لمبی تقریریں نہیں ہوتی تھیں، ایک ایک جملہ سے مسائل کا فیصلہ ہوتا تھا، اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ استعداد نہایت قوی ہو اور استحضار ہو علوم کا، اب محنتیں تو ہیں نہیں، قوی ویسے نہیں، استحضار وہ نہیں علوم کا، جو کچھ کتاب میں دیکھا صبح کو بیان کردیا، وہ جو قلبی کیفیت ہے شامل نہیں ہوتی، اس لئے استعدادوں پر برا اثر پڑ رہا ہے، تو نہ نصاب میں خرابی ہے اور نہ کسی اور چیز میں؛ بلکہ کچھ طرز تعلیم کی اور کچھ اساتذہ کے ترقی نہ کرنے کی، کہ وہ پڑھ رہے ہیں کہ بس پڑھا دیں گے، پیشہ سمجھ لیا ہے، یہ وجہ ہورہی ہے استعدادوں کی کمی کی۔

اسلئے میں نے کہا ’’کچھ لوہا کھوٹا کچھ لوہار کھوٹا‘‘ کچھ اساتذہ آگے نہیں بڑھنا چاہتے، کچھ طالب علموں میں محنت کی کمی، اب وہ قصور بتادیتے ہیں نصاب کا۔

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب ہمارے استاذ رحمہ اللہ بہت مختصر گو تھے، کسی نے

---

(۱) البلاغ: حضرت قاری طیب صاحبؒ کے نصیحت پر مبنی کلمات: ۲۷-۲۸، صفر المظفر: ۱۴۳۹ھ

ان سے ذکر کیا کہ حضرت نصاب میں کچھ تغیر تبدل ہونا چاہئے، تو جیسے ان کی عادت تھی، ایک لمبی سی ''ہوں'' کر کے فرمایا: دیکھو تعلیم کے سلسلہ میں تین چیزیں ہیں (۱) اساتذۃ (۲) تلامذہ (۳) تیسرا نصاب تعلیم تو اساتذہ کی جماعت تو ہے بڑوں کی جماعت، چھڑی ہاتھ میں ہے، کوئی بولے تو اسی وقت گردن زنی قرار پائے اور طلباء اس زمانے کے بھائی وہ بھڑوں کا چھتہ نہیں کوئی انہیں چھیڑے گا تو وہ آ کے لپٹ جائیں گے، آدمی ڈرتا ہے، بس صاحب اب بے چارہ بے زبان رہ گیا ہے، اسی میں کتر بیونت کرتے رہو، نصاب میں یہ کمی ہے، یہ کمی ہے۔

کمی استاذ میں اور طالب علم میں نصاب میں کمی نہیں ہے، مگر بے زبان چیز ہے، اسی پر سب مشق آزمائی کرتے رہتے ہیں، تو یہ ہے اصل میں بنیاد۔۔۔ بہرحال کچھ جدید معلومات کی تو ضرورت ہے کہ طلباء نابلد نہ رہیں۔(۱)

(۱) حوالہ سابق

درس نظامی کی مختصر تاریخ

مسلم ہندوستان میں تعلیمی روایت مختلف مدارج سے گذر کر متنوع ابعاد کی شکل میں ڈھلی ہے، ایک وقت تھا کہ برصغیر میں مسلم انتظام کا دائرہ وادی سندھ، ملتان اور اس کے گرد کے علاقے میں محدود تھا، برصغیر کی مسلم تاریخ یہ عرب دور تھا، جب ہندوستان کی روایات عرب مراکز علم، کوفہ، بصرہ، بغداد، دمشق مکہ اور مدینہ کے ساتھ وابستہ تھیں، یہ جگہیں تعلیم و تعلم کا مرکز تھیں، جہاں برصغیر کے اصحاب علم اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے گئے اور اپنے متعلقہ میدانوں میں اعلی مقامات کا حصول کیا، علماء کی ایک کھیپ ہے جن کے فقہ، سیرت، حدیث عربی ادب وغیرہ میدانوں میں حصے کا اعتراف شرق اوسط، عراق، عرب اور شام کے علماء نے بھی کیا ہے، عربی شاعری کے منتخب مجموعے حماسہ میں ان حضرات کے قطعات اور نظمیں شامل ہیں، جن کا تعلق سندھ سے تھا، ابوعطا سندھی اس طرح کے ایک عالم تھے جن کی بعض سطور ابو تمام نے منتخب عربی شاعر کے اس مشہور مجموعے میں شامل کی ہیں۔

اس سے عربی فہمی اور عربی کے ایک مشترک زبان کی حیثیت سے استعمال کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس سطح پر پہنچ چکی ہے، جس سے ابوعطا سندھی جیسا شاعر پیدا ہو سکے۔

عرب علمی روایات کی اصطلاح کے اعتبار سے اس کمال کی ایک مثال ابو معشر نجیب سندھی کی ہے، جو سیرت اور حدیث میں اپنے کردار کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں، اس نوعیت کی مثالیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کو نقل نہیں کیا جا سکتا، برصغیر کی علمی تاریخ میں یہ دور تقریباً چار صدیوں تک جاری رہا، وسط ایشاء اور افغانستان سے آنے والے لوگ اس کے وارث بنے، اور ساتویں صدی میں قطب الدین ایبک کے ہاتھوں سلطنت دہلی کے قیام میں نے اسلامی

تعلیم کو ایک نئی اٹھان بخشی، اب عرب دنیا کے ساتھ تعلقات شروع میں تو کم زور ہوئے اور پھر تقریباً ختم ہو کر رہ گئے، اب ان تعلقات کو درآمد کیا جا رہا تھا، جن میں زیادہ زور فقہ، اصول، عربی زبان اور اس کی گرامر پر دیا گیا، اسی عہد میں مختلف فنون کی روایتی اور مختصر متون کو ہندوستان میں لایا گیا جو دہلی اور دنیا کے مختلف حصوں کے مدارس میں قائم تعلیم وتدریس کا موضوع بن گئے، اشاعت علم اور علمی سرگرمیوں کے پھیلاؤ کے اعتبار سے یہ عہد ہندوستان کی دینی تعلیم کی تاریخ کا زریں عہد ہے۔

ساتویں صدی ہجری میں جب ابن بطوطہ نے ہندوستان کا سفر کیا تو اس نے دیکھا کہ صرف دہلی میں ایک ہزار سے زائد مدارس تھے، جن میں اعلیٰ تعلیم ہوتی تھی، اس نے دنیا کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے علماء کا مشاہدہ کیا، اس کی ملاقات شیخ عبدالعزیز اردبیلی سے ہوئی جو شام سے محمد تغلق کی دعوت پر آئے؛ تاکہ ہندوستان میں تعلیم و تعلم کا مدرسہ قائم کریں، یہاں تقریباً ہر قصبے اور گاؤں میں مدارس تھے، جو نہ صرف مسلمانوں بلکہ ہندوؤں میں بھی اشاعت علم کا فریضہ انجام دیتے تھے۔

یوں مدرسے کا کردار صرف مسلمانوں ہی تک محدود نہیں ہے؛ بلکہ اس کا دائرہ ہندوؤں، بدھوں اور دوسروں تک بھی رہا ہے، ابھی تک ہندوؤں کی روایت کے مطابق علم دو مختلف گروہوں میں محدود رہا ہے، مذہبی علم ایک مخصوص طبقے میں محدود، جب کہ دنیوی علم ایک دوسرے طبقے میں خاص تھا، ہندو معاشرے کے دیگر طبقات کو کسی قسم کے علم تک رسائی کی کوئی اجازت نہیں تھی، وہاں مختلف طبقات تھے، شودر طبقے کو نہ صرف نظر انداز کیا جاتا تھا؛ بلکہ اگر اس طبقے کا کوئی فرد بلا ارادہ بھی علم تک رسائی حاصل کر لیتا تو اس کا یہ عمل جرم اور گناہ تصور کیا جاتا تھا، اور اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال کر سزا دی جاتی تھی، یہ قانون ان کی مذہبی کتابوں کی دین تھا، مدرسے نے پہلی بار ہندوؤں، مسلمانوں، سکھوں (سکھ وہاں نہیں تھے، بعد کے دور میں ایسا ہوا) جین مت کے پیروکاروں اور بدھوؤں کے لئے بھی علم کا دروازہ کھلا تھا، یہ ہندوستان کی تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ ہندوؤں کے تمام طبقوں نے علم حاصل

کیا، وہ فارسی زبان کے ماہر بنے جو اس وقت عدالت، ثقافت اور بازار کی زبان تھی، بدھ، فارسی اور اسلامی قانون کے ماہر بنے، جو اس وقت عدالت، ثقافت اور دیگر مذاہب کے اہل علم ایسے ہیں جنہوں نے مدرسہ کی بدولت مختلف علوم وفنون میں اپنا اثر چھوڑا ہے، تاہم اس عہد میں مدرسے کا ایک منفی پہلو یہ نظر آتا ہے کہ اس میں اشاعت علم اور آزادانہ تحقیق ومطالعے کے باب میں دل چسپی کی کمیابی یا نایابی نظر آتی ہے، اب علم کا زیادہ ارتکاز ان متون پر تھا جو وسط ایشیائی یا عرب ممالک میں کہیں تیار ہوئے، اصول فقہ، فقہ، منطق اور فلسفے کے متون ہندوستان برآمد کئے گئے، اور ان کو درسی کتابوں کی حیثیت دی گئی۔

ہندوستان کے مسلمان علماء کا حصہ جو کہ کمیت میں بڑا تھا، لیکن شروحات ہی تک محدود تھا، شروحات اور وسط ایشیا یا عرب دنیا سے آئے ہوئے متون پر حواشی پر مشتمل تھا، یہ حصہ حواشی پر حواشی اور پھر ان پر مزید حواشی پر مشتمل تھا، کئی کتابیں اس کی مثال ہیں

جب مغل ہندوستان آئے اور ہمایوں کے بعد اپنے آپ کو مستحکم کیا، تو برصغیر میں ایک اور روایت متعارف ہوئی، یہ روایت فلسفے اور منطق کی تھی جس کی ساخت پرداخت اور تانا وبانا ایران میں تیار ہوا، اب برصغیر اور مدارس کے علمی روابط ایران کے ساتھ استوار ہوئے، اور ایرانی علماء بڑی تعداد میں بلائے گئے، سیکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں اہل علم وادب یہاں آئے، شاعر، فلسفی، منطق اور دیگر علوم کے ماہرین نے ہندوستان آکر مدارس کے نصاب میں فلسفے اور معقولات یا عقلی علوم کو متعارف کروایا، اور اس کے بعد کے دور میں مدرسہ دو مختلف روایات کا امین بن گیا: وسط انڈونیشیا اور افغانستان کی روایت جو متن، مختصر متن اور متن پر متن کے ذریعے فقہ اور اصول فقہ پر زور دیتی ہے، اور دوسری روایت ایرانی ہے، جس میں زور فلسفے اور منطق پر تھا، عہدِ مغلیہ میں مدرسے کا یہ بنیادی خاکہ ہے۔

ہندوستان کے مختلف شہروں میں کئی روایات قائم تھیں، جن میں سے دو خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، ایک روایت لکھنو میں ایک ادارے فرنگی محل میں پروان چڑھی، فرنگی محل دراصل ایک عمارت کا نام ہے، جسے جہانگیر نے برطانوی تاجروں کے ایک گروہ کے

لئے مختص کیا تھا، جنہیں ہندوستان میں کاروبار اور تجارت کی اجازت دی گئی تھی، ان کا دفتر وہیں تھا، اور اس کے ذریعے وہ اپنی سرگرمیاں سرانجام دیتے تھے۔

اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دور میں جب ان سے متعلق شکایات ملیں کہ وہ جہانگیر کی طرف سے دی گئی ہدایات کی پابندی نہیں کرتے تو اورنگ زیب نے ان کے خلاف انتظامی کاروائی کی اور ان سے وہ عمارت چھین کر انہیں اس سے بے دخل کردیا، مدرسہ قائم کردیا، چوں کہ یہ عمارت مسلمان علماء کی ایک جماعت کو دی گئی جس میں انہوں نے ایک مدرسہ قائم کردیا، چوں کہ یہ عمارت ''فرنگیوں'' کی ملکیت میں تھی، اس لئے یہ ''فرنگی محلی'' (قصر مغرباں) کے نام سے معروف ہوئی، یہ مدرسہ بھی فرنگی محل (فرنگیوں کے محل یا قلعے میں قائم کردہ مدرسہ) کے نام سے معروف ہوا، یہ مدرسہ اورنگ زیب عالم گیرؒ کے ایک معاصر فقیہ اور عالم نظام الدین سہالوی نے قائم کیا تھا، جنہوں نے عالمگیر کے حکم سے فتاوی عالم گیری مرتب کرنے والی دوسو علماء کی کمیٹی کی نگرانی بھی کی تھی۔

آپ کو مدرسہ قائم کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی جسے آپ نے قائم کیا، جس نے فقہ اور اصول کو بنیادی اہمیت دیتے ہوئے برصغیر کی علمی روایت پر غیر معمولی اثر مرتب کیا، فقہ اہلِ اسلام کا ایک زندہ قانون ہے جو اسلامی شریعت کی متحرک روایت کا امین ہے، اس میں ہر زمان ومکاں کے لئے راہ نمائی اور نمو پذیری کی صلاحیت موجود ہے، یہ شریعت وہ راہ نما قانون اور نظام ہے جس نے مسلمانوں کی ہمیشہ بھرپور راہ نمائی کی اور ان کو تاریخ کے ہر دور میں کسی بھی چیلنج سے نمٹنے کے قابل بنایا۔

تاہم بدقسمتی سے مدرسے کی یہ تعلیمی شریعت وہ چیز نہ تھی جو زندہ اور متحرک اسلامی روایت سے عبارت ہے، یہ بس ان متون تک محدود تھی جو ہندوستان سے باہر کہیں (وسط ایشیا یا عرب دنیا میں) تیار کئے گئے، اور جن کے مصنفین کے پیش نظر مختصر نویسی کی مہارتوں کا زیادہ سے زیادہ اظہار ہوتا تھا، جو جس قدر زیادہ اختصار میں ماہر اور مشکل پسند ہوتا، اسی قدر زیادہ مشہور اور ممتاز ہوتا، یہ متون مدرسہ فرنگی محل میں پڑھائے جاتے تھے، طلبہ سے

مطلوب ان متون کو زبانی یاد کرنا اور مصنف وشارح کے طرز اطناب اور لفاظی پر توجہ مرکوز کرنا تھا، قواعد زبان، فقہ اور اصولِ فقہ اسی طرز پر پڑھائے جاتے تھے۔

اصولِ فقہ کو تفقہ اور نئے اصولِ قانون وضع کرنے کے وسیلے کے طور پر پڑھانے کے بجائے الفاظ کی بازی گری کے طور پر پڑھایا جاتا تھا، جس کا ارتکاز کسی مصنف کے متن پر ہوتا تھا، یہی حال فقہ کا تھا، اسی لئے ہماری ناچیز رائے مدرسۂ فرنگی محل کے عظیم کردار کے باوجود فقہ اور اصول فقہ کے میدان میں اس کا اثر ہے بے حد محدود تھا، اس عمل کے ذریعے کوئی نئی کتاب تصنیف نہیں کی گئی، اگر کچھ نئی کتابیں تھیں بھی تو ان میں کوئی نیا خیال پیش نہیں کیا گیا، نہ اس میں اصولِ فقہ کے وسیع میدان کا کوئی حصہ نیا شامل کیا گیا، کم از کم مدرسہ فرنگی کی یہ صورتِ حال مغلیہ سلطنت کے سقوط تک جاری رہی۔

دوسری روایت جون پور کی تھی جو جنوبی شمالی ہندوستان، جنوبی یوپی میں قائم تھی، اس کو شیرازِ ہند کہا جاتا تھا، شیراز کی علمی روایت کا ارتکاز زیادہ تر فلسفے پر تھا، جس کو معقولات یا عقلی علوم کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، شیرازِ ہند، جون پور نے بعض بڑے جلیل القدر علماء پیدا کئے، لیکن ان کی دل چسپی کی تگ وتاز کی جولاں گاہ، ایران سے درآمدشدہ یا ایرانی علماء کے پروردہ عقلی علوم تھے، جون پور کی تاریخ میں ملامحمود جون پوری سب سے نمایاں شخصیت سمجھے جاتے تھے، بعض علماء کے نزدیک وہ امام شاہ ولی اللہ کے پائے کی شخصیت تھے، بعض دیگر اہل علم کا خیال ہے کہ وہ نبوغِ علمی اور فکری عبقریت میں شیخ احمد سرہندی کی ہم سر شخصیت تھے ؛ لیکن ان کا یہ سارا فضل وکمال ایران میں رائج اور مشہور فلسفیانہ کی تلخیص پر مشتمل متون تیار کرنے تک محدود تھا، یہ جون پور کی علمی روایت تھی۔

جب امام شاہ ولی اللہؒ عرب دنیا میں تقریباً پندرہ کے قیام کے بعد وہاں سے ہندوستان لوٹے تو انھوں نے ان تعلیمی نظاموں میں کچھ تبدیلیوں اور بہت پیش رفت کو متعارف فرمایا، آپ نے فلسفے کے مقابلے میں قرآن حدیث، اور اسرارِ شریعت کے مطالعے پر زور دیا، شاہ صاحبؒ نے متعدد متون تحریر کئے جنہیں داخلِ نصاب کیا گیا، متنِ حدیث کے مطالعے کے لئے مؤطا

امام مالک مع شروحات لازمی قرار دی گئی متن پر ضرورت سے زیادہ کی روایت کم کی گئی، انسانیت، برصغیر اور شمالی ہندوستان کی تاریخ میں یہ ایک پہلا تعارف تھا جس میں نصاب کو قرآن، حدیث اور سیرتِ رسول ﷺ کی بنیاد پر استوار کرنے کی سنجیدہ اور منضبط کوشش کی گئی۔

اس سے پہلے اس طرح کی ایک کوشش شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بھی کر چکے تھے، جہاں سیرت اور حدیث کی کچھ کتابیں متعارف کروائی گئیں، لیکن شاہ عبدالحقؒ کی وفات کے بعد برصغیر کی علمی روایت میں ان کوششوں کا راستہ بند ہو گیا۔

یہ صورت حال تھی جب مغل سلطنت کا سقوط ہوا، مدرسہ فرنگی محل کی روایت وہی رہی، شرقی برصغیر کی روایت جون پور کے طرز ہی پر رہی، البتہ دہلی، لکھنؤ اور ٹھٹہ (اور بعض دیگر شہروں) کے کچھ (چھے یا سات) مدارس نے امام شاہ ولی اللہؒ کے متعارف کردہ نصاب کی ترویج کی جس میں بنیادی زور فہمِ قرآن اور متن حدیث کے مطالعے پر تھا، جب اٹھارویں صدی کے درمیان برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنگال، بہار اور اڑیسہ پر قبضہ جما لیا، اور مغل بادشاہ، شاہ عالم (شاید شاہ عالم ثانی) کو یہ خطرہ محسوس ہو کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی بڑھتی ہوئی پیش رفت ایک دن سارے برصغیر کو قابو میں لے لے گی، تو اس نے کچھ اقدام کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن اس سیلاب بلا خیز کا کسی عسکری قوت کے ذریعے مقابلہ کرنے کے بجائے اس نے اس اٹھتی ہوئی طاقت سے سمجھوتہ کرنے اور تین صوبوں میں اس کی قوت کو تسلیم کرنے کا فیصلہ کیا، مغل بادشاہ نے کمپنی کو ایک چارٹر جاری کیا جس میں اس کو محصول جمع کرنے، انتظامِ مدنی اور بعض دیگر شہری معاملات کی اجازت دی۔

یہ مغلیہ سلطنت کا بالفعل قانونی زوال تھا، انہوں نے اپنی سلطنت کے تین بڑے صوبے گنوا دیئے جو اس وقت سب سے مؤثر صوبے شمار ہوتے تھے، بنگال اس وقت مغلیہ سلطنت کا سب سے پر ثروت صوبہ تھا، اورنگ زیبؒ کی سب مہمات کا مالی خرچ بنگال کے لگان سے اٹھتا تھا اور مغلیہ سلطنت کا زیادہ تر مدار اسی کے مالی وسائل پر تھا، یہ امیر صوبہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے حوالے کر دیا گیا اور مغلیہ سلطنت تین صوبوں: بنگال، بہار اور اڑیسہ اہلِ

برطانیہ کے حق میں سبک دوش ہوگئی۔

اس سبک دوشی کے موقع پر جس معاہدے پر دستخط ہوئے، اس وقت اس عمل کو دست برداری نہیں کہا گیا؛ مگر یہ عملاً دست برداری ہی کی ایک شکل تھی، معاہدے میں یہ کہا گیا تھا کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو ان کے معاملات کو اسلامی عدالتوں میں مسلمان ججز، قاضیوں اور مفتیوں کی راہ نمائی میں اسلامی شریعت کی رو سے نبھایا جائے گا، برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی اس شرط پر راضی ہوگئی اور اس نے تینوں صوبوں کے مختلف حصوں میں عدالتیں قائم کیں، جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے آگے بڑھ کر یوپی اور دلی کے گردونواح کے دیگر صوبوں پر بھی قبضہ جمالیا اور آخر کار ۱۸۰۶ء میں وہ دلی میں داخل ہوگئی تو پھر وہی معاہدہ دوبارہ عمل میں لایا گیا، جس میں دیوانی امور کا قانون کمپنی کو دیگر صوبوں میں لاگو کرنے کی بھی اجازت دی گئی، اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کو مغلیہ سلطنت کی صوابدید پر ہندوستان پر حکومت کرنے کی سرکاری اجازت دی گئی، ان دنوں جب ایک عمومی اعلان کیا گیا تھا تو قانونی دست برداری کو ان الفاظ میں واضح کیا گیا:

تمام مخلوق اللہ کی ہے، تمام کائنات اللہ کی ہے، سلطنت بادشاہ کا حق ہے، لیکن سرکاری فیصلے کمپنی بہادر کے ہیں۔

کمپنی نے آغاز میں مسلمانوں کو کم از کم یہی تاثر دیا کہ وہ معاہدے کی پاس داری کر رہی ہے، اور اسلامی عدالتیں قائم کر رہی ہے، اس نے عملاً ایسے کیا بھی، چنانچہ عدالتیں قائم کیں، ان میں قاضی، جج اور مفتیوں کا تقرر کیا، اس تقرر میں سہولت اور آسانی پیدا کرنے کے لئے انہیں یہ فیصلہ کیا کہ قاضیوں کا انتخاب فرنگی محل یا درسِ نظامی کے فضلاء میں سے ہوگا، واقعہ یہ ہے کہ انگریز بڑے مربوط طریقِ کار کے حامل لوگ تھے، وہ ابھی بھی نظم کے بہت پابند ہیں اور جب بھی انہوں نے کوئی الٹا یا سیدھا کام کرنا ہو تو وہ اسے ایک ضابطے اور قانون کے تحت ہی کرتے ہیں، پہلے وہ کوئی قانون بناتے ہیں، اس کے لئے ضابطے تیار کرتے ہیں، ایک طریقِ کار مہیا کرتے ہیں اور پھر کام کا آغاز کرتے ہیں، خواہ وہ اچھا ہو یا برا، چنانچہ

انہوں نے یہ کام بھی ایک قانون اور ضابطے کے تحت ہی کیا، وہ طریقہ یہ تھا کہ قاضی یا مفتی وہی متعین ہوں گے جو درسِ نظامی کے فاضل ہوں گے، ججز کے لئے فقہ حنفی کو ماخذ کی حیثیت حاصل ہوگی، اس مقصد کے لئے ہدایہ کا انگریزی ترجمہ کیا گیا، فتاوی عالمگیری کی انگریزی میں تلخیص کی گئی اور فقہ حنفی کے بعض بنیادی متون کو برطانوی اہل علم نے انگریزی میں منتقل کردیا، اس کا مقصد ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کے افسروں کو فقہ حنفی کے مطابق مختلف معاملات کی قانونی حیثیت سے آگاہی فراہم کرنا تھا۔

اس اقدام نے درسِ نظامی کو سارے ہندوستان میں بہت مقبول بنادیا، کیوں کہ یہ فضلا کو اعلی مشاہروں پر ملازمت کے مواقع فراہم کرتا تھا، یہ فضلاء دیگر اداروں میں کم مشاہرہ پاتے تھے، لیکن کمپنی میں ان کو اعلی وظائف دیئے جاتے تھے، اس وجہ سے درسِ نظامی بہت معروف ہوگیا اوران دنوں یہ اسی نام سے مشہور ہوا، اب، ۱۷۶۱ء کے بعد درس نظامی بہ بتدریج ہندوستان کے تمام حصوں میں مقبول ہوتا گیا، مدارس نے درس نظامی کو اپنے نصاب کے طور پر اختیار کرنا شروع کیا، لیکن تاج برطانیہ کی ابھرتی ہوئی طاقت کے ساتھ مدارس کی تعداد کم ہونا شروع ہوگئی جس کی مختلف وجوہ ہیں۔

ایک بہت معروف مدرسہ تھا جو ایک طویل عرصے تک قائم اور جاری رہا، اس کا نام مدرسہ غازی الدین تھا اور بعد میں دہلی کالج کے نام سے موسوم ہوا، ایسٹ انڈیا کمپنی نے دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد اس کالج کو بھی اپنے کنٹرول میں لے کر اس کا ایک نیا نصاب تشکیل دیا، بعض بڑے مسلمان اہل علم کا اس میں تقرر کیا، ان ہی میں سے ایک عالم مولانا مملوک علی تھے ، جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مولانا یعقوب نانوتوی کے والد تھے، آپ مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے علماء کے استاذ تھے، یہ تینوں فضلاء مدرسہ غازی الدین یا دہلی کالج کے فارغ التحصیل تھے۔

۱۸۵۷ء میں مغلیہ سلطنت کے زوال اور اس کے کوکب اقبال کے مکمل طور پر غروب ہونے کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے تمام مدارس کو ختم کر کے رکھ دیا، اوقاف نظام

پکٹ کر دیا اور ۱۷۶۵ء میں شاہ عالم کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کو پس پشت ڈال دیا، مسلم عدالتیں باقی نہ رہیں، نفاذ شریعت کا معاملہ کالعدم ہو گیا اور قاضیوں اور مفتیوں کا وجود مٹ کر رہ گیا اور سب بساط لپیٹ کر رکھ دی گئی

مدارس کو اوقاف کی امداد، مرکزی حکومت کی توجہ اور ہندوستان کے مختلف حصوں میں قائم صوبائی حکومتوں یا امارتوں کی اعانت سے محروم کر دیا گیا اور کسی اسلامی تعلیم کی روایت کو باقی رکھنا ایک بہت بڑا مسئلہ بن کر رہ گیا۔

اس صورت حال میں مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حاجی محمد عابد حسینؒ اور بعض دیگر حضرات سامنے آئے اور دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا؛ تاکہ ہندوستان میں اسلامی تعلیم اور اس کے اداروں کے ختم کرنے کی جو لہر برپا تھی، اس کے مقابلے میں اسلامی تعلیم اور روایت کی حفاظت کی ممکنہ حد تک حفاظت کی جا سکے، یہ لوگ اسی روایت کے تربیت یافتہ اور درسِ نظامی کے متون اور کتب کے فاضل تھے، اس لئے انہوں نے مدرسے کے نصاب کے لئے درس نظامی ہی کو اختیار کیا؛ تاہم اس میں دو بنیادی ترمیمیں کیں، ابتداء میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے اصرار پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ منطق اور فلسفے کی کوئی کتاب بھی داخلِ نصاب نہیں کی جائے گی، ان کا خیال تھا کہ اس وقت چوں کہ اصل مسئلہ اسلامی علوم کی حفاظت کا ہے، اس لئے قرآن، حدیث، فقہ، اصول فقہ اور عربی زبان پر زیادہ زور دیا جائے اور ان ہی کو پڑھایا جائے، اس لئے ان کے نزدیک فلسفے، منطق اور دیگر مضامین کے پڑھانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے؛ اس لئے ابتداء میں دار العلوم دیوبند میں ترمیم شدہ درسِ نظامی کے اندر منطق، فلسفہ اور دیگر علوم شامل نہ تھے۔

دوسری اہم ترمیم یہ تھی کہ درس نظامی کے اختتام پر حدیث کے محض تعارفی نصاب کو شامل کیا گیا اور پھر آخر میں ایک مستقل سال حدیث کے خصوصی مطالعے کے لئے مختلف تبدیلیوں کے ساتھ خاص کیا گیا، ۱۹۴۷ء تک دار العلوم دیوبند کو تقریباً نوے سالہ طویل دوران میں متعدد تبدیلیاں کی گئی، بعد میں فلسفے اور منطق کے علاوہ حدیث کی کچھ مزید کتابیں

(طحاوی، مشکاۃ اور مؤطا امام مالک اور موطا امام محمد) بھی شامل کی گئیں۔کافی بعد میں متنِ قرآن کا ترجمہ بھی متن بھی شامل کیا گیا جو غالبا دوسرے یا تیسرے سال سے شروع ہوتا تھا، اور آخر تک چلتا تھا، جس کے نتیجے میں مکمل قرآن ایک مضمون کی حیثیت سے شامل ہوگیا، اصولِ تفسیر پر بھی کچھ متون شامل کردیئے گئے، شاہ ولی اللہ کی قرآن فلسفے اور تفسیری اصولوں پر کتاب الفوز الکبیر داخل نصاب کی گئی۔

یہ تبدیلیاں مختلف وقفوں سے کی گئیں، بیسویں صدی کے آغاز میں غالبا ۱۹۱۲ء یا ۱۹۱۳ء میں امام شاہ ولی اللہ کی شاہ کار کتاب حجۃ اللہ البالغۃ کو ایک تکنیکی ضمیمے کے طور پر شامل کیا گیا، یہ کتاب دارالعلوم کے فضلاء کو پڑھائی جاتی تھی۔

اس طرح درس نظامی ہم تک پہنچا، ۱۸۶۷ء (جب عہد برطانیہ میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی) سے ۱۹۴۷ء (جب ہندوستان خودمختار بنا) تک دارالعلوم اور اس طرح کے دیگر اداروں (جن کی تعداد ہندوستان کے مختلف حصوں میں ایک ہزار یا اس سے کچھ زائد تھی)۔

درس نظامی کی ترتیب کی وجوہات

یہ حقیقت ہے کہ دینی مدارس نے پچھلے دوسو سال سے خاص طور پر اور اس سے پہلے پوری اسلامی تاریخ میں عام طور پر ایک انتہائی فعال اور تعمیری اور مؤثر کردار ادا کیا ہے، ایک زمانہ تھا کہ ہمارے ہاں دینی مدارس اور غیر دینی مدارس کی تفریق نہ تھی، تقریبا بارہ سوسالہ اسلامی تاریخ میں دنیائے اسلام اس تفریق سے ناآشنا رہی، جس نظام تعلیم کی پیداوار مجدد الف ثانی (م: ۱۳رنومبر، ۱۶۲۴ء) تھے، جنہیں دنیائے اسلام نے دوسرے ہزارے کا مجدد قرار دیا، جن کو علامہ اقبال نے مسلم ہندوستان کا سب سے بڑا (Religious Genius) یعنی نابغہ قرار دیا، اسی نظام تعلیم کی پیداوار اس دور کے دوسرے تمام اہل علم، ارباب سیاست وحکومت اور دیگر اصحاب ادب ودانش بھی تھے، حضرت مجدد صاحب اور سلطنت مغلیہ کے وزیر اعظم نواب سعد اللہ خان مرحوم ہم درس تھے، وہ ایک ہی درسگاہ اور ایک ہی استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرکے تیار ہوئے تھے، تاج محل اور دوسری عظیم الشان عمارتیں بنانے

والا ماہر تعمیرات بھی ان ہی درس گاہوں کا پڑھا ہوا تھا، جن درسگاہوں سے شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم رحمہا اللہ پڑھ کر تیار ہوئے تھے۔(۱)

سوال یہ ہے کہ درس نظامی کا یہ نصاب ملا نظام الدین سہالوی مرحوم ومغفور نے کیوں اور کس مقصد کی خاطر مرتب کیا تھا؟ اس پر اگر ذہن صاف ہو اور تاریخی حقائق سامنے ہوں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ برصغیر میں سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں جس کو اب برصغیر کی اسلامی تاریخ کا دور زوال اور دور انحطاط بھی کہہ سکتے ہیں، ریاستی نظام چلانے، اسلامی عدالتوں کو قاضی، مفتی اور مقنن فراہم کرنے کی خاطر یہ نصاب تیار کیا گیا تھا، یہ زمانہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ابتدائی دور تھا، جب اٹھارویں صدی میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے شاہ عالم سے دیوانی خرید لی تو کمپنی کے زیر انتظام صوبوں کے بارے میں یہ شرط رکھی گئی کہ وہاں کا نظام بدستور فقہ حنفی کے مطابق چلتا رہے گا، اس نظام کے لئے کمپنی کے کارپردازوں نے بھی اپنے اہتمام میں درس نظامی کے کئی ادارے قائم کئے، یہ سلسلہ ۱۸۵۷ء میں سلطنت مغلیہ کے مکمل اور حتمی سقوط تک جاری رہا، بہرحال اس کے بعد چوں کہ یہ نصاب موجود تھا اور اسی نصاب کے تیار کردہ علماء دستیاب تھے، اس لئے جب دارالعلوم اور دوسرے مدارس قائم ہوئے تو انہوں نے اسی نصاب کو قابل عمل پایا اور اس کو اختیار کرلیا، لیکن دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد خود اس نصاب میں پچھلے سو سال میں اب تک جتنی بڑی تبدیلیاں ہوئی ہیں، انہوں نے اس نصاب کو ''حقیقی درس نظامی'' نہیں رہنے دیا، آج کا رائج الوقت درس نظامی اصل درس نظامی سے بہت مختلف چیز بن چکا ہے، لیکن تاریخی تسلسل میں اگر اس کو درس نظامی کہا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی۔

درسِ نظامی کی خصوصیات

اس کی بنیادی خصوصیت یہ تھی کہ اس کا بڑا حصہ تین بنیادی علوم فقہ، اصول فقہ اور منطق پر مشتمل تھا۔

---

(۱) محاضرات تعلیم: ۷۲

دوسری خصوصیت یہ تھی کہ جتنے علوم اس زمانے میں مسلم ہندوستان میں مروج تھے وہ اس میں شامل تھے، کوشش یہ تھی کہ اس نصاب کا فارغ کسی رائج الوقت علم سے بالکل ناواقف نہ ہو، چاہے وہ سائنس ہو، طب ہو، انجینئرنگ ہو، جو بھی اس زمانے کی سائنس اور انجینئرنگ تھی، وہ اس میں شامل تھی، اقلیدس، الجبرا، جیومیٹری اور ریاضی کے مضامین اس زمانے میں بھی نصاب میں شامل تھے، یہی وجہ تھی کہ اس درس کے پڑھے ہوئے بے شمار لوگ طبیب، مہندس، منتظم اور معمار ہوئے (درس نظامی سے پہلے جو شکل نظام تعلیم کی تھی، اسے ہم درس نظامی کی ابتدائی شکل کہہ سکتے ہیں) چنانچہ وہ ماہر مہندس جس نے تاج محل تعمیر کیا، یعنی استاد احمد معمار وہ اسی درس کا پڑھا ہوا تھا، معماری کا یہ فن اس نے مدرسے ہی میں بیٹھ کر سیکھا تھا، یہ درس اس زمانے میں ایک اپ ٹو ڈیٹ معاشرے کو چلانے کے لئے ہر لحاظ سے مکمل تھا، معاشرے کی ضرورت کے مطابق تمام علوم وفنون اس میں شامل تھے۔

تیسری خصوصیت یہ تھی کہ یہ نصاب نہایت ٹھوس اور مشکل تھا اور فارغ ہونے والے کے لئے ہر فن کی اعلیٰ سے اعلیٰ کتاب سے گزرنا ضروری تھا، یہ اس لئے کیا جاتا تھا کہ کوئی کتاب آگے چل کر اس کے لئے مشکل نہ رہے، بعض لوگ اس پر چیں بہ جبیں ہوتے ہیں اور مشکل کتابوں کو ختم کر کے آسان کتابیں شامل کرانا چاہتے ہیں، لیکن میں ذاتی طور سے اس کو درست نہیں سمجھتا، اس مشکل پسندی میں آج بھی بڑی معنویت ہے، اگر طالب علم کو مشکل کتابوں کا یہ پہاڑ عبور کرا لیا جائے تو اس کا مطالعہ اتنا ٹھوس ہو جاتا ہے اور ذہن میں ایسی تیزی آجاتی ہے کہ اسے پھر آج کل کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں اور درسگاہوں کا نصاب اور علوم بڑے آسان معلوم ہوتے ہیں، وہ سمجھتا ہے کہ اتنی اعلیٰ سطح پر جو مباحث پڑھائے جاتے ہیں ان میں علمی اعتبار سے اس کے لئے کوئی مشکل اور ناقابل فہم چیز نہیں ہے، بشرطیکہ طالب علم اس وسیع ذخیرے سے اچھی طرح واقف ہو، اس لئے ضروری ہے کہ ان کتابوں کو باقی رکھا جائے۔

درس نظامی کی کتابوں کی بالخصوص اور علوم اسلامیہ کے بیش تر کتابوں کی بالعموم ایک

اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کا آپس میں نہایت گہرا اور مضبوط ربط ہے، اسلامی علوم وفنون دوسری اقوام کے علوم وفنون کی طرح ماضی سے لاتعلق بہ الفاظ دیگر یتیم نہیں ہیں، ان کا اپنے ماضی سے بہت گہرا تعلق ہے، اور ماضی سے تعلق کا یہ سلسلہ کہیں بھی منقطع نہیں رہتا، ان سب علوم اور کتابوں میں ایک غیر منقطع فکری وحدت اور فکری تسلسل پایا جاتا ہے، اس کے برعکس مغربی علوم میں یہ خوبی نہیں ہے، مثلا انگریزی قانون کے کسی موضوع پر کوئی کتاب لکھی جائے اور وہ مقبول ہوجائے تو اچھی کتاب ہے، اس سے بحث نہیں کہ اس سے پہلے کس نے کیا کہا، مسلمانوں میں یہ بات نہیں ہے، مثلا ظاہر الروایت کی چھ کتابوں کو لیجئے، جو فقہ حنفی کی بنیاد ہیں، آج جو کتابیں فقہ حنفی کی ہمارے پاس ہیں، ان سب کا ماخذ وہی ظاہر الروایت ہے، ظاہر الروایت کی کتابوں کی تلخیص ''الکافی فی فروع الحنفیۃ'' ہے، الکافی کی شرح امام سرخسی کی المبسوط ہے، دوسری طرف ظاہر الروایت کی اور ایک کتاب ''الجامع الصغیر'' کی بنیاد پر ہدایۃ المبتدی لکھی گئی، جس کی شرح ہدایۃ ہے، پھر ہدایہ کی تلخیص وقایہ اور وقایہ کی شرح ''شرح وقایۃ'' ہے، اب اگر آپ کہیں کہ ہدایہ کو نصاب سے نکال دو، تو اس لئے مشکل ہیکہ اس سے ایک خلا پیدا ہوجائے گا اور کسی بھی نئی مجوزہ فقہی کتاب کو ہدایہ کی جگہ رکھ دینے سے دوسرے علمی نقصان کے علاوہ ایک بڑا انقصان یہ ہوگا کہ نئی مجوز ہکتاب کا اس پورے فقہی شجرہ نسب اور علمی ورثے سے رشتہ منقطع ہوجائے گا، اس لئے فقہ اور فلسفے کی کتابیں مشکل تو ہیں؛ لیکن ضروری ہیں، کیوں کہ ایک دوسرے پر ان کا دارومدار ہے، ذاتی طور پر ہرگز اس کا قائل نہیں ہوں کہ درس نظامی کی مشکل کتب کی جگہ آسان کتابیں رکھی جائیں۔(۱)

---

(۱) محاضرات تعلیم: ۲۶۲

درس نظامی کے ابتدائی کتابیں

یہاں ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری ہے کہ عام طور پر ہمارے یہاں یہ سمجھا جانے لگا ہے کہ درس نظامی دینی تعلیم میں مہارت اور اختصاص حاصل کرنے کا کوئی نظام تھا، واقعہ یہ ہے کہ درس نظامی محض دینی تعلیم کا نظام نہیں تھا اور نہ اسکا مقصد علوم دینیہ کے محققین پیدا کرنا تھا، نہ اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ معاشرے میں دینی راہ نمائی کے لئے قائدین پیدا کئے جائیں، یہ تو اس زمانے کے حساب سے ایک ماڈرن اور اپ ٹو ڈیٹ نظام کا خاکہ تھا جو اس زمانے کے ایک صاحب علم نے وضع کیا تھا، چوں کہ اورنگ زیبؒ کے جانے کے بعد بھی برصغیر میں سوسوا سو برس تک مسلمانوں کی حکومت قائم رہی، نظام تعلیم بھی بڑی حد تک اسلامی خطوط پر قائم تھا، اور قانون، تمدن، معاشرت، معاشیات، سیاسیات، سارے کے سارے معاملات اسلامی خطوط ہی پر استوار تھے، اس لئے بنیادی طور پر یہ چیز لازمی تھی کہ اس نظام میں اسلامی علوم کو اساسی اہمیت حاصل ہو، اس لئے ملا نظام الدینؒ نے اس زمانے میں جتنے مروج علوم تھے، جن کا اندازہ ۵۶ کے قریب لگایا جاتا ہے، سب کو یکجا کر کے ایک ایسے آٹھ سالہ نظام تعلیم کا خاکہ پیش کیا جس کو آج کل گریجویشن کی ڈگری کے برابر قرار دے سکتے ہیں، اور انہوں نے یہ کوشش کی کہ اس نظام سے ایک مرتبہ تعلیم حاصل کرنے اور اس نصاب میں تعلیم پانے کے بعد اگر کوئی شخص کسی خاص میدان میں ترقی کرنا چاہے تو اس کے سامنے راستہ کھلا ہو، مزید تخصص کے لئے بھی راستہ ہو، اور علمی اعتبار سے بھی وہ اس کے لئے تیار ہو، منطق، فلسفہ، ریاضی، طب، فن تعمیر، جیومیٹری، علم ہندسہ (یہ سارے کے سارے علوم) عربی زبان وادب، فارسی ادب، یہ سب اسلامی علوم کی تحصیل کے لئے اس کے ساتھ ساتھ عربی زبان،

فقہ، اصول فقہ، علم کلام، علوم تصوف جیسے خالص دینی علوم، یہ ساری کی ساری چیزیں اس میں شامل تھیں، اگر آپ اس اصل نصاب کو دیکھیں جو ملا نظام الدینؒ نے تیار کیا تھا، تو آپ دیکھیں گے کہ اس میں تقریباً ۵۶ علوم کی چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں شامل تھیں، مقصد یہ تھا کہ طالب علم کو رائج الوقت علوم وفنون سے کچھ نہ کچھ شناسائی ضرور ہوجائے، یہ وسعت اور جامعیت غالباً دنیا کے کسی اور مذہب یا روایت میں نہیں ہے کہ آٹھ سال کی مختصر مدت میں یہ سب تکمیل ہوجائے۔(۱)

اگر دس بارہ سال کی عمر کا طالب علم اس میں داخل ہو تو وہ بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوسکتا ہے، اگر چہ اس کی مثالیں بھی ہیں کہ چودہ، پندرہ سال یا سولہ سال کی عمر میں طلبہ فارغ التحصیل ہوئے ہیں، خود شاہ ولی اللہ چودہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے، ملا نظام الدینؒ سترہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے، مولانا عبدالحی فرنگی محلی چودہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے، اور صاحب تصنیف بھی ہوئے، ان کے بارے میں یہ لطیفہ مشہور ہے کہ ان کی ایک فقہی تحریر یا تصنیف کو دیکھ کر افغانستان سے ایک بزرگ ان سے ملنے اور کسی مسئلے میں تبادلہ خیال کے لئے حاضر ہوئے، اور لکھنؤ پہنچ کر پوچھا کہ مولانا عبدالحی کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ اپنے ہم عمر دوستوں کے ہم راہ چیل کے انڈے ڈھونڈنے گئے ہیں، انہیں بڑی حیرت ہوئی، وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ چند لڑکے ہیں جو چیل کے انڈے پکڑنے کے لئے درختوں پر چڑھے ہوئے ہیں، پوچھا کہ مولانا عبدالحی کون ہیں؟ ایک لڑکے نے درخت پر بیٹھے ایک دوسرے لڑکے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ وہ مولانا عبد الحی ہے، اس کو یقین نہیں آیا؛ لیکن اس نے مسئلہ پوچھا، مولانا نے اپنا شغل بھی جاری رکھا اور اسے تفصیل کے ساتھ مسئلے کے بارے میں بھی بتایا، نیز نشان دہی کی کہ فلاں فلاں کتاب میں دیکھیں، فلاں کی دلیل یہ ہے، فلاں کی دلیل یہ ہے، پھر ان دلائل کا محاکمہ کیا اور اس پوری گفتگو کے دوران اپنا شغل بھی جاری رکھا۔

(۱) محاضرات تعلیم: ۱۰۳

اس نظام میں اس طرح کی مثالیں آپ کو بہت ملیں گی ۵۶ علوم اور تقریبا ۱۲۰ بنیادی کتابیں اور متون اس نصاب میں شامل ہیں، ایک بات انہوں نے خاص طور پر پیش نظر رکھی، وہ یہ کہ ہرفن کی انتہائی مشکل اور انتہائی دقیق، حتی کہ چیستاں قسم کی کتاب انہوں نے اس نصاب میں شامل کیا کہ جب وہ یہ نصاب پڑھ کر فارغ ہوں تو مشکل سے مشکل او رادق سے ادق کتاب سے استفادہ کرنا ان کے لئے مشکل نہ ہو۔

دراصل یہ درس نظامی اس دور کا دینی نظام نہیں؛ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ ایک ماڈرن نظام تھا جو ان حالات میں دیوبند کے بانیان نے اختیار کیا۔

نصابِ تعلیم

دینی مدارس میں اس وقت جو نصاب رائج ہے، وہ بنیادی طور پر درس نظامی کا نصاب ہے، یہ نصاب ایک عالم دین کی جملہ ضروریات کو مدنظر رکھ کر ترتیب دیا گیا تھا، اوراس میں ہرعلم وفن کے اندر ایسی کتابیں تجویز کی گئی تھیں جو سطحی اور سرسری معلومات کے بجائے اس علم وفن میں مستحکم اور ٹھوس استعداد پیدا کریں اوراس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارے نزدیک اس بنیادی ڈھانچے میں بہت زیادہ انقلابی تبدیلیوں کی اب بھی ضرورت نہیں؛ البتہ قومی انحطاط اور وقت کی علمی ودینی ضروریات کے پیش نظر مختلف حیثیتوں سے نظر ثانی کی ضرورت ہے، اس وقت ہمارے نظام تعلیم میں جو خلا محسوس ہوتا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہے:

دینی مدارس کو عربی زبان سے جو خصوصی تعلق ہے وہ محتاجِ بیان نہیں، عربی زبان تمام دینی علوم کے لئے بنیادی زینے کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن ہمارے مدارس میں عربیت کا ذوق اور عربی تحریر وتقریر کا ملکہ افسوس ناک حد تک نایاب ہے، اچھی استعداد رکھنے والے طلبہ زیادہ سے زیادہ عربی کتابیں سمجھنے کی صلاحیت تو پیدا کر لیتے ہیں، لیکن عربی تحریر وتقریر کی مشق سے ۔ الا ماشاء اللہ ۔ بالکل عاری ہوتے ہیں، اکثر متوسط درجے کے طلبہ کی بھی عبارت خوانی تک درست نہیں ہوتی اور عربی میں مضمون نگاری، تصنیف وتالیف یا تقریر

وخطابت تو اچھے اچھے صاحب استعداد طلبہ کے لئے بھی کبریت احمر کا درجہ رکھتی ہے۔

مکمل تعلیم کا نصاب

تعلیم کے سلسلے میں نصاب کو بھی بہت زبردست اہمیت حاصل ہے؛ کیوں کہ اسلام کے تین بڑے مآخذ ہیں: (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) فقہ اوران کی زبان عربی ہے تو اس زبان کو جب تک نہ سیکھا جائے اس کی نحو وصرف، محاورات وتعبیرات، امثال کو نہ سمجھا جائے تب تک اس کے مضامین اور مراد کو سمجھنا مشکل ہے، اس لئے زبان کے قواعد جو نحو وصرف، معانی بدیع، بلاغت پر مشتمل ہیں پڑھنا ضروری ہے، اس سلسلے میں ایک بات یہ عرض کرنی ہے کہ اس وقت ہمارے ملک میں دو نصاب تعلیم جاری ہیں، ایک تو وہ جس کو دارالعلوم دیوبند اور اس کی شاخوں نے اختیار کررکھا ہے، اس نصاب میں نحو وصرف اور ادب کی نیز معانی وبلاغت کی وہ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن سے صحیح عبارت پڑھنے اور وجوہِ اعراب کو اچھی طرح سمجھنے میں مدد ملتی ہے، جو بہت مفید بھی ہیں؛ مگران میں بعض ایسی کتب بھی ہیں جن میں بجائے نحو وصرف کے نحو وصرف کا فلسفہ پڑھایا جاتا ہے، جو منتہی اور فارغ التحصیل طلبہ کے لئے تو بہت مفید ہوسکتی ہیں؛ مگر مبتدی اور متوسطات پڑھنے والے طلبہ کے لئے دشوار بھی ہیں اور مفید بھی نہیں، طلبہ کی بہت بڑی قوت اس کو سمجھنے میں ضائع ہوجاتی ہے اور اس کے بعد بھی عربی بولنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی اور نہ لکھنے کی اور نہ عربی اخبارات ورسائل اور نہ محکمہ جاتی اصطلاحات کو جانا جاسکتا ہے۔

اسی طرح علوم عالیہ قرآن وحدیث وفقہ میں جو کتابیں داخل درس ہیں ان کا نصاب اتنا زائد ہے کہ دو تہائی حصہ درایۃ پڑھایا ہی نہیں جاسکتا، ایک سال میں اس کا پورا ہونا بالکل رواروی کے انداز میں ہوتا ہے، نیز اس نصاب میں منطق وفلسفہ کی کتب مقرر تو کی گئی ہیں مگر ان کو پڑھانے والے اتنے ماہر نہیں ہیں کہ ان سے جو فوائد مقصود ہیں ان کو حاصل کیا جاسکے؛ لہٰذا علوم عالیہ کی جو کتابیں اس طرح لکھی گئی ہیں، جن میں منطق وفلسفہ کی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں وہ کتابیں بھی کسی کی سمجھ میں نہیں آتیں، اسی طرح ادب میں وہ کتابیں

داخل ہیں جن میں ادب کم اور لغات زیادہ ہیں ان میں مشکل اور پیچیدہ تعبیرات تو ہیں مگر سلیس ادب کا کہیں نام ونشان نہیں ہے، نیز انشاء کے لئے اس نصاب میں مستقل وقت نہیں دیا جاتا اور نہ اس سلسلے کی کتب نصاب میں ہیں۔

دوسرا نصاب ندوۃ العلماء کا ہے، جس میں نحو وصرف، بلاغت اور ادب کو کافی اہمیت دی گئی ہے اور ابتدائی طلبہ کو عربی زبان کے قواعد اردو زبان میں سمجھانے والی کتب کو درس میں شامل کیا گیا ہے؛ تاکہ طالب علم پر دو یا تین زبانوں کا بوجھ نہ پڑے، مثلا فارسی میں قاعدہ سمجھیں پھر اردو میں پھر جاکر عربی میں جیسا کہ نحو میر اور علم الصیغہ میں یہ دقت پیش آتی ہے، یہ دقت تمرین الصرف، تمرین النحو، کتاب الصرف، کتاب النحو وغیرہ میں پیش نہیں آتی، نیز انشاء کو بہت اہمیت دی گئی ہے، معلم الانشاء کے دو حصے نصاب میں شامل ہیں، مختارات، منثورات، وغیرہ کتب بھی نصاب میں شامل کی گئی ہیں، جن میں بڑے بڑے ادباء کے ادب کے نمونے ان کی تعبیرات، مثالیں، محاورے اور طرز تحریر سامنے آجاتے ہیں اور ادب نے اسلام کے اتنے لمبے عرصے میں جو سفر طئے کیا ہے اور اس میں جو اصطلاحات اور محاورے استعمال ہونے لگے ہیں وہ سب بھی انتہائی سلیس عربی میں سامنے آجاتے ہیں۔

نیز فقہ حدیث اور قرآن جو علوم عالیہ ہیں ان کے منتخبات اور مشکل حصوں کو پڑھایا جاتا ہے؛ تاکہ نصاب میں مقدار کم رہے تو سال بھر میں بلا دوڑ ابھاگی کے مقررہ کورس پورا کر لیا جائے، پھر اگر کسی کو صحاح ستہ وغیرہ کتب مکمل ہی پڑھنا ہو تو وہ فضیلت والے سال میں عالمیت کے بعد مزید وقت لگا کر پورا کر لیتا ہے۔

ہماری رائے یہ ہے کہ درس نظامی والے مدارس بھی اگر نحو وصرف، بلاغت وانشاء اور ادب کے کورس میں ندوہ کے نصاب کو تھوڑی بہت کمی زیادتی کے ساتھ اپنالیں تو انشاء اللہ ابتدائی درجات میں طلبہ کو کافی فائدہ ہوگا، اس طرح علوم عالیہ کے نصاب میں مقدار میں کمی کر لی جائے اور منتخبات کو پڑھایا جائے تو انشاء اللہ نصاب وقت پر مکمل بھی ہوجائے گا اور درایۃ پڑھایا بھی جاسکے گا، پھر اگر کسی کو صحاح ستہ مکمل درایۃ پڑھنی ہو یا اور کسی فن کی کتاب

پڑھنی ہوتو اس کے لئے ۲ر ۳سال کا وقت لگا کر اسی فن میں مہارت حاصل کرسکتا ہے۔

ماہر اساتذہ پیدا کرنے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کسی بھی فن میں اساتذہ کو بڑی سے بڑی تنخواہ دی جانے لگے تو اس فن میں مہارت حاصل کرنے لگیں، مدارس ان تعلیمی اخراجات کو اپنے دوسرے تعمیری اور جلسوں کے خرچوں کو کم کر کے پورا کر سکتے ہیں، یہ ایک حقیقت ہے۔

ابتدائی درجات کے نصاب میں ''صرف ونحو'' کی ایسی کتابوں کا اضافہ کیا جائے جن میں قواعد کے بیان کے ساتھ ساتھ انکے عملی اجراء کا اہتمام ہو، ہر ہر قاعدے کے ساتھ ساتھ اس کی بہت سی مثالیں دے کر قاعدے کو ذہن نشین کرایا گیا ہو، اور پھر تمرینات کے ذریعہ طلباء کو ان قواعد پر عمل کا عادی بنانے کی کوشش کی گئی ہو، عرب ممالک میں اس غرض کے لئے بہت سی کتابیں تیار ہوتی ہیں، مثلاً نحو وصرف کے ابتدائی اور متوسط درجات کے لئے (النحو الواضح) اور اعلی درجات کے لئے ''النحو الوافی'' ان کتب سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔(۱)

دار العلوم دیو بند میں طریق کار شروع سے یہ ہے کہ قرآن کریم ختم کرنے کے بعد اور عربی کی تعلیم شروع کرنے سے پہلے طالب علم کو ایک پانچ سالہ نصاب سے گذارا جاتا تھا جو ''درجہ فارسی وریاضی'' کے نام سے موسوم تھا، اس درجے میں اردو، فارسی، دینیات، تجوید، حساب، ریاضی اور جغرافیہ وغیرہ کی اس قدر معیاری تعلیم دی جاتی تھی کہ ان مضامین میں ایک عالم دین کو جتنی واقفیت ضروری ہے ایک طرف وہ تمام تر حاصل ہو جاتی تھی اور دوسری طرف اگر کوئی شخص کسی وجہ سے اس درجے پر اپنی تعلیم ختم کرنے پر مجبور ہو جائے تو وہ دین ودنیا کی اتنی بنیادی معلومات حاصل کر چکا ہوتا تھا کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے اچھی زندگی گذار سکے۔

لہٰذا یہ بات ہماری نظر میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے کہ دار العلوم دیو بند کے مذکورہ بالا طریق کار کے مطابق درجہ اعدادیہ کی مدت بڑھائی جائے اور اس میں اردو، فارسی، دینیات،

(۱) ہمارا تعلیمی نظام: ۹۷، مفتی تقی عثمانی صاحب، زم زم بکڈپو

سیرت، تجوید، حساب، ریاضی اور جغرافیہ وغیرہ کی اتنی معیاری تعلیم دے دی جائے جو اگلے مضامین کے لئے مناسب بنیاد فراہم کر سکے۔(۱)

یہ درجہ اعدادیہ اسلامی علوم کے لئے ایک بہترین بنیاد کا کام دیتا تھا، اور جب طالب علم اس درجہ سے فارغ ہو کر عربی اور اسلامی علوم کی طرف متوجہ ہوتا تو وہ اردو اور فارسی میں تحریر و انشاء کی اچھی صلاحیت کا حامل ہوتا تھا جو اس کو عربی اور اسلامی علوم کی تحصیل میں بہت مدد فراہم کرتی تھی۔

یہ درجہ موجودہ دینی مدارس میں عرصے قبل یا تو ختم ہو چکا ہے یا اس نے گھٹتے گھٹتے ایک سال کے درجہ اعدادیہ کی صورت اختیار کر لی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ طالب علم جب عربی اور اسلامی علوم کی تحصیل شروع کرتا ہے تو عام طور پر اس کی تحریر خراب املاء اور انشاء ناقص اور بنیادی معلومات کمزور ہوتی ہیں، اس میں عربی صرف ونحو اور فقہ وغیرہ کے اہم مضامین کما حقہ سمجھنے اور انہیں اچھی طرح ہضم کرنے کی پوری صلاحیت نہیں ہوتی اور یہ مضامین اسے دشوار معلوم ہوتے ہیں اور جب بنیاد کمزور ہو جائے تو اس کمزوری کا اثر اگلے درجات تک پڑتا ہے۔(۲)

دارالعلوم کا طریقِ درس

دارالعلوم کے طریقہ تدریس کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

ابتدائی..................متوسط..........................اعلی

ابتدائی درجات میں اساتذہ کے پیش نظر یہ بات رہتی ہے کہ طلباء میں کتاب کے مضامین سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے، اس لئے کتاب فہمی پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

متوسط درجات میں کتاب فہمی کے ساتھ زیر درس کتاب کے علاوہ اس فن کے ایسے مباحث زیر بحث لائے جاتے ہیں جو طلباء کے ذہن میں وسعت پیدا کرنے اور ان کے ذہنی معیار کو بلند کرنے کے لئے ضروری ہوں۔

---

(۱) حوالہ مذکور

(۲) درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں؟ ۵۰

اعلی درجات میں زیر درس فن کی تعلیم و تفہیم پر مکمل زور دیا جاتا ہے؛ مگر اسی کے ساتھ کتاب فہمی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا۔

دار العلوم کا طریقِ تعلیم یہ ہے کہ پہلے طالب علم کتاب کی عبارت پڑھتا ہے، استاذ کا فرض یہ ہے کہ پڑھی عبارت پر فنی حیثیت سے اس جامعیت کے ساتھ تقریر کرے جس میں متعلقہ عبارت کے ہر پہلو اور مسئلہ پر روشنی پڑ جائے، استاذ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس کی بحث میں موضوع سے متعلق تمام ضروری معلومات آجائیں، اور وہ اپنی تقریر کو عبارت پر منطبق کر کے طالب علم کو مطمئن کر دے؛ طلبہ درس میں بالکل آزاد ہوتے ہیں اور ان کو اس بات کا مستحق سمجھتا ہے کہ جب تک سبق کو پوری طرح سمجھ نہ لیں اور جتنے اعتراض و مسائل زیر درس کے متعلق ان کے ذہن میں آئیں، ان کا اطمینان بخش جواب استاذ سے سن نہ لیں، استاذ کو آگے بڑھنے نہ دیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف تو طالب علم پوری محنت کے ساتھ درس میں شریک ہوتے ہیں اور دوسری طرف استاذ کی بھی پوری محنت اور توجہ کے ساتھ پڑھانے پر اپنے کو مجبور کیا جاتا ہے۔

عموماً زیر درس کتابوں کے اسباق میں اساتذہ کی توجہ اس امر پر مرکوز رہتی ہے کہ طلبہ میں کتاب فہمی کی استعداد پیدا ہو جائے اور انہیں مصنف کی منشاء کو سمجھنے کا طریقہ معلوم ہو جائے۔

علم الحدیث میں مشکوۃ المصابیح کے علاوہ حسب ذیل کتب نصاب میں داخل ہیں، صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مؤطا امام مالک، موطا امام محمد، شرح معانی الآثار طحاوی، شمائل ترمذی۔

مذکورہ بالا کتب میں اول الذکر چار کتابوں کو بالاستیعاب ختم کرایا جائے اور ان کے مضامین پر پوری بحثیں ہوتی ہیں، بقیہ کتابوں کا استیعاب ضروری نہیں ہے، اساتذہ ان کتابوں کے چند اسباق میں اس قسم کی تقریر کر دیتے ہیں جس سے اس کتاب کا منشاء معلوم ہو جاتا ہے، اول الذکر اور موخر الذکر کتابوں میں چونکہ احادیث کا بیشتر حصہ مشترک ہوتا ہے،

اس لئے ان کے اسباق میں ہر ہر حدیث پر جداگانہ بحث کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حدیث کے درس میں رواۃ حدیث پر جرح وتعدیل سے متعلق بقدر ضرورت مختصر بحث ہوتی ہے، اس کے بجائے فن حدیث پر توجہ زیادہ دی جاتی ہے؛ تاکہ استنباط مسائل اور طریق استخراج کی قوت زیادہ سے زیادہ طلبہ میں پیدا ہو جائے اور وہ ائمہ فقہ کے طریق استنباط کو پوری طرح سمجھ سکیں، البتہ اگر کسی سند یا راوی کی نسبت ائمہ مذاہب کو خصوصی توجہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کو زیر بحث لایا جانا دوران سبق میں ناگزیر ہوتا ہے۔

مگر ائمہ اربعہ کے دلائل، ان کے اصول استخراج مسائل اور احناف کی جانب سے ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات اس سنجیدہ اور علمی طریق سے طلبہ کے ذہن نشین کرائے جاتے ہیں کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی وقعت وعظمت کم نہیں ہونے پاتی، بلکہ نہایت وسعت نظر کے ساتھ ائمہ ثلاثہ کے دلائل وبراہین میں طلبہ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، چونکہ اکثر کتب حدیث وتفسیر جو دار العلوم کے نصاب میں شامل ہیں وہ شوافع اور مالکیہ کی مدون کی ہوئی ہیں، اس لئے ان ائمہ کے دلائل تو لازمی طور پر طلبہ کے سامنے آجاتے ہیں، اس وجہ سے اساتذہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ احناف کے مسلک کو دلائل وشواہد کی روشنی میں اس طرح پر راجح قرار دیں؛ تاکہ ائمہ ثلاثہ کی مجتہدانہ عظمت اپنی جگہ پر برقرار رہے اور اس میں کوئی فرق رونما نہ ہونے پائے۔

بڑی جماعت کے باذوق طلبہ متقدمین کی روش کے مطابق استاذ کی تقریر کو قلم بند کرنا ضروری خیال کرتے ہیں، چنانچہ حضرت گنگوہی، اور حضرت شیخ الہند کے درس ترمذی کی تقریر نفح الشذی اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کے درس صحیح بخاری کی تقریر العرف الشذی اور فیض الباری جو چار ضخیم جلدوں میں ہے، اسی ذوقِ املا کا نتیجہ ہیں، اس طرح کی املائی تقریروں میں سے یہ چند مثالیں ہیں جو زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں، ورنہ جو دعوت طباعت کے انتظار میں ہنوز چشمِ راہ ہیں ان کا شمار بھی مشکل ہے، متاعِ علمی کے یہ جواہر ریزے بکثرت فضلائے دار العلوم کے پاس موجود ہیں۔

استاذ کی تقریر و تعلیم اردو میں ہوتی ہے جو پورے ہندوستان میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔(۱)

دارالعلوم کی تعلیمی خصوصیات

تعلیم جس قدر سادہ اور مختصر لفظ ہے، اتنا ہی اہم اور ورح کی گہرائی تک کو متاثر کرنے والا ہے، تعلیم محض نقوش وحروف، خطوط آواز، بولیوں اور چھوٹی بڑی کتابوں کا نام نہیں ہے؛ بلکہ ایسی ذہنی ودماغی اور علمی تربیت کا نام ہے جس کے ذریعے انسان کی فطری قوت وصلاحیت کو ابھار کر سنوارنا اور منظم کرنا ہے، اور انسانی جذبات وحسیات کو ایک عمدہ اور اعلی نصب العین کے تحت لاکر مہذب اور شائستہ بنانا ہے، تاکہ نوع انسانی کے لئے مفید ثمرات ونتائج بروئے کار لائے جاسکیں، انسان کو اس کی اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال سکھانا بہت دشوار ہے اور جس قدر دشوار ہے اسی قدر ضروری بھی ہے۔

بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ اگر تعلیم صرف نہ جانی ہوئی چیزوں کی واقفیت تک محدود ہے تو کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے؛ لیکن اگر اسے عمل کا پابند بنادیا جائے تو پھر اس کی دشواریاں کئی گنا بڑھ جاتی ہیں، اگرچہ علم کی قدر دنیا کی ہر قوم کرتی ہے، لیکن علم کی نسبت مسلمانوں کا جو نظریہ ہے وہ دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے، غیر مسلم علم اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ اس کے ذریعے دنیا میں قوت وعظمت اور ترقی وبرتری حاصل کریں علم کو عام طور پر حصولِ دولت کے لئے وسیلہ سمجھا جاتا ہے، مگر مسلمانوں کی یہ خصوصیت ہے کہ انہوں نے علم کو وسیلے کے بجائے مقصد سمجھا ہے، ذریعہ معاش نہیں سمجھا، مسلمانوں نے ہمیشہ علم کو علم کے لئے سیکھا ہے، انہوں نے علم کو کبھی اس لئے حاصل نہیں کیا کہ اس کے ذریعہ معاش حاصل کریں، مسلمانوں کے نزدیک حصول علم ایک فرض ہے، جس کو پورا کرکے مسلمان علاوہ دنیوی مفاد کے اخروی نجات بھی حاصل کرتا ہے، سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے: "**طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة**"، یعنی ہر مسلمان مرد وعورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔

---

(۱) تاریخ دارالعلوم: ۲۷۹-۲۸۲، سید محبوب رضوی، طبع لاہور، پاکستان

یہ فرضیت عمل ہی کے لئے ضروری قرار دی گئی ہے اور ہر شخص پر بقدر ضرورت واجب ہے، تاریخ کی یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک سر بلند نہیں ہو سکی جب تک اس میں علم وعمل کی قوتیں بیدار نہیں ہوئی، تعلیم ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس کی بدولت روحانی اوراخلاقی تمدنی اورتہذیبی ترقی ہوسکتی ہے جو انسانی تخلیق کا مقصد اعلی ہے، ایسی ترقی کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ ہر طالب علم کو اس کا موقع دیا جائے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کی بہتر سے بہتر طریقے پر نشوونما کر سکے، بالفاظ دیگر معاشرے کا فرض اولین یہ ہے کہ وہ تمام ایسی سہولتیں مہیا کردے، جس سے ہر طالب علم اپنے بہترین جوہر دکھا سکے، درحقیقت علم سے قومیں بنتی ہیں اور جہل سے بگڑتی ہیں، بناء بریں ضروری ہے کہ ہر شخص کو تعلیم حاصل کرنے کے یکساں مواقع حاصل ہوں، اسلام نے علم کو سماج کے مخصوص طبقوں کی اجارہ داری سے نجات دلا کر انسانیت پر اتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔(۱)

مفت تعلیم

ہمارے قدیم نظام تعلیم کی یہی روایت دارالعلوم کا طرہ امتیاز ہیں، یہاں بھی طلباء سے فیس نہیں لی جاتی، غیر مستطیع اور ضرورت مند طلباء کو دارالعلوم کی جانب سے کھانا، کپڑا اور نقد وظائف دیئے جاتے ہیں، زیر درس کتابیں اور قیام کے لئے جگہ ہر مستطیع وغیر مستطیع طالب کے لئے مفت مہیا کی جاتی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دارالعلوم کی تعلیم صرف دولت مندوں کے ساتھ مخصوص نہیں رہی ہے، بلکہ غریب سے غریب شخص بھی اس کے ذریعے سے اپنے بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرسکتا ہے،اس کا فیض عام اور بقار استعداد تام ہے۔

دارالعلوم دیوبند ہندوستان میں وہ پہلی تعلیم گاہ ہے جو مفت تعلیم (Free Educuation) کی بنیاد پر قائم ہوئی، دارالعلوم ایک صدی سے زیادہ مدت سے اس مفت نظام تعلیم کو کامیابی کے ساتھ چلا رہا ہے۔(۲)

---

(۱) تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۴۶۵

(۲) تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۲۹۲

اوقات تعلیم

جیسا کہ عموما مدارس عربیہ کا معمول ہے کہ دار العلوم میں بھی درس کے اوقات دو حصوں پر تقسیم ہیں، پہلا حصہ چار گھنٹے کا ہے اور دوسرا دو گھنٹے کا، موسم گرما میں صبح ۶ بجے سے ۱۰ بجے تک اور بعد ظہر ۳۔۱/۲ (ساڑھے تین) بجے تک درس کے اوقات ہیں، دار العلوم میں تعلیمی گھنٹہ پورے ۶۰ منٹ کا ہوتا ہے، موسم کے تغیر کے ساتھ تدریجا اوقات بدلتے رہتے ہیں، یعنی چھ سے سوا چھ، اور دو سے سوا دو، اسی طرح آٹھ سے پونے آٹھ اور ساڑھے تین سے سوا تین۔

عام طور پر شوال میں داخلے کے بعد اوائل ذی قعدہ سے اسباق شروع ہو جاتے ہیں، اور آخر رجب تک جاری رہتے ہیں، شعبان میں سالانہ امتحان ہوتا ہے، جو تقریبا تین ہفتوں تک جاری رہتا ہے، شعبان کے آخر ہفتے سے عام تعطیل ہوتی ہے، جو شوال کے پہلے ہفتے تک رہتی ہے، دوسرے ہفتے سے داخلہ شروع ہو جاتا ہے، جمعہ، ہفتہ واری تعطیل کا دن ہے۔

تعلیمی وظائف

مدارس عربیہ میں تعلیم پانے والے طلباء اکثر و بیشتر غریب اور نادار ہوتے ہیں، ان کے سرپرستوں میں اتنی استطاعت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے نونہالوں کی تعلیم و تربیت میں روپیہ خرچ کر کے ان کو تعلیم و تہذیب سے آراستہ کر سکیں۔

ہر ترقی کرنے والی قوم کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ اس کی ترقی کا راز اس قوم کے عوام کے تعلیم یافتہ ہونے میں مضمر ہوتا ہے، اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک تعلیم کا مفت انتظام نہ ہو، چنانچہ صد ہا برس کے تجربے کے بعد بیسویں صدی کے بڑے بڑے ماہرین تعلیم بالآخر اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ عوام کی تعلیم مفت ہونی چاہئے، اور جب تک یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے گا، تعلیم کا عام ہونا مشکل ہے، جدید تعلیم کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ وہ صرف ان لوگوں کے لئے خاص ہو کر رہ گئی ہے جو اپنے اخراجات کے خود متحمل ہو سکیں، گویا عصری تعلیم کے حصول میں غریبوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

لیکن ہمارے قدیم تعلیمی نظام میں تعلیمی مصارف کو طلباء کے بجائے درسگاہوں کے ذمہ رکھا گیا ہے، اس تعلیمی نظام میں تعلیم پر کوئی فیس نہیں لی جاتی اور نہ صرف یہ بلکہ طلباء کے لئے زیر درس کتابوں کا انتظام بھی مفت کیا جاتا ہے؛ بلکہ نادار اور غریب طلباء کو درس گاہوں کی جانب سے کھانا کپڑا اور دوسری ضروریات کے لئے نقد وظائف بھی دیئے جاتے ہیں، دارالعلوم میں شروع ہی سے اس امر کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ غریب اور نادار طلباء کے قیام وطعام، لباس، مصارف علاج اور دوسری لازمی ضروریات کے تکفل کا بار طلباء کے بجائے دارالعلوم کی جانب سے برداشت کیا جائے، الا یہ کہ جو طلباء خود اپنے تکفل پر قدرت رکھتے ہوں۔

مگر اجرائے وظائف میں یہ لحاظ رکھنا کہ طلباء میں تعلیمی امور سے بے رغبتی اور مفت خوری کی عادت پیدا نہ ہونے پائے، اور وہ ہمہ تن تعلیمی مشاغل میں منہمک رہیں۔

اس لئے تمام وظائف ایک سال کے لئے جاری کئے جاتے ہیں، سال آئندہ میں ان کی از سرنو تجدید کرائی جاتی ہے، طالب علم اگر کسی وقت بھی امتحان میں ناکامیاب ہوتا ہے تو وظیفہ بند کر دیا جاتا ہے، اور جب تک وہ اجرائے امداد کے قانون کے مطابق اوسط درجے کی کامیابی امتحان میں حاصل نہ کرلے وظیفہ جاری نہیں ہوتا، البتہ دارالاقامہ میں قیام کے لئے اور کتب خانہ سے سال متعلقہ کی زیر درس کتابیں بلا تخصیص مستحق وغیر مستحق ہر طالب علم کو مستعار طریقے پر مفت دی جاتی ہیں۔

وظیفہ حاصل کرنے کے لئے حسب ذیل شرائط ضروری ہیں:

الف: طالب علم کم از کم النحو الواضح اور شرح تہذیب وغیرہ کتب (جو دوسرے سال میں پڑھائی جاتی ہیں) پڑھ چکا ہو۔

ب: مذکورہ کتب کے امتحان میں پچاس نمبروں میں کم از کم ۳۷ نمبر حاصل کئے ہوں، جو کامیابی کا درجہ اوسط ہے۔

ج۔ غربت کی وجہ سے امداد کا طلب گار ہو۔

وظیفے کی دو قسمیں ہیں کھانا......اور...........نقد

کھانے کے انتظام کے لئے مطبخ ہے، جس سے ہر طالب علم کو ایک وقت میں دو تنوری روٹیاں دی جاتی ہیں جو ۲۵۰ گرام (خشک) آٹے کی ہوتی ہیں، دوپہر کو دال اور شام کو کھانے میں گوشت دیا جاتا ہے۔

کھانے کے علاوہ مختلف مقدار میں نقد وظائف بھی دیئے جاتے ہیں، جو پچاس روپیہ (مرتب کے دور میں یہ وظیفہ ۷۰، ۲۰۰۱ تا ۲۰۰۴ میں روپیئے ہوا کرتا تھا) ماہانہ ہوتے ہیں، یہ دونوں قسم کے وظائف دارالعلوم کی اصطلاح میں ''امداد'' کہلاتے ہیں، جن طلباء کی ''امداد'' جاری ہوجاتی ہے، ان کو سال بھر میں چار جوڑے کپڑے دو جوڑی جوتے اور سردی کے موسم میں لحاف بھی دیا جاتا ہے۔

حجروں میں روشنی اور کپڑوں کی دھلائی کے لئے ماہانہ وظیفہ ہے، بیمار طلباء کے علاج کے لئے معالج مقرر ہیں، طلباء کو دوا مفت مہیا کی جاتی ہے اور کھانا پرہیزگاری ملتا ہے۔

ان امور کے علاوہ احاطہ دارالعلوم کی تمام گذرگاہوں میں روشنی، اقامت گاہوں میں پانی نل اور موسم سرما میں مسجد دارالعلوم میں گرم پانی کا انتظام اہتمام کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

دارالعلوم میں داخل تمام طلباء کو کتب خانے سے زیر درس کتابیں کسی معاوضے کے لئے بغیر ایک سال کے لئے مستعار دی جاتی ہیں، طالب علم کو مالی امداد ملتی ہو یا نہ ملتی ہو دونوں صورتوں میں اس سے دارالاقامہ کے کمرے کا کوئی کرایہ نہیں لیا جاتا۔(۱)

درجاتِ تعلیم

دارالعلوم میں ابتدائی تعلیم سے اعلی تعلیم کا نظم ہے، دارالعلوم کا سب سے اہم کورس ''فاضل'' ہے، جو آٹھ سال پر مشتمل ہوتا ہے، فاضل کورس کو عالمیت اور مولویت وغیرہ ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے، فاضل کورس کے پہلے چار سالوں کا نظام ''مدرسہ ثانویہ'' کی صورت میں علاحدہ ہے، جس میں عربی صرف ونحو، عربی انشاء، منطق، ترجمہ قرآن، تاریخ اور مبادی

(۱) تاریخ دارالعلوم: ۲/۳۰۱

کی تعلیم دی جاتی ہے، جب کہ آخری چار سالوں میں تفسیر، اصول تفسیر، فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث، معانی و بلاغت وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے، فاضل کورس کا آخری سال ''دورہ حدیث'' سے موسوم ہے، جس میں صحاح ستہ کے ساتھ موطا امام مالک، موطا امام محمد، طحاوی شریف اور شمائل ترمذی کتب حدیث روایۃ ودرایۃ پڑھائی جاتی ہیں، دارالعلوم دیوبند کے فاضل کورس کو متعدد عصری جامعات جیسے یونیورسٹی علی گڈھ، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد، ہمدرد یونیورسٹی نئی دہلی، لکھنؤ یونیورسٹی وغیرہ میں بی اے کے مساوی تسلیم کیا جاتا ہے۔

فاضل کے بعد تکمیلات کے نام سے تخصصات کے شعبے ہیں، جن میں تفسیر، حدیث، فقہ، علوم اسلامی، ادب عربی، تقابل ادیان وفرق وغیرہ موضوعات میں تخصص کے درجات ہیں، علوم اسلامیہ کے علاوہ انگریزی زبان وادب کمپیوٹر اپلیکیشن، صحافت وغیرہ کے کورسز بھی موجود ہیں، جن سے طلبہ حسب ضابطہ استفادہ کر سکتے ہیں۔

فاضل کورس (مدت: آٹھ سال)

درجات ثانویہ

(۱) سال اول عربی

(۲) سال دوم عربی

(۳) سال سوم عربی

(۴) سال چہارم عربی

درجات متوسطہ:

(۵) سال پنجم عربی

(۶) سال ششم عربی

درجات عالیہ

(۷) سال ہفتم عربی (موقوف علیہ)

(۸) سال ہشتم (دورۂ حدیث)

نصاب اردو دینیات (دار العلوم دیوبند)

درجہ اطفال	نورانی قاعدہ مکمل، قاعدہ اردو (بعد ششماہی) گنتی (۱۰۰ تک لکھنا پڑھنا) تختی لکھنا، کلمات (پہلا اور دوسرا کلمہ حفظ)
درجہ اول	قرآن شریف (پارہ عم/الم/ناظرہ اور تا سورۂ فیل حفظ ترتیب معکوس) اردو کی پہلی کتاب مولوی محمد اسماعیل صاحب، اردو لکھنا، دینی تعلیم کا رسالہ اور، نماز وضو کی (عملی مشق) کلمات (تین کلمے حفظ) بیسک حساب حصہ اول، پہاڑے (۱۰ تک) بھاشکرن پہلا حصہ (حروف وا ترا شناسی از کتاب) نقل ہندی از کتاب
درجہ دوم	قرآن شریف از پارہ (۲ تا ناظرہ اور تا سورۃ الشّمس حفظ) دینی تعلیم کا رسالہ حصہ دوم وسوم، اردو کی دوسری کتاب، نماز وضو کی (عملی مشق) کلمات (پانچوں کلمے حفظ) نقل اردو اور آسان املا از کتاب، جغرافیہ، بھاشکرن دوسرا حصہ، نقل ہندی، بیسک حساب حصہ دوم پہاڑے (۲۰) تک
درجہ سوم	قرآن شریف پارہ (از ۱۳ تا ختم ناظرہ اور تا سورۃ انشقاق حفظ) دینی تعلیم کا رسالہ حصہ چہارم، وپنجم، اردو کی تیسری کتاب، نقل اردو، بھاشکرن تیسرا حصہ، نقل ہندی، بیسک حساب حصہ سوم، چھ کلمے حفظ، وضو ونماز کی عملی مشق اور دعائے نماز جنازہ، قواعد اردو اول (نثار بیگ)۔
فارسی چہارم	تاریخ الاسلام حصہ اول، اردو کی چوتھی کتاب، املا اردو، آمدنامہ مکمل، رہبر فارسی، تیسیر المبتدی، فارسی کی پہلی کتاب، گلزار دبستان حصہ اول ودوم، کریما، بھاشکرن، چوتھا حصہ املا ہندی، انگلش پرائمر، بیسک حساب حصہ چہارم، سائنس آؤ کر کے سیکھیں، حصہ اول۔
فارسی پنجم	تاریخ الاسلام حصہ دوم، مشاہیر دار العلوم دیوبند، اردو کی پانچویں کتاب، اردو خطوط نویسی (املاء) فارسی کا معلم، گلستان مکمل (باستثناء باب پنجم) بوستان (از ابتداء تا ختم باب اول) بھاشکرن، پانچواں حصہ، املاء ہندی، انگلش رینبو حصہ پنجم، بیسک حساب حصہ پنجم

نصابِ تعلیم شعبہ دینیات (جامعۃ اسلامیہ اشاعۃ العلوم اکل کوا)

سال اول	اشاعتی احسن القواعد، بعدہ پارہ عم اشاعتی اردو قاعدہ دینی تعلیم کا رسالہ نمبر ۱ مع تحریر تعلیم الاسلام نمبر ۱ نورانی قاعدہ چہل حدیث مراٹھی، علم بالقلم انگریزی	اول کلمہ مع صحت وترجمہ، دوم، سوم، چہارم، پنجم، ششم کلمات، ایمان مجمل ومفصل مع صحت، کھانے سے پہلے اور بعد کی دعا، دعوت کھانے اور دودھ پینے کی دعا، سونے سے پہلے اور سوکر اٹھنے کی دعائیں، مسجد میں دخول وخروج اور اذان ونماز کے بعد کی دعا
سال دوم	قرآن شریف پارہ نمبر ۱ تا پارہ نمبر ۱۲ مکمل دینی تعلیم کا رسالہ نمبر ۲، ۳، ۴، تعلیم الاسلام کا حصہ نمبر ۲ اردو زبان کی پہلی دوسری مع تحریر صحت وتجوید مراٹھی حساب انگریزی	آدابِ تلاوت کلام پاک، کھانے اور سونے کی سنتیں، نمازوں کی رکعتیں، نماز کی جملہ دعائیں، کپڑا پہننے، نیز چاند دیکھنے کی دعائیں، فرائض وضو، سنن وضو، مکروہات وضو، مستحبات وضو، نواقض وضو، اذان ونماز کی عملی مشق، چہل ربنا مع صحت ترجمہ، اسمائے حسنیٰ
سال سوم	قرآن شریف پارہ نمبر ۱۳ تا پارہ نمبر ۳۰ مکمل دینی تعلیم کا رسالہ نمبر ۵، ۶، ۷۔ تعلیم الاسلام کا حصہ نمبر ۳، ۴۔ اردو زبان کی تیسری مع تحریر صحت وتجوید مراٹھی حساب انگریزی	فرائض نماز، واجبات نماز، سنن نماز، مکروہات نماز، مستحبات نماز، فرائض غسل، سنن غسل، نماز جنازہ کی مکمل دعائیں، تیمم کا طریقہ، چہل ربنا مع صحت ترجمہ، اسمائے حسنیٰ۔

نصاب تعلیم فاضل کورس (آٹھ سالہ) دارالعلوم دیوبند

سال اول عربی

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
تجوید القرآن	۶	اصول التجوید (قاری جمشید علی قاسمی) پارہ عم حفظ صحیح مخارج کے ساتھ، مشق ربع اول
سیرت	۶	سیرت خاتم الانبیاء (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ)
صرف	۶	میزان (مولانا سراج الدین عثمان اودھی۔) منشعب (مولانا حمزہ بدایونیؒ) پنج گنج (مولانا صفی رودولویؒ)
نحو	۶	نحو میر (سید شریف جرجانی) شرح مائۃ عامل (سید شریف جرجانی) ترکیب کے لئے
تمرین عربی	۶	القراءۃ الواضحہ (مولانا وحید الزمان کیرانویؒ) مفتاح العربیۃ ۱/۲ (مولانا نور عالم خلیل امینی)

سال دوم عربی

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
تجوید القرآن	۶	جمال القرآن (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) مع مشق بقیہ پارہ عم
صرف	۶	علم الصیغہ (مفتی عنایت علی کاکورویؒ) فصول اکبری (قاضی علی اکبر الہ آبادیؒ)
نحو	۶	ہدایۃ النحو (سراج الدین عثمان اودھیؒ)
تمرین عربی	۶	القراءۃ الواضحہ دوم (مولانا وحید الزمان کیرانویؒ) نفحۃ الادب (مولانا وحید الزمان کرانویؒ)

فقہ	٦	نورالایضاح (شیخ حسن بن علی الشرنبلالیؒ) مختصرالقدوری (شیخ ابوالحسن محمد بن جعفر القدوریؒ) تاختم کتاب الحج
منطق	٦	آسان منطق (مولانا عبد اللہ گنگوہیؒ) المرقاۃ (علامہ فضل حق خیرآبادی)

سال سوم عربی

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
ترجمۂ قرآن	٦	ترجمہ قرآن (سورۃ ق سے آخر تک، پہلے پارہ عم اس کے بعد سورہ ق سے)
عربی ادب وحدیث	٦	نفحۃ العرب (مولانا اعزاز علی امروہویؒ) تاختم عنوان نبۃ من ذکاوۃ العرب۔اس کے بعد مشکاۃ الآثار (مولانا محمد میاںؒ) مکمل
فقہ	٦	مختصرالقدوری (شیخ ابوالحسن محمد بن جعفر القدوریؒ) کتاب البیوع تاختم کتاب
نحو	٦	کافیہ (ابن حاجب)
تمرین نحو	٦	القرائۃ الواضحہ سوم (مولانا وحید الزماں کیرانویؒ) مکمل بعدہ تعلیم المتعلم
منطق	٦	شرح التہذیب (شیخ عبداللہ الیزدیؒ)
مطالعہ تاریخ	----	تاریخ ملت: خلافت راشدہ (قاضی زین العابدین میرٹھیؒ، مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادیؒ)

سال چہارم عربی

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب

ترجمۂ قرآن	۶	سورہ یوسف سے سورہ ق تک
حدیث	۶	الفیۃ الحدیث (مولانا محمد منظور نعمانیؒ)
فقہ	۶	شرح وقایہ (صدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعودؒ) جلد اول، جلد دوم تا کتاب العتاق
اصول فقہ	۶	تسہیل الاصول (مولانا ریاست علی بجنوریؒ، مولانا نعمت اللہ اعظمی) اصول الشاشی (نظام الدین ابو علی احمد بن محمد الشاشیؒ)
بلاغت	۶	دروس البلاغۃ (حفنی ناصف وغیرہ)
منطق	۶	قطبی (قطب الدین رازیؒ)
تاریخ اسلام	۳	تاریخ ملت : خلافت امیہ وعباسیہ وعثمانیہ (قاضی زین العابدین میرٹھیؒ، مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادیؒ)
علوم عصریہ	۳	تاریخ، جغرافیہ، علم مدنیت

سال پنجم عربی

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
ترجمۂ قرآن	۶	از سورہ فاتحہ تا ختم سورۂ ہود
عقیدہ	۳	العقیدۃ الطحاویہ (امام طحاویؒ) سلم العلوم کے بعد
فقہ	۶	ہدایہ (شیخ ابوالحسن مرغینانیؒ) جلد اول
اصول فقہ	۶	نور الانوار (ملا جیونؒ)
ادب عربی	۶	المقامات (الحریری)
بلاغت	۶	مختصر المعانی (شیخ سعد الدین تفتازانی)

منطق	۳	سلم العلوم (ملا محب اللہ بہاری)
تاریخ اسلام	مطالعہ	سلاطین ہند (قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ، مفتی انتظام اللہ شہابی)

سال ششم عربی

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
تفسیر قرآن	۶	جلالین (شیخ جلال الدین محلی، وشیخ جلال الدین سیوطیؒ)
اصول تفسیر	۳	الفوز الکبیر (شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ)
فقہ	۶	ہدایہ (شیخ ابوالحسن مرغینانیؒ) جلد دوم
اصول فقہ	۳	حسامی (شیخ حسام الدین اخسکثیؒ) الفوز الکبیر کے بعد
ادب عربی	۶	قصائد منتخبہ دیوان متنبی دیوان حماسہ (ابوتمام) باب الأدب
فلسفہ	۶	مبادئ الفلسفہ (مفتی سعید احمد پالن پوری) المیبذی (قاضی امام حسین المیبذیؒ)
سیرت	مطالعہ	اصح السیر (مولانا عبدالرؤف داناپوریؒ)

سال ہفتم عربی

فن	ہفتہ واری گھنٹے	نصاب
حدیث شریف	۱۸	مشکاۃ المصابیح (شیخ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزیؒ)
اصول حدیث	۳	نخبۃ الفکر (علامہ ابن حجر العسقلانیؒ) مقدمہ (شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)
عقیدہ	۶	شرح العقائد النسفیہ (علامہ سعد الدین تفتازانیؒ)

فقہ	۱۲	ہدایہ (شیخ ابوالحسن مرغینانیؒ) جلد سوم و چہارم
علم الفرائض	۳	سراجی (علامہ سجاوندیؒ) شرح عقائد کے بعد

سال ہشتم (دورہ حدیث)

حدیث	۱۸	صحیح البخاری (امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ)
حدیث	۱۲	صحیح مسلم (امام مسلم بن الحجاج القشیریؒ)
حدیث	۶	سنن ابی داؤد (امام سلیمان الاشعث السجستانیؒ)
حدیث	۱۸	سنن الترمذی (امام محمد بن عیسی الترمذیؒ)
حدیث	۳	سنن النسائی (امام احمد بن شعیب النسائیؒ)
حدیث	۱	سنن ابن ماجہ (امام محمد بن یزید القزوینیؒ) سنن نسائی کے بعد
حدیث	۲	شمائل ترمذی (امام محمد بن عیسی الترمذیؒ) سنن نسائی کے بعد
حدیث	۲	شرح معانی الآثار (امام احمد بن محمد الطحاویؒ)
حدیث	۱	مؤطا امام مالک بروایۃ یحیی اللیثیؒ (جمعہ کے دن)
حدیث	۱	مؤطا بروایۃ امام محمد بن حسن الشیبانیؒ
تجوید	خارج	تجوید و مشق

نوٹ: دورہ حدیث میں مغرب اور عشاء کے بعد بھی اسباق ہیں۔(۱)

(۱) دارالعلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ:۲۱۹۔۲۲۵، مولانا محمد اللہ، شیخ الہند اکیڈمی، دارالعلوم دیوبند

عالمیت کے بنیادی اصول

ضروری تجوید

تجربہ سب کا یہ ہی ہے کہ بعض وہ طلبہ جو بغیر حفظ کے عالمیت یا ناپختہ حفظ وناظرہ کر کے عالمیت میں داخلہ لیتے ہیں ان کو ضروری تجوید سکھانا ضروری ہے، گجرات وجنوبی ہند (بنگلور، ٹمل ناڈ) کے بہت سے مدارس قراءت حفص وقراءت عشرہ کی بھی نصاب عالمیت میں تکمیل کروادیتے ہیں، دارالعلوم دیوبند نے خود اپنے فضلاء کو سند فراغت کی شرط رکھی ہے، حفظ پارۂ عم اور تجوید کو شرط قرار دیا ہے، خارجی اوقات میں تجوید وقراءت کے شعبہ سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دیتا رہتا ہے، طریقۂ کار یہ ہونا چاہئے کہ تعلیمی سال کے ابتداء میں جدید داخلہ لینے والوں کا جائزہ لے کر بعد نمازِ فجر مستقل اس کی درسگاہ قائم کی جاسکتی ہے۔

تعلیمی ترقی اچھے، باصلاحیت، ذی استعداد، فکرمند، دیندار، سنجیدہ اور خوش مزاج اساتذہ پر موقوف ہے، نہ حسین وآسان نصاب پر کہ علم (درسینہ نہ درسفینہ) لہٰذا ہر جگہ نصاب میں تبدیلی وفرق پایا جانا ناگزیر ہے، البتہ اس میں جمود سے احتراز ضروری ہے، ہم نے اس سلسلہ میں ہنگامی اقدامات کئے ہیں، ابتداء میں ہزار کوششوں کے باوجود تمام شعبوں کا ناظرہ چوپٹ تھا تو ساری کتب بند کرا کے دلیری سے صرف نورانی قاعدہ پر محنت کرائی گئی، پھر نحو صرف کی کمزوری کو دور کرنے کے لئے دو ماہ تک دوم سے اوپر دورہ تک تمام اساتذہ وطلبہ پر تسہیل النحو والصرف اور شرح مأۃ عامل کی زبردست محنت کرائی گئی، اس طرح ضروری اقدامات ہوتے رہنے چاہئے اور اس سلسلہ میں مخلوق سے زیادہ خالق کے سامنے جوابدہی کا استحضار ہونا چاہئے۔(۱)

(۱) معین المدارس: ۹۴، مفتی شاکر خان قاسمی

شعبۂ عالمیت کے ذمہ دار کے لئے ہدایات

۱۔ صبح و دوپہر طلبہ کو کلاس میں بٹھانا اور تاخیر سے آنے والے طلبہ کو سزا دینا۔

۲۔ چل پھر کر کلاسوں کی نگرانی کرنا اور شروع کے دس منٹ میں سبق ہوا یا نہیں جانچنا۔

۳۔ ہر مہینہ کے اخیر میں ماہانہ تفصیلی جانچ لینا اور تعلیمی رپورٹ پیش کرنا۔

۴۔ اساتذہ کتاب اور طلبہ کو مدنظر رکھتے ہوئے مقدار خواندگی یومیہ ماہانہ ششماہی اورسالانہ تیار کرنا۔

۵۔ اساتذہ کی گھنٹہ دو گھنٹہ کی رخصت اور تاخیر کا وقت لکھنا۔

۶۔ ہر مہینہ کے آخری ایام میں وضع شدہ تنخواہ کی فہرست بنا کر دینا۔

۷۔ شعبہ سے متعلق اساتذہ کی مغرب بعد اور عشاء کے بعد کی نگرانی طئے کرنا۔

۸۔ ہر جمعہ کو بعد مغرب طلبہ کی کاپی چیک کرنا کہ سبق نہ ہونے کی وجہ کیا ہے۔

۹۔ تاریخ لکھنے کے ذمہ دار طلبہ سے تاریخ کے بارے میں پوچھتے رہنا اور لکھی ہوئی تاریخ کو چیک کرنا۔

۱۰۔ طلبہ سے تعلیمی استخبار لینا اور اس کا مناسب حل پیش کرنا۔

۱۱۔ ہر کلاس میں جو عام طلبہ کی ضرورت کی چیزیں ہیں جیسے سفیدہ کی بوتل، موم بتی، دیا سلائی وغیرہ کلاس ٹیچرس سے ملکر منگوانا۔

۱۲۔ شعبہ سے متعلق ضرورت کی چیزیں منگوانا اور سالانہ چھٹی کے وقت آفس میں ان چیزوں کو جمع کرنا۔

۱۳۔ اساتذہ بغیر مطالعہ کے کوئی کتاب نہ پڑھائیں اور سبق کا ناغہ بالکل نہ کیا جائے۔

۱۴۔ دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ جو کتاب نہ پڑھا سکیں ناظم تعلیمات کو مطلع کر دیں کہ یہ کتاب کسی دوسرے کو دے دی جائے، اس میں طلبہ کا بہت نقصان ہوتا ہے، ان کو شکایت ہوتی ہے۔

۱۵۔ سبق پورے وقت پڑھایا جائے۔

۱۶۔ جو گھنٹہ خالی ہو اس کو مطالعہ میں صرف کریں؛ تاکہ علمی استعداد بہتر ہو، ادھر ادھر بیٹھ کر وقت ضائع نہ کریں۔

۱۷۔ چھوٹی کتابوں کا سبق لازمی طور پر بغیر سنے ہوئے نہ پڑھایا جائے، بڑی کتابوں میں اگر وقت میں گنجائش ہو تو سن لیا کریں ورنہ نہیں۔

۱۸۔ سبق میں عبارت کی صحت پر زور دیا جائے۔

۱۹۔ صرف ونحو کی کتابوں میں خصوصاً سوالات لکھ کر طالب علم کو دیئے جائیں؛ تاکہ ان کو حل کر کے دوسرے دن سنائیں۔

۲۰۔ ہفتہ میں ایک دن مضمون نگاری کے لئے رکھا جائے۔

۲۱۔ جمعرات کی شام کو تقریر اپنی نگرانی میں کرائی جائے۔(۱)

تکرار کا نظام

تکرار و مذاکراہ کا نظام بالعموم طلبہ پر چھوڑ دیا جاتا ہے، ذہین ذمہ داری کا احساس رکھنے والے طلبہ تو حصہ لیتے ہیں؛ مگر غبی، متوسط اور بعض باصلاحیت، مگر کاہل طلبہ اسکا بوجھ نہیں اٹھاتے، قوتِ گویائی اور مشکل کشائی کا سلیقہ تکرار اسے بآسانی حاصل ہوتا ہے، مدرسین، انتظامیہ یا ذمہ دار الاقامہ کے نگران کار معلمین کو اس کا نظام طئے کرنا چاہئے، تکرار کی جماعت بندی، اور ذمہ داری طالب پر تقسیم ہونا چاہئے، ہم مزاج جمع ہو کر وقت ضائع کرتے ہیں، کمزور طلبہ کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا، کمزور اور طاقتور کی جوڑی طئے ہونا چاہئے، تبھی دوسرے دن درس میں سمجھا جاسکتا ہے، تمام طلبہ مخاطب بن سکتے ہیں، آموختہ پر بھی گرفت رہے گی، مغرب اور عشاء کے بعد کا وقت فضولیات ولغویات سے بچ جائے گا، مغرب سے کچھ پہلے یا فوراً بعد ذمہ دار طالب علم اپنی کتاب کی تکرار کی تیاری کر لے۔

دورے اور تربیتی کیمپ، یا مذکّرے اور محاضرے

فن اور کتاب کو مکمل گرفت میں لانے یا آموختہ کو محفوظ رکھنے کے لئے ایک طریقہ

(۱) تحفہ مدارس، افادات حضرت صدیق صاحب باندوی، مرتب مفتی زید مظاہری: نعیمیہ بک ڈپو دیوبند

دورے اور مذکروں کا بھی ہے، سال کی ابتداء میں یا کسی فن کے اختتام پر (جیسے صرف جماعت دو میں علم الصیغو سے نحو جماعت سوم میں کافیہ، شرح جامی پر، منطق جماعت چہارم پر پنجم میں سلم قطبی پر بلاغت میں مختصر المعانی پر، فقہ ششم میں ہدایہ اخیرین پر، فلسفہ میبذی پر، تفسیر ہفتم میں جلالین پر ختم ہوجاتا ہے) دورۂ فن یا مختصر مذکروں کے ذریعہ سے فن میں پختگی بڑھائی جاسکتی ہے یا کسی تجربہ کار، مشاق ماہر فن سے محاضرہ، پیش کروا کر ذوق کو پروان چڑھایا جاسکتا ہے، فن کے مشکلات، تمثیلات، قدیم وجدید، عرب وعجم کے تجربات، تاریخ فن، کتب فن اور پہلیوں کے ذریعہ دلچسپی پیدا کی جاسکتی ہے۔

استیعاب بھی ہوگا اور اختصار بھی، تدریج وتسہیل یکساں، تمرین وتدوین کے ماحول میں کمزور طلبہ کا ذہن بھی لگ جائے گا، ذہن کے آفاق کھلیں گے، رسمی طریقے سے ہٹ کر اس انداز میں نیا نشاط اور استقلال ہوگا، رسائل تعلیم، فنون آلیہ کے بارے میں بالخصوص لگے بندھے طریقے کو منصوص نہیں سمجھنا چاہئے، اجتہاد وتجدد کا عمل جاری رہے، ہر مفید تجربہ کو لیا جائے، عالم عرب اور ہندو پاک کے بعض مدارس میں یہ طریقہ رائج ہے۔

نصاب کتب کی تکمیل

بہت سے مدارس میں نصاب کی تکمیل پر توجہ نہیں ہے، یہاں تک کہ ابتدائی درجات کی کتابیں بھی باقاعدہ اور پوری پڑھانے کا اہتمام نہیں ہے، یہ چیز طلبہ کی استعداد کو کمزور ہونے کا بنیادی سبب ہے، ضروری ہے کہ تمام اساتذہ کرام نصاب کی تکمیل کا اہتمام کریں، اور ذمہ داران مدارس اس کی نگرانی کریں اور اس کام میں اساتذہ کا تعاون فرمائیں، ایام تعلیم میں غیر تدریسی ذمہ داریوں کا باران پر کم سے کم ڈالیں؛ تاکہ وہ نہایت عمدگی سے نصاب کی تکمیل کرا سکیں۔(۱)

آغاز کتاب اور ختم کتاب اس لئے لکھنا ہے کہ بہت سی کتابوں کے شروع میں ''ضخیم مقدمے'' لکھے ہوتے ہیں، تو اصل کتاب کہاں سے شروع ہے یہ معلوم ہوجائے، ضخامت

(۱) خطبہ صدارت رابطہ مدارس اسلامیہ دارالعلوم دیوبند: ۵-۶، حضرت مولانا ابوالقاسم نعمانی دامت برکاتہم

جاننے کے لئے ختم کتاب لکھا جائے، اس میں سے سالانہ کل معینہ مقدار خواندگی طئے کی جائے، یہ کاغذ ابتداء ہی میں اساتذہ کو دے دیا جائے اور سال بھر ان کے پاس رہے، عدم تکمیل کی وجہ جاننے کے بعد معاف بھی کیا جاسکتا ہے، اور باز پرس بھی کی جاسکتی ہے۔

طلبہ کو بھی ان کی ہر کتاب کی یومیہ مقدار خواندگی بتادی جائے۔(۱)

حضرت الامام نانوتوی علیہ الرحمہ نے اصولِ ہشت گانہ میں تکمیل نصاب کے اہتمام کا ذکر کیا ہے، مقدارِ نصاب کو ایام تعلیم اور اشہر تعلیم پر (چھٹیوں، جلسوں، ممکنہ تعطیلات، اتفاقی رخصتوں کا لحاظ کرتے ہوئے) تقسیم کیا جائے، کوشش ہو کہ سال بھر رفتار برابر رہے، مدرس یا انتظامیہ باہمی مشورہ سے اس کام کو ابتداء سال ہی میں انجام دے کر ہر ماہ موجودہ مقدار خواندہ اور مطلوبہ مقدار خواندگی کی یاد دہانی کرواتے رہے، کسی استاذ کے اسفار یا امراض جیسے اعذار کی وجہ سے پیشگی معاون طئے کردیا جائے، ورنہ متعلق فن یا نصاب کتاب کمزور ہوجائے گی، پھر زندگی میں نہ جانے طالب علم کو وہ فن یا کتاب پڑھنے کا موقعہ ملے گا بھی یا نہیں، پھر دین کا مجموعی تصور بھی سامنے نہ آئے تو فارغ ہونے والا عادۃً بمشکل اپنی کمزوری کا ازالہ کر پائے گا، کوئی فن یا کتاب وقت گذاری کے لئے رکھا گیا، کسی بلاغت یا کتاب کی ناقدری اسی طالب علم کی صلاحیت سازی میں ضرور جھول پیدا کردے گی، اجرت تدریس کے حرام ہونے یا عمل تدریس میں خیانت کا جرم ہماری گردن پر نہ آجائے۔

تمرین وتدریب

تمرین، تمثیل کے بغیر کسی فن کو حاصل نہیں کیا جاسکتا، درس نظامی میں شامل قدیم کتابیں تقریباً سبھی تمرینات، اسباق کی حد بندی، رموزِ املاء وغیرہ سے خالی ہیں، چاہئے کہ اسباق کو ایام تعلیم پر تقسیم کرلیں، ہوم ورک اور واجبات دراسیہ کو نوٹ کروائیں، نحو وصرف میں کسی قدر ورک بک کی شکل میں بہت سی تمرینی کتابیں ہندوپاک میں منظر عام پر آچکیں

(۱) تحفہ مدارس، افادات حضرت صدیق صاحب باندوی، مرتب مفتی زید مظاہری: نعیمیہ بک ڈپو دیوبند

ہیں، فقہ، اصول فقہ، بلاغت، تفسیر پر شروحات تو کافی دستیاب ہیں؛ مگر نئی مثالیں، قواعد کو واضح کرنے والی تدریبات یہ (ہماری مطبوعات کے مطابق) روزمرہ کی مثالوں سے تفہیم کا کام عبداللہ عباس ندوی علیہ الرحمہ نے تفہیم المنطق میں اور محترم مفتی حسام الدین صاحب قاسمی (استاذ خیر المدارس، بوربنڈہ، حیدرآباد) نے تمرین المنطق میں کیا ہے، فقہ کے تمام ہی ابواب میں مفتی بہ اور معمول بہ قول کی وضاحت، قدیم اوزان کے ساتھ جدید اوزان کی تشریح، سلگتے مسائل ساتھ ہی غیر مقلدین کے اچھالے گئے غیر اہم فروعی مسائل کے جوابات، احادیث، مستدلات حقیقہ کو حفظ کروانا چاہئے متعلقہ فقہی باب کے جدید مسائل کا بیان بھی ایسے چیز نہیں ہے جس سے صرف نظر کرلیا جائے۔ اصول فقہ میں مزید فروعات کو پیش کیا جاسکتا ہے، اس موضوع پر تیار کئے گئے بڑے بڑے انسائیکلو پیڈیا اور موسوعے معاون بن سکتے ہیں، فقہ کا مقصد قانون سازی، اشباہ ونظائر پر مہارت، کلیہ سے جزئیات، جزئیات سے کلیہ تک پہونچنا آسان ہوجائے، بلاغت میں علي جارم، مصطفی امین کا (انداز النحو الواضح) البلاغۃ الواضحۃ بے حد مفید ہے، عربی تفاسیر سے وجوہ بلاغت، احادیث اور بلغاء کے کلام میں نکاتِ بلاغت کا استخراج ایک ایسا ہوم ورک ہے شروع کردیا جانا چاہئے، فن تفسیر میں جب نحو وصرف اور لغوی تحقیق مقصودہ ﷺ تب بھی اعراب القرآن کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں، مزید وجوہ اعراب، ترجمہ کا اختلاف ہوم ورک میں ہوسکتا ہے حضرت حکیم الامت کی بیان القرآن میں ذکر کردہ نحوی تراکیب اس موضوع پر ذہن چلا سکتے ہیں، مولانا عبدالماجد دریابادی کی (حکیم الامت: نقوش وتأثرات) تفسیر ماجدی کی تصنیف کے وقت طویل مکاتیب کو دیکھنے سے پتہ چل سکتا ہے کہ ترجمہ قرآن کا کام کس قدر نازک اور حساسیت کا حامل ہے، جلالین، وغیرہ اسرائیلات، موضوعات تفسیر، گمراہ مفسرین، درجات مفسرین جیسے موضوع ’’پر مشق ہونی چاہئے، دردمند، محنتی استاذ کے سامنے بہت سے اور کام بھی ہوسکتے ہیں، خلاصہ یہ کہ طلبہ مدارس کو ہر کتاب پر، فن پر تدریب وتمرین کا کام، تاریخ وار کلاس ورک، ہوم ورک کا نظام بتایا جانا چاہئے۔

اسباق کا مطالعہ

مطالعہ کرنا ہر استاذ پر ضروری ہے، یعنی استاذ سبق کو حل کرے، اگر فنی کتاب ہو تو اس کی شروحات دیکھ لے، الفاظ معنی ذہن نشیں کرے، مشکل الفاظ کا حل تیار کرے، بہر حال کیا پڑھانا ہے، اس کی مکمل تیاری کر کے جائے، اگر مطالعہ کرنے کا مضمون نہ ہو مثلاً قرآن قاعدہ وغیرہ تو کوئی واقعہ، قصہ یا کہانی پڑھ کر جائے، نیز قرآن یا قاعدہ پڑھانے والے کو تجوید کے قواعد کا استحضار ضروری ہے۔

بڑی اور فنی کتابوں کو بغیر مطالعہ کے پڑھانا بالکل جائز نہیں، بغیر مطالعہ کے پڑھانے سے پشیمانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، استاذ طلبہ کے سوالات کا جواب نہیں دے پاتا، طلبہ استاذ کے چہرہ کو دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ اس نے مطالعہ نہیں کیا ہے، اس سے استاذ کا رعب ختم ہو جاتا ہے، طلبہ سامنے تو ادبا خاموش رہتے ہیں؛ لیکن پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرتے ہیں۔

طلبہ کے لئے بھی مطالعہ کرنا ضروری ہے، اگر استاذ مطالعہ کرتا ہو تو طلبہ بھی مطالعہ کر کے پڑھتے ہیں، استاذ کا فرض ہے کہ طلبہ کو مطالعہ پر زور دے، درجہ میں ہر طالب علم کو کتاب پڑھنے کا موقع دے، طلبہ کا مطالعہ تین طرح کا ہوتا ہے۔

اعلی، اوسط، ادنی، اعلی مطالعہ یہ ہے کہ سبق کو مکمل طور پر لغت اور شروحات کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کرے اور درجہ میں سبق اس طرح سنائے جیسے آموختہ سناتے ہیں، اسلاف اسی طرح مطالعہ کرتے تھے، اسی سے صلاحیت بنتی ہے، اگر طلبہ اس طرح مطالعہ نہ کریں تو صلاحیت بننا بہت مشکل ہے، پھر بھی کوئی عبارت یا مسئلہ باقی رہ جائے، تو استاذ سے سمجھ لے، شروحات میں اس بات کا خیال رکھے کہ اگر کتاب عربی زبان میں ہو تو عربی حواشی وشروحات دیکھے، اردو شروحات ہر گز نہ دیکھے، اس سے دو نقصان ہوتے ہیں (۱) طالب علم کی صلاحیت نہیں بنتی (۲) پڑھی ہوئی بات یاد نہیں رہتی۔

اوسط طریقہ یہ ہے کہ کتاب کی عبارت پڑھ لے اور جتنی عبارت آسانی سے سمجھ میں آجائے تو ٹھیک ورنہ درجہ میں استاذ سے سمجھ لے۔

ادنی طریقہ یہ ہے کہ کم از کم کتاب کی عبارت پہلے سے پڑھ کر آجائے، یہ مطالعہ نہ کرنے سے بہتر ہے۔

بہر حال انتظامیہ اور مہتمم اس بات کی بھر پور کوشش کریں کہ اس کے مدرسہ کے تمام اساتذہ وطلبہ تمام کتابیں مطالعہ کر کے پڑھیں اور پڑھائیں، اساتذہ طلبہ کا امتحان لے کر ان کی جانچ کرتے رہیں کہ انھوں نے مطالعہ کیا ہے یا نہیں، مثلاً اگلے سبق سے کوئی سوال کرے یا یہ پوچھ لے کہ آج کہاں تک پڑھو گے۔(۱)

فہم کتاب کے اجزاء اور اس کے درجے

نصاب میں داخل اکثر کتب کے سلسلہ میں یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ کثرت مباحث پر ختم ہو جاتا ہے، اور کتاب فہمی پر توجہ زیادہ نہیں رہ پاتی، دراصل کتاب کے سمجھنے میں جن چیزوں پر توجہ ہونی چاہئے وہ پانچ چیزیں درجہ بدرجہ یہ ہیں:

۱- حل عبارت: نحوی، صرفی اور لغوی یقینی معلومات کے ساتھ صحیح عبارت پڑھ سکنے کی کوشش کرنا، اس پر قدرت حاصل کرنا، اور علت کے ساتھ یہ جاننا کہ کسی حرف پر کوئی حرکت کیوں آرہی ہے؟ نیز صرفی ولغوی اعتبار سے کلمہ کی موجودہ شکل کیوں بن رہی ہے، پھر پورے یقین کے ساتھ پڑھنا۔

۲- صحیح ترجمہ: ترجمہ بڑا اہم کام ہے، حضرت الاستاذ مفتی امین صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند نے فرمایا: ترجمہ پر بہت توجہ دینے کی ضرورت ہے، ہر لفظ ہی نہیں؛ بلکہ ہر حرف کا صحیح ترجمہ ہونا چاہئے کوئی لفظ یا حرف بیکار نہیں لایا جاتا؛ بلکہ سب کا ایک مقصد ہوتا ہے۔

۳- مطلب یا مفہوم: عبارت سے ملتا جلتا مطلب سمجھنا کہ اتنی عبارت میں صاحب کتاب کیا کہنا چاہتے ہیں، مختصر جامع انداز میں کتاب سے ہٹ کر اپنی زبان میں سمجھ لینا، بعض طلبہ لمبی باتیں کہتے اور لکھتے ہیں، مگر مقصود عبارت حل نہیں ہو پاتا۔

---

(۱) مدرسہ تعلیم سے تعمیر تک: ۱/ ۴۷، ۴۸

۴- بین السطور اور حاشیہ دیکھنے اور سمجھنے کی عادت ڈالی جائے، اس کو صحیح سمجھا جائے، اس پر ذہن وفکر لگایا جائے؛ کیوں کہ حاشیہ و بین السطور میں مختصر الفاظ میں بڑی قیمتی باتیں ہوتی ہیں، اور اہم سوالات کے جوابات ہوتے ہیں، جب کہ وہ شروحات ہی کی باتیں ہوتی ہیں۔

۵- ان چاروں کاموں کے بعد ہی جتنا موقع ملے شروحات بالخصوص عربی دیکھی جائیں اور حتی الامکان اردو سے بچا جائے؛ مگر مجبوراً کہیں کہیں، ورنہ سہولت پسندی کا مزاج بن جاتا ہے اور عربی کتب پڑھنے سمجھنے کا شوق کم ہوجاتا ہے یا ماند پڑ جاتا ہے۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ درسی کتابوں کے مطالعہ کے تعلق سے فرماتے ہیں:

ہمارے بڑوں میں حضرت مفتی شفیع صاحبؒ (جو مسلم فقیہ ہیں) کے بارہ میں لکھا ہے کہ ان کی صلاحیت کا مدار ہی اس بات پر ہے کہ انہوں نے کبھی بلا مطالعہ سبق پڑھا ہی نہیں، مطالعہ کے لئے چند ضروری باتیں حسب ذیل ہیں۔

۱- مطالعہ کرتے وقت سب سے پہلا کام حسب استطاعت بین السطور اور کچھ حاشیہ کی مدد سے عبارت حل کی جائے، ضرورت پڑے تو لغت بھی دیکھ لی جائے، پھر ترجمہ اور عبارت کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ اس عبارت میں مصنف کہنا کیا چاہتے ہیں؟۔

۲- پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے؛ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی مشکل اور اہم کتاب کے مطالعہ میں زیادہ وقت لگایا جائے اور آسان میں کم۔

۳- وقت نکال کر ان حواشی کو بھی پڑھنے کی کوشش کی جائے جن میں حل عبارت کے علاوہ کچھ جزئیات اور علمی باتیں بھی ہوتی ہیں، بسا اوقات کوئی حاشیہ سمجھ میں نہیں آئے گا، استاذ کے پڑھانے کے بعد سمجھ میں آسکتا ہے، ورنہ کبھی کبھار پوچھا بھی جاسکتا ہے۔

۴- کوئی لفظ، جملہ یا عبارت جلدی سمجھ میں نہ آئے تو صیغوں اور ترکیبی کیفیت بدل کر

دوسرے احتمال پر حسب موقع غور کر کے خود سمجھنے کی کوشش کی جائے، پھر سمجھ میں نہ آئے تو دوسرے سے نہیں پوچھنا چاہئے؛ بلکہ یوں ہی چھوڑ کر درس کے حوالہ کر دیا جائے۔

۵- کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی لفظ اپنے معنی کے اعتبار سے مشکل یا حرکات وسکنات کے اعتبار سے غیر مشہور آجاتا ہے، تو طالب علم پریشان ہو کر لغت وغیرہ دیکھنے لگتا ہے جس کی وجہ سے مطالعہ میں زیادہ وقت لگتا ہے، جب کہ قریب ہی عبارت میں یا بین السطور میں یا حاشیہ میں خود اس کی تشریح موجود ہوتی ہے۔

طلبہ کے لئے فہم کتاب کے اسباب

بہت سے طلبہ سمجھنا چاہتے ہیں، صلاحیت بنانے کے خواہش مند ہوتے ہیں اور محنت بھی کرتے ہیں مگر خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا ہے؛ کیوں کہ محنت بے تکی ہوتی ہے، بعض ضروری امور چھوڑ دیتے ہیں اور بعض غیر ضروری امور اپنا لیتے ہیں۔

۱- مطالعہ: سبق میں حاضر ہونے سے پہلے مطالعہ، اس کی حیثیت فرض کی ہی سے ہے، سب سے اہم چیز ہے، اس میں بالعموم کوتاہی ہوتی ہے، بغیر مطالعہ کے طالب علم باصلاحیت ہو جائے بہت مشکل ہے، فقیہ الامتؒ نے فرمایا: میرے والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جو طالب علم ایک روز مطالعہ نہ کرے، اس سے ۴۰ روز کی قوت مطالعہ کم ہو جاتی ہے۔(۱)

۲- سبق میں حاضری: کسی واجب سے کم نہیں؛ طلبہ گھر جا کر بغیر کسی معقول وجہ سے کے تاخیر کرتے ہیں اور کبھی مدرسہ میں رہ کر معمولی بہانوں سے حاضر نہیں ہوتے، بڑی محرومی کی بات ہے، سبق میں حاضری کی عجیب برکت ہے۔

۳- تکرار و مذاکرہ: اس کو سنت مؤکدہ سمجھ لیں، جب ان امور کی پابندی ہوگی تو کچھ دنوں کے بعد کبھی ایسا ہوگا کہ اکثر سبق اور کبھی پورا سبق طالب علم خود سمجھ لے گا،

(۱) ملفوظات فقیہ الامت: ۴/۷

بسا اوقات استاذ سے خود چوک ہو جاتی ہے ایسے موقع پر باادب اظہار کرنا چاہئے، مطالعہ کا عادی ہوگا، اسباق میں حاضری کی پابندی ہوگی تبھی کچھ کہنے کی ہمت ہوگی۔(۱)

درسی کتب کے مطالعہ کے چند اصول

۱- جہاں تک سبق ہونے کا اندازہ ہے، پہلے اتنی عبارت کم از کم تین بار پڑھئے؛ تاکہ عبارت خوب رواں دواں ہو جائے۔

۲- عبارت کو باآواز پڑھئے، نہ کہ منہ ہی منہ میں خاموشی کے ساتھ۔

۳- صحیح اعراب کے ساتھ عبارت پڑھئے، نحو وصرف کے قواعد کی رو سے عبارت درست کیجئے۔

۴- غور کیجئے کہ آپ نے جس لفظ کا جو اعراب پڑھا ہے، کیا وہی اعراب ہونا چاہئے، یا دوسرا؟۔اور جو عراب بھی وہ کیوں ہو؟

۵- مبتدا، خبر، فعل، فاعل، مفعول، جار، مجرور، حروف مشبہ بالفعل، افعال ناقصہ وغیرہ کے اسم وخبر، حال وتمیز، باب اور واحد وجمع وغیرہ۔

۶- پھر ان ساری باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے عبارت کا لفظی ترجمہ کیجئے۔

۷- یاد رکھئے! عبارت کا لفظی ترجمہ، عبارت کے مقصود ومطلب تک بہت جلد پہونچا دیتا ہے۔

۸- جس لفظ کا ترجمہ نہ آتا ہو فورا لغت اٹھا کر دیکھئے، بغیر ترجمہ جانے آگے نہ بڑھئے، بار بار لغت کا دیکھنا بہت مفید ہوتا ہے، بعض الفاظ کا صحیح تلفظ بھی لغت ہی سے معلوم ہوتا ہے، اس کے لئے بھی لغت دیکھئے۔

۹- اگر کسی عبارت پر کوئی حاشیہ ہو یا بین السطور کچھ لکھا ہو تو اسے ضرور پڑھئے۔

۱۰- نحو وصرف کے کسی قاعدہ کے بارے میں شک وشبہ ہو تو نحو وصرف کی کتابیں اٹھا کر

(۱) طلب علم منزل بہ منزل، ''ضروریات وہدایات، مدرسہ عربیہ سعیدیہ، یحی پور، پرتاب گڑھ

دیکھئے، نحو وصرف کی اس قسم کی اردو کتابیں مستقل اپنے پاس رکھنا چاہئے، علم النحو، علم الصرف، تسہیل النحو، تسہیل الصرف، تمرین النحو، تمرین الصرف وغیرہ۔

۱۱- کوشش کیجئے کہ یہ یا اس قسم کی لغات بھی آپ کے پاس رہیں، مصباح اللغات، القاموس الجدید، القاموس الاصطلاحی، فیروز اللغات وغیرہ۔

۱۲- پوری عبارت کے ساتھ اس پورے عمل کو کم از کم تین بار دہرائیے، انشاء اللہ عبارت کا اعراب، ترجمہ، مطلب سب آپ کے سامنے واضح ہو جائے گا، یا پھر بہت حد تک قابو میں آجائے گا اور استاذ کے ذرا بتانے سے پوری بات سمجھ میں آجائے گی۔(۱)

اعدادیہ

دار العلوم دیوبند میں طریق کار شروع سے یہ ہے کہ قرآن کریم ختم کرنے کے بعد اور عربی کے شروع کرنے سے پہلے طالب علم کو ایک پانچ سالہ نصاب سے گزارا جاتا تھا، جو ''درجہ فارسی وریاضی'' کے نام سے موسوم تھا، اس درجے میں اردو، فارسی، دینیات، تجوید، حساب، ریاضی اور جغرافیہ وغیرہ کی اس قدر معیاری تعلیم دی جاتی تھی کہ ان مضامین میں ایک عالم دین کو جتنی واقفیت ضروری ہے، ایک طرف وہ تمام تر حاصل ہو جاتی تھی اور دوسری طرف اگر کوئی شخص کسی وجہ سے اس درجے پر اپنی تعلیم ختم کرنے پر مجبور ہو جائے تو وہ دین ودنیا کی اتنی بنیادی معلومات حاصل کر چکا ہوتا تھا کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے اچھی زندگی گذار سکے۔

یہ درجہ عربی اور اسلامی علوم کے لئے ایک بہترین بنیاد کا کام دیتا تھا، اور جب طالبعلم اس درجے سے فارغ ہو کر عربی اور اسلامی علوم کی طرف متوجہ ہوتا تو وہ اردو اور فارسی میں تحریر وانشاء کی اچھی صلاحیت کا حامل ہوتا تھا جو اس کو عربی اور اسلامی علوم کی تحصیل میں بہت مدد فراہم کرتی تھی۔

---

(۱) طلبہ مدارس دینیہ کی رہنمائی، ۶۰، مولانا مفتی جمیل احمد نذیری، مکتبہ صداقت، نوادہ، مبارک پورہ، اعظم گڑھ، یوپی

یہ درجہ موجودہ دینی مدارس میں عرصے سے یا تو ختم ہو چکا ہے یا اس نے گھٹتے گھٹتے ایک سال کے درجہ اعدادیہ کی صورت اختیار کر لی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ طالب علم جب عربی اور اسلامی علوم کی تحصیل شروع کرتا ہے تو عام طور پر اس کی تحریر خراب، املاء اور انشاء ناقص اور بنیادی معلومات کمزور ہوتی ہیں، اس میں عربی ونحو، ادب اور فقہ وغیرہ کے اہم مضامین کو کما حقہ سمجھنے اور انہیں اچھی طرح ہضم کرنے کی پوری صلاحیت نہیں ہوتی اور یہ مضامین اسے دشوار معلوم ہوتے ہیں۔ اور جب بنیاد کمزور ہو جائے تو اس کمزوری کا اثر اگلے درجات تک پڑتا ہے۔

لہٰذا یہ بات ہماری نظر میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے کہ دارالعلوم دیو بند کے مذکورہ بالا طریق کار کے مطابق درجہ اعدادیہ کی مدت بڑھائی جائے اور اس میں اردو، فارسی، دینیات، سیرت، تجوید وحساب، ریاضی، اور جغرافیہ وغیرہ کی اتنی معیاری تعلیم دی جائے جو اگلے مضامین کے لئے مناسب بنیاد فراہم کر سکے۔ (۱)

نصاب میں اردو و دینیات کی اہمیت

کسی بھی قوم اور حکومت کی وسعت اور کشادگی، اس کی تہذیب وتمدن کے پھیلاؤ اور ترویج واشاعت میں زبان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے، کیوں کہ کوئی بھی زبان اس قوم کی تہذیب وروایات اور اس کے مذہب وتمدن کو اپنے اندر ضم کئے ہوئے ہوتی ہے، اس لئے اقوام اپنے تہذیبی شعار کو باقی اور برقرار رکھنے کے لئے اپنی زبان کی ترویج واشاعت کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ اس کے لئے بڑی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔

آج کل کسی بھی قوم کے بقاء کے میدا میں زبان کا مسئلہ نہایت اہم شمار کیا جاتا ہے، ہندوستان کا ہندی ہندی زبان کی ترویج کے لئے، عیسائی انگلش کے لئے، ایرانی فارسی کے لئے، افغانی پشتو کے لئے، حجازی عربی کے لئے جان توڑ محنت کر رہا ہے، اس میں سے ہر ایک قوم سمجھ چکی ہے کہ ان کی قومی روایات، اس کا مخصوص تمدن ومعاشرت اور بالفاظ دیگر قومیت کا

(۱) ہمارا نظام تعلیم: ۹۸

تحفظ صرف ان کی زبان کے بقاء میں مضمر ہے

اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ جب کوئی کسی دوسری قوم کو اپنے اندر ضم کرنا چاہتی ہے، یا بالفاظ دیگر اسے فنا کرنا چاہتی ہے تو سب سے پہلے وہ اپنی زبان اور لغت کے رائج کرنے پر زور دیتی ہے، جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لغت کا اثر متأثر قوم کے اخلاق، عادات، روایات اور مذہب و معاشرت پر ضرور پڑتا ہے، پھر یا تو وہ مکمل اس قوم میں مل کر اسی کے اخلاق و عادات کو قبول کر لیتی ہے یا کم از کم اپنی مخصوص قومیت اور شعائر سے بیگانہ ہو کر ایک مخلوط (ملی جلی) قومیت پیدا کر لیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آج ٹمل زبان والا، کنٹر زبان والا اپنی زبان کی حفاظت کے لئے جنگ لڑ رہا ہے، چین اپنے ملک میں انگرزیی کو داخل ہونے نہیں دیتا، فرانس اپنی زبان کی ترویج کے لئے کروڑوں روپیئے خرچ کر رہا ہے۔ اس لئے عربی زبان کی اہمیت تو مسلم ہے ہی، ساتھ ساتھ اردو جو ہماری مادری زبان ہے اس پر مہارت وعبور کی سخت ضرورت ہے، چونکہ اردو زبان بھی اسلامی شعائر اور اسلامی محاورات اور اسلامی تہذیب وتمدن کی زبان ہے،

اردو میں اسلامی ذہنیت کا اندازہ عربی زبان کی مکمل چھاپ اور خصوصا اسلامی طرز حیات وزندگی کے مختلف مواقع سے بول چال میں استعمال ہونے والے الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے مثلا:

اچھے کام ابتداء پر ”بسم الله“ من چاہے کام ہونے پر ”الحمد لله“ تعجب پر ”سبحان الله“ قدافزائی پر ”ماشاء الله“، برائت کے اظہار کے لئے ”معاذ الله“ افسوس پر ”إنا لله وإنا إليه راجعون“ ندامت پر ”استغفر الله“ قسم کے لئے ”والله والله“ توقع پر ”انشاء الله“ بچاؤ پر ”الله الله“ شکریہ پر ”جزاک“ اظہار عظمت کے لئے ”لا إله إلا الله“ برے کام کو دیکھ کر ”لا حول ولا قوة إلا بالله“ پیغمبر ﷺ کا نام آنے پر ”صلى الله“ جوش پر ”الله اکبر“۔

اس لئے اردو زبان یہ اسلامی تہذیب اور خود ہمارے ملک کے مسلمانوں کی قومی

زبان ہے، اس کا تحفظ اور اس بقاء مسلمانوں کی زندگی کا ضروری حصہ ہونا چاہئے، انگرزیر زبان کا اثر اس قدر ہے کہ بہت سے خالص اردو الفاظ غیر مفہوم ہو چکے، مرعوبیت کی وجہ سے بے جا انگریزی کا استعمال ہو رہا ہے، اردو زبان میں صحت املاء کے ساتھ لکھنا یا گنتی بولنا مشکل ہو گیا، فارغین حفاظ وعلماء کرام کی درخواستِ تدریس میں شرمناک غلطیاں پائی جاتی ہیں، اگر دار العلوم دیوبند کا دینیات کا نصاب روبعمل لایا جائے تو اول عربی میں کمزوری نہیں ہوتی، مگر طالب اعدادیہ یا حفظ سے اسی نقص کے ساتھ آتا ہے پھر دورہ تک اس کی طرف توجہ دینے یا توجہ ہوجائے تو نہیں ملتا، ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو ہندوستان جیسے ممالک میں دینی مدارس سے ہی باقی ہے، اگر یہاں بھی خاطر خواہ توجہ نہ ہو تو کہاں ہو، اگر اس کمزوری کے ساتھ طالب علم آگے بڑھ گڑا تو آئندہ جماعتوں کا متعلقہ کام کیا کریں اور پچھلے کی تلافی کیا۔

اردو کی ایک مفید کتاب

نئی نسل وپود کے لئے حضرت مولانا محمد اسماعیل خان صاحب رحمہ اللہ نے پانچ حصص پر مشتمل جو''اردو زبان کی کتاب'' نامی نصاب تیار فرمایا تھا، اس کی گوں ناگوں خصوصیات، محاسن ومحامد پر ایک نظر ڈالنے کے بعد کوئی شخص اسے ''گلہائے رنگارنگ کا حسین گلدستہ'' نام دے گا تو کوئی اس کو''کشکول معلومات'' یا''اردو ادب کا انسائیکلوپیڈیا'' کہے گا، مگر اس کو''گلستان اردو'' کا نام دیا جاتا ہےتو شیخ سعدی کی''گلستان'' جہاں فارسی زبان کا معجزہ ہے، وہیں یہ کتاب اردو زبان کا کلام معجز ہے، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب نے یہاں جامعہ ڈابھیل ہی میں کسی صاحب سے استفسار پر کہ گلستان اور بوستان اپنے علومرتبہ کے تقاضے سے عربی کے منتہی طلبہ کو پڑھائی جانی چاہئے، حالاں کہ ہمارے مدارس میں یہ کتابیں بالعموم فارسی کے مبتدی طلبہ کو پڑھائی جاتی ہیں، حضرت نے جواب میں فرمایا تھا کہ''لڑکپن میں پڑھو اور بڑے ہو کر سمجھو'' حضرت کا یہ ارشاد گرامی مولانا میرٹھی کی اس کتاب پر بھی سوفی صد صادق آتا ہے کہ درحقیقت یہ کتاب بچوں سے زیادہ بڑوں کے کام یعنی ان کے پڑھنے اور برتنے کی چیز ہے، کیوں کہ یہ کتاب انسانی زندگی کے سارے احوال

وشئون کومحیط ہے، اس میں زندگی کے ہر شعبہ سے وابستہ لوگوں کی ضرورتوں کا خیال رکھا گیا ہے، ان کی دلچسپیوں اور تفریح طبع کا سامان ہے، مختلف پیشوں اور حرفتوں کا تعارف بھی ہے۔

الغرض یہ اعلی ادبی شاہکار ہے، اس کے نثری وشعری مضامین دل کو چھو لینے والی کسی بھی سبق کو لے لیں تو علم وحکمت کا خزینہ ہوگا، ادب اور شائستگی کی تربیت ہوگی، ہر سبق کا لطف اور مزہ ہوگا، چاشنی اور شیرینی ہوگی، علوم ہمت اور بلند حوصلگی ہوگی، اخلاقی پاکیزگی ہوگی، زبان کی صفائی ہوگی اور ذوق کی نفاست بھی۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں نہ تو کوئی اعتقادی گندگی ہے اور نہ ہی اخلاقی خرابی، اگر اس کی طرف سے کسی کمزوری، عیب یا نقص کا انتساب ہوتا تو صرف اس بات کا کہ اس کی زبان کہیں کہیں مشکل ہے اور جس کی توضیح وتشریح بھی کی گئی ہے۔

کسی بھی مصنف اور ادیب اور انشاء پرداز کے لئے کسی بھی فن میں موٹی موٹی جلدوں میں کسی کتاب کا تیار کرنا آسان اور سہل ہوا کرتا ہے، جب کہ اس کے مخاطبین بڑی عمر کے اور تعلیم یافتہ ہو، مگر کم سن اور سادہ لوح بچوں اور ابتدائی عمر کے طلبہ کے لئے کوئی چھوٹا رسالہ بھی لکھنا بڑا دشوار گذار اور مشکل ہوتا ہے، کیوں کہ اس کام کے لئے اس مصنف کو اپنے بلند وبالا معیار سے بہت نیچے اتر کر بھولے بھالے معصوم بچوں کی ضعیف عقل اور نا تمام شعور کے مطابق ہی باتیں کرنا اور انہیں سمجھانا ہوتا ہے۔ یہ کمال بہت کم مصنفوں کو میسر ہے، انہیں باکمال مصنوں میں مشہور نام ور مصنف، ادیب، اور ممتاز شاعر حضرت مولانا اسماعیل صاحب میرٹھی بھی ہیں، جن کی کتاب دار العلوم اور دیگر مدارس میں داخل نصاب بھی ہے، بہر حال یہ کتاب علم وحکمت کا خزینہ، اخلاق ومعلومات گلستاں ہے، جس میں ہر طرح کی خوبیاں یکساں جمع ہیں، جو بچے کے اخلاق وکردار اور اونچی اٹھان اور پروان کے نہایت مفید تر ثابت ہوسکتی ہے، مصنف کی پیدائش ۱۲ نومبر ۱۸۴۴ء کو میرٹھ کے محلہ مشائخان میں ہوئی، موجودہ نام اس محلے کا ''اسماعیل نگر'' خان صاحب کے نام پر بہ طور یادگار رکھا گیا ہے، آپ کی کئی ایک تصانیف ہیں، آپ نے کامیاب تدریسی خدمات بھی انجام دی ہیں، خان صاحب کی ان

اردو کتابوں کو بڑے بڑے ادباء جیسے علامہ شبلی، شمس العلماء منشی ذکاء اللہ، مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی، ڈاکٹر شوکت سبزواری، بابائے اردو مولوی عبدالحق رحمہ اللہ نے بھی اس کو خوب سراہا ہے، مولوی عبداللہ عباس ندوی نے بھی اس پر گراں قدر کلمات کہے ہیں، حضرت مولانا حکیم عبدالحی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف ''گل رعنا'' میں فرماتے ہیں: ''اردو زبان کی نظم ونثر میں خواہ وہ عاشقانہ رنگ میں ہو، تمدنی، اخلاقی، سیاسی ہو قدیم وجدید ہر ایک طرز میں (خان صاحب مولوی محمد اسماعیل) بلند پایہ رکھتے ہیں، اور سررشتہ تعلیم کے تعلق سے اردو ریڈرس ان کی اسکولوں میں بسبب کمال سادگی اور سلاست کے مقبول ہوچکی ہیں، ان سے بہتر درسی کتابیں گورنمنٹ کا سررشتہ تعلیم آج تک نہیں لکھوا سکا''۔(۱)

نظام محفوظات

خیر القرون اور آج کل عرب ملکوں میں احادیث اور متون معتبرہ کے حفظ کا کافی اہتمام ہے، حافظین صحیحین، حافظ بخاری وغیرہ شام، سعودیہ میں آج بھی مل جاتے ہیں، مراکش وغیرہ میں خواتین بھی اس کا ذوق رکھتی ہیں۔

احکام کی احادیث، اخلاق سے متعلق کلام نبوی بالخصوص حفظ کرنے کا مستقبل نظام بننا چاہئے، اخروی سعادت، مستحق سفارش ہونے کے علاوہ استدلال میں سہولت، کسی قدر کتب سے استغناء پیدا ہوجاتا ہے، خارج میں اس کا مسابقہ یا امتحان ہوتو اس طرف یہ توجہ بہت مفید ہوگی۔

تاریخ اسلاف میں حافظہ کا غیر معمولی استعمال اور حیرت انگیز قوت یاداشت کے واقعات موجود ہیں، یہ فطری اصول ہے کہ جس صلاحیت کا جیسے بینائی وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے، اس میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، اور جس صلاحیت کو استعمال نہ کریں وہ ختم یا کمزور ہوجاتی ہے، بالکل کنویں کی طرح جب تک پانی نکالتے رہے تو پانی باقی رہتا ہے؛ لیکن اگر چھوڑ دیا جائے تو سوکھ جاتا ہے۔

(۱) از مقدمہ، اردو زبان کی تیسری چوتھی

اس سلسلے میں مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) نے خود ایک سلسلہ محفوظات ترتیب دیا ہے، ذیل کے حضرت والا کے مقدمہ نے اہمیت، نصاب اور طریقہ کار کو بخوبی واضح کر دیا:

''اللہ رب العزت نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے ذریعہ انسانوں کے لئے جو ہدایت بھیجی ہے، اس کے دو حصے ہیں، قرآن پاک کو متن کی حیثیت حال ہے اور احادیث شریفہ اس کی شرح ہیں اور مدارس عربیہ کی غرض وغایت انہی دو کی تعلیم ہے، جس میں کامیابی اس پر موقوف ہے کہ طالب علم ان کا معتد بہ حصہ محفوظ ہو، اس کے علاوہ بھی محفوظات کے متعدد فوائد ہیں، مثلاً:

۱- محفوظات سے عبارت خوانی کی استعداد پیدا ہوتی ہے، مبصرین کا خیال ہے کہ ایک جملہ حفظ کرنے سے دس جملے پڑھنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔

۲- محفوظات سے عبارت خوانی کی استعداد پیدا ہوتی ہے، مبصرین کا خیال ہے کہ اس کو بہتر طریقہ پر سمجھا جا سکتا ہے۔

۳- محفوظات مسئلہ کی تفصیلات یاد رکھنے میں مددگار بنتے ہیں؛ کیوں کہ مسئلہ کی بنیاد محفوظ ہونے کے بعد تفصیلات ذہن سے پیدا کی جا سکتی ہے۔

۴- محفوظات کا بڑا فائدہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب طلبہ فارغ ہو کر تعلیم وتربیت اور دعوت واصلاح کے میدان میں قدم رکھتے ہیں، اس وقت اگر عالم وداعی کو وہ آیات قرآنی اور احادیث شریفہ جو دین کی بنیادی تعلیمات پر مشتمل ہیں یاد ہوں تو وہ اس کے لئے بڑا سہارا بنتی ہیں۔

الغرض محفوظات کے گونا گوں فوائد ہیں، مگر ہندوستان میں عام طور پر اس کا رواج نہیں ہے؛ مگر کام کی بات جہاں بھی ملے اور جب بھی ملے اس کو اپنا لینا ہی دانشمندی ہے، عرب ممالک میں عام طور پر محفوظات پر بہت زور دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے عرب علماء بے تکلف آیات واحادیث گفتگو میں پیش کر سکتے ہیں، مگر ہمارے طلبہ جو دین سیکھنے میں یقینا

عربوں سے زیادہ محنت کرتے ہیں، عام طور پر اس خوبی سے محروم ہوتے ہیں، یہ صحیح ہے کہ عرب طلبہ کو زبان کی سہولت حاصل ؛ مگر یہ ایسی بات نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ہمت ہار دی جائے ، ہمارے بچے جب بغیر سمجھے قرآن پاک حفظ کر سکتے ہیں، تو سمجھ کر یاد کرنا تو آسان ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ارباب مدارس ، ومربیان امت اس طرف توجہ فرمائیں اور ہر درجہ میں محفوظات کا سلسلہ جاری رکھیں۔

یہ اس مبارک سلسلہ کی کڑی پہلی کڑی ہے، اور عربی کے سال اول کے طلبہ کے لئے ہے، اس درجہ میں چونکہ طالب علم کی استعداد ابتدائی مرحلہ میں ہوتی ہے؛ بلکہ بعض جگہ پر تو یہ سال اعدادی کی درجہ ہوتا ہے ، اور اس میں زیادہ تر فارسی پڑھائی جاتی ہے ، اس لئے محفوظات کی مقدار بہت کم رکھی گئی ہے:

۱- سال کے آخر میں جب تعلیم کے دو مہینے باقی رہیں یہ محفوظات شروع کرائے جائیں، اس وقت بچوں میں اتنی استعداد پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ تحمل کر سکتے ہیں۔

۲- عام طور پر بچوں کو تفصیل سے نہ سمجھا جائے ، پورا زور حفظ پر رکھا جائے ؛ البتہ مفردات فہمی کی جاسکتی ہے، یعنی ہر ہر لفظ کے معنی علحدہ کر کے سمجھائے جاسکتے ہیں ؛ بلکہ ایسا کرنا مفید ہوگا۔

۳- محفوظات مع ترجمہ یاد کرائے جائیں۔

۴- روزانہ کے سبق کے ساتھ خواندہ چار اسباق ملا کر سنے جائیں۔

۵- تازہ سبق کچھ کچا رہ جائے تو صرفِ نظر کی جائے ؛ مگر دوسرے دن کچا آئے تو نکیر کی جائے۔

۶- ہر جمعرات کو شروع سے محفوظات ترجمہ کے ساتھ سنے جائیں۔

۷- واضح تلفظ سے سنا جائے جلدی جلدی نہ پڑھنے دیا جائے۔

۸- ہر بچے سے نیا سبق کہلوایا جائے اور ہر ایک سے سنا بھی جائے ، جماعت بڑی ہو تو اجتماعی طور پر پڑھایا جاسکتا ہے ، اور سبق سننے کے لئے گروپ بنائے

جا سکتے ہیں۔

۹- اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ خود استاذ کو یہ محفوظات یاد ہونے چاہئے، اگر استاذ کو یاد نہ ہو گے تو طلبہ کی نفسیات پر برا اثر پڑے گا۔

۱۰- طلبہ کو حفظ کرنے کا طریقہ بتایا جائے کہ لمبی عبارت ایک ساتھ نہ پڑھیں؛ بلکہ دو تین کلمات اس طرح یاد کریں، پھر دونوں کو ملا کر یاد کریں، اسی طرح آگے بڑھتے رہیں، اگر کوئی شخص مشکل زبان چڑھے تو اسے زور دے کر چند بار کہیں ان شاء اللہ یاد ہو جائے گا۔

جو طلبہ از خود حفظ کرنا چاہیں وہ چند باتیں یاد رکھیں:

۱- حفظ کرنے کا جو طریقہ اوپر بیان کیا گیا ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لیں اور کام شروع کر دیں۔

۲- یومیہ سبق کی ایک مقدار متعین کرلیں، بے اندازہ نہ چلیں، ورنہ تھک جائیں گے۔

۳- اپنے کسی ساتھی کو روزانہ کا سبق چار خواندہ اسباق کے ساتھ ملا کر سناتے رہیں۔

۴- یہ محفوظات صرف سال اول کے طلبہ ہی کے لئے نہیں ہیں، کسی بھی سال کا طالب علم اگر اسے یہ محفوظات یاد نہ ہوں تو اسے یاد کرنے چاہئیں"۔(۱)

محفوظات حصۂ دوم کے مقدمے میں مفتی سعید احمد صاحب فرماتے ہیں:

"بہ توفیق الٰہی محفوظات کا دوسرا حصہ پیش ہے، یہ حصہ عربی درجات کے سال دوم کے لئے ہے، اس درجہ میں بھی چونکہ طلبہ کی استعداد قوی نہیں ہوتی؛ اس لئے آسان آیات واحادیث منتخب کی گئیں ہیں، عام طور پر ایک ایک جملہ سے زائد نہیں ہیں، نیز لغت وترکیب اور مضمون کے اعتبار سے بھی آسان ہیں، بچے خوب سمجھ سکتے ہیں اور آسانی کے ساتھ یاد کر سکتے ہیں۔

محفوظات کا فائدہ صرف یہی نہیں ہے کہ بچوں کو ایک مضمون یاد ہو جاتا ہے؛ بلکہ اس

(۱) محفوظات: ۱/ ۳، ۵۴، مفتی سعید احمد پالن پوری

کے جلو میں بچوں کو لغات وترکیب اور اسلوب بیان سے بھی حظ وافر حاصل ہوتا ہے، محفوظات کی واقعی قدر بچوں کو بڑے ہوکر معلوم ہوگی۔

اساتذہ سے اساتذہ کرام سے جو باتیں سال اول کے محفوظات کے مقدمہ میں عرض کی گئی تھیں ان کی یاددہانی کرانے ہوئے مزید عرض ہے:

۱۔ سال دوم کے محفوظات ایک سہ ماہی کے بعد یا نصف سال کے بعد شروع کرادیئے جائیں تو بہتر ہے؛ البتہ اگر بچوں کو سال اول کے محفوظات یاد نہ ہوں تو شروع سال میں سال اول کے محفوظات یاد کرائے جائیں، پھر سال دوم کے شروع کرائے جائیں، اور ترجمہ کے ساتھ یاد کرائیں جائیں۔

۲۔ جو بچے سال اول کے محفوظات گذشتہ سال یاد کرچکے ہیں، ان سے سال اول کے محفوظات سن لئے جائیں، پھر سال دوم کے شروع کرائیں جائیں۔

۳۔ جو بچے حافظ ہیں، ان کو بھی آیات پاک یاد کرائیں جائیں، اور ان کو صاف لہجہ میں معنی ذہن میں رکھ کر پڑھنے کی ہدایت کی جائے۔

۴۔ اس درجہ میں بھی عام طور پر بچوں کو سمجھا یا نہ جائے حفظ ہی پر زور دیا جائے، البتہ ترجمہ بھی کرنی چاہئے یعنی ہر ہر لفظ کے معنی بتانے چاہئیں، تحت اللفظ ترجمہ بتانا چاہئے اور ترکیب کی طرف ہلکا اشارہ کرنا چاہئے، اس سے حفظ میں سہولت ہوگی۔

۵۔ حفظ مکمل ہونے کے بعد اگر موقعہ ہو تو آسان جملوں کی ترکیب اور سادہ طریقہ پر حل لغات کرانا چاہئے

۶۔ حفظ مکمل ہونے کے بعد تمرین نہایت ضروری ہے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ بچوں سے سوال کیا جائے۔

''بتاؤ نمازوں کے اہتمام کے سلسلہ میں اللہ پاک کا ارشاد ہے'' بچے جواب دیں، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: ''حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰى''

دوسرا سوال: کھانا اکٹھا کھانا چاہئے یا الگ الگ؟ بچے جواب دیں، اکٹھا کھانا

چاہئے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: "**کلوا جمیعا ولا تفرقوا؛ فإن البرکة مع الجماعة**"، اسی طرح جتنی تمرین ہوگی مفید ہوگی۔

۷۔ اور آخری بات یہ ہے کہ استاذ صاحب کو محفوظات یاد ہونے چاہئیں (ترجمہ یاد ہونا ضروری نہیں) ورنہ طلبہ کی نفسیات پر برا اثر پڑے گا اور ہوسکتا ہے کہ وہ ہمت ہار دیں۔

طلبہ سے جو طلبہ از خود یاد کرنا چاہیں ان سے گذارش ہے کہ یہ محفوظات صرف عربی دوم کے بچوں کے لئے نہیں ہیں، جسے بھی یہ محفوظات یاد نہ ہوں ان کو یاد کرنے چاہئیں اور تمرین اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کرنی چاہئے اور کوئی مضمون سمجھ میں نہ آئے تو کسی استاذ سے سمجھ لینا چاہئے"۔(۱)

بجائے کتاب کے "فن" کی تعلیم

مدارس کے نصاب میں جو کتابیں شامل ہیں جن میں فنون سے زیادہ لفظی بحثوں، ترکیبوں، دور از کار اشکالات اور ان کے جوابات وغیرہ پر توجہ دی گئی ہے، ہلکی پھلکی بات بتانے کے لئے بھی مشکل پیرایہ کا استعمال کیا گیا ہے اور جن مسائل کو ٹھیٹ الفاظ میں ادا کیا جاسکتا ہے ان کے لئے بھی ایسی اصطلاحات کا استعمال کیا گیا ہے کہ عبارت اور بھی ژولیدہ ہوکر رہ جاتی ہے۔ یہاں اس سلسلے میں حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ جیسے دوررس، زمانہ شناس اور مصلحت آشنا نگاہ رکھنے والے کا ایک اقتباس نقل کئے دیتے ہیں:

> "مدارس دینیہ عربیہ میں اس وقت جو نصاب تعلیم رائج ہے، حدیث وفقہ کی چند کتابوں کو مستثنیٰ کرنے کے بعد زیادہ تر ساتویں صدی ہجری اور اس کے بعد کے قرون کی یادگار ہیں، جہاں سے صحیح معنوں میں علمی انحطاط کا دور شروع ہو چکا تھا، قدماء امت کی وہ تالیفات جن میں نہ عبارتی تعقیدات تھیں نہ دور از کار ابحاث جن کے پڑھنے سے صحیح

(۱) محفوظات حصہ دوم: ۱، ۲، مفتی سعید احمد پالن پوری

معنوں میں دل و دماغ متأثر ہو سکتے تھے، نہ وقت ضائع ہوتا تھا، نہ دماغ پر بوجھ کا خطرہ ہوتا تھا، ان کی جگہ ایسی کتابیں تصنیف ہوئیں جن میں سب سے زیادہ کمال اختصار نویسی کو سمجھا گیا، زیادہ زور لفظی بحثوں پر دیا گیا، لفظی موشگافیاں شروع ہوئیں، یوں اگر کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ کاغذ تو کم خرچ کیا گیا؛ لیکن وقت و دماغ اس کے حل پر زیادہ صرف کیا گیا، بڑا کمال یہی سمجھا گیا کہ عبارت ایسی دقیق وغامض ہو جس کے لئے شرح وحاشیہ کی ضرورت ہو، کئی کئی توجیہات کے بغیر حل نہ ہو، آخر یہ علمی عیاشی نہیں تو اور کیا ہے، میرے ناقص خیال میں یہ علم کا سب سے بڑا فتنہ تھا جس سے علوم اور اسلامی معارف کو بڑا نقصان پہنچا، بطور مثال اسلامی علوم میں اصولِ فقہ لیجئے جو علوم اجتہاد میں ایک لطیف ترین اور اہم ترین فن ہے، جو قرآن وسنت سے نئے نئے استنباطات کے لئے سب سے اہم راستہ تھا، جس کی باقاعدہ تدوین کا فخر دولت عباسیہ کے سب سے پہلے قاضی القضاۃ، امام ابو یوسفؒ کو حاصل ہے، اور امت میں اس کے بعد سب سے پہلی کتاب امام محمد ابن ادریس الشافعیؒ کی کتاب ''الرسالۃ'' ہے جو عرصہ ہوا کہ مصر میں ''کتاب الام'' کے نام کے ساتھ چھپ چکی ہے، اور اب کچھ عرصہ ہوا بہت آب وتاب سے دوبارہ قاہرہ سے شائع ہوئی ہے، اسی فن میں امام ابوبکر رازی جصاص نے کتاب ''الفصول فی الأصول'' لکھی جس کا ایک عمدہ نسخہ دارالکتاب المصریہ قاہرہ میں موجود ہے اور جس کی نقل راقم الحروف کے توسط سے مجلس علمی ڈابھیل نے حاصل کیا، پھر۔ ہندوستان وپاکستان آئی، امام فخر الدین بزدوی نے ''کتاب الأصول'' لکھی جس کی عمدہ ترین شرح عبدالعزیز بخاری نے کی ہے، جو ترکی کے

سابق دار الخلافہ سے دو دفعہ شائع ہوئی، اور مجیر العقول عظیم ترین شرح امیر کاتب عمید الدین اتقانی کی ''الشامل'' دس جلدوں میں دار الکتاب المصریۃ قاہرہ میں موجود ہے، اور اس کا ایک نسخہ استنبول کے کتب خانہ فیض اللہ آفندی میں ہے؛ لیکن افسوس کہ دونوں جگہ ابتدائی دو ڈھائی جز کا نقص ہے، اس کی نقل بھی راقم الحروف کے توسط سے مجلس علمی آچکی ہے، امام شمس الائمہ السرخسی نے ''کتاب الاصول'' لکھی جس کے نسخے ترکی ومصر میں موجود ہیں، اور اس کے علاوہ اس فن میں متقدمین کی عمدہ ونافع کتابیں ہیں، اس کے علاوہ اس فن میں امام ابوزید دبوسی کی کتاب ''تقویم الادلۃ'' بے نظیر ہے۔

اب خیال فرمائیے کہ ایسی نادرہ روزگار کتابوں کی جگہ امام ابن ہمام کی ''تحریر الاصول'' اور ابن حاجب کی ''مختصر الاصول'' اور بیضاوی ''منہاج الاصول'' یا ابو البرکات النسفی کی ''منار الاصول'' یا صدر الشریعۃ کی ''التیسیر'' اور قاضی بیضاوی کی ''منہاج'' کی شرح الاسنوی کی ہوتو یہ چیستانیں امت کے کیا کام آسکتی ہیں؟ یہ مانا کہ ان میں کچھ دقیق ولطیف ان کے مختارات یا خصوصی ابحاث بھی ہیں؛ لیکن دوسری طرف امہات جس کی تعبیر میں ادا ہوئی ہیں وہ کوئی علمی روح پیدا کرنے کے لئے مفید نہیں ہوسکتی'' (۱)

دوسری جگہ رقم طراز ہیں:

''ہر زمانہ کا ایک خاص مزاج اور خاص ذوق ہوتا ہے، جب علم کی صحیح ترقی ختم ہوگئی، یارک گئی یا یوں کہئے کہ معراج کمال تک مبادی علوم کا معیار جب بلند ہوا تو طبعی طور پر علوم اسلامیہ کا انحطاط لازمی تھا، اس

(۱) ماہنامہ الفرقان، بابت ماہ فروری ومارچ ۱۹۷۵ء

کا سارا زور وکمال، تالیف کا معیار، قواعد کی تلخیص، مسائل کی تنقیح، عبارت آرائی، متن نویسی وایجاز طرازی، اختصار کے نئے نئے اسلوب لفظی موشگافی وغیرہ قرار پایا، علمی مسابقت کا میدان بھی گیا، منظوم قواعد تیار ہونے لگے، مبادی ومسائل مقاصد بن گئے، علوم عربیہ کا مقصد قرآن وحدیث کی تراکیب اپنی جگہ رہیں، خود ان کتابوں کے مسائل وعبارات پر توجہ بن گئی، ابن حاجب کی کافیہ کو لیجئے جس کی پچاس سے زیادہ شرحیں لکھی گئیں، پھر ''شرح ملا جامی'' جو ان شرحوں میں سے ایک شرح ہے، اس کے حواشی اور شروح کے لئے ایک دفتر چاہئے، اس پر شرح عبدالغفور کو لیجئے، پھر اس کا ''تکملہ عبدالحکیم سیالکوٹی'' اور ان دونوں کی شرح، اور ان میں سے ''شرح اشمونی'' اور پھر اس کی شرح ''عبان'' سات ضخیم مجلدات میں دیکھئے کہ ساری عمر ان ہی کے مطالعہ کی نذر ہوجائے، آخر غور کیا جائے کہ کیا یہ مبادی واقعی اتنی توجہ کے مستحق تھے، بہر حال جو کچھ ہوا ایک خاص دور کا تقاضا تھا، اور ذوق طلب تھا جو پورا ہوگیا، اسی طرح بقیہ علوم وبقیہ کتب کی حالت کو قیاس کرلیجئے، اب تو طبائع میں وہ جولانی رہی اور نہ وہ جفاکشی محنت وعرق ریزی کی صلاحیت دماغوں میں رہی، نہ وہ فرصت وطمانیت رہی اور سب سے بڑی بات یہ کہ نہ اس کی حاجت رہی، مشکل پسندی سے فکر اکتانے لگی، جدید کتابیں لکھی گئیں، ادب وانشاء کا طرز واسلوب بدل گیا، قدماء کی کتابیں پریس میں آنے لگیں، اہل عصر نے ہمت کرکے ذوقِ عصری کی تشنگی کے لئے جدید سانچوں میں ضیافت طبع کی خاطر عمدہ تصنیفات پیش کیں، اس ماحول میں اگر ہم اب بھی ان غیر اہم مسائل پر جمے رہیں گے تو علوم اسلامیہ سے توجہات ہٹ جائیں گی،

اور ہمارا یہ طرزِ عمل ہمارے اکابر وسلف کی اس ''تراث فاخر'' اور اس علمی ثروت وسرمایہ کو فنا کے گھاٹ اتار دے گا، یہ درحقیقت علم کی خیر خواہی ہی نہیں ؛ بلکہ نادان دوست کا طرز عمل ہوگا، کیا فقہ اسلامی میں ''کنز الدقائق'' ''وقایہ'' ''نقایہ'' اور شرح وقایہ کے بہترین بدل اسلاف ہی کی کتابوں میں موجود نہیں کیا؟ جامع صغیر، جامع کبیر وغیرہ براہ راست ۔۔۔۔امام محمد بن حسن الشیبانی کی کتابیں ہر حیثیت سے جامع نہیں ہیں؟ ان میں جو علم وبرکت ہو وہ ان متاخرین کی کتابوں میں کہاں سے ملے گی؟۔میرے ناقص خیال میں کتب فقہ میں نور الایضاح قدوری اور ہدایہ کے علاوہ سب قابل تبدیل ہیں۔(۱)

نصابی کتابوں پر بعض ضروری کام

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت ہمارے نصاب میں جو کتابیں داخل ہیں وہ اصل میں عام استفادہ کے لئے لکھی گئی تھیں، شاید مصنف کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ ہو کہ یہ ان کی کتاب بھی داخل نصاب ہوگی؛ اس لئے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ جیسے سلف صالحین نے شروح وحواشی کے ذریعہ ان کتابوں کی خدمت کی ہے، نصابی نقطۂ نظر سے آج ان پر کچھ کام کیا جائے۔

اور وہ کام یہ ہے کہ

۱) ذیلی عناوین قائم کئے جائیں۔

۲) فقروں کی ترقیم کی جائے۔

۳) پیراگراف متعین کیا جائے۔

۴) کتاب کو مضمون کے اعتبار سے دروس میں تقسیم کیا جائے۔

۵) ہر درس کے ختم پر تمرینی سوالات تحریر کئے جائیں۔

---

(۱) ماہنامہ الفرقان:۶۶،۶۵

۶) کتاب پر ایک مختصر ایسی تعلیق لکھی جائے جس میں شخصیات، کتب، مقامات اور نسبتوں پر مختصر نوٹس لکھے جائیں۔

۷) کتاب کے شروع میں مؤلف کے حالات۔

۸) کتاب کی خصوصیات۔

۹) موضوع کتاب کا تعارف اور اس کتاب کے طریقۂ تدریس سے متعلق مختصرا صفحہ ڈیڑھ صفحہ کے نوٹس مرتب کر دیئے جائیں۔

اگر ہماری متداول نصابی کتب پر اس طرح کا کام کیا جائے تو یہ ''کار'' نہیں ''کارنامہ'' ہوگا اور اساتذہ وطلباء کو اس سے بڑا فائدہ ہوگا، نیز اس سے طریقۂ تعلیم میں بھی مفید اور مثبت تبدیلی ہوگی۔(۱) چنانچہ اس میں لکھنو کے فرنگی محل نے ڈابھیل گجرات کے ادارۃ الصدیق نے اور پاکستان کے مکتبۃ البشری اور جامعہ اکل کواں وغیرہ نے غیر معمولی پیش رفت کی ہے، انفرادی طور پر بھی بعض مصنفین نے مختلف نصابی کتابوں پر تحقیق وترتیب کا کام کیا ہے، ان خوشنما، عصری ذوق کے مطابق طبع شدہ نسخوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

(۱) دینی وعصری درسگاہیں: تعلیمی مسائل: ۱۰۴

نصاب پر اجمالی نظر

نصاب کے تین مرحلے

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری فرماتے ہیں:

میرا ناقص تجربہ شاہد ہے کہ نصابِ تعلیم میں زیادہ تغیر وتبدل کرنا اس درجہ مفید نہیں جس درجہ ''طریقہ تعلیم'' تبدیل کرنا مفید ہے، اور اساتذہ کرام کو خود عملی نمونہ بننا اور طلبہ کے اخلاق و اعمال کی تربیت و اصلاح کی جانب توجہ فرمانی تو مفید تر ہے؛ لہٰذا اساتذہ کی خدمت میں چند معروضات اور بعض امور متعلقہ طریق تعلیم عرض کئے جاتے ہیں، اگر ان پر عملا التزام کیا گیا تو انشاء اللہ قوی امید ہے کہ طلبہ کو علوم وفنون اور کتابوں سے بہت جلد مناسبت اور استعداد پیدا ہو جائے گی، نیز ان کی عملی اور اخلاقی حالت بھی سدھر جائے گی:

۱۔ دینی تعلیم مع اپنے مبادی کے عبادت وطاعت ہے، اور اس کا ثمرہ آخرت میں اجر عظیم ہے، لہٰذا تمام اساتذہ عبادت وطاعت اور اجر وثواب ہی کی نیت سے دینی تعلیم کو اپنا فریضہ سمجھیں اور معاشی ضروریات تنخواہ وغیرہ کو اس کے حصول کا وسیلہ وذریعہ خیال فرمائیں۔

۲۔ اساتذہ تعلیم وتدریس کے علاوہ طلبہ کی دین داری اور اعمال واخلاق کی نگرانی کو بھی اپنا فرض سمجھیں اور حسب ضرورت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بھی ادا کریں اور بوقت ضرورت زجر وتوبیخ سے بھی کام لیا کریں، خصوصا زیّ صلحاء (نیک لوگوں کا سا لباس اور ہیئت) نماز با جماعت، ابتداء بالسلام اور جواب سلام کی خود بھی پابندی کریں اور طلباء سے بھی پابندی کرائیں اور داڑھی منڈانا یا کتروانا،

انگریزی وضع کے بال رکھنا اور لباس پہنا، سگریٹ نوشی وغیرہ منکرات کو قطعاً روا نہ رکھیں جو طلبہ اس سے باز نہ آئیں ان کو فوراً مدرسہ سے خارج کر دیں، اسی طرح فاسد العقیدۃ طالب علم کا وجود بھی مدرسہ کے لئے سخت مضر ہے، اگر افہام وتفہیم کے باوجود باز نہ آئے تو اس کو بھی مدرسہ سے نکال دیں۔

٣۔ اساتذہ اپنے مطالعہ کے وقت اپنے ذہن میں ہر ہر سبق کی ایسی ترتیب قائم کرلیا کریں جسے طلبہ کے ذہن بآسانی قبول وضبط کرسکیں اور پڑھاتے وقت وضاحت اور سہولت کا خاص طور پر لحاض رکھا کریں، الزامی جواب کے بعد تحقیقی جواب بھی ضرور دیا کریں۔

٤۔ اگر طالب علم کوئی معقول بات کہے اس کو مان لیں، اگرچہ اپنی تحقیق یا تقریر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

٥۔ کم محنت اور بدمحنت طلبہ سے محنت کرانے اور یاد کرانے کا بھی ایسا احسن طریقہ اختیار کریں کہ طالب علم محنت کا عادی اور تحصیل علم وہنر کا شائق بن جائے۔

٦۔ ہر کتاب کے شروع میں اس فن کے مبادی ثلاثہ (حد، موضوع، غایت) اور ترجمہ مصنف اور کتاب کی خصوصیات اور طرز تعلیم بھی طلبہ کے ذہن نشیں کرادیا کریں۔

تعلیمی حیثیت سے کتب درسیہ کے تین طبقے قرار دیئے گئے ہیں، اولی، وسطی، علیا

اولی: میزان الصرف سے کافیہ تک۔

وسطی: شرح جامی سے ہدایہ اولین تک۔

علیا: تفسیر جلالین سے دورہ حدیث شریف تک

ہر طبقہ سے متعلق طریقہ تعلیم درج ذیل ہے۔

طریقہ تعلیم طبقہ اولی

١۔ اس طبقہ میں حتی الوسع ترجمہ لفظی اور مطلب خیز، تقریر مختصر اور ذہن نشیں، اندازِ بیان سادہ اور سہل، تفہیم مضمون آسان الفاظ میں ہونا چاہئے، نفس مسئلہ طالب علم

کے ذہن نشیں کرانے کے بعد اس کی زبان سے اعادہ بھی کرانا چاہئے، سبق سے فارغ ہونے کے بعد طلبہ کو اپنی نظروں کے سامنے بٹھلا کر سبق یاد کرایا جائے، دوسرے دن پچھلا سن کر اگلا سبق پڑھایا جائے، اور روزانہ حسب حال زبانی اور تحریر سوالات کر کے جوابات دینے کی بکثرت مشق کروائی جائے؛ تاکہ ٹھوس استعداد پیدا ہو سکے۔

۲۔ ''میزان الصرف'' کو خوب اچھی طرح سمجھا کر تھوڑا تھوڑا ترجمہ پڑھا دیا جائے، اور اس کے ساتھ ''علم الصرف'' حصہ اول مصنفہ مولانا مشتاق احمد چرتھاولی سبقا سبقا یاد کرا دیا جائے، اس طرح کہ ''میزان الصرف'' کی ترتیب کے موافق صیغوں اور گردانوں کے نام خوب یاد ہو جائیں، اسم ظرف، اسم تفضیل مذکر و مؤنث میں تصغیر کے صیغے بڑھا دیئے جائیں اور بحث اسم آلہ میں اسم آلہ صغری، وسطی، کبری کے ۱۲ صیغے ''ابواب الصرف'' کی ترتیب کے موافق یاد کرائیں جائیں، اور صحیح ابواب کے صیغے نکالنے اور بتلانے کی خوب مشق کرائی جائے، اس مشق کے لئے تختہ سیاہ (بلیک بورڈ) سے مدد لی جائے۔

۳۔ ''منشعب'' میں سے صرف ۲۴ باب ۶ ثلاثی مزید، ۴ رباعی مجرد و مزید فیہ کی صرف صغیر جدید بامداد "تيسير الأبوب الجديد" مع نام وعلامتِ باب خوب یاد کرائی جائے، یا بجائے ''منشعب'' کے "تيسير الأبواب" ہی کو خوب یاد کرا کے مشق کرادی جائے، یہ بھی کافی ہے، بعد ازاں ''میزان الصرف'' کی ترتیب پر صرف کبیر مع ترجمہ یاد کرائی جائے اور "عربی صفوة المصادر" کی مدد سے صحیح ابواب کی صرف صغیر و کبیر گردانوں کی خوب مشق کروائی جائے، اس لئے سال اول میں صرف ایک کتاب ''میزان ومنشعب'' نصاب میں رکھی گئی ہے۔

۴۔ ''علم الصرف'' حصہ سوم میں ہفت اقسام کی صرف صغیر و کبیر با ترجمہ ''عربی صفوة المصادر'' کی مدد سے نیز تعلیلات کی خوب اچھی طرح مشق کرائی جائے ''صرف

میر'' اور ''علم الصیغہ'' میں بھی اس کی مشق کو جاری رکھا جائے۔

تنبیہ: صرف کے تمام اسباق ایک ہی استاذ کے پاس ہونی چاہئے، جو کہنہ مشق اور آزمودہ کار ہو، نو آزمودہ مدرس کے یہ کام ہرگز نہ سپرد کرنا چاہئے۔

۵۔ ''نحو میر'' میں مسائل زبانی یاد کرانے کے ساتھ ساتھ ہر ہر جملہ کی ترکیب بھی کرائی جائے، نیز کتاب کی مثالوں پر اکتفا ہرگز نہ کیا جائے؛ بلکہ قرآن وحدیث نیز دیگر کتب ادب سے بکثرت مثالیں دی جائیں اور ترکیبیں کرائی جائیں کہ تکثیر امثلہ اس باب میں بے حد مفید ہے، انواع اعراب کو خصوصا خوب ہی یاد کرا جائے ، اور ''عوامل النحو منظوم فارسی' حفظ کرادی جائے۔

۶۔ ''شرح مائۃ عامل' میں ایک دن صرف عبارت مع ترجمہ ومطلب پڑھائی جائے، دوسرے دن ترکیب کرائی جائے اس طرح کہ نوع اول تک اولا چھوٹی ترکیب ہو، ثانیا اسی کی بڑی ترکیب ہو، نوع اول سے نوع ثانی تک صرف بڑی ترکیب ہو، اور نوع ثانی سے آخر تک صرف چھوٹی ترکیب، ہاں اسی اثناء میں گاہے گاہے بڑی ترکیب کا بھی امتحان لیتے رہیں۔

۷۔ ''روض الأدب'' میں یا کسی بھی آسان ادبی کتاب میں ترترجمے اور صیغوں کی مشق کے ساتھ ترکیب نحوی بھی کراتے رہیں اور عربی تحریر وبول چال کی بھی مشق کرائی جائے۔

۸۔ ''ہدایۃ النحو'' اور ''مرقات'' میں اصطلاحی الفاظ کی تعریفات اصل عربی میں یاد کرائی جائیں اور مسائل اردو زبان میں خوب حفظ کرائیں جائیں اور شب وروز کی گفتگو میں مسائل منطق ان کے لئے اجنبی چیز نہ رہے۔

۹۔ ''نور الایضاح'' اور ''قدوری'' میں مسائل جزئیہ آسان الفاظ میں طلبہ کے ذہن نشیں کرا کے سوال وجواب کے طرز پر ان سے اعادہ کرایا جائے اور سبقا سبقا سنا جائے۔

۱۰۔ ''تہذیب'' کو اس طرح وضاحت اور سادگی سے پڑھایا جائے کہ بغیر کسی پیچیدگی اور دشواری کے ''شرح تہذیب'' کے تمام مباحث آجائیں اور اس کے پڑھنے کی ضرورت نہ رہے۔

طریق تعلیم طبقہ وسطی

۱۔ عبارت بقدر ضرورت ایک ایک مسئلہ کی پڑھوائی جائے، لفظی اور اعرابی غلطیوں پر متنبہ کیا جائے، لفظ یا اعراب غلط پڑھنے کی وجہ سے مطلب اور معنی میں جو نقص یا اہمال پیدا ہوتا ہے، اس کو خوب واضح کیا جائے؛ تاکہ طلبہ کو عبارت غلط پڑھنے کی قباحت وشناعت کا احساس ہو، حتی الامکان طالب علم سے خود الفاظ یا اعراب صحیح پڑھوایا جائے، جب طالب علم تصحیح سے عاجز ہوجائے تو استاذ غلطی اور اس کی وجہ سمجھائے، اور عبارت صحیح پڑھوایا جائے، جب طالب علم تصحیح سے عاجز ہوجائے تو استاذ غلطی اور اس کی وجہ سمجھائے اور عبارت صحیح کرائے، جو طالب علم عبارت پڑھ رہا ہے، دوسرے طلبہ سے کہا جائے کہ جہاں یہ لفظ یا عبارت غلط پڑھے تم ٹوکو اور عبارت کی تصحیح کرو، روزانہ ایک ہی طالب علم سے عبارت نہ پڑھوائی جائے، اور نہ باری مقرر کی جائے؛ بلکہ خود استاذ جس طالب علم کو مناسب سمجھے عبارت پڑھنے کے لئے کہے، کمزور طلبہ سے زیادہ عبارت پڑھوائی جائے، اسی طرح جو طلبہ عبارت پڑھنے سے بچتے ہیں، ان سے ضرور عبارت پڑھوائی جائے، یہ اور اس کے علاوہ جو بھی مناسب تدبیریں طلبہ کو مطالعہ دیکھنے اور عبارت صحیح پڑھنے کا عادی بنانے کی ہوسکتی ہیں اختیار کی جائیں، عبارت میں صرف ونحو سے متعلق جو لفظی اشکالات ہوں ان کو سمجھا کر ان کا حل پوری وضاحت کے ساتھ بتلایا جائے، دفع دخل مقدر کی تقریر کرکے کتاب کے جواب کو واضح الفاظ میں منطبق کیا جائے، اس طرح مسئلہ کی تقریر کرکے عبارت با ترجمہ اور مسئلہ کا انطباق خود طالب علم سے کرایا جائے، اور ایسے طرز پر مطالعہ دیکھنے کی تاکید کی جائے کہ طلبہ خود مطالعہ میں ان امور کے حل

کرنے کے عادی ہوجائیں، اگرچہ اس طریق پر پڑھانے سے سبق کی مقدار کچھ کم ہوگی؛ مگر یہ چند روز کی بات ہے، اس کے بعد خود طلبہ عادی ہوجائیں گے اور علمی استعداد پختہ ہوجائے گی اور تلافی مافات ہوسکے گی، آغاز سال میں کم ازکم یہ طریق ضرور اختیار کی جائے، کبھی کبھی گذشتہ سبق کے متعلق بھی اچانک سوال کیا کریں؛ تاکہ طلبہ پڑھے ہوئے سبق کے اعادہ اور تکرار پر مجبور ہوں۔

اس طبقہ کے طلبہ کے مطالعہ کی طرح تکرار کا عادی بنانا بھی نہایت ضروری ہے اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ استاذ طلبہ کو بتلائے کہ ہمارے بزرگوں نے سبق کے اعادہ کے لئے تکرار کا طریقہ اس لئے جاری کیا ہے کہ طالب علم میں علمی استعداد کے ساتھ ساتھ تفہیم وتدریس کی صلاحیت بھی آہستہ آہستہ نشو ونما پاتی رہے، بالفاظ دیگر یہ تکرار درحقیقت مدرسی کی تربیت ہے، چنانچہ مشاہدہ ہے کہ نہایت آسانی سے نہ صرف مدرس؛ بلکہ کامیاب مدرس بن کر نکلتے ہیں، تکرار کی اس افادیت کو سن کر انشاء اللہ تعالی طلبہ میں تکرار کرنے کرانے کا شوق ضرور پیدا ہوگا، ہر استاذ اپنے سبق کے طلبہ کو دو دو یا تین تین جماعتوں پر تقسیم کردے اور باری باری ہر طالب علم کو تکرار کرانے کی تاکید کرے؛ تاکہ تکرار کا فائدہ تمام طلبہ کو یکساں طور پر پہنچے، نیز استاذ خود تکرار کے اوقات مقرر کرے، اور گاہ بگاہ ان اوقات میں خود جاکر بھی نگرانی کرے؛ تاکہ طلبہ تکرار کے بجائے گپ بازی میں وقت ضائع نہ کریں۔

۲۔ ''کنز الدقائق''، ''اصول الشاشی'' وغیرہ فنی کتابوں میں فن کی اصطلاحات اور الفاظ اصطلاحیہ کی تعریفات تو اصل عربی الفاظ میں یاد کرائی جائیں، اور مسائل کو اس طرح ذہن نشیں اور یاد کرایا جائے کہ اصل فن سے مناسبت پیدا ہوجائے۔

۳۔ ''ترجمہ قرآن عظیم'' میں علوم ومعارف قرآن کے بجائے ''عربیت'' پر زیادہ توجہ کی جائے، ''صرفی ونحوی'' امور کا لحاظ رکھتے ہوئے پہلے مفردات کے لغوی اور مرادی معنی اور محل اعراب کو بتلایا جائے، پھر ''سادہ اور مطلب خیز لفظی ترجمہ'' کرایا

جائے، شانِ نزول اور بیانِ واقعات وقصص میں قدرضروری پر اکتفا کیا جائے، ربطِ آیات پر ضرور توجہ کرنی چاہئے، اور ''سادہ مطلب خیز ترجمہ'' تو خوب ہی رٹایا جائے۔

۴۔ ''ہدایہ اولین'' کامل تحقیق وتدقیق وعرق ریزی کے ساتھ اس طرح پڑھایا جائے کہ اور ہر مسئلہ اور اس کی دلیل کا عقلی مآخذ جو ''اصول کلیہ'' میں سے ہو، طالب علم کے ذہن نشیں کرایا جائے، پھر اس مسئلہ کو متفرع کیا جائے؛ تاکہ طالب علم کے اندر اصل کلی معلوم کرنے اور اس پر مسئلہ کو متفرع کرنے کا ملکہ پیدا ہوجائے۔

۵۔ علوم وفنون عقلیہ میں ہر علم وفن کی اصطلاحات کو ''بعبارتھا'' یاد کرایا جائے، اور اس کے مادی اصول موضوعہ سے آگاہ کر کے مسائل کو اس طرح ذہن نشیں کرایا جائے کہ اس علم وفن سے مناسبت اور استخراج مسائل کا ملکہ پیدا ہوجائے۔

طریقۂ تعلیم طبقہ علیا

۱۔ اس طبقہ کی بیشتر کتابیں علوم وفنون کی آخری اور منتہی کتابیں ہیں، بسا اوقات طلبہ کو اس کے بعد کی کتابیں پڑھنے کا موقع بھی نہیں ملتا، اس لئے اساتذہ کو پوری محنت وکاوش کے ساتھ نہ صرف کتاب کا؛ بلکہ اس کے مستند حواشی وشروح نیز اس علم وفن کی دیگر محققانہ معاون کتابوں کا بھی مطالعہ کرنا چاہئے، اور پڑھاتے وقت صرف کتاب کے حل پر اکتفاء نہ کرنا چاہئے؛ بلکہ اپنے طویل وعریض مطالعہ میں فن کی ضروری اور اہم تحقیقات ومسائل پر بھی نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں روشنی ڈالنی چاہئے؛ تاکہ ایک طرف کتاب بھی پوری ہوجائے، اور دوسری طرف طالب علم کے کان فن کی اہم اور ضروری تحقیقات سے بھی آشنا ہوجائیں، اور مستند کتابوں کے نام بھی اسے معلوم ہوجائیں، تاکہ فارغ ہونے کے بعد جب وہ خود اس فن یا اس کے مسائل کو پڑھانے بیٹھیں یا کوئی مقالہ یا مضمون لکھنے کا قصد کریں تو ان مآخذ کی مراجعت کرسکیں، نیز عہد حاضر کے دینی مسائل پر ضرور تبصرہ فرمائیں،

تا کہ طلبہ کو فارغ ہونے کے بعد جب ان مسائل سے سابقہ پڑے تو وہ خالی الذہن اور بے خبر نہ ہوں، اور اساتذہ کے بتلائے مآخذ کی مراجعت کرسکیں، نیز عہد حاضر کے دینی مسائل پر بھی ضرور تبصرہ فرمائیں، تا کہ طلبہ کو فارغ ہونے کے بعد جب ان مسائل سے سابقہ پڑے تو وہ خالی الذہن اور بے خبر نہ ہوں، اور اساتذہ کے بتلائے ہوئے مآخذ کی مراجعت کر کے ان کے جواب دہی کرسکیں مثلاً:

۲۔ ''تفسیر جلالین'' پڑھانے کے وقت کتاب کے حل کرنے کے لئے تو ''حاشیہ جمل'' یا کم از کم ''صاوی'' کا اور ربط آیات اور دیگر علوم و معارف قرآن کے لئے تفسیر ''بیان القرآن'' اور ''سبق الغایات'' کا اور اصول تفسیر سے آگاہ کرنے کے لئے اور ''تفسیر الاتقان'' کا اور تفسیر قرآن کے سلسلہ میں احادیث و مسائل فقہ کی تحقیق کے لئے ''تفسیر مظہری'' کا حسب ضرورت مطالعہ کرتے رہا کریں۔

۳۔ علم اصول حدیث، حدیث کا اہم ترین موقوف علیہ ہے اور نصاب میں صرف ''مقدمہ مشکوۃ'' اور ''شرح نخبہ'' یا ''خیر الاصول'' کو رکھا گیا ہے، حضرات اساتذہ کو چاہئے کہ وہ ان کتابوں میں سے مصطلحات حدیث کو خوب حفظ کرائیں، مگر خود ''مقدمہ ابن صلاح'' یا ''تدریب الراوی'' کا مطالعہ کریں، اور حسب ضرورت و موقع فن کے اہم مسائل پر ان کتابوں کی مدد سے سیر حاصل تبصرہ کریں۔

۴۔ ''مشکوۃ شریف'' پڑھاتے وقت سادہ اور مطلب خیز حدیث کا ترجمہ کرانے کے بعد ہر حدیث سے مستنبط فقہی مسئلہ میں ائمہ مجتہدین کے اقوال و مذاہب مع ادلہ تو نہایت اختصار کے ساتھ اور حنفی مذہب اور اس کے دلائل ذرا تفصیل و تحقیق کے ساتھ بیان کریں اور اگر حدیث بظاہر مذہب حنفی کے خلاف ہو تو اس کا آخری اور تحقیقی جواب بصورت ترجیح یا تطبیق توجیہ و تاویل ضرور بیان کریں، اس سلسلہ میں ابن رشد کے ''بدایۃ المجتہد'' سے مدد لیں اور ''لمعات شرح مشکوۃ'' یا ''التعلیق الصبیح'' کا بالالتزام مطالعہ کریں۔

۵۔ دورہ حدیث شریف کی کتب عشرہ بالخصوص ''بخاری شریف'' پڑھانے کے وقت ''فتح الباری''، ''عینی'' ورنہ حواشی حضرت مولانا احمد علی رحمہ اللہ کے ''الابواب والتراجم'' کا بالالتزام مطالعہ کریں۔

اور ''جامع ترمذی'' پڑھانے کے وقت ''معارف السنن'' یا ''الکواکب الدری'' کا اورسنن ابی داؤد پڑھانے کے وقت ''بذل المجہود'' کا۔

علی ہذا القیاس باقی کتب پڑھانے کے وقت ان کے حواشی وشروح کا ضرور مطالعہ کریں؛ مگر ان طویل وعریض شروح میں سے اہم ترین مباحث نہایت اختصار کے ساتھ بیان کریں، تاکہ کتاب بھی ختم ہوسکے اور جس کتاب حدیث کو بھی شروع کرائیں اول بطور مقدمہ تاریخ تدوین حدیث، حجیت حدیث، اصحاب صحاح وسنن کے تراجم اوران کے شرائط ومراتب اور خصوصیاتِ کتب عشرہ پر اجمالا اور زیر درس کتاب اور مصنف سے متعلق امور مذکورہ پر تفصیلا محققانہ تبصرہ کریں، اس کے بعد کتاب شروع کرائیں، اورنہایت متانت ووقار اور احترام کے ساتھ ایک ایک باب وحدیث کے لفظی ومعنوی حل طلب اموراوراس سے مستنبط احکام ومسائل پر سیر حاصل تقریر کریں، اور مختلف فیہ مسائل میں ائمہ مجتہدین کے اقوال ومذاہب اوران کے مستدلات نہایت عزت واحترام کے ساتھ بیان کرکے مذہب حنفی اوراس کے دلائل پر انتہائی محققانہ مگر منصفانہ بحث کریں اوروجوہ ترجیح بیان کریں، مناظرانہ اورمجادلانہ طرز پر ہرگز نہ اختیار کریں، اور اختلاف کوحتی الامکان ختم یا کم کرنے کی کوشش کریں، نہ کہ حدیث کومذہب کے مطابق کرنے کی، کہ اصل حدیث ہے اور مذہب اس سے ماخوذ ومستنبط، حدیث میں تاویل اورصرف عن الظاہر کرنے کے بجائے رجال وسند پر محققانہ کلام کرنا زیادہ مفید اور بہتر ہے، اس لحاظ سے امام طحاوی رحمہ اللہ کی ''شرح معانی الآثار'' حنفیہ کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے، اختلافی مسائل پر کلام کرتے وقت اس کواور ''مؤطا امام محمد'' کوپیش نظر رکھنا حنفیہ کے لئے ازبس ضروری ہے۔

قدیم ''فرق زائغہ'' اور زمانہ حال کے ''فرق باطلہ'' کی محققانہ تردید کریں،

اور ''اعلاء کلمۃ الحق'' کا فرض ادا کریں، اسی کے ساتھ ساتھ طلبہ کو ''تصحیح عقائد ونیات'' اور ''تزکیہ اخلاق واعمال'' کی بھی ترغیب دلائیں؛ تاکہ تعلیم کے ساتھ تربیت کا فرض بھی اداء ہو، اس باب میں استاذ کو ورع وتقوی اور خوف وخشیت الٰہی کا عملی نمونہ ازبس ضروری ہے، اور محدث کے شایانِ شان بھی یہی ہے۔

نیز اپنی بحث وتحقیق کو متعارف اخلاقی مسائل ومباحث تک محدود نہ رکھیں؛ بلکہ علوم ومعارف حدیث علی صاحبها التحیۃ والتسلیم'' کو ایسی تحقیق ووضاحت کے ساتھ بیان فرمائیں کہ طلبہ کے ذہنوں میں حدیث کی شایانِ شان اہمیت اور دین میں اس کا حقیقی مرتبہ ومقام راسخ ہوجائے؛ تاکہ وہ عہد حاضر کے ''عظیم ترلادینی فتنہ انکارِ حدیث'' کی جواب دہی اور بیخ کنی پر پورے طور پر قادر ہوجائیں۔

عام طور پر حدیث پڑھانے والے اساتذہ سال کا بیشتر حصہ صرف ارکان اربعہ کے مسائل اختلافیہ کی بحث وتحقیق پر صرف کردیتے ہیں، اور آخر میں کتاب کی تلاوت رہ جاتی ہے، اور اس کے باوجود بھی بیشتر کتابیں ختم نہیں ہوتی، یہ طریقہ سخت مضر اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کرنے کے باب میں تقصیر کے مترادف ہے، أعاذنا الله منه، اس لئے استاذ کو روز اول سے کتاب کے ختم کرنے کو پیش نظر رکھنا چاہئے، خود بہت کچھ دیکھنا اور مطالعہ کرنا چاہئے اور طلبہ کے سامنے کم سے کم مگر بے حد ضروری اور اہم باتیں علی وجہ البصیرہ بیان کرنی چاہئے۔

۶۔ حدیث کی طرح اس طبقہ کے بقیہ علوم وفنون کے اساتذہ کو بھی اسی طریق کار کے مطابق اپنا مطالعہ زیر درس کتاب تک محدود نہ رکھنا چاہئے، مثلاً ''ہدایہ اولین''، اخیرین'' پڑھاتے وقت ''فتح القدیر'' اور ''حاشیہ مولانا احمد حسن سنبھلی'' ورنہ کم ازکم ''عنایہ کا اور ''شرح عقائد'' پڑھاتے وقت ''اشارات المرام للبیضاوی'' ورنہ کم ازکم ''حاشیہ مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ کا اور ''متنبی'' پڑھاتے وقت ''شرح برقوتی'' ورنہ ''حاشیہ مولانا اعزاز علیؒ'' ضرور زیر مطالعہ رہنا چاہئے۔

۷۔ سیرت وتاریخ وہ جدید علوم ہیں جو اسی سال وفاق نے نصاب تعلیم میں اضافہ کئے ہیں، ان کے اساتذہ کو درسی کتابیں شروع کرانے سے پہلے ہر دو علموں کی وسیع معلومات کا ذخیرہ مہیا کر لینا چاہئے، تا کہ پڑھاتے وقت ہر دو علموں کے اہم ترین مباحث کی طلبہ کو نشان دہی کر سکیں اور یاد کرا سکیں، ہر دو علموں پر عربی اردو دونوں زبانوں میں مستند محققین کی تصانیف موجود اور دستیاب ہیں، مثلاً ''سیرت مغلطائی'' کے ساتھ ''سیرت ابن ہشام''''نور الیقین''''اتمام الوفاء'' کا اور ''تاریخ أبو الفداء'' کے ساتھ ''محاضرات خضری'' (عہد بنو امیہ، بنو عباس) کا مطالعہ کرنا چاہئے، اردو میں ''اوجز السیر''''تاریخ خلافت راشدہ'' مصنفہ عبد الشکور لکھنوی، اور خضری کی محاضرات کا اردو ترجمہ اور اس کے علاوہ جو بھی کتابیں تاریخ وسیرت کی میسر آئیں، ان کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

تاریخ وسیرت کے استاذ کے لئے عہدِ رسالت، عہد خلافت راشدہ، عہد بنو امیہ، عہد بنو عباس، اور عہد حاضر کے اسلامی ممالک کے جغرافیئے، خواہ عربی میں ہوں خواہ اردو میں، جس طرح ممکن ہو حاصل کر کے اس میں بصیرت حاصل کر لینی چاہئے، اس لئے کہ وفاق کے مجوزہ نصاب میں تاریخ کے ساتھ جغرافیہ بھی لازمی مضمون ہم، مدرسہ کو اس سلسلہ میں مدرس کی پوری امداد کرنی چاہئے کہ اس کے بغیر مدرس ان نئے علموں کو نہ حقہ پڑھا سکتا ہے اور نہ امتحان کی تیاری کرا سکتا ہے۔

۸۔ علم کلام اور علم اخلاق بھی جدید علوم ہیں، ان کے پڑھانے والے استاذ کے لئے متعلقہ کتاب شروع کرانے سے قبل علم اخلاق میں امام غزالی کی ''احیاء علوم الدین'' کا ورنہ کم از کم ''کیمیائے سعادت'' کا اور علم کلام جدید میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی ''حجۃ الاسلام''''انتصار الاسلام''،''قبلہ نما'' کا اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی تصانیف کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔

اس طبقہ کے استاذ کو چار سے زیادہ اسباق ہرگز نہ دیئے جائیں ورنہ وہ

کتاب اورفن کا حق ہرگز ادا نہ کرسکیں گے، اور طلبہ تشنہ کام اور ادھورے رہ جائیں گے، اور مدرس کا اس میں کچھ قصور نہ ہوگا، خصوصاً علوم جدیدہ، کہ ان سے تو عموماً مدارس عربیہ کے اساتذہ خود ونا آشنا ہیں، درحقیقت استاذ کو پہلے خود پڑھنا پڑے گا اوراس پرطرہ یہ ہے کہ ان کتابوں کے حواشی اور شروح بھی نہیں۔(۱)

فنون پر علمی تبصرہ

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ مقالات فراہی سمینار بعنوان علامہ حمید الدین فراہی حیات وافکار میں تمام علوم وفنون کے تئیں فرماتے ہیں:

''اس کے بعد میں یہ عرض کروں گا کہ بارہویں صدی کے ایک جلیل القدر عالم اور نقاد علامہ شوکانی نے جو اپنی مجتہدانہ تصنیف" نیل الأوطار" کے ذریعہ سے روشناس ہیں؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ مفسر بھی ہیں اور فتح القدیر کے مصنف بھی ہیں، انہوں نے ایک بات لکھی ہے، بڑے نکتے کی، وہ میں آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، وہ کہتے ہیں کہ علوم اسلامیہ کی چار قسمیں ہیں: ایک علم وہ ہے جو پکا اور جل گیا، ایک علم وہ ہے جو پکا لیکن جلا نہیں، اور ایک علم وہ ہے کہ جو نہ پکا نہ جلا، تو جس علم کہتے ہیں "نَضَجَ وَاحْتَرَقَ" جو پکا اور پختگی کو پہنچا اور جل گیا، یہ مذمت کی چیز نہیں ہے؛ بلکہ اس کے کمال کا اظہار ہے کہ اپنے نقطہ ارتقاء کو وہ پہونچ گیا، وہ تو علم نحو ہے اور علم حدیث کو بھی غالباً (اگر میرا حافظہ کوتاہی نہیں کرتا تو) اس میں شامل کیا کہ اس میں کسی اضافے کی گنجائش نہیں ہے، نحو میں اب قیل وقال گنجائش نہیں ہے، نحو پر اتنا کام ہوگیا ہے کہ اب اس میں کوئی یہ کہے کہ یہ اصول غلط ہے، یہ اصول ہونا چاہئے، اور یہ قیاس صحیح نہیں اور یہ قیاس ہونا چاہئے اور یہ

(۱) تحفۃ المدرسین یعنی مثالی استاذ بن کر آپ تدریس ایسے کریں::۹۹-۱۰۹، ادارۃ الرشید، کراچی

مسئلہ نحو کا غلط ہے، عربوں کا کام تھا، اہل زبان کا کام تھا، اور پھر اہل زبان کے بعد جو اپنے وقت کے عبقری ترین انسان تھے، ان میں سے میں سیبویہ کا نام خاص طور پر لوں گا، انہوں نے اس کا کو ختم کر دیا، جہاں تک حدیث وروایات کا تعلق ہے رجال کا تعلق ہے وہ بھی اس میں شامل ہے، پھر اس کے بعد کہتے ہیں: وہ علم جو پکا لیکن جلا نہیں، وہ علم فقہ ہے، اور صحیح کہا ہے کہ جب تک نسل انسانی باقی ہے اور دنیا میں تغیر کا عمل جاری ہے، اور جب تک انسانی زندگی میں تنوع اور انسانی زندگی کے مطالبات غیر محدود ہیں، اس وقت تک فقہ کو مکمل نہیں کہہ سکتے کہ فقہ میں تمام مسائل کی تدوین ہو چکی، اور ہر چیز کا جواب کھلا رہے گا، پھر انہوں نے کہا ہے کہ وہ علم جو پکا بھی نہیں جلا بھی نہیں وہ علم تفسیر ہے، اور یہ الفاظ ڈرتے ہوئے میں نے ادا کئے ہیں؛ اس لئے کہ اس سے بھی یہ نہ سمجھا جائے کہ علم تفسیر پر کوئی کام نہیں ہوا، بلکہ وجہ یہ ہے کہ اس کی نسبت اللہ تبارک وتعالی کے علم وکلام سے ہے، اور انسانی زندگی سے ہے، اور اس کی تحدید نہیں کی جا سکتی کہ اس کا پورا جواب دیا دے گیا اور اس کو مدون کر دیا گیا تو واقعہ یہ ہے کہ علم تفسیر میں برابر اس کی گنجائش رہی کہ لوگ پیدا ہوتے رہے اور اضافہ کرتے رہے"۔(۱)

مقصد یہ ہے کہ دینیات، ناظرہ حفظ یا اعدادیہ کے نام سے شروع کی جانے والی ابتدائی جماعتوں میں اردو زبان پر عبور، فارسی زبان سے ضروری واقفیت پیدا ہو جانی چاہئے، ورنہ فراغت اور فراغت کے بعد تک یہ مرض رسوا کن اور پریشان کرتا رہتا ہے۔

---

(۱) مقالہ ابو الحسن ندوی، مقالات فراہی نمبر: علامہ حمید الدین فراہی حیات وافکار: ۲۲۔۲۳، مرتبہ عبد اللہ فراہی، ناشر، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ، یوپی: ۲۰۱۶

فن صرف

میزان الصرف یا علم الصرف

۱) صرف کے آغاز میں گردانیں یاد کرانا ناگزیر ہے، گردانیں اس طرح یاد ہونی چاہئے کہ وہ خودبخود زبان پر چڑھ جائیں اور کسی جگہ اٹکاؤ یا جھجک باقی نہ رہے۔

۲) لیکن عموماً اساتذہ صرف گردانوں کے رٹوانے پر اکتفاء کر لیتے ہیں اور جب طالب علم کو کوئی گردان اچھی طرح حفظ ہو جائے تو آگے منتقل ہو جاتے ہیں اور صیغوں کی شناخت کی طرف توجہ نہیں دیتے؛ حالانکہ طالب علم کو گردان کا یاد ہونا جس قدر ضروری ہے اتنا ہی ضروری یہ ہے کہ وہ ہر صیغے کو فوراً پہچان کر اس کا صحیح مطلب اور اس کا محل استعمال اچھی طرح سمجھ لے، لہٰذا استاذ کے ذمہ ضروری ہے کہ وہ گردان یاد کرانے کے بعد مندرجہ ذیل کام کرے اور جب تک ان کاموں کی تکمیل اطمینان بخش طریقے پر نہ ہو، اگلے درس کی طرف منتقل نہ ہو۔

(الف) ہر ہر صیغے کے بارے میں یہ پہچان کہ وہ کون سا صیغہ ہے؟ مذکر ہے یا مؤنث، واحد یا تثنیہ یا جمع؟ اس کے لئے دوطرفہ مشقیں زبانی طور پر کرانی ضروری ہیں، یعنی طالب علم سے مختلف صیغوں کے بارے میں یہ پوچھا جائے کہ وہ کونسا صیغہ ہے؟ مثلاً ''فَعَلَتُ'' یا ''ضَرَبَتُ'' کون سا صیغہ ہے؟ دوسرے مختلف صیغوں کے نام لے کر وہ صیغے بنوائے جائیں مثلاً: ''ضَرَبَ'' سے ماضی واحد مؤنث حاضر وغیرہ، دونوں قسم کی مشقیں اتنی کثرت سے کرائی جائیں کہ صیغوں کی یہ دوطرفہ پہچان طالب علم کے

ذہن نشین ہوجائے اور ہر طالب علم سے اوسطا ہر صیغے کے بارے میں متعدد سوالات ہوجائیں، اس کام میں اگر ایک دوسبق پورے بھی ہوجائیں تواس کی پرواہ نہ کی جائے۔

(ب) اسی طرح یہ بھی انتہائی ضروری ہے کہ ہر صیغے کے صحیح معنی طالب علم کے ذہن نشین ہوں اور صیغہ سنتے ہی اس کے معنی اس کی سمجھ میں آجائیں، اس کے لئے بھی دوطرفہ مشقوں کی ضرورت ہے، ایک طرف عربی صیغہ بول کر طالب علم سے اس کے معنی دریافت کئے جائیں اور دوسرے اردو بول کر اس کا ترجمہ طالب علم سے کرایا جائے، یہ دوطرفہ مشقیں بھی اتنی کثرت سے ہونی چاہئے کہ صیغوں کے صحیح معنی اوران کا صحیح محل استعمال ذہن میں پیوست ہوجائے۔

(ج) میزان میں تمام گردانیں "فعل" کے مادے پر مبنی ہیں، اور وہی یاد کرائی جاتی ہیں، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ دوسرے مادوں سے وہی گردانیں طالب علم سے نکلوائی جائیں مثلا: "قَرَأَ"، "فَتَحَ"، "سَجَدَ" وغیرہ اوران کے معانی بھی ذہن نشین کرائے جائیں۔

(د) جن مشقوں کا ذکر اوپر (ب) اور (ج) میں کیا گیا ہے، وہ زبانی طور پر کرانے کے علاوہ تحریری طور پر کرانا بھی لازمی ہے، یعنی اردو میں ایسے جملے دیئے جائیں جن کا ترجمہ طلبہ اپنے پڑھے ہوئے افعال کے مختلف صیغے بنا کر کرسکیں، مثلا مندرجہ ذیل جملوں کا ترجمہ کرایا جائے۔

ان عورتوں نے سجدہ کیا، (مردوں) نے کھایا، اور ان دوعورتوں نے پڑھا، وھکذا، ان مشقوں میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ تمام صیغے استعمال ہوجائیں۔

یہ تمام کام ماضی، مضارع، امر اور نہی کی تمام گردانوں میں کرائے جائیں۔

۳) تحریری مشقوں میں شروع ہی سے طالب علم کو اس بات کی عادت ڈالی جائے کہ وہ صاف ستھرے انداز میں سلیقے سے لکھے جہاں حاشیہ چھوڑنا ضروری ہو وہاں حاشیہ چھوڑے، سطریں سیدھی رکھے، تحریر اور ترتیب میں توازن ہو۔

۴) جو طالب علم تحریری کام کر کے نہ لائے اور اس کے پاس کوئی معقول عذر نہ ہو، اس کو مناسب تنبیہ کی جائے۔

۵) جو طلبہ حافظے یا ذہن کے اعتبار سے کمزور ہوں، انہیں ہر روز کا سبق یاد کرانے کی ذمہ داری جماعت کے ذہین اور اچھے طلبہ پر لگائی جائے، اور جن طلبہ سے تمام اسی طرح کی کوششوں کے باوجود مایوسی ہو جائے، ان کی رپورٹ ناظم تعلیمات کو کی جائے اور اگر مایوسی حق بجانب ہو تو اس کو تعلیم کے بجائے کسی اور مشغلے میں لگانے کے لئے فارغ کر دیا جائے۔

۶) صرف صغیر میں اگرچہ گردان کا صرف ایک صیغہ طالب علم کو یاد کرایا جاتا ہے، لیکن استاذ کو چاہیے کہ وہ اس سے کبھی کبھی اس بحث کی پوری گردان سنے مثلاً: باب استفعال کی صرف صغیر میں مضارع کا وہ صرف "یَسْتَنْصِرُ" یاد کرے گا؛ لیکن اس سے "یَسْتَنْصِرُ" کی پوری گردان نکلوائی جائے اور پھر اس میں بھی مندرجہ ذیل مشقیں جاری کی جائیں۔

۷) تعلیلات کے بیان میں صرف تعلیلات کے قواعد یاد کرانے کو کافی نہ سمجھا جائے؛ بلکہ ہر قاعدے کو بہت سی مثالوں سے سمجھایا جائے اور طالب علم سے مثالوں میں ان قواعد کا اجراء کرایا جائے)۔(۱)

آسان صرف

❁ علم صرف کی تعلیم عربی زبان کی تعلیم کے ساتھ ہی شروع ہوتی ہے، اس وقت بچوں میں عربی کی استعداد نہ ہونے کے درجہ میں ہوتی ہے، اس لئے میرا یہ طریقہ ہے کہ

(۱) درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں: ۷، ۸، ۹، ۱۰

جب عربی کے سبق میں فعل ماضی کا استعمال آتا ہے تو میں بچوں کو فعل ماضی کی گردان لکھ کر دیتا ہوں اور اتنا رٹاتا ہوں کہ وہ بچوں کو یاد ہو جاتی ہے، یوں رفتہ رفتہ کافی گردانیں ان کو کتاب کے بغیر یاد کرا دیتا ہوں، پھر میزان شروع کراتا ہوں اور ساری گردانیں بالترتیب یاد کراتا ہوں۔

''کتاب الصرف'' بچوں کے لئے ابتداء میں مشکل ہے کیوں کہ وہ مسائل فن کی جامع کتاب نہیں ہے، اور ''علم الصرف'' نسبتا آسان ہے؛ مگر اس میں قواعد اشعار میں بیان کئے گئے ہیں، جو ابتداء میں مناسب نہیں۔

اس رسالہ میں اس بات کی رعایت رکھی ہے کہ بچوں پر ابتداء ہی سے قواعد کا بہت بوجھ نہ پڑے، نہ بہت زیادہ تمرینات دی ہیں، یہ سب باتیں حصہ دوم میں آئیں گی، حصہ اول میں بہت سادہ انداز میں ضروری قواعد سمجھا کر گردانیں دی گئی ہیں۔(۱)

خاصیات ابواب

علم صرف کا علوم عربیہ میں اہم مقام ہے وہ زبان کی کلید ہے، وہ ترکیب میں واقع ہونے سے پہلے کلمات کی ذات کا تعارف کراتا ہے، وہ ایک مادہ لے کر اس کو مختلف صورتوں میں ڈھالتا ہے اور اس میں متنوع اور مختلف خاصیات پیدا کرتا ہے۔

اس فن کا خلاصہ تین ابواب ہیں (۱) تصریفات (۲) تعلیلات (۳) اور خاصیات

❁ تصریفات (گردانیں) نسبتا آسان ہیں، ان سے مشکل تعلیلات ہیں اور سب سے اہم مشکل خاصیاتِ ابواب ہیں، طلبہ بہت آسانی سے صحیح سے گردانیں یاد کر لیتے ہیں، مگر جب ہفت اقسام کی گردانوں اور ان کی تعلیلات کا نمبر آتا ہے تو ان کی ہمت جواب دینی لگتی ہے، لیکن کسی نہ کسی طرح وہ اس پرخار وادی کو بھی پار کر لیتے ہیں؛ مگر جب آخری مرحلہ (خاصیات ابواب) کا نمبر آتا ہے تو وہ اس پر بس سرسری گذر جاتے ہیں، حالانکہ عربی زبان میں اسی کی سب سے زیادہ اہمیت ہے، اس

(۱) آسان صرف: ۱/۲، مکتبہ حجاز

میں مہارت کے بغیر نہ تو قرآن فہمی ممکن ہے نہ حدیثوں کو کما حقہ سمجھا جا سکتا ہے۔

علم صرف کی تمام اہم کتابوں میں خاصیات کا بیان کتاب کے آخر میں ضمنی طور پر آتا ہے اور نصاب میں سب سے آخر میں خاصیات والا حصہ پڑھایا جاتا ہے؛ مگر وہ بہت مختصر ہے اور بہت سی خاصیات کی تو مثالیں تک نہیں دی گئی ہیں، اسی لئے اساتذہ کو بھی سخت دشواری پیش آتی ہے: ضرورت اس بات کی تھی کہ خاصیات پر کوئی آسان اور جامع رسالہ سامنے آتا جس سے خاصیات ابواب کو قابو میں کرنا سہل ہوتا۔(۱)

❁ اس حصہ (آسان صرف حصہ ۲) میں میزان ومنشعب کے مضامین مکمل دیدیئے ہیں، گردانیں یاد کرنے کے بعد یہ حصہ آسان ہے، اساتذہ کرام کو چاہئے کہ اس حصہ میں قواعد کی طرف پوری توجہ دیں اور گردانوں اور تمرینات کے ذریعہ ان کو خوب ذہن نشیں کرائیں۔

ہفت اقسام کی گردانیں اس حصہ میں بھی نہیں دی گئی ہیں؛ کیوں کہ ان کے ساتھ قواعد تعلیل کو جاننا ضروری ہے اور ابھی بچے اس کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتے، ہفت اقسام کی گردانیں حصہ سوم میں آئیں گی۔

یہ حصہ بھی اور آسان صرف حصہ اول بھی سال اول ہی میں پڑھایا جائے حصہ اول ختم ہونے کے بعد اس کو مکمل سن لیا جائے، پھر یہ حصہ شروع کرا دیا جائے اور اس حصہ میں خصوصی توجہ اسمائے مشتقہ کے قواعد کی طرف دی جائے اور ایک خاص بات یہ عرض کرنی ہے کہ قواعد کا اجراء ضروری ہے (دوسری عربی کتابوں میں صرف کے قواعد بار بار پوچھے جائیں اور کہیں کہیں صرف صغیر یا صرف کبیر بھی کرائی جائے اس طرح قواعد ذہن نشیں ہو جائیں گے اور گردانوں کی خوب مشق ہو جائے گی۔(۲)

(۱) آسان خاصیات ابواب: ۴، مفتی سعید صاحب، مکتبہ نعیمیہ

(۲) از مفتی سعید احمد صاحب، آسان صرف: ۳، ص: ۲، مکتبہ وحیدیہ

❁ فہم القرآن کے لئے علوم عربیت کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت ہے، ان علوم میں مہارت کے بغیر فہم القرآن کا دعوی مضحکہ خیز ہے، ان علوم عربیت میں ''علم صرف'' بنیادی حیثیت رکھتا ہے، قدماء ومتأخرین نے ہر دور میں عمدہ سے عمدہ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، لیکن متأخرین کی تصانیف میں دو کتابیں بے نظیر ہیں (۱) صرف میر (۲) علم الصیغہ ،قوانین زرّاری، دستور المبتدی، تصریف زنجانی ، وشافیہ ابن حاجب وغیرہ فارسی، عربی اس کا عربی مقابلہ نہیں کرسکتی (علم الصیغہ) متحدہ ہندوستان کے درس نظامی کی اہم درسی کتاب ہے اور نصاب میں داخل ہے۔(۱)

علم صرف کے لئے درس نظامی میں چند کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، ان میں علم الصیغہ سب سے زیادہ جامع اور بے نظیر کتاب ہے، اپنے مصنف کی ایک کرامت کا درجہ رکھتی ہے، اب چونکہ فارسی زبان تقریبا متروک ہوگئی تو اب مبتدی طلباء پر دوہری مشقت ہوگئی کہ پہلے کتاب سمجھنے کے لئے فارسی زبان سیکھیں، پھر اس کے ذریعے عربی کا علم صرف حاصل کریں، اس لئے ضرورت عرصے سے محسوس ہو رہی تھی کہ صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں جو فارسی زبان میں ہیں ان کو سلیس اردو میں منتقل کردیا جائے۔(۲)

''علم الصیغہ'' ہمارے نصاب میں صرف کی آخری کتاب ہے، اس اس میں اہم ترین حصہ قواعد، تعلیلات کا ہے، یہ قواعد اس کے بعد کہیں طالب کے سامنے نہیں آئیں گے، لہٰذا ان کو خوب یاد کرا کے از برکرا دینا اور ان اکا اجراء استاذ کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

اس طرح ''خاصیات'' کا بیان پہلی اور آخری مرتبہ صرف ''فصول اکبری'' ہی میں طالب علم کے سامنے آئے گا، ان خاصیات کو بھی نہ صرف ذہن نشیں ؛ بلکہ اچھی طرح یاد کرنا لازمی ہے (درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھے اور پڑھائیں)

حضرت مفتی صاحب اپنی اس کتاب میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

---

(۱) از مفتی رفیع عثمانی، علم الصیغہ :۵، زم زم بکڈ پو

(۲) علم الصیغہ :۷، زم زم بکڈ پو

''ابتدائی درجات کے نصاب میں صرف ونحو کی ایسی کتابوں کا اضافہ کیا جائے جن میں قواعد کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کے عملی اجراء کا اہتمام ہو، ہر ہر قاعدے کے ساتھ اس کی بہت سی مثالیں دے کر قاعدے کو ذہن نشیں کرایا گیا ہو، اور پھر تمرینات کے ذریعے طلباء کو ان قواعد پر عمل کا عادی بنانے کی کوشش کی گئی ہو، عرب ممالک میں اس غرض کے لئے بہت سی کتابیں تیار ہوئی ہیں، مثلاً نحو وصرف کے ابتدائی اور متوسط درجے کے لئے ''النحو الواضح'' اور اعلی درجات کے لئے ''النحو الوافی'' وغیرہ ان کتب سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے''۔

❁ صرف کی کتابوں میں ابتداء ہی گردان کو رٹانے پر طلبہ کو بالکل مصروف نہ کیا جائے یہ بے حد مضر ہے؛ بلکہ اولاً صیغوں کی وضع اور بناء اچھی طرح سمجھائی جائے اور غائب وحاضر، مذکر ومؤنث، واحد وتثنیہ اور جمع کا فرق خوب سمجھایا جائے۔
جس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اولاً ۱۴ صیغوں کو تین قسموں پر منقسم کیا جائے، ۶ صیغے غائب کے، ۶/ صیغے حاضر کے اور ۲/ صیغے متکلم کے پھر ۶/ صیغوں کو دو پر تقسیم کئے جائیں: تین مذکر، تین مؤنث پھر تین کو واحد، تثنیہ اور جمع پر۔
اسے سمجھایا بھی جائے اور اسی طرح لکھوایا جائے اور یاد کرنے اور سنانے میں بھی تین تین صیغوں پر سکتہ کرتے ہوئے سنائیں: بلکہ لکھنے میں دو تین کلر سے لکھوائے جائے تو زیادہ مفید ہے، اور حد فاصل کے طور پر سطر چھوڑ کر لکھوائے جائیں، اس کے لئے دو تین دن صرف کئے جائیں؛ لیکن خوب سمجھا لیا جائے پھر اتنا رٹا دیا جائیں کہ پختہ ہو جائے۔
جب گردان پختہ ہو جائے تو پھر دوسرے مادوں سے اسی وزن کی دوسری پانچ سات گردانیں بلوائی جائیں، پھر مختلف صیغوں کا عربی سے اردو، اور اردو سے عربی ترجمہ کی مشق خوب کرائی جائے، صیغوں کی ہیرا پھیری سے ذہن عادی بن جائے گا۔

تعلیل کا حال

تعلیل میں بھی طلبہ کو قواعد لکھنے کا حکم دیا جائے اور انہیں سمجھایا جائے، پھر رٹایا جائے۔

جب سمجھ کر یاد کرلیں تو اس میں پختگی لانے کے لئے اسی وزن پر دوسرے مادوں کو لے کر اسی قاعدہ کو طالب علم سے بلوا کر قاعدہ کا اجراء کروایا جائے، اور صرف صغیر سے بھی کسی بحث سے پوری گردان کرالی جائے۔

فن صرف کے دوسرے سال میں مصادر اور جمع بھی زیادہ بتائے جائیں، اہل ادب واہل عرب جدا جدا مصادر و جمعوں کو استعمال کرنے کے عادی ہیں:

فن صرف میں صرفی کثیر الاستعمال اصطلاحات مثلا ہفت اقسام کی اچھی جانکاری طلبہ میں پیدا کی جائے اور ثلاثی ورباعی، مجرد ومزید فیہ کی معرفت اور مطلق وملحق اور ان کے ابواب کی معرفت مثلا ثلاثی مزید مطلق کی دو قسمیں (۱) باہمزۂ وصل کے سات ابواب (۲) بے ہمزۂ وصل کے پانچ ابواب اور پھر ثلاثی مزید ملحق کی دو قسمیں (۱) ملحق برباعی مجرد کے صیغے۔

نوٹ: تمام فنون کی تمام کتابوں میں عربی دوم عربی سوم تک اپنے اپنے طرز سے اسباق کی کاپیاں بنوائی جائیں؛ بلکہ بعض چھوٹی کتابوں میں تو دو دو کاپیاں ہونی چاہئے وہ ادب کی ہو کہ صرف کی اور چھوٹی جماعتوں میں ہفتے دس دن کے اسباق کا دور ضرور کرایا جائے اور انہیں کہا جائے کہ وہ اچھی طرح یاد کرلیں اور سمجھ لیں۔

دور ''نظر ثانی'' اس لئے کوئی بھی چیز صرف ایک مرتبہ پڑھنے سے پختہ نہیں ہوسکتی جب تک اس پر بار بار نظر نہ کی جائے؛ لہٰذا دور ضرور کرایا جائے۔

طلبہ کو اس کا بھی پابند بنایا جائے کہ کم از کم ایک سبق کو تین دن تک اور زیادہ سے زیادہ پانچ دن تک زیر نظر رکھیں، یہ عمل صلاحیت بنانے کی ضمانت ہے اگر کوئی کرے۔(۱)

صرف پڑھانے کا طریقہ یہ ہے کہ گردانوں کو خوب رٹایا جائے، فعل ماضی کی گردان

(۱) فن تدریس کے اصول: ۱۷۲

اتنی رواں ہوجائے کہ ایک سانس میں طالب علم تین بار گردان پڑھ سکے جو افعال ادبی کتابوں میں آتے ہیں بچوں سے ان کی گردان کرانی چاہئے اور گردان مع ترجمہ وصیغہ اور بلا ترجمہ لکھائی جائے۔

- عربی ادب کی کتابوں سے عربی اور اردو ترجمہ کی مشق کرائی جائے۔
- اس کی اردو سے عربی اور عربی سے اردو ترجمہ کی مشق کرائی جائے۔
- صحیح کی گردان یاد ہونے پر ہفت اقسام مثلاً مہموز، معتل وغیرہ کی خوب مشق کرائی جائے، نیز ماضی، مضارع امر کی گردانوں کی مشق خوب کرانی ضروری ہے، لغت دیکھنے پر اس کی بے شمار مثالیں مل جاتی ہیں۔(۱)

علم صرف کی تعلیم عربی کے ساتھ ہی شروع ہوتی ہے، اس وقت بچہ میں عربی کی استعداد صفر کے درجہ میں ہوتی ہے اور علم صرف، علم نحو سے بھی زیادہ مشکل فن ہے، گردانوں کے متشابہات، قواعد کی صعوبت، تعلیلات کی بھول بھلیاں اور خاصیات ابواب کی سنگلاخ وادی سے بچوں کے لئے گذرنا مشکل ہوتا ہے، کچھ بچے ہمت مردانہ سے کام لے کر پار ہوجاتے ہیں اور زیادہ تر آبلا پائی کے شکار ہوجاتے ہیں، اردو میں علم صرف کی جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں بھی تدریج کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے یا تو قواعد اشعار میں بیان کئے گئے ہیں جس کی وجہ سے کریلا اور نیم چڑھا کا مصداق ہوگئی ہیں۔آسان صرف کے تین حصے اسی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر مرتب کئے گئے ہیں، پہلے حصہ میں بس برائے نام قواعد دے کر گردانیں یاد کرائی گئی ہیں اور ابواب کی اجمالی فہرست دی گئی ہے، حصہ دوم میں ابواب کی صرفِ صغیر اور ہفت اقسام سے روشناس کرایا گیا ہے اور آخری حصہ میں تصریفات، تعلیلات اور خاصیات کے بارے میں ضروری باتیں بیان کی گئی ہیں، اساتذہ کرام یہ نصاب بھی ضرور ملاحظہ فرمائیں۔(۲)

---

(۱) مدرسہ تعلیم سے تعمیر تک: ۳۳

(۲) آسان صرف: ۱/۴۰

فن نحو

بعض اشکالات کا جواب نحوی قاعدہ سے دیا جاتا ہے، چنانچہ میرے پاس ایک صاحب آئے اور کہنے لگے کہ وضو میں جو پاؤں دھونا فرض ہے اس کی دلیل کیا ہے؟ قرآن میں تو پیروں کے واسطے مسح کا حکم ہے؟ میں نے کہا کہ قرآن میں کہاں ہے؟ کہنے لگے: شاہ عبدالقادر کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے، پھر وہ مترجم قرآن ''اور ہاتھوں کو کہنیوں تک اور ملے اپنے سروں کو اور پیروں کو ٹخنوں تک'' شاہ صاحب نے یہاں فعل مقدر کو ظاہر نہ کیا تھا اور مسح کا ترجمہ محاورہ موافق کر دیا، ورنہ بعض تراجم میں فعل ظاہر کر کے اس طرح ترجمہ کیا ہے ''اور دھووٴ اپنے پیروں کو ٹخنوں تک'' اس ترجمے پر کچھ اشکال نہیں ہوسکتا؛ مگر شاہ صاحب کے ترجمے میں ان صاحب کو یہ شبہ ہوا کہ پیروں کے لئے بھی مسح کا حکم ہے، میں بہت پریشان ہوا کہ اس اشکال کا جواب تو نحوی قاعدہ پر موقوف ہے، اب اگر میں ان سے کہا کہ جس کلام کا یہ ترجمہ ہے یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ کلام اللہ ہے بولے کہ علماء کے کہنے سے معلوم ہوا، میں نے کہا: افسوس یا تو علماء اتنے ایماندار ہیں کہ اگر وہ ایک عربی عبارت کو کلام اللہ کہہ دیں تو سچے اور یا اتنے بے ایمان ہیں کہ اگر وہ ایک فعل کو مضمر (پوشیدہ) کہیں تو جھوٹے اس پر وہ چپ رہے، اس طرح کے بہت سے اشکالات ہیں جن کے جوابات علوم آلیہ پر موقوف ہیں۔

بالجر بھی آیا ہے اور اس اشکال کا جواب یہ تھا کہ یہاں ''اَرْجُلَکُمْ'' کا عطف ''وُجُوْھَکُمْ'' پر ہے اور ''وُجُوْھَکُمْ'' اس صورت میں بظاہر اس کا عطف ''رُؤُوْسَکُمْ'' کے اوپر اور ''وَامْسَحُوْا'' کے تحت میں ہے، علماء نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس میں جر جوار ہے، ورنہ حقیقت میں اس کا عطف ''فَاغْسِلُوْا'' پر ہے۔(۱)

(۱) التبلیغ: ۱۹۶/۲۱ بحوالہ علوم وفنون نصاب تعلیم: ۸۲، مولانا اشرف علی تھانویؒ

حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری فرماتے ہیں: جب میں نے اپنے لڑکے احمد سلمہ کو حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب کی مشہور کتاب ''علم النحو'' پڑھانی شروع کی تو پہلی فصل پوری کرتے ہی میں نے محسوس کیا کہ بچہ ان مضامین کو برداشت نہیں کر رہا ہے؛ کیوں کہ اردو میں لکھی گئی نحو کی کتابوں میں عام طور پر تدریج ملحوظ نہیں رکھی گئی ہے جب کہ یہ بات ضروری ہے، میں نے مولانا حافظ عبد الرحمن صاحب امرتسری کی ''کتاب النحو'' بھی دیکھی تو وہ اور بھی مشکل نظر آئی؛ اس لئے میں نے اپنے بچہ کی ضرورت سے ''آسان نحو حصہ اول'' مرتب کیا؛ تا کہ بتدریج اس کو فن کی تعلیم دی جائے، اس رسالے میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ بچے کے ذہن پر یکبارگی بہت زیادہ بوجھ نہ پڑ جائے اور اس کو فن نحو بہت زیادہ مشکل نظر نہ آئے، چنانچہ ہر باب میں صرف ابتدائی ضروری باتیں اس رسالہ میں لی گئی ہیں، باقی باتیں حصہ دوم کے لئے اٹھا رکھی ہیں ــــــ یہاں یہ بات بھی عرض ہے کہ بچوں کو علم نحو کی کتاب عربی زبان شروع کرتے ہی فوراً شروع نہیں کرانی چاہئے، عربی کی تعلیم ''القراء'' (ریڈر) شروع کرانی چاہئے مثلاً ''منہاج العربیۃ'' اول ودوم پھر ''قصص النبیین'' اول دوم پڑھانی چاہئے۔

پھر جب بچے کو عربی کی شد بد ہو جائے تو آسان نحو حصہ اول شروع کرانی چاہئے، اس میں کل تینتیس سبق ہیں یہ رسالہ زیادہ سے زیادہ دو ماہ میں پورا ہونا چاہئے، اساتذہ کو چاہئے کہ اسے خوب یاد کرائیں اور بقدر ضرورت ہی سمجھائیں، حواشی اساتذہ کے لئے ہیں، جب یہ حصہ خوب مضبوط ہو جائے تو حصہ دوم شروع کرائیں۔(۱)

یہ دو حصے پڑھا کر بچے کو آسانی کے ساتھ عربی ''علم النحو'' کی کتاب شروع کرائی جاسکتی ہے اور بڑے درجات کے طلبہ جن کا فن نحو کمزور ہے وہ بھی از خود ان رسائل سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

اساتذہ اکرام اور ارباب مدارس یہ آسان نصاب ضرور ملاحظہ فرمائیں۔(۲)

---

(۱) آسان نحو حصہ اول: ۲ رمکتبہ حجاز (۲) آسان نحو حصہ اول: ۳۹

حصہ دوم آسان نحو میں حصہ اول کے مضامین کا اعادہ کر کے مزید ضروری باتیں بیان کی گئی ہیں، اور بہت کچھ عربی کتابوں کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے، حصہ دوم کے بعد شرح مائۃ عامل یا اس معیار کی کوئی اور کتاب شروع کرائی جاسکتی ہے۔

کتاب پڑھاتے ہوئے تین باتیں ملحوظ رکھی جائیں:

۱) کتاب میں مشقی سوالات ہیں ان کا خاص طور پر اہتمام کیا جائے۔

۲) فن نحو میں درک پیدا کرنے کے لئے قواعد کا اجراء ضروری ہے؛ لہٰذا طلبہ سے عربی جملوں کی ترکیب کرائی جائے۔

۳) دورانِ ترکیب خواندہ قواعد بار بار پوچھے جائیں؛ تاکہ قواعد ذہن نشیں ہوجائیں۔

علم نحو

اس وقت دینی مدارس کے نصاب میں بہت سی ایسی کتابیں شامل ہیں، جن سے مضمون کا ذوق طالب علم میں پیدا ہونی ک ے بجائے اس کو لفظی پیچیدگیوں اور عبارت کی بھول بھلیوں میں گم کر دیا جاتا ہے، اس وقت ہزاروں، یا شاید لاکھوں کی تعداد میں ایسے طلبہ موجود ہوں گے جو صرف ونحو کی باریکیوں اور شذوذ پر متاخر شارحین اور حاشیہ نویسوں کی موشوگافیوں سے تو خوب واقف ہوں گے، لیکن عام صرفی ونحوی اغلاط سے پاک چند فقرے لکھ لینے کی اہلیت سے عاری ہوں گے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تحریر سنبٹ اور سوال کا بلی اور سوال باسولی کی عبارتیں رٹ لینے سے کون سا دینی یا دنیوی مقصد حاصل ہوسکتا ہے، اگر طالب علم ایک صفحہ کی صحیح عبارت لکھ لینے کی (اور اب تو پڑھ لینے کی بھی) اہلیت نہ رکھتا ہو۔

نحو کی کتابیں جو داخل نصاب ہیں، ان کتابوں میں کچھ ایسی ہیں جو زبان و بیان اور اسلوب تحریر کے لحاظ سے مشکل ہیں جیسے کافیہ، شرح جامی اور شرح مائۃ عامل وغیرہ، کافیہ تو ایسی مختصر اور مشکل کتاب ہے کہ اس کو پورے طور پر سمجھنے کے لئے اس کی درجنوں شرحیں لکھی گئی ہیں، شرح جامی تو کافیہ ہی کی شرح ہے، لیکن یہ بغیر حواشی کی مدد کے پورے طور پر سمجھ میں

(۱) آسان نحو: ۲/۲، از مفتی سعید صاحب پالن پوری، محاضرات تعلیم: ۲۷۲

نہیں آسکتی، یہ کتابیں جب طلباء پڑھتے ہیں تو ان کی عبارت فہمی میں الجھ کر رہ جاتے ہیں، اصل قواعد ان کے ذہن میں بہت کم بیٹھ پاتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں بعض دوسری کتابیں النحو الواضح، شذور الذہب، تمرین النحو، تمرین الصرف، شرح ابن عقیل، المفصل زیادہ آسان اور قواعد سکھانے کے لئے زیادہ مفید ہیں۔(۱)

نحو میر یا علم النحو

اساتذہ کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ علوم اسلامیہ کی تحصیل کے لئے علم نحو کی ٹھیک ٹھیک فہم اس کا مکمل اجراء اور اس کے قواعد کا صحیح استعمال ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا نحو کی تعلیم پر آنے والے ہر علم وفن کی تحصیل موقوف ہے، اگر یہ بنیاد کمزور رہ جائے تو دورہ حدیث تک کی پوری تعلیم کمزور بے اثر اور بے ثبات ہوجاتی ہے، اس لئے نحو کے استاذ کی ذمہ داری بہت بڑی ذمہ داری ہے اور اس سے کما حقہ عہدہ برآ ہونے کے لئے مندرجہ ذیل امور کی رعایت ناگزیر اور لازمی ہے:

۱) نحو کی تعلیم میں اصل مقصد کتاب کی عبارت یاد کرانا نہیں؛ بلکہ اس میں بیان کردہ قواعد ومسائل کو طالب علم کو اس طرح ذہن نشیں کرانا ہے کہ متعلقہ موقع پر طالب علم کو وہ قاعدہ یا مسئلہ یاد آجائے۔

۲) زیر درس کتاب میں عموماً ''کسی اصطلاح یا قاعدے کی تشریح کے لئے ایک مثال پر اکتفاء کیا گیا ہے؛ لیکن استاذ کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ ہر اصطلاح اور قاعدے کی تشریح کے لئے طلبہ کے سامنے ازخود بہت سی مثالیں بیان کرے اور بہتر یہ ہے کہ یہ مثالیں عام گفتگو کے علاوہ قرآن کریم سے بھی اخذ کی جائیں؛ تاکہ قرآن کریم سے بھی مناسبت پیدا ہوتی جائے، اس غرض کے لئے استاذ کو چاہئے کہ ''مفتاح القرآن'' کو مستقل اپنے مطالعہ میں رکھیں۔

(۱) دینی مدارس: مولانا ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری،:۱۴۳، فضل بک سوپر مارکیٹ، کراچی

۳) خود بھی مثالیں دینے کے بعد طلبہ سے بھی مثالیں بنوانا اور مختلف مثالیں بول کر طلبہ سے ان کے بارے میں سوال کرنا ضروری ہے، یہ کام زبانی بھی ہونا چاہئے اور تحریری بھی۔

۴) اصطلاح یا قاعدے کی محض نظریاتی تفہیم کو ہرگز کافی نہ سمجھا جائے؛ بلکہ اس کے عملی اجراء پر زیادہ زور دیا جائے؛ چنانچہ جب پچھلا سبق طلبہ سے سنا جائے تو اس میں صرف قاعدہ ہی نہ پوچھا جائے؛ بلکہ مختلف مثالوں کے ذریعے سوال کر کے اس بات کا اطمینان کیا جائے کہ طالب علم میں اس قاعدہ کو عملی طور پر جاری کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی ہے یا نہیں؟

مثلاً قاعدہ یہ ہے کہ غیر منصرف کا اعراب حالت جری میں فتحہ ہوتا ہے، اب صرف اس سوال پر اکتفا نہ کیا جائے کہ غیر منصرف کا اعراب کیا ہوتا ہے؟ بلکہ ایسے جملے اردو میں بول کر عربی میں ان کا ترجمہ کیا جائے، جن میں کوئی غیر منصرف لفظ حالت جری میں آیا ہو، یا ایسے عربی جملے بغیر حرکات کے تختہ سیاہ پر لکھے جائیں جن میں غیر منصرف لفظ حالت جری میں ہو اور ان پر حرکات لگوائی جائیں، یا ایسے غلط جملے طالب علم کو دیئے جائیں جن میں غیر منصرف کا اعراب صحیح نہ ہو اور پھر اس سے کہا جائے کہ وہ اسے صحیح کرے۔

۵) طالب علم جب بھی کوئی غلط جملہ بولے یا غلط پڑھے، اس کو فوراً روک کر جملہ درست کرایا جائے، عام طور سے طلبہ میں مضاف پر الف لام داخل کرنے، موصوف صفت اور مبتدا خبر میں مطابقت نہ کرنے وغیرہ کی غلطیاں شروع سے جڑ پکڑ جاتی ہیں، ان غلطیوں کو کسی بھی قیمت پر گوارا نہ کیا جائے؛ بلکہ طالب علم سے اصلاح کرائی جائے؛ تاکہ شروع ہی سے ان غلطیوں سے احتراز کی عادت پڑ جائے۔

۶) جو قواعد کثیر الاستعمال ہیں ان پر قلیل الاستعمال قواعد کے مقابلے میں زیادہ زور دیا جائے، سبق سننے کے وقت بھی اور امتحانات میں بھی کثیر الاستعمال قواعد کے بارے

میں زیادہ سوالات کئے جائیں؛ بلکہ قلیل الاستعمال قواعد کے بارے میں بتا بھی دیا جائے کہ ان کا استعمال کم ہوتا ہے، مثلاً "لا حول ولا قوّۃ إلا باللّٰہ" کی پانچ ممکنہ وجوہ اعراب میں طالب علم کو بتادیا جائے کہ راجح اور کثیر الاستعمال کونسی ہے؟

۷) اسم متمکن کی جو سولہ اقسام کتاب میں مذکور ہیں ان کو ذہن نشیں اور یاد کرانے اور ان کے عملی اجراء پر بہت زیادہ زور دیا جائے، مختلف الفاظ کے بارے میں طلبہ سے پوچھا جاتا رہے کہ یہ اسم متمکن کی کونسی قسم ہے؟ اور اس کا اعراب کیا ہے؟

۸) طلبہ کو ہر روز یا کم از کم تیسرے دن کوئی نہ کوئی تحریری مشق ضرور دی جائے اور مشقوں کا طریقہ وضع کرنے کے لئے استاذ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ''عربی کا معلم''، ''معلم الانشاء'' اور ''النحو الواضح للابتدائیہ'' کو اپنے مطالعہ میں رکھے اور جو بحث پڑھائی گئی ہے اس کے متعلق ان کتابوں میں دی ہوئی مشقوں میں سے طلبہ کی ذہنی سطح کا لحاظ رکھتے ہوئے مشقیں منتخب کر کے طلبہ کو ان کے تحریری جواب کا پابند بنائے۔

۹) ''مائۃ عامل'' کی تعلیم میں ہر عامل کے عمل کو ذہن نشیں اور مستحضر کرانے کے لئے مثالوں سے کام لیا جائے اور ان کی بھی زبانی اور تحریری مشقیں کرائی جائیں۔

ہدایۃ النحو

''ہدایۃ النحو'' درس نظامی کے طلبہ کے لئے انتہائی ناگزیر ہے، بے حد مفید اور نہایت اہم کتاب ہے اور اسے نحو کی ریڑھ کی ہڈی سمجھنا چاہئے، علم نحو سے جو کچھ مناسبت پیدا ہوتی ہے وہ اسی کتاب میں ہوگی؛ لہٰذا اس کو پڑھاتے وقت مندرجہ ذیل امور کو مدنظر رکھنا نہایت ضروری ہے:

۱) اس کتاب کا اصل مقصد یہ ہے کہ نحو کے بنیادی قواعد اور اس علم کا مرکزی ڈھانچہ آسان اور عام فہم انداز میں طالب علم کے ذہن نشیں ہوجائے اور ساتھ ہی ساتھ اس میں عربی زبان میں نحو کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو۔

۲) اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ استاذ صرف کتاب کے بیان کردہ مسائل کی تفہیم پر اکتفا کرے اور کتاب کی شروحات مثلاً ''درایۃ النحو'' وغیرہ میں جو غیر متعلق مباحث مذکور ہیں، ان کو درس میں نہ خود چھیڑے اور نہ طلبہ کو چھیڑنے کی اجازت دے، یہ نحو کی بنیاد رکھنے کا وقت ہے اور طالب علم کی پوری توجہ کتاب کے مسائل کو سمجھنے اور ان کے اجراء پر مرکوز ہونی ضروری ہے، اگر ان کا ذہن خارج مباحث میں الجھا دیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کتاب کا اصل مقصد فوت ہوجاتا ہے اور کتاب کے مسائل اوران کے اجراء پر طالب علم کی گرفت کمزور ہوجاتی ہے اور پھر یہ کمی آگے کہیں پوری نہیں ہوتی۔

۳) کتاب کے مسائل کو سمجھایا جائے، یاد کرانے اوران کو اچھی طرح ذہن نشیں کرانے کے لئے ان تمام ہدایات کو یہاں بھی مدنظر رکھا جائے، جو ''نحومیر'' اور ''علم الصرف'' کی تدریس کے لئے بیان کی گئی ہیں، چنانچہ ہر اصطلاح اور ہر قاعدے کی تشریح میں اس بات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ صرف کتاب کی دی ہوئی مثال پر اکتفاء نہ کیا جائے؛ بلکہ ہر اصطلاح اور ہر قاعدے کی بہت سی مثالیں اپنی طرف سے سوچ کر طلبہ کو بتائی جائیں، پھر ان سے نئی مثالیں بنوائی جائیں اور کوشش کی جائے کہ مثالیں زیادہ سے زیادہ قرآن کریم سے ماخوذ ہوں۔

مثلاً کتاب میں "ما أضمر عامله على شريطة التفسير" کی صرف ایک مثال دی گئی ہے استاذ کو چاہئے کہ وہ قرآن کریم سے اس کی آسان مثالیں تلاش کر کے طالب علم کے سامنے بیان کرے اوران میں متعلقہ قواعد کا اجراء کرائے۔ مثلاً:

"وَالسماء بنيناها، والأرض فرشناها، إنا كل شيء خلقناه بقدر، والقمر قدرناه منازل، والجان خلقناه من قبل"

۴) اس کتاب میں بھی زبانی اور تحریری تمرینات کا اسی طرح اہتمام کیا جائے جیسے نحو میر اور علم الصرف کے سلسلے میں بیان کیا گیا ہے۔

۵) ان مشقوں کے لئے ''النحو الواضح'' کے مختلف حصوں کو استاذ بالالتزام مطالعہ میں رکھے اور جو سبق پڑھائے اس کو اس کتاب میں پڑھ کر اس کی تمرینات اور اس میں دی ہوئی مثالوں سے استفادہ کرے۔(۱)

کافیہ

''کافیہ'' علم نحو کی وہ اہم کتاب ہے جس میں نحو کے اعلی درجے کے مسائل، بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں، اس کتاب کا مقصد نحو کے مبادی سے کماحقہ واقفیت کے بعد اس علم کے تفصیلی مسائل کے ذریعہ طالب علم میں فن کے ساتھ مناسبت پیدا کرنا اور اس کے ساتھ شواہد کی مدد سے مسائل نحو کے استنباط کا سلیقہ سکھانا ہے۔

لیکن ہمارے دور میں ان مقاصد کے حصول میں بہت بڑی رکاوٹ اس کتاب کا وہ طریق تدریس ہے جس میں سارا زور غیر متعلق چوں چرا پر صرف کر دیا جاتا ہے اور اس چوں چرا کی کثرت میں کتاب کے اصل مسائل گم ہو کر رہ جاتے ہیں اور طالب علم کی توجہ ٹھیٹھ نحوی مسائل و مباحث کے بجائے اعتراض و جواب کی طرف لگ جاتی ہے لہٰذا:

۱) ''کافیہ'' سے صحیح فائدہ حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ استاذ نفس کتاب کی تفہیم پر اکتفا کرے، البتہ اس تفہیم کا معیار ''ہدایۃ النحو'' سے اتنا بلند ہونا چاہئے کہ عبارت کے فوائد و قیود اور ایک ایک لفظ کا پورا پس منظر طالب علم کے سامنے بیان کیا جائے اور مصنف نے مختصر الفاظ میں جو مباحث سموئے ہیں وہ پوری تفصیل کے ساتھ طالب علم کے سامنے آجائیں؛ لیکن اس کے علاوہ ان فضول عقلی موشگافیوں اور لفظی مناقشات سے مکمل پرہیز کیا جائے جن سے براہِ راست نحو کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲) ''کافیہ'' کی سب سے بہتر شرح ''رضی'' شرح جامی اور عصام کو استاذ اپنے مطالعے میں رکھے؛ لیکن طالب علم کے سامنے ان میں سے صرف وہ باتیں منتخب کر کے پیش

(۱) درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں: ۱۴۔۱۵، مؤلف مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم، مکتبہ زمزم

کرے جو کتاب سمجھنے کے لئے ضروری ہو، یا جن کا براہِ راست نحو سے تعلق ہو، ''تحریر سنبٹ'' کو اور اس قسم کی دوسری شروحات جو محض چوں و چرا پر مشتمل ہیں، استاذ چاہے تو اپنی دلچسپی کے لئے مطالعہ میں رکھے؛ لیکن اس قسم کے مباحث نہ طلبہ کے سامنے بیان کرے اور نہ طلبہ کو ایسی شروح دیکھنے کی اجازت دے مثلا ''الکلمۃ لفظ وضع لمعنی مفرد'' پر جس طرح کئی کئی دن خرچ کئے جاتے ہیں اس کی چنداں ضرورت نہیں، اس جملے کے مطلب کے علاوہ الف لام کی قسمیں ،مفرد کا مطلب اور مفرد کی مختلف وجوہ اعراب اور ان سے حاصل ہونے والے معانی پر اکتفا کیا جائے؛ لیکن الف لام کی قسموں کو اتنی مثالوں سے سمجھایا جائے کہ ہر قسم کی پوری شناخت طالب علم کے ذہن نشیں ہو جائے اور پھر طالب علم سے بھی ان مختلف قسموں کی مثالیں نکلوائی جائیں۔

۳) اس قسم کے مباحث ترک کرنے سے جو وقت بچے گا، اس کو حقیقی نحوی استعداد پیدا کرنے میں صرف کیا جائے؛ چنانچہ کتاب کے مسائل کی خارجی مثالیں اور قرآن وسنت اور کلام عرب سے وہ شواہد پیش کئے جائیں اور طلبہ سے ایسے فقرے بنوائے جائیں جن میں وہ مسائل جاری ہوں۔

اس غرض کے لئے ضروری ہے کہ ''کافیہ'' کا استاذ ''النحو الوافی'' کو بالالتزام اپنے مطالعہ میں رکھے، اس کتاب میں ''کافیہ'' کے معیار کے مسائل کو قرآن وسنت اور کلام عرب کے شواہد سے سمجھایا گیا ہے، اسی کتاب میں تمرینات بھی موجود ہیں، ان تمرینات سے مدد لے کر استاذ اپنے طلبہ کے لئے تمرینات خود مرتب کرے، جن کا مقصد ایک طرف یہ ہو کہ کافیہ کے مسائل کا اجراء ہو سکے اور دوسری طرف اس طرح عربیت کا ادبی ذوق بھی ساتھ ساتھ پیدا ہوتا چلا جائے۔

دراصل بات یہاں بھی وہی ہے کہ کافیہ سے طالب علم کو صحیح فائدہ پہنچنے کا مدار استاذ کے اپنے نحوی اور ادبی ذوق پر ہے جسے ترقی دینے کی استاذ کو کوشش کرنی چاہئے ، اور نحوی

اورادب کی معیاری کتابیں اپنے عام مطالعے میں رکھنی چاہئے۔(۱)

نحو سے خاص طور پر دو چیزیں مقصود ہیں:

۱) قواعد نحو کا استحضار اور قواعد کے بعد فورا جملے بنا سکنا اور جملوں کی ترکیب ''بذریعہ تحریر وتقریر'' میں جھجک ودقت کا ختم ہونا۔

۲) نحو مع صرف وادب، حل عبارت کا ملکہ پیدا کرنا اور ادبی تاریخی کتابوں کو اپنے ملکے سے زیر کرنا اور مقصود حاصل کرنا۔

❁ نحو کا زیادہ تر مدار مرفوعات ومنصوبات ومجرورات اور اعراب کی نو اور معرب کی سولہ قسموں کو سمجھنے اور توابع اور ان کا اعراب سمجھنے اور قدر مبنیات اور ان کی قسمیں جاننے اور اسم کی طرح فعل مضارع (جو معرب ہے) کے اعراب اور وجوہِ اعراب کی معرفت حاصل کرنے پر ہے، اسی طرح مہموز فعل مضارع (جو معرب ہے) کے اعراب اور وجوہِ اعراب کی معرفت حاصل کرنے پر ہے، اسی طرح مہموز معتل وغیرہ ہونے سے اعراب کی بدلتی شکلوں کے اور تھوڑا سا معرب ومبنی کے فرق کو سمجھانے اور سمجھنے پر ہے اور یہی چیزیں طلبہ کے لئے پریشان کن ہوتی ہیں، انہیں پر خوب دھیان دیا جائے، ورنہ معرفہ ونکرہ تذکیر وتانیث واحد وتثنیہ وجمع وغیرہ کو طلبہ ٹھیک سمجھ لیتے ہیں، لہٰذا سابق الذکر وغیرہ کو الگ الگ طرز وانداز سے ذہن نشیں کرایا جائے؛ تاکہ طلبہ کو قواعد مستحضر ہوں اور بوقت ضرورت کام دیں اور غلطی سے احتراز کریں جو نحو کی غرض ہے۔

(ان قواعد کی مثالیں استاذ اپنی طرف سے بنا کر پیش کرے اور طلبہ سے اس کے تمرین ومشق کی تحریری مثالیں بنانے کا مطالبہ کرے، نحو کو زندہ کرنے کے لئے اچھا طریقہ ''ابتدائی اردو کتابوں کی پڑھائی میں'' یہ ہے کہ پہلے مثالیں دیں جائیں، بہت سی مثالوں سے قاعدہ مستنبط کروایا جائے، پھر قاعدے یاد کرائے جائیں، آج

(۱) درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں: ۲۰، ۱۲، ۲۲، مؤلف مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مکتبہ زمزم

برعکس ہے جس کا نقصان دیکھا جارہا ہے، آج طلبہ جس بحث کی عبارت پڑھتے ہیں انہی قواعد کے اغلاط کے شکار ہوتے ہیں، رفع کا بیان پڑھتے ہیں اور رفع نہیں دے سکتے یہ ان کی نحو کا حشر ہے، لہٰذا نحو کی کتابوں مثلا ہدایۃ النحو وکافیہ میں دقیق بحثوں کو چھیڑنے کے بجائے یا عبارت زبانی کرانے کے بجائے نفس قواعد کے سمجھانے اور مثالوں سے یاد کرانے پر زور صرف کیا جائے)۔

مثلا اعراب کی نوقسمیں صرف بالترتیب بتائے نہ جائیں جب نوقسموں کو مع امثلہ برابر سمجھ لیں اور یاد ہوجائیں تو اب ان کے اسماء مختصہ کو بالترتیب بتایا جائے، دوسری ترکیب اس کے برعکس کی ہے اس کے علاوہ بھی ترکیبیں ہیں اب کتاب کی عبارت اور ترجمہ پڑھایا جائے۔

اس کے لئے یہ ترکیب بھی مفید ہے کہ کم ازکم انہیں اس کا پابند بنایا جائے کہ جو سبق پڑھانا ہے اس کے قواعد واصطلاحات کو طلبہ دوسری اردو کتابوں سے یاد کر کے لاویں اگر وہ نفس درس کے مطالعے کے عادی نہ ہوں، مثلا مرفوعات کیا کیا ہیں؟ اسماء افعال کیا کیا ہیں؟ اسباب منع صرف کیا ہیں؟ وغیرہ، بہر حال نحوی ضروری اصطلاحات طلبہ کو یاد بھی ہوں اور ان کے اجراء سے وہ اچھی طرح واقف بھی ہوں۔

❁ طلبہ کو پڑھانے میں پہلے عبارت کی تصحیح کا خوب اہتمام ہو، پھر ہر مسئلہ وقاعدہ کی علاحدہ عبارت ہو، پھر نفسِ قاعدہ آسان انداز میں سمجھایا جائے، پھر استاذ اپنی جانب سے چند مثالیں دے اور طلبہ سے بھی مثالوں کا بروقت مطالبہ ہو اور خارج میں قواعد کو اپنے مفہوم میں لکھ کر مثالیں دیں اور قرآن سے بھی تلاش کریں اور ترجمہ کے وقت مشکل الفاظ کی تصحیح وتشریح ہو اور تشریح میں ''دو قاعدوں میں پائے جانے والے فرق پر تھوڑا الگ سے زور دے کر سمجھانا ہو۔(۱)

---

(۱) فن تدریس کے اصول: ۱۶۹، ۱۷۰

فنِ عربی ادب

عربی ادب کی ضرورت

بہت سے اشکالات قرآن میں پیدا ہوجاتے ہیں جن کا جواب ذوق لسان ہی سے ہوسکتا ہے، ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے: مجھے کچھ کہنا ہے؛ مگر اس آیت کا ترجمہ کردو "ووجدک ضالا فھدی" میں سمجھ گیا اور ترجمہ اس طرح کیا کہ "پایا آپ کو ناواقف پس واقف بنادیا" یہ ترجمہ سن کر وہ میرے منہ کو تکنے لگے، میں نے کہا: اب پوچھو کیا پوچھتے ہو؟ کہنے لگے: تو وہ اشکال نہ رہا، میں نے کہا: کیا آپ کا خیال تھا کہ میں اس جگہ "ضالا" کا ترجمہ گمراہ سے کروں گا؟ اور وہ ترجمہ بھی غلط نہیں ہے مگر غلط فہمی زبان نہ جاننے سے ہوتی ہے، وجہ یہ ہے کہ اردو میں تو گمراہ کا مفہوم یہی ہے کہ حق واضح ہوجانے کے باوجود اس کو قبول نہ کرے اور عربی میں "ضالا" اور فارسی میں "گمراہی" کا اطلاق عام ہے، اس معنی کو بھی اور عدم وضوح کو بھی پس ضال کے معنی گمراہ کے بھی ہیں اور بےخبری اور ناواقفی کے بھی ہیں۔(۱)

علمِ ادب کا مقصد

علامہ ابن خلدون علم وادب کے مقصود اور غرض وغایت کے تعلق سے لکھتے ہیں:

"وإنما المقصود منه ثمرته وهی الإجادة فی نفی المنظوم والمنثور علی أسالیب العرب ومناهجهم"

درحقیقت علم ادب سے مقصود اسکا ثمرہ ہے عرب کے طرز وانداز اسلوب کے مطابق

(۱) التبلیغ: ظ۲۱/ ۱۹۲، بحوالہ علوم وفنون نصاب تعلیم: ۸۰، اشرف علی تھانویؒ

فن نظم ونثر میں مہارت کا نام ہے۔

علومِ ادبیہ

صاحب ''منتہی الأرب'' نے بارہ علوم علم ادب میں شامل کئے ہیں: جن میں آٹھ علوم یہ ہیں (۱) علم لغت (۲) علم صرف (۳) علم اشتقاق (۴) علم نحو (۵) علم معانی (۶) علم بیان (۷) علم عروض (۸) علم قافیہ (۹) علم رسم الخط (۱۰) علم قرض الشعر (۱۱) علم انشاء (۱۲) علم محاضرات (تاریخ) ہیں)۔(۱)

عربی کا معلم اور طریقہ جدیدہ: ۱۲ سے نیچے والا حصہ (۱۱۲) مکمل عنوان: درجہ ثانیہ کے تحت مذکور مراجعت کرلیں

❁ فن ادب سے مع ضروری نحوی صرفی قواعد چند چیزیں مطلوب ہیں:

(۱) ادب کے عربی اسلامی بڑے ذخیرے سے شناسا ہونا اور اس کی لجاجت ورعنائیوں سے لوگوں کی زندگیوں پر مثبت اثر ڈالنا اور غیر شرعی کردار کا قلع قمع کرنا۔

(۲) کلام الٰہی کے خطاب اور اس کی باریک حکمتوں سے لطف اندوز ہونا اور اپنے کو اس کے تابع کرنا اور احادیث نبویہ کے طویل وعریض بحر وسمندر سے محظوظ ہونا اور لوگوں کو دین اسلام سے مربوط کرنا اور قریب کرنا۔

(۳) عربی خطابت وکتابت پر قدرت۔

❁ عربی ادب کی کتابوں میں شروع سال میں چند دن کتاب کے ۳۰ یا ۴۰ صفحات صرف طلبہ کو عبارت ٹھیک کرنے کے لئے دیدئے جائیں، بیچ بیچ میں مدرس روزانہ دو دو صفحات پڑھوا کر جائزہ لے اور خود بھی تھوڑی عبارت پڑھ کر رہنمائی کرے؛ جس میں کلام کے مبدا ومنتہا پر خصوصی توجہ دلائے؛ کیوں کہ طلبہ ابھی معانی سے

(۱) درس مقامات حریری: ۱۷، مؤلف ابن الحسن عباسی

نا آشنا ہیں انہیں مبدا ومنتہا کا مطلقا علم نہیں "مثلهم كعابري سبيل" لیکن جب اس کی عادت ڈالی جائے گی تو بغیر معانی سمجھے وہ کلام کی ابتداء اور اسکے انتہا کی جگہوں سے مطلع ہو جائیں گے اور پڑھنے میں اس کا طرز ولہجہ بھی قابل اصلاح سمجھا جائے حتی کہ وہ اہل عرب کے لہجے اور خطیب جمعہ کے انداز میں پڑھیں چنانچہ جس میں سوالیہ کلام ہے تو سوالیہ انداز اختیار کریں رفتار میں نہ تیز روی ہو نہ سست روی، متوسط الاذہان طلبہ کو مدنظر رکھ کر متوسط روانی کے ساتھ پڑھائیں، ورنہ بعض ایک کلمہ کو دو دو مرتبہ پڑھ کر، اٹک اٹک کر پڑھ کر سال پورا کر دیں گے۔

یہ انتہائی افسوس کی بات ہے؛ لیکن ہے حقیقت کہ آج کل کچھ جگہ کے طلبہ سوم وچہارم تک ایسے آتے ہیں کہ ان کے ناظرہ کی اصلاح کی ضرورت محسوس ہوتی ہے؛ جس کی وجہ ان کے مکاتب کی کمزوری ہے، جو بڑی حرمانِ نصیبی کی بات ہے۔ لہٰذا مدرس خماسی سداسی کلمات اور متعبر الاداء جملوں اور مفردات کو مکرر پڑھ کر انہیں اس کا طریقہ تلقین کرے؛ کہ کس طرح انہیں ٹھیک کیا جاتا ہے۔ مثلا مؤرخین کے نام "سِبَانِتُسُوس"، "هيرُوتَس" اور "فُسَيفَسَّاء" سنگ مرمر وغیرہ۔ تاکہ طلبہ مانوس ہوکر تعلیم پر آمادہ ہو جائیں گے۔

- اب درس شروع کرنا ہے تو یہ بات یاد رکھیں کہ ایک ہی دن میں عبارت، ترجمہ اور لغات کے معانی وغیرہ نہیں بتانے ہیں؛ بلکہ ہر سبق پر تین دن گذارنے ہیں (والمُزاولةُ تُورثُ خلفها قوّة التدريس) جس تکرار سے طلبہ کو وہ درس یاد ہو جائے گا جس کی ترکیب وترتیب یہ ہے:
- ایک دن عبارت ہو جس میں شامل جدید غیر مانوس عربی مفردات کے اردو معانی "لغوی واصطلاحی" ان کا مادہ (مثلا انتقام کا نقم) ضروری ابواب (جیسے استیعاب استفعال سے مادہ عوب) خاصیت ابواب (خرج لازم"، نکلا" اخراج افعال متعدی "نکالنا") "لازم ومتعدی وغیرہ" اور دو یا تین صلات (شغل عن اعراض کرنا؛ لیکن شغل فی رغبت رکھنا) جن کے بدلنے سے معانی بدل جایا

کرتے ہیں اوراس جگہ کا جومخصوص صلہ سے مخصوص معنی ہے اسے زور دے کر کاپیوں میں لکھوانے اور سمجھانے ہیں؛ تاکہ طلبہ ہمیشہ کے لئے اس لفظ اس صلہ سے مخصوص معنی کے استعمال سے مانوس ہوجائیں، ساتھ ہی ساتھ پورے درس میں دوتین مقام پر ضروری (جیسے السِّوِسْرِیُّون اور ''السِّوِسْرِیِّیْنَ حالت رفعی میں وجری وغیرہ) نحوی قاعدہ اورصرفی قاعدہ کی تشریح، مترادف (جیسے قدم وجاءرجع وأفاض اور ترک رفض، ہجر وغیرہ) الفاظ پر خصوصی توجہ، طلبہ کوان سے خوب روشناس کرائیں؛ کیوں کہ اہل عرب اس کے بہت عادی ہیں اوراگر کلمہ اسم ہے تو اس کے جمع وواحد اور ثلاثی مجرد کے مصادر (جیسے ذکر سے ''ذِکْراً، ذُکرا ذکری وتذکارا'' جو غیر قیاسی ہیں؛ کیوں کہ اہل عرب علاحدہ علاحدہ مصادر کے استعمال کے عادی ہیں اس پر بھی توجہ دیں اوراخیر میں اچھی تعبیرات اورضرب الامثال کی جامعیت کی سیر کرائی جائے یہ بہت اہم ہے؛ یہ تو پہلے دن کا کام ہوا۔

- دوسرے دن اولا ذہین طالب علم سے غلطیوں کی اصلاح کرتے ہوئے ترجمہ کرائیں، پھراستاذ ایک مرتبہ مکمل ترجمہ اس طرح کرے پہلے چھوٹے چھوٹے جملے حل ہوجائیں، پھر پوری دوسطر کا محاوری ترجمہ، جب ایک پیراگراف کا ترجمہ ہوجائے، تو دوسرے ذہین طالب علم سے ترجمہ کرائے (اس سے طلبہ میں خود ترجمہ کرنے کا سلیقہ پیدا ہوگا جس سے دوسرے طلبہ کو ''انس کی وجہ سے'' سبق یاد کرنا آسان ہوگا)۔
- اورتیسرے دن کچھ طلبہ کا سبق سننا۔

اب یومیہ تین کام ہوگئے نئے سبق کی عبارت ومعانی وغیرہ لکھوانا (شروع میں کاپیاں کیسے بنائی جائیں اور لکھنے کا کیا طریقہ ہو وہ بھی ذرا سمجھا دیا جائے)، گذشتہ کا ترجمہ کرانا اورکرنا اورسننا، اس طرح ایک سبق کا تعلق ۳ دن تک رہے گا تو طلبہ میں اچھے نتائج

مرتب ہوں گے۔

❁ اور استاذ ابتداء میں گاہ گاہ کچھ عربی میں بھی کلام کرے، چھوٹے چھوٹے سوالات وجوابات سے سلسلہ شروع کر کے ترقی پر پہنچائے؛ تاکہ طلبہ سے عربی کی جھجک ختم ہو،فن ادب سے طالب علم عربی پر ڈھل جائے اور برجستہ کلام کر لے یہ بھی ہماری ایک غایت ہے، طالب علم جب ابتداء میں عربی بولنا شروع کرے تو نحوی وصرفی قاعدوں کی غلطیوں پر اس طرح نہ ٹوکے کہ اس کی ترقی موقوف ہوجائے؛ کیوں کہ کلام پہلے آیا قاعدہ بعد میں "ليس الكلام الصحيحُ مؤسسا على قواعد اللغة بل القواعد هي التي أسست على الكلام؛ لأن الكلام هو السابق في الوجود" ہدایۃ المدارس: ۲۲۶ (فخذوا ما آتاكم أهل اللسان) اور دوران درس اردو کے مشکل الفاظ استعمال نہ کرے، پھر رفتہ رفتہ مترادف الفاظ استعمال کرتے ہوئے مشکل اردو بھی استعمال کرے؛ تاکہ اردو ادب بھی زباں زد ہوجائے۔

❁ ادبی کتابوں کے شروع میں یہ بھی بتایا جائے کہ:

قال يقول کا ترجمہ صرف کہنا ہی نہیں؛ بلکہ اس کے دوسرے بھی معانی ہیں مثلا پوچھنا،حکم دینا،اظہار کرنا،اشارہ کرنا،آواز دینا اور قال لہٗ 'لام صلہ ہوتو' مخاطب ہونا خطاب کرنا وغیرہ جس طرح سئل کا معنی درخواست کرنا وعاجزی کرنا ہوتا ہے۔(۱)

شعبہ تمرین عربی

عربی طلبہ کے لئے اس شعبہ کے ذریعہ عربی میں گفتگو، خطوط نویسی، مضمون نگاری کا باقاعدہ اور مستقل انتظام ہے، عربی کے درجہ اول سے ہی تمرین کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔(۲)

---

(۱) فن تدریس کے اصول: ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵

(۲) تعلیم وتربیت کس طرح: ۱۵۲، مؤلف مہربان علی بڑوتوی

ہمارا نصاب اور عربی زبان دانی

عربی ادب کی تدریس کی صورت حال بھی دیگر علوم کی تدریس سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔

اول تو عربی ادب کی تدریسی کتب بہت قدیم شعرا کا کلام اور قدیم عربی ادب کی جھلک موجود ہے۔ جس سے طلبہ عربی زبان وادب کے قدیم مسائل سے تھوڑی بہت واقفیت حاصل کر پاتے ہیں۔ اس کے ساتھ عربی زبان وادب کی تدریس کے لیے نصاب میں کتابوں کی بڑی تعداد نے نصاب کو بہت بھاری بنا دیا ہے۔ نصاب کی تکمیل کے دباؤ میں عربی زبان وادب میں طلبہ وہ مہارت پیدا نہیں کر پاتے جو استعداد اس طویل دورانئے کی تعلیم میں پیدا ہوجانی چاہیے۔ مزید برآں، کتابیں اور طریقہ تدریس قدیم اور غیر دلچسپ ہونے کی وجہ سے زبان وادب پر عبور اور وہ ذہنی اور فکری صلاحیتیں پیدا نہیں ہو پاتیں جو عربی زبان وادب کی تدریس کا اصل مقصد ہے۔(۱)

❁ کمزور عربی کا نتیجہ: عربی زبان وادب کی بنیاد کمزور ہونے کا منفی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ طلبہ، اسلام کے بنیادی ماٰخذ قرآن وحدیث سے براہ راست استفادہ نہیں کر پاتے۔ جس سے ان صلاحیتوں والے علماء کی روز بروز کمی ہوتی جارہی ہے، جو قرآن وحدیث کی روشنی میں امت کے مسائل کا حل تلاش کر سکیں، عصر حاضر میں ملت اسلامیہ جن نئے نئے مسائل سے دوچار ہورہی ہے، انھیں حل کرنے کے لئے مؤثر رہنمائی دے سکیں۔ دینی مدارس سے قوم کے دین دار طبقے کو امید تو یہی تھی کہ ملت کو مجتہد اور رہنما ملیں گے، لیکن ان مدارس پر چندے اور صدقات کے کروڑوں روپے خرچ ہونے کے باوجود ملت کے اہم ترین مسائل میں رہنمائی مل رہی ہے، بلکہ گہری دینی بصیرت اور دردمندی رکھنے والے علماء کی روز کمی بڑھتی جارہی ہے۔(۲)

---

(۱) ہندستان کی دینی درسگاہیں، ص ۵۴-۵۵۔

(۲) دینی مدارس میں تعلیم: کیفیت، مسائل، امکانات: ۲۷۵، سلیم منصور خالد

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ صاحب فرماتے ہیں:

دینی مدارس کو جو عربی زبان سے خصوصی تعلق ہے وہ محتاج بیان نہیں، عربی زبان تمام دینی علوم کے لئے بنیادی زینے کی حیثیت رکھتی ہے؛ لیکن ہمارے مدارس میں عربیت کا ذوق اور عربی تحریر وتقریر کا ملکہ افسوناک حد تک نایاب ہے، اچھی استعداد رکھنے والے طلبہ زیادہ سے زیادہ عربی کتابیں سمجھنے کی صلاحیت تو پیدا کر لیتے ہیں؛ لیکن عربی تحریر وتقریر کی مشق سے۔ الا ماشاء اللہ۔ بالکل عاری ہوتے ہیں، اکثر متوسط درجے کے طلباء کی بھی عبارت خوانی درست نہیں ہوتی، اور عربی مضمون نگاری، تصنیف وتالیف یا تقریر وخطابت تو اچھے اچھے صاحب استعداد طلبہ کے لئے بھی کبریت احمر کا درجہ رکھتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ دینی مدارس میں عربی پڑھانے کا اصل مقصد کتاب وسنت اوران کے علوم کے اصل مآخذ تک رسائی ہے، جس کے لئے تحریر وتقریر کا ملکہ ناگزیر ہے؛ لیکن اول تو اب مشاہدہ یہ ہے کہ تحریر وتقریر کی مشق کے فقدان کا اثر عبارت خوانی اورعبارت فہمی پر بھی پڑ رہا ہے، دوسرے عربی تحریر وتقریر کی مشق اگرمقصود نہ ہوتو کم ازکم اس کے محمود ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں اورصرف ونحواور بلاغت وادب کی اعلی کتابوں کے پڑھنے کے بعد بھی اگر یہ وصف محمود حاصل نہ ہوتو یہ کوتاہی کچھ کم نہیں، تیسرے عالم اسلام کے باہم مربوط ہونے کے کے ساتھ ساتھ اب اس بات کی شدید ضرورت محسوس ہورہی ہے کہ ہمارے مدارس سے عربی تحریر وتقریر کی اعلی صلاحیت رکھنے والے افراد پیدا ہوں جو عالم عرب سے روابط رکھ سکیں، عرب ممالک میں دینی مدارس، ان کی دعوت اوران کے پیغام کی صحیح نمائندگی کرسکیں اورسب سے بڑھ کر یہ کہ ہندوستان، پاکستان کے علماء نے جوعظیم الشان علمی اور دینی ذخیرہ اردو یا فارسی زبان میں چھوڑا ہے، اس سے عالم عرب کو روشناس کراسکیں اور یہ مقصود عربی تحریر وتقریر کے اعلی ملکہ کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔

اس وقت ہمارے نظام تعلیم میں عربی صرف ونحو، ادب اور بلاغت کی تدریس پر ایک معتد بہ وقت صرف ہوتا ہے؛ لیکن یہ سارے علوم خالص نظریاتی انداز سے پڑھائے

جاتے ہیں اوران کی عملی تربیت اور مشق کا کوئی اہتمام باقی نہیں رہا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایک طالب علم نحو وصرف کے قواعد ان کے خود ساختہ فلسفے اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات وجوابات کی بحثیں تو شرح جامی، عبدالغفور اور عصام وغیرہ کی مدد سے یاد کرلیتا ہے لیکن اس سے کہا جائے کہ وہ چند سطریں عربی زبان میں لکھ دے تو یہ بات نہ صرف یہ کہ اس کے لئے سخت دشوار ہوتی ہے؛ بلکہ بسا اوقات انہی قواعد کے اطلاق میں غلطیاں کرتا ہے جن کا پورا فلسفہ اسے ازبر ہے اور اگر کوئی شخص نحو وصرف کی غلطیوں سے محفوظ رہ جائے تو اسلوب اور انشاء کی غلطیاں تو اس کی تحریر میں لازماً ہوتی ہی ہیں۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ مدارس میں عربیت کی تصحیح وتحسین کی طرف پوری توجہ دی جائے اور مدرسے کی پوری فضا ایسی بنائی جائے جس میں عربیت رچی بسی ہوئی ہو، اس کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

(الف) ابتدائی درجات کے نصاب میں صرف ونحو کی ایسی کتابوں کا اضافہ کیا جائے جن میں قواعد کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کے عملی اجراء کا اہتمام ہو، ہر ہر قاعدے کے ساتھ اس کی بہت سی مثالیں دے کر قاعدے کو ذہن نشیں کرایا گیا ہو اور پھر تمرینات کے ذریعہ طلباء کو ان قواعد پر عمل کا عادی بنانے کی کوشش کی گئی ہو، عرب ممالک میں اس غرض کے لئے بہت سی کتابیں تیار ہوئیں مثلاً: نحو وصرف کے ابتدائی درجات میں ''النحو الواضح'' اور اعلیٰ درجات کے لئے ''النحو الوافی'' وغیرہ، ان کتب سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔

(ب) ادب کی تعلیم میں انشاء کے لئے مستقل وقت رکھ کر اس کی باقاعدہ تربیت کی ضرورت ہے، اس غرض کے لئے بھی اس وقت بہت سی کتابیں دستیاب ہیں، مثلاً: ''الأسلوب الصحیح للإنشاء''، ''معلم الانشاء'' وغیرہ ان سے اس سلسلے میں مدد لی جاسکتی ہے، اسی طرح ''بلاغت'' کی تعلیم کے لئے ہمارے نصاب میں مختصر المعانی بالکل ناکافی ہے اور اس سے ''بلاغت'' کا اصل مقصد بالکل حاصل نہیں

ہوتا؛ لہٰذا اس کے بجائے یا اس کے ساتھ ''دروس البلاغہ''، ''البلاغۃ الواضحہ'' اس طرح پڑھانے کی ضرورت ہے کہ اس سے بلاغت کا اصل مقصد حاصل ہو سکے۔

(ج) لیکن عربیت کا ذوق پیدا کرنے کے لئے ان تمام چیزوں سے زیادہ اہمیت جس بات کو حاصل ہے وہ مدرسے کی مجموعی فضاء میں عربیت کا چلن ہے، اس غرض کے لئے ہماری رائے میں تو درجہ رابعہ سے اوپر کے تمام اسباق عربی زبان میں ہونے چاہئے، لیکن اگر یکا یک یہ تبدیلی مشکل ہو تو کم از کم مدرسے کے تمام اعلانات دفتری اندراجات تمام دفتری کاروائی امتحانات کے پرچے اور انکے نتائج وغیرہ فوری طور پر عربی میں منتقل کرنے چاہئے، اور رفتہ رفتہ مدارس کے ماحول کو اس سطح پر لانا چاہئے کہ ان میں ذریعہ تعلیم مکمل طور پر عربی بن جائے۔

(د) اساتذہ اور طلبہ کے درمیان باہمی گفتگو میں عربی بول چال کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے، اگر اساتذہ اور منتظمین اس بات کا اہتمام کریں کہ وہ آپس میں نیز طلباء سے صرف عربی میں گفتگو کریں گے تو بہت جلد عربیت کا ایک خوشگوار ماحول پیدا ہو سکتا ہے، عادت نہ ہونے کی بناء پر شروع میں شاید دشواری پیش آئے، لیکن اگر اس دشواری پر اہتمام کے ساتھ قابو پا لیا گیا تو انشاء اللہ بہترین نتائج حاصل ہوں گے۔

(ہ) مہینے دو مہینے میں طلباء کے ایسے اجتماعات منعقد کرنے چاہئیں جن میں طلبہ عربی میں تقریریں کریں اور مقالے پڑھیں۔(۱)

تمرین النحو کے مقدمہ میں علامہ ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں:

''ہمارے قدیم نظام تعلیم میں عربی صرف ونحو کی تعلیم سے پہلے فارسی قواعد واصول وزبان دانی کا جو طویل نصاب لازمی تھا، اس کی وجہ سے بچہ کی عمر اور ذہن دونوں اس مرحلہ پر پہنچ کر عربی صرف ونحو کی کتابوں کے سمجھنے اور مسائل کو اخذ کرنے کی استعداد وصلاحیت پیدا ہو جاتی مگر اب صورتحال مختلف ہے، زمانہ کی تیز رفتاری

(۱) ہمارا تعلیمی نظام: ۹۶-۹۷

اور طبیعت کی عجلت پسندی کسی ایسے طویل نصاب کی متحمل نہیں جو دنیوی ضروریات کے لئے زیادہ مفید اور دین کے لئے ضروری نہ ہو، اس لئے فارسی میں وقت صرف کئے بغیر براہ راست عربی کے حصول اور کم سے کم عمر میں اس کی تحصیل کا عام رجحان پایا جاتا ہے، جس رائج الوقت غیر دینی نظام تعلیم سے دینی تعلیم کا مقابلہ ہے، وہ کم سے کم وقت میں زبان کی تعلیم دیتا ہے اور اس کی عملی مشق کراتا ہے، اس کے مقابلے کے لئے بھی ایسا نصاب کارگر نہیں جو زبان سے علاحدہ ہو کر قواعد کی نظری تعلیم پر اکتفا کرتا ہے اور عملی ضرورتوں میں اس کے قواعد و مسائل زیادہ کام نہیں آتے ۔۔۔۔۔ مصر کو عربی زبان و ادب کی ترقی و اشاعت، اصول و قواعد کی ازسر نو تدوین و طرز تعلیم کی اصلاح و تجدید کے سلسلہ میں جو امتیاز حاصل ہے، اس کا انکار کرنا زیادتی ہے، اسی سلسلہ کا ایک قدم یہ ہے کہ انھوں نے کم عمر طلباء کے لئے نحو و صرف کے قواعد، و مسائل کی تعلیم کے لئے نئی راہیں اختیار کی ہیں، اور اس کو زیادہ سے زیادہ فطری، سہل، دلچسپ اور عملی بنانے کی کوشش کی ہے، النحو الواضح ابتدائی تین حصے اور ''النحو الواضح'' عالی کے تین حصے اس کی شہادت ہیں''۔(۱)

اور علامہ ندویؒ مقدمہ ''معلم الانشاء'' میں عربی کے حصول اور اس کے تئیں ہماری کمی و کوتاہی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عربی زبان کی دو حیثیتیں ہیں، ایک تو وہ قرآن و حدیث کی زبان ہے اور اس میں ہمارے دینی اصطلاحات و الفاظ ہیں، اس سے واقفیت کے بغیر ہمیں اسلام کے نظام و احکام سے براہ راست واقفیت اور اس کے عظیم الشان علمی ذخیرہ سے جو اپنی تاریخ مساحت میں چودہ سو سال کی طویل مدت اور اپنے جغرافیائی وسعت میں عالم اسلام کے وسیع رقبہ پر پھیلا ہوا ہے، صحیح تعلق نہیں پیدا ہو سکتا اور ہم اس سے کوئی استفادہ نہیں کر سکتے۔

یہ حیثیت عربی زبان کی اولین اور اہم ترین حیثیت ہے اور ہماری وابستگی اور دلچسپی

(۱) تمرین، مقدمۃ ابوالحسن علی الندوی: ۴، مجلس نشریات اسلام، کراچی

کی اصل وجہ ہے، اس حیثیت سے ہماری اصل ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اس کو بے تکلف اور صحیح طور پر سمجھتے اور پڑھ سکتے ہوں، اور جن علوم ومقدمات پر اس مقصد کا حصول موقوف ہے ان سے ہم واقف ہوں۔

دوسری حیثیت یہ ہے جو اگرچہ ثانوی ہے؛ مگر نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ یہ عربی زبان عہد رسالت اور ابتدائے اسلام میں بھی ایک زندہ زبان تھی، اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ایک زندہ زبان رہی ہے اور اس زمانے میں بھی ایک زندہ اور ترقی یافتہ زبان ہے جو تمام لسانی ضرورتوں کو پورا کرنے اور اظہار خیال کا ذریعہ بننے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے، اور جو قرآن کی بدولت اپنی اصلی شکلوں میں محفوظ ہے، اس حیثیت کا فطری تقاضا یہ ہے کہ ہمارا اس سے تعلق بھی ایک زندہ اور عملی تعلق ہو، ہم اس کو ایک وسیع انسانی زبان کی طرح جانتے ہوں، اس میں بے تکلف اظہار خیال کر سکتے ہوں، اس کو تقریر وتحریر میں استعمال کر سکتے ہوں، وہ ہماری تصنیفات، خط وکتابت اور مجالس کی زبان بن سکتی ہو، یہ ایک بڑی تعجب خیز اور نا قابل فہم بات ہے کہ کوئی فرد یا جماعت اپنی زندگی کا ایک معتد بہ حصہ اور اپنی ذہنی صلاحیتیں ان علوم وتصنیفات کے درس ومطالعہ میں صرف کرے جو عربی زبان میں لکھی گئی ہیں، لیکن اس زبان میں اظہارِ خیال سے بالکل معذور وقاصر ہو، زبانوں کے سلسلے کا یہ ایک بالکل انوکھا تجربہ ہے کہ جو صرف ہندوستان کے عربی مدارس اور علمی مجالس کی خصوصیت ہے۔

اس معذوری کی اہم وجہ یہ ہے کہ عربی زبان کو جس کی بدولت ہم اسلام سے علمی تعلق پیدا کرتے ہیں، کبھی زبان کی حیثیت سے پڑھنے پڑھانے کی کوشش نہیں کی گئی، اس کو بھی ایک نظری علم اور ایک کتابی فن کی حیثیت سے دیکھا گیا، اور صرف کتابوں کے سمجھنے کا ذریعہ سمجھا گیا، اس ذہنیت اور نقطہ نظر کا نتیجہ ہے کہ کبھی اس کی عملی مشق تحریر وانشاء کی طرف توجہ نہیں دی گئی، اور اس کا انجام یہ ہے کہ ہمارے بہت سے فضلاء مدارس اپنی دوسری صلاحیتوں کے ساتھ عربی زبان میں چند سطریں لکھ لینے یا چند منٹ گفتگو کر لینے پر قادر نہیں، خصوصا جب کہ یہ تحریر یا گفتگو عام زندگی یا روزمرہ کی ضرورت سے متعلق ہو اور خالص دینی یا

علمی بحث میں محدود نہ ہو، یہ کمی اہل نظر کو پہلے بھی محسوس ہوئی تھی، لیکن اب جب کہ عربی ممالک کے فضلاء سے اختلاط واجتماع کے زیادہ مواقع پیدا ہوگئے، اور دینی خدمت کا میدان زیادہ وسیع ہوگیا، یہ کمی زیادہ شدت سے محسوس کی جانے لگی۔

اس کتاب میں انشاء وترجمہ کی تمرینات سے پہلے صرف ونحو کے ضروری قواعد بیان کئے گئے ہیں جن پر انشاء وترجمہ کی بنیاد ہے، پھر مختلف قسم کی مشقیں دی گئی ہیں، جن سے ایک طرف یہ قواعد ذہن نشیں اور راسخ ہوجاتے ہیں، دوسری طرف طلبہ کو صحیح جملے اور عربی عبارت لکھنے کی مشق ہوتی ہے، دراصل قواعد کی تعلیم کا بھی یہی فطری طریقہ ہے کہ ان کو مجرد قواعد ومسائل کی صورت میں صرف طلبہ کو سمجھا اور رٹا نہ دیا جائے؛ بلکہ جملوں اور عملی مثالوں کے ساتھ ان کو ذہن نشیں کیا جائے اور طلبہ سے عملی طور پر ان کا اجراء کرایا جائے،قواعد زبان سے الگ کر کے نظری طور پر سکھانا صرف متاخرین اہل عجم کی خصوصیت ہے، اس سے اہل زبان نا آشنا ہیں۔(۱)

مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی فرماتے ہیں:

ان میں ایک سے ایک بات یہ ہیکہ عربی صرف ونحو اور ادب کی تعلیم کا مقصد چونکہ اصل مقصد عربی زبان پر عبور ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ایسی کتب کو اس میں جگہ دی جائے، جو اس مقصد میں زیادہ سے زیادہ معین ومفید ہیں، تا کہ طلباء میں عربی کی صحیح اور مضبوط استعداد پیدا ہو، عام طور پر یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ ''درس نظامی'' کے اکثر فارغین عربی پر عبور نہیں رکھتے، یا کم از کم یہ بات ہے کہ وہ بے تکلفانہ طور پر عربی کی بول چال پر عبور نہیں رکھتے، ہوسکتا ہے کہ پہلے زمانے میں اس کی اس قدر ضرورت نہ رہی ہو اور جیسا کہ بعض حضرات نے کہا کہ ''درس نظامی'' کا اصل مقصد قرآن وحدیث کی فہم پیدا کرنے کے لئے فنی نہج پر پڑھا دینا ہو؛ مگر آج وقت اور حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ایک عالم عربی زبان میں نہ صرف فنی طور پر مہارت حاصل کرے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تقریر وتحریر کا بھی پورا سلیقہ پیدا کرے۔

(۱) مقدمہ معلم الانشاء، مولانا ابوالحسن علی الندویؒ، مجلس نشریات اسلام، کراچی

عربی مہارت نہ ہونے کی پہلی وجہ

اور مذکورہ خامی کا یک ایک وجہ تو یہ سمجھ میں آتی ہے کہ عربی زبان پڑھانے کے لئے جن کتابوں کو داخل نصاب رکھا گیا ہے ان میں سے بنیادی کتابیں: جیسے: ''میزان'' ''منشعب''، ''نحومیر'' و''صرف میر'' وغیرہ فارسی زبان میں ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ فارسی اورعربی دونوں زبانیں ہماری مادری زبانیں نہیں ہیں ہم بچے کو ایک غیر مادری وبیگانہ زبان اور دوسری غیر مادری وبیگانہ زبان کے ذریعے سکھانا چاہتے ہیں، تو اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی ہندوستانی کو انگریزی زبان کی تعلیم فرانسیسی کے ذریعے دی جائے، اس صورت میں طالب پر وہ بے گانہ زبانیں سیکھنے کا بار پڑتا ہے، جس کا نتیجہ وہی رونما ہوتا ہے اور ہونا چاہئے کہ اصل مقصد سے طالب علم رہ جاتا ہے؛ لہٰذا عربی سکھانے کے لئے مادری زبان کو واسطہ وسیلہ بنانا چاہئے، الحمد للہ اس سلسلے میں بعض عمدہ اور اچھی کتابیں منصۂ شہود پر رونما ہوچکی ہیں، جن سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ پھر علماء نے اس کو کیوں داخل نصاب کیا؟ کیا ان کی نظر اس کی طرف نہیں گئی؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ جس زمانے میں یہ کتابیں نصاب میں داخل کی گئیں، وہ دور اس کے بعد بھی ایک زمانے تک فارسی یہاں کی مادری زبان تھی، اس لئے اس وقت یہی مناسب تھا؛ لیکن جب یہ ہماری مادری زبان نہیں رہی، تو اس کو نصاب میں باقی رکھنا مفید ہونے کے بجائے مضر ہوگا۔

عربی پر مہارت نہ ہونے کی دوسری وجہ

اور دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان بنیادی کتابوں کی تعلیم میں وہ طریقہ استعمال کیا جاتا ہے جو تخصص کے شعبے یا تحقیقی ادارے کے شایان شان ہے، جیسے ''کافیہ'' اور ''شرح جامی'' کے سبق میں ان کتابوں کے سارے اسرار ی رمز و مباحث، ان کے مالہ وما علیہ کے ساتھ اس طرح بیان کئے جاتے ہیں، کہ وہ درس نحو کے بجائے درس فلسفہ کہے جانے کا مستحق نظر آتا ہے، اور ان میں لفظی موشگافیوں، عبارتی تعقیدات ہی کو سب کچھ اور نقطہ عروج خیال

جاتا ہے، یہ طرز تعلیم مفید ہونے کے بجائے طالب علم کی استعداد میں فتور کا سبب بن جاتا ہے؛ کیوں کہ یہ مباحث اس کی استعداد وضرورت دونوں سے آگے کی چیز ہے۔(۱)

عربی کا معلم اور طریقہ جدیدہ

(۱) ''عربی کا معلم'' پڑھانے کا مقصد بیک وقت نحو وصرف کا اجراء طالب علم کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کرنا اور عربی تحریر کی بتدریج صلاحیت پیدا کرنا ہے، لہٰذا اس کی تعلیم میں ان تینوں امور کو مدنظر رکھا جائے۔

(۲) ''عربی کا معلم'' کی تمرینات میں ''عربی سے اردو'' والا حصہ زبانی کرانے پر اکتفا کیا جاسکتا ہے، لیکن ''اردو سے عربی'' والا حصہ لازماً تحریری ہونا ضروری ہے، طلبہ ان مشقوں کے لکھنے کا پابند بنایا جائے۔

(۳) ''طریقہ جدیدہ'' اور ''الطریقۃ العصریۃ'' کا اصل مقصد ''بطریق مباشر'' عربی سکھانا ہے؛ لہٰذا اسے حتی الامکان عربی ہی میں پڑھایا جائے۔

(۴) تمام الفاظ طلبہ سے کہلائے جائیں اور ان میں تلفظ کی صحت کا اہتمام کیا جائے، تلفظ کا لہجے میں بھی اگر کوئی غلطی ہو تو طالب علم کو ٹوک کر اس کی اصلاح کرائی جائے۔

(۵) تمام تمرینات پہلے زبانی کرائی جائیں، پھر تحریر ''طریقہ جدیدہ'' کی تمرینات کا مقصد یہ ہے کہ عربی الفاظ کے تلفظ کے ساتھ طالب علم کی زبان پر چڑھیں، اور رفتہ رفتہ اس کے عربی بولنے میں روانی پیدا ہوجائے، بعض اوقات اساتذہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان تمرینات میں سوال ہی کے الفاظ کو طالب علم سے دہران کی مشق کرائی گئی ہے، جس سے طالب علم کے ذہن پر کوئی خاص زد نہیں پڑتا، اس لئے وہ تمرینات کو بیکار سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں، لیکن یہ طرز عمل درست نہیں، ان تمرینات سے طالب علم کو رعربی جملے بولنے کی رفتہ رفتہ عادت پڑ جاتی ہے، لہٰذا وہ بہت ضروری ہے۔

---

(۱) اسلامی مدارس نظام ونصاب: ۱۳=۱۴، مفتی شعیب اللہ خان صاحب دامت برکاتہم، مکتبہ مسیح الامت، بنگلور

(٦) چونکہ ''طریقہ جدیدہ'' اور ''الطریقۃ العصریۃ'' کا اصل مقصود طالب علم کو عربی بولنے کا عادی بنانا ہے، اس لئے ان کتابوں کے درس میں حتی الامکان عربی بولنے کا التزام ضروری ہے، اگر طالب علم شروع میں پورے جملے نہ سمجھ پائے تب بھی کچھ حرج نہیں، اس کی وجہ سے عربی میں گفتگو ترک نہ کی جائے انشاء اللہ رفتہ رفتہ عربی الفاظ کے عادی بنتے جائیں گے، اور یہ رکاوٹ دور ہونی شروع ہوجائے گی، لیکن اگر نہ سمجھ، ے کے ڈر سے شروع ہی میں عربی بولنا ترک کردیا گیا تو اس درس کا مقصد ہی فوت ہوجائے گا، پھر عربی بولنے میں مشق کبھی نہیں ہوسکے گی۔

زادالطالبین، القراءۃ الراشدۃ اور معلم الانشاء

ان کتابوں کا مقصد ''عربیت'' کا ذوق اور ادبی جملوں کی فہم پیدا کرنا، نیز ان میں نحو وصرف کے قواعد کا اجراء اور بالآخر خود صحیح عربی بولنے اور لکھنے کی مشق کرنا ہے، لہٰذا ان کتابوں کا صرف ترجمہ کرانے پر اکتفا کیا جائے:

۱) ترکیب اور نحوی قواعد کے اجراء پر زور دیا جائے۔

۲) نئے الفاظ کی لغوی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا محل استعمال بتایا جائے، اور ان الفاظ کے محل استعمال کو بیان کرنے کے لئے از خود مثالیں دی جائیں، اور پھر طلبہ سے ان الفاظ کو جملوں میں استعمال کرایا جائے۔

۳) تمام تمرینات زبانی اور تحریری دونوں طریقے سے اہتمام کے ساتھ طلبہ سے کرائی جائیں، اور تحریری کام کرکے نہ لانے والے طالب علم کو تنبیہ کی جائے۔

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ عربیت کا ذوق پیدا کرنے میں کتاب سے زیادہ استاذ کو دخل ہوتا ہے، اگر استاذ میں خود ذوق ہے، تو کتاب خواہ کتنی اچھی ہو طالب علم کے اندر یہ ذوق پیدا ہونا مشکل ہے، لہٰذا استاذ کو چاہئے کہ وہ خود اپنے ذوقِ عربیت کو ترقی دینے کی فکر کرے، ادبی کتابیں اپنے عام مطالعے میں رکھے اور خود اپنی تحریر وتقریر کی مشق کو خارج اوقات میں بڑھاتا رہے۔

نفحۃ العرب

اس کتاب کا مقصد ہلکی پھلکی ادبی نثر کے ذریعہ رفتہ رفتہ عربی ادب تک طالب علم کی رسائی پیدا کرنا ہے، لہٰذا اس کتاب کا صرف ترجمہ کرانے پر اکتفا نہ کیا جائے؛ بلکہ مندرجہ ذیل امور کا اہتمام کیا جائے:

۱) نئے الفاظ کے لغوی اور مستعمل معنی اور افعال کے باب اور اسماء کے جمع ومفرد کا بیان اور ان کا محل استعمال۔

۲) نئے انداز کے جملوں کی نحوی ترکیب۔

۳) قواعد نحو وصرف کا اجراء۔

۴) نئے الفاظ کو جملوں میں استعمال کرنے کی مشق۔

۵) ادب کی ہر کتاب سے یہ مقصد بھی ضرور حاصل کرنا چاہئے کہ عربی الفاظ اور عربی جملے طلبہ کی زبانوں پر چڑھیں اور عربی بولنے کی جھجک دور ہو، اس غرض کے لئے ہر درس کے آخر میں استاذ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسی درس کی حکایت کے بارے میں طلبہ سے عربی میں سوالات کرے اور عربی میں ہی طالب علم ان کا جواب دے۔(۱)

مقامات حریری

یہ کتاب ایک خاص دور کی ادبی نثر کی نمائندگی کرتی ہے جس میں قافیہ بندی اور سجع کے اہتمام، استعارات وتشبیہات کی کثرت اور محسنات بدیع کے پرتکلف استعمال کو پسند کیا جاتا تھا۔ لیکن یہ ذوق ایک خاص دور کا تھا نہ اس دور سے پہلے اس کا رواج تھا نہ اس کے بعد باقی رہا، لہٰذا اب اس کتاب کی تدریس کا منشاء یہ نہیں ہے کہ طالب علم اپنی تحریر وتقریر میں اس اسلوب کی پیروی کریں؛ بلکہ اس کا منشاء ایک تو اس دور کی نثر سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرنا ہے دوسرے طالب علم کے ذخیرہ الفاظ کو اتنا بڑھانا ہے کہ اس میں ہر دور کی ادبی نثر کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

---

(۱) درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں: ۲۲، ۲۳، مؤلف تقی عثمانی مدظلہ، مکتبہ زمزم

مقامات حریری کا مسجع اسلوب اگرچہ اب متروک ہو چکا ہے؛ لیکن اس کا ذخیرہ الفاظ تمام تر متروک نہیں ہوا؛ چنانچہ مقامات کے بیشتر الفاظ اب بھی اعلی ادبی تحریروں میں مستعمل ہیں، انہی جیسے الفاظ سے جدید مفاہیم کی تعبیریں اور جدید اسالیب کلام وجود میں آئے ہیں، اس میں استعمال ہونے والی کہاوتیں آج بھی ادبی تحریروں کی جان ہیں؛ لہٰذا استاذ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان تمام امور سے واقف ہو کر یہ کتاب اس طرح پڑھائے کہ اس سے۔

۱) طالب علم کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ ہو۔
۲) اگر وہ لفظ قرآن کریم یا کسی مشہور حدیث میں آیا ہے تو اس کا قرآنی مفہوم معلوم ہو۔
۳) اس کو الفاظ کا صحیح محل استعمال معلوم ہو۔
۴) ان الفاظ کو اگر کسی جدید مفہوم کی تعبیر کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے تو اس کا علم حاصل ہو۔
۵) کتاب کی ضرب الامثال کی حقیقت اور ان کا موقع و محل سمجھ میں آئے۔
۶) ایک جیسے الفاظ کے درمیان معانی کا اگر کوئی فرق ہے تو وہ واضح ہو۔

ان مقاصد کے لئے استاذ کو مندرجہ ذیل امور کا اہتمام لازما کرنا چاہئے:

۱) الفاظ کی لغوی تحقیق میں بہت زیادہ پھیلاؤ سے اجتناب کرے، بعض جگہ معمول یہ ہے کہ لفظ کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے اس کے تمام مشتقات اور تمام ابواب کا ذکر ضرور کرتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طالب علم اس اصل لفظ کے معنی ہی کو بھول جاتا ہے؛ لہٰذا لغوی تحقیق میں اس توسع کے بجائے ہر لفظ کے صرف وہ معنی بتائے جائیں جو اس جگہ مراد ہیں اگر وہ فعل یا شبہ فعل ہے تو اس کا باب اور اسی مادے میں مجرد کے ابواب کے اختلاف سے یا صلے کے استعمال سے کوئی فرق آتا ہے تو وہ فرق بیان کیا جائے اور اگر اسم ہے تو مفرد کی جمع اور جمع کا مفرد بیان کرنے پر اکتفا کیا جائے۔

۲) لغوی تحقیق میں مذکورہ بالا توسع کے بجائے اس لفظ کا محل استعمال ذہن نشیں کرانے پر زور دیا جائے یعنی یہ بتایا جائے کہ یہ لفظ آج کل مستعمل ہے یا نہیں؟ اگر مستعمل ہے تو کن معانی میں؟ اس کا حقیقی استعمال کس طرح ہوتا ہے؟ اور مجازی استعمال کس طرح؟ اگر کوئی اسم ہے تو اس کی صفت مبالغہ کیا استعمال ہوئی ہے؟ اور پھر ان تمام استعمالات کو خود بھی مثالوں سے سمجھایا جائے اور طلبہ سے بھی اس کی مثالیں بنوائی جائیں۔(۱)

دِیوانُ المُتَنَبّی

یہ کتاب شعراء مولدین کے زمانے کی شاعری کا نمونہ پیش کرنے کے لئے نصاب میں رکھی گئی ہے، اس کی تدریس میں ان تمام امور کا اہتمام کیا جائے جو مقامات حریری کے ذیل میں بیان کئے گئے ہیں مزید باتیں یہ ہیں:

۱) اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ طلبہ کو شعر پڑھنے کا صحیح طریقہ آئے، جو طلبہ شعر کو پڑھتے وقت اسے وزن سے خارج کر دیتے ہیں انہیں اس غلطی پر ہمیشہ ٹوک کر اصلاح کی جائے۔

۲) حکمت پر مبنی اشعار زبانی یاد کرائے جائیں۔

۳) ترکیب کے اختلاف سے معانی میں تبدیلی کی نشان دہی کی جائے۔

۴) اشعار میں جو محسنات بدیع آتے ہیں ان کی نشان دہی کی جائے۔

۵) بلاغت کے دوسرے نکات بھی واضح کئے جائیں۔

۶) کتاب کے اردو ترجموں اور شرحوں کے استعمال پر پابندی لگائی جائے۔(۲)

مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمۃ، عربی ادب سے لگاؤ

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں: ادب وہ پہلا موضوع تھا جس

---

(۱) درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں: ۲۶۔۲۷۔۲۸، مکتبہ زم زم

(۲) درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں: ۳۱، مؤلف: مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب، مکتبہ زم زم

سے حضرت والد محترم کو خصوصی دلچسپی ہوئی، اس کی بڑی وجہ غالباً یہ تھی کہ آپ کی عربی تعلیم کا آغاز شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہ کے ہاتھوں ہوئی اور ان کی حسن تعلیم و تربیت کے نتیجے میں آپ مختصر سی مدت میں اشعار کہنے شروع کر دیئے، ادھر دار العلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی جو عربی کے بلند پایہ ادیب تھے آپ پر بہت مہربان تھے، کبھی آپ سے کوئی مضمون لکھوا دیا، کبھی کسی جلسے میں آپ کو سپاس نامہ لکھنے یا خیر مقدمی نظم کہنے کا حکم دیا، اسی طرح آپ کی مشق سخن میں اضافہ ہوا، پھر حضرت شاہ صاحبؒ کے زیر صدارت "نادیة الأدب" کا جو ہفتہ واری اجتماع ہوتا اس میں والد صاحبؒ سرگرمی سے حصہ لیتے رہتے۔

آپ کی تدریس کی ابتداء بھی عربی نحو و ادب سے ہوئی، اسی دوران آپ نے نفحۃ الیمن کا حاشیہ بھی تحریر فرمایا، جو شائع ہو چکا ہے، سالہا سال آپ نے مقامات حریری دیوان متنبی، حماسہ اور سبع معلقات کا درس دیا، خاص طور سے آپ کا مقامات حریری کا درس اتنا مشہور ہوا کہ دوسرے مدارس سے مدرسین اس درس میں شرکت کے لئے آیا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ حضرت والد صاحبؒ کا معمول یہ تھا کہ جو کتاب بھی پڑھاتے تھے، مطالعہ کے دوران صرف اسی کے حواشی و شروحات پر اکتفا نہ کرتے؛ بلکہ اس علم وفن کی غیر درسی کتابوں کا مطالعہ کر کے اس علم کے مزاج کو پہچاننی کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ مذکورہ کتب کی تدریس کے دوران آپ نے مختلف شعراء کے دواوین، ادب عربی کی تاریخ اور ادب کی بنیادی کتابوں کو مطالعہ میں رکھا جس کی وجہ سے عربی میں بالخصوص عربی شاعری کا بڑا ستھرا مذاق پیدا ہو گیا تھا۔

شعراء عرب کے اشعار

والد صاحب کو مختلف شعرائے عرب کے اتنے اشعار یاد تھے کہ انہیں سن کر حیرت ہوتی تھی، عربی سے واقفیت کے بعد احقر کو تقریباً بیس سال حضرت والد صاحب کی آغوش شفقت میسر آئی اور مختلف مواقع پر آپ سے بیشمار اشعار سنے، اس کے باوجود آخر عمر میں

آپ کی زبان سے بسا اوقات ایسے اشعار سننے میں آئے جو پہلے کبھی نہیں سنے تھے، شعراء جاہلیت میں خاص طور پر امراء القیس، زہیر، اور اعشی، شعرائے اسلامیین میں حضرت حسان، کعب بن زہیر، ذو الرمہ، فرزدق اور حماسیین، اور شعراء مولدین میں متنبی، ابو تمام اور ابو العتاہیہ کے اشعار آپ سے بکثرت سنے جس سے ان شعراء کے ساتھ خصوصی مناسبت کا اندازہ ہوتا تھا۔(۱)

حضرت مولانا اسعد صاحبؒ کا ذوق ادب

مظاہر العلوم میں عروض وادب کا عروج

آپ کی جدت آفرین طبیعت نے اوائل عمر ہی میں آپ کو فن عروض کی تدریس کی طرف اس طرح مائل کیا کہ جامعہ مظاہر العلوم کی تدریس میں فن عروض بھی شامل ہو گیا، آپ سے پہلے فن عروض با قاعدہ داخل نصاب نہ تھا، آپ نے مدتوں فن عروض کی تعلیم دی اور آپ کی مساعی سے اس فن میں بہت سے حضرات نے مکمل مہارت حاصل کی، آپ نے ادبی کتب مقامات، السبع المعلقات، متنبی، حماسہ، قصیدہ بردہ، اور قصیدہ بانت سعاد جملہ ادبی کتابیں بڑے اہتمام وانہماک سے ایک عرصہ تک پڑھائیں، گو مؤخر الذکر دونوں قصیدے داخل نصاب نہ تھے، مگر ادبی ذوق ودلچسپی کی وجہ سے آپ نے یہ کتابیں پڑھائیں، اور فن ادب کو مظاہر العلوم میں بام عروج تک پہنچایا۔(۲)

عربی زبان کیسے سیکھیں؟

۱۔ ابتدائی مرحلے میں طلباء عربی زبان کے الفاظ (مفردات) کا ایک خاطر خواہ ذخیرہ یاد کریں، الفاظ کے انتخاب میں ان کلمات کو ترجیح ہونی چاہئے، جو عملی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں، سالانہ ایک مقدار متعین ہو، جو کم از کم ایک ہزار الفاظ پر مشتمل ہو، یہ کام آپ پانچ سال تک کریں، گویا پانچ ہزار الفاظ کا ایک ضروری ذخیرہ آپ

---

(۱) میرے والد میرے شیخ اور ان کا مزاج و مذاق: ۱۶۔۱۷، مفتی تقی عثمانی صاحب، فرید بک ڈپو دہلی

(۲) حیات اسعد: ۹۴۲۸

کی کاپی میں موجود ہونا چاہئے۔

۲۔ درسی وغیر درسی جو چیزیں بھی آپ پڑھیں، ان سے اچھے جملے اور عمدہ تعبیرات اخذ کر کے اپنی کاپی میں یکجا کریں۔

۳۔ عربی زبان کے ادبی شہ پارے باقاعدہ سمجھ کر یاد کریں۔

ترتیب حسب ذیل ہوسکتی ہے:

۱۔ قرآن کریم کے آخری تین پارے مع حل لغات اور فہم آیات کے ساتھ حفظ کریں۔

۲۔ کلام نبوت میں سے دس خطبے اور جوامع الکلم اور بیس ایسی احادیث جو ''امثالِ نبوی'' پر مشتمل ہو یاد کریں۔

۳۔ نامور خطباءِ عرب کی چند مشہور تقریریں اپنی کاپی میں نقل کریں اور ان کے بعض نمونے یاد کریں

۴۔ تقریبا دوسو مشہور ترین اشعار جمع کریں اور انہیں دہراتے رہیں۔

۵۔ آپ اپنے معاشرے میں جہاں کہیں بھی ہوں، اپنے ذہن کو سوالی بنائیے، اور اپنے اردگرد کی پھیلی ہوئی دنیا میں جس شے کو بھی دیکھئے، ذہن پر زور دینے کے باوجود معلوم نہ کرسکیں تو اپنی لغت کی کاپی یا اپنے اساتذہ کی طرف رجوع کیجئے۔

۶۔ عربی بولنے کی مشق کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہمت سے کام لیں، اور اپنے طلباء ساتھیوں کے ساتھ عربی میں مافی الضمیر ادا کرنے کی امکانی کوشش کریں، خواہ کتنی ہی غلطیاں کیوں نہ ہوں، اگر بہت زیادہ شرمیلے واقع ہوئے ہوتو ''خود کلامی'' کی عادت ڈالیں، یعنی خود ہی سوال اور خود ہی جواب دینے کی کوشش کریں۔

۷۔ زبان وادب کے نام سے درس میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، صرف ان ہی پر تکیہ نہ کرلیں؛ بلکہ جو کتابیں اس مقصد کے لئے نہیں پڑھائی جاتی، ان سے بھی عربی سیکھ سکتے ہیں۔

۸۔ زبان وادب کی جو درسی کتابیں آپ پڑھتے ہیں، ان کا صرف ترجمہ جان لینا کافی نہیں ہے؛ بلکہ آپ کو باریک بینی سے یہ دیکھنا ہوگا کہ ہماری زبان کی تعبیر کو عربی زبان میں کیسے اور کس طرح ادا کیا گیا ہے؟ ہر زبان کا بیان اور اظہار جداگانہ اور اپنا مخصوص مزاج لئے ہوئے ہوتا ہے۔

۹۔ دوسری زبانوں کی طرح عربی زبان میں بھی صلات سے واقفیت حاصل کرنے کا کوئی مسلم قاعدہ نہیں پایا جاتا، افعال کے صلات کا علم آپ کو کثرتِ مطالعہ اور خاصی مشق ومزاولت کے بعد ہی ہوگا، دورانِ درس ومطالعہ اور حل لغات کے وقت اس جانب دھیان رہنا چاہئے۔

۱۰۔ درسی کتابوں کے مالہ وما علیہ کے سمجھنے کی جہاں کوشش ہو، وہاں یہ کوشش بھی ہونی چاہئے کہ آپ ان کی عبارت خوانی باآواز بلند مخارج کی صحت اور اعراب کی درستگی کے ساتھ بار بار کریں۔

۱۱۔ عربی جلسوں میں ذوق وشوق کے ساتھ شرکت کرتے رہئے، اور ہر بار نئے موضوع پر تقریر کی عادت ڈالئے، بہتر ہوگا کہ اپنی کی جانے والی تقریر کی عبارت خوانی کسی استاذ کے پاس کرلیجئے، نیز رٹنے سے پہلے اس کے مفہوم ومدعا کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔

۱۲۔ اردو کی طرح عربی عجلت کے ساتھ ادا کی جانے کی متحمل نہیں ہو پاتی، یہاں ہر حرف کو مکمل ادا کیا جاتا ہے، جب کہ اردو کے بہت سے حروف بوقتِ ادائیگی کھا لئے جاتے ہیں، دونوں زبانوں کے مزاج وادائیگی میں بہت فرق ہے۔

کیا پڑھیں؟ اور کیسے استفادہ کریں؟

''کیا پڑھیں''؟ کا جواب قاری کی ذہنی سطح اور علمی معیار وقابلیت کے سامنے رکھے بغیر دینا بے حد مشکل ہے، تاہم ذیل میں مرحلہ وار مطالعہ کے لئے چند کتابوں کی جانب اشارہ کئے دیتے ہیں، آپ اپنی علمی بساط وذہنی قابلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے خود اپنے لئے

بہتر انتخاب کر سکتے ہیں۔

پہلا مرحلہ

قصے، کہانیوں، آپ بیتیوں، روز ناموں، انبیاء کے قصے، دینی لطیفوں اور اخلاقی چٹکلوں کے مطالعے سے گفتگو والی زبان بہت سیکھی جا سکتی ہے، لہٰذا ابتدائی مرحلے میں آپ سبق آموز کہانیوں اور سنجیدہ اور تعمیری ناولوں کا مطالعہ کیجئے، اس سلسلے میں مندرجہ ذیل کتابوں اور ان کے مصنفین سے مدد مل سکتی ہے:

(الف) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تالیف ''قصص النبیین'' اگر آپ نے درس میں پڑھی ہو، تب بھی زبان شناسی کے نقطہ نظر سے دوبارہ مطالہ کیجئے۔

(ب) احمد امین مصری کی کتاب ''حیاتی'' پڑھئے اور اس کے سہل، شگفتہ اور رواں اسلوب کو اپنانے کی کوشش کیجئے۔

(ج) مصطفی لطفی منفلوطی کی مترجم کتابوں میں ''ماجدولین'' اور ''الشاعر'' کا مطالعہ کیجئے او ران کے بعض نمونوں کو اپنی کاپی میں نقل کیجئے۔

(د) آپ کا جو بھی ذہنی اور علمی معیار ہو، اپنے فارغ اوقات میں ''القراءۃ الراشدہ'' کے تینوں حصے ''القراءۃ الرشیدۃ'' کے چاروں حصے اور ''القراءۃ الواضحۃ'' کے تینوں حصے مطالعہ کر جائیے (''کسرۃ من الخبز'' اور ''المنارۃ تتحدث'' کے اسلوب نگارش کو اپنائیے)۔

(ھ) ''کلیلہ ودمنہ'' صدیوں سے عالمی ادب میں ایک شاہکار ہے، آپ بڑے غور سے اس کا مطالعہ کیجئے اور اس کے موضوع اور ہیئت دونوں سے بھرپور فائدہ اٹھائیے۔

(و) ''الف لیلہ'' پڑھئے اور اس کی ٹکسالی عربی کو اپنے ذہن ودماغ میں سمویئے۔۔

(ز) عبدالرحمن رأفت باشا کی کتاب ''**صور من حیاۃ الصحابہ**'' اور ''**صور من حیاۃ التابعین**'' کے سارے حصے ضرور مطالعے میں رکھیں۔

(ح) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شاہکار تصنیف ''**الطریق إلی المدینۃ**''

کا اسلوب نگارش نہایت دلکش، یگانہ اور دل آویز وسرور انگیز ہے، عقیدت کی نگاہ سے پڑھیے اور بار بار پڑھیے۔

دوسرا مرحلہ

اس مرحلے میں مندرجہ ذیل ادباء اور نامور اہل قلم کی تخلیقات کا مطالعہ مفید ہوگا:

نمبر	کتب وتصنیفات	مصنف
۱	۱:النظرات ۲:العبرات	مصطفی لطفی منفلوطی
۲	۱۔صور وخواطر ۲۔قصص من التاریخ ۳۔رجال من التاریخ	علی طنطاوی
۳	۱۔إذا هبت ریح الإیمان ۲۔مذکرات السائح فی الشرق الأوسط ۳۔مسیرة الحیاة	أبوالحسن علی ندوی
۴	الإسلام علی مفترق الطرق	محمد اسد
۵	شهداء الإسلام	احمد متعال
۶	۱۔زعماء الإصلاح ۲۔فیض الخاطر	احمد أمین
۷۔	عبقریات	عباس محمود العقاد
۸	منهج الفن الإسلامی	محمد قطب
۹	نور الله	نجیب کیلانی

۱۰	۱۔علی ہامش السیرۃ ۲۔شجرۃ البؤس ۳۔الأیام ۴۔وعد الحق	طہ حسین
۱۱	۱۔لا تحزن ۲۔مقامات عائض القرنی ۳۔الاسطورۃ	عائض القرنی

تیسرا مرحلہ

اب ایک حد تک آپ کے اندر علمی پختگی، ذہنی بالیدگی اور بالغ نظری پیدا ہو رہی ہے، مندرجہ ذیل کتابوں کے مطالعے سے آپ کا علمی وادبی ذوق ایک مطلوب معیار تک پہنچ جائے گا۔

نمبر	کتب وتصنیفات	مصنف
۱	۱۔وحی القلم ۲۔إعجاز القرآن	مصطفی صادق الرافعی
۲	۱۔امرء البیان ۲۔القدیم والجدید ۳۔کنوز الأجداد	کرد علی
۳	۱۔فجر الإسلام ۲۔ضحی الإسلام ۳۔ظہر الإسلام	أحمد امین
۴	۱۔حدیث الأربعاء ۲۔مستقبل الثقافۃ فی مصر	طہ حسین

۵	تاریخ آداب اللغة العربية	أحمد حسن زيات
٦	روائع اقبال	أبوالحسن علی ندوی
۷	التصویر الفنی فی القرآن	سید قطب

نوٹ: اس مرحلے میں اب آپ ''طہٰ حسین'' کی بعض اختلافی تصنیفات اور ''توفیق الحکیم'' اور ''نجیب محفوظ'' کی ان ناولوں کا بھی مطالعہ کر سکتے ہیں جو اسلامی تہذیب اور اس کی قدروں کو زک پہنچاتی ہیں، پہلے دو مرحلوں میں ان جیسے ادیبوں کا پڑھنا آپ کے لئے خطرناک ہو سکتا ہے۔(۱)

(۱) شائقین عربی کے لئے عظیم تحفہ، عربی مضمون نگاری کیسے سیکھیں؟ ۵۔۱۱

فن علم العقائد

فقہ اکبر اور علم العقائد کے بغیر ایمان سلامت نہیں رہ سکتا، کفر و اسلام، بدعت وسنت ،فرقِ ضالہ وفرقۂ ناجیہ کے درمیان حد فاصل کا اندازہ علم الاعتقاد ہی سے ہوسکتا ہے، ہر فرقے سے وجوہ اختلاف کے اندازے بغیر حدودِ اختلاف کی رعایت کرنا مشکل ہے،اعتقادی انحراف عملی بگاڑ سے زیادہ خطرناک ہے، منطق وفلسفہ اپنی جگہ لیکن سادے، مثبت، واضح اور مدلل انداز میں عقیدے پڑھایا جانا وقت کی بڑی ضرورت ہے، انکارِ حدیث،توہینِ فقہ، علاماتِ قیامت کی من مانی تشریحات ، دعوی مہدویت ،متواترات وضروریات کا انکار یا معنوی تحریف، مشاجرات صحابہ، بین الادیان مذاکرات ،شیعت وسنت میں مصنوعی اتحاد کے نعرے ہر طرف چل رہے ہیں۔

امت مسلمہ میں اصولی وفروعی مسائل کا فرق نہیں رہا،بعض فروعی اختلافی مسائل کو جماعتی علامت بنالیا گیا،بعض اعمال بدعت کو شعائرِ اسلام کا مقام دے دیا گیا،مشترکہ اقدار، وحدتِ مت کا پہلو یاد نہیں، فرقہ واریت کی آگ تھمتی ہی نہیں، اختلاف کے ساتھ دوسرے کا اعتراف اور اس پر اعتماد کوئی نہیں کرنا چاہتا، تحفظِ مذہب کے مواقع پر بھی تحفظِ مسلک کا غم سوار ہے، تبلیغ مذہب کی نہیں، مسلک کی ہورہی ہے، جب کہ یہ طئے شدہ ہے کہ مذہب تبلیغ کے لئے ،مسلک ترجیح کے لئے ہوتا ہے، داخلی فروعی مسائل پر گفتگو کا موقع اہل علم کی پروقار مجالس ہیں نہ کہ عوامی جلسے۔

ہمارے نصاب میں خالص اعتقادات کے موضوع پر (کلامی موضوعات سے خالی) ایک ہی کتاب ہے ''عقیدۃ الطحاوی'' جو ''سلم العلوم'' کے بعد پڑھائی جانا طئے ہے:

لیکن وہ بھی سرسری انداز میں (اخیر سال ہونے کی وجہ سے) گذاردی جاتی ہے، اگراس سے پہلے اردو زبان میں کوئی رسالہ یا اس کے بعد مفصل میں امام سراج الدین علی بن عثمانی کی "بدء الأمالی فی علم العقائد" (جس کی بہترین شرح بدر اللیالی، مفتی رضاء الحق، شیخ الحدیث ومفتی دار العلوم زکریا، ساؤتھ افریقہ) بھی کسی طرح پڑھائی جائے تو بہت بہتر ہوگا۔

فلسفہ کی ضرورت

فلسفہ کے بہت سے مسائل کفر میں داخل ہیں؛ لیکن لوگوں کو اس کی حقیقت پر مطلع کرنے کے لئے فلسفہ کی تعلیم دی جاتی ہے اور ساتھ میں اس کا درجہ بھی بیان کر دیا جاتا ہے، جس سے مقصود صرف یہی ہوتا ہے کہ فلسفہ کی حقیقت اور اس کا بطلان معلوم کر لینے کے بعد کوئی شخص ان کے دلائل سے متاثر نہ ہو اور ضرورت کے وقت ان کے دلائل کا جواب دے سکے۔

اسی بناء پر ہمارے علماء متکلمین نے یونانی فلسفہ کو حاصل کیا اور علم کلام کو معقول کے طرز پر مدون فرمایا۔(۱)

جیسے کلمات کفریہ کا عمداً زبان سے نکالنا کفر ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص کلمات کفریہ سے بچنے کے لئے ان کو جاننا چاہتا ہے یا تردید کے لئے اور دوسرں کو بچانے کے لئے ان کو جاننا چاہے تو یہ کفر نہیں؛ بلکہ یہ جائز ہے، چنانچہ فقہاء نے کتابوں میں کلمات کفریہ کے لئے باب منعقد کیا ہے جس میں ایسی باتوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے، جس سے ایمان جاتا رہتا ہے، ان کے جاننے اور پڑھنے کو کوئی حرام نہیں کہتا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیوں کہ نقلِ کفر کفر نہیں۔

دوسری صدی ہجری میں جب امت مسلمہ میں غیر معمولی توسیع پیدا ہوئی اور اس وقت کی معلوم دنیا کے تین براعظموں تک امت مسلمہ پہنچ گئی تو نئے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا، رومن لا (Roman law) سے واسطہ پیش آیا، ایرانی تصورات سے واسطہ پیش آیا، ہندوستانی تصورات سے، بدھ ازم سے، عیسائیت سے، یہودیت سے واسطہ پیش آیا، ان

(۱) امداد الفتاوی: ۴/ ۲۷، التبلیغ: ۲۱/ ۱۰۴، بحوالہ مذکور

میں سے ہر ایک کی طرف سے اعتراضات اسلام پر وارد ہوئے، اس کا اتنا پختہ جواب مفکرین اسلام اور فقہاء و متکلمین اور علماء اصول نے دیا کہ ایک ہزار برس تک اس پر نظر ثانی کی ضرورت پیش نہیں آئی، بنیاد ان کے پاس موجود تھی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ سے ان کو ملی تھی، لیکن اس بنیاد یا اس ذخیرے کی جو فارمولیشن تھی یعنی جس طرح انہوں نے اس کو تعبیر کیا اور بیان کیا اس میں عقلی استدلال بھی تھا، اس میں یونانیوں کے اعتراضات کا جواب بھی تھا، ایرانیوں کے تصورات کا جواب بھی تھا، ہندوستان کے ویدازم کا جواب بھی تھا، مصر کے نوافلاطون فلسفیوں کا جواب بھی تھا، اور یہ جو پیکیج ہم کہہ سکتے ہیں، یہ مجموعہ علوم یا مجموعہ ثقافت تھا، اس میں ان تمام مسائل کا مؤثر جواب موجود تھا، جس کے نتیجے میں علمی، فکری اور تہذیبی سطح پر کسی کو مسلمانوں کے مقابلے میں کھڑا ہونے کا یارا نہ رہا، یہ صورت حال ہزار برس تک جاری رہی۔

امام غزالیؒ نے یونانی علوم کا جائزہ لے کر انہیں خالص عملی انداز میں بیان کیا کہ یونانیوں کے علوم یہ ہیں، اس کے بعد خالص عقلی انداز میں یونانی اسلوبِ استدلال سے کام لے کر جس سے کوئی بڑے سے بڑا یونانی فلسفی، خود ارسطو اور افلاطون بھی ہوتا تو وہ اس اسلوب استدلال سے انکار نہیں کرسکتا۔

امام غزالیؒ کا انتقال ۵۰۵ ہجری میں ہوا، ۵۰۱ ہجری میں اگر کوئی یونانی زندہ ہو کے آجاتا، حکیم ارسطو طالیس معلم اول زندہ ہو کر آجاتا اور امام غزالیؒ کے سامنے بیٹھ کے کتاب پڑھتا تو اپنی منطق کی روشنی میں اس کتاب پر کوئی اعتراض نہیں کرسکتا تھا۔ بہر حال امام غزالی نے اس دور کے عصری علوم کو خادم بنا کر اسلام کے کیمپ میں داخل کر دیا۔

بعض لوگ اسلامی علوم کو خادم اور عصری علوم کو مخدوم بنا کر جمع کرنا چاہتے ہیں، یہ اسلامی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا، اسلامی تاریخ میں کسی بھی عصری علم یا عصری فن سے جب استفادہ کیا گیا تو اسلامی علوم اور اسلامی ثقافت اور تہذیب کے خادم کے طور پر اس سے کام لیا گیا اور اس خادم نے اسلامی ثقافت اور تہذیب کے خادم کے طور پر اس سے کام لیا اور اس

خادم نے اسلامی علوم کو مخدوم بنا کر ان کی خدمت کی، یہ آپ کو علم طب میں بھی نظر آئے گا، تفسیر میں بھی، حدیث میں بھی، فقہ میں بھی، اصول فقہ میں بھی، کلام میں بھی، حتی کہ تصوف میں بھی، تصوف جیسے فن کی کتابیں جو خالص روحانیات کا میدان ہے، اس کو بھی اتنے مضبوط عقلی دلائل سے بیان کیا گیا ہے آپ دیکھ لیں "تربیۃ السالک" دو بڑی جلدوں میں ہے۔

عصری علوم سے استفادہ اس شرط کے ساتھ کہ عصری علوم پر ناقدانہ نظر ہو، مقلدانہ نہیں، مقلدانہ نظر تو خطرناک ہوتی ہے، ناقدانہ نظر، عصری علوم پر رکھتے ہوں کہ عصری علوم کو جو بھی جس زمانے کے علوم ہیں ان کو اسلام کی خدمت کے لئے اور اسلامی علوم وفنون کو نئے انداز سے مرتب اور مدون کرنے کے لئے بیان کریں۔(۱)

جدید فلسفہ کی ضرورت واہمیت

نئے زمانے کے ساتھ نئے تقاضے پیدا ہو چکے ہیں، اس لئے علم کلام اور فلسفہ کو نئے دور اور اس کے تقاضوں میں سمجھنے کی ضرورت ہے، یہاں اس سلسلے میں علم کلام سے متعلق چند ایک کتابوں اور کلام اور عقائد سے متعلق جو موجودہ رجحانات اور عصر حاضر کے مطابق جن میں۔

(۱) بدائع الکلام فی بیان عقائد الاسلام

حضرت مولانا یوسف صاحب تاؤلوی کی 'بدائع الکلام فی بیان عقائد الاسلام'، یہ عقائد اسلام کے بیان کے سلسلے میں نہایت مؤثر اور سہل اور موضوع ترین اور مفید ترین کتاب ہے، جس کو شرح عقائد وغیرہ سے پہلے پڑھا دیا جائے تو عقائد اسلام اور اسلام کے بنیادی امور کے سمجھنے کے سلسلے میں کافی مدد ملے گی۔(۲)

(۲) عقائد اسلام

استاذ العلماء حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ کی تالیف فرمودہ کتاب

---

(۱) التبلیغ: ۱۰۳، بحوالہ علوم فنون: ۹۹

(۲) بدائع الکلام فی بیان عقائد الاسلام، مفتی محمد یوسف التاؤلوی، مکتبۃ فقیہ الامت، دیو بند

''عقائد اسلام'' اردو زبان میں عقائد پر ایک اہم کتاب ہے جس میں اسلام کے عائد کو نہ صرف عقلی اور نقلی دلائل سے مزین کیا گیا ہے؛ بلکہ جدید اور قدیم فلاسفہ اور گمراہ لوگوں کے اعتراضات کے جوابات جامع انداز سے دیئے گئے ہیں، جس سے تمام شبہات دور ہوجاتے ہیں؛ اس لئے یہ تالیف مقبول ہوئی اور علماء وطلبہ میں مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، اس کتاب کو بھی جدید فلسفہ کی حقیقت اور اس کے اعتراضات کے جوابات شافی ووافی انداز میں مل جاتے ہیں۔

اس حوالہ سے فلسفہ اور علم کلام پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ فرماتے ہیں:

اسلام کی اصل بنیاد عقائد پر ہے، جن کا اجمالا جاننا فرض عین ہے اور تفصیلا جاننا فرض کفایہ ہے، اگر امت میں سے چند افراد بھی اس سے واقف ہوں تو باقی تمام سے فرض ساقط ہوجاتا ہے اور چونکہ عقائد میں چوٹی کا عقیدہ عقیدہ توحید ہے اور اسلام کا اصل اصول ہے؛ اس لئے اس فن کا نام علم توحید ہوا اور اس علم کی غرض وغایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور صفات الٰہیہ کا علم اور نبوت ورسالت کی ماہیت اور قیامت کی حقیقت قرآن وحدیث کے مطابق اور صحابہ کرام کے مسلک کے موافق ایسے دلائل عقلیہ ونقلیہ سے واضح ہوجائے کہ جس سے دل کو تسلی اور اطمینان ہوجائے اور دل میں کوئی شک اور تردد نہ رہے اور یہ علم تام علوم دین میں اول اور افضل ہے۔

اس علم کی تدوین کی بنیاد ڈالنے والے امام اعظم ابوحنیفہؒ النعمان ہیں اور پھر ان کے بعد امام شافعی ہیں جیسا کہ ''تکملہ'' عقائد الاسلام میں اس کا بیان گذر چکا۔

عہد صحابہ وتابعین کے بعد جب علوم کی تدوین وتالیف کا زمانہ آیا تو شیخ ابوالحسن اشعری اور شیخ ابومنصور ماتریدی نے علم اصول دین کی طرف خاص توجہ مبذول کی اور عقائد اسلامیہ کی تحقیق وتدقیق اور معارضین اسلام کی تردید میں اپنے زمانہ کے علماء معاصرین سے سبقت لے گئے اور یہی دونوں حضرات ائمہ فن اور واضع فن مشہور ہوگئے، اور قیامت تک

آنے والے علماء کو راستہ بتلا گئے، چنانچہ امام غزالیؒ اور امام رازیؒ نے اسی راہ پر چل کر علم کلام کو بام عروج اور اوج کمال تک پہنچادیا اور ایسے اصول اور کلیات بتلا گئے جس سے قیامت تک آنے والے فلاسفہ اور ملاحدہ کے اعتراضات اور شبہات کا جواب ہو سکے۔

بحمدہ تعالیٰ حضرات متکلمین ایسا جامع علم کلام مدون کر لئے کہ جدید و قیم شبہات کے ازالہ کے لئے کافی اور وافی ہے، جدید فلسفہ کو دیکھ کر مرعوب ذہنیتوں کی زبان پر اکثر یہ آتا ہے کہ جدید علم کلام مدون ہونا چاہئے جس کا در پردہ مطلب یہ ہے کہ قدیم علم کلام جدید تحقیقات اور جدید شبہات اور اعتراضات کو جدید کہا جاتا ہے اکثر ان میں ایسے ہیں کہ وہ درحقیقت جدید نہیں؛ بلکہ ان کا پیرایہ جدید ہے اور اصل شبہ کا رد قدیم علم کلام کی کتابوں میں موجود ہے؛ چونکہ بہت سے قدیم شبہے ختم ہو گئے تھے؛ مگر موجودہ زمانہ میں ان کا تذکرہ تازہ ہو گیا اور جدید پیرایہ سے بیان کئے جانے لگے؛ اس لئے لوگ یہ کہنے لگے کہ یہ نئے شبہے ہیں، سوم یہ کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جدید علم کلام کی ضرورت ہے، ان کی غرض یہ نہیں کہ اصول اسلام اور عقائد اسلام کی ایسی تحقیق کی جائے جس سے اسلام کی باتیں دل نشین ہو جائیں اور دلوں سے نئے شبہات دور ہو جائیں؛ بلکہ ان کی غرض یہ ہے کہ مذہبی تحقیقات میں کچھ تغیر وتبدل کر کے اس کو جدید سائنس کے مطابق کر دیا جائے، تحقیقات جدیدہ تو اصل رہیں اور اصول اسلام اور احکام اسلام ان کے تابع ہو جائیں، اور جہاں کہیں اسلامی عقیدہ بظاہر جدید فلسفہ کے مخالف نظر آئے تو اسلامی عقیدہ میں تاویل؛ بلکہ تحریف کر کے اس کو جدید فلسفہ کے مطابق بنا دیا جائے، ان لوگوں کا مقصود دین کی طرف داری نہیں؛ بلکہ سائنس اور جدید فلسفہ کی طرف داری ہے۔

مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے جدید علم کلام کی ضرورت بیان کرتے ہیں جس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ توحید اور رسالت اور قیامت کو دلائل سے ثابت کریں؛ بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ شریعت کے اصول مسلمہ کو توڑ موڑ کر فلسفہ جدیدہ کے مطابق کر دیں اور یہ گروہ جدید فلسفہ سے اس درجہ مرعوب ہے کہ اس کو شریعت کے اصول مسلمہ اور اجماع امت کی بھی

پروانہیں، ہمہ تن کوشش اس کی ہے کہ نصوص شریعت میں دور دراز تاویلیں کر کے ان کو تحقیقات جدیدہ پر منطبق کر دیں؛ حالانکہ جن باتوں کا نام ان لوگوں نے تحقیقات جدیدہ رکھا ہے وہ درحقیقت وہمیات جدیدہ اور خیالات جدیدہ ہیں جو نہ کسی مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہیں اور نہ کسی دلیل عقلی سے ثابت ہیں، جیسا کہ مسئلہ ارتقاء کہ ڈارون لکھتا ہے کہ آدمی پہلے بندر تھا ترقی کر کے دم گر گئی اور سیدھا کھڑا ہو کر چلنے لگا اس پر نہ کوئی مشاہدہ اور تجربہ ہے اور نہ کوئی دلیل عقلی موجود ہے، اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں "**خلقه من تراب**" اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا، اس قسم کے لوگ ڈارون کی بے سروپا باتوں کی پر تو بلا دلیل ایمان لے آتے ہیں اور قرآن کی صریح آیتوں میں تاویلیں کرتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ علم کلام، اصول اسلام کی حفاظت کے لئے بمنزلہ ایک مضبوط قلعہ کے ہے جس میں داخل ہو کر دشمنان اسلام کے حملوں اور الحاد و دہریت اور فلسفہ جدیہ وقدیمہ کے تیروں سے محفوظ و مامون ہوسکتا ہے؛ اس لئے ہر زمانہ کے علماء اعلام اور ائمہ کرام نے عقائد اسلامیہ کے ثابت کرنے اور فلاسفہ اور ملاحدہ کے شبہات دور کرنے کے لئے صدہا کتابیں لکھ ڈالیں اور اسلام کی حفاظت کے لئے مضبوط قلعے کھڑے کر دیئے۔

الحمد للہ اس چودھویں صدی می جدید علم کلام کا اولین مصداق علامہ سید حسین جسر طرابلسی کی تالیف طلیف رسالہ حمیدیہ ہے، جس کا ترجمہ "سائنس اور اسلام" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اور حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ نے اس کا ایک خلاصہ لکھا ہے جو خلاصہ سائنس اور اسلام" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، رسالہ حمیدیہ بحمدہ اللہ تعالی عقائد اسلامیہ کی تحقیق اور جدید وقدیم فلسفہ کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔

علامہ حسین جسر طرابلسی نے عربی زبان میں اس موضوع پر رسالہ حمیدہ کے نام سے ایک مبسوط لکھی جو بار بار مصر سے شائع ہوئی جو اپنی معقولیت اور حسن استدلال کے نام پر عایت درجہ مقبول ہوئی، پھر اخیر میں علامہ موصوف نے حصون حمیدہ کے نام سے ایک مختصر کتاب لکھی، یہ دوسری کتاب درحقیقت پہلی مبسوط اور مفصل کتاب کا خلاصہ ہے، یہ کتاب

اگر چہ بہت مختصر ہے؛ لیکن نہایت جامع ہے اور فلسفہ جدیدہ وقدیمہ کے شبہات کے جوابات میں اور عقائد اسلامیہ کے ثابت اور محقق کرنے میں کافی وشافی ہے، **جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرا**

انہیں حضرات متکلمین کے نقش قدم پر اور انہی حضرات کے دستر خوان علم کی خوشہ چینی سے اس ناچیز نے عقائد اسلامیہ وغیرہ ان کتابوں میں مسائل اور دلائل کی تفصیل تھی؛ تاکہ اس جدید تعلیم سے جو الحاد اور بے دینی کا سیلاب آرہا ہے اس کی روک تھام ہوسکے، سو الحمد للہ حق جل شانہ کی توفیق سے جو کچھ لکھا سکتا تھا وہ لکھ دیا، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے، آمین، اوران تالیفات کو ہدایت واستقامت کا ذریعہ بنائے۔

اب دل چاہا کہ ایک ایسا مختصر رسالہ لکھ دیا جائے کہ جو اہل سنت وجماعت کے عقائد کا خلاصہ ہو اور اس میں تفصیل تو زیادہ نہ ہو؛ مگر بقدر ضرورت ایسے عقلی دلائل پر مشتمل ہو جس سے اصول دین کے متعلق جدید وقدیم شبہات اور اعتراضات کا ازالہ بھی ہوجائے اور مسلمان موجودہ زمانہ کی دہریت اور الحاد کی بلا سے بچ سکیں اور عام لوگوں کو عقائد اسلامیہ کے بارہ میں عقلی طور پر بھی شک اور تردد نہ رہے اور ایمان مضبوط اور مستحکم ہوجائے اور سمجھ میں جائیں کہ اسلام کے اصول ونظریات کیسے معقولات اور مدلل ہیں اور یہ تحریر عقائد السلام کا دوسرا حصہ ہے۔

سو وہ مختصر رسالہ ہدیہ ناظرین ہے اور اسی وجہ سے اس کو خلاصہ العقائد کے نام سے موسوم کرتا ہوں اور یہ تحریر اگر چہ بہ نسبت عقائد الاسلام اور علم الکلام بہت مختصر ہے؛ لیکن باوجود اختصار کے اس میں بہت سے جدید اور مفید مضامین ایسے آگئے ہیں، جو گذشتہ کتابوں میں نہیں آئے۔(۱)

(۳) الانتباهات المفيدة عن الاشتباهات الجديدة

علم کلام جدید کا ایک نہایت مفید رسالہ ہے جس میں شبہات جدیدہ کا جواب جدید

(۱) عقائد اسلام: ۲/ ۲۸۳، ادارہ اسلامیات، لاہور، کراچی، لاہور

تعلیم یافتہ حضرات کے مذاق پرنہایت وضاحت کے ساتھ دیا گیا ہے اور ایسے اصول موضوعہ قائم کردیئے گئے ہیں، جن سے اس قسم کے جتنے شبہات پیدا ہوں رفع کئے جاسکتے ہیں۔

یہ ایک علم کلام جدید پر نہایت مفید رسالہ ہے جس میں شبہات جدیدہ کا جواب اہل شبہات (انگریزی تعلیم یافتہ حضرات) کے مذاق پر نہایت وضاحت ومتانت کے ساتھ دیا گیا ہے، موضوع اور کتاب کی اہمیت خود حضرات حکیم الامت نے اس طرح ذکر کی ہے:

> ''متکلمین کے مقرر کردہ اصولوں پر شبہات جدیدہ کا جواب بھی دیا جاسکتا ہے، اور اسی ذخیرۂ علم سے علم کلام جدید کی بھی بآسانی تدوین ہوسکتی ہے، میں نے بطور خود یہاں کے بعض ایسے شبہات کہ جن کا علم مجھ کو تھا لکھ ''الانتباهات المفيدة عن الاشتبهات الجديدة'' کے نام سے شائع کردیا گیا ہے، اور اس میں میں نے ایسے اصول وضوابط قائم کردیئے ہیں جن سے میرے نزدیک اس قسم کے شبہات پیدا ہوں، بسہولت رفع کئے جاسکتے ہیں۔ یہ کتاب عربی زبان میں بقلم حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی منتقل کی گئی، اس کا عربی نام '' الإسلام والعقلانية '' ہے اور خود حضرت تھانویؒ کے خلیفہ کی شرح کے ساتھ ''اسلام اور عقلیات'' کے نام سے دستیاب ہے''(۱)

(۴) جدیدیت

اس حوالے سے محمد حسن عسکریؒ کی جدیدیت جس کو انہوں نے حضرت مولانا تقی عثانی مدظلہ العالی تقاضے پر مرتب کیا تھا، جس کے متعلق حضرت مولانا تقی عثانی صاحب فرماتے ہیں:

> ''جس میں انہوں نے جدید مغربی افکار اور مختلف فلسفوں کا خلاصہ عام

(۱) الانتباہات المفیدۃ عن الاشتباہات الجدیدۃ: ۲، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مکتبہ امدادیہ اشرفیہ، نزد احمد غریب یونانی میڈیکل کالج، اکل کواں

فہم انداز میں مرتب فرما کر رہنے گیئٹوں کے افکار کی روشنی میں ان کی بنیادی گمراہیوں کی نشاندہی فرمادی، میرا مقصد یہ تھا کہ یہ کتاب دینی مدارس کے اساتذہ وطلباء کے لئے مفید ہوگی اوراس کی مدد سے وہ مغربی افکاراوران کی گمراہیوں کو بہتر طریقے سے سمجھ سکیں گے، زیرنظر کتاب اسی فرمائش کی تکمیل ہے، کتاب کے دو حصے ہیں: پہلے حصے میں فاضل مصنف نے یورپ کی فکری تاریخ اس جامعیت، اختصار اورانضباط کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ اسے ''دریا بکوزہ'' کہنا چاہئے ، پہلے ابواب میں انہوں نے یونانی اور رومی ادوار اور ازمنہ وسطی کے فکری رجحانات کونہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے، پھر ''سأۃ ثانیہ'' کے بعد سے یورپ میں جتنے فکری انقلابات آئے ہیں اور جتنے فلسفوں نے قبولیت حاصل کی ہے، ان کو انتہائی دل نشین ترتیب سے بیان کیا ہے، انداز بیان ایسا کہ مختصر الفاظ میں ان فلسفوں کی بنیادی خصوصیات بھی واضح ہوجاتی ہیں، اورساتھ ساتھ ان کی گمراہیوں کی طرف اشارے بھی ملتے ہیں، دوسرے حصہ میں ان فکری گمراہیوں کی فہرست ہے جو ان مغربی افکار کے زیراثر جدید تعلیم یافتہ طبقے میں عام ہوچکی ہے، اورجن کی وجہ سے دین کی صحیح فہم سے روزافزوں بعد ہوتا جارہا ہے''(۱)

(۱) تبصرے:۶۸۹،مفتی تقی عثمانی صاحب، دارالسعادۃ، سہارنپور

فن منطق

علم منطق سے ادنی تعلق رکھنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ یہ علم انسان کے لئے کس قدر ضروری ہیں اور ہر انسان اپنی زندگی میں اس سے کس قدر مستفید ہوتا رہتا ہے۔

''نفس ناطقہ'' جو قدرت کی طرف سے انسان کو ہی عطا کیا گیا ہے، وہ مفہوم ومعانی اور مقاصد ومدعا کے اظہار نیز افہام وتفہیم کے لئے غور وفکر اور ضروری تصرفات کر کے موزوں الفاظ کا جامہ پہناتا ہے، تصورات وتصدیقات میں غور وفکر کر کے صحیح نتیجہ پر پہنچانا ''علم منطق'' کا خاص منشاء ہے۔

موجودات عالم خواہ ذہنی ہوں یا خارجی ہوں یا مادی ہوں یا غیر مادی، ارضی ہوں یا سماوی، نوری ہوں یا ناری، خلقی ہو یا معبودی تمام چیزوں کی جانکاری کا تعلق ''علم فلسفہ'' سے ہے، اس کی رہنمائی کے بغیر صحیح اعمال اور افعال کا صدور ممکن نہیں ہے۔(۱)

منطق کی ضرورت

ایک مفسر نے دعوی کیا تھا کہ قرآن میں غلامی کے مسئلہ کا ثبوت نہیں؛ بلکہ اس آیت سے اس کی نفی ہوتی ہے اور وہ آیت یہ ہے: "فَشُدُّوا الوِثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً" اس سے پہلے جہاد کا ذکر ہے، "إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ" پس جب تم کفار کے مقابل ہوتو ان کی گردنیں مارو (قتل کرو) یہاں تک کہ جب تم ان کی خوب خون ریزی کر چکو تو تم کو اختیار ہے بلا معاوضہ چھوڑ دینا جو کہ احسان ہے یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا۔

اس آیت سے مفسر نے یہ استدلال کیا ہے کہ اس آیت میں بطور حصر کے دو باتیں

(۱) مبادیات منطق: ۳

مذکور ہیں جس سے یہ لازم آتا ہے کہ تیسری صورت (غلام بنانا) جائز نہیں، اس تقریر سے ایک عالم صاحب کو شبہ پڑ گیا، اس کا جواب ایک دوسرے عالم نے یہ دیا کہ پہلے آپ یہ بتلائیں کہ یہ قضیہ کون سا ہے؟ حملیہ؟ یا شرطیہ؟ اور شرطیہ ہے تو متصلہ یا منفصلہ اور منفصلہ ہے تو حقیقیہ یا مانعۃ الجمع یا مانعۃ الخلو؟

بس اتنی بات نے سارے اشکال کو درہم برہم کر دیا، کیوں کہ جواب کا حاصل یہ ہوا کہ یہ قضیہ ممکن ہے کہ مانعۃ الجمع ہو (ان دونوں کا جمع کرنا) کہ فدیہ بھی ہو اور احسان بھی ہو ممتنع ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ یہ دونوں صورتیں مرتفع ہوں، تیسری اور کوئی صورت ہو کیوں کہ ''مانعۃ الجمع'' کا یہی حکم ہے کہ ان کا اجتماع جائز نہیں ہوتا، اور دونوں کا ارتفاع ممکن ہوتا ہے، مثلاً دور سے کسی چیز کو دیکھ کر ہم یوں کہیں کہ یہ چیز یا تو درخت ہے یا آدمی اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ان دونوں کا اجتماع تو ناممکن ہے (کہ ایک شی آدمی بھی ہو اور درخت بھی) ہاں یہ ممکن ہے کہ نہ درخت ہو نہ آدمی؛ بلکہ کوئی تیسری چیز ہو گھوڑا بیل وغیرہ۔

اسی طرح اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے کہ ''من'' (احسان) اور فدیہ کا جمع کرنا ممتنع ہے؛ البتہ دونوں سے خلو ممکن ہے تو اس سے غلامی کی نفی کیوں کر ہوئی؟ تو دیکھئے جو شخص مانعۃ الجمع اور مانعۃ الخلو کی حقیقت کو نہ جانتا ہو وہ نہ اشکال کو دور کر سکتا ہے اور نہ جواب کو سمجھ سکتا ہے۔

اس واقعہ سے منطق کی ضرورت معلوم ہو جاتی ہے۔(۱)

منطق کے چند مفید پہلو

ایک مرحلہ مسلمانوں کی فکری تاریخ اور علمی کیریئر میں ایسے پہلوؤں کی نشان دہی کرنا ہے، جو مختلف اسباب کی بناء پر آج کے تقاضوں کا سامنا کرنے سے قاصر ہے، اس غرض کے لئے ان تنقیدی پہلوؤں کا جائزہ لیا جانا ضروری ہے، مثال کے طور پر ہمارے قدیم مفکرین نے فلاسفۂ یونان کے زیر اثر منطق کے جس اسلوب کو زیادہ فروغ دیا، وہ منطق کا

(۱) التبلیغ: ۲/ ۲۰۲، بحوالہ علوم وفنون اور نصاب تعلیم: ۹۸، مکتبہ ادارہ افادات

استخراجی اسلوب تھا، منطق کی بیش تر کتابیں جو فارابی اور ابن سینا جیسے عباقرہ کے زیر اثر لکھی گئیں، وہ سب کی سب منطق استخراجی کے اصول پر مرتب ہوئیں، متکلمین اسلام اور علماءِ اصول مثلا امام غزالیؒ، امام رازیؒ کی خالص دینی تحریروں (مثلاً المستصفی اور المحصول) میں منطقی استخراجی اصول وقواعد سے ہی کام لیا گیا ہے، آج منطق استقرائی کی اہمیت زیادہ ہوگئی ہے، اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی ورثے کی ان تمام چیزوں کا از سرنو جائزہ لیا جائے جہاں بنیاد استدلال منطق استخراجی کے قواعد تھے اور کوشش کی جائے کہ ان دینی حقائق کو جو اس وقت ائمہ اسلام نے منطق استخراجی کی بنیاد پر ثابت کئے تھے، آج انہیں منطق استقرائی کی بناء پر ثابت کیا جائے۔(۱)

منطق کے پڑھنے کی حد

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: معقولات کا درس کم کرو، قطبی تک پڑھانے والا تھوڑی تنخواہ کا مدرس کافی ہے(۲)

بعض علماء کی غلطی یہ ہے کہ ساری عمر علوم غیر نافعہ میں صرف کردیتے ہیں یعنی صرف معقول ہی پڑھتے ہیں اور پڑھاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ معقول آخرت میں کام آنیوالی نہیں ہے۔

ساری عمر علوم آلیہ منطق وغیرہ میں گنوانا اور اس کو مقصود بالذات سمجھنا سراسر حماقت ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے: کوئی شخص ساری عمر ہتھیار کی درستی وصفائی میں گذاردے اور ان سے کام ایک دن بھی نہ لے تو ہر شخص اس کو بے وقوف بتلائے گا۔(۳)

منطق اور حضرت گنگوہیؒ

حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ نے مدرسہ دیوبند کے نصاب سے فلسفہ کی بعض کتابوں کو نام کی تعیین کے ساتھ خارج کرادیا تھا کیوں کہ حضرت ان کو مضر دین سمجھتے تھے،

(۱) محاضرات تعلیم: ۲۴۰ (۲) اصلاح الرسوم: ۱۵۴

(۳) اصلاح الرسوم والتبلیغ: ۲۰/ ۱۳۳، بحوالہ علوم وفنون: ۱۰۳

کسی نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے اس کی شکایت کی کہ مولانا نے ان کتابوں کو حرام کردیا ہے تو مولانا نے فرمایا کہ حضرت نے حرام نہیں کیا ہے، خود تمہاری طبیعتوں میں کجی ہے، اس لئے یہ کتابیں مضر دین ہوجاتی ہیں، ورنہ اگر طبیعت سلیم ہوتی تو یہ کتابیں بھی مضر دین ہونے کے بجائے معین دین ہوتیں۔(۱)

❁ فلسفہ کی ضرورت نہیں اور قطبی تک منطق بہت کافی ہے سلم وملاحسن کی بھی ضرورت نہیں۔

میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا آپ کا یہی دل چاہتا ہے کہ موت کے وقت ''صدرا کی مثناۃ بالتکریر'' کی تقریر زبان سے نکلے؟ ہرگز نہیں، پس معلوم ہوا کہ یہ علم ضروری نہیں؛ بلکہ زائد از ضرورت ہے، لہٰذا قاعدہ مسلمہ ''الضرورۃ یتقدر بقدر الضرورۃ'' پر عمل فرما کر غیر مقصود میں اس قدر غلو نہ کیجئے؟

یہ مسلم ہے کہ پائخانہ ایک ضروری شئ ہے مگر آدمی بقدر ضرورت ہی پائخانہ میں رہتا ہے، یہ نہیں کہ پائخانہ کے ساتھ دلبستگی اور شیفتگی ہوجائے، اسی طرح جب فلسفہ وغیرہ آلات ہیں اور علوم دینیہ کے لئے مقدمات کے درجہ میں ان کی ضرورت ہے نہ کہ مقصودیت کے درجہ میں تو بقدر ضرورت ہی ان کا اکتساب اور شغل کیا جائے۔

البتہ منطق بہت ضروری اور مفید ہے؛ مگر رفع ضرورت کے لئے منطق میں قطبی تک ہی سمجھ کر پڑھ لو تو بہت ہے، ملاحسن اور حمد اللہ کی بھی کیا ضرورت؟ بلکہ ایک رسالہ بھی منطق کے لئے کافی ہے، جعل بسیط ومرکب منطق کا مسئلہ نہیں؛ بلکہ فلسفہ کا مسئلہ ہے مگر اس کی بحث خواہ مخواہ علم منطق اور کتب منطقیہ میں موجود ہے۔

اسی طرح اور بہت سے مسائل فلسفہ کے کتب میں ٹھونس رکھے ہیں، انہیں کے لئے مدرسین اور طلبہ بہت سے رسالے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں؛ حالانکہ فلسفہ ضرورت سے زیادہ یک شی ہے۔(۱)

---

(۱) الافاضات الیومیۃ: ۳۷۷، ۳۷۸، بحوالہ علوم وفنون: ۱۰۸

(۲) علوم العباد من علوم الرشاد، ملحقہ حقوق وفرائض بحوالہ علوم وفنون: ۱۰۲

- من جملہ ان رسوم کے ۔۔۔۔۔۔۔ طالب علموں کا بڑے بڑے عہدوں کے حاصل کرنے کے لئے باجود دین کے ضائع ہونے کے انگریزی پڑھنا یا معقول وفلسفہ میں دینیات سے زیادہ توغل (غلو) وانہماک کرنا ہے چوں کہ ان دونوں چیزوں کا ضرر رساں ہونا تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہو چکا ہے، اس لئے داخل وعید قرآنی ہوکر واجب المنع ہیں۔
- معقولات کے غلو سے اکثر فساد عقیدہ اور نخوت و کبر اور دین میں لا پرواہی وغیرہ یہ خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔
- البتہ اگر ان سب غوائل سے پاک ہو تو مضائقہ نہیں ؛ مگر قدر ضروری پر اکتفا کرنا واجب ہوگا۔(۱)

حضرت تھانویؒ اور منطق وفلسفہ

اگر علم دین کے ساتھ معقول (منطق) کو اس غرض سے پڑھا جائے کہ اس سے فہم واستدلال میں سہولت ہو جاتی ہے تو اس وقت اس کا وہی حکم ہے جو نحو، صرف و بلاغت و معانی وغیرہ کا حکم ہے کہ یہ سب علوم آلیہ ہیں، اگر ان سے علم دین میں مدد لی جائے تو تبعا ان سے بھی ثواب مل جاتا ہے۔(۲)

فرمایا: معقول (منطق) سے اگر اثبات دین اور فہم شرع میں کام لیا جائے تو پھر باغی اور تلبیس ابلیس مشتق ہے جیسے اگر کوئی پوچھے کہ اس کھانے میں کتنی لاگت لگی ہے، تو جہاں آٹا اور گھی میں دال کو شمار کرتے ہیں وہیں کھانے میں کی میزان میں لکڑیاں بھی شمار ہوتی ہیں، گو وہ دکھائی نہیں دیتیں اور کھائی بھی نہیں جاتیں، مگر کھانے کی خدمت کرتی ہیں اس لئے کھانے ہی میں ان کا شمار ہوتا ہے۔(۳)

---

(۱) اصلاح الرسوم:۱۰۶

(۲) التبلیغ:۲۱/ ۱۳۳، بحوالہ علوم وفنون:۱۰۰

(۳) ملفوظات اشرفیہ:۶۹، بحوالہ مذکور ۹

(۱) سوال: ایک شخص نے عرض کیا: فلسفہ کارآمد چیز ہے؟ اسی طرح منطق؟
جواب: فرمایا: ہاں عمق نظر اور دقت فکر اس سے پیدا ہوتی ہے۔
منطق وفلسفہ جس پر اعتقاد نہ ہو اور محض استعداد کے لئے پڑھایا جائے تو خدا کی نعمت ہے، ان سے دینیات میں بہت معاونت و مدد ملتی ہے، فلسفہ، سفہ (حماقت) سے تو اچھا ہے۔ (۱)

(۲) سوال: علم منطق کا سیکھنا حرام ہے؟ یا مباح؟ فرض ہے یا واجب یا مستحسن؟ اور اگر مباح ہے تو کس حد تک؟ اور سلّم اور اس کی شروحات کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب: علم کی دو قسمیں ہیں: علم معقول، علم منقول:
علم منقول کی مثال ایسی ہے جیسے غذائیں جو کہ مقصود ہوتی ہیں اور علم معقول کی مثال ایسی ہے جسے دوائیں جو ضروری ہوتی ہیں اس شخص کے لئے جو علم منقول کے ساتھ مشغول ہو۔
اور منطق کے بغیر استدلال میں غلطی کرنے سے اس کا ذہن محفوظ نہ ہو اور جب یہ ضروری ہے تو حسب ضرورت ہی اس کو اختیار کیا جائے گا اور ضرورت کی مقدار مختلف ذہنوں کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، جس مقدار سے بھی ضرورت مرتفع ہو جائے گی اتنی ہی مقدار ضروری ہوگی اور وہ شخص جس کو کوئی ضرورت نہ ہو اور نہ ہی اس سے کوئی ضرر ہو اس کے لئے منطق کی تعلیم مباح ہوگی اور وہ شخص جس کو اس سے ضرر ہو اس کے لئے مذموم ہوگی اور ضرر کے درجہ اعتبار سے اس کی مذمت کراہت اور حرمت کے درجات میں تفاوت ہوگا۔ (۲)

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ اور منطق وفلسفہ

حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ بزرگان دین نے اپنی زیادہ تر توجہ تفسیر، حدیث اور فقہ جیسے ٹھیٹھ دینی علوم کی طرف رکھی ہے، کیوں کہ یہی علوم مقصود بالذات ہیں

(۱) ملفوظات اشرفیہ: ۶۹، و ۱۷۷، الافاضات الیومیۃ: ۲/ ۲۹۲، علوم وفنون۔۔۔۔۔۔۱۰۰
(۲) امداد الفتاوی: ۴/ ۷۷، بحوالہ علوم وفنون۔۔۔۔۔۱۰۱، مولانا تھانویؒ

اور انہی سے دنیا وآخرت سے متعلق حقیقی عملی رہنمائی حاصل ہوتی ہے، معقولات کا چونکہ یہ مقام نہیں ہے، اس لئے اس کو خصوصی توجہ کا مرکز نہیں بنایا، اس طرز عمل کی بناء پر ہندوستان کے بعض علمی حلقے جو معقولات کی ہی مہارت رکھتے تھے، مثلا رامپور وغیرہ ان میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ شاید علماء دیوبند معقولات میں دسترس نہیں رکھتے، حالانکہ یہ واقعہ نہیں، اس کے برخلاف ہے، اظہار کا موقع ہو تو حیران وششدرره جائیں۔

فلسفہ وعقلیات کی حقیقت اور اس کے ''پائے چوبیں) کی ناپائیداری حضرت والد صاحبؒ پر واضح تھی، لیکن جب کبھی آپ کے سامنے یہ تجویز پیش کی جاتی کہ معقولات کو درس نظامی سے نکال دیا جائے تو حضرت والد صاحبؒ اس کی سخت مخالفت فرماتے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تفسیر، حدیث، فقہ اور عقائد پر لکھی ہوئی متقدمین کی کتابیں معقولات کی اصطلاحوں سے بھری ہوئی ہیں، اور اگر قدیم منطق وفلسفہ کو بالکل نکال دیا جائے تو اسلاف کی کتابوں سے خاطر خواہ استفادہ کی راہ مسدود ہو جاتی ہے، جو ہمارا گرانقدر علمی سرمایہ ہیں۔

اس کے علاوہ منطق وفلسفہ کی تعلیم ذہن وفکر کو جلا دیتی ہے، اور آدمی ذہنی مسائل کو مرتب طریقے سے سوچنے کا عادی ہو جاتا ہے اور اس طرح یہ علوم تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ کے مسائل کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں، حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ: اگر ان علوم کی اصل حقیقت کو ذہن نشیں کر کے کوئی شخص اس نیت سے ان علوم کو پڑھے اور پڑھائے کہ ان سے دینی علوم کی تحصیل میں مدد ملے گی تو ان علوم کی تحصیل بھی عبادت ہے، اور درس نظامی کے مرتبین نے اسی وجہ سے تو ان علوم کو داخل درس کیا تھا، اروحضرت شیخ الہند فرمایا کرتے تھے: اگر نیت بخیر ہو تو ہمارے نزدیک بخاری پڑھانے والے اور قطبی پڑھانے والے میں کوئی فرق نہیں، دونوں اپنی اپنی جگہ خدمت انجام دے رہے ہیں، اور دونوں کی خدمت موجب اجر ہے۔(۱)

حضرت باندویؒ اور منطق وفلسفہ

حضرت فرماتے تھے کہ منطق کی استعداد تو قطبی ہی تک بنتی ہے، جتنے مباحث

(۱) میرے والد میرے شیخ: ۳۷تا۳۹

اور تفصیل قطبی تک آجاتے ہیں، اگر ان کو کوئی اچھی طرح پڑھ لے تو اس کو پوری منطق آجائے، استعداد تو قطبی ہی سے بنتی ہے، سلم میں اسی کی تفصیل ہے، اور دوسرے انداز۔سے بیان کردہ ہے"۔

ایک مرتبہ قطبی کے درس میں حضرت نے طلباء سے ایک سوال کیا اور ان کی خاموشی پر فرمایا:

"تم کیسے بتلاؤ گے؟ تم کہتے ہو منطق کی ضرورت ہی نہیں، ارے اللہ کے بندو اس فن سے کسی کو مفر نہیں، مفسرین بھی اس فن سے مستغنی نہیں، محدثین بھی نہیں اور فقہاء بھی مستغنی نہیں۔

اور فرمایا: لوگوں کی بے حسی تو دیکھو کہ منطق کے اوراق سے استنجاء کا جواز نکالتے ہیں، ارے خدا کے بندو! اگر یہ دینی کتاب نہیں تو دینی کتابوں کے حصول کا آلہ وذریعہ بھی نہیں ہے؟ اس کے کاغذ کا تو احترام کرو، کیا اس پر آیات قرآنی نہیں لکھی جاسکتی؟ کیا اس پر حدیث نہیں لکھی جاتی، کیا اس پر مسائل نہیں لکھے جاتے، کیا یہ دین سے دوری نہیں ہے، اللہ ہی رحم فرمائے، کیا اکابرین نے منطق کی کتابیں نہیں پڑھائیں؟ پھر منطق سے اس قدر نفرت اور بے زاری کیوں؟، افسوس ہے انحطاط کا زمانہ آگیا ہے۔

اور ایک موقع پر فرمایا: فلسفہ کی تو واقعی کوئی ضرورت نہیں، میبذی وغیرہ سے کوئی فائدہ نہ پہلے تھا نہ اب ہے، اس کے بجائے اگر سائنس کی چیزیں پڑھائی جائیں تو زیادہ بہتر ہے، منطق سے استعداد بنتی ہے، منطق کے ذریعہ سمجھنے وسمجھانے میں بڑی مدد ملتی ہے، اگر منطقی اصطلاحات سے پوری واقفیت ہو تو لمبی لمبی بحثوں کو منٹوں میں سمجھا جاسکتا ہے"۔(۱)

(۱) مآثر حضرت باندوی: ۹۵-۹۶

مفتی تقی عثمانی صاحب اور منطق وفلسفہ

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

''نصاب سے متعلق ایک بات یہ ہے کہ منطق اور فلسفے کے متعلق بعض حضرات کی یہ رائے ہے کہ یونانی فلسفے کے زوال کے بعد ان مضامین کو پڑھانے کی چنداں حاجت باقی نہیں رہی، لیکن ہمارے نزدیک یہ بات بوجوہ درست نہیں، ان مضامین کی اہمیت کے لئے تنہا یہ بات بھی کافی ہے کہ ہمارے اسلاف کی کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ بالخصوص اصول فقہ، انہی علوم کی اصطلاحات اور منطقی انداز واسلوب پر مشتمل ہے، اس کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے اوراس سے استفادہ کے لئے منطق اور فلسفے کی واقفیت ضروری ہے، آج ''تفسیر کبیر'' جیسے دریائے علم سے استفادہ کے بغیر ممکن ہی نہیں کہ انسان منطق اور فلسفے کا علم رکھتا ہو؛ لہٰذا ان مضامین کا یکسر ختم کردینا ہمارے نزدیک سخت نقصان دہ ہوگا؛ لیکن ان مضامین کو اسی حدتک پڑھانا چاہئے جس حدتک وہ اسلامی علوم کے لئے زینے کا کام دیں، ان کو ایک مستقل علم مقصود کے طور پر پڑھنے پڑھانے کا واقعی اب کوئی جواز نہیں؛ لہٰذا جہاں ان مضامین کی تعلیم مذکورہ ضروریات سے زائد ہورہی ہو وہاں اس کو ضرورت کی حدتک محدود کرکے دوسرے مضامین کے لئے گنجائش پیدا کی جاسکتی ہے، اس کے علاوہ فلسفہ میں عصریات اور فلکیات کے جو حصے اب تحقیق اور مشاہدے سے غلط ثابت ہوچکے ہیں، ان کی غلطی پر تنبیہ کے ساتھ جدید تحقیقات پڑھانا ضروری ہے، جس کے لئے علامہ نجیب کی ''توفیق الرحمن'' علامہ آلوسی کی ''ما دلّ علیه القرآن'' اور مولانا محمد موسیٰ صاحب کی ''جدید فلکیات'' سے مدد لی جاسکتی ہے''۔(۱)

---

(۱) ہمارا تعلیمی نظام: ۱۰۵

ابن الحسن عباسی اور منطق وفلسفہ

دینی مدارس کے نصاب کی دوسری خامی یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس نصاب میں عمر کا ایک معتدہ حصہ ان علوم میں لگایا جاتا ہے، جن کی حیثیت عصر حاضر میں آثار قدیمہ سے زیادہ نہیں، اس سلسلہ میں میں منطق ،فلسفہ،قدیم علم ہیئت اور قدیم علم کلام کی بعض کتابوں کا نام لیا جاتا ہے۔

منطق کے سلسلے میں تو ابتداء ہی سے علماء کی دو مختلف جماعتیں رہی ہیں، علماء کے ایک طبقہ نے منطق کی اہمیت وضرورت بیان کرنے میں یہاں تک غلو کیا کہ اسے فرض عین قرار دیا (۱) منطق کے متعلق امام غزالیؒ کا یہ قول بھی منقول ہے کہ "من لم یعرف المنطق فلا ثقة له فی العلوم أصلا" یعنی جو منطق نہیں جانتا، اسے علوم کی پختگی ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔

لیکن صاحب نظر علماء کی ایک بڑی جماعت شروع ہی سے منطق کی کڑی تنقید کرتی رہی ہے، اس جماعت کا خیال ہے کہ منطق درحقیقت اہل یونان کی طرف سے مسلمانوں کی تخلیقی صلاحیتوں کی ترقی کی راہیں مسدود کرنے کی ایک سازش ہے، جس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے مامون الرشید نے جب اہل یونان سے عربی زبان میں ترجمہ کرنے کے لئے منطق وفلسفہ کی کتابیں طلب کیں تو یونان کے حاکم نے اپنی سلطنت کے اصحاب رائے سے مشورہ کیا، ان سب نے مسلمانوں کو ان علوم کی کتابیں دینے کی یہ کہہ کر سفارش کی کہ ان سے مسلمانں ں کے دین میں رخنہ پڑے۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

> "میں نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ مامون الرشید عباسی سے درگزر فرمائیں گے، میرا خیال ہے کہ اس کو اس بات کی ضرور سزا ملے گی کہ اس نے امت مسلمہ کو منطق وفلسفہ میں مبتلا کیا" (۲)

---

(۱) دیکھے کشف الظنون: ۲/ ۱۸۵۲

(۲) کشف الظنون: ۲/ ۱۸۶۳

علامہ ابن تیمیہؒ نے اس منطق کے رد پر مستقل رسالہ بنام "الرد علی المنطقیین" لکھا ہے۔

درس نظامی میں منطق کی تعلیم کی عام طور پر دو وجہیں بیان کی جاتی ہیں، ایک یہ کہ منطق ذہنی ریاضت اور دماغی قوتوں کے نکھارنے کا ایک علمی ذریعہ ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ علمائے اسلام کے بعض گرانقدر کتابوں میں منطقی اصطلاحات کا استعمال اس کثرت سے ہوا ہے کہ منطق اور اس کے اسلوب سے واقفیت کے بغیر یہ کتابیں سمجھ میں نہیں آتیں، اول الذکر توجیہ تو کوئی معنی نہیں رکھتی، البتہ دوسری توجیہ معقول ہے کہ بلاشبہ امام رازیؒ اور امام غزالیؒ جیسی یگانہ روزگار شخصیات کی بعض کتابوں سے بھرپور استفادہ کے لئے منطق کی اصطلاحات سے واقفیت ضروری ہے، اصطلاحات کی واقفیت کی حد تک منطق نصاب تعلیم میں ضرور داخل ہونی چاہئے، اور الحمدللہ عام مدارس میں اس کا طویل سلسلہ کم کر دیا گیا تاہم شرح تہذیب اور "سلم" اب بھی کھٹکتی ہے۔

قدیم فلسفہ کی بھی کتابیں تمام نکال دی گئیں ہیں سوائے میبذی کے کہ اس کے عنصریات کا کچھ حصہ پڑھایا جاتا ہے، اکابر علمائے دیوبند میں کئی حضرات ابتداء ہی سے فلسفہ اور منطق سے متنفر رہے ہیں، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے متعلق مولانا عاشق الٰہی میرٹھی لکھتے ہیں:

> "اسی طرح منطق وفلسفہ کے ساتھ آپ کا تنفر عداوت کے درجہ تک پہنچا ہوا تھا، ایک دفعہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میرا جو مرید اور شاگرد فلسفہ کا شغل رکھے وہ میرا مرید اور شاگرد نہیں، بار بار فرمایا کرتے تھم کہ اس منطق وفلسفہ سے انگریزی بہتر کہ اس سے دنیا کی نفع کی امید تو ہے" (۱)

آسان منطق

شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ العالی

(۱) تذکرۃ الرشید: ۲۲۳،، دینی مدارس کی ضرورت واہمیت: ۱۰۱۔ ۱۰۲، مکتبہ طیبہ دیوبند

فرماتے ہیں:

''پون صدی پہلے ایک چھوٹا سا رسالہ بابرکت لکھا گیا جس کا نام ''تیسیر المنطق'' ہے، یہ رسالہ جناب مولانا حافظ محمد عبد اللہ صاحب گنگوہی قدس سرہ کی تصنیف ہے، اس کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس پر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے حاشیہ لکھا ہے، جس کا نام ''تیسر المنطق'' ہے، پھر مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی نے بھی اس پر حاشیہ تحریر فرمایا جس کا نام ''تیسیر المنطق'' رکھا، نیز اس رسالہ کے لئے یہ بات بھی قابل فخر ہے کہ حضرت اقدس مولانا صدیق احمد صاحب انبھٹوی قدس سرہ (خلیفہ اجل حضرت گنگوہیؒ) نے اس کی نوک و پلک درست کی ہے اور اس پر تقریظ تحریر فرمائی جس میں آپ نے ارقام فرمایا ہے کہ:

''ظاہر ہے کہ منطق ایک مشکل علم ہے، خصوصا طلبہ کو اول شروع میں مسائل منطقیہ سمجھنے میں بہت ہی دشواری ہوتی ہے؛ بلکہ احقر کا خیال ہے کہ اول چند رسائل میں طلبہ سمجھتے ہی نہیں، یا کم سمجھتے ہیں، اب سے تیس چالیس سال ہوئے جو طلبہ میں فارسی کی استعداد عمدہ ہوتی تھی اور فارسی پڑھے ہوئے طلبہ مدارس عربی میں آتے تھے تو بوجہ استعداد فارسی کچھ سمجھ جاتے تھے، اب سالہا سال سے طلبہ عربیہ ایسے آتے ہیں جن میں استعداد فارسی نہیں ہوتی، پس مولوی صاحب موصوف نے نہایت احسان اس زمانہ کے طلبہ پر فرمایا جو اردو کی سلیس عبارت میں مسائل منطقیہ کو واضح فرمایا ہے''۔

حضرت انبھٹویؒ نے یہ تحریر ۱۳۳۸ھ میں آج سے ننانوے۔سال پہلے لکھی ہے اور اب تو کایا ہی پلٹ گئی ہے، بات کہیں سے کہیں پہنچ چکی ہے، حال زبوں تر ہو گیا ہے، اس

لئے اب اس رسالہ کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔

۱۰۰ سو سال کے اس طویل عرصہ میں زبان اور انداز بیان میں بھی تبدیلی آئی ہے، اور استعدادیں بھی مزید کم زور ہوگئی ہیں، اس لئے اب طلبہ کو اردو کا یہ رسالہ بھی مشکل معلوم ہوتا ہے، میں نے کئی بار یہ مبارک رسالہ اپنے بچوں کو پڑھایا ہے اور ہر بار یہ خیال تھا کہ اس کی ترتیب ضروری ہے، چند باتیں:

۱) بعض اسباق میں درازنفسی ہے، ان میں بچوں کو یہ دشواری پیش آتی ہے کہ کیا یاد کریں؟ ساری عبارت یاد کریں تو کہاں تک کریں؟ اور خلاصہ کریں تو کس طرح کریں؟ اس کا حل یہ ہے کہ بچوں کو عبارت پر نشان لگا کر دیں کہ اتنے الفاظ یاد کرلو باقی مفہوم کو یاد کرلو۔

۲) بعض اسباق میں طول ہے، وہ ایک دن میں نہیں پڑھائے جاسکتے، ان کو بیچ میں روکنا ضروری ہے، مگر کہاں روکا جائے یہ سمجھ میں نہیں آتا۔

۳) زبان قدیم ہوگئی ہے اسوجہ سے طلبہ کو فہم میں دشواری پیش آتی ہے۔

مگر بایں ہمہ کتاب کانعم البدل تو کیا بدل بھی بازار میں نہیں آیا ہے، نئی جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ اپنی افادیت کے باوجود تیسیرالمنطق کا بدل نہیں بن سکتی ہیں، البتہ ایک نوجوان فاضل محمد زاہد صاحب مظاہری نے ''تبیین المنطق'' کے نام سے ''تیسیرالمنطق'' کی شرح لکھی ہے، جو طلبہ اور اساتذہ کے لئے خاصہ کی چیز ہے، مگر وہ بہرحال شرح ہے، درسی کتاب نہیں ہے اس لئے اس رسالہ کو مرتب کیا ہوں۔

اب اساتذہ کرام سے گذارش ہے کہ وہ بچوں کو کتاب سمجھا کر پڑھائیں؛ مگر لمبی تقریریں نہ کریں، مثالیں پڑھائیں اور مسئلہ ذہن نشیں کرائیں، اور بچوں کو چاہئے کہ وہ کتاب خوب یاد کریں، کم از کم ہر اصطلاح کی جو تعریف ہے وہ بلفظہ یاد کریں، مثال کی عبارت یاد نہ کریں، صرف مفہوم یاد کرلیں تو بھی کوئی حرج نہیں۔(۱)

(۱) آسان منطق اقتباس از تقریظ کتاب:۸

تیسیر المنطق، مرقات

ان کتابوں کا مقصد منطق کی اصطلاحات یاد کرانا ہے، اسی نقطہ نظر سے ان کو پڑھانا چاہئے، ہمارے دور میں طلبہ منطق کو ایک خشک اور مشکل مضمون سمجھتے ہیں اور اس سے کسی کو دلچسپی پیدا نہیں کرتے، اس عدم دلچسپی کی بناء پر وہ پہلے ہی قدم پر منطق سے برگشتہ ہو جاتے ہیں، اور آگے کئی کتابوں میں بھی ان کی استعداد کمزور ہوتی چلی جاتی ہے۔

لہٰذا تیسیر المنطق اور مرقات کے استاذ کی ذمہ داری ہے کہ وہ طلبہ کی اس غلط فہمی کو دور کر کے ان کے ذہنوں میں اس علم کو دلچسپ بنا کر پیش کرے، منطق کی اصطلاحات کو روز مرہ کی زندگی کی مثالوں سے سمجھا کر انہیں یہ بتائے کہ یہ کوئی مافوق الفطرت علم نہیں ہے؛ بلکہ زندگی کے حقائق کا صحیح ادراک کرنے کے لئے اس کی کتنی ضرورت ہے، اس غرض کے لئے ضروری ہے کہ استاذ صرف کتاب میں بیان کی ہوئی مثالوں پر اکتفانہ کرے؛ بلکہ اپنی طرف سے آسان مثالیں سوچ کر بتائے۔

فن معانی وبلاغت

معانی وبلاغت میں علامہ تفتازانی کی لکھی ہوئی ''تلخیص المفتاح'' کی شروح ''مختصر المعانی'' اور ''مطول'' داخل نصاب ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں کتابیں اس فن کی تعلیم کے لئے بالکل ناکافی ہیں، متن، شرح اور حاشیہ کے انداز سے عصری ذوق بیگانہ ہورہا ہے، درسی نصاب میں معتد بہ فائدہ کے لئے کم ازکم فن کی پہلی کتاب صرف اور صرف اصطلاحات وامثلہ پر مشتمل ہونی چاہئے، جس کے لئے ''دروس البلاغۃ'' اور ''البلاغۃ الواضحہ'' مفید تر کتابیں ہیں ''مختصر المعانی'' اور ''مطول'' عالم اسلام کے علمی دور انحطاط میں لکھی گئی گئی ان کتابوں میں سے ہیں جن میں لفظی موشگافیوں اور عبارتی تعقیدات کو نقطہ کمال سمجھا گیا، بے شک ذہن کی جلا، دقت نظر اور تدقق کے کمال کو حاصل کرنے کے لئے یہ موزوں ترین ہوں؛ لیکن فن کی اصطلاحات ومباحث میں ان سے بصیرت حاصل نہیں ہوسکتی، بقول مولانا ابوالکلام آزاد:

> ''علامہ تفتازانی کی ایک غیر معمولی شخصیت تھے، انہوں نے جو متن وشرح لکھی وہ ان کی زندگی میں بہت مقبول تھے، علامہ تفتازانی کی کتابوں کی مقبولیت اس زمانہ میں اس لئے ہونے لگی تھی کہ اسلامی علوم کا دماغی تنزل شروع ہوچکا تھا، اور ترقی کا دور ختم ہوچکا تھا، ان کتابوں سے بجائے اس کے کہ آگے چل کر ترقی کے دروازے کھلے ہوں، ایک حد تک نقصان پہنچا، یہ بھی میرا عقیدہ ہے ادب عربی اور عربی بلاغت کو مطول نے سخت نقصان پہنچایا'' (۱)

(۱) خطبات آزاد: ۳۵۴، دینی مدارس ضرورت واہمیت: ۹۸، ابن الحسن عباسی، مکتبہ طیبہ دیو بند

فن فقہ

فقہ کی تعلیم تو ابتدائی درجات سے اردو یا مادری زبان میں شروع ہو جاتی ہے، فقہ کے معنی سمجھنے کے ہیں؛ لہٰذا ہر سبق سمجھا کر پڑھائے۔

- جو چیزیں گننے میں آتی ہیں ان کو رٹا دیں، اور ان کو زبانی لکھنا سکھا دیں اور ان کو ایکشن کے ساتھ بتانا سکھائیں۔
- تمام اعمال مثلاً فرائض وواجبات طلبہ کو مستحضر ہوں، سنتیں بھی یاد ہوں۔
- یہ چیزیں صرف درجہ میں پڑھانے سے یاد نہیں ہوتیں؛ بلکہ خارجی اوقات میں اس کا مذاکرہ وتکرار اور مشق ضروری ہے، ساتھ ہی ساتھ عملی مشق کراتے رہے۔
- اگر بچپن میں غلط عادات پڑ جائیں تو بڑے ہونے کے بعد علم کے باوجود عالم بھی صحیح طریقہ سے نماز کی سنتیں انجام نہیں دے سکتا۔
- مثلاً وضو سکھانا ہو تو پہلے استاذ پانی لے کر وضو کر کے دکھائے، پھر ایک یا دو بچوں کو بلا کر وضو کروائے، پھر سب سے ایک ساتھ وضو کرائے، پھر سوال جواب کے ذریعہ وضو کے فرائض، سنتیں، نواقض وضو وغیرہ سب کچھ طلبہ کو یاد کرائے؛ بلکہ ذہن نشیں کرائیں؛ کیوں کہ یہ چیزیں زندگی بھر کام میں آنے والی ہیں۔
- پھر وضو کرتے وقت طلبہ کی نگرانی کرے کہ سنت طریقہ پر تمام طلبہ وضو کر رہے ہیں یا نہیں؟
- سبق پیش کرنے کا انداز اپنے مطالعہ سے طئے کرے۔
- سبق کو دلچسپ بنا کر پیش کرنے کی کوشش کرے۔

❁ اسی طرح جب نماز کا باب آئے مندرجہ ذیل گیارہ طریقوں پر نماز کی عملی مشق کرائے:

۱) کسی طالب علم کو کھڑا کرے اور اس سے مکمل نماز پڑھوائے اور اس سے تمام اذکار اور نیت بلند آواز سے کہلوائے اور غلطیوں کی اصلاح کرے یا بچوں سے اصلاح کروائے، اگر فرض نماز کی نیت کی ہو تو اقامت بھی کہلوائے۔

۲) جب طلبہ نفل نماز میں مشغول ہوں تو ان کی نگرانی کرتے ہوئے نماز کی تصحیح کرائے۔

۳) معلم کھڑے ہو کر بتائے کہ رفع یدین، قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ وغیرہ کا طریقہ یہ ہے اور اسی طرح طلبہ کو نماز پڑھائے۔

۴) ایک طالب علم تمام طلبہ کو اس طرح نماز پڑھائے کہ پہلے وہ بلند آواز سے اذکار پڑھائے اور تمام طلبہ اس کے بعد پڑھیں۔

اسی طرح سنت نفل دو رکعت اور چار رکعت اور وتر تین رکعت، نماز جنازہ، نماز عیدین، سجدہ تلاوت اور سجدہ سہو کی مشق کرائے، یہ ابتدائی اور چھوٹے طلبہ کے لئے مفید ہے۔

۵) تمام طلبہ کو صف بنا کر کھڑا کر کے ہر صف میں سے دو ایسے افراد کو کھڑا کر دے جو اصلاح کرنے والے ہوں اور خود استاذ یا طالب علم کو سامنے کھڑا کر کے پہلے سامنے والا آدمی کرے، پھر تمام طلبہ اس کے بعد اس کی پیروی کریں، اس طرح پوری نماز کی مشق کرائے۔

۶) تمام طلبہ کو صفوں میں کھڑا کرے اور ایک طالب علم کو بطور امام کھڑا کرے پھر نماز کی عملی مشق کرتے ہوئے ہر ہیئت کا صرف نام بتائے مثلاً اس کو تکبیر تحریمہ، قیام، قومہ، جلسہ قعدہ اولی وقعدہ اخیرہ وغیرہ کہتے ہیں۔

۷) مکمل نماز بلا ترجمہ صحیح ہونے کے بعد پھر مکمل نماز مع ترجمہ سکھائے۔

۸) وضو کا مختصر طریقہ فرض نماز کا مختصر طریقہ اور نماز جنازہ کا مختصر طریقہ بھی الگ سے

سکھائے۔

۹) جماعت میں کھڑے ہونے کا طریقہ الگ سے سکھائیں مثلا دائیں بائیں برابر ہوں۔

۱۰) لیٹ کر اور بیٹھ کر نیز مریض کے نماز پڑھنے کا طریقہ سکھائے۔

۱۱) ہندوستان کے اکثر علاقوں میں طلبہ ثنا پڑھتے وقت لفظ ''ثنا'' بول کر پھر ثنا پڑھتے ہیں، اس غلطی کی خاص طور پر اصلاح کرے یا ثنا کا نام ''سبحانك اللهم'' رکھ دے۔

❁ سوالات کو مختصر کر کے یاد کرائے، عربی کتابیں، بڑی عربی کتابیں جیسے مختصر القدوری، شرح وقایہ، کنز الدقائق ہدایہ وغیرہ کتابیں شروع ہونے پر طالب علم عبارت پڑھے اور طالب علم ہی تشریح کرے اور اس کی کمی استاذ پوری کرے، پھر طالب علم ہی ترجمہ کرے، اگر کوئی طالب علم تشریح نہ کر سکے تو استاذ تشریح کرے۔

اس طرح پڑھانے پر کتاب کا پاؤ حصہ گذرنے کے بعد طالب علم میں اتنی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ بقیہ کتاب خود حل کر سکتا ہے۔(۱)

اس وقت ہمارے مدارس میں فقہ کا جو نصاب تعلیم ہے وہی ہمارا موضوع ہے اور نصاب تعلیم اور طریقہ تعلیم دونوں پہلوؤں سے دو چار باتیں ضروری ہیں۔

❁ فقہ کے فن کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ایک فقہ، دوسرے اصول فقہ اور تیسرے قواعد فقہ۔

❁ فقہ میں علامہ ابوالحسن مرغینانی کی ''ہدایہ'' ایک بے نظیر کتاب ہے، مرغینانی نے امام قدوری کی مختصر اور امام محمد کی جامع الصغیر دونوں کو ملا کر فقہ کا نہایت جامع متن تیار کیا اور پھر اس کی نہایت طویل ومبسوط شرح ''کفایۃ المنتہی'' کے نام سے لکھی، پھر اس کی نہایت جامع اور ''قلّ ما دلّ'' کا مصداق تلخیص ''ہدایہ'' کے نام سے لکھی، جو اہل

---

(۱) مدرسہ تعلیم سے تعمیر تک ۳۹، ۴۵، مؤلف: مولانا ایوب صاحب ندوی، مکتبہ فرید

علم اور ارباب ذوق دونوں کے لئے صدیوں سے چشم عقیدت کا سرمہ ہے، مصنف کو بعضوں نے ''مجتہد فی المذہب'' قرار دیا ہے اور بعضوں نے ''اصحاب ترجیح'' کے زمرہ میں شمار کیا ہے، واقعہ ہے کہ مصنف کو مجتہد فی المذہب قرار دینا قرین انصاف ہے، مسائل کے احاطہ، منقول ومعقول دلائل کے انتخاب، طرز استدلال کی قوت اور ایجاز میں اسکا جواب نہیں۔

۞ اس کتاب کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ یہ اپنے قارئین کو غور وفکر کا ایک نہج عطا کرتی ہے، اور استنباط اور استنتاج کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔

اگر یہ بہ تقاضۂ بشریت اس میں یہ کمزوری نہیں ہوتی کہ احادیث سے استدلال میں صحیح روایات کے ساتھ بہت سی سقیم بھی آگئی ہیں جس کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو کہنا پڑا:

''مصنف دے در اکثر بناء کار بر دلیل معقول نہادۃ واگر حدیث آوردہ نزد محدثین خالی از ضعفے نہ غالبا اشتغال گوں اسناد در علم حدیث کم تر بودہ است''۔(۱)

تو شاید فقہ اسلامی کے پورے ذخیرہ میں اس کے مماثل ہی نہیں؛ بلکہ اس سے قریبی درجہ پانے کی بھی کوئی اور کتاب مستحق نہیں ہوتی۔

۞ دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں اس کتاب کا جگہ پانا ''حق بہ حقدار رسید'' کے مصداق ہے؛ مگر صورت حال یہ ہے کہ ہدایہ کے چار حصوں میں عملا صرف پہلا حصہ ہی مکمل ہو پاتا ہے، جو عبادات پر مشتمل ہے، اور جس کی بحثیں مختلف کتب فقہ کے علاوہ حدیث میں بھی بکثرت وتکرار کے ساتھ آتی رہتی ہیں، ہدایہ کی بقیہ جلدیں جو معاشرتی احکام، بین ممالک قوانین اور اقتصادی قوانین سے متعلق ہیں تشنہ تکمیل رہتی ہیں۔

(۱) شرح سفر السعادۃ: ۱۲۳

یہ وہ مسائل ہیں جن میں احکام کی بنیاد نصوص سے زیادہ قیاس اور عرف و مصلحت پر ہے، ان سے طلبہ کا نا آشنا رہ جانا زندگی کے مختلف گوشوں میں اسلامی تعلیمات و ہدایات سے ان کی محرومی کے ہم معنی ہے۔

اس لئے اس حقیر کا خیال ہے کہ دو سال میں چار کے بجائے پانچ گھنٹوں میں اگر یہ کتاب مکمل کر دی جائے تو طلبۂ فقہ پر احسان عظیم ہوگا۔(۱)

- ہمارے نصاب میں اس سلسلہ کی دوسری کتاب ''المختصر القدوری'' پڑھائی جاتی ہے ،اس کے مصنف امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوری ہیں جو پانچ واسطوں سے امام محمد کے شاگرد ہیں، قدوری مسائل کے احاطہ وانتخاب ،تعبیر کی سلاست ووضاحت ، استناد کے اعتبار سے تثبت واحتیاط ، نیز حسن ترتیب میں نہایت اعلی درجہ کی تالیف ہے، اور فقہی متون میں اس کی نظیر کم ہی ملتی ہے۔

یہ کتاب عربی تعلیم کے ابتدائی سالوں میں پڑھائی جاتی ہے اور غالبا اکثر مدارس میں یہ بھی تشنہ تکمیل ہی رہتی ہے؛ اس لئے اگر یہ کتاب مکمل کر دی جائے تو طلبۂ فقہ پر احسان عظیم ہوگا۔

- ان دو کتابوں کے علاوہ تین اور کتابیں اس موضوع پر داخل درس ہیں، ابتدائی جماعت میں ''نورالایضاح'' ہے اس کا موضوع عبادات یعنی ارکان اربعہ ہیں، شرنبلالی کو فقہاء میں وہ درجہ نہیں دیا گیا ہے جو مرغینانی اور قدوری نے پایا ہے، اوراس کی مثال خود یہ کتاب ہے جس میں سنن وآداب وغیرہ کے نقل کرنے میں جا بجا تسامح ہوا ہے، عبارت میں بھی وہ سلاست وبرجستگی نہیں ملتی جو امام قدوری کے متن میں ہے۔

اور نصابی نقطہ نظر سے سب سے قابل توجہ یہ ہے کہ کتاب کی ابتداء ہی میں غسل واستنجاء وغیرہ کے مسائل میں ایسی وضاحت کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے جو کم سن اور شعور کی دہلیز پر قدم رکھنے والے طلبہ کے سادہ ذہن کے لئے کسی طرح موزوں نہیں ہے۔

(۱) ہندوستان کے دینی مدارس میں فقہ کی تدریس مناہج اور طریقے: ۲۲۶، ایفا پبلیکیشنز

❁ دوسری کتاب ''کنز الدقائق'' ہے، ابو البرکات نسفی (۷۱۰ھ) نے حنفیہ کی مستند آراء پر مشتمل نہایت جامع متن اس کتاب کی صورت میں مرتب فرمایا ہے خود نسفیؒ نے اس کو ظاہر روایت سے ثابت شدہ احکام کا مجموعہ بتایا ہے، ''لانہ موضوع لظاہر الروایۃ۔۔ ''(۱) علامہ نسفی کے علمی مقام ومرتبہ کی شاید تفسیر میں ''مدارک التنزیل'' اور اصول میں ''المنار'' ہیں کہ ان کو جو شہرت عام اور نقش دوام اپنے فن میں حاصل ہوا اس کی مثال کم ہی مل پاتی ہے۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ اس دور وسطی کی تالیف ہے جب فن پر توجہ دینے اور اس میں اضافہ کرنے کے بجائے ایسی تحریروں کا رواج پڑ گیا تھا جس میں مختصر سے مختصر عبارت میں بیش از بیش معانی کو سمیٹ لیا جائے، خواہ الفاظ وعبارت کی اس کفایت کے نتیجے میں قارئین کا وقت کتنا بھی صرف ہو جائے اور ایک ایک سطر کی عقدکشائی میں بے چارے شارحین کے صفحات بھی کافی نہ ہو پائیں۔

افسوس کہ خود ''کنز الدقائق'' بھی اسی مزاج کی کتاب ہے اور اس کے اختصار نے حد ایجاز کو پار کر کے اغلاق کی صورت اختیار کر لی ہے۔

❁ تیسری کتاب تاج الشریعۃ محمود کے فقہی متن ''وقایہ'' پر ان کے پوتے صدر الشریعۃ الاصغر عبداللہ بن مسعود (م ۷۴۷ھ) کی مفصل شرح ہے جو ''شرح وقایہ'' کے نام سے معروف ومتداول ہے، شرح وقایہ کو فتاوی وغیرہ میں ''ہدایہ'' و ''قدوری'' اور ''کنز'' کا سا استناد حاصل نہیں، بہت سے مقامات پر طول بیان ہے اور دراز نفسی کا احساس ہوتا ہے اور اس کے بعض مقامات پر مزید الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے۔

❁ یہ دو کتابیں ایسی ہیں کہ ان کا متبادل موجود ہے، ''شرح وقایہ'' کی جگہ ملا علی قاری کی ''شرح نقایہ'' بڑی عمدہ چیز ہے، ملا علی قاری بلند پایہ محدث ہیں اور جب کسی مصنف: ذوق میں حدیث وفقہ کا ''قران السعیدین'' ہو جائے تو اس کی آب

(۱) البحر الرائق: ۷/ ۲۳۲، زکریا

وتاب ہی اور ہوتی ہے، میں نے سنا کہ شیخ الأدب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی رائے بھی یہی تھی، بہتر ہوگا کہ شرح وقایہ کی جگہ اس کتاب کو شریک نصاب کیا جائے۔

نور الایضاح کی جگہ مولانا شفیق الرحمن ندویؒ نے ''الفقہ المیسر'' کے نام سے اس سن وسال کے طلباء کے لئے بڑی اچھی چیز تیار کردی ہے، زبان سہل ہے، چھوٹے فقرے ہیں، تراکیب بھی آسان ہیں، مسائل وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، ترتیب بھی اچھی ہے، ان مسائل سے صرف نظر کیا گیا ہے جن کی ابھی ان طلبہ کو ضرورت نہیں، ساتھ ہی نئے طریقہ پر ''تمرینات'' بھی قائم کردی گئی ہیں۔

ضرورت ہے کہ دینی مدارس اسے قبول کریں؛ مگر افسوس کہ بعض دفعہ گروہی حد بندیاں اور تنگ دامنیاں ں اعتراف وتسلیم میں رکاوٹ ہوجاتی ہیں وإلی اللہ المشتکی۔(۱)

بعض حضرات نے یہ رائے دی ہے کہ عبادات کے ابواب کیوں کر تین سال تک بار بار پڑھائے جاتے رہیں، نور الایضاح، قدوری اور شرح وقایہ میں بار بار یہ مسائل آجاتے ہیں، اس لئے اب اگر ہدایہ جلد اول کے بجائے شیخ وہبہ زحیلی کی ''الفقہ الاسلامی وأدلتہ'' کے وہ ابواب پڑھائے جائیں جو معاملات سے متعلق ہیں، یا ہدایہ کی جلد اول کے سوا باقی تین جلدیں مکمل پڑھادی جائیں خاص طور پر آخری دو جلدوں کے تمام ابواب کی تدریس کا اہتمام ہونا چاہئے، بلا شبہ یہ کتاب اپنے استدلالی طرز بیان اور مختلف مسالک کے درمیان تقابل اور محاکے میں اپنی نظیر نہیں رکھتی، مصنف کتاب علامہ ابوالحسن علی مرغینانی نے قدوری اور الجامع الصغیر کو بنیاد بنا کر بدایۃ المبتدی کے نام سے ایک کتاب لکھی، پھر اس کتاب کی مبسوط شرح تیار کی، بعض کتابوں میں اس شرح کی جلدوں کی تعداد اسی بیان کی گئی ہے، پھر اس کا اختصار کیا جو ہدایہ کے نام سے موسوم ہے، اس کی پہلی جلد عبادات پر مشتمل ہے، دوسری جلد میں نکاح وطلاق اور عتاق وغیرہ کا بیان ہے، تیسری میں بیوع وغیرہ کے

(۱) دینی وعصری درسگاہیں تعلیمی مسائل: ۹۸، ۱۱۰، مؤلف مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

ابواب ہیں، چوتھی جلد میں شفعہ وغیرہ کے ابواب ہیں، عموماً تمام جلدوں کے ابتدائی ابواب بڑی آہستہ روی کے ساتھ پڑھائے جاتے ہیں، اور سال کا بڑا حصہ ابتدائی ابواب ہی کی نذر ہو جاتا ہے، مقدار نصاب تک پہنچنے کی جلدی تیز گامی کا تقاضا کرتی ہے، ان حالات میں معاملات کے بعض اہم ابواب یا تو سرسری طور پر پڑھائے جاتے ہیں یا بالکل نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں، کیا بیوع، قرض، رہن، مساقات، مزارعہ، اجارہ، حوالہ، وکالہ، عاریۃ، ودیعت، غصب، لقیط، جعالہ، شرکہ، ہبہ، حجر، وصایا فرائض، اوقاف وغیرہ فقہ کا حصہ نہیں ہیں، اور کیا ان ابواب میں بصیرت حاصل کئے بغیر کوئی عالم صحیح معنی میں فقیہ کہلانے کا مستحق قرار دیا جاسکتا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اسکے طریقہ تدریس میں بھی بنیادی تبدیلی لائی جائے۔(۱)

فقہی مذاہب کا تقابلی مطالعہ

تقابلی مطالعہ و بحث کا ذوق واقعہ ہے کہ دوسرے اہل فن کے مقابلہ میں فقہاء کے ہاں زیادہ ہے، اہل سنت کے چاروں دبستانِ فقہ پر متعدد کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں، قدیم علماء نے بھی لکھی ہیں اور ماضی قریب میں بھی بعض اہل علم نے اس پر بڑا قیمتی کام کیا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہ پر ایک ایسی کتاب بھی شریک نصاب ہو جو مختلف فقہی آراء کا معروضی اور غیر جانبدار مطالعہ کراتی ہو، اس سے نگاہ میں وسعت اور فکر و خیال میں فراخی پیدا ہوگی، اور نقد و تحقیق کی صلاحیت ابھرے گی، اس سلسلہ میں ابن رشد قرطبی کی ''بدایۃ المجتہد'' کی عظمت شان اور قدر و قیمت سے کون انکار کریگا؟ پوری کتاب نہ سہی کچھ ابواب ہی پڑھادیئے جائیں تو مسائل میں فقہی جزئیات پر قناعت کے بجائے ان کی بنیادو اساس کو سامنے رکھ کر سوچنے کا ذوق پیدا ہوگا۔(۲)

فن فقہ کا طریقہ تعلیم

مسئلہ کتاب سے زیادہ کتاب پڑھانے کے اسلوب و نہج کا ہے، اساتذہ کا ذوق

---

(۱) حسن تدبیر: مدارس نمبر: ۲۸۵، فروری: ۲۰۱۱

(۲) حوالہ مذکورہ: ۱۰۰

اوران کی محنت اصل میں طلبہ کے ذہن وفکر کی تعمیر کرتی ہے، ذوق کو پروان چڑھاتی اور آتش شوق کو سلگاتی اور بھڑکاتی ہے، فقہ کی تعلیم میں دو بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت ہے، ایک یہ کہ کتاب اور مسائل کے حل میں طلبہ کو شریک کیا جائے، کتاب کی عبارت ان سے حل کرائی جائے۔

- گاہے گاہے دلائل پر ان کو بحث کا موقع دیا جائے، ان سے کہا جائے کہ اس پر تنقیدی نظر سے غور کریں۔
- استحسانی مسائل میں خود طلبہ سے یہ بات نکلوائی جائے کہ اس سلسلہ میں قیاس جلی اور قیاس خفی کیا ہے اور وجہ استحسان کیا ہے؟ اس سے ان میں نقل وروایت کے بجائے مسائل کی روح پر غور کرے اور سوچنے کا ذوق پیدا ہوگا۔

دوسری اس سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ اس دور میں جو مسائل پیدا ہور ہے ہیں، وہ بالعموم فقہاء کے قدیم اجتہادات سے کسی نہ کسی طرح تعلق رکھتے ہیں، تو جہاں ایسے مسائل آئیں جن سے موجودہ زمانہ کے کسی نو پید مسئلہ کا تعلق ہو، وہاں خصوصی اہتمام اور شرح وبسط کے ساتھ اس پر بھی روشنی ڈالیں جیسے: ربا کے تحت بینک انٹرسٹ کا، قمار کے تحت انشورنس کا، بیع کے تحت زمانہ کی بیع کی بہت سی نت نئی شکلوں کا۔

- جہاد وسیر کے ابواب میں ہندوستان کی شرعی حیثیت کا۔
- بیع صرف کے ذیل میں زر کی حقیقت اور زر اصطلاحی اور فی زمانہ مروج کرنسی نوٹوں کا۔

اگر اس بیدار مغزی اور چوکسی کے ساتھ تعلیم دی جائے تو طلبہ مسائل عصریہ سے بے بہرہ نہ رہ جائیں گے، مگر ہر مدرس سے اس کی توقع رکھنا مشکل ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مدرسین کے لئے ایک ایسی ''کلید'' مرتب کی جائے جو ان کی رہنمائی کرتی ہو کہ ان کو نصابی کتاب کے کس مسئلہ کے ذیل میں کن نئے مسائل پر بحث کرنی ہے؟ ممکن ہے اس طرح اس دشواری کا حل نکل سکے۔

ہمارے موجودہ طرز تدریس میں علوم شرعیہ میں مختلف فنون کی تعلیم کے لئے یکساں

انداز اختیار کیا جاتا ہے، مثلاً حدیث کے درس اور فقہ کے درس میں کوئی اجنبی شخص بیٹھے تو کم ہی فرق کر پائے، فقہ کے درس کا بھی یہی حال ہے ابواب وفصول کے درمیان باہمی ارتباط کی بحث، مصنف سے کہیں تسامح ہو گیا ہے تو اس کے لئے بہ ہزار تکلف تاویل وتوجیہ۔۔۔۔۔۔
اس طرح کی بحثوں کی بجائے ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہی باب کو پڑھانے سے پہلے اس باب فقہی سے متعلق فقہ کے بنیادی ضوابط وقواعد طلبہ کو بتا دئے جائیں؛ تاکہ طلبہ کے لئے تطبیق میں آسانی ہو اس مقصد کے لئے مدرسین کو کلید فراہم کرنا اس کے لئے شیخ حمزہ دمشقی کی "الفوائد البهية فى القواعد الفقهية" بڑی عمدہ چیز ہے۔(۱)

متعلقات فقہ

فقہ۔ جیسا کہ عرض کیا گیا۔ کوئی نظری اور خیالی علم نہیں؛ بلکہ وہ انسان کی عملی زندگی سے مکمل طور پر مربوط اور ہم رشتہ ہے، اس لئے فقہ کے طلبہ کے لئے زندگی کے نت نئے تجربات اور انسانی زندگی پر اثر انداز ہونے والے افکار وخیالات سے آگہی ضروری ہے، اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ معاشیات، سیاسیات، جغرافیہ، جنرل سائنس اور عالمی قانون، کی مبادیات پر مشتمل کتابیں مرتب کی جائیں اور مختلف جماعتوں میں اس طرح ان مضامین کو پڑھایا جائے کہ دوسرے مضامین کی تعلیم متاثر نہ ہو، منطق اور فلسفہ کی کتابوں میں تخفیف کر کے بہ سہولت اس کی گنجائش فراہم کی جاسکتی ہے۔

غور کیجئے جو شخص زر کی حقیقت سے واقف نہ ہو وہ سکوں کی فقہی جہت کیوں کر متعین کرسکتا ہے؟ جو بین الاقوامی قوانین سے آگاہ نہ ہو وہ مسلم وغیر ممالک کے تعلقات اور ان کی شرعی حیثیت پر کیا بحث کرسکتا ہے؟ جو ملک کے دستور وآئین سے بے خبر ہو وہ کس طرح ہندوستان کی شرعی حیثیت متعین کرسکتا ہے؟ اس طرح کے بے شمار مسائل ہیں جو ان جدید فنون کے جاننے پر موقوف ہیں۔(۲)

---

(۱) دینی وعصری درسگاہیں، تعلیمی مسائل: ۱۰۲، مؤلف مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم
(۲) ہندوستان کے دینی مدارس میں فقہ کی تدریس مناہج اور طریقے: ۲۳۰، ایفا پبلیکیشنز

کتب فقہ پڑھانے کا طریقہ

حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی شہید رحمہ اللہ کتب فقہ پڑھانے کا مختصر طریقہ یوں بتاتے ہیں:

''ابتدائی کتب کے اندر سب سے آسان اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ طالب علم عبارت پڑھے تو اگر طالب میں صلاحیت ہے تو استاذ طالب علم سے بلوائے کہ یہ فعل ہے، یہ صفت ہے، یہ موصوف ہے، یہ مبتداء ہے، یہ خبر ہے، مضاف ہے، یہ مضاف الیہ ہے، نہیں تو پھر استاذ مختصرا یہ بتادے کہ عبارت یہ ہے اور مسئلہ یہ ہے، صورت مسئلہ بتادے اوراس میں یہ چیز جائز ہے اور یہ ناجائز ہے، بس ختم، آگے یہ کہ اس کی دلیل کیا ہے؟ اس کی علت کیا ہے؟ اس میں فقہاء کے اقوال کتنے ہیں، ائمہ کا اختلاف کیا ہے، ہرامام کے قول کا ماخذ کیا ہے؟ یہ نہیں، یہ چیزیں ابتدائی طلبہ کے لئے مضر ہیں، یہ ان کے لئے نہیں ہیں۔

آگے مفتی صاحب فرماتے ہیں:

اگر اسکو مسئلہ معلوم ہوجائے تو آگے ہدایہ میں صرف دلیل سمجھنی ہوگی، مسئلہ پہلے سے یاد ہوگا، تو اس کے لئے آسانی ہوگی، لہٰذا ابتدائی کب کو ہدایہ یا ترمذی نہ بنایا جائے اور نہ ان کتب کو علم الجدل کی کتاب بنایا جائے کہ فلاں نے یوں کہا اور اس کا جواب یہ ہے:

ابتدائی کتب میں طالب کو صرف مسئلہ پر مرکوز رکھا جائے کہ طالب علم صرف مسئلہ سمجھے یہ کہ کیا ہے؟ اور کیوں ہے؟ کیا دلیل ہے؟ یہ سب آگے چل کر معلوم ہوگے اب آگے چل کر قدروری، کنز، وغیرہ سبب میں یہی ہو، کہ آپ مسئلہ پڑھیں اور اس کی صورت بتائیں، پھر آگے چلیں، اسطرح آپ پوری کنز کو ایک سال میں نہیں؛ بلکہ چار ماہ میں پڑھا سکتے ہیں، فائدہ طالب کو بھی ہوگا اروا استاذ کو بھی ہوگا۔

نیز ہمارے مدارمیں درس نظامی میں سب سے زیادہ توجہ فقہ پر دی جاتی ہم، اولی سے لے کر دورۂ حدیث تک طالب علم کا گہرا رابطہ فقہ سے رہتا ہے، نور الایضاح، مختصر القدوری، کنز الدقائق اور شرح وقایہ تک طالب علم درجہ رابعہ تک کا سفر جاری رکھتا ہے، آگے

جا کر درجہ خامسہ اور سادسہ میں ہدایہ (کتاب الصلاۃ اور کتاب النکاح) زیر درس رہتی ہیں، جب کہ سادسہ میں چالیس فیصد توجہ فقہ پر رہتے ہوئے ہدایہ اخیرین (کتاب البیوع وکتاب الشفعۃ) پڑھائی جاتی ہیں، پھر دورۂ حدیث میں جاتے ہوئے احادیث کی تدریس میں اکثر فقہی مباحث میں طلبہ اور اساتذہ الجھے رہتے ہیں، لیکن طالب علمی میدان میں آتے ہوئے کوئی فقہی مسئلہ بڑی مشکل سے بیان کرسکتا ہے، کتابی مباحث طلبہ کو ازبر یاد ہوتے ہیں، لیکن کسی جزئیہ کا استنباط اس کے لئے دور کی بات ہے۔

ہمیں طریقہ تدریس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، ہم جس ماحول سے وابستہ ہیں، اس میں فقہ کی کتابوں کی عظمت اتنی راسخ ہے کہ ان ان سے متبادل کتابوں کے بارے میں سوچنا جرم ہے، فقہ ہماری زندگی کا رہبر ہے، اس کے بغیر اسلامی زندگی گذارنا یا دینی اقدار کو ترویج دینا مشکل ہے، پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ گلوبلائزیشن کے اس دور میں انتہائی تیز رفتار سے تغیر پذیر ہونے والی صورت حال اور سائنس وٹیکنالوجی کی حیرت انگیزی کے نتیجہ میں آئے دن پیدا ہونے والے نت نئے مسائل کے حل کے لئے ہمیں دوسرے مذاہب کی ضرورت پڑے گی، جس کے لئے دوسرے مذاہب سے صرف آگاہی کافی نہیں؛ بلکہ ان سے مخاصمانہ رویہ کے بجائے مصنفانہ رویہ کی ضرورت ہے، چنانچہ ہمیں موجودہ فقہ کو تین مراحل میں تقسیم کرنا چاہئے:

۱۔ ثانویہ عامۃ یعنی درجہ اولی اور درجہ ثانیہ میں فقہ کے حوالے سے ہماری توجہ کا مرکز صرف اور صرف فقہی مسائل کا حفظ اور ضبط ہو، فی المذہب یا فی الشرع اختلاف کی طرف بالکل توجہ نہ رہے، جس طرح ''نورالایضاح'' میں مسائل بیان ہوتے ہیں، اس میں ہم فقہ کا پہلا حصہ عبادات اور عائلی زندگی رکھ لیں اور اولی کے طلبہ سے مسائل یاد کرائیں اور درجہ ثانیہ میں فقہ کے دوسرے حصے یعنی معاملات پر توجہ ہو، ان دونوں سالوں میں اگر طلبہ کو مسائل کا حفظ مدنظر ہو تو دو سالوں میں طلبہ حفظ وافر کے مالک بن جائیں گے، موجودہ کتابوں میں قدوری سے یہ کام لیا جاسکتا ہے۔

۲۔ تاثویہ یعنی درجہ ثالثہ اور اربعہ میں توجہات کا مرکز مجتہدین فی المذہب ہونے چاہئے ،تاکہ طلبہ میں فقہ حنفی کے باہمی اختلافات کا اندازہ ہوسکے،حضرت مولانا محمد علی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کی فقاہت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب آپ اکیلے ہوں اور صاحبین دوسری جانب ہوں، اس میں شیخین اور صاحبین اور طرفین پھر انفرادی طور پر رائے سامنے آئے ، دلائل کا جائزہ لینا چاہئے ، ظاہر ہے کہ اس درجہ میں امام زفرؒ کے نکتہ نظر کو سمجھنا ہوگا، یہ ضرورت ''کنز الدقائق'' سے پوری نہیں ہوتی، اس کے لئے شرح الوقایہ مکمل زیادہ مفید رہے گی، چنانچہ درجہ ثالثہ میں ''شرح الوقایہ اولین''اور درجہ رابعۃ میں ''شرح الوقایہ آخرین'' کی تدریس کر کے اندرون مذہب اختلافات سے آگاہی حاصل ہوسکتی ہے۔

۳۔ درجہ عالیہ فقہ کے لئے اہم مرحلہ ہے ، اگر طلبہ کی استعداد کی آب یاری پچھلے درجات میں ہوئی ہو تو اس مرحلہ میں پہنچ کر طلبہ میں تحقیق کا ورجستجو کا مادہ پیدا ہوگا، اس لئے خامسہ پہنچتے ہی کچھ وقت اصول مذاہب کو دینا چاہئے ، یعنی طلبہ کی اس سے آگاہی ضروری ہے کہ مذاہب اربعہ کے اصول کیا ہیں، وہ حدیث پر عمل کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں، یہ کوئی نیا مضمون نہیں ہے ؛ بلکہ ''اصول الشاشی''اور ''نور الأنوار'' پڑھے ہوئے قواعد وضوابط کا اعادہ ہے، تاہم انہیں یکجا کرنے کی ضرورت ہے، اس سے طلبہ کو دوسرے مذاہب کے بنیادی وسائل تک رسائی حاصل ہوگی ، اور پھر ان اصول کو سامنے رکھتے ہوئے درجہ خامسہ اور سادسہ اور درجہ سابعہ میں فقہ کی تدریس ہو، اواس کے لئے ہدایہ بہت موزوں کتاب ہے، چنانچہ یہاں آکر طلبہ کی استعداد بڑھ جاتی ہے، وہ مذہب کے جزئیات سے کافی حد تک آگاہی حاصل کر چکے ہوتے ہیں، اور ایسا ہی وہ مذہب میں اختلافات کی وجوہات جان چکے ہوتے ہیں، اس لئے اب وسعت کی طرف قدم رکھتے ہوئے دوسرے مذاہب سے مجادلانہ اور مخاصمانہ اندازِ بیان سے نہ الجھیں ؛ بلکہ تحقیق اندازِ

بیان اختیار کر کے مذاہب کے اصول اور ان پر جزئیات کی تفریع اور پھر فقہ حنفی کی ترجیحات کا سہارا لیں، ممکن ہے کہ اس طریقہ پر چلتے ہوئے دورہ حدیث تک پہنچنے سے پہلے معاشرتی مسائل کے لئے فقہی حل کی استعداد طالب علم میں پیدا ہو سکتی ہے، ہدایہ کا انداز تدریس ایسا ہونا چاہئے کہ ائمہ کے اختلاف کے صورت میں دوسرے ائمہ کے اصول وضوابط طالب آگاہی حاصل کرے اور پھر فقہ حنفی کی ترجیحی وجوہات پیش ہوں، اس سے طلب میں تحقیق اور فقہی ذوق بھی پیدا ہوگا، ممکن ہے کہ طریقہ تدریس کی تبدیلی سے فضلاء معاشرتی مسائل کے حل کے لئے قابل عمل صورتیں پیش کر سکیں۔

فقہ چونکہ عملی زندگی کا نام ہے: اس لئے اس کی تدریس میں صرف مسائل حفظ کروانا مقصود نہیں؛ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عملی مشاہدہ کے لئے طلبہ کو مارکیٹ میں بھیجنا پڑے گا؛ تا کہ طالب علم دکاندار کے طریقہ کا اور عرف سے آگاہی حاصل کرے، آج کل اقتصادیات تو دنیا میں معیار بنا ہوا ہم، اس لئے جدید مارکیٹ سے آگاہی بھی ضروی ہے۔(۱)

درسی کتب فقہ کی دو اقسام

کتب فقہ جو ہمارے یہاں پڑھائی جاتی ہیں، وہ دو قسم کی ہیں، ایک متون، جیسے قدوری، کنز، وقایہ، مختار، ان میں صورت اور حکم ہوتا ت ہے، دلیل نہیں ہوتی۔

دوسری قسم وہ کتابیں ہیں جن میں متن کے ساتھ شرح بھی پڑھائی جائے، ان میں دلیل بھی ہوتی ہے، جیسے شرح وقایہ اور ہدایہ، ان کے اندر تینوں اجزاء ہوتے ہیں، صورت بھی، حکم بھی، اور دلیل بھی، گویا ہمارے نصاب میں شامل دو کتابیں قدوری اور کنز تو صورت اور حکم سے بحث کرتی ہیں، دلیل شرح میں یا حاشیہ میں موجود ہوتی ہے، جو مدرس کو اس کا خلاصہ تیار کر کے بیان کرنا پڑتا ہے، اور شرح وقایہ اور ہدایہ دو ایسی کتابیں ہمارے اس برصغیر کے نصاب میں موجود ہیں جس کے اندر تیسرا جزء بھی ہوتا ہے۔صورت اور حکم کے ساتھ دلیل بھی۔

---

(۱) یادوں کے دریچے: ۳۵۸

اب وہ دلیل کسی صورت کا حکم ثابت کر رہی ہوتی ہے، وہ نقلی ہوگی یا عقلی، اگر وہ دلیل نقلی ہے تو اس میں اصول فقہ کا اجراء ہونا چاہیئے، اور اگر وہ دلیل عقلی ہے تو اس میں قواعد فقہ کا اجراء ہونا چاہیئے

دلائل کے اجراء کا طریقہ

دلیل نقلی کتاب اللہ سے ہے، تو مدرس کو بیان کرنا چاہیئے کہ اس آیت سے جو استدلال کیا گیا ہے، یہ عبارۃ النص یا دلالۃ النص یا اشارۃ النص۔

اور کتاب اللہ سے جو نص لی گئی ہے یہ ظاہر، نص، مفسر، محکم ہے یا مخفی، مجمل، مشکل، متشابہ، اگر دلیل نقلی سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو سنت کی کونسی قسم ہے؟ اسکو بیان کرنا چاہیئے۔

اگر اجماع ہے تو اس کو بیان کرنا چاہیئے کہ اجماع صریحی ہے، یا سکوتی، اجماع مفرد ہے یا مرکب؟

اور اگر دلیلِ عقلی ہے تو وہ بھی تین قسم سے خالی نہیں، اقترائی، استثنائی اور تمثیل، یہ تمثیل وہی قیاس ہے، تو دلائل نقلیہ تین قسم سے خالی نہیں ہوں گے، اصول فقہ کا جو مسئلہ یہاں سے متعلق ہے اس کو جاری کرنا چاہیئے، نہیں جاری کرتے تو ہلکی سی خوشبو تو سونگھانی چاہیئے طالب علم کو۔

اور جب دلیل عقلی آجائے گی تو اس کے اندر قاعدہ کلیہ فقہیہ کونسا موجود ہے؟ وہ مسئلہ بیان کرنے سے پہلے بیان کر دینا چاہیئے کہ یہ مسئلہ ایک اصول پر کھڑا ہے، مشہور قواعد تو بالکل مستحضر ہونے چاہیئے، مثلاً:

للأكثر حكم الكل

التابع لا يفرد بالحكم

إذا ثبت الشيء ثبت بلوازمه

جب ہم نے اسلام کو عالمگیر مذہب مانا ہے اور دائمی مذہب مانا ہے کہ ہر زمان

اورمکان میں نافذ ہےتو اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ دنیا میں کسی مکلف سے ایسا کوئی فعل صادر نہیں ہوسکتا جوان قواعد میں سے کسی قاعدے کے احاطہ میں آتا نہ ہو یہ ہمارے عقیدے کے خلاف ہے، یہ مسلمہ نظریہ کے خلاف ہوجائے گا،لیکن ہم ایسا کیوں نہیں کرسکتے؟ وہ یہ ہے کہ دلائل نقلی گذرے اورترجمہ پر اکتفاء کرلیا گیا۔(۱)

مختصرالقدوری

قدوری یہ فقہ حنفی کا سب سے مقبول متن ہے، یہ علامہ قدوری کا لکھا ہوا متن تھا،جس کو''مختصر القدوری'' کہا جاتا ہے،قدوری ڈھائی تین سوصفحات کی ایک مختصرسی کتاب ہے؛ لیکن اس میں فقہ حنفی کے تمام مسائل کوآسان ترین زبان میں جامعیت کے ساتھ بیان کردیا گیاہے،اس وقت تک فقہ حنفی میں جتنے اجتہادات ہوئے تھے،اور جتنے مسائل کوجمع کیا گیا تھا،ان میں بنیادی اوراہم مسائل کاانتخاب کرکےعلامہ قدوری نے اس کتاب میں جمع کردیا۔

یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور جب لکھی گئی ہےاس وقت سے لےکرآج تک دنیا بھرمیں ایک درسی کتاب کےطور پر پڑھائی جاتی ہے،کسی زمانے میں اس کوزبانی یادکرنے کا دستوربھی تھا، جب اس کتاب کو بچے زبانی یادکرلیا کرتے تھےتو پوری زندگی فقہ حنفی کی جڑان کے ہاتھ میں رہتی تھی،اب زبانی یادکرنے کارواج ختم ہوگیا؛لیکن پڑھنے کارواج بھی اب تک موجود ہے،قدوری کی بہت سی شرحیں لکھی گئیں،اردومیں بھی لکھی گئیں،فارسی،عربی اور دیگرزبانوں میں بھی لکھی گئیں،ہدایہ بھی اس متن کی شرح ہے۔(۲)

جس طرح''ہدایۃ النحو'' نحو کی بنیاد ہے،اسی طرح''مختصرالقدوری''فقہ حنفی کی بنیاد ہے، یہ ایک سلیس''آسان''مختصرمگرجامع کتاب ہےجس کی تدریس بڑے اہتمام سے ہونی ضروری ہےاوراس میں مندرجہ ذیل امورکومدنظر رکھنا چاہئے:

۱) عبارت ہرطالب علم سے باری باری پڑھوائی جائے اورطلبہ کو پابند کیا جائے کہ وہ

---

(۱) تحفۃ المدرسین: ۲۰۳

(۲) محاضرات فقہ: ۴۸۷،ڈاکٹرمحموداحمدغازی مکتبۃ الحق،ماڈرن جوگیشوری،ممبئ

مطالعہ کر کے آئیں، عبارت کی کسی ادنی غلطی یہاں تک کہ تلفظ سے بھی چشم پوشی نہ کی جائے اور عبارت کی درستی کو درس کا ایک اہم حصہ قرار دے کر اس پر وقت صرف ہونے کی پرواہ نہ کی جائے۔

۲) کتاب میں جو مسئلہ بیان ہوا ہے صرف اسی کو سمجھانے اور ذہن نشین کرانے پر زور دیا جائے خارجی مباحث نہ چھیڑے جائیں؛ البتہ اگر اسی مسئلہ کو سمجھانے کے لئے کچھ تفصیل کی ضرورت ہو یا مفتی بہ قول بیان کرنا ہو تو الگ بات ہے۔

۳) مسئلے کے دلائل بیان کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ جہاں مسئلے کا سمجھنا دلیل پر موقوف ہو یا دو مسئلوں میں وجہ فرق بیان کرنا ضروری ہو وہاں صرف دلائل ذکر کئے جائیں۔

۴) استاذ ''قدوری'' کی شروح میں ''جوہرہ'' اور ''لباب'' کو بطور خاص مطالعہ میں رکھے، اور ضرورت کے وقت ''ہدایہ'' اور اس کی شروح سے بھی مدد لے، لیکن طالب علم کو صرف اتنی بات بتائے جو اس کی ذہنی سطح کے مطابق ہو۔

۵) شروحات کے علاوہ استاذ کو چاہئے کہ وہ ''بہشتی زیور'' اور ''امداد الفتاوی'' بھی اپنے مطالعہ میں رکھے اور ہر سبق میں یہ دیکھ لیا کرے کہ کتاب کا کوئی مسئلہ مفتی بہ قول کے خلاف تو نہیں ہے، اگر خلاف ہو تو مفتی بہ قول بھی بیان کرے۔

۶) تمام فقہی اصطلاحات اور ان کا مفہوم و مصداق طالب علم کو زبانی یاد کرایا جائے، اسی طرح ہر باب سے متعلق بنیادی مسائل اور کثیر الوقوع جزئیات بھی زبانی یاد ہونے چاہئے، البتہ تفصیلات اور تفریعات وغیرہ میں اس بات پر اکتفاء کیا جاسکتا ہے کہ طالب علم کتاب میں دیکھ کر ان کا مطلب بتا سکے۔

۷) نماز کے سنن و آداب نہ صرف طالب علم کو زبانی یاد کرائے جائیں؛ بلکہ ان کی عملی مشق کرائی جائے اور طلبہ کو ان کی عملی غلطیوں اور کوتاہیوں پر متنبہ کیا جائے اور خارج درس بھی اس طرز عمل کی نگرانی کی جائے۔

۸) طالب علم کے ذہن میں شروع ہی سے یہ بات پیدا کی جائے کہ وہ جو کچھ پڑھ رہا ہے وہ محض ایک نظریاتی علم یا فن نہیں ہے؛ بلکہ اس کا مقصد اس کے عمل کی اصلاح ہے۔(۱)

شرح وقایہ

''وقایہ'' فقہ حنفی کا ایک مقبول متن جو دراصل ہدایہ کی جامع تلخیص ہے، یہ تلخیص ایک فقیہ تاج الشریعۃ محمد بن صدر الشریعۃ نے تیار کی جو علامہ مرغینانی سے کم وبیش سو ڈیڑھ سو سال بعد آئے، اس تلخیص کا نام ''وقایہ'' رکھا، وقایہ ایک متن قرار پایا اور قدوری کے بعد فقہ حنفی کا دوسرا مقبول ترین متن قرار دیا گیا، یہ دراصل ہدایہ کی تلخیص ہے، یعنی اس میں قدوری اور جامع صغیر کے بنیادی مسائل بھی آگئے اور چند وہ مسائل جن کا اضافہ علامہ مرغینانی نے کیا تھا وہ بھی آگئے، تفصیلات کو نکالتے ہوئے جو اہم اور بنیادی مسائل اور قواعد تھے وہ سب انہوں نے اس نئے متن میں سمو دیئے، یہ متن بھی اس وقت درسی کتاب کے طور پر پڑھایا جاتا ہے، جب یہ متن مقبول ہو گیا تو اسی مصنف کے نواسے صدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود نے اس کی شرح لکھی جو ''شرح وقایہ'' کے نام سے مشہور ہوئی، ''شرح وقایہ'' بھی آج تک ایک درسی کتاب کے طور پر پڑھائی جاتی ہے، اگرچہ ''شرح وقایہ'' کا وہ درجہ نہیں جو ''ہدایہ'' کا ہے، لیکن یہ ایک مقبول کتاب ہے، اور آج تک پڑھائی جاتی ہے۔(۲)

اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ فقہ کے سادہ مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد طالب علم فقہاء کرام کے اختلافات اور دلائل سے تعارف حاصل کرے، چنانچہ اس کتاب میں جو مباحث بیان ہوئے ہیں، ان کی اس طرح تشریح کی جائے کہ طالب علم ان دلائل ومباحث کو نہ صرف سمجھ سکے؛ بلکہ ان مباحث میں قوت مطالعہ اس کے اندر پیدا ہو سکے۔

اس کے لئے مناسب ہے کہ استاذ وقتاً فوقتاً طلبہ سے پڑھے ہوئے سبقوں کے بارے میں سوالات کرتا رہے، یہ سوالات نفس مسائل کے علاوہ اختلافات اور دلائل کے

---

(۱) درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں: ۱۶، ۱۸

(۲) محاضرات فقہ: ۴۹۰، ڈاکٹر محمود احمد غازی مکتبہ الحق، ماڈرن جوگیشوری، ممبئ

بارے میں بھی ہونے چاہئے۔

طلبہ کی عبارت کی تصحیح اور نحوی وصرفی قواعد کے اجراء کا سلسلہ یہاں بھی جاری رہنا چاہئے۔

کنز الدقائق

قدوری اور وقایہ کے بعد یہ تیسرا مقبول ترین متن اور فقہ اسلامی کے ذخیرے کا شاید سب سے منفرد متن ''کنز الدقائق'' کہلاتا ہے، اس کو ایک مشہور فقیہ، مفسر قرآن اور متکلم علامہ حافظ الدین نسفی نے ساتویں صدی ہجری کے اواخر میں لکھا تھا، ان کی ایک تفسیر ''مدارک التنزیل'' کے نام سے ہے، اصول الفقہ پر بھی انہوں نے کام کیا ہے، کنز الدقائق کے نام سے انہوں نے جو متن تیار کیا ہے، وہ تمام متون سے زیادہ مختصر اور جامع ہے، اتنا مختصر اور جامع کہ اسلامی ادبیات میں نہ اس اختصار کی مثال ملتی ہے اور نہ اس کی جامعیت کی، بعض مقامات پر اپنے اختصار کی وجہ سے ایک چیستاں اور معمہ معلوم ہوتا ہے، اس کی مثالیں بہت مشہور ہیں۔(۱)

مختصر القدوری کے بعد کنز الدقائق کی فقہ میں وہی حیثیت ہے جو نحو میں ہدایۃ النحو کے بعد کافیہ کی، قدوری کے مبادی کا تعارف حاصل ہوتا ہے، لیکن کنز میں فقہی معلومات کا بہت بڑا ذخیرہ نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ دریا بکوزہ کے مصداق جمع ہے، لہٰذا استاذ کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ یہ ذخیرہ طالب علم کے اس طرح ذہن نشین کرادے کہ کتاب سے استفادہ کی صلاحیت طالب علم میں پیدا ہوجائے، ہر باب کے بنیادی مسائل اور اصطلاحات اسے اچھی طرح یاد ہوجائیں اور باقی تفصیلات وہ کتاب کی مدد سے سمجھ سکے۔

کتاب کے حل کے لئے استاذ کو ''عینی'' شرح کنز'' اور ''کشف الحقائق'' کو سامنے رکھنا چاہئے اور فقہی تفصیلات جاننے کے لئے ''زیلعی'' اور بوقت ضرورت ''البحر الرائق'' کی مراجعت کی جائے۔

(۱) محاضرات فقہ: ۴۹۰، ڈاکٹر محمود احمد غازی مکتبۃ الحق، ماڈرن جوگیشوری، ممبئی

اس کتاب میں بھی دلائل طلبہ کے سامنے بیان کرنے کی حاجت نہیں، البتہ جہاں مسئلے کی صحیح فہم دلیل پر موقوف ہو وہاں دلیل ضرور بیان کی جائے یا جہاں ایک جیسے مسئلوں کا حکم مختلف ہو وہاں وجہ فرق ضرور واضح کیا جائے۔

ہدایہ

اس کتاب کو اگر درس نظامی اور علوم دینیہ کی بنیاد کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، لہٰذا استاذ کو اسی اہمیت کے ساتھ اسے پڑھانا چاہئے، کتاب کا مقصد یہ ہے کہ طالب علم کو مسائل کے ساتھ ان کے نقلی اور عقلی دلائل اور فقہاء کے مدارکِ استنباط سے واقفیت ہو۔

قدوری لکھے جانے کے کچھ عرصہ بعد ایک مشہور فقیہ علامہ برہان الدین مرغینانی نے محسوس کیا کہ علامہ قدوری کی مختصر اور امام محمد کی جامع صغیر میں بعض ایسے مسائل ہیں جو ایک دوسرے کے یہاں موجود ہیں، انہوں نے ان دونوں قسم کے مسائل کو ایک جگہ جمع کرنا چاہا، انہوں نے قدوری اور جامع صغیر کا تقابلی جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ بعض جگہ تکرار ہے، اور بعض جگہ منفرد مسائل ہیں جو کسی سے ملتے جلتے نہیں، ان کو ایک جگہ جمع کیا اور ایک نیا ٹیکسٹ تیار کرکے اس کا نام ''بدایۃ المبتدی'' رکھا۔

پھر انہوں نے ''بدایۃ المبتدی'' کی ایک شرح لکھی جو چالیس یا پچاس یا ستر جلدوں پر مشتمل تھی، اس کا نام انہوں نے ''کفایۃ المنتہی'' رکھا، پھر انہوں نے اس کا ایک خلاصہ تیار کیا جو ''ہدایہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔

ہدایہ فقہ حنفی کی انتہائی مستند کتابوں میں سے ایک ہے، اس کا استدلال بڑا عقلی، اس کا انداز انتہائی علمی، اس کا اسلوب انتہائی سائنٹفک اور مختصر ہے، اس میں ایک لفظ بھی زائد نہیں ہے، ہدایہ کے جلیل القدر مصنف اپنی بات کو اتنے سلیقے سے کہتے ہیں کہ پڑھنے والا ایک مرتبہ ان کے اسلوب سے واقف ہوجائے تو وہ بڑی آسانی سے کتاب سے استفادہ کرسکتا ہے، اس لئے کہ وہ امام ابوحنیفہ کے لئے ''ولہ'' اور صاحبین کے لئے ''ولہما'' اور جہاں سب کا اتفاق ہے وہاں ''عندنا'' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، اس طرح کی کچھ علامتیں

بنا کر انھوں نے اور زیادہ اختصار سے کام لیا ہے، اگر کوئی شخص اس کتاب کو پڑھ لے اور اس کے دلائل اور استدلال سے گہرائی کے ساتھ واقف ہو جائے تو نہ صرف بہت اچھا فقیہ بن جاتا ہے؛ نہ صرف فقہاء کے اسلوب استدلال اور طرز اجتہاد پر اس کو گرفت حاصل ہو جاتی ہے؛ بلکہ فقہ حنفی کی کنجی اس کے ہاتھ لگ جاتی ہے۔(۱)

اس کتاب کی تدریس میں مندرجہ ذیل امور کا اہتمام لازم ہے:

۱) عبارت کی تصحیح لازمی ہے۔

۲) مسئلے کی صورت کا واضح بیان جو خارجی مثالوں سے مصور کر کے ہو تو بہتر ہے ارو مسئلے کے حکم کی تفصیل مع اختلاف فقہا۔

۳) مسئلے کے دلائل کی توضیح اور مخالف قہاء کی دلائل کا جواب۔

۴) مذکورہ دونوں امور پہلے کتاب سے ہٹ کر طلباء کو سمجھا دئے جائیں، پھر کتاب سے کر کے اس بحث کی پوری مطابقت کر لی جائے۔

۵) دلائل کے بیان کے وقت جس قدر ممکن ہو اصولِ فقہ کے قواعد اجراء کرایا جائے۔

۶) حلِ کتاب کے لئے ''عنایہ'' اور ''کفایہ'' کو نبیاد بنایا جائے اور دلائل کی تفصیل کے لئے فتح القدیر اور عینی کی ''بنایہ'' سے مدد لی جائے۔

۷) اس بات کا اطمینان کیا جائے کہ طالب علم کو باب سے اہم او ربنیادی دلائل کی تفصیل کے لئے فتح القدیر اور عینی کی ''بنایہ'' سے مدد لی جائے۔

۸) کبھی کبھی طلبہ کا اطمینان کیا جائے کہ طالب علم کو باب سے متعلق اہم اور بنیادی مسائل یاد ہیں اور وقتاً فوقتاً ان کا امتحان لیا جاتا رہے۔

(۹) اس بات کی بطور خاص نگرانی کی جائے کہ ''ہدایہ'' جیسی کتاب کے مطالعے اور اس کو سمجھنے کی صلاحیت طالب علم میں پیدا ہو رہی ہے یا نہیں۔(۲)

---

(۱) محاضرات فقہ: ۴۸۸، ڈاکٹر محمود احمد غازی مکتبہ الحق، ماڈرن جوگیشوری، ممبئی

(۲) درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھے اور پڑھائیں؟

ہدایہ کے متعلق حضرت باندوی فرماتے ہیں:

حضرت اس قسم کی باتیں اس لئے فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ان علوم کے امام تھے اوران سے خاص شغل وشغف رہا تھا؛ اسی لئے ان کی اہمیت سے خوب واقف تھے اور اس انداز ومزاج کی کتابوں کواہمیت دیتے تھے،اوراسی انداز میں ان کو پڑھاتے اور سمجھاتے تھے۔

چنانچہ ہدایہ جس کے عقلی دلائل کی زمین کچھ اسی انداز کی ہے حضرت اس کواسی سطح ونہج میں سمجھاتے تھے،، اسی وجہ سے ذہین طلباء اس کے مسائل ودلائل کو بہت آسانی سے سمجھ لیتے تھے،اس کا ذہین طلباء نے برملا اور بار بار اظہار کیا حضرت نے ایک موقع پر ہدایہ کی بابت فرمایا:

> ''صاحب ہدایہ کا کمال یہ ہے کہ قیاس کے اندر کبھی صغری وکبری اور نتیجہ تینوں کو ذکر کرتے ہیں،کبھی صرف نتیجہ کو ذکر کرتے ہیں،اور کبھی صغری ہے تو کبری نہیں اور کبری ہے تو صغری نہیں،کوئی غور کر کے ان پہلوؤں کو سمجھ لے تو کتاب بالکل حل ہوجائے گی'' (۱)

ہدایہ کی تعلیم

یہاں ہدایہ پڑھانے کے لئے ایک اچھا مدرس درکار ہے، جو بہت بڑا فقیہ بھی ہواور جب ہدایہ وہ پڑھائے تو آج کل کے معاشی مسائل سے اس کو ریلیٹڈ بھی کر سکے، جہاں مضاربہ کی بحث ہو وہاں بینکاری سے بھی وہ واقف ہو، بینکاری میں جس طرح سے مضاربہ سے کام لیا جاتا ہے یا لیا جاسکتا ہے، یا لیا جانا چاہئے اس سے واقف ہو،تا کہ وہ طلباء کو اس کے لئے تیار کر سکے۔(۲)

اس سلسلے میں ''مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب مدظلہ العالی'' کی کتاب ''ہدایہ کیسے پڑھائیں'' زیر مطالعہ رہے اوراس کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو اس کتاب کی حقیقت اوراس کتاب کی شمولیت نصاب وغیرہ کی وجوہات اور بہت سارے اصول اور بنیادی چیزوں کی رہنمائی مصنف نے کی ہے، یہ کتاب نہایت مفید اور ہدایہ پڑھانے والوں کے لئے نہایت رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔

---

(۱) مآثر حضرت باندویؒ:۹۶۔۹۷ (۲) محاضرات تعلیم:۱۴۲

ضروری ہدایات

- فقہی اصطلاحات کو اچھی طرح سمجھایا جائے۔
- روزمرہ کے مسائل طلبہ کو زبانی یاد ہوجائیں اور وہ صحیح طور پر عمل میں آجائیں۔ اس کی پوری کوشش کی جائے جس کے لئے عملی مشق بھی ہو؛ طالب علم فقہ کو صرف نظریاتی طور پر نہ پڑھے؛ بلکہ عملی طور پر وہ مقصود ہے، یہ سمجھ کر عملی جامہ پہناوے: "قال الإمام المالک من تفقه ولم یتصوّف فقد تفسّق" (۱) قرآن وحدیث سے مسائل کو سمجھ سکنا، اوران سے مربوط ہونا؛ تاکہ شرعی لچک وحکمت سے وہ نا آشنا نہ رہیں، عصر حاضر کے مسائل اور جزئیات کو کلیات سے انطباق کی سمجھ، مثلاً فقہ کا مسئلہ ہے، الاغماء فی مثل النوم، توصرف الفاظ کا ترجمہ یا سرسری تشریح کر کے گذر نہ جائیں، موجودہ مسائل پر طلبہ کی توجہ مبذول کرائیں کہ آج کل ایکسیڈنٹ وغیرہ میں کسی کو سر کی چوٹ سے بے ہوشی کے مثل بیماری، جس کو "کوما" کہتے ہیں، لاحق ہوتی ہے، جس سے افاقے کی امید کم ہوتی ہے اور وہ بہت ممتد ہوتی ہے قوی احتمال ہے کہ مفتیانِ کرام اسے اغماء میں شامل فرماتے ہوں گے اس طرح مکروہات استنجاء میں (Tissue paper) باریک کاغذ سے استنجاء کا مسئلہ کیا ہے؟ وہ بتانا، اسی طرح آج اشاعت دین کے ذرائع عام ہوچکے تو اب دارالحرب میں کوئی اسلام لائے ؛لیکن شرعی احکام سے ناواقف رہے تو یہ عذر میں شامل ہے یا نہیں وغیرہ "**فمن لم یوسَع معارفَه لم تجدّدت معارفُه بل تساقطتْ جزئیاته عن الذهن**"۔

۱۔ فقہ کی کتابوں مثلاً نور الایضاح قدوری وغیرہ میں بھی ۲۰ اور ۳۰ صفحات کی اولا صرف عبارت ٹھیک کرالی جائے جیسے اوپر فن ادب میں مذکور ہوا، اس سے۔ایک فائدہ یہ ہوگا کہ طالب علم پڑھنے پر توجہ دے گا اور اس پر جمے گا کیوں کہ صرف عبارت سے بوجھ نہیں بڑھے گا اور جب عبارت ٹھیک ہوگئی تو پھر ترجمہ اور مطلب کے لئے آمادہ ہوگا۔

---

(۱) مرقات:۲۵۶

۲۔ دوسرا فائدہ: یہ کہ چونکہ طالب علم مطالعہ نہیں کرتا تو عبارت کی تیاری کرنے سے کلام کے سیاق وسباق سے کچھ آشنا ہوجائے گا، تو پھر وقت پر سمجھانے میں بڑی مدد اس لئے ملے گی کہ اس کا ذہن سیاق وسباق کی طرف سبقت کرجائے گا، کیوں کہ فقہ میں مبتداء وخبر اور معطوف ومعطوف علیہ، فعل فاعل مفعول وغیرہ جدا جدا گوشے میں بکھرے ہوئے ہوتے ہیں، نحو کی طرح متواصل نہیں ہوتے۔

عبارت پڑھنے کے لئے چند طلبہ ایسے منتخب کئے جائیں جو کچھ اغلاط کے ساتھ پڑھ سکیں اور ان کی اصلاح کی جاسکے، لیکن وہ نقی اللسان اور رفیع الصوت ہوں، طالب علم درس کے ہر مسئلہ کی عبارت جدا جدا کر کے پڑھے، اس پر توجہ دی جائے، پھر استاذ بھی عبارت پڑھ کر سلیس ترجمہ کرے، مشکل اور جدید لفظ کا ترجمہ پہلے سے انفرادی بتادیا جائے، پھر آسان انداز میں اولا مسئلہ کو سمجھادے، اور دوبارہ خلاصہ کے انداز میں بتادے، پھر دو مسئلوں کے فرق کے لئے خاص جملہ ''مستعمل'' ہوا سے علاحدہ توجہ سے سمجھائیں (لکل شیء شأن) جیسے استنجاء بالأحجار کے طریقے میں قدام اولی خلف یا برعکس کا مدار خصیہ کے مدلاۃ اور غیر مدلاۃ پر ہے، اسی طرح کنویں کے پانی کے مکمل ناپاک ہونے کا مدار بئر صغیر ہونے پر ہے؛ ورنہ مکمل ناپاک نہ ہوگا، تو بئر صغیر وغیر صغیر کے فرق سے مسئلہ کا فرق سمجھانا۔

ان درجات کی تمام کتابوں میں بیک وقت دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔

نفس ذکر کردہ مسئلہ کا سمجھانا۔

طلبہ میں حل عبارت کا ملکہ پیدا کرنا۔

اگر مفہوم پورا بتادیا گیا حتی کہ طلبہ نے اسے سمجھ بھی لیا لیکن وہ کتابی عبارت سے اسے منطبق کرنا نہیں جانتے تو یہ ان کی دوسرے مقصد میں ناکامی کہی جائے گی۔ (ومثلهما كالجناحين للطير)

نوٹ: ابتداء میں تمام فنون کی تمام کتابوں میں طلبہ کو آسانی کا تصور دلایا جائے؛ کیوں کہ نفسیات کا اثر بہت بڑا ہوتا ہے، جب طالب علم آسان سمجھے گا تو مشکل بوجھ بھی اٹھا

لے گا، جس کے لئے بقرعید تک دو دو مرتبہ ترجمہ کیا جائے اور مطالب ومفاہیم کا بھی خلاصہ کے انداز میں تکرار کیا جائے؛ اور سمجھانے کے دوران استاذ: پوچھتا رہے'' تسلسل کے ساتھ'' بولتا گذر نہ جائے کیوں کہ سوالات سے انتباہ باقی رہتا ہے، انہیں درس کا جزء لاینفک قرار دیا جائے، اور ترجمہ، عبارت اور مطلب پر غلطی نہ کرنے میں فوری اصلاح نہ کی جائے اسے سوچنے کی مہلت دی جائے اور اولا ''دوسرے طالب علم سے'' اصلاح کرائی جائے۔(۱)

جدید معاشیات وسیاسیات

نصاب سے متعلق ہماری آخری گذارش جدید معاشیات اور دنیا میں رائج مختلف نظامہائے سیاست سے نظریاتی واقفیت کی بارے میں ہے، جدید معیشت وتجارت سے مروجہ نصاب بالکل خاموش ہے، خرید وفروخت کے جو مسائل ''مختصر القدوری'' میں پڑھتے ہیں، سات سال بعد وہی مسائل، بیوع کی وہی صورتیں حدیث کی کتابوں میں پڑھائی جاتی ہیں، اور پڑھنے والے کو سرے سے علم نہیں ہوتا کہ معیشت کی نئی منڈی میں خرید وفروخت کی ان سیدھی سادی صورتوں میں بہت کم گذر ہے، جدید تجارت ومعیشت نے نت نئے مسائل اور صورتیں پیدا کی ہیں، ان سے واقفیت اور شرعی نقطہ نظر سے ان کا حکم معلوم ہونا ایک عالم دین کے لئے انتہائی ضروری اور اس کے منصب کی اہم ذمہ داری ہے، عربی میں جدید معاشیات پر کافی کام ہوا ہے، جن میں مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی ''فقہ البیوع'' اور اردو میں مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ کی کتاب' اسلام اور جدید تجارت ومعیشت'' درس میں پڑھانے اور نصاب میں داخل کرنے کی کتاب ہے، اس طرح دنیا میں رائج سیاسی نظاموں سے نظریاتی واقیت بھی ضروری ہے، ایسی کتاب داخل نصاب ہونی چاہئے جس میں اسلام کے سیاسی نظام اور اس کے اصول ومبادی کے ساتھ ساتھ مروجہ مختلف نظامہائے سیاست کے متعلق بھی معلومات ہوں۔(۲)

---

(۱) فن تدریس کے اصول: ۱/ ۱۶۵، ۱۶۸، مترجم: عبدالحفیظ صاحب

(۲) دینی مدارس اہمیت وضرورت: ۱۰۹، ابن الحسن عباسی، مکتبہ طیبہ دیوبند

فن اصول فقہ

علوم اسلامی میں ''اصول فقہ'' کی تدریس کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے؛ کیوں کہ اس فن کا تعلق صرف فقہ ہی سے نہیں ؛ بلکہ کتاب اللہ سے بھی ہے، حدیث سے بھی ہے اور ایک گونہ عقیدہ وکلام سے بھی؛ اس لئے ہندوستان کے مدارس میں اس موضوع کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے اور اصول فقہ کی متعدد کتابیں داخل درس کی گئی ہیں۔

تاہم ہندوستان کے مدارس اسلامیہ میں اصول فقہ کی تدریس کے مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے بہ طور تمہید کے دو نکات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

۱) اور ان مضامین کی جو اس فن میں زیر بحث آتے ہیں۔

۲) دوسرے ان مناہج کی جو مصنفین نے اس فن کی ترتیب وتوضیح میں اختیار کئے ہیں۔

تصنیف اصول کے مناہج

اصول فقہ میں جو مباحث آئے ہیں ان کو چند حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱) ''أدلة الأحكام''۔۔۔۔۔ یہ اصول فقہ کی سب سے اہم بحث ہے، جسے ''ادلہ شرعیہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس میں چار ادلہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع اور قیاس متفق علیہ ہیں، آٹھ کے بارے میں معتبر ہونے یا نہ ہونے میں فی الجملہ اختلاف پایا جاتا ہے، وہ یہ ہیں: ''قول صحابی، شرائع ما قبل، استحسان، مصالح مرسلہ، سد ذرائع، استصحاب، عرف وعادت تعامل اہل مدینہ''

چونکہ یہی مصادر تمام احکام شرعیہ کے لئے مآخذ ہیں؛ اس لئے اصول فقہ میں اس

باب کو جو اہمیت حاصل ہے وہ ظاہر ہے۔

۲) **مقاصد ومدارج احکام** مقاصد سے مراد احکام شرعیہ کے عمومی مقاصد خمسہ: حفظ دین، حفظ نفس، حفظ نسل، حفظ مال اور حفظ عقل ہیں اور مدارج سے مراد اہمیت کے اعتبار سے احکام کے مدارج یعنی ضرورت وحاجت اور تحسین ہے، جسے بعض اہل علم نے، تین کے بجائے پانچ اور بعض نے ہر درجہ کے ساتھ ایک مکمل کا اضافہ کر کے چھ درجات مقرر کئے ہیں، اصول فقہ کا یہ حصہ نہایت اہم ہے اور مجتہد کے لئے اجتہاد اور استنباط کے حدود اربعہ کو متعین کرتا ہے؛ لیکن کم ہی مصنفین نے اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔

۳) **''دلالت کلام''** دین کا اصل ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے، اور اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ امانت عربی زبان میں محفوظ ہے، اس لئے جو شخص احکام شرعیہ کا استنباط کرنا چاہتا ہو، اس کے لئے عربی زبان اور اس کے اسالیب تعبیر سے واقف ہونا ضروری ہے، مثلاً یہ کہ امر کی دلالت وجوب پر ہوتی ہے، یا استحباب واباحت پر؟ نہی کا صیغہ کب تحریم کے لئے آتا ہے اور کب بطور ارشاد کے وارد ہوتا ہے؟ عام اور مطلق کی دلالت اپنے افراد پر قطعی ہوتی ہے، یا وہ بیان کا محتاج ہوتا ہے؟ ''و'' صرف جمع کے لئے ہے یا جمع وترتیب دونوں کے لئے ہے؟ ''ب، ف، ثم، الی، حتی اور من'' یہ کلمات کب کن معنوں میں استعمال ہوتے ہیں؟ وغیرہ ان تمام مباحث کا تعلق اصل عربی زبان کے قواعد سے ہے؛ لیکن چوں کہ کتاب وسنت کی زبان بھی عربی ہی ہے؛ اس لئے یہ موضوعات اصولِ فقہ کا بھی اہم حصہ ہیں، بلکہ علامہ بزدویؒ اور سرخسیؒ کی ترتیب میں کتاب کا ابتدائی بڑا حصہ اسی بحث پر مشتمل ہے۔

منہجِ تالیف

اصول فقہ کے موضوع پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، وہ طریقۂ تالیف اور ترتیب کے

لحاظ سے تین طرح کی ہیں: ایک: طریق الشافعیہ، جس کو ''طریق المتکلمین'' بھی کہتے ہیں، دوسرے ''طریق الحنفیۃ'' جس کو ''طریق الفقہاء'' بھی کہتے ہیں، اور تیسرے ''جامع بین الطریقین''۔

متکلمین، مالکیہ اور شوافع کے یہاں اصولی مسائل کی توضیح کا اسلوب یہ ہے کہ وہ نفس قواعد کو ذکر کرتے ہیں، اس کے علاوہ حدود و قیود بیان کرتے ہیں، اور اسی پر دلائل قائم کرتے ہیں، فروع وجزئیات پر اس کی تطبیق کا التزام نہیں کرتے، امام غزالیؒ (م: ۵۰۵) کی ''المستصفی'' علامہ آمدیؒ (م: ۶۳۱ھ) کی ''الاحکام'' اور قاضی بیضاویؒ (م: ۶۸۵ھ) کی ''المنہاج'' اس سلسلہ کی اہم کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔

فقہاء حنفیہ کا طریق یہ ہے کہ وہ اپنے ائمہ کے مجتہدات کو سامنے رکھ کر اصول وقواعد وضع کرتے ہیں اور ان قواعد کو ذکر کرتے ہوئے ان کی تفریعات کو نقل کرتے ہیں، اور اصول وفروع کے ارتباط پر زیادہ توجہ دیتے ہیں، اس لئے شوافع کے یہاں اصول اور انکے دلائل پر زیادہ زور ہوتا ہے اور احناف کے یہاں اصول وفروع سے ان کے ارتباط پر، اس طریقہ پر لکھی جانے والی کتابوں میں قاضی ابوزید دبوسیؒ (م: ۴۳۰ھ) کی ''تقویم الأدلۃ'' فخر الاسلام بزدویؒ (م: ۴۴۲ھ) کی ''اصول''، شمس الائمہ ابوبکر سرخسی (م: ۴۹۰ھ) کی ''اصول'' اور بعد کے علماء میں علامہ حافظ الدین نسفی (م: ۷۱۰ھ) کی ''کتاب المنار'' بنیادی کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔

بعد کو کچھ اہل علم نے ان دونوں طریق کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے اور اس حیثیت سے علامہ مظفر الدین بغدادی حنفی المعروف بان ساعاتی (م: ۶۹۴ھ) کی ''بدیع النظام'' جو آمدی کی ''الاحکام'' اور فخر الاسلام بزدوی کی ''اصول'' کو جامع ہے، صدر الشریعۃ کی ''التوضیح'' علامہ ابن ہمام کی ''التحریر'' اور علامہ تاج الدین سبکی کی ''جمع الجوامع'' اور ان کتابوں کی شروح اہم سمجھی جاتی ہیں اور اسی سلسلہ کی ایک کڑی ملا محب اللہ بن عبدالشکور (م: ۱۱۱۹ھ) کی ''مسلم الثبوت'' ہے۔

ہندوستان کے دینی مدارس میں داخل نصاب اصول فقہ کی کتابوں پر ایک نظر:

اس تمہید کی روشنی میں ہندوستان میں داخل درس اصولِ فقہ کے مضمون، پر دو جہتوں سے غور کرنے کی ضرورت ہے، اول ان کتابوں پر جو داخل نصاب ہیں، دوسرے اس مضمون کے طریقہ تعلیم پر۔

جہاں تک کتابوں کی بات ہے تو عام طور پر تین کتابیں اصول فقہ میں پڑھائی جاتی ہیں: اصول الشاشی، نور الأنوار اور حسامی۔

اصول الشاشی

اصحابِ تحقیق کی رائے ہے کہ یہ اسحاق بن ابراہیم شاشی سمرقندی (متوفی: ۳۲۵ھ) کی تالیف ہے، یہ کتاب بڑی تقطیع سے ۱۰۷ صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب میں بڑا حصہ دلالت کلام سے متعلق مباحث پر مشتمل ہے، جو ابتدائی کتاب سے صفحہ نمبر ٦٧ تک پر محیط ہے، حاکم اور مقاصد احکام کے مباحث سے اس کتاب میں تعرض نہیں کیا گیا ہے، ادلہ شرعیہ میں کتاب وسنت اور اجماع وقیاس کی بحثیں ہیں، اس طرح یہ کتاب اصول فقہ کے تمام مباحث کو جامع نہیں ہے اور طلبہ کو مضمون سے مانوس کرنے کے لئے پڑھائی جاتی ہے، ایک دشواری یہ بھی ہے کہ اس کتاب کی ابتدائی بحثیں طلبہ کے لئے نسبتاً دشوار ہوتی ہیں۔(۱)

اس حوالہ سے مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

یہ اصول فقہ کی پہلی کتاب ہے؛ لیکن بعض دقیق مباحث پر مشتمل ہے، نیز اس میں قواعد ومسائل سے زیادہ تفریعات پر زور دیا گیا ہے، اس لئے مناسب یہ ہے کہ اس کتاب کو شروع کرانے سے پہلے ''اصول فقہ'' کی بنیادی اصطلاحات پر مشتمل کوئی چھوٹا رسالہ پڑھا دیا جائے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو ہر سبق کے شروع میں متعلقہ اصطلاح یا قاعدے کی تشریح اہتمام سے کرائی جائے، کتاب میں جو تفریعات بیان کی گئی ہیں قاعدے پر ان کا انطباق بعض اوقات بہت دقیق ہوتا ہے اور بعض اوقات پر تکلف بھی؛ لہٰذا شروع میں اس قاعدے کو آسان اور بے تکلف مثالوں پر منطبق کر کے سمجھایا جائے اور طالب علم سے مختلف سوالات

(۱) دینی وعصری درسگاہیں، تعلیمی مسائل: ۱۰۵-۱۰٦-۱۰۷، ۱۰۸-۱۰۹، بعنوان دینی مدارس میں اصول فقہ کی تعلیم

کے ذریعہ انطباق کرایا جائے، اس کے بعد کتاب کی دقیق تفریعات شروع کی جائیں۔

کتاب کی بعض تفریعات ایسی بھی ہیں کہ وہ حقیقۃً قواعد پر منطبق نہیں ہوتیں، اور انطباق کے لئے بہت تعسف سے کام لینا پڑتا ہے، ایسے مقامات پر پرتکلف تاویلات کرنے کے بجائے حقیقت حال طالب علم کو بتادینے میں کوئی حرج نہیں ہے ورنہ وہ نفس قاعدہ کے بارے میں ذہنی الجھن کا شکار رہے گا۔

''اصول الشاشی'' کی تدریس کے دوران اس کی شرح ''فصول الحواشی'' کے علاوہ ''نورالانوار'' بھی مطالعے میں رکھنی چاہئے۔(۱)

نورالانوار

یہ ایک ہندوستانی عالم ملا جیونؒ کی تالیف ہے، علامہ نسفیؒ کی ''منار'' پر مبسوط اور مفصل شرح ہے، اور ہندوستانی مطبوعہ بڑی تقطیع سے ۳۱۸ صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب میں حاکم اور احکام شریعت کے مقاصد ومدارج کا ذکر نہیں؛ البتہ قیاس اور استحسان کے مباحث بالتفصیل مذکور ہیں؛ لیکن کتاب کا ابتدائی نصف حصہ اور زیادہ تر اسی کا درس ہوتا ہے) ''دلالت کلام'' کی بحثوں اور اس پر تفریعات سے متعلق ہیں، مختلف فیہ ادلہ شرعیہ ''قول صحابی، شرائع ما قبل، استصحاب، عرف، تعامل اہل مدینہ، سد ذرائع وغیرہ'' پر بحث مستقلا نہیں کی گئی ہے، اس کے ساتھ ساتھ شارح نے متن کی عبارت کو حل کرنے اور اس سلسلہ میں لفظی موشگافیوں، نیز دخل اور دفعِ دخل میں اتنی زیادہ کاوش کی ہے جو مصنف کے گہرے علم کی دلیل تو ضرور ہے؛ لیکن طالب علم کی توجہ کو اصل فن سے ہٹادیتی ہے۔(۲)

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ اس کتاب کے تعلق سے فرماتے ہیں:

''یہ اصول فقہ کی پہلی مفصل کتاب ہے جو طلبہ کو پڑھائی جاتی ہے، کتاب بذات خود نہایت آسان ہے، اس لئے اس کے حل میں کسی

(۱) درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں: ۲۳، ۲۴

(۲) ہندوستان کے دینی مدارس میں فقہ کی تدریس مناہج اور طریقے: ۲۳۶، ایفا پبلیکیشنز

خاص جد و جہد کی ضرورت نہیں ہوتی؛ لیکن استاذ کے ذہن میں یہ بات رہنی چاہئے کہ اس کتاب کے ذریعہ اصول فقہ کی اصطلاحات اور اس کے مسائل و مباحث کے ساتھ طالب علم کے ذہن نشیں کرانے ہیں، اس کتاب میں بھی تفریعات بہت ہیں؛ لیکن ہر جگہ تفریع کو اصل پر منطبق کر کے اصل کو یاد دلایا جاتا رہا ہے تاکہ تفریعات کی تفصیل میں محو ہو کر طالب علم اصل کو فراموش نہ کرے''۔

حسامی

''حسامی''، شیخ محمد بن محمد بن عمر اخسیکثی کی تالیف ہے، یہ اصول فقہ کا عظیم الشان متن ہے اور ترتیب وہی ہے جو بزدوی وغیرہ کی ہے، اور مباحث بھی قریب قریب وہی ہیں ہ جو ''منار'' اور ''نور الأنوار'' کے سلسلہ میں مذکور ہوئے ہیں، البتہ اس میں قیاس واستحسان پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور بعض وہ اصول جس کے دوسرے فقہاء قائل، احناف قائل نہیں اور ان کا تعلق دلالتِ کلام سے ہے، کو''وجوہ فاسدہ'' کے عنوان سے بالتفصیل ذکر کیا گیا ہے، چوں کہ اصول فقہ میں نقد کی بعض بحثیں فن مناظرہ سے متعلق ہیں،، اس لئے ''نور الأنوار'' اور ''حسامی'' دونوں ہی کتابوں میں ان مباحث کا بھی قابل لحاظ حصہ ہے، لیکن اس کتاب ''حسامی'' میں ''ایجاز واغلاق'' اس درجہ ہے کہ اس کو فقہ اور اصول فقہ پر لکھی گئی چند مغلق کتابوں میں شمار کرنا بے جا نہ ہوگا؛ اس لئے ایک تو اکثر مدارس میں یہ کتاب مکمل نہیں ہو پاتی ہے، دوسرے دقتِ تعبیر کی وجہ سے اساتذہ وطلبہ کی محنت کا بڑا حصہ فن کی گہرائیوں میں غواصی کے بجائے حل عبارات میں صرف ہو جاتا ہے، اگر حسامی کو نصاب میں وہاں سے رکھا جائے جہاں سے کتاب اللہ کی بحث ختم ہوتی ہے اور پھر ختم کتاب تک پڑھایا جائے تو بہت مناسب ہوگا، تاکہ قیاس، استحسان، عوارض اہلیت وغیرہ کی بحثیں تفصیل سے آجائیں، پھر موقع ہو تو ابتداء سے پڑھایا جائے۔(۱)

(۱)　ہندوستان کے دینی مدارس میں فقہ کی تدریس مناہج اور طریقے: ۲۳۶، ایفا پبلیکیشنز

بعض مدارس میں فضیلت کے بعد ''اصول بزدوی'' پڑھائی جاتی ہے اور بعض میں ''التوضیح والتلویح'' یہ فن کی اہم کتابوں میں ہیں، لیکن بحیثیت مجموعی قابل توجہ امر یہ ہے کہ ان کتابوں میں صرف فقہاء احناف کے اصول کو پیش نظر رکھا گیا ہے، جیسے ہم ہدایہ پڑھتے ہوئے مختلف دبستانِ فقہ کا تقابلی مطالعہ کرتے ہیں، اسی طرح ان کتابوں کے ذریعہ ہم مختلف مکاتب فقہ کے اصول اور اس سلسلہ میں ان کے دلائل سے آگاہ نہیں ہو پاتے، اسی طرح وہ ادلہ شرعیہ جن کے دوسرے فقہاء قائل ہیں؛ لیکن احناف ان کے قائل نہیں ہیں، یا قائل ہیں تو بعض شروط وقیود کے ساتھ، ان پر نگاہ نہیں ہو پاتی ہے، خاص کر وہ مصادر جن سے جدید مسائل کا حل متعلق ہے، جیسے: مصالح مرسلہ، عرف وعادت، فتح ذریعہ اور سد ذریعہ، اسی طرح اجتہاد اور تقلید وتلفیق کے اصول، موضوعات ان کتابوں میں زیر بحث نہیں آتے، یہاں تک کہ بہت سے طلبہ وہ ہیں جن کے کان ان عنوانات سے تک آشنا نہیں ہوتے، اسی طرح شریعت کے عمومی مقاصد اور احکام شرعیہ کے مدارج سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے، تاکہ نئے پیش آمدہ مسائل کے بارے میں رائے قائم کرتے ہوئے ان کو ملحوظ رکھا جائے، ان کتابوں سے ان مضامین کی تکمیل نہیں ہو پاتی۔

اس پس منظر میں نصابی نقطہ نظر سے دو باتوں کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے، اول: یہ کہ اصول الشاشی سے پہلے فن کی اصطلاحات ومبادی پر مشتمل ایک مختصر کتاب جو ایک سہ ماہی میں مکمل ہوجائے، پڑھا دی جائے، جس میں اصطلاحات کی تعریف، مثال اور ضروری قواعد آجائیں، خواہ یہ کتاب عربی میں ہو، یا طلبہ کی مادری زبان میں؛ بلکہ اردو میں میں ہوتو زیادہ بہتر ہے، اس طرح کی بعض کتابیں شائع ہوچکی ہیں، ایسی کسی کتاب کا شروع میں پڑھا دینا طلبہ کے ذہن کو مانوس کرنے اور انہیں اصول فقہ کے مضامین سے قریب کرنے میں بہت ہی معاون ثابت ہوگا''۔

اور آگے فرماتے ہیں:

دوسری ضروری بات یہ ہے کہ منتہی جماعت کے نصاب میں کوئی ایسی کتاب بھی

شامل کی جائے جو طریق الحنفیۃ اور طریق الشافعیہ دونوں کو جامع ہو اور مضمون کے اعتبار سے واضح ہو، تاکہ تمام متفق علیہ اور مختلف فیہ مصادر، اصول فقہ کی تمام ابحاث اور اہل سنت کے تمام مکاتب فقہ کے نقطہ نظر سے آگہی حاصل ہو سکے اور وہ کتاب درج ذیل خصوصیات کی حامل ہو۔

اول: اس کی ترتیب وہی ہو جو علامہ ابن ہمامؒ وغیرہ کی ہے۔

دوسرے: اصول فقہ کے سلسلے میں مختلف دبستانِ فقہ کے نقطہ نظر کو انصاف کے ساتھ پیش کیا جائے۔

تیسرے: متفق علیہ ادلہ شرعیہ کے علاوہ مختلف فیہ ادلہ کو بھی ذکر کیا جائے اور اس بات کی وضاحت کی جائے کہ ان ادلہ کے سلسلہ میں کن نکات پر فقہاء کا اتفاق ہے، اور کن نکات پر اختلاف ہے؟

چوتھے: اصول کے ضمن میں احکام شریعت کے مقاصد اور احکام کے مدارج پر بھی روشنی ڈالی جائے۔

پانچویں: جو اصول ذکر کئے جائیں، ان کی چند روایتی مثالوں ہی کے ذکر کرنے پر اکتفاء نہیں کیا جائے؛ بلکہ نئی مثالیں بھی درج کی جائیں۔

بحمداللہ ماضی قریب میں مختلف عرب علماء نے ان امور کی رعایت کرتے ہوئے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے؛ لیکن میرے خیال میں ان کتب میں نصابی اعتبار سے شیخ ابوزہرہ اور شیخ خلاف کی کتابیں شاید زیادہ مفید ثابت ہوں؛ کیوں کہ یہ تدریسی نقطہ نظر سے مرتب کی گئی ہیں۔ اور خوشی کی بات ہے کہ بعض اداروں نے اس کتاب کو داخل نصاب کرنے میں پہل بھی کی ہے۔(۱)

تدریس اصول فقہ سے متعلق اکابر کی آراء

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

(۱) ہندوستان کے دینی مدارس میں فقہ کی تدریس مناہج اور طریقے:۲۳۶، ایفا پبلیکیشنز

''جو اصطلاحات ملتی جلتی ہیں ان کے درمیان وجوہ فرق کو اچھی طرح بیان کر کے ذہن نشیں کرایا جائے مثلاً یہ بات کہ ''ظاہر'' اور ''اشارۃ النص'' میں کیا فرق ہے،؟ ''نص'' اور ''عبارۃ النص'' میں نیز ''دلالۃ النص'' اور ''قیاس'' میں کیا فرق ہے؟ ''خاص'' اور ''معرفہ'' میں نیز ''عام'' اور ''نکرہ'' میں کیا فرق ہے؟ ''عموم مجاز'' اور ''جمع بین الحقیقۃ والمجاز'' میں کیا فرق ہے ؟ ''عام'' اور '' مطلق'' میں اور ''خاص'' اور ''مقید'' میں کیا فرق ہے۔

اس قسم کی باتوں کو ذہن نشیں کرانے کے لئے صرف کتاب کی مثالوں پر اکتفاء نہ کیا جائے ، بلکہ استاذ خود اپنی طرف سے مثالیں سوچ کر جائے ؛ بلکہ قرآن وسنت کی مثالوں کے علاوہ روزمرہ کی زندگی میں ہونے والی عام گفتگو سے بھی مثالیں دی جائیں ، طلبہ سے وہ مثالیں نکلوائی جائیں اور مثالیں دے کر طلبہ سے سوال کیا جائے کہ دلالت کی کونسی قسم بنی؟''(۱)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ فرماتے ہیں:

عام طور پر دینی مدارس میں اس موضوع پر ''اصول فقہ'' ''اصول الشاشی''، ''نور الأنوار'' اور ''حسامی'' داخل نصاب ہیں، بعض مدارس نے شیخ عبدالوہاب الخلاف کی ''علم اصول الفقہ'' کا بھی اضافہ کیا ہے، جو نصاب میں ایک مفید اور بہتر اضافہ ہے۔

نورالانوار میں چوں کہ لفظی بحثیں اور غالباً طول کلام کسی قدر زیادہ ہے، اس کی وجہ سے کتاب کا بہت کم حصہ سال بھر میں ہو پاتا ہے، اور بہت سی مفید اور اہم بحثیں رہ جاتی ہیں، اس کو دیکھتے ہوئے ہم لوگوں نے دار العلوم سبیل السلام میں ''نور الانوار'' کے بجائے اس کا متن ''المنار'' پڑھانے کا تجربہ کیا ہے، جو بہت مفید ثابت ہوا۔

اس سے اصول فقہ کے تمام ہی مباحث مناسب طور پر طلبہ کی نگاہ سے گذر جاتے ہیں،

(۱) درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں: ۲۵،۲۶

یہاں اس بات کا ذکر بھی مناسب ہوگا کہ فن میں بصیرت بلکہ مناسبت کے لئے اصول فقہ کی ایک آدھ اور کتاب بھی داخل نصاب کی جانی چاہئے۔

بحمد اللہ راقم الحروف کو ان کتابوں کی تدریس کا موقع ملا ہے، اور تجربہ ہے کہ فن کی پہلی کتاب ''اصول الشاشی'' حالانکہ زبان و بیان کے اعتبار سے نسبتاً سہل الفہم ہے، اور تفریعات کی کثرت کی وجہ سے طلبہ کا ذہن بھی اس کو جلد قبول کرتا ہے۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ مدارس کے لئے غالباً اسی کتاب کی تفہیم زیادہ دشوار ہوجاتی ہے، کیوں کہ یہ فن کی پہلی کتاب ہوتی ہے، اکثر فنون میں اب پہلی کتاب اردو میں پڑھائی جانے لگی ہے۔

اس کی وجہ سے ہمارے یہاں معمولی ذہنی صلاحیت کے حامل طلبہ بھی فن کی مبادیات اور اساسیات کو سمجھ لیتے ہیں، اور آئندہ انہیں مضامین کو عربی میں پڑھنا ان کے لئے آسان ہوجاتا ہے، اور غالباً یہ بھی ہمارے ہندوستان کے دینی مدارس کے نصاب کی ایک قدیم روایت ہے۔

ایک زمانہ میں فارسی زبان کا چلن زیادہ تھا، دفاتر کی زبان تک فارسی تھی تو اس عہد میں فارسی زبان میں فن کی پہلی کتاب پڑھانے کا رواج تھا جیسے نحو میں ''نحومیر'' صرف میں ''میزان الصرف'' اور علم الصیغہ منطق میں ''کبریٰ'' وغیرہ۔

اب یہ جگہ اردو نے لے لی ہے، حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ خود عربی زبان میں ان فنون کی تدریس جتنی مفید ہے اردو میں ان کو پڑھانا شاید اس قدر فائدہ مند نہ ہو؛ لیکن مدارس میں جو تعلیمی انحطاط ہے، اور جس کے مختلف اسباب و عوامل ہیں ان کو دیکھتے ہوئے قریب قریب تمام ہی اہل علم کی رائے ہے کہ فن کی پہلی کتاب مادری زبان میں پڑھائی جائے؛ تاکہ طالب علم پر بیک وقت فن اور زبان کا دوہرا بوجھ نہ پڑے۔

اسی مقصد کے تحت اصول فقہ پر یہ مختصر رسالہ '' آسان اصول فقہ'' مرتب کیا گیا ہے کہ ''اُصول الشاشی'' سے پہلے دو تین ماہ میں یہ رسالہ پڑھا دیا جائے، اس کے بعد اصول

الشاشی پڑھادی جائے۔

میں نے اس رسالہ میں حسامی واصول الشاشی کی ترتیب کے بجائے ”مسلم الثبوت“ اور ابن ہمام وغیرہ کی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے، اس لئے کہ یہ ترتیب زیادہ فطری اور قریب الفہم ہے۔(۱)

مولانا رضوان القاسمیؒ ناظم سبیل السلام حیدرآباد فرماتے ہیں:

”موجودہ دور میں کچھ تو نئی ایجادات اور اس سے زیادہ بین الاقوامی سطح پر قائم غیر اسلامی سیاسی اور معاشی نظام کی وجہ سے نت نئے قانونی مسائل پیدا ہورہے ہیں، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کا قانونی حل تلاش کرنے کے لئے ضروری ہے کہ فقہی مآخذ، اصول، قواعد فقہ اور طرق استدلال پر گہری بصیرت حاصل ہو اور اس کے لئے اصول فقہ اور قواعد فقہ، ان دو فنون پر توجہ کی ضرورت ہے۔

مگر افسوس ناک بات یہ ہے کہ اصولِ فقہ میں ہمارے یہاں صرف دو تین کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اور ان میں بھی بعض کتابیں کتاب اللہ کی بحث سے آگے نہیں بڑھ پاتیں، سنت، اجماع اور قیاس کے کی بحث تک پہنچنے کی نوبت ہی نہیں آتی ہے؛ حالانکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ سب سے زیادہ توجہ ”قیاس“ کے مباحث پر دی جائے اور ”قواعد فقہ“ کے موضوع پر تو عام مدارس میں سرے سے کوئی کتاب ہی نہیں پڑھائی جاتی ہے؛ حالانکہ اس موضوع پر علامہ ابن نجیم مصری کی ”الاشباہ والنظائر“ بڑی بصیرت افروز کتاب ہے، ابو زید دبوسی کی ”تأسیس النظر“ بھی احناف کے فقہی کلیات وقواعد کے موضوع پر بڑی عمدہ چیز ہے، اور داخلِ نصاب کئے جانے کی مستحق ہے،،

(۱) آسان اصول فقہ: ۲۳، مؤلف: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

نئی کتابوں میں حکومتِ عثمانیہ ترکی کے وزیر عدل علی حیدر کی گراں مایہ تصنیف ''درر الحکام فی مجلۃ الاحکام'' کا مقدمہ بھی داخل نصاب کیا جاسکتا ہے اسی طرح ''اصولِ فقہ'' پر بھی توجہ کی ضرورت ہے، نیز اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہی مکاتبِ فکر اور علی الخصوص مالکیہ کے اصولِ فقہ کی بھی کوئی کتاب داخلِ نصاب ہو۔(۱)

اصول فقہ کے ساتھ ساتھ فقہ اسلامی کی تاریخ اور اس کے شان دار کارناموں کے موضوع پر کوئی کتاب ''اصول فقہ وتاریخ'' اور ''التشریع الاسلامی'' بھی پڑھائی جائیں، تاکہ اس کے ساتھ ساتھ علماء کے فقہی کارناموں کی تاریخ سے ناآشنا نہ رہیں۔(۲)

مولانا ندیم الواجدی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

''فقہ کی تعلیم کے لئے ضروری ہے کہ اسے نہایت ٹھوس، جامع اور دور حاضر کی ضرورتوں کے مطابق بنایا جائے، اب اصول فقہ کو لیجئے، یہ ایک بنیادی فن ہے اور فقہی مسائل میں کما حقہ بصیرت حاصل کرنا اس فن میں مکمل مہارت پر موقوف ہے، ہمارے مدارس میں اصول فقہ کی تعلیم کا آغاز سال چہارم سے ہوتا ہے، اس سال میں اصول الشاشی پڑھائی جاتی ہے، جو اگرچہ سہل ہے، مگر فن سے مناسبت کے لئے اسے ناکافی سمجھتے ہوئے اب اصول فقہ پر ایک مختصر رسالہ عربی میں بھی پڑھایا جانے لگا ہے بعض مدارس میں عربی کے بجائے قواعد کی تفہیم اور حفظ کے لئے اردو کی مختصر کتابیں بھی پڑھائی جارہی ہیں، سال پنجم میں ''نور الانوار'' پڑھائی جاتی ہے، مگر اس کتاب میں بعض مباحث بڑے مفصل ہیں، اس لئے سال بھر میں کتاب مکمل نہیں ہو پاتی

(۱) دینی مدارس اور عصر حاضر: ۷۲، محمد رضوان القاسمی

(۲) دینی مدارس: مولانا ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری، :۴۲۶، فضل بک سوپر مارکیٹ، کراچی

اور کتاب کے اہم حصے تشنہ تدریس رہ جاتے ہیں، ''حسامی'' طرزِ استدلال میں منطقی رنگ لئے ہوئے ہے، طلبہ مسائل سمجھنے سے زیادہ کتاب کی مشکل عبارتیں حل کرنے میں وقت زیادہ صرف کرتے ہیں، متقدمین کے یہاں اس فن پر بڑی معیاری کتابیں ملتی ہیں (حضرت مولانا یوسف بنوریؒ نے امام ابوبکر جصاص کی کتاب ''الفصول فی الاصول''، شمس الائمہ سرخسی کی ''الاصول'' اور ابوزید دبوسی کی ''تقویم الادلہ'' کی نشان دہی کی ہے، موجودہ دور کے علماء نے بھی اس فن پر بڑا گراں قدر کام کیا ہے، مثال کے طور پر شیخ عبدالوہاب کی کتاب ''علم اصول الفقہ'' جس کی عبارت میں کوئی الجھاؤ نہیں ہے، اور اس میں موضوع کے تعلق سے بہترین مواد بھی جمع کیا گیا ہے''۔(۱)

آخری زمانے میں جناب ڈاکٹر فاروق حسن صاحب کی ''فن اصول فقہ کی تاریخ'' کی مفصل کتاب سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ (مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

قواعد فقہ

اصول فقہ سے قریب تر ایک موضوع ''قواعد فقہ'' کا ہے اور بعض جہتوں سے قواعد کی اہمیت اصول سے بھی زیادہ ہے، کیوں کہ قواعد فقہ شریعت اسلامی کے مزاج و مذاق اور مقاصد و مصالح واضح کرتے ہیں، ہندوستان کے دینی مدارس کے مروجہ نصاب میں فضیلت تلکوئیکتاب نہیں پڑھائی جاتی؛ بلکہ جو طلبہ فضیلت کے بعد تدریب افتاء کرتے ہیں، ان کو علامہ ابن نجیم مصری کی ''الاشباہ والنظائر'' پڑھائی جاتی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ یہی کتاب، یا اس کی متبادل کوئی اور کتاب یا شیخ زرقاء کی ''شرح القواعد الفقھیہ'' طلبہ کو سبقا سبقا زبانی یاد کرائی جائیں، پھر تدریب افتاء کے شعبہ میں اس موضوع کی کوئی کتاب پڑھاتے ہوئے تخریج کا کام لیا جائے کہ وہ کتب فقہ سے ایسے جزئیات کا انتخاب کریں،

(۱) حسن تدبیر: ۲۸۵، مدارس نمبر فروری: ۲۰۱۱

جن پر فقہی قواعد منطبق ہوتے ہوں، اس سے طلبہ کے اندر اپنے عہد کے حالات پر شریعت کے مقاصد ومصالح کی تطبیق اور شریعت کے عمومی قواعد اور اصول کو سامنے رکھ کر مسائل پر غور کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

اور آگے فرماتے ہیں:

دوسرا اہم پہلو طریقہ تعلیم کا ہے، اصول وقواعد کی تعلیم میں مفید طریقہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ تطبیقی تعلیم ہو اور عملی طور پر اس کی مشق کرائی جائے ،لیکن صورت حال یہ ہے کہ عام وخاص ، ظاہر ومشکل، مطلق ومقید، حروف ومعانی وغیرہ کی مثالیں، جو ان کی کتاب میں مذکور ہیں، قریب قریب وہی مثالیں دوسری کتابوں میں بھی آتی ہیں، اس کی وجہ سے طلبہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ اصول زیادہ تر نظری ہیں، ضرورت اس بات کی ہے اصول فقہ کو تطبیقی انداز میں پڑھایا جائے اور تطبیق کے لئے صرف اختلافی مسائل ہی کا انتخاب نہ کیا جائے ؛ بلکہ قرآن مجید کی مختلف آیات اور احادیث انہیں دی جائیں اور ان سے خواہش کی جائے کہ وہ ان آیات پر ان قواعد کو منطبق کریں تا کہ جیسے نحوی وصرفی قواعد کو منطبق کرنے کی صلاحیت حاصل کرتے ہیں، یہی صلاحیت ان کے اندر اصول فقہ اور قواعد کی تطبیق کے سلسلہ میں بھی پیدا ہو‘‘۔(۱)

(۱) دینی وعصری درسگاہیں: تعلیمی مسائل: ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲

فن تفسیر و اصول تفسیر

ہمارے نصاب میں اصولِ تفسیر میں بھی بہت کمی ہے یا تو اس موضوع پر سرے سے کوئی کتاب ہی نہیں پڑھائی جاتی، یا کوئی مختصر رسالہ پڑھا دیا جاتا ہے اور وہ بھی اس رواروی میں گویا صرف ''برکت'' حاصل کرنا مقصود ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ''الفوز الکبیر'' کے ساتھ مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی (بنگلور انڈیا) کی ''نفحات العبیر فی اصول التفسیر'' اگر شامل کیا جائے تو اصول تفسیر کے مضامین کا کسی قدر استیعاب ہو جاتا ہے، ان سب سے پہلے حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا رسالہ ''آسان تفسیر'' بزبان اردو بطور مطالعہ کے اور بطور نصاب و تمرین کے بھی بے حد مفید ہے۔

باذوق اساتذۂ کرام ''مناہل العرفان''، ''علوم القرآن'' کے علاوہ ڈاکٹر علامہ خالد محمود کی ''آثار التنزیل'' (دو جلدیں) زیر مطالعہ رکھیں تو غیر معمولی فائدہ ہوگا، عربی زبان میں طبقات مفسرین، اسرائیلیات وغیرہ پر ایک کتب خانہ تیار ہو چکا ہے، روز بروز اس کے مطالعہ سے فن شناسی کو ترقی دی جا سکتی ہے، حضرت علامہ ابوالحسن علی ندویؒ کے رسالہ ''مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی'' سے تلاوت و تدبر اور مولانا اسلام شیخو پوری کی کتاب ''عشاقِ قرآن'' سے محبت قرآن میں ان شاء اللہ ضرور اضافہ ہوگا۔

علم تفسیر کی تدریس ابتدائی درجات میں

مولانا شمس الحق صاحب رحمہ اللہ ناظم تعلیمات دارالعلوم کراچی فرماتے ہیں:

ابتدائی درجات کے اندر تفسیر قرآن کریم کا عنوان مت رکھیں، ابتدائی درجات ثانیہ/ثالثہ/رابعہ/خامسہ کے اندر ترجمہ قرآن کا عنوان دیں، تفسیر کا نہیں، یہ بہت بڑی غلطی ہے

، بہت بڑے نقصان کا سبب ہے، وجہ کیا ہے؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ درجہ ثانیہ میں جو طالب علم پہلی مرتبہ قرآن کریم کے پارے پڑھ رہا ہے، ظاہر ہے کہ اسے اس درجے میں مفسر بنانا مقصود نہیں ہے، بے شمار تفسیر نکات مفسرین کے اقوال، واقعات، شان نزول کی قسمیں اور طرح طرح کے تفسیر مباحث وہ درجہ ثانیہ کے طلباء کے سامنے بیان کررہا ہے، اور طالب عل کا حال کیا ہے کہ اس قرآن کریم کی آیت کا ترجمہ پوچھو تو اسے لفظی ترجمہ نہیں آتا، تو یہ بہت بڑی خطا ہے اور کوتاہی ہے کہ ہم نے اس درجے میں تفسیر کا نام رکھ دیا، خدا کے لئے آپ ان درجات کے اندر اس کا نام ترجمہ قرآن رکھیں اور یہ ہی عنوان استعمال کریں اور اس میں اتنا اضافہ کرلیں کہ:

''لفظی ترجمہ قرآن کریم مع مختصر تشریحات''

بالکل یہ بھی نہیں کہ آپ نے خالی ترجمہ کردیا، اسے سیاق وسباق سے کچھ مثلاً علامہ شبیر احمد عثمانی کی تفسیر عثمانی اگر اس کا حاصل بھی آپ طالب علم کو بتادیں تو اس درجے میں اس کے لئے کافی ہوگا، آپ اس درجے میں تفسیر قرطبی دیکھ آئیں اور تفسیر روح المعانی دیکھ آئیں اور اس کے سامنے بیان کریں تو اپنا وقت بھی ضائع کررہے ہیں اور اسے بھی برباد کررہے ہیں، اس لئے عنوان تبدیل کیجئے عنوان یہ ہو ''لفظی ترجمہ قرآن مع ضروری تشریحات، یہ درجہ ثانیہ میں ہو اور ثالثہ، رابعہ اور رابعہ وخامسہ میں بھی؛ اس لئے کہ ہمارے یہاں دس دس پارے تین درجات میں ہیں، جن درجات میں دس دس پارے ہیں وہاں ترجمہ ہو، اصل مقصود بھی ہی ہے، آپ خود اپنے قلوب میں غور فرمائیں، آپ کا مقصد یہاں طالب علم کو لفظی ترجمہ سکھانا ہے، اگر سارے مباحث بالفرض اس کو پڑھادیئے، بالفرض اگر ان میں کوئی ذی استعداد ہے اور وہ ان باتوں کو یاد بھی رکھ لے؛ لیکن اسے لفظی ترجمہ نہیں آتا تو آپ کا مقصود حاصل نہیں ہوگا، اصل یہ ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ اور اس کے ساتھ ساتھ ضروری فوائد اور تشریحات ہوجائیں تو بہت ہے، ایک بات تو یہ ہوئی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ترجمہ قرآن جو آپ پڑھا رہے ہیں، درجہ ثانیہ اور ثالثہ میں

دس دس پارے پڑھا رہے ہیں، اس میں آپ بنیادی ترجمہ اور لفظی وٹکسالی ترجمہ کا اہتمام کریں، لفظی ترجمہ قرآن جو آپ پڑھا رہے ہیں، درجہ ثانیہ اور ثالثہ میں دس دس پارے پڑھا رہے ہیں، اس میں آپ بنیادی ترجمہ اور لفظی اور ٹکسالی ترجمہ کا اہتمام کریں، لفظی ترجمہ ہو، طالب علم کو معلوم ہو کہ لفظ کے لغوی معنی کیا ہیں؟

اللہ تعالیٰ ہمارے اکابر کی قبور کو نور سے بھر دے، حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کا جو اردو ترجمہ ہے، آج تو اس کے سمجھنے والے بہت کم ہیں، شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ''موضح القرآن'' اور وہ ترجمہ جو چھپا ہوا ہے وہ ایسے ٹکسالی دلی کی اردو ہے کہ اس کا سمجھنے والا بہت کم ملے گا ''الطیبات للطیبین'' ستھریاں ہیں ستھروں کے واسطے، اب اس کا ترجمہ کہ ستھری کسے کہتے ہیں ''الخبیثات للخبیثین'' گندیاں ہیں گندوں کے لئے، اتنا پیارا، اتنا لذیذ، اتنا جامع، اور مختصر ترجمہ (الطیبات) کا ستھری سے بہتر ترجمہ کوئی نہیں ہوسکتا، تو اگر آپ اس کی اردو سمجھ سکتے ہیں تو اسی کو دیکھ لیا کریں، اس میں لغوی ترجمہ ایسا ٹکسالی ترجمہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس لغت کا اردو میں اس سے بہتر کوئی ترجمہ نہیں، تو اس کا اہتمام کیجئے کہ لغوی ترجمہ آئے، لغت میں اس کے کیا معنی ہیں اور عبارت میں اس لفظ کے معنی کو کس طرح پرویا گیا اور سمویا گیا۔

ایک بات ترجمے کے ذیل میں یہ ہے کہ (میں ترجمے کا عنوان اختیار کررہا ہوں، تفسیر کا نہیں) لغات کے معنی کے ساتھ صیغوں کا اہتمام کیجئے، قرآن کریم میں جو صرفی صیغے ہیں استعمال کئے ہیں، آپ طالب علم سے پوچھیں:

یہ کس باب سے ہے؟

کس وزن پر ہے؟

کونسا صیغہ ہے؟

اشتقاق کیا ہے؟

قرآن کریم سے زیادہ بہتر کتاب ادب، صرف اور نحو کی تمرین کے لئے اور کوئی نہیں

مل سکتی، اگر قرآن کریم میں کوئی شخص تمرین کرادے فن صرف واشتقاق، فن نحو کی، ادب کی، تو اس کو دوسری کتاب پڑھنے کی حاجت کم پیش آئیگی۔

درجہ ثالثہ میں دوسری بات آپ کو یہ کرنی ہے کہ حل لغات کے بعد آپ اس میں نحو وصرف کے صیغوں اور ترکیب کا اہتمام کریں، اس کو آیات کی، ہر آیت کی نہیں، جو ترکیب کے لحاظ سے پیچیدہ ہیں، کوئی ابہام واشکال ہو اسکی ترکیب ہونی چاہئے، صیغے آئیں ان کے اشتقاق اس میں ہونے چاہئے۔

بس اتنا کام آپ کو کرنا ہے، ترجمہ قرآن برائے درجہ ثانیہ وثالثہ:

لفظی ترجمہ آئے۔

لغات کے معانی آئیں۔

اس کے ساتھ صرفی اشتقاقات۔

نحوی ترکیب۔

خاص طور سے عم سپارہ میں ہمارے طلباء لغات پوچھیں، انہیں لغات پوچھیں، انہیں لغات بہت کم یاد ہونگی، وہ بالکل ابتدائی درجہ میں پڑھایا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں تفسیر بیان کردی، لیکن لغات نہیں ہوا، آپ نے اس کے صیغوں کا اور ترکیب کا اہتمام کا اہتمام نہیں کیا، اس پر آپ خدا کے لئے زور دیجئے، اسکا اہتمام کیجئے اور اس سے زائد کوئی تفسیری مباحث نہ بیان کیجئے، بس اس کا مفہوم مختصر تشریح کے ساتھ ثانیہ میں بھی اسی طرح ثالثہ میں بھی اسی طریقہ سے، پھر رابعہ، قرآن کریم کے دس دس پارے اسطریقہ سے پورے ہوجائیں، انشاءاللہ۔

دیکھئے ان درجات میں قرآن کریم کا جو ترجمہ ہے ثانیہ، ثالثہ میں اس کا مقصود تو یہ ہے کہ قرآن کریم کا لفظی ترجمہ آئے۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ قرآن نحو اور صرف کے اعتبار سے جب آپ پڑھیں گے، ان کے قواعد کے اجراء کے ساتھ تو نحوی قواعد کا بھی آپ کو استحضار ہوگا، ادب کا، لغات اور الفاظ کا

بھی استحضار ہوگا، تو گویا کہ پھر قرآن کا ترجمہ ہی نہیں آیا؛ بلکہ نحوی ضوابط وقوانین بھی پختہ ہوئے، صرف قواعد بھی پختہ ہوئے۔

اور اس کے ساتھ ادب کے تقاضے بھی پورے ہوئے، ادبی لحاظ سے قرآن کریم دیکھئے، یہ تینوں چیزیں تابع ہیں؛ لیکن ذریعہ ہیں قرآن کریم کو صحیح طریقہ سے سمجھنے کا، ترجمہ آپ کرلیں؛ لیکن نحو کے قواعد کا اجراء آپ نہ کریں، بات نامکمل رہے گی، ترجمہ آپ مکمل کر ہی نہیں سکتے، جب تک کہ آپ نحوی قواعد کا اجراء نہ کرلیں، اسے پتہ نہیں کہ یہ فاعل ہے، مفعول ہے، حال ہے، ذوالحال ہے، تمیز ہے، وہ ترجمہ کیا کرے گا، جب تک آپ اسے یہ نہ بتلائیں کہ یہ حال یہ تمیز ہے کونسا مفعول ہے، کونسا مفعول ہے، ترجمہ صحیح نہیں کرسکتا؛ اس لئے ان قواعد کا اجراء معین بنے گا قرآن کے صحیح ترجمہ کے واسطے۔

ان درجات میں نے عرض کیا کہ تفسیر کا عنوان نہ رکھیں، اور ان درجات کی مثال ایسے سمجھ لیجئے جیسے کہ ہمارے یہاں درجہ ثانیہ میں ''زادالطالبین'' پڑھاتے ہیں اور درجہ رابعہ میں ''ریاض الصالحین'' پڑھاتے ہیں، اب ''زادالطالبین'' اور ''ریاض الصالحین'' حدیثیں ہی ہیں، اور درجہ ثانیہ میں آپ کو وہ پڑھاتے ہیں تو یہاں ''زادالطالبین'' پڑھانے سے آپ کا مقصود کیا ہے، یہاں مقصود اس کو محدث بنانا تو نہیں ہے ''زاد الطالبین'' کی ایک حدیث ''المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده'' اگر وہ پڑھتا ہے اب آپ اس میں مشکوۃ کی اور صحاح ستہ کی اگر تقریر کرنے بیٹھ جائیں اس کے سامنے تو بتلائیں کہ یہ کوئی محل ہوگا اس کا؟ یہاں مقصود محدث بنانا تو نہیں اسے، یہاں اس کے دو مقصود ہیں:

ایک یہ ہے کہ اس کو حضور ﷺ کے مختصر مختصر جوامع الکلم یاد کرالئے جائیں، استحضار ہوجائے، ابتدائی درجہ میں چھوٹی چھوٹی حدیثیں ہیں، مختصر مختصر جملے ہیں، یہ یاد ہوجائیں گے، اس کو آگے کام آئیں گے، اس کے معارف وحقائق آگے سمجھئے گا۔

دوسرا مقصود اس کا یہ ہے کہ ان ہی احادیث میں آپ اجراء کرائیں کہ یہاں اس جگہ میں مبتداء کون ہے؟ ذوالحال اور حال کون ہے؟ نحوی اجراء اور صرف کے اشتقاقات،

مبادی مآخذ، ان کا اجراء کرنا مقصود ہے، ادبی لغات بھی اس کو معلوم ہوں گے، لیکن نحوی صرفی اجراء اصل مقصود ہے ''زاد الطالبین'' کا مقصود محدث بنانا نہیں ہے، اب ایک استاذ ''زاد الطالبین'' پڑھا دیتا ہے، ترجمہ کر دیتا ہے، ایک حدیث کا اور لمبی چوڑی تفصیلی مباحث بیان کر دیتا ہے، اس نے ''زاد الطالبین'' کا حق ادا نہیں کیا، اسے چاہئے کہ اس کی مختص حدیثیں طالب علم کو یاد کرادے اور نحوی ترکیب کا اجراء کرادے، مبتداء ہے، خبر ہے، جملہ انشائیہ ہے ،خبریہ ہے، اس کے بغیر اس کا حق ادا نہیں ہوگا۔

یہی حال بعینہ ''ریاض الصالحین'' کے اندر ہے، ''ریاض الصالحین'' کے اندر بھی محدث بنانا مقصود نہیں ہے، وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے مقصود معاشرت اور معاملات کی تربیت کرنا ہے، مثلاً ''ریاض الصالحین'' کا باب الادب پڑھاتے ہیں، تو باب الادب کے اندر اس کو کیا بتلانا ہے، نحوی صرفی تو وہ سیکھ کر آ چکا ہے، اور ابتدائی درجہ میں اجراء کر چکا ہے، اب بیان اس سے مقصود:

اس حدیث کے اندر آپ ﷺ کے آداب معاشرت کیا ہیں؟ وہ بیان کرنا ہے، حضور اکرم ﷺ کے معاملات کا طریقہ کیا تھا، لمبی چوڑیں بحثیں مقصود نہیں، بس اس پر آپ معمولی تفصیل کے ساتھ اس کو وہ حدیث پڑھا دیں، اس کے بعد صحاح ستہ پڑھے گا، اس کے مباحث آجائیں گے، اب جو حیثیت ''زاد الطالبین'' اور ''ریاض الصالحین'' اور ان کے پڑھانے کے مقاصد ہیں وہی مقصد ابتدائی درجات میں قرآن کریم کے ترجمہ پڑھانے کا ہے، وہاں لفظی ترجمہ اور نحوی صرفی قواعد کا اجراء ہو۔

علم تفسیر کی تدریس انتہائی درجات میں

اب آیا ہے درجہ باقاعدہ تفسیر کا، چھٹے درجہ میں ہمارے یہاں ''جلالین'' پڑھائی جاتی ہے، ساتویں درجہ کے اندر بیضاوی پڑھاتے ہیں، یہ درجات وہ ہیں کہ ان میں طالب علم ذہنی اعتبار سے بھی مضبوط ہو جاتا ہے، استعداد میں بھی اس کی قوت پیدا ہو جاتی ہے، اور مختلف علوم کے مسائل وقواعد بھی اسے مستحضر ہو جاتے ہیں، اب یہاں اس کے لئے قرآن

کی تفسیر تفسیر ہونے کی حیثیت سے پڑھنے کے اندر سہولت ہوتی ہے؛ لہٰذا ان سارے علوم کی روشنی کے اندر جلالین پڑھتا ہے تو جلالین کے اندر ہمارے مدارس میں ایک طرز پڑا ہوا ہے کہ جلالین پڑھانے میں بھی یہ ہوتا ہے کہ بس جلال الدین سیوطی نے جلال الدین محلی نے مقدرات نکال دیئے ہیں، ان مقدرات کا ترجمہ کر دیتے ہیں، تفسیر کے آگے جو مقدرات عبارت نکالی جو تفسیری کلمات انہوں نے ذکر کئے ہیں، یا قراءت کا جو اختلاف بیان کیا ہے، اس کا ترجمہ کر دیتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اتنی بات ''جلالین'' میں کافی نہیں، ''جلالین'' کے اندر پڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ آپ ان مقدرات کا جو مفسر نے نکالے ہیں آیت کے ساتھ ان کا ربط بیان کریں، کہ یہ مقدر عبارت جو نکالی جارہی ہے، اس آیت کے ساتھ اس کی کیا مناسبت ہے، اور اس تقدیر کے بغیر اس عبارت کا مطلب نہیں سمجھا جاسکتا، اس مقدر عبارت کے ساتھ گہرا تعلق اور بغیر اس مقدر کے نکالے ہوئے عبارت کا قرآن کریم کی آیت کا مطلب نہ سمجھنا یہ اس طالب کو بتایا جائے، کہ اگر یہ عبارت مقدر نہ نکالی جائے تو آیت کا مطلب نامکمل رہے گا، سمجھ میں نہیں آئے گا، خالی ترجمہ کر دینا کافی نہیں، اس مقدر آیت کے ساتھ ربط بیان کیجئے، اس کی مناسبت بیان کیجئے، اس پر موقوف ہونا بیان کیجئے، یہ ضروری ہے ورنہ آپ نے مقدر کا ترجمہ کر دیا طالب علم کچھ سمجھا نہیں کہ تقدیر مصنف نے کیوں نکالی، بعض وقت مصنف تقدیری عبارت نکالتے ہیں، اس کے اندر کسی اشکال کا جواب دینا ہوتا ہے، بعض مرتبہ کسی نحوی ترکیب کی طرف اشارہ ہوتا ہے، مقدر عبارت اس لئے نکالی، آپ نے اس کو بتلایا ہی نہیں۔

دوسری بات ''جلالین'' میں اس سے زیادہ اہم، وہ یہ ہے کہ وہاں آپ آیات کی ترکیب کا اہتمام کریں اور قرآن کریم کی آیات کے جو مقدرات ہیں ان کی بھی ترکیب کریں اور نفس آیات کا بھی ترجمہ کرنے کے ساتھ ساتھ ترکیب نحوی کریں۔

جلالین کے اندر ترکیب کا رواج ہمارے مدراس کے اندر تقریباً معدوم ہے، میں

نے الحمدللہ بہت عرصہ ’’جلالین‘‘ پڑھائی، ساری کتابیں الحمدللہ عرصہ دراز تک ہوتی رہیں، تقریباً اٹھارہ سال تک میں جلالین پڑھاتا رہا، اس کا ہمیشہ اہتمام کرتا تھا کہ قرآن کریم کی آیات کی ترکیب ارجومقدرات وہاں پر ہیں ان کی ترکیب اور جو بات میں نے عرض کی کہ ضرورت کیا ہے، اور مناسبت اس کی آیت سے کیا ہے، اس کا اہتمام کئے بغیر میں بالکل نہیں چلتا تھا، چنانچہ اس کا طلبہ کو بہت فائدہ ہوا۔

تیسری بات یہ ہے کہ ’’جلالین‘‘ کا جو حاشیہ ہے، اس حاشیہ میں رطب و یابس بہت ہے، بعض چیزیں سقیم ہیں، اور جمہور کے مسلک کے خلاف تفردات ہیں، تو ان حاشیوں کو طلبہ دیکھتے ہیں اور وہ حاشیہ دیکھ کر طالب علم یہ سمجھتا ہے کہ شاید قرآن کی اس آیت سے ثابت ہے، آپ اس کی فکر کیجئے کہ جلالین کے حواشی میں جو رطب و یابس اور صحیح وسقیم چیزیں ہیں، ان میں تمیز بیان کریں، طالب علم کو یہ بتائیں کہ یہ بات یہاں سقیم ہے، یہ بات صحیح ہے اور یہ بات کمزور ہے، یہ بات یہاں غلط ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں، جیسا کہ ہاروت وماروت کے واقعہ کے اندر اس قسم کی بڑی لمبی چوڑی بحثیں وہاں کی گئی ہیں، اسی طریقہ سے ’’تلک الغرانیق العلی‘‘ کے اندر سورۂ نجم کی تفسیر کے اندر اس قسم کی باتیں حواشی کے اندر ہیں، طلبہ کو یہ بتلانا چاہئے کہ یہاں صحیح یہ ہے، سقیم یہ ہے اور آیت کے صحیح توجیہ کر کے بتلائیں کہ یہ ہے اصل توجیہ آیت کی صحیح مراد یہ ہے مرتب کرے، یہ بات آپ کب کر سکتے ہیں؟ یہ جب کر سکتے ہیں جب جلالین کے ساتھ ساتھ دوسری تفاسیر کو بھی دیکھیں۔

’’جلالین‘‘ کی تفسیر کے لئے آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ دوسری تفسیروں کا مطالعہ کریں؛ تاکہ جو باتیں یہاں اجمال ہیں وہ ذرا تفصیل سے آجائیں، سقیم باتیں حواشی کے اندر ہیں تو اس کی اصلاح ہوجائے، صاوی اور جمل یہ دو حواشی عام طور پر مشہور ہیں، صاوی کے بارے میں تو عام طور پر یہ تاثر ہے اور خود بھی تجربہ ہے کہ اس کی بہت سی باتیں ضعیف ہوتی ہیں، کچھ مبتدع بھی معلوم ہوتے ہیں، کچھ میلان ان کا ابتداع کی طرف ہے،

اس لئے اس پر زیادہ اعتماد نہیں کرنا چاہئے، جمل البتہ ایسی ہے کہ وہ مقدرات اور ترکیب وغیرہ کے بارے میں معتبر ہے۔

لیکن میرا مشورہ آپ حضرات کو یہ ہے کہ آپ تفسیر پڑھانے کے لئے جلالین پڑھائیں تو اس وقت خاص طریقہ پر ان تفاسیر کو اپنے مطالعہ میں رکھیں، آپ اپنے مطالعہ میں ''تفسیر مدارک'' کو مقدم رکھیں، علامہ نسفی کی تفسیر مدارک نہایت ہی مفید اور نہایت ہی جامع اور مختصر اور مسلک کے اعتبار سے بھی حنفی، اس کو اپنے مطالعہ میں بالالتزام رکھئے، اس کے بعد دوسری تفسیر جو آپ کو مزید مباحث کے لئے مفید ہوگی تفسیر مظہری ہے اور اس کی خوبی یہ ہے کہ بیک وقت مفسیر بھی ہیں، محدث بھی ہیں، فقیہ بھی ہیں، قاضی بھی ہیں، حنفی بھی ہیں، اس لئے یہ تمام مباحث کو ہر حیثیت سے بیان کرتے ہیں، اور قابل اعتماد طریقہ پر بیان کرتے ہیں۔(۱)

اور خود قرآن مجید سے بڑی غفلت برتی ہے، ہمارے یہاں عام طور پر تفسیر کی دو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، ''تفسیر بیضاوی'' اور ''جلالین'' بیضاوی سے ظاہر ہے کہ قرآن کی اصل روح سامنے نہیں آتی؛ بلکہ قاری صرف لفظی گورک دھندوں اور موشگافیوں میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور وہ بھی صرف سورہ بقرہ کی حد تک ہوتی ہے، اور جلالین تو گویا قرآن کا محض عربی ترجمہ ہے، بس یہی کل کائنات ہے، حالانکہ اس کی شدید ضرورت ہے کہ ابتداء مفردات قرآن اور ان کی لغوی تشریح وترکیب پر کوئی کتاب پڑھائی جائے، نمونہ کے طور پر مولانا عبدالصمد رحمانی کی ''تیسیر القرآن'' پیش کی جاسکتی ہے، پھر متوسط جماعتوں میں ترجمہ مختصر تشریح کے ساتھ تین سالوں میں پورے قرآن کا پڑھا دیا جائے، اور اس کے بعد تفسیر کی مختلف کتابوں اور مختلف رنگ میں لکھی گئی تصانیف کو ملا کر پورے قرآن مجید کی تفسیر پڑھادی جائے۔(۲)

---

(۱) تحفہ المدارس: یعنی آپ مثالی استاذ بن کر آپ تدریس ایسے کریں ۱۳۶-۱۴۳، ادارۃ الرشید، کراچی

(۲) دینی مدارس اور عصر حاضر: ۲۸ مولانا محمد رضوان القاسمیؒ

ڈاکٹر محمد عتیق اور مولانا شاجہاں قاسمی فرماتے ہیں:

''جلالین اور بیضاوی اکثر مدارس میں داخل درس ہیں، جب کہ زبان و بیان اور لب ولہجہ کے لحاظ سے ایک نہایت مختصر اور دوسری بہت دقت طلب ہے، ان کے مقابلے میں ''روح المعانی''، ''کشاف''، ''ابن کثیر'' زیادہ آسان اور عام فہم ہیں۔ دور حاضر کی تصانیف میں ''تفسیر مظہری'' اور ''تفسیر فی ظلال القرآن'' سے بھی طلبہ عہد جدید کی زبان ولب ولہجہ اور تحقیقات کی روشنی میں سمجھ سکتے ہیں''(۱)

(۱) دینی مدارس: مولانا ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری، :۴۲۱=۴۲۲، فضل بک سوپر مارکیٹ، کراچی

فن حدیث واصول حدیث

حدیث پڑھانے کا طریقہ

۱) حدیث کے متعلق طلبہ سے کچھ سوالات کئے جائیں اور طلبہ کے عقائد پختہ کئے جائیں۔

۲) حدیث کے ذریعے دینی ذوق اور بیداری پیدا کی جائے، اچھی عادت واخلاق کا عادی بنایا جائے۔

۳) حدیث کو موجودہ حالات سے جوڑا جائے، اور موجودہ مشکلات کا حل حدیث سے بتایا جائے۔

۴) حدیث کا شانِ ورود بتایا جائے۔

۵) تمام طلبہ سے حدیث عمدہ انداز میں پڑھوائے؛ تاکہ بچوں کی عبارت واعراب صحیح ہوں۔

۶) مشکل الفاظ کے معنی بورڈ پر لکھ دے یا زبانی لکھوائے۔

۷) حتی الامکان طلبہ سے ہی حدیث کا ترجمہ،تشریح ومطلب کہلوائے۔

۸) اس حدیث کے جو مسائل وآداب مستنبط ہوئے ہیں ان کو بتائے یا بورڈ پر لکھ کر دے اور مکمل تشریح کرے۔

۹) چھوٹے طلبہ کو نمبر سے حدیث کا سوال کر سکتے ہیں؛ لیکن اس سے بہتر یہ ہے کہ حدیث کا مفہوم وعنوان سامنے رکھ کر سوال کیا جائے مثلاً نیکی کا راستہ دکھانے والی حدیث کیا ہے؟ اور کیا ثواب ملتا ہے؟

۱۰) حدیثیں منتخب کر کے دیں اوران کوحفظ کرنے کی تلقین وتاکید کریں۔

۱۱) حدیث کی صرفی ،لغوی ،نحوی تحقیق پہلے خود کریں پھر طلبہ سے زبانی کروائیں۔

دورۂ حدیث کو دو سالوں میں منقسم کر دینا چاہئے۔

حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ صاحب فرماتے ہیں:

’’نصاب کے سلسلے میں آخری گذارش یہ ہے کہ قوی کے مسلسل انحطاط اور مسائل کی پیچیدگیوں کی بناء پر عرصے سے یہ بات محسوس ہو رہی کہ دورہ حدیث کے لئے ایک سال کی مدت ناکافی ہے اس مختصر وقت میں حدیث پاک پڑھنے پڑھانے کا حق ادانہیں ہو پاتا ،اور عموما یہ ہوتا ہے کہ حدیث کے صرف معدودے چند ابواب تحقیق وتفصیل کے ساتھ پڑھ پاتے ہیں کہ سال ختم ہونے لگتا ہے اوراس کے بعد کے حصے تکمیل نصاب کی بھاگ دوڑ کی نذر ہو جاتے ہیں، ایک صحیح بخاری ہی کو لے لیئے ، استاذ اور شاگرد شب وروز مثالی محنت کرنے کے باوجود آخر سال میں انتہائی بھاگ دوڑ پر مجبور ہو جاتے ہیں؛ حالاں کہ واقعۃ یہ حصہ ایسا نہیں جسے رواروی میں گزار دیا جائے۔

اسی طرح دورہ حدیث کی بعض انتہائی اہم کتب مثلا طحاوی شریف اور مؤطین اسی وقت کی قلت کی بناء پر اکثر برائے نام ہوتی ہے ، حالانکہ ان کو اہتمام کے ساتھ پڑھنے پڑھانے کی ضرورت ہے اگر دورہ حدیث کو دو سالوں پر منقسم کر دیا جائے تو امید ہے کہ انشاء اللہ علم حدیث کے ساتھ مطلوب مناسبت پیدا ہو سکے گی اور طالب علم حدیث کے تمام ابواب علی وجہ البصیرۃ پڑھ سکے گا اور اسکے ساتھ اصول حدیث کی کوئی معیاری کتاب مثلا ’’تدریب الراوی‘‘ یا ’’فتح المغیث‘‘ وغیرہ بھی اہتمام کے ساتھ ہو سکے گی جو ایک حدیث کے طالب علم کے لئے

از بس ضروری ہے''۔(۱)

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی زبانی حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب حدیث کی تدریس کے اصول کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''چونکہ حدیث میں آپ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد تھے، اس لئے درس حدیث میں تحقیق مذاق آپ کو اپنے شیخ سے ورثے میں ملا تھا،لیکن آج کل ایسا بکثرت ہونے لگا ہے کہ تحقیق مباحث کے پھیلاؤ میں حدیث کا متن اس کے معانی ومطالب، اس کا اصل پیغام اور اس سے حاصل ہونے والے عملی فوائد پس پشت چلے جاتے ہیں، اور استاذ وطالب علم کی تمام تر توجہ فقہی اختلافات، سند کی بحثوں اور رواۃ کی جرح وتعدیل پر مرکوز ہوجاتی ہے، حضرت والد صاحب قدس سرہ اس رجحان کے سخت مخالف تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ اس طرز عمل کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کچھ لوگ آم کے درخت کے نیچے جمع ہوکر آم کی تاریخ اس کی مختلف قسموں اور اس کے رنگ وبو پر بحث کر کے اٹھ جائیں اور انہیں عمر بھر آم کے کھانے کی توفیق نصیب نہ ہو، چنانچہ اس طرز عمل کا نتیجہ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ طالب علم کو علم حدیث سے متعلق مشہور فقہی اور اسنادی مباحث تو یاد ہو جاتے ہیں، لیکن متن حدیث یاد نہیں ہوتا۔اور بعض اوقات نہ اس کا صحیح ترجمہ کرنے کی اہلیت پیدا ہوتی ہے اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے عملی مسائل میں اس حدیث سے کیا رہنمائی ملتی ہے؟ حالانکہ حدیث کو پڑھنے پڑھانے کا اصل مقصد یہی تھا، اور تمام مباحث اضافی حیثیت رکھتے تھے۔

حضرت والد صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ: حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اور علامہ نوویؒ نے شرح مسلم میں شرح حدیث کے اس پہلو کا بھی حق ادا کیا ہے، وہ جہاں حدیث کے مرکزی موضوع پر مفصل بحث کرتے ہیں، اور وہاں سے حاصل ہونے والی دوسری ہدایات پر بھی ''وفیہ۔۔وفیہ'' کہہ کر متنبہ کرتے ہیں۔

چنانچہ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کی درس حدیث کی یہی شان تھی، آپ کے حدیث

(۱) درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں:۶۱، مفتی تقی عثمانی صاحب، ہمارا تعلیمی نظام:۱۰۵

حدیث سے جہاں تحقیقی معلومات کا ایک ذخیرہ طالب علم کو حاصل ہوتا تھا، وہیں تواضع ایثار، خشیت وللٰہیت اور دوسرے اسلامی اخلاق وآداب کی تعلیم بھی ساتھ ساتھ حاصل ہوتی رہتی تھی۔

اور مزید فرماتے ہیں:

آج کل اکثر وبیشتر مدارس میں درس حدیث کا یہ طریقہ عام ہوگیا ہے کہ حدیث کے جو ابواب مفصل فقہی اور اختلافی مباحث پر مشتمل ہوتے ہیں، ان میں تو تقریر بڑے زور وشور سے ہوتی ہے، لیکن ان مخصوص ابواب کے بعد درس اتنی تیزی سے چلتا ہے کہ طلبہ حدیث کے مفہوم سے بھی بے خبر رہتے ہیں، چنانچہ فضائل، ومناقب، آداب واخلاق، سیر ومغازی فتن اور اشراط الساعۃ کی ضروری تلاوت کرلیتا ہے، اور بس! حضرت والد صاحبؒ اس طرز عمل کے بہت مخالف تھے، اور فرمایا کرتے تھے: "درس حدیث میں "روایۃ ودرایۃ" کی تفریق عہد حاضر کی بدعت ہے، اسلاف میں اس کا کوئی نام ونشان نہیں، بلکہ شروع سال سے ہی معتدل انداز اختیار کیا جائے کہ تمام ابواب کے تحت ضروری معلومات طالب علم کے سامنے آجائیں، اور درس حدیث کا اصل فائدہ حاصل ہو۔

اس کے علاوہ حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ: درس حدیث میں جو فقہی اختلافات اور ان کے مفصل دلائل بیان کئے جاتے ہیں، ان کا مقصد جہاں اپنے مسلک کے دلائل کی وضاحت اور شبہات کا ازالہ ہوتا ہے، وہاں اصل مقصد طالب علم میں تحقیق ونظر کی صلاحیت پیدا کرنا ہے؛ تاکہ اس پر یہ بات واضح ہوجائے کہ حدیث سے مسائل واحکام کا استخراج متعارض احادیث میں تطبیق اور احادیث صحیح وسقیم کی تحقیق کن اصولوں کے تحت کس طرح کی جاتی ہے؟ چنانچہ جب سال بھر تک اس قسم کے مباحث طالب علم کے سامنے آتے رہتے ہیں، تو اس سے ایک مزاج پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعے آئندہ بساط کے مطابق تحقیقی کام کرسکتا ہے، لہٰذا ان مباحث کے دوران استاذ کو چاہئے کہ وہ یہ دیکھتا رہے کہ طالب علم میں یہ مزاج پیدا ہوا یا نہیں، استاذ کی تقریر کے ایک ایک لفظ کو یاد رکھنا طالب علم کی کامیابی کے لئے ضروری ہے، لیکن جن اصولوں کے تحت یہ مباحث ہوتے ہیں ان کا محفوظ ہوجانا

ضروری ہے۔

اور حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مفتی شفیع صاحب کے تدریس حدیث کے انداز کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اور چونکہ ان مباحث کا مقصد وہ ہے جو اوپر بیان ہوا، اس لئے ان مباحث میں جو مسائل ائمہ مجتہدین کے باہمی اختلافات سے متعلق ہیں، ان کو بیان کرتے وقت یہ انداز اختیار نہیں کرنا چاہئے، جیسے حق و باطل کے درمیان معرکہ ہے، یہ اختلافات مکمل طور سے اخلاص اور علمی دیانتداری پر مبنی ہیں، اوران کا حاصل زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اپنے مسلک کو ''صواب محتمل الخطا'' اور دوسرے کے مسلک کو'' خطا محتمل الصواب'' قرار دیا جائے؛ لہٰذا ان مسائل پر گفتگو کے دوران فریق ثانی کے احترام کو پوری طرح ملحوظ رکھا جائے اورس سلسلے میں مناظرانہ انداز سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے، جو حضرات جوش تقریر میں امام بخاری، امام دارقطنی، امام بیہقی، یا حافظ ابن حجر کی تردید کرتے ہوئے ان کے بارے میں ایسے کلمات کہہ دیتے ہیں، جو ان حضرات کے شایان شان نہیں ہوتے، حضرت والد صاحبؒ ان پر سخت نکیر فرماتے، اور اپنے استاذ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا کرتے تھے کہ: حافظ ابن حجر ہوں یا علامہ عینیؒ یہ سب حضرات صدیوں پہلے جنت میں اپنے خیمے گاڑ چکے ہیں، ان کی شان میں کوئی نامناسب بات کہہ کر اپنی عاقبت خراب نہ کرو''

اس کے علاوہ مفتی تقی عثمانی صاحب حضرت مفتی شفیع صاحب کا انداز تدریس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اسی طرح حضرت والد صاحب قدس سرہ اس طرز عمل کے بھی سخت

مخالف تھے کہ کسی خاص مسلک کا دفاع کرتے ہوئے کسی حدیث کو زبردستی کھینچ تان کر اس مسلک پر فٹ کرنے کی کوشش کی جائے اور اس کے لئے دور از کار تاویلات کا راستہ اختیار کیا جائے، اس کے بجائے آپ کا طرز عمل یہ تھا کہ اگر قرآن وحدیث کے دوسرے دلائل کی روشنی میں حدیث کی کوئی بے تکلف توجیہ ہوسکتی ہو تو اسے اختیار کیا جائے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو واضح طور پر یہ اعتراف کر لیا جائے کہ اس سے فلاں مجتہد کا مسلک ثابت ہوتا ہے، البتہ اس کے مقابلے میں اپنے امام کی دلیل اور ان کے قول کا ماخذ بھی بیان کر دیا جائے، اور اس کی جو بے تکلف وجوہ ترجیح موجود ہوں انہیں واضح کر دیا جائے، حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہوا ہی اس مقام پر ہے جہاں دلائل کی رو سے دونوں راہوں کی گنجائش موجود تھی، لہذا یہ ثابت کرنے کی فکر کہ دوسرا مسلک بلا دلیل ہے، بڑی نادانی کی بات ہے، واقعہ یہ ہے کہ دلائل دونوں طرف موجود ہیں، اور کسی ایک مجتہد کی تقلید تو کی ہی اس مقام پر جاتی ہے، جہاں دلائل متعارض ہوں، اس لئے اگر کسی حدیث کے بارے میں یہ مان لیا جائے یہ شافعیہ یا حنابلہ یا مالکیہ کے مسلک پر دلالت کرتی ہے تو یہ واقع کے عین مطابق ہوگا، کیوں کہ اگر اس مسلک پر کوئی دلیل نہ ہوتی تو یہ حضرات اسے اختیار ہی کیوں فرماتے۔

اس ضمن میں حضرت والد صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے ۴۵ھ میں جو پہلا حج کیا تو وہاں حرم مکہ میں حدیث کے مختلف درس ہوا کرتے تھے، ان میں شرکت کی تو ان کا طریقہ بہت پسند آیا کہ وہ حدیث میں تاویلات کرنے کے بجائے ایک ہی بات کی مختلف احادیث آتیں تو

ایک حدیث کے تحت فرماتے "فيه حجة ساداتنا المالكية" پھر اس کے مخالف دوسری حدیث آتی تو فرماتے: "فيه حجة ساداتنا الحنفية" (۱)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ حدیث کے درس کے اصول کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اسباق میں طویل تقریر کے بجائے کتاب سے استنباط پر زیادہ توجہ دلائی جائے تو زیادہ مفید ہے کہ اس سے قابلیت پیدا ہوتی ہے، تقریر اور شرح سامنے نہ ہو تب بھی الفاظ سے اخذ مطلب واستنباط کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے، اسباق حدیث ومطالعہ میں باوضو رہنا موجب برکت ہے، علم کی کتابوں کی قدر شناسی بہت ضروری ہے، جامع بیان العلم میں لکھا ہے: "إن من بركة العلم أن تضيفه إلى أهله" جو بات جہاں سے لی جائے اس کی طرف اس کی نسبت کردی جائے، اس کو اپنے ذہن کی اختراع نہ بتایا جائے، بیان کرنے یا سمجھنے میں اگر چوک ہوجائے تو اس سے رجوع ہونے میں عار نہ ہو"۔ (۲)

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ انعام الباری شرح بخاری کے مقدمے میں حدیث کی تدریس کے اصول کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تدریس کے سلسلے میں بندے کا ذوق یہ ہے کہ شروع میں طویل بحثیں کرنے اور آخر میں روایت پر اکتفا کرنے کے بجائے سبق شروع سے آخر تک توازن سے چلے، بندے نے تدریس کے دوران اس اسلوب پر عمل کی حتی الوسع کوشش کی ہے، نیز جو خالص کلامی اور نظریاتی

---

(۱) میرے والد میرے شیخ: ۷۹ تا ۸۳

(۲) تربیت الطالبین، ما یتعلق بالمدارس: ۲۶۰، محمد فاروق غفرلہ، جامعہ محمودیہ، میرٹھ

مسائل جو ان فرقوں سے متعلق ہیں، جواب موجود نہیں رہے، ان پر
بندے نے اختصار سے کام لیا ہے، تاکہ مسائل کا تعارف تو طلبہ کو ضرور
ہو جائے، لیکن ان پر طویل بحثوں کے نتیجے میں دوسرے اہم مباحث کا
حق تلف نہ ہو'' (۱)

درس حدیث میں حاضری کی اہمیت اور اس کے فوائد

ان احادیث میں مباحث بھی آئیں گے، لمبی چوڑی تقریریں بھی ہوں گی اور بعض اوقات طلبہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ ہر کتاب کی تقریریں چھپی ہوئی ہیں، اور اگر چھپی ہوئی نہیں ہیں تو طلبہ فوٹو اسٹیٹ کرا کر رکھ لیتے ہیں، اس میں ساری تقریریں لکھی ہوئی ہیں، اگر کوئی سبق چھوٹ گیا یا سبق کا کوئی حصہ رہ گیا تو کچھ غم نہیں، اس واسطے کہ اس تقریر مطبوعہ یا فوٹو اسٹیٹ کی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہے، اس علم میں تقاریر اور مباحث ثانوی چیز ہے، اس میں اصل مقصود یہ ہے کہ یہ احادیث ہم کو سند متصل کے ساتھ نبی کریم + تک حاصل ہو جائیں، یوں بھی خیال آ سکتا ہے کہ بخاری شریف کی اور شروحات بھی چھپی ہوئی ہیں، بس مطالعہ کر لیا جائے، کسی استاذ سے پڑھنے کی کیا ضرورت؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس علم میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ یہ احادیث جب سند متصل کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں تو اس کے انوار و برکات اور اس کے فوائد اور ہوتے ہیں، اور مطالعہ کر کے جو حدیث پڑھ لی جاتی ہے، اس کے فوائد کچھ اور ہوتے ہیں، درس حدیث کے دوران جو یہ جملہ کہا جاتا ہے:

''بالسند المتصل منا إلى الإمام البخاري رحمه الله قال حدثنا الحميدي''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنا دامن اس سلسلۃ الذہب کے ساتھ لا کر جوڑ دیا جائے، جس کی انتہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو رہی ہے، اگر گھر میں مطالعہ کر کے تم حدیث پڑھو، اگر استعداد اچھی ہے تو ترجمہ وہاں بھی آ جائے گا، اور اگر کوئی لفظ سمجھ میں نہیں آ رہا ہوگا تو شرح اور حاشیہ سے بھی سمجھ میں آ جائے گا، اس سے بھی نہیں آ رہا تو لغت کی مدد سے سمجھ میں آ جائے گا،

---

(۱) انعام الباری: ۱/ ۴، مقدمہ، مکتبۃ الحراء، کراچی

لیکن احادیث کو "صدرا عن صدر" سینہ بہ سینہ حاصل کرنے کی جو برکات ہیں تنہا مطالعہ کرنے سے وہ حاصل نہیں ہوسکتیں۔

علم حدیث اور استاذ کی حقیقت

جب کسی استاذ کے پاس جا کر حدیث پڑھی جاتی ہے، تو اس کی برکات اور انوار کچھ اور ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا فہم اور فیضان فرماتے ہیں، اللہ تعالی کی یہ سنت ہے کہ وہ اساتذہ کے ذریعے طالب علم کے قلب پر علوم کا فیضان فرماتے ہیں نہ اس کے پاس کچھ قدرت ہے نہ اپنا ذاتی کوئی علم ہے، نہ اسکے پاس کوئی اور طاقت ہے کہ وہ تمہیں کوئی چیز عطا کردے، معطی حقیقی تو اللہ تعالی کی ذات ہے، وہی دیتے ہیں، لیکن وہ دینے کے لئے بعض اوقات کسی کو واسطہ بناتے ہیں، اور اس کی یہ سنت ہے کہ کسی واسطے سے عطا فرماتے ہیں، دیکھو حضرت موسی علیہ السلام وادی سینا میں تشریف لے گئے، نبوت عطا ہونے والی ہے، اور اللہ تعالی چاہتے ہیں کہ حضرت موسی علیہ السلام پر وحی نازل فرمائیں حضرت موسی علیہ السلام سے ہم کلام ہوں تو یہ بھی کر سکتے تھے کہ اللہ جل جل جلالہ براہ راست حضرت موسی علیہ السلام سے ہم کلام ہوتے، لیکن اس کے بجائے فرمایا کہ یہ شجرہ مبارکہ ہے، شجرہ مبارکہ کے ذریعے اس کو واسطہ بنا کر کلام فرمایا، یہ اللہ تعالی کی سنت ہے کہ کسی کو واسطہ بناتے ہیں، چاہے وہ فرشتہ ہو، جبرائیل امین ہوں یا شجرہ وادی سینا ہو اس کو واسطہ بنا دیتے ہیں۔

استاذ بھی درحقیقت اللہ عز وجل کا بنایا ہوا ایک واسطہ ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں، دینے والے تو وہی ہیں، بعض اوقات طالب علم کی برکت سے استاذ کے قلب پر اللہ جل جلالہ کی طرف سے وہ علوم القاء ہوتے ہیں، جو استاذ کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتے، اس واسطے اس طریق میں اساتذہ سے علم حاصل کرنے کی بڑی اہمیت ہے، ورنہ اگر بغیر استاذ کے پڑھنے سے علم آجایا کرتا تو پھر مدرسہ کی ضرورت نہیں تھی، لہٰذا کوشش کرو کہ جتنی احادیث پڑھو استاذ سے پڑھو، کوئی حدیث چھوٹنے نہ پائے، حاضری کا اتنا اہتمام ہو کہ کوئی حدیث بھی استاذ کے بغیر پڑھنی نہ پڑھے اور چھپی ہوئی تقریروں پر بھروسہ نہ کرو۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے اپنا واقعہ لکھا ہے کہ ہم نے جب دورہ حدیث پڑھا تو میں نے یہ طئے کرلیا تھا کہ ان شاء اللہ کوئی حدیث بھی استاذ کے بغیر نہیں پڑھوں گا، اور حاضری کا اہتمام کروں گا کہ کوئی سبق یا حدیث کا حصہ چھوٹنے نہ پائے، میرے ایک ساتھی (مولوی حسن احمد) تھے انہوں نے بھی یہی عہد کررکھا تھا؛ لیکن اب ظاہر ہے انسان ہے اور دورۂ حدیث میں یہ ہوتا ہے کہ صبح جو پڑھنے بیٹھتے ہیں تو بعض اوقات چار چار، پانچ پانچ گھنٹے مسلسل سبق میں بیٹھنا پڑتا ہے، تو درمیان میں طبعی ضروریات بھی پیش آتی ہیں، بعض اوقات وضو تازہ کرنے کی ضرورت درپیش ہوتی ہے، اگر وضو کرنے گئے تو اتنی دیر میں اگر دو چار حدیثیں نکل گئیں تو مقصد حاصل نہیں ہوتا، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھی سے معاہدہ کرلیا تھا کہ جب میں اٹھ جاؤں تو اتنی دیر میں تم استاذ سے کوئی سوال ایسا کرلینا تاکہ جتنا وقت میرا وضو کرنے میں گذر رہا ہے وہ سوال وجواب میں گذر جائے اور جب میں واپس آؤں تو پھر حدیث شروع ہوجائے، چنانچہ کہتے ہیں کہ ہم ایسا ہی کرتے رہتے تھے جب اس ساتھی کو وضو کی ضرورت پیش آئی تو اس نے مجھے اشارہ کیا میں نے استاذ سے کوئی سوال کرلیا وہ جواب دینے میں لگ گئے یہاں تک کہ وہ وضو کرکے آ گیا۔

کافی دنوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا، کچھ دن کے بعد استاذ سمجھ گئے کہ انہوں نے آپس میں یہ چکر چلایا ہوا ہے تو کہتے ہیں: ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میرے ساتھی مولوی حسن احمد کو وضو کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے مجھے اشارہ کیا اور اٹھ کر جانے لگے، تو میں نے سوال کیا کہ حضرت آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کی ایک بات نظر سے گذری تھی، اس میں یہ اشکال ہے، استاذ نے فرمایا: میاں! علامہ ابن ہمام کو چھوڑ، تیرے ساتھی کو وضو کرنا ہے وہ کرکے آجائے میں اتنی دیر کے لئے رک جاتا ہوں، فضول میرا دماغ کیوں کھاتا ہے؛ لیکن اس کے نتیجے میں فرمایا کہ سارے دورہ حدیث میں کسی کتاب کی الحمد للہ کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں گذری جو استاذ کے سامنے نہ پڑھی گئی ہو۔(۱)

(۱) آپ بیتی: ۵۸/۲

حدیث سے محبت وعقیدت کی وجہ سے آپ ''شیخ الحدیث'' بنے ہیں، آپ کا فیض اب تک دنیا میں پھیل رہا ہے۔

لہٰذا دورہ حدیث کے ایک ایک طالب علم کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ تمام اسباق میں پابندی سے حاضری ہو، اس پابندی سے ان شاء اللہ احادیث کا فیض اور برکات ظاہر ہوں گی ''لقوله عليه السلام : نضر الله امرءا سمع مقالتي الخ''۔

مطالعہ حدیث

دورہ حدیث کے سال میں طلبہ یہ سمجھتے ہیں کہ اب مطالعہ وتکرار کی تکلیف اٹھالی گئی ہے، اب ہم اس محنت شاقہ کے مکلف نہیں ہیں، یہ بھی شیطان کا دھوکہ ہے، یہ سال تو ہے ہی مطالعہ کا سال، رات کے اسباق جب تک شروع نہ ہوں تکرار بھی کرنا چاہئے، اور مطالعہ بھی، تمام طلبہ میں اس بات کا اہتمام ہونا چاہئے کہ کوئی بھی سبق کم از کم ابتداء میں مطالعہ کے بغیر نہ ہو، تاکہ حدیث کا متن اور عبارت درست ہوجائے، اس کا مطلب سمجھ میں آجائے، مفہوم اور مباحث کا خلاصہ بھی سمجھ میں آجائے، اور جو کتاب پڑھ رہے ہو اس کے حاشیہ کو اچھی طرح پڑھ کر آؤ، ہم اپنے زمانہ میں اس طرح کرتے تھے کہ جب بخاری شریف پڑھتے تھے تو اس کے ساتھ عمدۃ القاری، فتح الباری، اور فیض الباری تین کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے، مسلم شریف کے ساتھ ''فتح الملہم'' کا اور ابوداؤد کے ساتھ ''بذل المجہود'' ترمذی کے ساتھ ''العرف الشذی'' نسائی اور ابن ماجہ کے لئے حواشی دیکھا کرتے تھے۔

مبادی علم حدیث کا اچھی طرح مطالعہ

شروع میں اسباق کی کثرت نہیں ہوتی، وقت بھی کافی ہوتا ہے تو اس وقت کو استعمال کرتے ہوئے مقدمہ علم حدیث کی کے مباحث کا اچھی طرح مطالعہ کرلینا چاہئے، میری کتاب درس ترمذی میں علم حدیث تعریف، موضوع، غرض وغایت، حجیت حدیث اور رواۃ حدیث کے طبقات اور احادیث سے متعلق دیگر مباحث تفصیل کے ساتھ آئے ہیں، نیز اس کا مقدمہ بھی اہتمام سے پڑھ لو۔

اگر ممکن ہو تو اعلاء السنن کا مقدمہ (اعلاء السنن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ہے، بیس جلدوں میں ہے) اس کے دو مقدمے ہیں، ایک کا نام "انہاء السکن إلی من یطالع إعلاء السنن" اور دوسرا ہے: "إنجاء الوطن عن الازدراء بإمام الزمن" اور دونوں مقدمے ایک جلد میں آ گئے ہیں، اگر ہو سکے اور میسر ہو تو اس کا مطالعہ کیا جائے، یہ دو کتابیں اگر آپ نے مطالعہ کر لیں، ایک مقدمہ درس ترمذی، اور دوسرا مقدمہ اعلاء السنن تو ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ آپ کو علم حدیث کے بنیادی مبادی سمجھ میں آ جائیں گے، اور ان کی مدد سے پورے دورۂ حدیث کے مباحث میں آپ کو سہولت ہوگی۔

اردو زبان میں علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب ''آثار الحدیث'' (دو جلدیں) اور علم حدیث میں درجنوں کتابوں کے مصنف مولانا عبد الماجد غوری صاحب کی ''علوم حدیث کے تاریخ وتعارف'' کا مشورہ دیا جا سکتا ہے، بالخصوص ثانی الذکر کتاب دریا بکوزہ ہے قدیم و جدید، عرب وعجم، متقدمین ومعاصرین کے مختصر جامع تعارف پر مشتمل ہے۔

حدیث پڑھنے کا اصل مقصد

دورہ حدیث کے سال میں فقہی اور کلامی مباحث کثرت سے ہوتے ہیں، بخاری، ترمذی، ابوداؤد اور مسلم ان چار کتابوں میں خاص طور پر بعض اوقات لمبی چوڑی تحقیقات ومباحث ہوتی ہیں، ان مباحث سے حدیث کے طالب علم کے لئے معلومات کا راستہ کھلتا ہے، لیکن حدیث پڑھنے کا مقصود اصلی اپنی اصلاح اور اتباع سنت ہے۔

محمد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے جنید بغدادی کو خواب میں دیکھا، تو میں نے پوچھا کہ اللہ تعالی نے کیا معاملہ فرمایا ہے، تو انہوں نے فرمایا:

"طاحت تلك الإشاراتُ، وغابت تلك العباداتُ، وفنيت تلك العلومُ، ونفدت تلك الرسومُ، وما نفعنا إلا ركيعات كُنَّا نَركعُها في الأسحارِ" فرمایا کہ وہ اشارے (اشارے سے مراد علمی اشارے) سب مٹ گئے، جو عبادتیں ہم کی وہ سب غائب ہو گئے، تمام علم دین فنا ہو گئے، تمام رسم ورواج برباد ہو گئیں

اور فائدہ جو پہنچا ان چھوٹی چھوٹی رکعتوں سے پہنچا جو ہم رات کے آخری حصہ میں پڑھ لیا کرتے تھے۔

معلوم ہوا کہ حدیث کا اصل مقصود یہ تحقیقات اور تقاریر نہیں؛ بلکہ اصل مقصود عمل ہے، جو حدیث بھی پڑھو عمل کی نیت سے پڑھو اور حتی الامکان اس کو علم میں لانے کی فکر کرو، خاص طور پر فضائل کی احادیث کو اس لئے پڑھنا ہے کہ عمل کی توفیق ہو، جب خود کو عمل کی توفیق ہو جائے تو دوسرے مسلمان بھائی کو بھی فائدہ پہنچانے کی کوشش کرو۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ: الحمدللہ کوئی حدیث ایسی نہیں پڑھی جس پر کبھی نہ کبھی عمل نہ کرلیا ہو، یعنی بعض ایسی فضائل کی چیزیں ہوتی ہیں جو محض مستحب ہیں، فرض نہیں، واجب نہیں، ہم جیسا کوئی مولوی ہو تو وہ یہ تاویل کرلے گا کہ بھائی کوئی فرض و واجب تو نہیں ہے کہ ضرور کیا جائے، لیکن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی حدیث نہیں چھوڑی جس پر عمل نہ کیا ہو، الحمدللہ، اور عمل ہی سے علم میں پختگی پیدا ہوتی ہے، اگر عمل نہیں تو علم میں پختگی پیدا نہیں ہوتی، خاص طور پر اخلاق وآداب کی احادیث، جیسے کھانے، پینے، سونے، جاگنے اور لوگوں سے ملاقات کے آداب پر مشتمل احادیث ہیں، ان میں ایک ایک ہدایت کو اپنی زندگی میں اپنانے کی کوشش کرو۔

حدیث سے زندگی میں انقلاب

ہم نے صرف نماز، روزہ، اور چند عبادات کا نام دین رکھ لیا ہے، حالانکہ معاشرت کے بے شمار آداب دین کا اہم حصہ ہیں، وہ ہم بھلائے بیٹھے ہیں، اور بعض اوقات ان پر عوام تو عمل کر لیتے ہیں، لیکن ہم نہیں کرتے، یہ بڑی خرابی کی بات ہے، خلاصہ یہ کہ دورہ حدیث کے سال میں زندگی میں ایک انقلاب اور تبدیلی آنی چاہئے، اب تک جیسا کچھ وقت گذرا، سو گذرا، اب حدیثِ رسول اللہ ﷺ کے طالب علم کی حیثیت سے اعمال، اخلاق و کردار میں تبدیلی آنی چاہئے، میرے والد ماجد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ ”جاء حمار صغیر و رجع حمار کبیر“ ایسا نہ ہونا چاہئے، بلکہ کچھ لے کر جائیں۔

حدیث سے متعلق تدریسی تجربات

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حضرت علامہ ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے حدیث کے طلباء اور اشتغال رکھنے والوں کے لئے چند ایک اصول ومبادی بیان کئے ہیں:

۱۔ پہلی چیز جس کا اہتمام بہت زیادہ ضروری اور اہم ہے، وہ کتب حدیث کے درس وتدریس اور بحث وتحقیق میں اخلاص واحتساب اور تصحیح نیت ہے؛ اس لئے کہ رسول اللہ نے بعض ان خالص دینی واجبات واعمال میں (جس کو انسان محض امرِ الٰہی کی تعمیل اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کرتا ہے) ایمان واحتساب کی شرط لگائی ہے، اس لئے کہ ان اعمال میں بھی بعض مرتبہ ماحول کا دباؤ اور لوگوں کے قیل وقال اور تنقید وملامت کا خوف شامل ہوجاتا ہے اور انسان ان اعمال کو بھی معاشرہ کے اثر سے اور ملامت کے خوف سے کرتا ہے تو آپ نے ان دینی واجبات واعمال میں بھی حصول ثواب ورضائے الٰہی اور حصول تقرب کی نیت کے استحضار کی قید لگادی، اور یہ بات نبی ہی کہہ سکتے ہیں جس پر اللہ کی طرف سے وحی کا نزول ہوتا ہو، اور وہ انسانی کمزوریوں اور خواہشات نفسانیہ کے اسباب اور شیطانی مکائد سے بخوبی واقف ہو، ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه وما تاخر"(۱) (جس نے رمضان کے روزے رکھے، ایمان واحتساب کی نیت سے، تو اللہ تعالیٰ اس کے گذشتہ گناہوں کو معاف کردے گا) اسی طرح دوسری جگہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: "من قام لیلة القدر ایمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه"(۲) (جو لیلۃ القدر میں ایمان واحتساب کی نیت سے عبادت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے گذشتہ سب

(۱) بخاری: کتاب الصوم، باب من صام رمضان ایمان واحتسابا

(۲) صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب فضیلۃ لیلۃ القدر

گناہوں کو معاف فرما دے گا)۔

توجب انسان کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ رمضان کے روزے اور شبِ قدر کی عبادت کو (جب کہ ان میں مشقت ومجاہدہ ہے اوران کو صرف تقرب الی اللہ اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے مشروع کیا گیا ہے) ایمان واحتساب سے خالی ہو کر کرے تو وہ اعمال ومساعی جن کے متعدد مقاصد وفوائد ہو سکتے ہیں، ان کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے؛ اس لئے ان مساعی ومشاغل میں اس کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے کہ ان میں اجر وثواب کی نیت کا استحضار ہو اور انفرادی واجتماعی فوائد ملحوظ ہوں اور اس کی تبلیغ ودعوت ہو، اس کی روشنی میں معاشرہ کا جائزہ لیا جائے، اور آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد پر عمل ہو کہ

"نضر الله امراء سمع منا شيئا فبلغه كما سمعه، فرب مبلغ أوعى من سامع" (۱)

اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز وشاداب رکھے! جس نے ہم سے کچھ سنا، پھر ویسے ہی اس کو دوسروں تک پہنچایا، بسا اوقات جس کو اس نے پہنچایا ہے وہ سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والا ہوتا ہے) امام بخاری نے اپنی کتاب کی ابتداء بڑی حکمت سے کی ہے اور اس میں توفیقِ الٰہی شامل ہے کہ انہوں نے باب سے پہلے یہ حدیث ذکر کی ہے۔

"إنما الاعمال بالنيات" (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے)

اس حدیث سے کتاب کی ابتداء میں امام بخاری کے دو اہم مقاصد ہیں پہلا مقصد تو یہ ہے کہ امام صاحب نے یہ اشارہ فرما دیا کہ ان کی جمع وتالیف کا یہ عمل محض رضائے الٰہی کے حصول اور ثواب کی امید میں ہے اور اس لئے ہے کہ کلامِ رسول اللہ ﷺ جو صحیح سندوں سے ثابت ہے، اس کو عام طور پر مسلمانوں اور خاص طور پر علماء اور حدیث سے اشتغال رکھنے والوں تک پہنچا دیا جائے۔

دوسرا مقصد امام صاحب کا یہ ہے کہ وہ پڑھنے والوں کو بھی تصحیحِ نیت کی دعوت دیں،

(۱) ترمذی: باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع، حدیث: ۲۶۵۷

اور رضائے الٰہی کے حصول کا جذبہ یاد دلائیں، اس طرح یہ حدیث شریف کی کسی بھی کتاب کے لئے بہترین دیباچہ اور مقدمہ ہے۔

علم حدیث کے طلبہ اور مطالعہ کرنے والوں کے لئے سب سے ضروری یہ ہے کہ وہ اپنی نیتوں کی تصحیح کریں، اپنے اندر اخلاص واحتساب پیدا کریں، تقرب الی اللہ کا جذبہ بیدار کریں، اس کے ثواب اور توفیق کی امید رکھیں، اور طلبِ دنیا اور مادی اغراض ومقاصد کو دل سے نکال دیں، شہرت وناموری اور حصولِ دنیا کا جذبہ ان کے اندر نہ ہو، اگر بغیر قصد وارادہ کے بھی یہ بات دل میں پیدا ہو تو اس کو کھرچ دیں۔

۲- ایمان واحتساب اور حدیث نبوی کی قدر ومنزلت کی معرفت کے ساتھ ساتھ اس کا وہ ادب واحترام جو اس کے شایانِ شان ہے، تواضع وفروتنی کا اظہار، اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطاء فرمائی ہوئی توفیق وسعادت پر اس کا شکر بجالانا بھی ضروری ہے، اس سلسلہ میں حدیث کے مدرسین ومعلمین اور اس کی قدر پہچاننے والے اور اس توفیقِ الٰہی پر اس کا شکر کرنے والے طلبۂ حدیث کے عجیب ومحیر العقول واقعات تاریخ کی زینت ہیں کہ وہ کس طرح اس کے درس ومطالعہ کے وقت باضو رہتے اور آداب ملحوظ رکھتے اور انصاف سے کام لیتے، اور جس نے اس کے خلاف کیا، احادیث اور کتب حدیث کے ساتھ سوءِ ادب اور اہانت کا معاملہ کیا اور سخت تنقیدیں کیں، ان کے بارے میں ایسے واقعات موجود ہیں، جن کو سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں کہ کس درجہ وہ الحاد ودہریت کا شکار ہوگئے، اور غضب الٰہی کا نشانہ بنے، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں اور طالبانِ علوم دینیہ کو اس دردناک انجام سے محفوظ فرمائے۔

۳- قرآن مجید سے یہ بات ثابت ہے کہ بعثتِ شریفہ کے بنیادی مقاصد میں تعلیمِ کتاب وسنت اور تزکیہ نفوس ہے، اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولاً مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا

لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (۱)

’’جس طرح (من جملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تم میں تم ہیمیں سے
ایک رسول بھیجا جوتم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور تمہیں پاک
بناتے ہیں اور کتاب (قرآن) اور دانائی سکھاتے ہیں، اور ایسی باتیں
بتاتے ہیں جوتم سے پہلے نہیں جانتے تھے‘‘

تو تزکیہ نفوس بعثت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے، اور ان بڑے مظاہر میں سے ہے جن میں معجزہ نبوی، شریعت اسلامی اور اسوۂ رسول ﷺ کا ظہور ہوا اور یہ مسئلہ اخلاقی تہذیب، فضائل سے آراستہ ہونے اور رذائل سے پاک ہونے کا ہے، کہ وہ مسلمان جو اس نبوی مدرسہ وتربیت گاہ سے تربیت یافتہ ہیں، اخلاق کی بلندی اور انسانی اقدار میں کامل نمونہ ہوں، اور یہ سب کچھ نور نبوت اور تعلیمات نبوی کا فیضان ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی عملی تفسیر ہوں:

’’لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو
اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا‘‘ (۲)

’’اور تم کو پیغمبر خدا ﷺ کی پیروی (کرنی) بہتر ہے، (یعنی) اس شخص کو
جسے خدا (سے ملنے) اور روزِ قیامت (کے آنے) کی امید ہو اور وہ خدا
کا ذکر کثرت سے کرتا ہو‘‘

اس لئے خصوصا کتب حدیث اور دواوین سنت سے استفادہ کرتے وقت تزکیہ نفس ،تہذیبِ اخلاق، اتباعِ سنت، تعلیمات وآداب نبوی کی پیروی کے پہلو کی طرف توجہ کی ضرورت ہے، ہر حدیث کا طالب چہ جائے کہ معلم ومحقق ہو، اس کو لوگوں کے لئے اخلاق ومعاملات میں طور وطریق میں اسوہ ونمونہ ہونا چاہئے، علم حدیث اور سیرت وسنت سے اشتغال کی تاثیر اس کی زندگی سے نمایاں ہو، اس کا طور وطریق اس کی اثر پذیری پر ایک

(۱) سورہ بقرۃ:۱۵۱

(۲) سورہ احزاب:۲۱

روشن دلیل ہو، اور یہ چیز لوگوں کو (خاص طور پر ان ممالک میں جن میں اکثریت غیر مسلموں کی ہو یا وہاں مغربی تہذیب کا غلبہ ہو) اس امتیاز وتفوق کے اسباب پر غور وفکر پر آمادہ کرے، اور اسلام وسیرت نبوی کے مطالعہ پر مجبور کرے، یہ دعوتِ اسلام کا ایک بہترین ذریعہ اور ذرائع ابلاغ اختیار کئے بغیر ان کو متوجہ کرنے کا ایک اچھا راستہ ہے۔

اس مقصد کی تکمیل کے لئے خاص طور پر ان احادیث صحیحہ کی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے جن میں خاص طور پر اس موضوع پر توجہ دی گئی ہے۔

ان اہم ترین کتابوں میں امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری کی ''الادب المفرد'' ہے، دوسری کتاب جو اس موضوع پر تصنیف کی گئی وہ حافظ کبیر ذکی الدین عبدالعظیم المنذری دمشقی کی ''الترغیب والترہیب'' ہے جو چار ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

تیسری کتاب جو مشہور ومقبول ہے، امام ابوزکریا محی الدین یحی بن شرف نووی کی ''ریاض الصالحین'' ہے۔

اخیر میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ وہ مذاہبِ فقہیہ جن پر زمانہ قدیم سے عمل چلا آرہا ہے جن میں احکام کے استنباط واستخراج کی بنیاد کتاب وسنت ہے، ان کو ہدف ملامت نہ بنایا جائے، اس لئے کہ یہ بے موقع صلاحیتوں کا ضائع کرنا اور دوست سے برسرپیکار ہونا ہے۔ (اس موضوع پر ''حجۃ اللہ البالغۃ'' و''ازالۃ الخفاء'' کے مصنف حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی کتاب ''الانصاف فی بیان أسباب الاختلاف'' (اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ) کا مطالعہ کیا جائے)۔

بیشک اجتہادی اختلافات کے اظہار کی گنجائش موجود ہے، بشرطیکہ نیت درست ہو، زہد وتقوی اور اخلاص پایا جاتا ہو، کتاب وسنت کا احترام ہو، اور ان کو اساسِ اول قرار دیا جائے، اور جن کو اللہ نے قبولیت دیا ہے ان کا بھی احترام کیا جائے۔

ان تمام چیزوں کے بجائے تمام تر توجہات اور اللہ کی دی ہوئی صلاحیتیں کتاب وسنت کی تحقیق ومطالعہ اور قرآن وحدیث سے استدلال میں صرف کئے جائیں، اور اللہ تعالیٰ

نے جو زور بیان، قوت خطابت واستدلال عطا فرمایا ہے ان کو شرک وبدعات اوران کے مظاہر کی تردید میں لگایا جائے۔(۱)

ڈاکٹر عتیق الرحمان اور مولانا شاہجہاں قاسمی فرماتے ہیں:

''مدارس میں مشکاۃ شریف اور صحاح ستہ تقریباً سب ہی دینی مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ کچھ مدارس میں صحاح ستہ کی کتابیں اونچے درجوں کے مختلف سالوں میں ایک ایک دو دو کر کے پڑھائی جاتی ہیں، جس کو دورے کا سال کہا جاتا ہے، تمام صحاح کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اس سلسلہ میں ایک تجویز یہ ہے کہ فن کی اونچی کتابیں پڑھانے کا طریقہ کار یہ ہونا چاہئے کہ اس فن کی اعلی کتابوں کی تعلیم پوری شرح وبسط کے ساتھ بتدریج دی جائے تاکہ ہر طالب کے سامنے کوئی علمی گوشہ تشنہ طلب نہ رہ جائے؛ بلکہ ہر بات اس کے ذہن نشیں ہوتی چلی جائے۔ظاہر ہے کہ یہ خوبی صرف ایک سال میں تمام صحاح کی کتابوں کے پڑھانے سے پیدا نہیں ہوسکتی، اس لئے بہتر ہوگا کہ ہر مدرسہ میں صحاح کی کتابیں اونچے درجات کے مختلف سالوں میں پڑھائی جائیں؛ تاکہ طلبہ بتدریج یہ کتابیں پڑھ کر اس فن میں بصیرت پیدا کرسکیں''۔(۲)

اصولِ حدیث

حدیث شریف سے پورے طور پر استفادہ کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ پہلے اس کے اصول وضوابط سے واقفیت حاصل کی جائے کہ کون سی حدیث صحیح ہے، کس کو حدیث مرسل کہتے ہیں، حدیث ضعیف یا حدیث حسن کی کیا تعریف ہے، ان تمام امور کی جان کاری

---

(۱) مطالعہ حدیث کے اصول ومبادی: ۸۰ تا ۸۴، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، سید احمد شہید اکیڈمی، دار عرفات، رائے بریلی

(۲) دینی مدارس: مولانا ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری،: ۲۲۳۔۲۲۴، فضل بک سوپر مارکیٹ، کراچی

اصول حدیث کی کتابوں سے ہوتی ہے؛ اس لئے دینی مدارس میں اس فن کی چند ہی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اس سلسلہ میں مختلف مدارس میں مقدمہ مشکاۃ، اور نخبۃ الفکر عموماً پڑھائی جاتی ہیں، اس کے علاوہ اصول حدیث اور تاریخ علوم حدیث (الحدیث والمحدثون) کو شامل نصاب کیا جائے تو علم حدیث کی تدوین اور اس کی تاریخ سے واقفیت ہوسکتی ہے۔(۱)

(۱) حوالہ سابق: ۴۲۵

نصاب دار العلوم میں

خارجی مطالعہ کا نظام

دار العلوم دیوبند میں اس وقت بھی خارجی مطالعہ کا اہتمام موجود ہے، موجودہ دار العلوم کے نصاب پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہر کلاس اور جماعت میں خارجی مطالعہ کا اہتمام موجود ہے، سال سوم میں ''تاریخ ملت''، ''خلافتِ راشدہ'' اور سال چہارم میں علوم عصریہ اور تاریخ اسلام کے کے تحت تاریخ ملت: ''خلافت امیہ و بنی عباسیہ''، ''تاریخ جغرافیہ''، ''علم مدنیت'' اور سال پنجم میں ''تاریخ سلاطین ہند'' اور سال ششم میں مطالعہ کے تحت ''اصح السیر'' یہ ساری کتابیں خارجی مطالعہ کے تحت شامل نصاب ہیں۔(۱)

۱۔ **تاریخ ملت:** خلافت راشدہ: یہ جناب زین العابدین سجاد میرٹھی اور جناب مفتی انتظام اللہ سہانی اکبر آبادی کی تالیف کردہ کتاب ہے، تاریخ ملت کے اس دوسرے حصہ میں خلافت راشدہ کا مفصل تذکرہ ہے، اس کتاب میں خلافت راشدہ کے حوالہ سے تمام واقعات کو قدیم وجدید معتبر و مستند تاریخی کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے، بیان ان واقعات کے ساتھ ساتھ واقعات کے علل و اسباب اور ان کے اثرات ونتائج سے بھی جا بجا تعرض کیا گیا ہے، تا کہ طلباء میں ذوقِ تحقیق اور وسعت نظر پیدا ہو۔

۲۔ **تاریخ ملت:** سلاطین ہند: یہ بھی مذکورہ بالا مصنفین کی کتاب ہے، یہ کتاب سلاطین ہند کی کی سیرت اور ان کی ملکی خدمات اور رواداری، تہذیبی علمی ترقی میں ان کے مساعی کو بیان کرتی ہے، فتوحات کے ساتھ مفتوحین کے ساتھ ان کے حسن

(۱) قواعد داخلہ، دار العلوم دیوبند: ۲۲

سلوک کو بیان کرتی ہے۔ ہندوستان کے ہر طرح کے لوگوں میں تعلیم کو رائج کیا جب کہ تعلیم صرف ہندوستان برہمن طبقہ کا حق سمجھا جاتا تھا۔

۳۔ **اصح السیر**، یہ حضرت مولانا ابوالبرکات صاحب داناپوری کی حضرت خیر البشر ﷺ کی سوانح اقدس پر مشتمل یہ کتاب ہے، یہ کتاب سیرت نبوی اور خصوصا مغازی رسول اللہ ﷺ کو بہت بہترین انداز میں باحوالہ اور مدلل پیش کرتی ہے، اس کتاب میں مقدمہ سیرت مع تاریخ عرب قبل البعثت مختصر مگر نہایت جامع ہے، پھر سیرت رسول اللہ ﷺ از ولادت تا وفات انساب کا حال، مکمل کتاب المغازی، مکمل کتاب الاموال، کتاب الوفود، حضور ﷺ کے قاصد، مکاتیب، حجۃ الوداع کا مفصل حال، ازواج النبی ﷺ کے حالات اور بے شمار معلومات کا خزینہ ہے، بہت سے اہم معرکۃ الآراء مسائل پر عالمانہ بحث ہے اور یہ تمام چیزیں اصح ترین روایات سے ماخوذ ہیں۔

فن تاریخ

علم تاریخ کی اہمیت ہم مسلمانوں کے لئے یوں بھی اوروں سے بڑھ کر ہے، ممکن ہے بعض معاصر اقوام تاریخ سے تغافل اور تجاہل کی متحمل نہیں ہوسکیں، ممکن ہے کہ ہماری پڑوسی اقوام اپنی بعض تاریخی کمزوریوں اورکوتاہیوں کی وجہ سے اپنی حقیقی تاریخ کونظرانداز کردینے ورخود بھلادینے اور دوسروں کوبھلوادینے پر مجبور ہوں (اگرچہ وہ ماضی بعید کی فرضی اوراساطیری داستانوں کوتاریخ کے نام سے منوانے اور ماضی قریب کی تاریخ کومسخ کرنے کی کوششوں میں دن رات مصروف ہیں) لیکن ہمارے لئے تاریخ سے تجاہل وتغافل ایک قومی خودکشی کے مترادف ہے، ہمارا دستور حیات قرآن مجید بار بار تاریخ پر زور دیتا ہے، اوراس سے سبق آموزی کی بار بار تلقین کرتا ہے، عصر حاضر کے ایک بالغ نظر مفکر کی رائے میں قرآن مجید نے تاریخ اوراس سے سبق آموزی پر بار بار زور دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق خداوند تعالیٰ تاریخ سے یعنی زمانے کے تسلسل اوراس کے اندر جو کچھ ہوتا ہے، اس سے اور خصوصا انسانی تاریخ سے ہرگز غافل نہیں ہے، بلکہ اس پر ہر وقت نگران ہے، جب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تاریخ صحیح راستے سے بھٹکتی نظر آئے تو اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ اس کے اندر دخل اندازی کرکے کچھ عناصر کو نیچے اور کچھ عناصر کواوپر کر دیتا ہے، قرآن مجید کا یہ ایک بنیادی سبق ہے۔

اس کے علاوہ قرون اولی کے مسلمان خود بھی انسانی تجربات ومشاہدات میں گہری دلچسپی رکھتے تھے، اور خیالی دنیا بسانے کے بجائے واقعات کونظر میں رکھنے اوران پر غور وخوض کرنے کے عادی تھے، اس لئے بہ نسبت یونانیوں کے مسلمانوں نے اور علوم کے ساتھ

علم تاریخ پر بھی پوری توجہ مبذول کی، ہندوؤں کا تو ذکر ہی کیا کہ ان کے یہاں تاریخ کا کوئی تصور ہی نہیں، دوسری قدیم اقوام میں سے کسی نے بھی تاریخ پر اتنی توجہ نہیں کی، جتنی مسلمانوں نے کی، تاریخ کو ایک مربوط اور منظم علمی شکل میں، اسلامی تعلیم جس کی مقتضی تھی، سب سے پہلے ایک مسلمان ابن خلدون ہی نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔(۱)

مولانا رضوان القاسمی علیہ الرحمۃ تاریخ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''تاریخ وسیر کو ہمارے یہاں سرے سے کوئی اہمیت نہیں دی جاتی ہے، حالانکہ مسلمانوں کا اور علماء اسلام کا خاص فن تھا، اور یہ ایسا فن ہے جس کے کسی بھی زمانہ میں غیر اہم ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، آج اسلام کے خلاف مغربی دنیا نے جو خانہ زاد پروپیگنڈہ کر رکھا ہے، اس کی بڑی وجہ علماءِ اسلام کی تاریخ سے ناواقفیت اور بے اعتنائی ہے، سرکاری درسگاہوں میں یہ موضوع مستقل اور لازمی حیثیت سے داخل ہے، جہاں بطور خاص تاریخ اسلامی کو بگاڑ کر پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مگر ہمارے فضلاء کو ان کی ہوا تک نہیں لگتی، ادھر کی چند صدیوں کی بین الاقوامی اہم شخصیتوں کو تو چھوڑیئے، غیر مسلم تاریخ کو پسِ پشت ڈالئے، خود اسلام کے قرونِ اولی کی تاریخ پر ان کا انتہائی سطحی اور سرسری مطالعہ ہوتا ہے، یہ ایک المناک حادثہ ہے، اس لئے تاریخ اسلام، تاریخ ہند اور تاریخ عالم کے موضوع پر بعض کتابیں ضرور داخلِ نصاب ہونی چاہئے۔

یہ زمانہ معروضی مطالعہ کا اور براہِ راست چیزوں کو ان کے مآخذ اور اصل مصادر سے سمجھنے کا ہے، ہمارے دشمنوں نے اسلامیات کی تعلیم، اس پر گہری بصیرت اور واقفیت کے لئے بڑی بڑی درسگاہیں قائم کی ہیں، ہماری تاریخ، عقائد، الٰہیات، علم کلام اور فقہ وقانون پر ان کی اتنی وسیع نگاہ ہے کہ بسا اوقات حیرت ہوتی ہے وہ اس تعلیم کو اپنے ناپاک عزائم کے لئے استعمال کرتے ہیں، اور اسلام پر خطرناک نشتر چلاتے ہیں۔

(۱) محاضرات تعلیم: ۲۲۹

ضروری ہے کہ ہمارے مدارس میں کچھ ایسی کتابیں پڑھائی جائیں جن میں تمام مذاہب کا تعارف، ان کے بنیادی عقائد، ان کے معاشرتی اور معاشی اصول اور ان کے مذہبی پیشواؤں کی سیرت، ان کے اصل اور مستند ماخذ کے حوالے سے جمع کی گئی ہوں، جدید دنیا کے جو اہم معاشرتی اور معاشی نظام ہیں اور جو مشہور تخلیقی اور کائناتی نظریات ہیں، جیسے کارل مارکس، لینن، فرائڈ، ڈارون وغیرہ کے افکار، ان سے طلباء کو واقف کرایا جائے، فقہ اسلامی کے خاص خاص موضوع پر ''بین الاقوامی قوانین'' اور ''انٹرنیشنل لا'' کا ایک سرسری مطالعہ بھی ان کی نظر سے گذر جائے، جب تک اس طرح کا تقابلی مطالعہ کا مدارس میں رواج نہ ہوگا اور تعلیم میں اس کو بنیادی اہمیت نہ دی جائے گی جدید چیلنج کا مقابلہ ناممکن ہے''۔(۱)

تاریخ کے فوائد

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تاریخ کی اہمیت کے تعلق سے فرماتے ہیں:

۱) بہت سے ایسے واقعات کا علم ہونا جن کے جاننے سے عقل وبصیرت عاجز ہوتے ہیں۔

۲) ایسے عجیب واقعات کا علم ہونا جو گویا نگاہوں کے سامنے ہوتے ہیں، ان کے استحضار سے سستی اور کاہلی دور ہوتی ہے اور ہمت بندھ جاتی ہے۔

۳) گذرے ہوئے لوگوں کے واقعات سے عبرت حاصل ہونا (سعادت مند وہ شخص ہے جو دوسروں کے ذریعہ وعظ قبول کرے) (الحدیث)

۴) عقل کی تقویت اور درست رائے کا حاصل کرنا گویا کہ تجربہ اور مشورہ حاصل کرلیا جائے، بہت سے ایسے لوگوں سے جن کی تعداد کثیر ہے اور جن کی عقل بڑی ہے ایسے لوگ ایک وقت اور زمانہ میں نہیں جمع ہوسکتے جن کو فن تاریخ نے یکجا کردیا ہے۔

۵) امثال کثیرہ اور مواعظ وحکم کا حاصل ہونا جو حکایات اور واقعات ہے اور کمال ایمان کا سبب ہے۔

(۱) دینی مدارس اور عصر حاضر: ۲۸، ۹۲ محمد رضوان القاسمی

۶) اللہ کا انعام اور انتقام کا علم ہونا جو امید وخوف کا موجب بنتا ہے اور کمال ایمان کا سبب بن جاتا ہے۔

۷) علم تاریخ کے ذریعہ انسان اچھے اخلاق بنانے کی کوشش اور برے اخلاق کو زائل کرنے کی سعی کرتا ہے، کیوں کہ اخلاق حسنہ اور اخلاق سیئہ کے نتائج اس کے سامنے آجاتے ہیں۔

۸) جب تاریخ بتاتی ہے کہ پچھلے لوگوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے اور پھر کشادگی پیدا ہوئی تو مصیبت پر دل کو ثبات وقرار حاصل ہوجاتا ہے۔

۹) اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق کے بارے میں عجیب وغریب مظاہر قدرت پر استدلال حاصل ہونا۔

۱۰) بڑے بڑے کاموں کے کرنے کے لئے ہمت وحوصلہ پیدا ہوجانا۔

۱۱) موت وفنا کا نگاہوں کے سامنے آجانا جس سے آدمی مسافر کی طرح ہوجاتا ہے "کن فی الدنیا کأنك غریب أو عابر سبیل" (الحدیث) تکبر وتجبر سے تائب ہوکر ایک ذلیل غلام بن کر رہتا ہے، اور بخدا یہ بڑی کامیابی ہے جس کا حاصل کرنا قوت حافظہ سے سہل ہے زیادہ محنت ومشقت کی ضرورت نہیں۔(۱)

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

''درس نظامی میں تاریخ بطور مضمون اس لئے باقاعدہ شامل نہیں کیا گیا کہ قوت مطالعہ پیدا ہونے کے بعد یہ مضمون ذاتی مطالعہ سے بھی بخوبی حاصل کیا جاسکتا ہے؛ لیکن اب تجربہ یہ بتا رہا ہے کہ ذاتی مطالعہ کا ذوق کم ہوتا جارہا ہے؛ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عربی درجات کے نصاب میں تاریخ اور سیرت کو باقاعدہ مضمون کی حیثیت سے داخل نصاب کیا جائے''۔(۲)

(۱) علوم وفنون اور نصاب تعلیم، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی: ۱۲۲، ادارہ فادات اشرفیہ ہتھورا، باندہ، یوپی

(۲) درس نظامی کیسے پڑھائیں: ۵۱، ہمارا تعلیمی نظام: ۹۸-۹۹

حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب تاریخ ومغازی کی اہمیت پر زور ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

ایک چیز جس کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے، وہ ہے ''سیرت وتاریخ اسلام کا باب'' مدارس میں اس سلسلے میں کوئی قابل ذکر نصاب ہی نہیں ہے، حال آں کہ اس کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، اور حضرات اسلاف نے اس کی جانب خاصی توجہ دی ہے اور خود حضرات صحابہ کے درمیان واقعات اسلام کو جاننے اور اس کی تعلیم ونقل وروایت کا جو اہتمام تھا، اس سے بھی اس کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت محمد بن سعد بن ابی وقاص اپنے والد کے متعلق فرماتے ہیں:

"كان أبي يعلمنا المغازي والسرايا، ويقول: يا بني: إنها شرف آبائكم فلا تضيّعوا ذكرها" (۱)

میرے والد ہمیں مغازی اور سرایا کی تعلیم دیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اے بیٹو! یہ تمہارے آباء واجداد کا شرف ہے، تم لوگ ان کی یادداشت کو ضائع نہ کرو۔

اور ''مختصر تاریخ دمشق'' میں اسی قول کو محمد بن سعد کے صاحب زادے اسماعیل بن محمد کی طرف ذرا سے الفاظ کے فرق کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔ (۲)

اور حضرت زین العابدین علی بن الحسین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كنا نعلم مغازي رسول الله صلى الله عليه وسلم كما نعلم السورة من القرآن" (۳)

ہم مغازی رسول اللہ ﷺ اس طرح پڑھاتے تھے، جس طرح ہم

(۱) سیرۃ حلبیۃ ۱/۱، محمد رسول اللہ: ۱/ ۲۰۳

(۲) مختصر تاریخ دمشق: ۱/ ۱۰۳

(۳) البدایۃ والنہایۃ: ۳/ ۲۴۲

قرآن کی سورت پڑھاتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے درس کا جو نصاب تھا، اسمیں من جملہ اور امور کے ایک حصہ ''مغازی'' کا بھی تھا، حضرت ابن عباس کے شاگرد ''عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ'' رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ولقد كان يجلس يوما ما يذكر فيه إلا الفقه ويوما التاويل، ويوما المغازی، ويوما الشعر، ويوما أيام العرب"(۱)

آپ ایک دن صرف کا، ایک دن صرف تفسیر کا، ایک دن صرف مغازی کا، ایک دن صرف شعر اور ایک دن صرف ایام عرب کا بیان کرتے تھے۔

یہی نہیں! اہل سیر و مغازی کی تعلیم کے لئے اساتذہ کا تقرر بھی ہوتا تھا، حضرت قتادہ النعمان کے پوتے حضرت عاصم بن عمر رحمہ اللہ کو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے جامع مسجد میں سیر و مغازی اور مناقب وفضائل صحابہ کی تعلیم کے لئے مقرر فرمایا تھا، جس کا ذکر ابن حجر رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

" كان رواية للعلم ، وله علم بالمغازی والسير، أمره عمر بن عبد العزی أن يجلس فی مسجد دمشق فيحدث الناس المغازی ومناقب الصحابة ففعل" (۲)

آپ علم کے روایت کرنے والے تھے، اور مغازی کا بھی آپ کو علم تھا، حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ دمشق کی مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو مغازی اور مناقب صحابہ کی تعلیم دیں۔

الغرض سیر و مغازی کی تعلیم بھی ایک مہتم بالشان کام ہے، جس کی جانب توجہ اہل مدارس کو دینا چاہئے اور اسلاف کے طریقے کے مطابق اس کا خصوصی اہتمام بھی ہونا چاہئے۔

---

(۱) طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۶۸

(۲) تہذیب التہذیب: ۵/ ۴۸

اب جب کہ مستشرقین کے بعد مغربی میڈیا کے اعتراضات ، دہشت گردی کا الزام، اسلامی تاریخ کی شبیہ بگاڑنے کا یا اس کے خوبصورت چہرہ کو مروجہ نظام تعلیم سے حذف کرنے کی خیانت ہوچکی ہے،خود ہندوستان میں کبھی اورنگ زیب پر کبھی ٹیپو سلطان کو غداری، وطن سے بے وفائی کا طعنہ دیا جاتا ہے، ایسے حالات میں تو ارباب انتظام اس باب میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں، کوئی کسر رہنے نہ دیں۔

فن جغرافیہ

جغرافیہ ایک اہم فن ہے، جس میں کسی علاقے یا ملک کے حدود اربعہ، آبادی، موسم، پہاڑ، پیداوار وغیرہ جیسے ضروری امور سے بحث کی جاتی ہے۔

فن جغرافیہ ایک فطری فن ہے، ہر شخص کو کسی نہ کسی درجہ میں جغرافیہ کا علم ہوتا ہے، مثلاً ہر شخص کو اتنا علم تو ہوتا ہی ہے کہ وہ کس جگہ پیدا ہوا، اس جگہ کا نام کیا ہے؟ وہاں کی آب وہوا کیسی ہے؟ وہاں کا ماحول کیسا ہے؟ لوگوں کا مزاج و مذاق کیا ہے، وہاں کی زمین کا رقبہ کیا ہے، زمین کیسی ہے؟ وہاں کیا کیا چیزیں پیدا ہوتی ہیں، لوگوں کی معاشرتی زندگی کیسی ہے، وہاں کے ندی، نالے، پہاڑ وغیرہ کی تعداد کیا ہے، بس یہی علم جغرافیہ کی حقیقت ہے، اور اسی زاویہ سے پورے عالم کو جاننے کا نام جغرافیہ ہے۔

مسلمانوں نے علم جغرافیہ پر خاص توجہ کی اور جس واقعیت پسندی اور محققانہ بصیرت کے ساتھ اس علم پر محنت کی، ان کے پیش نظر احوالِ عالم اور کوائف دنیا پر غور وفکر کرنے کی بار بار دعوت دی ہے۔

فن سیاست

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، جس نے سیاسیات میں بھی اپنا مخصوص نظریہ پیش کیا ہے، جو ٹھوس حقائق اور مفید عناصر پر مبنی ہے، اس کے مقابلے میں عصر حاضر میں مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں جو دنیا کے مختلف ممالک میں رائج ہیں، لیکن یہ نظریات کہاں تک صحیح ہیں، انسانوں کے لئے مفید ہیں یا غیر مفید؟ انسانوں کے لئے مناسب ترین سیاسی نظام کیا ہو سکتا ہے؟ ان تمام باتوں سے واقفیت ایک عالم دین کے لئے ضروری ہے تا کہ وہ ایک دینی قائد ہونے کی بناء پر دنیا کے سامنے صحیح سیاسی نظام پیش کر سکے، کتاب الحدود والدیات میں اسلام کا قانون جرم وسزا، کتاب القضاء میں اسلام کا نظام عدلیہ، کتاب السیر میں بین الممالک قانون، دار الاسلام ودار الحرب کی وضاحت ہے، دنیا میں مغربی معاشی، سیاسی اور سماجی نظام کبھی کے تباہ ہو چکا، فضلاء مدارس دوران طالب علمی ان مضامین سے اتنا تو گذر چکے ہوں گے کہ آئندہ چل کر اس کام کو بڑھا سکیں، معذرت خواہی، شکست خوردگی کے بغیر مغرب کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر علمی استدلالی انداز میں اسلام کی برتری کو ثابت کر سکیں، کوئی مدرسہ، خانقاہ، دینی مرکز خارجی اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتا، سیرت اور سوانح اکابر کے اس پہلو کی آج کی بدلتی دنیا میں زیادہ سمجھنے کی ضرورت ہے، اور انسانوں کے تمام خودساختہ سیاسی نظریات کو رد کر کے اسلام کے سیاسی نظریہ کی فوقیت اور برتری اور فوائد ثابت کر سکے، ضرورت ہے کہ تمام دینی مدارس میں اس طرح کی کتابیں داخل درس کی جائیں۔

سیاسیات اور حکمرانی سے متعلق بھی کچھ کتابیں شامل نصاب کی جائیں، جس میں دستور ہند وغیرہ کی شمولیت ہو، ہمارے اسلاف نے سیاست کے اس بگاڑ اور خرابی کے

زمانے میں سرگرم سیاست میں حصہ لیا ہے، جن کی تعداد اور فہرست لمبی ہے، انہوں نے خدمت خلق کو اپنا پیشہ بنایا اور سیاست کو صحیح رخ دینے اور سیاست کے ذریعے مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کی انتھک کوشش کی۔

اکابر اور سیاست

☆ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ

جو بانی دار العلوم دیو بند ہیں، ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں عملی اور قائدانہ حصلہ لیا، جنگ شاملی خود سپاہیانہ شریک ہوئے اور جنگی کی اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے بھی ۱۸۵۷ کے انقلاب میں حضرت نانوتویؒ کے دوش بدوش رہے، جن لوگوں نے ان سیاسی اور جہادی اور ملکی خدمات پر پردہ ڈالنا چاہا ہے خواہ اپنی لاعلمی اور معاملات سے بے خبری کی بنا پر یا اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے ان کی مصلحت اندیشی کا کوئی اعتبار نہی اور باخبر لوگوں کے یہاں لغو اور بیکار ہے، اسی طرح شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیو بندی رحمہ اللہ جو نانوتوی کے ارشد تلامیذہ اور دار العلوم کے بے نظیر استاذ تھے درس وتصنیف اور تلقین وارشاد اور جذبہ جہاد اور وطن کی خدمت میں پیش پیش رہے، آپ کا ایک ایک شاگرد دار العلوم کا ستون اور مایہ ناز فرزند کی حیثیت رکھتا ہے، آپ کی سیاسی خدمات بھی بہت وسیع تر رہی ہیں، آپ نے ہندوستان کو غیر ملکیوں سے آزاد کرانے کے لئے ایک زبردست انقلابی تحریک چلائی جس کو ریولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں ''ریشمی رومال تحریک'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، یہ تحریک بہت زیادہ مؤثر تھی مگر راز میں نہ رہ سکی اور ناکام ہوگئی، پھر بھی اس کی آگ جن کے دلوں لگی ہوئی تھی، انہوں نے آئندہ کام کر کے ہندوستان کو آزاد کرایا، تقریبا پانچ برس مالٹا میں قید رہے۔(۱)

☆ حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ

پہلی جنگ عظیم میں ہندوستان کے تمام مقتدر رہنما نظر بند کر دیئے گئے تھے،

(۱) تاریخ دار العلوم: ۵۳، مرتب حضرت مولانا قاری طیب صاحب، دار الاشاعت مولوی مسافر خانہ کراچی

اور حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ، اور آپ کے رفقاء کار حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا عزیز گلؒ، مولانا حکیم نصرت صاحب مرحومؒ، مولانا وحید احمد مرحوم کو مکہ معظّمہ سے گرفتار کر کے مالٹا پہنچا دیا گیا، اور آپ کے جو ساتھی ہندوستان میں موجود تھے وہ تقریبا سب کے سب ہندوستان میں نظر بند کر دیئے گئے، مولانا محمد علی جوہر مرحوم، مولانا شوکت علی مرحوم اور مولانا آزادؒ کو بھی حکومت ہند نے گرفتار کر کے ہندوستان کے مختلف مقامات پر نظر بند کر دیا تھا، حکومت کی اس متشددانہ پالیسی کے باوجود جن حضرات نے حوصلے اور پامردی کے ساتھ ملک کی رہنمائی کی ان میں سب سے پہلے مفتی اعظم ہند محمد کفایت اللہؒ اور آپ کے ساتھیوں میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری، حکیم اجمل خان مرحوم اور حضرت مولانا عبدالباری مؒ فرنگی محلی کے اسمائے گرامی ہندوستان کی تاریخ سیاست کے صفحہ اول پر نظر آتے ہیں، برطانوی استعمار کے خلاف نظر بندوں کی رہائی کے مطالبہ کے عنوان سے تحریک کو منظم طریقے سے چلانے کا فیصلہ کیا گیا، چنانچہ ہندوستان میں جو لوگ تھے انہوں نے اس تحریک کو چلایا، اس وقت حضرت مفتی صاحبؒ کے ذہن میں جمعیۃ علماء ہند کے نام سے ایک جماعت کے بنانے کا خیال آیا، چنانچہ مفتی صاحبؒ نے ۱۹۱۹ء میں ''جمعیۃ علماء ہند'' کی بنیاد ڈالی، اس کے قیام اور انتظام وانصرام میں حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ، حضرت مفتی صاحبؒ کے شریک کار تھے، چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ کی دعوت پر ہندوستان کے تمام صوبوں سے چیدہ چیدہ علماء دہلی تشریف لائے۔

اس سے کچھ پہلے ''خلافت کمیٹی'' کا قیام عمل میں لایا گیا تھا، اس کے بنانے میں بھی حضرت مفتی صاحب کا بڑا حصہ تھا، اس میں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی، حکیم اجمل خان مرحوم، ڈاکٹر انصاری مرحوم، مولانا حسرت موہانی مرحوم، مولانا عارف ہنسوی، سب حضرت مفتی صاحب کے شریک کار تھے، انہی دنوں میں گاندھی جی نے کانگریس کی ابتداء کر دی، اس کام میں بھی گاندھی کے سب سے زیادہ مشیر حضرت مفتی صاحب تھے، ان دنوں علی برادران اور مولانا آزاد جیلوں میں تھے، کام کی اہمیت نے اور اخبارات نے مفتی

صاحب کے نام کا تعارف ملک میں کروادیا، اہل علم وہ خواہ مسلم تھے یا غیر مسلم، سب ہی مفتی صاحب کے علم ودانش کے قائل ہوگئے تھے۔

آپ آل انڈیا خلافت کمیٹی کی ورکنگ کمیٹی کے ہمیشہ ممبر رہے، ورکنگ کمیٹی میں آپ نے بڑے بڑے الجھے ہوئے مسائل کو منٹوں میں حل کردیا، آپ نے کانگریس، خلافت کمیٹی اور جمعیت علماء میں رہ کر جن مسائل میں رہنمائی فرمائی اس کا اندازہ صرف انہی حضرات کو ہوسکتا ہے جو آپ کے ہر وقت ساتھی تھے، لیکن دنیا نے کبھی مفتی صاحب کے نام کو ان کے کاموں کے ساتھ شہرت کی جگہ پر نہیں پایا، وہ مٹ کر کام کرنے کے عادی تھے۔

جہاں آپ کو فہم رسا کی وجہ سے سیاسیات میں غیر معمولی درجہ حاصل تھا، وہاں آپ کی شخصیت کو بہ حیثیت عالم دین ہونے کے نمایاں حیثیت حاصل تھی، ''علم دین'' میں آپ کا درجہ کتنا بلند تھا اس کا اندازہ آپ کو حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیری کے ان الفاظ سے بخوبی ہوجائے گا کہ جب کبھی حضرت شاہ صاحب مفتی صاحب کا ذکر فرماتے تو ان کے لئے ''عالم الدین والدنیا، مفتی کفایت اللہ'' فرمایا کرتے تھے۔

تحریک خلافت میں حکیم اجمل خان مرحوم، ڈاکٹر انصاری مرحوم اور گاندھی جی نے جیل جانے سے روک دیا تھا، لیکن ۱۹۳۰ء کی تحریک سول نافرمانی میں مفتی صاحب بہ حیثیت کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر جیل میں تشریف لے گئے، اس کے بعد دوسری مرتبہ ۱۹۳۲ء میں آپ کو ڈیڑھ سال کے لئے جیل میں بند کردیا گیا اور آپ کو دہلی جیل سے نیو سنٹرل جیل ملتان بھیج دیا گیا۔(۱)

☆ سحبان الہند، حضرت مولانا احمد سعید دہلوی

نومبر ۱۹۱۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کے قیام کے بعد جن علمائے کرام نے اس کو روز اول سے ہی اپنایا، ان میں حضرت مولانا احمد سعید صاحب کا نام نامی بھی شامل ہے، اس کے یوم تاسیس سے مولانا ۱۹۴۰ء تک مستقل ناظم عمومی رہے، صدر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب

(۱) مفتی اعظم ہند، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، ایک مطالعہ، ۱۱۱=۱۱۳، فرید بک ڈپو، دہلی

تھے، ان حضرات کی کوششوں سے جمعیۃ علمائے ہند نہ صرف ہندوستان اور برما؛ بلکہ پورے عالم اسلام میں روشناس ہوئی۔

مفتی کفایت اللہؒ صاحب کے زیر تربیت فارغ التحصیل ہوئے، پہلے انہوں نے مذہبی مناظروں میں حصہ لیا، پھر سرگرم سیاست میں حصہ لیا، یہ وہ دور تھا جب عدم تعاون تحریک زوروں پر تھی، آپ نے اس تحریک میں حصہ لیا اور پہلی بار گرفتار ہوکر جیل میں رہے، وہ اپنی زندگی میں آٹھ بار جیل گئے اور زندگی کے پندرہ برس جیل میں گذارے، زیادہ تر ملتان، گجرات اور میانوالی کے جیلوں۔ میں رہے۔

جمعیہ علمائے ہند کے قیام کے بعد ملک میں سیاسی تحریکات نے زور پکڑا، رولٹ بل کے خلاف تحریک خلافت کے واسطے سے بہت شور وغوغا ہوا، مسلمانوں نے جمعیۃ علمائے ہند کی قیادت میں تحریک آزادی میں حصہ لیا، ہندو مسلمانوں کا اتحاد اس وقت نقطہ عروج پر تھا، جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے بے دھڑک جیل جارہے تھے، مولانا احمد سعید صاحب ان تحریکات کے سلسلے میں سب سے پہلی مرتبہ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں گرفتار ہوکر جیل میں رہے، ایک سال قید بامشقت کی سزا ہوئی، ۲۸ ستمبر ۱۹۲۲ء کو رہائی ہوئی، ۱۹۳۰ء کی تحریک میں اور پھر ۱۹۳۲ء کی تحریک میں حضرت مولانا کفایت اللہ کے ساتھ گجرات جیل میں اور پھر ملتان جیل میں رہے۔

۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں پر جو مصیبتیں ٹوٹیں، خاص کر دلی اور پنجاب کے مسلمانوں کو تباہی، وبربادی اور قتل وغارت گری کا جو عذاب سہنا پڑا، اس خطرناک دور میں آپ نے اپنے رفقائے کار کے ساتھ جان ہتھیلی پر رکھ کر مسلمانوں کی حفاظت کے لئے ناقابل فراموش کارنامہ انجام دیا اور دلی میں مسلمانوں کے قدم جمانے میں اہم رول ادا کیا۔

ان فسادات کی روک تھام کے لئے مولانا احمد سعید، مولانا حفظ الرحمن، حافظ عزیز حسن بقائی اور سید محمد جعفری صاحب کا وفد روزانہ مولانا ابوالکلام آزاد، پنڈت جواہر لال نہرو اور مہاتما گاندھی کے پاس جایا کرتا تھا، جو تینوں کو بتایا کرتا تھا کہ کل مسلمانوں پر کیا گذری،

ایک دن گاندھی جی مسلمانوں کے پاس تشریف لائے،کونے کونے کے مسلمان سمٹ کر مولانا احمد سعید صاحب کے علاقے میں جمع ہوگئے، دلی کے اور محلے مسلمانوں سے تقریباً خالی ہوچکے تھے، مہاتما گاندھی کا جلسہ مسٹر آصف علی والے مکان کوچہ چیلان میں منعقد کیا گیا، مولانا احمد سعید صاحب نے تقریر کرنی شروع کی، اور دو چار لفظ ہی بول پائے تھے کہ لفظوں کی جگہ آنسو بہنے لگے، مولانا تقریر نہ کرسکے، اور مولانا حفظ الرحمن صاحب نے تقریر کی، مولانا روزانہ مہاتما گاندھی سے شکایت کرتے، وزیر داخلہ سردار پٹیل کی ناراضگی بھی مول لی، مگر آپ نے کلمہ حق کہنے سے بھی کبھی گریز نہیں کیا،حکومت خود فساد کرانے والوں کے نرغے میں تھی، تقسیم وطن کے نتیجے میں خوف وہراس اور دل شکستگی کا دور دورہ تھا، امن کمیٹی کی تمام کوششیں ناکام ہوچکی تھیں، ٹاؤن ہال جو امن کمیٹی کا مرکز تھا اس کے چاروں طرف روزانہ ہی لاوارث لاشیں ملتی تھیں۔ ہندو دوستوں نے ازراہ ہمدردی مشورہ دیا کہ مسلمانوں کو لے کر اوکھلا منتقل ہوجائیں جہاں ان کی حفاظت کا انتظام ہوگا، مگر انہوں نے یہ پیشکش ٹھکرادی اور خود کو عوام سے علاحدہ ہونے نہ دیا۔(۱)

☆ حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاریؒ

آپؒ عنفوان شباب ہی سے جمعیۃ علماء وتحریک خلافت وکانگریس میں آزادی وطن کے لئے طوفانی دوروں اور پراثر تقریروں سے ہر جماعت کے محاذ پر سرگرم رہے اور وہ خدمات انجام دیں کہ ملک کے ممتاز اور سرگرم لیڈروں میں مقام حاصل کرلیا، مدراس کے قیام کے دوران ۱۹۲۸ء میں ڈابھیل تشریف لے گئے اور وہاں اپنے استاذ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے ساتھ درس وتدریس میں مشغول ہوگئے، اس کے بعد ۱۹۳۴ء میں کلکتہ چلے گئے، وہاں دو سال مقیم رہے، وہیں سے مولانا نے اپنے زور بیان اور ترجمہ قرآن کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی شروع کیا، پھر امروہہ میں تین سال تدریس کے بعد ۱۹۳۸ء میں دہلی آئے، ندوۃ المصنفین کی بنیاد ڈالی، ایک ادبی رسالہ ''برہان'' بھی اس ادارہ سے نکالا۔

(۱) سحبان الہند، مولانا احمد سعید دہلوی، ایک سیاسی مطالعہ، ۱۰۲ تا ۲۰۵، فرید بک ڈپو، دہلی

جمعیۃ علماء کی وابستگی اور مولانا کی خدمات وخلوص سے متاثر ہوکر اکابرین نے مولانا مرحوم کو ۱۹۴۲ء میں جمعیہ علماء کا ناظم اعلی منتخب کیا، یہ سلسلہ تا دم واپسیں قائم رہا، جمعیۃ کی بقا کے لئے فنافی الجمعیۃ ہوکر کام کیا، اپنے گھر واہل عیال کے مستقبل سے اللہ کے توکل پر بھروسہ رکھتے ہوئے ہمیشہ لاپرواہ رہے، کبھی آرام کرنا نہ جانا، بیمار ہو یا تندرست جاڑا ہو یا گرمی، آج یہاں ہیں تو کل وہاں، جوش خدمت خلق میں اپنی صحت تک کا خیال نہ رکھا۔

۱۹۴۷ء کے فسادات میں کئی مرتبہ بچے، گولیاں سر پر سے اور دائیں بائیں قریب سے گذر گئیں، اللہ کریم کو اب تک زندہ رکھنا تھا، اب تک زندہ رہے۔

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری فرمایا کرتے تھے:

''مولانا حفظ الرحمن کی ۱۹۴۷ء کے خونی دور کے ایک دن کی خدمت ہم خانقاہی لوگوں کی تمام عمر کی عبادت سے زیادہ ہے۔

مرحوم کچھ دنوں، یوپی، اسمبلی کے ممبر رہے، چند مہینوں کے بعد ہی پارلیمنٹ کے انتخابات میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے اور تاحیات کامیاب ہوتے رہے۔

دفتر جمیعۃ علماء ہند کی مصروفیتوں کے علاوہ مولانا نے اپنی مرضی کے خلاف ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب سابق صدر جمہوریہ ہند کے اصرار پر سنی اوقاف دہلی کی صدارت قبول فرمائی۔ اوراس سے متعلق تمام اداروں کی ذمہ داری قبول کی، جن میں مدرسہ عالیہ فتحپوری، مسلم ہائر سکنڈری اسکول فتح پوری، دلی کالج اجمیر گیٹ، فتحپوری پبلک لائبریری، انجمن ترقی اردو، حج کمیٹی بمبیء، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ شامل تھے۔

کانگریس وغیرہ کی میٹینگوں میں مستعدی اور پابندی سے اپنے فرائض ادا کرتے، حج کمیٹی کے دوران پارلیمانی امور کوبھی سبکدوش فرماتے رہتے۔

مولانا مرحوم کی ساری زندگی سیاسی تگ ودو میں کانگریس کے ساتھ گذری اوراس درجہ کے کانگریسی شمار کئے گئے، بعض لوگوں نے انہیں وظیفہ خوار تک قرار دیا، لیکن مولانا مرحوم نے ملکی اور قومی مفاد کی وجہ سے اپنی وضع نہ بدلی، پورے خلوص کے ساتھ کانگریسی

رہے، پھر بھی انتخابات ختم ہوتے ہی مولانا کا انداز حزب مخالف کے لیڈروں جیسا ہوجاتا اور وہ یہ کہتے کہ جتنا وطن عزیز کا میرے اوپر حق ہے، اتنا ہی مسلم اقلیت کا ایک فرد ہونے کے ناطے سے مسلمانوں کا بھی حق ہے، چنانچہ حکومت اور کانگریس دونوں سے مسلمانوں کے لئے دشمن کی طرح لڑتے، ہندو، سکھ حضرات کیس بھی اگر لے کر کھڑے ہوئے تو ان کا رویہ وہی ہوتا جو مسلمانوں کے لئے ہوتا تھا، کوئی تفریق نہ ہوتی، یہی وجہ تھی کہ جب بھی انتخابات میں حصہ لیا، بھاری تعداد میں ہندو ووٹوں سے کامیاب ہوئے، مسلمان ووٹ تو انہیں نوے فیصدی ملتے ہی تھے، ہندو کے بھی دوسری پارٹیوں کے زور لگانے کے باوجود مولانا ہی کو ووٹ ملتے''۔(۱)

☆ مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ

مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ کی اسارت مالٹا کا دور ہے جہاں سے مولانا کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، مولانا کی سیاسی زندگی کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کا نقطۂ نظر سیاسی مسائل میں اور لوگوں سے مختلف تھا، اس لئے کہ آزادی کی جنگ میں شریک ہونے والے بہت سے مسلمان آزادی حاصل کرنے اور انگریزوں کو بھگانے کے جوش میں اس کو فراموش کر جاتے تھے کہ ملک کے آزاد ہونے کے بعد مسلمانوں کی سیاسی پوزیشن کیا ہوگی، اس وقت مولانا سجاد رحمہ اللہ کے سامنے ایک ''مثبت'' پروگرام تھا یعنی ''امارت شرعیہ'' کا قیام؛ تاکہ آئینی حدود میں رہ کر اس کے ذریعہ مسلمان اپنے دینی اقدار کو محفوظ رکھ سکیں، یہاں تک کہ آزادی کے بعد بھی مذہبی تشخص کو ان کا دستوری حق تسلیم کر لیا جائے اور اسی مشترکہ پلیٹ فارم سے آزادی کے مجاہدین کا تعاون بھی کیا جاسکے۔

مولانا کی اس سیاسی پالیسی کا ایک منطقی نتیجہ یہ بھی نکلتا تھا کہ مولانا کے نزدیک ملی مسائل کو ملکی مسائل پر ترجیح حاصل تھی، وہ قوم پرست لیڈروں کے ساتھ اتنی دور نہیں جاسکتے

(۱) مجاہد ملت، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ، ایک سیاسی مطالعہ ۳۲=۳۳=۳۴، ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری، فرید بک ڈپو، دہلی

تھے کہ جہاں جا کر مذہبی معاملات میں مداہنت کا شکار ہونا پڑتا، یہی وجہ ہے کہ مولانا ہمیشہ کانگریس میں مشروط شرکت کے قائل رہے، اور جہاں بھی دین میں مداخلت، یا مسلمانوں سے ناانصافی محسوس کی تو مصلحت شناسی اور رواداری ان کی زبان بند نہ کر سکی اور پوری جرأت کے ساتھ انہوں نے مخالفت کی۔ ۱۹۳۷ء میں حکومت بہار نے زرعی انکم ٹیکس کا قانون پاس کیا اور مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا، مولانا نے اس کی سخت مخالفت کی، مسلم ممبران اسمبلی کے ذریعہ اس کے خلاف اسمبلی میں آواز اٹھائی فضاء ہموار کی بالآخر ۲۹/اپریل ۱۹۳۸ء کو اسمبلی میں حکومت بہار نے مولانا کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا اور وقف جائداد کو ٹیکس سے مستثنیٰ کر دیا، اور پھر اس کے بعد آپ نے مسلم اوقاف کا ایک بل مرتب فرمایا اور اسے بہار اسمبلی میں پیش کر دیا، جو منظور ہوا، جب گاؤ کشی کا مسئلہ اٹھا تو کانگریس پارٹی کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو رضا کارانہ طور پر اسے تسلیم کر لینا چاہئے، اور گائے کی قربانی نہیں کرنی چاہئے، مولانا نے اس کے خلاف بھی آواز بلند کی اور اس پر اپنا تفصیلی فتوی تحریر فرمایا، جو مولانا کی فقہی بصیرت کا آئینہ دار ہے اور فتاوی امارت شرعیہ بہار کی پہلی جلد میں شامل ہے۔

۱۹۳۹م میں ایک قانون پاس ہوا، جس میں دَین مہر اور جہیز کو قانونی جرم قرار دیا گیا، مولانا نے اس کی مخالفت کی اور امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ۔ جو مولانا کی تائید سے رکن اسمبلی منتخب ہوئے تھے۔۔۔۔ کے ذریعے بہار اسمبلی میں اپنے موقف کی ترجمانی کرائی، بالآخر مسلمان اس سے مستثنیٰ کر دیئے گئے، جب شدھی تحریک شروع ہوئی تو کانگریس کے اعلی قائدین کی رائے تھی کہ مسلمان اس کی مخالفت میں زیادہ جوش وخروش کا مظاہرہ کریں گے اور کانگریس کے مسلم قائدین بھی تذبذب میں تھے؛ تاکہ ہندو مسلم نفرت کی فضاء پیدا نہ ہو، جو انگریز چاہتے تھے، لیکن مولانا کی اسلامی حمیت نے اس معاملے میں کسی رواداری کو گوارہ نہ کیا، آپ نے پوری قوت وشدت کے ساتھ اس کی مخالفت کی اور عملی طور پر فرقہ پرستوں کی اس مہم کو ناکام بنا دیا۔

۱۹۳۷ء میں جب بہار میں الیکشن ہوا تو مولانا نے ''مسلم انڈی پینڈینٹ پارٹی''

قائم کی، مولانا خود اس پارٹی کے سرپرست تھے، اور امارت شرعیہ اس کی تائید کرتی تھی، کانگریس کے بعد جب سب سے زیادہ سیٹیں اسی پارٹی کو حاصل ہوئیں؛ لیکن کانگریس نے حکومت بنانے سے انکار کردیا، مولانا نے محسوس کیا کہ اگر مسلم انڈی پینڈینٹ پارٹی حکومت بنالیتی ہے تو یہ مسلمانوں کے مفاد میں ہوگا؛ چنانچہ اس پارٹی نے حکومت بنائی اور جناب محمد یونس وزیر اعلی بنائے گئے، اس حکومت نے مسلمانوں کے حق میں کئی اہم فیصلے کئے جن میں ایک اردو زبان سے متعلق تھا، یہاں تک کہ کانگریس کے فرقہ پرست لیڈر محسوس کرنے لگے کہ انہوں نے حکومت نہ بنا کر غلطی کی ہے۔

مولانا اس سلسلہ میں سب سے پہلا اقدام یہ کیا کہ ''مدرسہ انوار العلوم'' گیا کے سالانہ جلسہ اکتوبر ۱۹۱۷ء میں پورے صوبہ کے علماء کو دعوت دی اور علماء کی کثیر تعداد کو اکٹھا فرما کر ان کی ایک متحدہ تنظیم بنائی، جو ''انجمن علماء بہار'' کے نام سے موسوم ہوئی۔

جب خلافت کمیٹی بنی تو اس کے مؤسسین اور بانیین میں مولانا سجاد صاحب بھی تھے، مولانا سجاد صاحب نے اس حوالہ سے مولانا عبد الباری صاحب سے تبادلہ خیال کیا اور انہیں دونوں بزرگوں کی تحریک پر مولانا محمد علی جوہر، مفتی محمد کفایت اللہ صاحب، مولانا شوکت علی، حکیم اجمل خان اور بعض دیگر علماء و قائدین کی مشاورت سے ممبئ میں خلافت کمیٹی کی بنیاد پڑی۔

مولانا ممبئ سے واپس آئے اور گیا میں دوسری اور پھلواری شریف میں تیسری خلافت کمیٹی کی صدارت امیر شریعت ثانی شاہ محی الدین صاحب نے فرمائی، اس کے بعد برابر مولانا اس تحریک کے دل و ماغ بنے رہے، مولانا کی یہی صلاحیت تھی کہ ۱۹۹۲ء میں گیا میں ہونے والی آل انڈیا خلافت و جمعیۃ علماء کانفرنس کے اجلاس کے موقع پر معروف عالم ابوالبرکات مولانا عبد الرؤف دانا پوری صدر مجلس استقبالہ نے برسر عام مولانا کے متعلق اعتراف کیا کہ ہندوستان اگر ابھی آزاد ملک ہوتا تو گورنر جنرل مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد کو بنایا جاتا اور مولانا حبیب الرحمن مہتمم دار العلوم دیوبند نے اس کی تائید فرمائی۔

اس کے علاوہ مولانا بے شمار مواقع سے امت مسلمہ کی رہنمائی اور رہبری اور حکومت وقت سے مسلمانوں کے حق میں فیصلے کروائے ہیں۔(۱)

ان سوانحی خاکوں کو ذکر کرنے کا مقصود یہ ہے کہ ہمارے اکابر عالمی اور ملکی مسائل سے نابلد نہیں تھے، قانون کی باریکیاں، اقوام کی طبائع، میدانِ سیاست کا اتار چڑھاؤ سے بخوبی واقف تھے، حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ سے لے کر شیخ الہند تک نے اپنی بساط کے موافق میدانِ سیاست میں بھی رہنمائی واصلاح کا کام کیا، کارزار سیاست میں عملی حصہ لینے والے عملی سیاست میں رہ کر ان کا زہد واستغناء، مذہبی تصلب اور اعمال کی مواظبت یہ وہ کمالات تھے جو آج ہمارے لئے لائق تقلید ہیں، پھر ہمارے علماء اسلام نے نظریاتی اعتبار سے خارجی دنیا سے الگ تھلگ نہیں تھے، مسلم حکمرانوں کا احتساب وقتاً فوقتاً ان کی رہبری، مخالف مسلمان فیصلوں کے خلاف آواز اٹھاتے رہے، مسلم پرسنل لا بورڈ کی تاریخ ہمارے ملک میں قریبی زمانے کی مثال ہے۔

مغربی جمہوری نظام حکومت کے مقابلہ میں اسلامی نظام سیاست کی برتری اسی وقت ثابت کی جاسکتی ہے جب کہ اسلام کے ابواب سیاست کا عصر حاضر کے سیاسی نظاموں کے تناظر میں مطالعہ کیا جائے، جیسے اسلامی معاشی نظام کی جزئیات، سودی نظام سے تقابل پر جیسا کام ہوا ہے ویسا کام اردو عربی میں سیاسی مسائل پر نہیں ہے، اس لئے سیاست کا بقدر ضرورت مواد، ضروری خدوخال طلبہ کو سمجھاتے جائیں، پارلیمنٹ، اسمبلی، انتخابات وغیرہ کا مذاکرہ کرایا جائے۔

(۱) وہ جو بیچتے تھے دوائے دل: ۱۱۴۔۱۳۸ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

فن تصوف

جہاں تک دینی مدارس کے نظام کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں کے نظام میں اسلامی اقدار کی پرورش، دینی اخلاق کی نشوونما اور مذہبی روایات وصفات کی تربیت کی طرف خاص توجہ دی جاتی ہے، انحطاط زمانہ اگرچہ تربیت واصلاح کی وہ مردم ساز فضا تو اب نہیں رہی جوان مدارس کے شروع اور بعد کے عہدوں میں تھی اور جہاں داخل ہوکر بڑے زنگ آلود سکے منجھ کر نکلتے تھے، تاہم تربیت واصلاح کی موجودہ فضا بھی دوسرے تعلیمی اداروں کی بہ نسبت بسا غنیمت ہے ن استاذ اور شاگرد کے درمیان شفقت وادب، محبت واحترام اور اخلاص وعزت کا اسلامی اور مشرقی تصور کا خارجی وجودان ہی مدارس میں نظر آتا ہے، برصغیر میں پھیلے ہوئے ہزاروں مدارس میں ہڑتال، طلبہ کے اجتماعی جارحانہ اقدامات اور مدرسہ یا اساتذہ کے خلاف طلبہ کی یورش وفساد کی خبر آپ نے نہیں سنی ہوگی، جو یہاں کے نظام تربیت پر اسلامی تعلیم کی مضبوط گرفت کا اثر ہے، یہ اس نظام تعلیم وتربیت کا نتیجہ ہے کہ یہاں سے نکلنے والے (اپنی بعض علمی کمزوریوں اور عملی کوتاہیوں کے باوجود) دین، اخلاق اور اسلامی خیالات ورجحانات کے حامل اور داعی ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دینی مدراس ے وجود میں آنے کے بعد تمام اسلامی تحریکوں کو بنیادی ایندھن یہیں سے فراہم ہوتا رہا ہے، دینی مدارس میں اصلاح وتربیت کے نظام میں مسلسل انحطاط بھی قابل فکر ہے، تعلیم حاصل کرنے والوں کی اکثریت مدارس میں رہائش اختیار کرتی ہے، ان کی تربیت کا بہترین زمانہ اوروقت مدرسہ کے سپرد ہوتا ہے، اب یہ ارباب مدارس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اصلاح وتربیت کا اس طرح مرتب کریں کہ پڑھنے والے میں ایک عالم دین کے اخلاق وصفات

پیدا ہوں اور اسلامی صحت مند عادات واطوار پران چڑھے، اس کے لئے جہاں اکابر واسلاف کی زندگی کے واقعات، تصوف واخلاق کی کتابوں کا مطالعہ اور نیک وبلند اخلاق اساتذہ اور بزرگوں کی صحبت ضروری ہے، انسانی عمر کے مختلف تقاضوں اور رجحانات کا خیال رکھنا اور نگرانی کرنا بھی ضروری ہے، انسانی عمر کے مختلف مراحل کے کچھ تقاضے اور رجحانات کا خیال رکھنا اور نگرانی کے پرزے ذرا بھی ڈھیلے ہوجائیں تو کسی بھی وقت کوئی بھی رجحان زندگی کو غلط راستہ پر ڈال سکتا ہے، فکری گمراہی، عملی خرابی اور اخلاقی بے راہ وری کے کانٹے دامن حیات کو تار تار کرسکتے ہیں، مدارس کا نظام تربیت اس پہلو سے قابل توجہ ہے جس کے لئے خانہ پوری کرنے والے بے درد اساتذہ کی نگرانی ہرگز ہرگز کافی نہیں، اس کے لئے ایسے صاحب درد اساتذہ کی ضرورت ہے جن میں اخلاص، للّٰہیت ہو، تقوی وخشیت ہو، جو سینے کے اندر شفقت سے معمور دل رکھتے ہوں، اور جو طلبہ کو بچوں اور چھوٹے بھائیوں کی طرح عزیز رکھتے ہوں۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں:

> ’’یہ چیز بالکل صحیح ہے کہ قدیم زمانہ میں مدرسہ ہی خانقاہ ہوتا تھا، جس کے اوپر تعلیم کا پردہ تھا، نام تو نہیں آتا تھا کہ ہم تصوف سکھا رہے ہیں، طریقت سکھا رہے ہیں، لیکن ان بزرگوں کا طرز عمل، ان کا کردار، کیریکٹر وہ تھا کہ ان کی مجلسوں میں بیٹھ کر خود بخود اخلاق درست ہوجاتے تھے، تو اب ظاہر بات ہے کہ کچھ تو اساتذہ میں بھی کمی ہے اور کمی کی بناء جو کچھ بھی ہو، مگر صورتحال یہ ہے کہ عام طور پر اساتذہ کی تکمیل اور تزکیہ اخلاق کی طرف توجہ نہیں ہے، جتنے نئے اساتذہ ہیں ان کی توجہ ادھر نہیں ہے‘‘۔(۱)

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

(۱) البلاغ: صفر المظفر ۱۴۳۹ھ، ص:۷۹

''یہی حال تصوف اور اخلاق کا ہے کہ اس کو باقاعدہ درس میں اس لئے شامل نہیں کیا گیا کہ مدارس کا ماحول بذات خود اخلاق وطریقت کی عملی تربیت کرتا تھا، اور باقی ماندہ کسر ذاتی مطالعہ اور کسی مرشد کے تعلق سے پوری ہو جاتی تھی؛ لیکن اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تصوف اور اخلاق کی کتب باقاعدہ داخل درس ہوں، اس مقصد کے لئے حضرت امام غزالی ''ہدایۃ الہدایۃ'' اور ''اربعین'' ''احیاء العلوم'' کے منتخب حصے، حضرت امام سہروردی کی ''عوارف المعارف'' حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی ''التکشف'' اور ''التشرف'' وغیرہ مختلف درجات میں رکھی جاسکتی ہیں''۔(۱)

ہمارے ملک ہندوستان میں مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی علیہ الرحمہ کی مشکاۃ الآثار اور بعض مدارس میں مولانا عاشق الٰہی بلندشہری علیہ الرحمہ کی زادالطالبین داخل نصاب ہے، ندوہ اور اس سے ملحق مدارس میں علامہ حکیم عبدالحئی لکھنوی کی تہذیب الاخلاق، مگر یہ کتابیں اصلاح باطن، تزکیہ نفوس، سیرت سازی، نفس وشیطان کے مکر سے آزادی کے ارادے سے نہیں؛ بلکہ نحو وصرف، لغوی تحقیق، ترجمہ وعبارت کے ساتھ ہی گذار دی جاتی ہیں، اب تک کہیں نہیں سنا گیا کہ ان مقاصد کو بھی کسی نے سامنے رکھا ہے؛ بلکہ اکثر وبیشتر متعلقہ استاذ سہل عبارت کی وجہ سے کتاب کی کما حقہ تیاری نہیں کرتا؛ یا سرسری طور پر جلدی آخر سال میں بوجھ سر سے اتار دیا جاتا ہے۔

مدارس کی اصل روح کا احیاء اور اس کے لئے چند تجاویز

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

''لہٰذا مدارس کے نصاب ونظام کا جائزہ لیتے وقت ہمارے نزدیک

(۱) درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں: ۵۲، حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب، زمزم بک ڈپو دیوبند، ہمارا تعلیمی نظام: ۹۹

سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ مدارس کی روح کے احیاء کی فکر کی جائے ، اس روح کے احیاء کا تعلق اصل میں تو اہل مدارس کی قلبی لگن سے ہے؛لیکن اس سلسلے میں چند عملی تجاویز درج ذیل ہیں:

(۱) تمام مدارس میں تصوف واحسان کو باضابطہ نصاب کا جزء بنایا جائے۔

(۲) اساتذہ وطلبہ پر لازم ہے کہ وہ ہفتے میں کم ازکم ایک مرتبہ جمع ہوکر بزرگانِ دین اور بالخصوص اکابر علمائے دیوبند کے حالات وملفوظات کا اجتماعی طور پر مطالعہ کریں ، اس میں حضرت تھانویؒ کی ''ارواح ثلاثہ'' ''تذکرۃ الرشید'' ''حیات قاسمی'' ''تذکرۃ الخلیل'' ''حیات شیخ الہند'' ''اشرف السوانح'' اورحضرت شیخ الحدیث کی ''آپ بیتی'' کا اجتماعی مطالعہ خاص طور پر مفید ہوگا۔

(۳) ہر مدرسہ کے اساتذہ اور مہتممین کے لئے کسی شیخ طریقت سے باقاعدہ اصلاح تربیت کا تعلق قائم کرنا ضروری سمجھا جائے اوراساتذہ کے تقرر اور ترقی وغیرہ میں ان کے اس پہلو کو بطورِخاص نظر میں رکھا جائے۔

(۴) جس مدرسہ کے قریب کوئی صاحب ارشاد بزرگ موجود ہوں وہاں کے اساتذہ اورطلبہ ان کی صحبت وخدمت غنیمت کبری سمجھ کر اختیار کریں اور کبھی کبھی مدرسے میں ان کے اجتماعی وعظ ونصیحت کا اہتمام کیا جائے''۔(۱)

مدارس میں مجالس ذکر

ضرورت ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کا خاص اہتمام ہو؛ تاکہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے حضرت مفتی شفیع صاحب اورحضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کے نام مدارس میں ذکر کی اہمیت کے سلسلہ میں جو مکتوب ارسال فرمایا اس کو نقل کرتا ہوں۔

(۱) ہمارا تعلیمی نظام:۹۵

بنام مولانا محمد یوسف صاحب بنوری و مفتی محمد شفیع صاحب رحمہا اللہ

مدارس کے روز افزوں زوال، طلبہ کی دین سے بے رغبتی، بے توجہی اور لغویات میں اشتغال کے متعلق کئی سال سے میرے ذہن میں یہ ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی بہت کمی ہوتی جارہی ہے، بلکہ معدوم، بلکہ اس لائین سے تو بعض میں تنفر کی صورت دیکھتا ہوں، جو میرے نزدیک بہت خطرناک ہے، ہندوستان کے مشہور مدارس دار العلوم دیوبند، مظاہر العلوم، شاہی مسجد مرآد آباد، وغیرہ کی ابتداء جن اکابر نے کی تھی وہ سلوک میں امام الائمہ تھے، ان ہی کی برکات سے یہ مدارس ساری مخالف ہواؤں کے باوجود اب تک چل رہے ہیں:

میں اس مضمون کو کئی سال سے اہل مدارس، منتظمین اور اکابرین کی خدمت میں تحریرا اور تقریرا کہتا اور لکھتا رہا ہوں، میرا خیال یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات اس کی طرف توجہ فرمائیں تو مفید اور مؤثر زیادہ ہوگا، مظاہر العلوم میں تو میں کسی درجہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوا ہوں اور دار العلوم کے متعلق جناب الحاج قاری محمد طیب صاحب سے بار بار تقریرا و تحریرا عرض کر چکا ہوں، اور بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل مدارس کو متوجہ کرتا رہتا ہوں، مدارس کے روز افزوں فتنوں سے بہت ہی طبیعت کو کلفت پہنچتی ہے، میرا خیال یہ ہے کہ فتنوں سے بچاؤ کی صورت صرف ذکر اللہ کی کثرت ہے، جب اللہ کا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا تو دنیا ختم ہوجائے گی، جب اللہ تعالیٰ کے پاک نام اتنی قوت ہے کہ ساری دنیا کا وجود اسی سے قائم ہے تو مدارس بے چارے ساری دنیا کے مقابلہ میں دریا کے مقابلہ میں قطرہ بھی نہیں، اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو ان کی بقاء اور تحفظ میں جتنا دخل ہوگا وہ ظاہر ہے، اکابر کے زمانہ میں ہمارے یہ جملہ مدارس میں اصحاب نسبت و ذاکرین کی کثرت جتنی رہی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں اور اب اس میں جتنی کمی ہوگئی ہے، وہ بھی ظاہر ہے، بلکہ اگر یوں کہوں کہ اس پاک نام کے مخالف حیلوں بہانوں سے داخل ہوتے جارہے ہیں تو میرے تجربہ میں غلط نہ ہوگا۔

اس لئے میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں کچھ ذاکرین، کی تعداد ضرور ہوا کرے، طلبہ کے ذکر کرنے کے تو ہمارے اکابر بھی خلاف رہے ہیں، اور میں بھی موافق نہیں، لیکن منتہی طلبہ

یا فارغ التحصیل یا اپنے سے یا اکابرین سے تعلق رکھنے والے ذاکرین کی کچھ تعداد مدارس میں علی التبادل ضرور رہا کرے اور مدرسہ ان کے قیام کا کوئی انتظام کر دیا کرے، مدرسہ پر طعام کا بار ڈالنا تو مجھے بھی گوارا نہیں کہ طعام کا انتظام تو مدرسہ کے اکابر میں سے کوئی شخص ایک یا دو اپنے ذمہ لے لے یا باہر سے مخلص دوستوں میں سے کسی کو متوجہ کر کے ایک ایک ذاکر کا کھانا اس کے حوالہ کر دے جیسا کہ ابتداء میں مدارس کے طلبہ کا انتظام اسی طرح ہوتا تھا؛ البتہ اہل مدارس ان کے قیام کی کوئی صورت اپنے ذمہ لے لیں، جو مدرسہ میں ہو اور ذکر کے لئے کوئی ایسی مناسب شکل تجویز کریں کہ طلبہ کا کوئی حرج نہ ہوں نہ سونے والوں کا، نہ مطالعہ کرنے والوں کا۔

لہٰذا میری تمنا ہے کہ ہر مدرسہ میں دد چار ذاکرین مسلسل ضرور رہیں کہ داخلی اور خارجی فتنوں سے بہت سے امن کی امید ہے، ورنہ مدارس میں جو داخلی وخارجی فتنے بڑھتے جارہے ہیں، اکابر کے زمان سے جتنا بعد ہوتا جائے گا ان میں اضافہ ہی ہوگا۔(۱)

(۱) دینی اداروں اور جماعتوں کی ذمہ داریاں: ۱۴۷-۱۵۰، حضرت مولانا قمر الزمان صاحب الہ آبادی، مکتبہ معارف، الہ آباد

فن اسرار شریعت

مغرب سے الحاد کا جو سیلاب آرہا ہے اور اسلام کے پیش کردہ نظام حیات پر جو اعتراضات ہورہے تھے ان کا صحیح حل یہ تھا کہ ''اسرار شریعت'' کو ایک مستقل موضوع کی حیثیت سے نصاب میں داخل کرلیا جاتا، اس موضوع پر شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) حجۃ اللہ البالغۃ، امام ابن قیم کی ''اعلام الموقعین'' کے کچھ منتخب حصے یا امام غزالی کی شہرہ آفاق اور اپنی منفرد نوعیت کی تصنیف ''احیاء علوم الدین'' کے وہ ابواب جو سیاست مدنیہ اور معاشرت سے متعلق ہیں کو داخل نصاب کیا جاسکتا تھا، یا اس قسم کی کوئی اور کتاب پڑھائی جاسکتی تھی؛ مگر چوں کہ ملا نظام الدین سہالویؒ کے قدیم نصاب میں اس موضوع کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی تھی، ماضی قریب میں بعض مدارس نے اس کو داخل نصاب کیا ہے، مگر پھر بھی ان کو وہ اہمیت نہیں دی گئی ہے جو ان کا حق ہے۔(۱)

(۱) دینی مدارس اور عصر حاضر، ۲۶، محمد رضوان القاسمی، مرکز دعوت وتحقیق حیدرآباد (الہند)

تعارف ادیان ومذاہب وفرق ضالہ

ادیان ومذاہب کے مطالعہ کے سلسلے میں فکر نانوتوی اور گنگوہی کا بہت زیادہ اثر ہے، حضرت نانوتویؒ کے بنیادی افکار یہ ہیں کہ حضرت حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ کے اسلامی تصور کو سامنے رکھ کر فکر اسلامی کی نئی تعبیر وتشریح اسلام کے اصول ومبادی اور اس کے اولین روایات کی حفاظت وصیانت اور ان میں ترمیم وتبدیلی سے گریز کے ساتھ زمان ومکان کی رعایت، عصری مشکلات ومطالبات کو پیش نظر رکھنا، جس کی بدولت دین اپنی اصلیت وماہیت کو بدلے بغیر اپنی روایت کو تجدید واجتہادی تسلسل کے ساتھ قائم رہے اور ہر زمانے اور ہر جگہ کے لئے ایک جامع ومعتدل اور مثالی وعملی نظام حیات فراہم کرے، ''فکر'' نانوتوی کا خلاصہ کوئی فلسفیانہ مکتب فکر، یا اہل سنت والجماعت سے الگ کوئی گروہی تصور نہیں؛ بلکہ کتاب وسنت کی جامع تعلیمات کے علم اور اس کے مطابق نظام فکر وعمل کا نام ہے جو عصری مشکلات ومطالبات کو پیش نظر رکھتے ہوئے جحت طلبیوں اور حسیاتی ازموں کی نفسیات کو مکمل طور پر اپیل کرنے والا ایک سائنٹفک انداز ہے، جس کی بنیاد شاہ وی اللہ رحمہ اللہ نے ڈالی تھی، دوسرے لفظوں میں وہ کلیتا اہل سنت والجماعت ہی والا مکتب فکر ہے، جس میں افراط ہے، نہ تفریط، غلو ہے، نہ مبالغہ؛ بلکہ اس میں کمالِ اعتدال اور جامعت کا جوہر پیوست ہے، نیز اس میں کلامی طور پر ماتریدیت واشعریت، فقہی طور پر حنفیت اور وقت ضرورت دوسرے مسالک فقہیہ سے استفادہ، وجدانی طور پر احسان وتصوف اور سیاسی طور پر اعلائے کلمہ اللہ اور اظہار دین اسلام کے عناصر ورجانات نمایاں ہیں۔(۱)

(۱) فکر نانوتوی اور دور حاضر میں اس کی معنویت: ۸، محمد ابوبکر قاسمی پورنوی معہد الامام ولی اللہ الدہلوی، للدراسات الاسلامیۃ

تاریخ دارالعلوم دیوبند مرتب قاری طیب صاحب میں مذکور ہیں:

''متعدد مناظرے عیسائیں اور آریہ سماجیوں سے کئے، تصانیف اور تقریروں کے ذریعہ ولی اللہ مسلک کی وضاحت اور اشاعت کی متکلمانہ اور عارفنہ انداز سے دلائل اصول اسلامیہ اور اساسی عقائد دین کو عقلی دلائل سے مستحکم اور مضبوط کیا اور دین اسلام کی سرحدات کو اتنا مضبوط بنادیا کہ اغیار کے حملے ان پر اثر انداز نہ ہوسکیں''(۱)

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

''ایک عالم دین کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جن دوسرے مذاہب وادیان کا براہ راست اسلام سے تصادم رہا ہے اور جن کے تبلیغی مشن اب بھی سرگرمی کے ساتھ مصروف عمل ہیں، نیز خود مسلمانوں کے وہ فرقے اور گروہ جنہوں نے اپنے کچھ مخصوص نظریات کی بناء پر اپنا مستقل وجود قائم کیا ہوا ہے، ان سب کے بنیادی عقائد وافکار سے وہ فی الجملہ واقفیت رکھتا ہو؛ تا کہ بوقت ضرورت ان کی جواب دہی کر سکے، لہٰذا درس میں ''الملل والنحل'' یا ''الأ دیان والفرق'' کے نام سے ایک مستقل موضوع کا اضافہ ہونا چاہئے، جس میں ان ادیان وفرق کا مختصر تعارف، ان کے بنیادی عقائد وافکار اور ان کی تردید کے بنیادی دلائل بیان کر دیئے جائیں جن کے ساتھ برصغیر کے مسلمانوں کو زیادہ واسطہ پیش آتا ہے، تا کہ ان سے متعلق ضروری اجمالی معلومات ہر طالب کو علم ہوجائیں اور جن لوگوں کو بعد میں ان میں سے کسی مذہب یا فرقے پر خصوصی کام کا موقع ملے، اس کے لئے یہ تعارف ایک بنیاد کا کام دے سکے''۔(۲)

---

(۱) تاریخ دارالعلوم: ۵۳، مرتب حضرت مولانا قاری طیب صاحب، دارالاشاعت مولوی مسافر خانہ کراچی

(۲) ہمارا تعلیمی نظام: ۹۹

وحدتِ انسانیت پر تمام مذاہب کو اور وحدت امت پر تمام فرق ضالہ کو متحد کیا جا سکتا ہے، وجوہِ اختلاف اور مشترکہ اقدار کا اندازہ ہونا ضروری ہے، بے جا صلح کل یا غلط شدت پسندی دونوں مذموم ہیں، سب جانتے ہیں کہ اتحاد حق پر مطلوب ہے، اختلاف باطل کے لئے ہوسکتا ہے۔

محاضرات علمیہ (مطالعہ ادیان وفرق)

دار العلوم اپنی مرکزیت کے پیش نظر دین و مذہب کے متعلق باصلاحیت افراد تیار کرنا اپنی ذمہ دار تصور کرتا ہے، امت مسلمہ کو راہِ راست سے ہٹانے کے لئے نت نئے باطل نظریات اور فتنے پیدا ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں دار العلوم نے اپنی ذمہ داری محسوس کی کہ فرزندان دار العلوم کو امت کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کے لئے خصوصی طور پر تیار کیا جائے، اس مقصد کے لئے ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۹۹۴ء میں طلبہ کی تربیت کا ایک سلسلہ ''محاضرات علمیہ'' کے عنوان سے شروع کیا گیا جس میں اس وقت سات موضوعات پر طلبہ کو تربیت دی جارہی ہے وہ موضوعات حسب ذیل ہیں:

۱) ہندومت۔
۲) عیسائیت۔
۳) شیعیت۔
۴) قادیانیت۔
۵) غیر مقلدیت۔
۶) بریلویت۔
۷) مودودیت۔

ہر موضوع پر سال بھر میں متعدد محاضرے پیش کئے جاتے ہیں، ہر موضوع کے لئے الگ الگ اساتذہ مقرر ہیں جو متعلقہ موضوع پر تیار شدہ مقالہ پیش کرتے ہیں، محاضرات میں صرف دورہ حدیث سے فارغ شدہ (افتاء وتکمیلات) کے طلباء شرکت کرتے ہیں۔

فن	تعداد	نصاب
یہودیت وعیسائیت	٦	محاضرات یہودیت، مولانا نعمت اللہ اعظمی
ہندوازم	۴	محاضرات ہندوازم، مولانا عبدالحمید نعمانی
قادیانیت	۵	محاضرات قادیانیت، مولانا قاری عثمان منصور پوری
شیعیت	٦	محاضرات شیعیت، مولانا محمد جمال میرٹھی
رضاخانیت	٦	محاضرات غیر مقلدیت، مولانا مفتی امین صاحب پالنپوری
غیر مقلدیت	٦	محاضرات غیر مقلدیت، مولانا مفتی محمد راشد اعظمی
مودودیت	۵	محاضرات مودودیت، مولانا عبدالخالق سنبھلی (۱)

(۱) دارالعلوم دیوبند کی جامع ومختصر تاریخ: ۱۳۹، محمد محمد اللہ صاحب، شیخ الہند اکیڈمی دیوبند

انگریزی زبان

ذیل کے مضمون کا خلاصہ یہ ہیکہ دارالعلوم دیوبند کے دینیات کے نصاب میں ہندی اور انگریزی داخل ہے؛ لیکن اس کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے طالب علم اس سے نابلد ہی آتا ہے، اکابر کا ہمیشہ خیال رہا ہے کہ فارسی کی مقدار کچھ کم کر کے انگریزی پر اچھی محنت کرائی جائے، لیکن اصل نصابی سرگرمیاں ہرگز متاثر نہ ہوں، طالب علم کی منزل نہ بدلے، یقینا عصری لب ولہجہ حاصل ہوجاتا ہے، زمانے کی اصطلاحات سے واقفیت ہوجاتی ہے، اہل زمانے سے تبادلہ خیال میں زیادہ دشواری نہیں پیش آتی ہے، اگر فراغت کے بعد چاہے تو دارالعلوم دیوبند میں قائم ''کلیہ اللغۃ الانجلیزیۃ'' کی طرح ادارہ میں داخلہ لے کر زبان وبیان، تحریری وتصنیف کا کام آگے بڑھایا جاسکتا ہے، تلاش ہو تو علماء کرام کے قدرداں انگریزی زبان کے معلمین مل سکتے ہیں، مالیہ فراہم ہوسکتا ہے، نہ یہ مقصد ہے کہ ڈگریوں کا بوجھ نظام کو بے روح کردے، نہ یہ پسندیدہ ہے کہ اب بھی انگریزی سکھانے کے ضروری معتدل نظام کو بھی رواج نہ دیا جائے۔

اس وقت اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ انگریزی کو بھی شامل نصاب کیا جائے، ہمارے اکابر نے انگریزی کو شجر ممنوعہ نہیں کہا، زبانیں کسی کی میراث نہیں ہوتی، وقت اور حالات کے تحت ان کو اپنایا جاسکتا ہیں، نبی کریم ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ یہودیوں کی زبان عبرانی سیکھیں۔(۱)

''آزادی کے بعد'' اور ''آزادی سے پہلے'': کے ہندوستان کا معاملہ یکساں نہیں

(۱) ترمذی، حدیث:۲۷۱۵

ہے، آزادی سے پہلے اس ملک میں مسلمان ''حکمراں اور مقتدر کی حیثیت سے رہ رہے تھے، اس وقت کی زبان، علم وہنر کی زبان اور تعلیم کی زبان تھی، مگر اب معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، اب برادران وطن کی تہذیب ان کا کلچر اور ان کی زبان ہی کو ''مقتدی'' کی حیثیت حاصل ہے، اس ملک میں انہی کی غیر معمولی اکثریت ہے، اور ہماری زبان کو یہاں کے ''سیاسی حالات'' نے ''پرائی زبان'' بنادیا ہے، اس کے علاوہ آج سے چند صدی پہلے بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کی ساکھ قائم تھی،، ان کی زبان علم وتحقیق کی زبان، ترقی یافتہ صنعت وٹکنالوجی کی زبان اور اربابِ فکر ونظر کی زبان تھی، اس لئے اس کو اپنوں کے علاوہ بیگانے اور دوستوں کے علاوہ دشمن بھی سیکھا کرتے تھے؛ مگر اب معاملہ اس کے برعکس ہے ن ںج کی دنیا میں بین الاقوامی سطح پر صنعتی اور علمی زبان انگریزی ہے اور جغرافیائی اعتبار سے ہمارے لئے اس کے بعد؛ بلکہ بعض حیثیت سے اس سے زیادہ اہم ''ہندی زبان'' ہے، اس زبان میں پوری منصوبہ بندی سے اسلامی سرمایہ کو ظاہری اور معنوی خوبیوں کے ساتھ منتقل کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ علماء چونکہ ان زبانوں سے ناآشنا ہیں، اس لئے ان کو ان زبانوں میں پھیلائی جانے والی بدگمانیوں اور غلط فہمیوں کی کوئی خبر نہیں ہوتی اور نئی نسل (جس نے اقتصادی اور صنعتی تقاضوں کے پیشِ نظر انہیں زبانوں کو پڑھا ہے) یا دوسری قومیں جب اسلام کا مطالعہ کرنا چاہتی ہیں تو اسی زبان کے لٹریچر پڑھتی ہیں، جو اکثر مستشرقین اور اسلام دشمن مصنفین کی ہوتی ہیں، اور اسلام کی طرف سے ان کے دل میں نفرت کے تخم پڑ جاتے ہیں، اسی طرح بہت سے دکھے ہوئے بے چین اور مضطرب ''دل ودماغ'' جو حق کی تلاش میں ''قبول حق'' کا جذبہ لے کر اسلام کی طرف بڑھتے ہیں، بدگمانی اور نفرت کے احساسات کے ساتھ واپس ہوجاتے ہیں، ہمیں اس کا اعتراف کرنا چاہئے کہ اس میں بڑی حد تک ہماری غفلت کو دخل ہے، جدید چیلنج کے مقابلے کے لئے ناگزیر ہے کہ کم از کم ان دو زبانوں پر اسلامی درسگاہوں سے نکلنے والے طلباء ایسی نظر رکھتے ہوں کہ بے تکلف اسلام کے ناقدین کو

پڑھ سکیں، اور جدید حلقہ میں داعیانہ کردار ادا کریں، ''فارسی'' اسلام کی الہامی زبان نہیں ہے، مگر ہمارے اسلام نے دعوتی نقطہ نظر کی اساس پر ایسی مہارت حاصل کی کہ آج ''فارسی'' کو مسلمانوں سے علاحدہ کر کے سوچا بھی نہیں جاسکتا، اسلام نام ''زبان'' کا نہیں ہے ''پیغام'' کا ہے، اس پیغام کو عام کرنے کے لئے ہمیں اپنے سلف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان زبانوں پر ایسی مہارت حاصل کرنی چاہئے کہ ہمارے لئے وہ پرائی زبان محسوس نہ ہو، آخر زید بن ثابت جو چھ زبانوں کے ماہر تھے، ہمارے ہی اسلاف میں سے تو ہیں؟ قرآن کی آیت ''وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ'' (ہم نے رسولوں کو ان کی قومی زبان میں پیغام لے کر بھیجا) کا مفہوم اور تقاضا بھی یہی ہے۔(۱)

اسی حدیث کی بنیاد پر ہمارے اکابر نے کسی زبان کو سیکھنے سے منع نہیں کیا؛ بلکہ انگریزی کے حق میں تو انہوں نے فتوے تک دیئے کیوں کہ ہر حال میں یہ پہلے کے رابطے کی اہم زبان تھی، اور آج بھی اس کی اہمیت بہت ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے کسی سائل کے جواب میں یہ فتوی دیا تھا کہ ''انگریزی لکھنے پڑھنے اور ان کی اصطلاحات اور زبان کے سیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں''۔(۲)

اسی طرح ایک فتوی حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا بھی ہے کہ ''فی الواقع نفس تعلیم انگریزی شرعاً ممنوع نہیں ہے، آنحضرت ﷺ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو زبان یہود سیکھنے کا حکم دیا تھا، جیسا کہ جامع ترمذی وغیرہ میں مروی ہے، ملا علی قاری کی شرح مشکاۃ میں ہے کہ شریعت میں کسی زبان کے سیکھنے کو حرام قرار دیا گیا ہو ایسی کوئی بات دلیل سے معلوم نہیں ہوتی ،خواہ لغت سریانی ہو، یا عبرانی ہو یا ترکی یا فرانسیسی ہو''(۳)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے سوانح نگار حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ نے

(۱) دینی مدارس اور عصری تقاضے: ۴۲

(۲) ضمیمہ فتاوی شاہ عبدالعزیز: ۱۹۵

(۳) مجموع فتاوی عبدالحیؒ ۱/۸۰۰

تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے کہ ''حضرت امام ربانی بار بار فرمایا کرتے تھے کہ اس منطق و فلسفے سے تو انگریزی بہتر ہے کہ اس سے دنیوی نفع کی امید تو ہے''۔

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کو انگریزی نہ سیکھنے کا اس وقت بڑا املال ہوا جب آخری سفر حج میں ایک انگریز سے ان کی ملاقات ہوئی، اور اس انگریز سے بات کے لئے ترجمان کا سہارا لینا پڑا۔(ہمارے مدارس : مزاج ومنہاج: ۲۱۱، دارالکتاب، دیوبند) حضرت نانوتویؒ کے خیالات وافکار سے وہ انگریز اس قدر متأثر ہوا، قریب تھا کہ وہ اسلام قبول کر لیتا، مگر شاید اسلام اس کے مقدر میں نہیں تھا، یا شاید ترجمانی میں کچھ کمی رہ گئی تھی، بہر حال اس واقعے کا حضرت نانوتویؒ پر اس قدر اثر پڑا کہ آپ نے جہاز ہی میں یہ عزم کر لیا کہ میں واپس ہونے کے بعد انگریزی زبان خود سیکھوں گا۔(۱)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''اس کے بعد (یعنی دارالعلوم دیوبند کے نصاب سے فارغ ہونے کے بعد) اگر طلبہ مدرسہ سرکاری میں جا کر علوم جدیدہ حاصل کریں تو یہ بات ان کے کمال میں زیادہ مؤید ہوگی۔(۲)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی رائے تھی کہ: انگریزی زبان سیکھنا درست ہے، بشرطیکہ کوئی معصیت کا مرتکب نہ ہو اور نقصان دین میں اس سے نہ آئے۔(۳)

یہ فتوی ایسے وقت میں دیا جا رہا ہے جب ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی، اور علماء اس حکومت کے خلاف برسر پیکار تھے، اس سے بھی پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی دور میں محدث کبیر حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی رحمہ اللہ کا فتوی بھی یہی تھا کہ ''انگریزی پڑھنا جائز ہے''(۴)

---

(۱) سوانح قاسمی: ۲/ ۲۹۹

(۲) تاریخ دارالعلوم: ۲/ ۲۰۲

(۳) فتاوی رشیدیہ: ۱/ ۶۴

(۴) تاریخ دارالعلوم: ۲/ ۳۰۵

شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے قیام کے موقع پر فرمایا تھا:

’’آپ حضرات میں سے جو محقق اور باخبر ہیں، وہ جانتے ہیں کہ میرے بزرگوں نے کسی اجنبی زبان سیکھنے یا دوسری قوم کے علوم وفنون حاصل کرنے پر کفر کا فتوی نہیں دیا‘‘(۱)

مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ نے اپنے بیٹے جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی کی تصنیف ’’علوم القرآن‘‘ کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ اصل میں یہ کتاب مجھے لکھنی تھی؛ مگر میں نے دو وجہوں سے یہ کام اپنے بیٹے کے سپرد کیا، ایک تو یہ کہ میں مختلف امراض میں مبتلا ہوں اور روز افزوں ضعف بھی ہے، یورپ کی ان کتابوں سے بالکل ہی ناواقف تھا، جن میں انہوں نے قرآن کریم اور علوم قرآن کے متعلق زہر آلود تلبیسات سے کام لیا ہے، برخوردار عزیز نے چونکہ انگریزی میں بھی ایم اے، ایل ایل بی اعلی نمبروں میں پاس کیا، انہوں نے ان تلبیسات کی حقیقت کھول کر وقت کی اہم ضرورت پوری کردی۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تو انگریزی زبان کے حصول کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔(۲)

ہندوستان کے علماء اور بالخصوص علمائے دار العلوم کے خلاف یہ الزام شہرت پا گیا ہے کہ انہوں نے انگریزی تعلیم کے خلاف فتوی دے کر مسلمانوں کو انگریزی تعلیم سے باز رکھا، جس کی وجہ سے مسلمان دنیوی ترقی کے میدان میں دوسری قوموں سے پیچھے رہ گئے، یہ الزام صحیح نہیں ہے، علمائے کرام صرف ایسے نصاب تعلیم کے مخالف تھے جو مسلمانوں کو الحاد اور بے دینی کی طرف لے جانے والا ہو، خود علی گڑھ میں خطرہ محسوس کیا جارہا تھا، چنانچہ اس کے سد باب کے لئے وہاں دینیات کا ایک مستقل شعبہ قائم کیا گیا، اور حضرت مولانا محمد قاسم

---

(۱) موج کوثر: ۹۰

(۲) دینی وعصری درسگاہیں- تعلیمی مسائل: ۱۷۹

نانوتویؒ صاحب کے داماد مولانا عبداللہ انصاری کو طلب کیا گیا تو دیو بند کی جانب سے فوراً اس پیش کش کو قبول کیا گیا، مولانا عبد اللہ انصاری تا حیات اس منصب پر فائز رہے، بعد ازاں انکے فرزند مولانا احمد میاں انصاری اس منصب پر مامور کئے گئے، یہ بھی دارالعلوم کے فاضل تھے، ظاہر ہے کہ مخالفت کی صورت میں یہ بات ممکن نہ تھی۔

حضرت مولانا نانوتویؒ نے ان طلباء کی نسبت جو مدارس عربیہ سے فارغ ہو کر سرکاری اسکولوں میں داخل ہونا چاہیں ۱۲۹۰ھ = ۱۸۷۳ء کے جلسہ انعام کی تقریر میں ایسے طلباء کی ان الفاظ میں حوصلہ افزائی فرمائی ہے:

''اگر طلباء مدرسہ ہذا مدارسِ سرکار میں جا کر علوم جدیدہ کو حاصل کریں تو ان کے کمال میں یہ بات زیادہ مؤید ہوگی'' (۱)

بعض لوگوں کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ دارالعلوم کے نصاب تعلیم میں علومِ جدیدہ کو کیوں شامل نہیں رکھا گیا؟ فرماتے ہیں:

''اگر یہ خیال سدراہ ہے کہ یہاں علوم دنیوی کی تعلیم کا چنداں اہتمام نہیں تو اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ مرض کا علاج چاہئے جو مرض نہ ہو اس کی دوا کھانی فضول ہے، دیوار کے رخنے کو بند کرنا چاہئے، پھٹن کا بھرنا لازم ہے، جو اینٹ ابھی گری نہیں اس کا فکر بجز نادانی کے کیا ہے، مدارسِ سرکاری اور کس لئے ہیں؟ ان میں علوم دنیوی نہیں پڑھائے جاتے تو اور کیا ہوتا ہے؟ یہ مدارس اگر قدر ضرورت سے کم ہوتے تو مضائقہ نہ تھا، مگر سب جانتے ہیں کہ سرکار کی توجہ سے شہر تو شہر گاؤں میں بھی مدارس جاری ہو گئے ہیں، ان کے ہوئے اور مدارس علوم دنیوی کا اہتمام کرنا اور علوم دینی سے غفلت کار عقل و دور اندیشی نہیں'' (۲)

(۱) روداد دارالعلوم: ۱۲۹۰ھ ص: ۱۶

(۲) روداد ۱۲۹۲ھ ص: ۱۳

درحقیقت ہمارے اسلاف نے دوسری قوموں کے علوم وفنون کو اپنانے میں اس وقت بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کیا اور نہ اس وقت جس وقت نصف دنیا پر اپنی عظمت واقتدار کا پرچم لہرا رہے تھے، مسلمانوں نے ماضی میں نہ صرف ارسطو وافلاطون اور دوسرے یونانی حکماء کے فلسفے کو اپنا لیا تھا؛ بلکہ بقراط اور جالینوس کے طبی ذخیروں کے مالک بھی بن گئے تھے، اقلیدس اور بطلیموس کی تحقیقات ان کی زندگی کا دلچسپ مشغلہ بن گیا تھا، ہندوستان کی ریاضی بھی عربی سانچے میں ڈھل گئی تھی، اسی طرح عربی زبان میں ایک نئے ادب، تاریخ، فلسفہ وحکمت، طب، ریاضی، ہیئت، نجوم اور کیمیاء اور طبعیات وغیرہ فنون کی بنیادیں پڑیں، جو آج تہذیب وتمدن کا مایہ ناز سرمایہ ہے، ان علوم کو مسلمانوں نے اس طرح اپنایا کہ وہ آج اجنبی محسوس ہونے کے بجائے اسلامی علوم ہوتے ہیں، علوم وفنون کے حاصل کرنے میں مسلمان ہمیشہ فراخ حوصلہ رہے ہیں، تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ مسلمانوں نے یونان اور ہندوستان کے علوم وفنون کو نہ صرف سیکھا ہے؛ بلکہ انہیں ترقی بھی دی ہے۔

علماء کی نسبت یہ ایک شدید غلط فہمی ہے، انگریزی تعلیم کو کبھی ناجائز اور حرام نہیں کہا گیا؛ بلکہ وہ تہذیب وکلچر جس کو نگریزی تعلیم کے ساتھ لازمی قرار دیا گیا تھا اور اسی کو ترقی کا واحد ذریعہ تصور کیا گیا تھا، علماء کو صرف اس سے اختلاف تھا، مناسب ہوگا کہ یہاں اس الزام پر تاریخی حقائق کی روشنی میں جب کہ سرسید احمد خان مرحوم کی تعلیمی تحریک کا آغاز تھا، فقہ حنفی کے قدیم مرکز فرنگی محل لکھنؤ کے یگانہ روزگار عالم مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے انگریزی تعلیم کے متعلق فتوی دیا تھا:

> ''لغت انگریز کا پڑھنا یا انگریزی لکھنا سیکھنا اگر بلحاظ تشبہ کے ہو تو ممنوع ہے، اور اگر اس لئے کہ ہم انگریزی میں لکھے ہوئے خطوط پڑھ سکیں اور ان کی کتابوں کے مضامین سے آگاہ ہوسکیں تو کچھ مضائقہ نہیں، مشکاۃ شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت کو یہود کا خط (عبرانی) سیکھنے کے لئے حکم فرمایا

تھا اور انہوں نے تھوڑے ہی دنوں میں سیکھ لیا‘‘(۱)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے فتاوی میں انگریزی پڑھنے پڑھانے کے استفتاء کے جواب میں تحریر ہے کہ:

’’انگریزی زبان سیکھنا درست ہے، بشرطیکہ معصیت کا مرتکب نہ ہو اور نقصان دین میں اس سے نہ آئے‘‘۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی دور میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کا فتوی بھی یہی تھا کہ ’’انگریزی پڑھنا جائز ہے،غرض کہ علماء کرام نے کسی زمانے میں بھی نفس تعلیم انگریزی سے کبھی اختلاف نہیں کیا س؛ بلکہ حصول معاش اور علم وآ گاہی کے لئے صراحتا اس کے جواز کا فتوی دیا جیسا کہ خود عہد نبوت میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مثال سے صاف واضح ہے، البتہ جس صورت میں مختلف اسباب سے متعلم کے اعتقاد وایمان پر اس کا اثر پڑتا ہو اور غیر اسلامی تہذیب،غیر اسلامی اخلاق اور خلاف اسلام معتقدات کے اختیار کر لینے کا ذریعہ بنتا ہو،صرف اس کو نا جائز بتلایا گیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔

جدید تعلیم سے مسلمانوں کے اجتناب میں کچھ تو انگریزی سیاست کے قصد وارادے کو دخل رہا ہے ؛ تا کہ مسلمان حکمرانی کے قابل نہ رہ سکیں، دوسرے خود مسلمانوں نے بھی اپنی اولاد کو بے دینی کے اندیشے سے اسکولوں میں داخل کرنے میں پس وپیش سے کام لیا ہے۔

یہ تھے وہ اسباب جو مسلمانوں کے لئے انگریزی اسکولوں اور کالجوں کی طرف جانے میں مانع ہوئے، چنانچہ جب پادریوں کی سرگرمیوں کو ان کی مسلسل ناکامیوں نے سرد کر دیا اور انجیل کی تعلیم اسکولوں کے نصاب سے خارج کر دی گئی، ادھر اسی کے ساتھ ساتھ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا ،رفتہ رفتہ قدرتی طور پر مسلمانوں کے دلوں سے انگریزوں اور انگریزی تعلیم کے خلاف نفرت کم ہوتی گئی اور مسلمان انگریزی تعلیم پر متوجہ ہونے لگے۔

(۱) مجموعہ فتاوی مولانا عبدالحیؒ، باب العلم والعلماء: ۲۰/۳

یہ ہے وہ الزام کی حقیقت جس نے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم سے دور رکھا، درحقیقت انگریزی تعلیم سے نفرت مسلمانوں کی قومی غیرت اور نفسیاتی ردعمل کا نتیجہ تھی، اور علماء بھی ان میں ہی شامل تھے، مگر اس کے باوجود علماء نے وقت کے تقاضے کو پہچانا اور پوری بصیرت اور دوراندیشی کے ساتھ انگریزی تعلیم کے جواز کا فتوی دینے سے کبھی گریز نہیں کیا۔(۱)

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے بھی حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے سفرحج میں انگریز کپتان سے ملاقات اور اس کے سامنے اسلام کے محاسن بیان کرنے میں انگریزی ترجمانی کی مدد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ''اس واقعہ کا مولانا پر اس قدر اثر پڑا کہ آپ نے جہاز ہی پر عزم کرلیا کہ واپس ہونے کے بعد میں انگریزی زبان سیکھوں گا، کیوں کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ جتنا اثر کپتان سے براہِ راست گفتگو کرنے پر پڑ سکتا تھا، ترجمان کے ذریعہ وہ بات نہیں حاصل ہو رہی تھی۔

آگے فرماتے ہیں:

> ''یہ صورت پیش آجاتی تو دار العلوم دیوبند کی علمی تحریک کا رنگ یقینا کچھ اور ہوتا، لوگوں کو اکابر دیوبند کے خیالات سے صحیح واقفیت نہیں ہے ، ورنہ جن تنگ نظریوں کا الزام ان کی طرف عائد کیا جارہا ہے، ان سے ان کے بزرگوں کی ذات بری تھی، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے نقطہ نظر کو تو آپ سن چکے، جماعت دیوبند کی آج سب سے بڑی سر برآوردہ ہستی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی حکیم الامتؒ کی ہے، النور میں آپ کے ملفوظات طیبہ شائع ہورہے ہیں، ماہ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ کی اشاعت میں حضرت والاؒ کا ایک بیان گرامی یہ بھی درج ہے کہ:

''ہم تو جیسا بخاری کے مطالعہ میں اجر سمجھتے ہیں، میر زاہد اور امور عامہ

---

(۱) تاریخ دار العلوم: ۲/۳۰۹

کے مطالعہ میں بھی ویسا اجر سمجھتے ہیں''

خیال کرنے کی بات ہے کہ کہاں بخاری اور کہاں معقولات کی کتاب امور عامہ میر زاہد کی، لیکن حکیم الامتؒ کا خیال یہی ہے،، اس کے بعد اپنے اس خیال کی توجیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''کیوں کہ اس کا شغل بھی اللہ کے واسطے ہے، اور اس کا بھی، یعنی وہ ''إنما الأعمال بالنیات'' والی بات ہے، جامع ملفوظ اس ملفوظ کو درج کرنے کے بعد یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ ''یہ بات بڑی قوت سے فرمائی''

کیا دیوبند کے جن اکابر کا یہ نقطہ نظر ہو، اگر بجائے امور عامہ اور صدر شمس بازغہ کے تمرینی اغراض کے لئے جدید علوم وفنون کی کتابیں پڑھائی جائیں یا انگریزی سکھائی جائے تو اسی قاعدہ کی بنیاد پر کہ اس کا شغل بھی اللہ کے واسطے اختیار کیا جائے ان علوم اور انگریزی زبان یا اسی قسم کی کسی عصری زبان کا سیکھنا اسی طرح باعث اجر نہ ہوگا، جیسے بخاری کا پڑھنا باعث ثواب واجر ہے، بلکہ اس زمانہ میں علوم جدیدہ یا مغربی زبانوں کو سیکھ کر چونکہ اسلام کی خدمت کا موقع اور امور عامہ کے پڑھنے سے زیادہ مل سکتا ہے، اس لئے یقیناً اس کا اجر اس سے زیادہ ہوگا''۔(۱)

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب انگریزی اور عصری تعلیم کے متعلق فرماتے ہیں:

''ہم سے پہلے مسلمانوں نے وقت کی ضرورت سمجھ کر قدیم فلسفہ اور منطق وریاضی وغیرہ اور فارسی زبان کو اپنایا، اس کا تجربہ یہ ہوا کہ اس زبان اور فنون نے مسلمانوں کے عقائد، اعمال اخلاق، معاشرت پر کوئی غلط اثر نہیں ڈالا؛ بلکہ ان میں جو غلط اور مضر اثرات تھے، ان کی بھی اصلاح ہوتی چلی گئی، فارسی زبان عربی کے بعد دوسری اسلامی زبان بن گئی، یونانی فلسفہ

(۱) ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم ۲/ ۴۰=۴۱، ندوۃ المصنفین دہلی

اور منطق ریاضی وغیرہ اسلامی علوم کا ضمیمہ بن گئے، مگر انگریزی زبان اور اس کے ذریعہ آئے ہوئے علوم وفنون کا معاملہ اس کے بالکل مختلف نظر آیا، وقت کی ضرورت دیکھ کر ملک کے کئی اداروں نے قدیم علوم اسلامیہ کے ساتھ انگریزی اور علوم عصریہ کا امتزاج کیا، مگر کہیں تو یہ کام چلا ہی نہیں اور کسی جگہ چلا تو اس طرح چلا کہ وہاں کے طلبہ میں علوم عصریہ اور انگریزی اور علوم عصریہ کا امتزاج کیا، مگر کہیں تو یہ کام چلا ہی نہیں اور کسی جگہ چلا تو اس طرح چلا کہ وہاں کے طلبہ میں علوم عصریہ اور انگریزی زبان سے تو کچھ واقفیت ہوگئی لیکن اسلامی علوم میں مہارت کا فقدان ہی محسوس ہوتا رہا، اس کے علاوہ ان طلباء کے عقائد، اعمال ومعاشرت پر بھی مغربیت غالب آگئی، جس نے اسلامی تعلیم کا مقصد ہی فوت کردیا، اس طرح کے تجربات دیکھ کر بہت سے محتاط حضرات نے انگریزی زبان اور اس کے فنون کو ترک کردینے ہی کو ''سلامت بر کنار است'' قرار دے دیا، لیکن ضرورت اس کی تھی کہ حالات اور معاملات کا تجربہ کرکے دیکھا جاتا کہ قدیم علوم فلسفیہ اور فارسی زبان کیوں ہمارے اعمال واخلاق پر اثر انداز نہیں ہوئی، اور انگریزی زبان اور موجودہ فنون عصریہ کیوں ہمارے عقائد سے لے کر اعمال واخلاق تک سب کو یورپ کا تابع بنادیتے ہیں، اس کا تجزیہ جو اسباب مضرت کے ثابت ہوتے ان سے اجتناب کیا جاتا اور جو مفید کام ہیں ان کو سرے سے نظر انداز نہ کیا جاتا۔

معمولی غور وفکر سے یہ جو بات سمجھ میں آتی ہے ایک یہ فارسی زبان اور یونانی علوم کو ہم نے اس حال میں لیا، جب کہ دنیا پر غالب حکومت ہماری تھی، ہمارے ذہن دوسروں سے مرعوب ومغلوب نہ تھے، ان تمام چیزوں کو وقت کی ضرورت سمجھ کر لیا اور اپنے عقائد وتعلیمات کا تابع بنا کر رکھا، اصل علوم دینیہ پر برتری اور تفوق کا وسوسہ بھی کسے نہ تھا۔

دوسرے یہ کہ تعلیم دینے والے ان فنون کے بھی وہی حضرات تھے جو علوم کتاب وسنت کے ماہر عقائد میں پختہ، تقوی وطہارت، عبادت وزہادت سے آراستہ تھے، ان کی صحبت اور تعلیم نے طلباء کو ان عجمی اثرات سے محفوظ رکھا جو ہر فن اور ہر زبان کے ساتھ طبعی طور پر آیا کرتے تھے، اس کے برعکس ہم نے انگریزی زبان اور اس میں آئے ہوئے علوم وفنون

کو ایسے زمانہ میں لیا جب کہ دنیا کی حکومت وقیادت انہیں لوگوں کے ہاتھ میں تھی، جن کی طرف سے یہ زبان اور فنون آئے تھے، ہم نے اس کو اپنے آقاؤں کی زبان اور ان کا دیا ہوا تحفہ سمجھ کر احساس کمتری کے ساتھ قبول کیا، انگریزی حرف لکھنے پڑھنے اور بولنے میں اپنی عزت اور فخر محسوس کیا، ان فنون کے جاننے کو ہی ایسا سرمایہ سمجھا کہ اپنے علوم فنون سے یکسر غافل وجاہل ہوتے چلے گئے۔

دوسری طرف اس زبان اور فنون کی تعلیم کے اساتذہ بھی ہمیں یورپ ہی سے درآمد کرنے پڑے، اپنے استاذوں کے عقائد، اعمال، اخلاق معاشرت سبھی سے متاثر ہونا ایک فطری امر تھا جو پیش آ کر رہا اور جب مسلمانوں میں اپنی بدنصیبی سے اس زبان اور فنون جدیدہ کی ترقی کا وقت آیا تو یہ محسوس ہوا کہ وہ اپنا سب کچھ کھو بیٹھے نہ ان کو اپنے اصلی علوم کتاب وسنت سے کوئی حق واسطہ رہا نہ اسلامی عقائد وعبادات اور اخلاق ومعاشرت سے کوئی تعلق رہا۔

یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے انگریزی زبان اور فنون جدیدہ نے ہمیں اور چاہے کچھ بھی بنا دیا ہو: مگر مسلمان نہیں بننے دیا۔

میری نظر میں اگر دونوں مضر اسباب سے مکمل پرہیز کرتے ہوئے انگریزی زبان اور عصری علوم وفنون کو پوری کوشش اور توجہ سے حاصل کیا جائے تو وہ پچھلے فلسفہ ومنطق سے زیادہ اسلامی عقائد اور اسلامی علوم کے خادم نظر آئیں گے۔

ضرورت اس کی ہے کہ اصل کو اصل سمجھا جائے اور تابع کو تابع اور تابع کو اس کے اپنے درجہ سے نہ بڑھنے دیا جائے، اس کے حاصل کرنے کو دنیا کی ضرورت سمجھا جائے، سرمایہ فخر وغرور نہ بنایا جائے، نیز علوم کے حاصل کرنے کے لئے اساتذہ ایسے مہیا کئے جائیں جو اپنے عقائد، کردار، معاشرت اور عبادت وخدا ترسی کی رو سے پکے مسلمان اور اسلامی تعلیمات کے معلم ہونے کی پوری صلاحیت رکھتے ہوں، تو پھر نہ انگریزی زبان میں کوئی زہر ہے، نہ فلسفہ جدیدہ اور سائنس جدید میں۔(۱)

(۱) مجالس مفتی اعظم: ۵۸۰، دار المعارف کراچی

حقیقت یہ ہے کہ انگریزی زبان اس وقت عالمی رابطہ کی زبان ہے، یہ زبان نہ صرف غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کے لئے ضروری ہے، بلکہ خود مسلمانوں کی نئی نسل بھی اردو کی گرفت سے باہر ہوتی جارہی ہے، یہ اسلئے بھی ضروری ہے کہ اسلام کے خلاف جو کچھ لکھا جارہا ہے اور علمی وفکری جہت سے دین حق پر جو یلغار ہورہی ہے، وہ زیادہ تر اسی زبان میں ہے، اگر علماء اس زبان کے سمجھنے اور اس میں اپنی مافی الضمیر ادا کرنے کے لائق نہ ہوسکے تو وہ اسلام کی حفاظت واشاعت کا فریضہ صحیح طور پر انجام نہیں دے سکتے ، ایک صاحب علم نے لکھا ہے کہ انگریزی زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے علماء اس صدی میں مقام احترام پر تو فائز ہوئے ؛لیکن مقام قیادت پر فائز نہیں ہوسکے۔

مغربی افکار کا مؤثر دفاع انگریزی

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

(الف) جدید مغربی تعلیم کے اثر سے دنیا میں جتنی گمراہیاں پھیلی ہیں، ان سب کے سرچشمے انگریزی زبان میں ہیں اور جب تک ان گمراہیوں کے اصل متابع سے کما حقہ واقفیت نہ ہوان کی تردیداوران پر تنقید وتبصرہ ان لوگوں کے لئے پوری طرح مؤثر نہیں ہوتا جوان کے براہِ راست مطالعے سے مرعوب ومتاثر ہوئے ہیں۔

یہ تقریبا وہی صورت حال ہے کہ جو عباسی خلافت کے زمانے میں یونانی فلسفے کے رواج عام سے پیدا ہوئی تھی، اس وقت فکری اور عقلی گمراہیوں کا اصل سرچشمہ یونانی منطق اور فلسفہ تھا اور جن لوگوں کے ذہن اس سے مرعوب ومتاثر تھے ان کے شکوک وشبہات کا موثر علاج اسی طرح ہوسکتا تھا کہ علماء اسلام اس منطق اور فلسفے پر عبور حاصل کر کے اسی زبان واسلوب میں اس کی تردید کریں، چنانچہ علماء اسلام نے اس منطق اور فلسفے کو داخل نصاب کیا اس میں اعلی درجے کی مہارت پیدا کی اور پھر وقت کی گمراہیوں کا ایسا مؤثر سدباب کیا کہ وہ ایک ایک کرکے اپنی موت آپ مرگئیں۔

اس وقت دینی علوم کے نصاب میں منطق اور فلسفے کو اس لئے داخل نہیں کیا گیا تھا کہ

علماء اسے ذریعہ معاش یا اپنا مستقل مشغلہ بنائیں گے؛ بلکہ اس کا مقصد وقت کی اہم دینی ضرورت کو پورا کرنا تھا۔

بعینہ اسی طرح آج مغرب سے اٹھنے والے نظریات اوران کی گمراہیوں نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، اور عالم اسلام کا بھی وہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو معاشرے کی ایک موثر قوت کی حیثیت رکھتا ہے، انہی نظریات سے متاثر اور بڑی حد تک ان کے رنگ میں رنگا ہوا ہے، ان نظریات کی تردیدی میں اب تک جو کام ہوا ہے وہ ان لوگوں کے ایمان ویقین کے تحفظ کے لئے تو کسی درجہ میں کارآمد ہے، جن پر دین کی گرفت پہلے ہی سے مضبوط ہے، لیکن جولوگ ان نظریات سے ایسے متأثر ہوئے ہیں کہ ان پر دین کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی ہے ان کو واپس لانے کے لئے کافی نہیں، ایسے لوگوں کے لئے اسی طرز پر کام کرنے کی ضرورت ہے، جس طرز پر یونانی نظریات کی یلغار کے مقابلے میں متکلمین اسلام نے انجام دیا تھا، یہ کام علماء امت کے ذمے ایک قرض ہے جس ادائیگی میں جتنی تاخیر ہوگی مغربی گمراہیوں کا دائرہ اتنا ہی وسیع ہوتا جائے گا۔

تجدد پسندوں کی تحریریں

(ب) چونکہ ان مغربی نظریات پر مؤثر اور بھرپور تنقید کے لئے ان کے اصل مآخذ تک رسائی ضروری ہے اس لئے اب تک یہ کام ان لوگوں نے انجام دیا ہے جو ان مآخذ تک رسائی تو رکھتے تھے؛ لیکن انہوں نے دینی تعلیم باقاعدہ متوارث طور پر اساتذہ سے نہیں پڑھے تھے، اس کے بجائے ان کی دینی معلومات متفرق مطالعے پر مبنی تھیں، جن سے ظاہر ہے کہ علم کا رسوخ حاصل نہیں ہوتا، اس لئے ان لوگوں نے ان مغربی نظریات کے مقابلے میں دین کی جو تشریح وتعبیر کی وہ طرح طرح کی غلط فہمیوں پر مبنی تھی، اوراس سے مغربی گمراہیوں کا صحیح علاج ہونے کے بجائے الٹی کچھ نئی گمراہیوں، نئے فتنے اور نئی غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں جن سے خود مسلمانوں کے درمیان افتراق وانتشار کا دروازہ کھل گیا، ان نئی غلط فہمیوں کا مؤثر سد باب صرف

سلبی انداز میں نہیں ہوسکتا؛ بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ دین میں رسوخ رکھنے والے علماء بذاتِ خود ایجابی طور پر وہ کام کریں جس کی غلط انجام دہی نے ان نئی گمراہیوں اور غلط فہمیوں کو جنم دیا ہے۔

(ج) مغرب کے مستشرقین نے عربی اور اسلامی علوم پر ''تحقیق'' کے نام سے ایسے زہریلے لٹریچر کا ایک انبار تیار کیا ہے جس کا مقصد دین کے بنیادی مسلمات کو مشکوک بنانا ہے، یہ لٹریچر جدید ذہن کی نفسیات کے مطابق اور اس اسلوب میں تیار کیا گیا ہے جو آج کے ذہن کی اپیل کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور عالم اسلام کا کوئی خطہ اس کے زہریلے اثرات سے خالی نہیں، اس زہر کا تریاق فراہم کرنا بھی علماء ہی کی ذمہ داری ہے اور اس کے لئے انگریزی زبان اور ان عصری علوم کی تحصیل لازمی ہے جن کو اس کاروائی کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔

(د) اس وقت مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد یورپ، امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا اور مشرق بعید کے ممالک میں آباد ہے، ان لوگوں اور بالخصوص ان کی نئی نسلوں کو اسلام پہنچانے کا کوئی راستہ انگریزی زبان کے بغیر ممکن نہیں، ان خطوں کے مسلمانوں کو اب نئی نسلوں کے دین کی حفاظت کا مسئلہ درپیش ہے اور وہ اس غرض کے لئے کافی جدوجہد کے بعد مساجد اور دینی مراکز تعمیر کر رہے ہیں، ان مساجد اور مراکز میں ایسے علماء کی ضرورت روز افزوں ہے جو علوم دین میں مہارت کے ساتھ ساتھ انگریزی بھی جانتے ہوں؛ تاکہ وہ وہاں کے مسلمانوں کی دینی ضروریات پوری کرسکیں، راقم الحروف کو ایسے متعدد ممالک میں جانے کا بھی اتفاق ہوا ہے اور یہاں رہتے ہوئے بھی کوئی مہینہ خالی گزرتا ہو جس میں وہاں سے انگریزی جاننے والے علماء کی طلب نہ آتی ہو۔

چونکہ ایسے صحیح الفکر اور راسخ علماء کی تعداد ہمارے درمیان آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے جو انگریزی جانتے ہوں اس لئے ان تمام مقامات پر وہ لوگ پہنچ رہے ہیں جو

انگریزی تو بیشک جانتے ہیں؛ لیکن یا تو ان کی دینی معلومات سطحی اور سرسری نوعیت کی ہیں، یا ان کے نظریات "ما أنا علیه وأصحابی" کے مطابق نہیں ہیں۔

یورپ میں تحفظ دین کے لئے انگریزی لٹریچر

(ہ) مذکورہ ممالک کے مسلمانوں کو اپنے دین کے تحفظ کے لئے انگریزی زبان میں بڑے وسیع دینی لٹریچر کی ضرورت ہے؛ لیکن حال یہ ہے کہ انگریزی میں قرآن کریم کی کوئی ایک تفسیر بھی ایسی موجود نہیں ہے جس کے بارے میں آنکھ بند کر کے لوگوں کو اس کے مطالعے کا مشورہ دیا جا سکے، اب اس وقت الحمد للہ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے اس تفسیر کی ضرورت کو بزبان انگریزی پورا کر دیا ہے، اسی طرح روزمرہ کے دینی اور فقہی مسائل پر مشتمل کوئی ایسی مستند کتاب اب تک تالیف نہیں ہوئی جو ان لوگوں کو دین کی تعلیمات سے ٹھیک روشناس کرا سکے، اس وقت یا تو چند گنی چنی اردو کتابوں کے تراجم ہیں جن کی صحت کی بھی کوئی ضمانت نہیں یا پھر اہل باطل کا فراہم کیا ہوا لٹریچر ہے جسے لوگ چار و ناچار پڑھنے پر مجبور ہیں، ان مسلمانوں کو دین کی تعلیمات سے روشناس کرانا اور ان کے دین و ایمان کی حفاظت علماء کے فرائض میں داخل ہے، جو انگریزی زبان کے بغیر ممکن نہیں۔

(و) موجودہ صنعتی دور نے تجارت و معیشت کے شعبے میں ایسے پیچیدہ معاملات کو رواج دیا ہے کہ اب ایک مسلمان تاجر کو قدم قدم پر معاملات کی نئی نئی صورتیں پیش آتی ہیں، ان صورتوں کا صریح شرعی حکم فقہ کی مروجہ کتب میں اس لئے نہیں مل سکتا کہ یہ صورتیں عصر جدید ہی کی پیداوار ہیں اور ان کا تصور پہلے نہیں ہو سکتا تھا، ان صورتوں کو سمجھ کر ان کا صحیح فقہی حکم بتانا علماء ہی کا کام ہے اور یہ کام اسی وقت ٹھیک انجام پا سکتا ہے جب علماء ان صورتوں کو ان کی تمام تفصیلات اور پس منظر کے ساتھ سمجھیں اور اس کے بعد فقہی اصولوں کے مطابق ان کا حکم بتائیں، اب تک یہ ہوتا

ہے کہ صورت مسئلہ بیان کرنے کی ذمہ داری مستفتی پر ہوتی ہے، اس لئے وہ جیسا سوال لکھ لاتا ہے اسی کے مطابق جواب چلا جاتا ہے؛ لیکن مستفتی چوں کہ عالم نہیں ہوتا اس لئے وہ بسا اوقات اپنی لاعلمی کی بناء پر صورت مسئولہ کے وہ اہم اجزاء جن پر جواب کا دارومدار ہوتا ہے، بیان نہیں کر پاتا، اس لئے جواب مختلف ہوجاتا ہے اور یہ بھی صرف ان معاملات میں ہوتا ہے جن کے بارے میں تاجر کے دل میں کوئی شبہ اور اس کی بنیاد پر استفتاء کا قوی داعیہ پیدا ہوتا ہے، ورنہ اب اکثریت ان افراد کی ہے جن کو کوئی شبہ پیدا ہوتا یا استفتاء کا تقاضہ پیش نہیں آتا۔

لہٰذا جس طرح حضرت امام محمدؒ بازاروں میں گھوم گھوم کر تاجروں کے معاملات کو پہلے سے از خود سمجھنے کا اہتمام فرماتے تھے؛ تاکہ ان تمام معاملات کا شرعی حکم مدون کراسکی اور استفتاء کے موقع پر مستفتی کی تشریح کے محتاج نہ ہوں، موجودہ دور کے اہل علم کا بھی یہ فریضہ ہے کہ وہ اہل عصر کے معاملات کو اچھی طرح سمجھیں اس کے بعد حسب ضرورت تصنیف وتالیف اور فتوی کے ذریعہ ان معاملات کا شرعی حکم امت پر واضح کریں؛ اس غرض کے لئے معاشیات کا اتنا علم جس سے اہل عصر کے معاملات اور ان کے تجارتی مسائل کا علی وجہ البصیرۃ علم ہوسکے ایک عالم دین کے لئے ضروری ہوگیا ہے۔

(ح) اس وقت عالم اسلام میں رفتہ رفتہ یہ شعور جڑ پکڑ رہا ہے کہ ہم نے جدید عصری علوم کو مغربی قالب کے ساتھ جوں کا توں اپنا کر کس قدر سنگین اجتماعی غلطی کی ہے، چنانچہ اب یہ آوازیں تقریباً ہر اسلامی ملک میں اٹھ رہی ہیں کہ ان علوم کو اسلامی رنگ میں رنگ کر اپنے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھانا چاہئے اور ان کی علومی نصابی اور تحقیقی کتابوں میں اسلامی تعلیمات علماء اسلام کے افکار اور ان خدمات کو اس طرح سمونا چاہئے کہ اس سے مغربی افکار کی بالادستی ختم ہوجائے، اس غرض کے لئے اب عالم اسلام میں جگہ جگہ مختلف علوم کے تحقیقی مراکز قائم ہورہے ہیں، ان

مراکز میں ایسے رجال کی ضرورت ہے جو دین کا وسیع وعمیق علم رکھنے کے ساتھ ساتھ متعلقہ موضوع سے بھی کما حقہ واقف ہوں اور چوں کہ راسخ الفکر علماء میں ایسے لوگ کمیاب؛ بلکہ نایاب ہیں، اس لئے ان مراکز میں وہ ذہن پہنچ رہا ہے جو دین کی صحیح بصیرت نہیں رکھتا۔

ان مراکز کے اثرات ونتائج جلدی تو ظاہر نہیں ہوں گے؛ لیکن دس بیس سال میں ان کے نتائج پوری طرح منظر عام پر آجائیں گے اور علوم عصریہ کی تمام درسگاہوں میں انہی کی تحقیقات سکہ رائج الوقت بنیں گی، لہٰذا ان مراکز کی صحیح تحقیقی رہنمائی کا فریضہ بھی علماء دین پر عائد ہوتا ہے، جس کے لئے متعلقہ موضوعات کی فی الجملہ واقفیت ناگزیر ہے۔

یہ تمام کام جن کی ضرورت واہمیت سے شاید کوئی دردمند اور سلیم الفکر مسلمان انکار کرسکے، ایک دو یا چند افراد کے بس کے نہیں ہیں اور نہ یہ ساری ضروریات کسی مختصر مدت میں پوری ہوسکتی ہیں، اس لئے ایسے پختہ کار، راسخ الفکر اور ذی استعداد علماء کی پوری کھیپ درکار ہے، جو اپنی اپنی طبعی مناسبت کے لحاظ سے اپنے لئے کام کے مختلف دائرے تجویز کرے اور ان دائروں میں شب وروز محنت کرکے یہ قرضہ چکائے، مگر اس سارے کام کی بنیاد دینی مدارس ہی میں فراہم کرنی ہوگی۔

درس نظامی کی اصل روح متاثر نہ ہو

یہاں یہ وضاحت بھی مناسب ہے کہ دینی مدارس میں ان مضامین کی تدریس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان تمام مضامین کے متخصصین پیدا کرنے مقصود ہیں اور نہ یہ تاثر درست ہے کہ ان مضامین کی تدریس کے لئے کوئی بہت زیادہ وقت صرف کرنا ضروری ہوگا، اس لئے کہ بفضلہٖ تعالی درس نظامی کی یہ خاصیت ہے کہ جو شخص اس نصاب کو قرار واقعی طور پر پڑھ لے اس کا مثبت اور علمی وفکری باتوں کے لئے پوری طرح تیار ہوجاتا ہے اور وہ ایسی باتوں کا ادراک بہت جلد کرلیتا ہے جسے سمجھنے میں دوسرے لوگوں کو کافی دیر لگتی ہے، اس لئے اگر دینی مدارس کے طالب علم کو انگریزی زبان کے ساتھ مذکورہ بالا چند مضامین کی بنیادی

واقفیت حاصل ہوجائے تو وہ ضرورت کے وقت انشاء اللہ اس بنیاد پر عمارت خود کھڑی کر سکے گا؛ اس لئے ان مضامین کی تدریس کے لئے بہت زیادہ وقت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

ہمارے نزدیک موجودہ دور میں علماء کی خدمات اور ان کی کوششوں کو مؤثر بنانے اور ان کا دائرہ اثر بڑھانے کے لئے مذکورہ بالا اقدامات نہایت ضروری ہیں۔(۱)

انگریزی زبان

آج انگریزی زبان اور جدید مغربی علوم وفنون کے بارے میں ہم سے کچھ تاخیر ہوگئی ہے، اس تاخیر کی وجہ سے کچھ انگریزی خواں مسلمانوں میں مخدوم بننا چاہتے ہیں، یا بنے ہوئے ہیں، تو یہ ایک عارضی اور وقتی چیز ہے، ان شاءاللہ انگریزی زبان اور جدید کمپیوٹر، یہ سائنس اور یہ ٹیکنالوجی سب کی سب اسلام کی خادم بنیں گی؛ مگر اس کے لئے عزم وارادے کی ضرورت ہے۔

اگر امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ کو اس کی ضرورت تھی کہ وہ اپنے دور کے معاشی طور طریقے سمجھیں اور اس کو دینی تقاضا سمجھ کر روزانہ بازار میں چند گھنٹے گزاریں اور یہ دیکھیں کہ کاروبار کیسے ہوتا ہے تو کیا عہد حاضر کے متخصصین اور فقہاء اور امام محمدؒ کے متبعین اور تلامذہ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ آج کل کے بازاروں کے اس کردار اور کاروباری امور سے واقف ہوں کہ ان بازاروں میں کیا ہو رہا ہے؟ اس کے لئے معاشیات کی تعلیم اور جدید بینکاری کے اصولوں کی تعلیم ضروری ہے، یہ سب فنون بدقسمتی سے انگریزی میں ہیں، اس لئے انگریزی سیکھنا ضروری ہے، اگر امام غزالیؒ اپنے دور میں منطق کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

"من لم يعرف المنطق فلا ثقة له في العلوم أصلا"

جس آدمی نے منطق نہیں سیکھی، اس کا علم میں کوئی مقام نہیں۔

اس لئے اس دور میں اہمیت منطق کی تھی، اسی طرح آج کے دور میں اگر کچھ

---

(۱) درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھائیں: ۶۰، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم، ہمارا تعلیمی نظام: ۹۹۔ ۱۰۳

دوسرے علوم وفنون، انگریزی زبان، معاشیات، ریاضی، کمپیوٹر کو اہمیت حاصل ہوگئی تو علمائے کرام کو آگے بڑھ کر امام غزالیؒ کی طرح اس کا ادراک کرنا چاہیئے۔

علماءاسلام اور دیگر زبانیں

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت: ۲) میں علماء واسلاف واکابر کے سلسلہ میں دیگر زبانوں سے دلچسپی کے جو واقعات قلمبند فرمائے ہیں، ان پر آپ ایک نظر ڈالیں، اس سے دو فائدے ہوں گے، ایک تو اس دور کے علماء وفضلاء کو عربی، اردو اور فارسی کے ساتھ دیگر زبانوں کے حصول کا شوق پیدا ہوگا، اور دوسرے بعض گوشوں اور حلقوں میں اس تعلق سے جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، ان کا ازالہ ہوگا۔۔۔۔۔۔۔۔اقتباس قدرے طویل ضرور ہے، لیکن نہایت معلومات افزا اور دل اور دماغ دونوں کو متوجہ کرتا ہے، مولانا گیلانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''پڑھنے پڑھانے کے بعد کسی جدید زبان یا علم کے سیکھنے کی ضرورت اگر کسی بڑے عالم کو پیش آ گئی ہے تو پیرانہ سالی بھی اس ضرورت کی تکمیل میں رکاوٹ نہیں پیدا کرسکتی، مولانا عنایت اللہ رسول چڑیا کوٹی کے متعلق لکھتے ہیں کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد عبرانی زبان سیکھنے کا شوق پیدا ہوا، تذکرہ علماء ہند میں ہے:

''بشوق آموختن زبان عبرانی بہ کلکتہ رفتہ درآنجا سالے چند پابند اقامت گشتہ از احبار (ہاخام) زبانِ عبرانی بجمیع الوجوہ آموخت'' عبرانی زبان سیکھنے کے شوق میں کلکتہ تشریف لے گئے، اور کئی سال رہ کر علماء یہود سے عبرانی زبان سیکھی اور اچھی استعداد پیدا کی۔

حَبرو (عبرانی) زبان میں جو مولانا کو دست گاہ حاصل تھی اس کا اندازہ ان کی کتاب ''بشریٰ'' اور اس رسالہ سے ہوسکتا ہے جو حضرت ہاجرہ ام اسماعیل علیہما السلام کے متعلق آپنے عبرانی حوالوں سے مرتب فرمایا تھا، سرسید احمد خان نے اپنی مشہور کتاب ''خطبات احمدیہ'' کا جزو بنا کر اسے شائع کیا ہے۔

علامہ تفضّل حسین خان یہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے تحصیل علوم رسمیہ

کے بعد:

''انگریزی ورومی آں رالاطینی نیز گویند، یونانی رانیکو گفتے وخواندے ونوشتے''(۱) انگریزی اور رومی زبان سیکھی جسے لاطینی بھی کہتے ہیں ،یونانی خوب اچھی بولتے، پڑھتے اور لکھتے۔

چریاکوٹ ہی کے ایک اور بزرگ قاضی غلام مخدوم چریاکوٹی صاحب ہیں، صاحبِ تذکرہ علماء ہند نے ان کے متعلق لکھا ہے:

''بعد تکمیل علوم متداولہ شوق تعلم زبان سنسکرت پدید آمد تا اینکہ در تحصیل زبان مذکور خطے وافی برگرفت و بمقام بنارس کہ معدن مہرہ زبان مرقوم است میانِ ماہرانِ این فن امتیازے کافی یافت'' (ص: ۱۵۷) علوم متداولہ کی تکمیل کے بعد سنسکرت کا شوق پیدا ہوا اوراچھی مہارت پیدا کی، بنارس جواس زبان کے لئے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے، یہاں ماہرانِ سنسکرت میں امتیازی مقام حاصل کیا۔

مولوی نصرت علی خان دہلوی تخلص قیصر کے متعلق بھی اسی کتاب میں ہے:

''علومِ رسمی باستعداد حاصل نمود ماہر زبان فارسی وعربی وترکی وانگریزی وہندی است'' (۲۳۷) مروجہ علوم میں استعداد بہم پہنچائی، چنانچہ فارسی، عربی، ترکی، انگریزی اور ہندی پانچ زبانوں کے ماہر ہیں۔

ان ہی مولوی نصرت علی کے والد ماجد مولوی ناصر الدین جو عیسائیوں کے ساتھ اپنے زمانہ میں چوں کہ سب سے زیادہ مناظرہ کرنے والے تھے، اس لئے لوگوں میں ''امام فن مناظرہ'' کے لقب سے مشہور ہوئے، کنیت ابوالمنصور تھی، ان کے متعلق بھی لکھا ہے:

''اکتساب علوم از والد ماجد وجد امجد خواندہ نمودہ'' اپنے والد ماجد اور دادا بزرگوار سے علم حاصل کیا۔

جب عیسائیوں سے مناظرہ کی مہم سامنے آئی تو:

(۱) نجوم السماء: ۳۲۴

''تورات وانجیل بالتفسیر عبرانی ویونانی از علماء اہل کتاب خوانده''

(۲۳۲) توریت وانجیل یونانی اور عبرانی تفسیر کے ساتھ علماء اہل کتاب سے پڑھیں''۔

مولوی نجف علی جھجر کے رہنے والے نواب ٹونک محمد علی خان کے دربار کے مولوی تھے، لکھا ہے کہ '' پنج رسائل بالسنۃ خمسہ کہ دری وپازندی وعربی وفارسی وارد وعبارت آزآنست'' (تذکرہ علماء ہند: ۲۳۲) جس کا یہی مطلب ہے کہ عربی، فارسی، اردو کے سوا دری اور پازندی زبانوں کو بھی انہوں نے تحصیل علم کے بعد کسی پارسی عالم سے سیکھا، حالانکہ خود عربی زبان میں ان کو اتنی قدرت حاصل تھی کہ:

''شرح مقامات حریری بہ زبان عربی بہ صنعت اہمال تصنیف کرد'' مقامات حریری کی شرح عربی میں اس طرح کی کہ کہیں نقطہ والا حرف نہیں لائے''۔

مختلف زبانوں کے سیکھنے کا مسلمانوں میں جو مذاق تھا اس کا اندازہ آپ کو اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ، حافظ ابن حجر نے ''دُررِ کامنہ'' میں آٹھویں صدی کے ایک بغدادی عالم زین الدین العابر کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ تاتاری نومسلم بادشاہ غازان خان، جب آپ کے مدرسہ میں آیا اور آپ سے ملا تو ''بالغ فی الدعاء'' یعنی اس مسلم بادشاہ کو شیخ نے بہت سی دعائیں دیں، یہ دعائیں کن کن زبانوں میں کی گئیں؟ حافظ لکھتے ہیں: ''بالغلی، ثم بالترکی، ثم بالفارسی، ثم بالرومی ثم بالعربی'' جس سے معلوم ہوا کہ ان پانچ زبانوں پر ان کو قدرت تھی ہفت زبان کا لفظ مسلمانوں میں مروج بھی تھا۔(۱)

قریبی زمانے میں اس حیرت انگیز نمونہ خود مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے شاگرد ڈاکٹر حمید اللہ حیدرآبادیؒ تھے جنہیں کم ازکم بلا مبالغہ دس زبانوں میں مہارت تھی، کئی زبانوں میں کتابیں اور محاضرات دیتے رہے، ان کے لئے عربی اور یورپ کے مطبوعات ومخطوطات تک رسائی اسی لئے آسان ہوچکی تھی، سب جانتے ہیں کہ دنیا عالمی گاؤں کی صورت اختیار

(۱) مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت: ۳/۲۲

کر چکی ہے، روس، چین اور شمالی امریکہ جنوبی امریکہ کے علاوہ افریقی ممالک میں کام کرنے والے علماء کے لئے وہاں کی زبان جاننا ضروری ہوگا، عیسائی اور قادیانی ہمہ لسانی کام کرنے میں آ گے ہیں، اگر زمانۂ طالب علمی سے ہی مختلف طلبہ کو مختلف زبانوں اور ملکوں کے لئے منتخب کرلیا جائے علمی اور عملی بنیادوں کو اسی پر استوار کیا جائے تو عالمی انقلاب میں اس کام کا عظیم کردار ہوسکتا ہے، ضروری ہے کہ اس کام کو نصاب عالمیت یا تخصصات میں حسبِ مشورہ اپنے نظام کا حصہ بنایا جائے۔

دینی تعلیم اور عصری تقاضے

ذیل کے مضمون میں ''دینی تعلیم'' اور ''عصری تقاضے'' کے مفہوم ومصداق ، مقاصد واہداف کومختلف تحریروں کی روشنی میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ''تقاضۂ وقت'' کے بہانے دینی تعلیم پر ظلم نہ ہو، اسی طرح بے جا غیر مطلوب شخصیت پرستی کی دُہائی دے کر آواز وقت اور نوشتۂ دیوار سے چشم پوشی نہ کر لی جائے ، دینی تعلیم کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے سے کیا امکانات پیدا ہوں گے، اندیشے اور خطرات کیا ہو سکتے ہیں؟ خلاصہ یہ ہے کہ اس عنوان کی ضرورت اور حسّاسیّت ،مفید اور مضر پہلو کا بیان ہے، واللہ اعلم بالصواب

موجودہ عصری علوم کا تنقیدی مطالعہ

اہل علم اور علماء کرام کے لئے ضروری ہے کہ وہ مغربی علوم وفنون کا تنقیدی انداز میں مطالعہ کریں، ان کے پانچ علوم ایسے ہیں جو اس وقت سب سے زیادہ غلط فہمیاں پیدا کر رہے ہیں، اور جتنا کفر والحاد اس دور میں پھیلا ہے وہ اکثر وبیشتر ان ہی پانچ علوم کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

۱۔ علم نفسیات
۲۔ علم بشریات
۳۔ علم عمرانیات
۴۔ علم سیاسیات
۵۔ علم معاشیات

علماء کرام کو ان پانچ علوم وفنون کا مطالعہ کر کے ان میں موجود غلط اساستصورات کی تردید عقلی انداز میں دلائل وشواہد کے ساتھ کرنی چاہئے، جو چیزیں درست ہیں، ان سے ہم کو پورا پورا استفادہ کرتے ہوئے مہارت حاصل کرنی چاہئے ،ہمیں چاہئے کہ ان علوم وفنون کے رائج الوقت اسلوب اور طرز استدلال سے کام لے کر ہم اپنے عقائد وتصورات کو آج کی زبان میں پیش کرنے کی کوشش کریں، تاکہ وہ جدید دنیا کے لئے زیادہ قابل فہم ہوں، کیوں کہ ایک عقلی سانچہ کا فیصلہ کرتے ہیں، اس طرح ان میں عدل وانصاف رکھنے والے لوگ متأثر ہوں گے اور پھر فکری اخذ وعطا کا عمل شروع ہوجائے گا، جو منطقی علوم اور یونانی ذخیرے کے ساتھ مسلمانوں نے اختیار کیا، شروع میں بہت سے مسلمان ان سے متاثر ہوئے، جس طرح آج ہورہے ہیں، آج ان کی کتابیں موجود ہیں، آپ اخوان الصفا کی کتابیں دیکھئے، ان میں بڑی مرعوبیت ہے، ابن رشد بڑے فقیہ تھے، لیکن ان کی کتابوں میں بھی یونانی علوم سے مرعوبیت کا احساس ہوتا ہے، اس طرح کندی جو فیلسوف العرب اور حکیم العرب کہلاتے ہیں، ان کے ہاں مرعوبیت کے خاصے جراثیم ملتے ہیں، جس طرح مرعوبیت کے جراثیم ہمارے ہاں مغربی علوم وفنون کے سلسلے میں پائے جاتے ہیں، لیکن یہ عارضی اور وقتی چیز تھی، بالآخر معتدل نقطہ نظر رکھنے والے علماء کی کاوشیں رنگ لائیں، اور دیگر دونوں طبقوں (مخالفین اور مویدین) کا زور گھٹتا چلا گیا۔

مثلاً شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' جو ساری کی ساری منطق وفلسفے سے لبریز دلائل کی بنیاد پر ہے، اس میں انہوں نے تمام اسلامی تصورات نئے انداز سے مرتب کئے، اسی طرح ''الموافقات'' (اصول فقہ کی کتاب) دیکھئے، اس کتاب میں امام شاطبی نے شریعت کے اصول منطق سے ثابت کئے ہیں، اس میں ایک چیز بھی ایسی نہیں جو عقلی بنیاد پر ثابت نہ ہوتی ہو، کوئی آدمی جو اس زمانے کی روایات کے مطابق عقلیات کا علم بردار ہو، وہ اس کی کسی ایک چیز سے بھی انکار نہیں کرسکتا، اسی طرح علامہ کاسانی کی کتاب ''بدائع الصنائع'' خالص فقہ کی کتاب ہے، لیکن عقلی انداز میں مرتب کی گئی ہے اور پڑھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ فقہ

حنفی ہو، تفسیر ہو، حدیث، کوئی چیز ایسی نہیں جو انسانی عقل اور فہم سے بالاتر ہو؛ بلکہ ہر چیز خالصتاً عقل کی بنیاد پر ہے، اس سے ایمان میں جو اطمینان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہ ہم جیسے کم زور ایمان والوں کے لئے ناگزیر ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا ایمان ہو تو یہی بات کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمادیا؛ لیکن ہر شخص تو ایمان و یقین کے اس درجے پر فائز نہیں ہے، عام آدمی کا حال تو یہ ہے کہ جب تک آپ اس کو اس کے اپنے اصول موضوعہ کے مطابق عقلی دلائل سے قائل نہیں کریں گے وہ قائل نہیں ہوگا۔(۱)

عصری علوم کی شمولیت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ: ''میں یہ چاہتا ہوں کہ مدرسے میں تعزیزاتِ ہند اور ریلوے اور ڈاک کا قانون پڑھایا جائے'' اسی طرح حضرت حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے جو نصاب تیار کیا تھا، اس میں بھی انہوں نے یہ دعوت دی تھی کہ جدید قوانین اور انگریزی زبان یہ دونوں مضامین نصاب میں شامل ہونا چاہئے۔(۲)

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے الفاظ میں ہمیں تمام مغربی علوم وفنون؛ بلکہ مغربی تہذیب وتمدن کے تمام عناصر کو خام مال (Raw material) سمجھنا چاہئے، اور اس معاملے میں ان کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جو ہر خام مال کے ساتھ کیا جاتا ہے، نہ تو ہم اس سارے مواد کو جوں کا توں اپنے کام میں لاسکتے ہیں اور نہ محض ناکارہ قرار دے کر پھینک سکتے ہیں، ہمیں اپنی اقدار کی روشنی میں ان سب کو باریک بینی اور دقتِ نظر سے پرکھنا چاہئے، جو چیزیں حقائق ثابتہ کا درجہ رکھتی ہوں ان کو قبول کرلیں اور جو چیزیں حقائق ثابتہ نہ ہوں اور ہماری اقدار سے متعارض ہوں، ان کو ہم رد کردیں اور باقی ماندہ کی اصلاح کر کے ان سارے علوم کو اپنے مقاصد کیلئے تیار کریں۔

---

(۱) محاضرات تعلیم: ۲۶۸=۲۶۹

(۲) محاضرات تعلیم: ۱۳۸

پھر اس کے علاوہ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس فن کی بنیادی اصولوں اور قواعد وضوابط میں کون سی چیزیں عقلا قابل قبول ہیں اور ہمارے فکری، نظریاتی اور اخلاقی معیار پر پوری اترتی ہیں اور وہ کون سے پہلو ہیں جو عقل کی میزان میں کم زور اور اسلامی نقطہ نظر سے نا قابل قبول ہیں، یہ عمل کم وبیش اسی انداز کا ہوگا، جس انداز کا کام امام غزالیؒ کی کتابوں مقاصد الفلاسفہ اور تہافۃ الفلاسفہ میں نظر آتا ہے، زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ جو کام امام غزالیؒ نے فلسفہ یونان کو سامنے رکھ کر کیا تھا، وہی کام آج کے علوم وفنون بالخصوص عمرانی اور انسانی علوم کے باب میں کیا جانا ناگزیر ہے، آج بہت سی مقاصدی، (مقاصد الاقتصاد، مقاصد السیاسیین، مقاصد القانونیین وغیرہ) اور شاید اس سے زیادہ تہافتیں (تہافت الاقتصاد، تہافت القانون، تہافت الفنون وغیرہ) لکھنے کی ضرورت ہے۔

علومِ اصلیہ وآلیہ

مسلمانوں نے اپنے دور میں علوم کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

علوم اصلیہ: جن کی اصل ضرورت ہے۔

علوم آلیہ: جن کی ضرورت پہلی قسم کے علوم کو حاصل کرنے کے لئے ہے۔

چنانچہ بلاغت وبیان اور بڑی حد تک علومِ رجال اور علوم روایت، منطق عقلیات وغیرہ وغیرہ، ان کو علوم آلیہ کی حیثیت دی گئی، علوم آلیہ دراصل ان علوم کے خادم تھے جو حقیقت میں حاصل کرنا مقصود تھے۔ مقصود یہ ہے کہ قرآن پاک میں گہری بصیرت حاصل کی جائے، علوم تفسیر، علوم قرآن پر مجتہدانہ نظر رکھنے والے علماء اور مفسرین پیدا کئے جائیں، لیکن چوں کہ اس کے لئے بلاغت سے واقفیت بھی درکار ہے، لغت اور زبان سے واقفیت بھی درکار ہے، اور بہت سے علوم وفنون سے واقفیت درکار ہے، اس لئے طالب علم اور عالمیت کی تیاری کے لئے ان سے واقفیت ناگزیر سمجھی گئی ہے، علم حدیث میں ماہرانہ بصیرت حاصل کرنے کے لئے بہت سے ابتدائی علوم کی ضرورت ہے، جغرافیہ کی بھی ضرورت ہے، تاریخ کی بھی ضرورت ہے اور رجال کی بھی ضرورت ہے، تذکروں اور سوانح کی بھی ضرورت ہے،

یہ فی نفسہ مقصود نہیں تھے، لیکن علمِ حدیث کے حصول کے لئے ان کو حاصل کرنا ناگزیر سمجھا گیا یا دینی علوم سے مراد یا دینی تعلیم سے مراد وہ تعلیم ہے جس کا مقصد ان علوم وفنون کے مخصصین اور متعمقین اور مجتہدانہ بصیرت رکھنے والے علماء پیدا کرنا ہے، اس لئے کہ جب تک ایسے علمائے محققین، متعمقین اور مجتہدانہ بصیرت رکھنے والے حضرات موجود نہ ہوں، اس وقت تک امت مسلمہ کی رہنمائی نہیں ہوسکتی۔

دینی تعلیم اور عصری تقاضے

لغت میں مدرسے کا مطلب ہے: تعلیم یا تدریس کی جگہ، یہ ادارہ اسلام کی ابتدائی صدیوں ہی سے وجود پذیر ہو گیا تھا، جس نے علم، فکر و دانش اور سائنسی پیش رفت کے معاملے میں دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کے کردار کی نمائندگی کی، مدرسے نے تاریخ میں پہلی مرتبہ تعلیم اور علم کی وحدت کے تصور کو اجاگر کیا، انسانی علم وفکر کی تاریخ میں مدرسے اور اس کے ساتھ وابستہ شخصیات نے وحدت علم کا یہ تصور پیش کیا، جہاں عقل و وحی ایک کل کی حیثیت باہم مربوط ہیں، یہاں روایتی دینی علم جدید ترین انسانی دریافتوں کے ساتھ مشترکہ انسانی یافت کی حیثیت سے ہم آہنگ ہے، اس تصور کے تحت یونانیوں سے متوارث نام ونہاد عقلی علوم کے ساتھ ایسا تعامل کیا گیا کہ آخر کار وہ اسلام کے بنیادی اور سرمدی اصولوں کے خادم بن کر رہ گئے، ابونصر فارابی جسے تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں منطق اور مسلم فکر کی تنظیم میں رول ادا کرنے پر مسلمانوں نے معلم ثانی کا لقب دیا ہے، اس جیسے لوگوں نے عموماً سب سے پہلے عقل و وحی کی وحدت اور علم کو ایک کل کی حیثیت سے منضبط طور پر پیش کرنے میں غیر معمولی کاوشیں کی۔

یہ روایت جس کا آغاز فارابی اور اس کے ہم عصر حضرات کے ہاتھوں نہیں؛ بلکہ اس سے بھی پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور اتباع تابعین کے ہاتھوں ہوا تھا؛ گیارہ سو سال سے بھی زیادہ عرصے جاری رہی، ان گیارہ سو سالوں میں علم جس کی نمائندگی کی، مسلم علماء نے مدرسے میں کی تھی، نے انسانی فکر اور علم کی ایک عالم گیر متوازی وحدت کی نمائندگی، ماہرین

سائنس، معروف ماہر طبعیات ابن سینا جیسے لوگوں، محدثین، مفسرین، فقہاء، علماء، فلسفی وغیرہ حضرات نے ایک ہی چھت کے نیچے تعلیم وتربیت پائی، مسلم ہندوستان کی نام ور عبقری شخصیت جن کا تذکرہ علامہ اقبال نے بھی کیا ہے، مدرسے ہی کی دین تھی، اقبالؒ نے شیخ احمد سرہندیؒ کے بارے میں کہا کہ وہ ہندوستان کے سب سے بڑے عبقری تھے، نواب سعد اللہ خان کئی عشروں پر مشتمل ایک طویل عرصے تک عظیم مسلم مغلیہ سلطنت (جو آج کے افغانستان، پاکستان، کشمیر، انڈیا، نیپال، بنگلہ دیش، برما اور سری لنکا کے بعض حصوں پر مشتمل تھی) کے وزیر اعظم رہے ہیں، استاد احمد معمار جو سات عجائبات عالم میں تاج محل کے معمار ہیں، یہ تینوں شخصیات آپس میں ہم جماعت تھے، اور ایک ہی مدرسہ کے تربیت یافتہ تھے۔

اس مثال سے واضح ہے کہ کس طرح انسانی دریافتوں اور فکری تکمیل کے سلسلے میں وحدت تعلیم کا ظہور ہوا، فن تعمیر، علمی و دینی فکر اور انتظام وانصرام کے شعبہ جات میں ہندوستان کی نہایت بلند پایہ شخصیات مدرسے ہی کی پیداوار تھیں۔

دینی نصاب کو عصرانے کا مطلب

دینی مدارس کا نظام، وہ درس نظامی ہو یا اس کی کوئی مزید بہتر شکل، اس کا بنیادی مقصد دینی علوم کے محققین، مفسرین، محدثین، ، فقہاء، مبلغین اور مربی پیدا کرنا ہے، لیکن ہم سب لوگ فرداً فرداً یہ بات محسوس کرتے ہیں کہ دینی مدارس کے متخصصین، علماء، فقہاء، محدثین، مفسرین کو عصر حاضر کو ڈھالنے اور اس کے مطابق ملک کے مختلف اداروں کی تشکیل نو کے لئے بعض جزوی، معنوی تبدیلیوں یا جامع علوم اور مہارتوں کی ضرورت ہے، جس کے بغیر دور جدید میں دینی تعلیم کے تقاضوں پر کما حقہ عمل درآمد نہیں کیا جا سکتا۔

سچی بات یہ ہے کہ دور جدید ایک پیچیدہ دور ہے، اس دور کے ارادے، تصورات اور اس دور کے معاملات اتنے پیچیدہ ہیں کہ اس کے لئے بڑی خصوصی مہارتیں درکار ہیں۔

آج ہم پر یہ فرض کفایہ ہے کہ ہم شریعت کے ایسے متخصصین، متعمقین اور ماہرین پیدا کریں جو دینی ماحول، دینی تربیت اور دینی ذوق ومزاج کے ساتھ ساتھ دور جدید کے

معیار کی فنی مہارت رکھتے ہیں؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک قول مجھے بہت یاد آتا ہے کہ ایک دفعہ کسی ذمہ داری پر تعین کے لئے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کررہے تھے، مجلس میں موجود بعض لوگوں نے ایک خاص شخص کا نام لیا کہ جی وہ بہت نیک آدمی ہیں، بڑے بزرگ اور تہجد گذار ہیں اور اخیر میں فرمایا کہ وہ اتنے نیک ہیں کہ:

"کأنه لا یعرف الشر"

اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسا آدمی نہیں چاہئے جو شر کو نہیں جانتا اس لئے کہ

"إذا یوشك أن یقع فیه"

کہ جو شر کو نہیں جانتا وہ شر میں جلدی مبتلا ہوجائے گا، وہ تو شر کا شکار ہوجائے گا، اس لئے ایسا آدمی درکار ہے جو خیر کو بھی جانتا ہو اور شر کو بھی جانتا ہو۔

امام احمد بن حنبلؒ نے زیادہ متبع سنت اور شریعت کے مزاج شناس ان کے دور میں کوئی نہیں گزرا، ان سے کسی نے مشورہ کیا کہ فلاں جگہ جہاد کا معاملہ درپیش ہے، مختلف علاقوں سے فوجیں اور رضا کار اور مجاہدین کے دستے جارہے ہیں، ایک فوجی کمانڈر کی سربراہی میں ایک بڑا دستہ تیار ہورہا ہے، وہ کمانڈر بڑا متقی اور پرہیز گار ہے، بڑا نمازی اور تہجد گذار ہے، لیکن سیاسی عسکری معاملات میں وہ خاص ماہر نہیں ہے، البتہ ایک دوسرا شخص جو زیادہ دین دار اور نیک تو نہیں ہے؛ لیکن اس کی عسکری مہارت بڑی ہے، تو فرمایئے کس کے ساتھ جانا چاہئے،؟ (ہم تو اللہ کی رضا کے لئے جارہے ہیں) امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا:

''جو شخص نیک و متقی ہے، لیکن عسکری مہارت میں کم درجہ رکھتا ہے، اس کی نیکی وتقوے کا فائدہ اس کی ذات کو ہوگا، اور اس کی عسکری عدم مہارت کا نقصان پوری قوم اور اسلامی فوج کو ہوگا، جو شخص زیادہ نیک نہیں ہے، اس کی نیکی کی کمی کا جو نقصان ہے، وہ صرف اس کی ذات کو ہوگا؛ لیکن اس کی عسکری ''مہارت'' کا فائدہ پوری مسلمان امت کو ہوگا۔

اس لئے ان فنی مہارتوں کی ہر دور کے لحاظ سے ضرورت اور اہمیت بدلتی رہتی ہے، ایک زمانہ تھا منجنیق کا، آپ ﷺ نے چند صحابہ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا، تاکہ منجنیق بنانا سیکھ کر آئیں اور وہاں سے لے کر بھی آئیں، رسول اللہ ﷺ نے طائف کے معرکے میں وہ استعمال بھی فرمایا، منجنیق کو آج کے ''ٹینک'' کا پیش رو (pioneer) کہہ سکتے ہیں، وہ ایک بہت بڑی گاڑی ہوا کرتی تھی، جو قلعوں کی دیوار وغیرہ توڑنے کے لئے استعمال ہوتی تھی، اس پر چٹان یا بڑے پتھر رکھ دیئے جاتے اور لکڑی کی بنی ہوئی پتوار قسم کی ایک چیز کھینچی جاتی تھی، اس پر ایک شدید ضرب کے نتیجے میں ایک اسپرنگ کے طاقت اور (push) کے ساتھ پتھر نکلتا اور قلعے کی دیوار پر لگتا تو قلعے کی دیوار ٹوٹ جاتی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے یمن کے عیسائیوں سے اس کی تعلیم سیکھی اور پھر آکر اس مہارت کو طائف کی فتح میں استعمال فرمایا۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اور ابن تیمیہ نے السیاسۃ الشرعیۃ میں لکھا ہے کہ ایسی تمام مہارتوں وتخصصات کا حاصل کرنا مسلمانوں کے ذمے فرض کفایہ ہے، جن کے نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان غیر مسلموں کے محتاج بن کر رہیں، مسلمانوں کو غیر مسلموں کی محتاجی سے بچانا اوران کو اپنی دینی ودنیوی معاملات میں خود کفیل بنانا، یہ مسلمانوں کے ذمے فرض کفایہ ہے۔

اس دور میں فقہ کی تعلیم سے دنیا کے بھی بڑے فائدے ملتے تھے، آدمی فقہ پڑھ کر قاضی بن جاتا تھا، مفتی بن جاتا تھا، وزیر اور گورنر بن جاتا تھا، امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ: طلبہ فقہ تو پڑھتے تھے، لیکن طب، ہندسہ کوئی نہیں پڑھتے تھے (اس زمانے میں الٹ تھا، آج لوگ میڈیکل اور انجینئرنگ تو پڑھتے ہیں، لیکن فقہ نہیں پڑھتے) امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں شکایت کی ہے اور اس بات کی تاکید کی ہے کہ لوگوں کو ان علوم (میڈیکل اور انجینئرنگ) کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے، اس لئے کہ یہ فرض کفایہ ہے، اوران کے نہ ہونے کی وجہ مسلمان، غیر مسلم طبیبوں، مہندسوں اور انجینئروں کا محتاج رہے گا اور اس احتیاج کو ختم کرنا مسلمانوں کے ذمے فرض کفایہ ہے۔

آج قیادت جس طبقے کے ہاتھ میں ہے، وہ طبقہ ایک خاص انداز کا تربیت یافتہ ہے، ۱۸۳۴۔۳۵ء یعنی لارڈ میکالے کے زمانے سے آج تک چار نسلیں اس طبقے کے زیر اثر ایک خاص ماحول میں پرورش پا چکی ہیں، اس کے اپنے تعلیمی ادارے ہیں، جن کا اپنا مخصوص ماحول ہے، وہ اس ماحول میں پرورش پا کر انگلستان اور امریکا کے تعلیمی اداروں میں بھیجے جاتے ہیں، وہاں کی اعلی تربیت پا کر اسی ذہنیت اور سوچ وفکر کے ساتھ واپس آتے ہیں۔

آج سے تقریبا بارہ تیرہ سو سال پہلے جب یونانیوں کے علوم وفنون کی کتب کا ترجمہ عربی زبان میں شروع ہوا تو قریب قریب یہی صورتحال پیش آئی جس سے ہم آج دوچار ہیں، یونانی منطق، مسلمان علماء وفضلاء کی بنائی نہیں تھی، ارسطو (م: ۳۲۲ق م) اور افلاطون (م: ۳۴۷ق م) کوئی متقی لوگ نہیں تھے، بلکہ بت پرست اور مشرک تھے، لیکن جب ان کا تیار کردہ علم منطق مسلمانوں میں رائج اور مقبول ہونا شروع ہوا تو بعض اہل علم کی رائے تھی کہ اس کو نہیں سیکھنا چاہئے، اس زمانے کے فتاوی موجود ہیں کہ منطق اور یونانی کا سیکھنا ناجائز اورحرام ہے، جیسے آج ہمارے زمانے میں انگریزی زبان اور جدید مضامین کے تعلق سے خیال ہے، لیکن ایک دوسری انتہائی اور اہم حکیمانہ رائے یہ بھی تھی اور تاریخ نے ثابت کیا کہ یہ رائے زیادہ صائب اور درست تھی کہ یونانی علوم وفنون سیکھ کر ہی ہم اس کا جائزہ لے سکیں گے کہ ان میں کون سی چیز غلط ہے، اور کیا چیز ہمارے لئے اسلامی نقطہ نظر سے قابل قبول ہے؟ جو غلط ہے، دلائل سے اس کی تردید کر کے نظر انداز کردیں اور جو لوگ اس کا شکار ہو رہے ہیں، ان کو بھی اس غلط عنصر کے منفی اثرات سے محفوظ کرلیں، لیکن ان علوم وفنون میں جتنا اور جو حصہ ہمارے نقطہ نظر سے مفید ہے، اس سے استفادہ کرنے میں تامل نہیں کرنا چاہئے، وہ مسلمانوں کیلئے گم شدہ میراث کی حیثیت رکھتا ہے۔

خذ ما صفا دع ما کدر

جو صاف اور اچھا ہے، اسے لے لو اور جو گندہ اور مکدر ہے، اس کو نظر

انداز اور مسترد کردو۔

چنانچہ اس دوسرے گروہ کے اہل علم نے جو رائے اختیار کی تھی، تاریخ نے ثابت کیا کہ یہی رائے صائب اور درست تھی، مسلمانوں کے اجتماعی مزاج نے اس رائے کو اختیار کیا، یہاں تک کہ یہ کیفیت ہوئی کہ پھر وہ منطق اور فلسفہ جس سے شروع میں مسلمانوں کو خطرہ تھا کہ شاید مسلمانوں کے دین اور ایمان اس سے متاثر ہوں، اسی فلسفے اور منطق سے مسلمانوں نے اسلام کی خدمت کا کام لیا۔

امام غزالیؒ کی کتاب ''المستصفی'' دیکھ لیجئے، جو ''اصول فقہ'' کی کتاب ہے، لیکن ساری کی ساری منطقی اصولوں پر مبنی ہے، امام صاحبؒ نے اصول فقہ کے احکام و مباحث کو خالص منطقی اصولوں پر مرتب کیا ہے، اگر کوئی منطق کی اصطلاحات نہ جانتا ہو، وہ یہ کتاب نہیں سمجھ سکتا، امام رازی کی تفسیر کبیر تو ساری کی ساری منطق اور فلسفے کی ہی اصطلاحات سے بھری ہوئی ہے، اصول فقہ کی ایک اور بہترین کتاب جو اپنے تعمق و گہرائی میں کوئی ثانی نہیں رکھتی، وہ امام شاطبی کی کتاب ''الموافقات'' ہے، ''الموافقات فی أصول الشریعۃ'' چار جلدوں میں ہے، جتنے علوم وفنون امام شاطبی کے زمانے میں موجود تھے، اور اس وقت تک انسانیت نے جو کچھ بھی حاصل کر لیا تھا، ان سب کو انہوں نے شریعت کے احکام کی ابدیت اور معقولیت کو ثابت کرنے کے لئے استعمال کیا ہے، اس سے واقعی اونچی کتاب آج تک قانون کی تاریخ ثابت کرنے کے لئے نہیں لکھی گئی، اگر آدمی منطق نہ جانتا ہو تو وہ اس کتاب سے استفادہ نہیں کر سکتا، حضرت شاہ ولی اللہ کی ''حجۃ اللہ البالغۃ'' برصغیر کی بہترین مستند تصنیف ہے، برصغیر میں اس سے بہتر کتاب اسلام کے فلسفے پر لکھی ہی نہیں گئی، وہ بھی ساری کی ساری یونانی علوم و فلسفے کی اصطلاحات سے بھرپور ہے۔

اور بھی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں، ان مثالوں سے اندازہ ہوگا کہ جو چیز پہلے ''خطرہ'' سمجھی گئی، وہ بعد میں ''خادم'' بن گئی، اسلام خادم بننے کے لئے نہیں آیا، مخدوم بننے کے لئے آیا ہے، جو چیز ''مخدوم'' بن کر اسلام کے کیمپ میں داخل ہوتی ہے، بالآخر اسے

''خادم'' بننا ہی پڑتا ہے، تاتاریوں کی مثال لے لیں، تاتاری، اسلام میں فاتح بن کر داخل ہوئے؛ لیکن بالآخر اسلام کے خادم بن گئے، وہ تاتاری جنھوں نے بغداد کو تباہ کیا تھا، جنھوں نے دریاؤں کے پانی کتابوں (کی سیاہی) سے سیاہ کر دیئے تھے، انھوں نے ہی عالم اسلام کی سرحدں کا سات سو سال تک دفاع کیا۔

عصری علوم سے لیس ہونے کا مطلب

آج کے سیاق وسباق میں عصری علوم سے کیا مراد ہے، بعض حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ انجنیئر نگ کالج میں کیا مولوی تیار ہوتے ہیں؟ تو پھر مدرسوں میں انجنیئر کیوں کر تیار ہوں؟ یہ بالکل غلط مبحث ہے؟ عصری علوم وفنون سے استفادہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ ایک محدث کو حدیث کی درسگاہ سے اٹھاکے انجنیر بنادیا جائے، ایک فقیہ کو دارالافتاء سے اٹھاکے کہا جائے کہ تم میڈیکل ڈاکٹر ہوجاؤ، اگر کوئی یہ سمجھتا ہے تو غلط سمجھتا ہے، محدث کو محدث ہی رہنے دیا جائے، لیکن محدث ایسا ہو جو علم حدیث پر ماہرانہ، مجتہدانہ بصیرت رکھتا ہو، اپنے وقت کا انور شاہ کشمیری ہو، آج کا تعلیم یافتہ آدمی جن اسباب سے علم حدیث کے بعض پہلوؤں پر شبہات رکھتا ہے، ان کو وہ سمجھتا بھی ہو، اوران کا جواب دینے اور اعتراض کرنے والوں کو مطمئن کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو، امام ابو یوسف کا قول ہے:

من لم يعرف أهل زمان فهو جاهل:

جو اپنے زمانے کے لوگوں کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے

اورارشاد باری ہے:

''وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِۦ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ'' (۱)

لسان قوم میں صرف اردو یا پنجابی یا انگریزی داخل نہیں، لسان میں وہ پورا تہذیبی پس منظر بھی شامل ہے، جو اس زبان میں شامل ہے۔ (۲)

(۱) ابراہیم: ۴

(۲) محاضرات تعلیم: ۱۲۰

علوم عصریہ کی ضروری شمولیت مگر۔۔۔۔

دینی مدارس نصاب میں بعض علوم جدیدہ کے اضافہ کی شدت سے ضرورت محسوس کرنے لگے ہیں، لیکن دینی مدارس کے علمی ذوق کے علی الرغم علوم جدیدہ کے موجودہ انداز کو اپنا لینے کو قطعاً گوارہ نہیں کیا جاسکتا، البتہ اس حد تک اس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاسکتا ہے، جس حد تک یہ علوم جدیدہ علماء کرام کو دعوت إلی اللہ، تبلیغ اسلام اور اسلام پر ہونے والے اعتراضات وشبہات کا رد کرنے میں معاون ثابت ہوسکیں، چنانچہ بعض مدارس نے انگریزی زبان، جدید معاشیات اور سیاست وقانون کو کسی حد تک نصاب تعلیم میں شامل کرلیا ہے، اور ایسے مدارس کی تعداد کوئی خاص قابل ذکر نہیں ہے، جس کا بڑا سبب وسائل اور جدید وقدیم علوم میں بیک وقت نظر رکھنے والے افراد کے فقدان اور دیگر بے شمار مشکلات کو قرار دیا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بیشتر مدارس اپنے قدیم طرز پر ہی چل رہے ہیں اور جدید علوم کی صحیح تعلیم کا بندوبست ان کے لئے تقریباً ناممکن ہوکر رہ گیا ہے، اور مذکورہ ذیل اسباب کو ہم اس راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ قرار دے سکتے ہیں۔

۱۔ علوم جدیدہ کی تعلیم وتدریس بہت زیادہ مادی وسائل کی محتاج ہے اور ان وسائل کا حصول ان مدارس کے بس سے باہر ہے۔

۲۔ دینی مدارس کا بنیادی مقصد صرف علوم دینیہ کی تعلیم وتدریس ہی نہیں ہے، بلکہ خالص دینی مزاج کی آبیاری، طلباء کے عمل کی خالص دینی بنیادوں پر تربیت، اتباع سنت رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کو عملی زندگی کے ہر میدان میں۔۔۔۔حتی کہ شکل وصورت میں بھی۔۔۔اسلام کے نقش قدم پر چلانا ہوتا ہے؛ لیکن دوسری جانب علوم جدیدہ کے بڑے بڑے پروفیسروں کے ہاں ان باتوں کا وہ اہتمام کیا جاتا جن کی طرف دینی مدارس میں خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ مدارس اس بات سے خوفزدہ ہو جاتے ہیں کہ کہیں خدانخواستہ علوم جدیدہ کے یہ اساتذہ مدارس کے مزاج اور پختہ دینی ذوق کو بگاڑنے

اور متغیر کرنے کا سبب تو نہ بن جائیں گے اور نہیں تو کم از کم اس میں معاون ضرور ثابت ہوں گے۔

۳۔ علوم جدیدہ فی نفسہا دین اور علوم دینیہ کے مخالف نہیں ہیں، لیکن چونکہ اس کے مرتبین بڑے بڑے غیر مسلم ہیں اور انہوں نے ان علوم کو اس انداز سے ترتیب دیا ہے کہ لازماً طلباء کے دلوں میں دین اور اس کے اجماعی راویوں کے خلاف شکوک وشبہات کے بیج بودیئے جاتے ہیں اور اس مشکل کا واحد حل یہی ہے کہ یا تو ان علوم کی کتابوں کو از سر نو مرتب کیا جائے یا پھر ایسے ماہرین ان کو پڑھائیں جن کو اسلام اور اس کے علوم میں مہارت تامہ حاصل ہو، اور ان دونوں امور کا حل مدارس دینیہ کے لئے انتہائی مشکل کام ہے۔(۱)

ناقابل تحمل عصری علوم کی مقدار

جو دینی مدارس کے نظام سے براہ راست وابستہ نہیں ہیں، اور جن کو اس نظام تعلیم سے عملی تجربہ حاصل نہیں ہے، ان کی طرف سے بسا اوقات اس قسم کی تجویز سامنے آتی رہتی ہے کہ ان مدارس کے نصاب میں سائنس، ریاضی اور انجنیئرنگ وغیرہ کی معیاری تعلیم کا انتظام ہونا چاہئے، تاکہ جو علماء ان دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہو کر نکلیں وہ دینی علوم کے ساتھ ساتھ ان تجربی علوم میں بھی کما حقہ درک اور بصیرت رکھتے ہوں۔

یہ تجویز خواہ کتنی ہی نیک نیتی کے ساتھ پیش کی جاتی ہو؛ لیکن نہایت سطحی تجویز ہے جو درحقیقت دینی مدارس کے مقاصد سے ناواقفیت پر مبنی ہے، واقعہ یہ ہے کہ دینی مدارس کا مقصد ایسے صاحب استعداد علماء پیدا کرنا ہے جو قرآن وسنت اور ان کے متعلقہ علوم میں ماہرانہ بصیرت کے حامل ہوں اور یہ مقصد جس ذہنی یکسوئی اور ہمہ تن توجہ کا متقاضی ہے، اس کی موجودگی میں یہ بات قریب قریب ناممکن ہے کہ ایک شخص بیک وقت اونچی استعداد کا عالم دین بھی ہو اور ساتھ ساتھ ماہر ڈاکٹر، سائنسداں یا ماہر معاشیات بھی ہو۔

(۱)　ہمارا تعلیمی نظام: ۸۳، حضرت مولانا تقی عثمانی دامت برکاتہم، زم زم بک ڈپو دیوبند

یہ بات یوں ہر دور میں سچ تھی، لیکن آج کا زمانہ ہر علم میں اختصاص کا دور کہا جاتا رہے، اس میں تو روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے، آج اگر کوئی شخص علم طب کو اپنا خصوصی موضوع بناتا ہے اور میڈیکل سائنس میں مہارت حاصل کرتا ہے تو کوئی بھی صاحب عقل اس پر یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ وہ ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ انجنیئر کیوں نہیں بنے؟ یا اگر کوئی شخص انجنیئرنگ کے شعبے میں فارغ التحصیل ہوتا ہے تو اس پر کوئی ہوش مند یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ اس نے میڈیکل سائنس کیوں نہیں پڑھی؟

اسی طرح اگر کسی سائنس کی تعلیم کے ادارے میں تمام تر توجہ سائنس کی تعلیم پر دی جاتی ہے تو کوئی شخص وہاں یہ اعتراض پیش نہیں کرتا کہ اس ادارے میں ادب، شاعری، یا کامرس کی تعلیم کیوں نہیں ہوتی؟ کسی کامرس کالج پر یہ اعتراض کبھی نہیں کیا جاتا کہ یہاں سے انجنیئر کیوں پیدا نہیں ہوتے؟ کسی لاء کالج کے بارے میں یہ تجویز نہیں سنی گئی کہ اس میں فلکیات کی تعلیم بھی ہونی چاہئے۔

سوال یہ ہے کہ اگر دینی مدارس کی تمام تر توجہ اسلامی علوم کے ماہرین پیدا کرنے پر مرکوز ہے اور وہاں سے کوئی ڈاکٹر، انجنیئر، سائنس داں یا ماہر معاشیات پیدا نہیں ہوتا تو اس بات پر اس قدر تشویش اور واویلا کیوں ہے؟ کیا تفسیر، حدیث، فقہ، کلام اور ان کے متعلقات ایسے علوم نہیں ہیں کہ ان کے درس وتدریس کے لئے کچھ ادارے مخصوص ہوں جو ہمیں انہی علوم پر محنت کرکے انہی کی خدمت انجام دیں اور انہی علوم کے متخصص علماء پیدا کریں؟ اگر کوئی شخص واقعتہ ایسا سمجھتا ہے تو اس کی ناواقفیت پر اظہار افسوس کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہے؟ لیکن اگر کوئی شخص ان علوم کی اہمیت اور عظمت کا کسی بھی درجہ میں احساس رکھتا ہے تو اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگتی کہ علماء دین سے انجنیئر اور سائنس داں بننے کا مطالبہ کس قدر سطحی، غیر حقیقت پسندانہ اور ناقابل عمل ہے۔

بعض حضرات دینی مدارس کی خیر خواہی اور ہمدردی میں یہ تجویز بھی پیش فرماتے رہے ہیں کہ ان درسگاہوں میں دستکاری کے ہنر سکھانے اور دوسری ٹیکنکی تربیت کا بھی انتظام

ہونا چاہئے تا کہ جو علماء یہاں سے فارغ التحصیل ہوں، وہ معاشی اعتبار سے معاشرے پر بوجھ بننے اور دوسروں کے دست نگر ہونے کے بجائے اپنے معاش کا انتظام اپنے ہاتھ کے ہنر سے کرسکیں اور دین کی خدمت کسی معاوضے کے بغیر انجام دیں۔

یہ تجویز خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے پیش کی گئی ہو اور بظاہر کتنی ہی خوش نما معلوم ہوتی ہو، حقیقت پسندی سے بہت دور اور نا قابل عمل ہے، پہلی بات تو وہی ہے کہ اگر دینی مدارس کا مقصد قرآن وسنت کے علوم میں بصیرت رکھنے والے علماء پیدا کرنا ہے تو یہ علوم اپنی تحصیل اور اپنی خدمت کے لئے پورا وقت چاہتے ہیں اور آج کی زندگی جس قدر پیچیدہ ہوگئی ہے، اس میں تجربہ یہی ہے کہ ٹیکنکی کاموں میں تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے، بعض طلباء نے علم دین کے ساتھ ساتھ یہ ٹیکنکی ہنر سیکھے، لیکن اس عملی تجربے میں شاید کوئی توجہ نہ دے سکا، اور اس ہنر کے ذریعے کسب معاش میں مصروف ہوا تو علوم دین سے تعلق باقی نہ رکھ سکا، لہٰذا جو مدارس اعلیٰ قابلیت کے علماء تیار کرنے کے لئے قائم ہوئے ہیں، ان کے لئے یہ نہ ممکن ہے اور نہ مناسب کہ وہ اپنے طلباء کو علوم دین کے ساتھ ٹیکنکی تربیت دینے کا بھی انتظام کریں۔

دوسرے یہ عجیب تصور ہے کہ اگر کوئی شخص معاشرے کی دینی ضروریات پوری کر کے کوئی اجرت یا تنخواہ وصول کرتا ہے تو وہ ''معاشرے'' پر بوجھ یا ''دوسروں کا دست نگر'' بن گیا ہے، علم وفن کے ہر شعبہ کا قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص علم وفن میں مہارت حاصل کر کے اس شعبے میں معاشرے کی خدمت انجام دیتا ہے، اس کا معاش بھی اسی شعبے سے وابستہ ہوتا ہے اور اگر وہ اس شعبے میں معاشرے کی خدمت انجام دینے کی بناء پر کوئی اجرت یا تنخواہ وصول کرتا ہے تو اس میں معاشرے پر بوجھ بننے یا کسی کا دست نگر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ بلکہ یہ اس معاشرتی نظام کا ایک لازمی حصہ ہے جس پر پوری انسانیت کی بنیاد قائم ہے، اگر کوئی طبیب، انجینئر، ماہر معاشیات، یا سائنس داں اپنے شعبے میں معاشرے کی خدمت کرتا ہے اور اس کے صلے میں معاشرہ اسے معاشی فوائد بہم پہنچاتا ہے تو نہ اس پر کسی کا احسان ہے اور نہ اس کی بناء پر یہ سمجھنا درست ہے کہ وہ معاشرے پر بوجھ بن رہا ہے، یا

دوسروں کا دست نگر ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا علوم دین کی خدمت معاشرے کی کوئی ضرورت نہیں؟ کیا ایک مسلمان معاشرے کو ایسے اہل علم کی حاجت نہیں جو ان کی دینی ضروریات پوری کرسکیں؟ ان کو نت نئے مسائل میں دین کی رہنمائی فراہم کرسکیں؟ دین پر حملہ آور فتنوں کا مؤثر تعاقب کرسکیں؟ اور دین سے متعلق وہ تمام امور انجام دے سکیں جو دوسرے کاموں میں مشغول افراد انجام نہیں دے سکتے ہیں۔

اگر یہ ایک مسلمان معاشرے کی اولین ضرورت ہے اور کون ہے جو اس حقیقت کا انکار کرسکے؟ تو اگر معاشرہ ان خدمات کے صلے میں ایسے اہل علم کو اپنے معاش سے بےفکر کرنے کے لئے اپنا فریضہ ادا کرتا ہے تو کونسا احسان ہے جو ان اہل علم پر کیا جارہا ہے؟ اور اس کی بناء پر یہ خیال آخر کیوں پیدا ہوتا ہے کہ وہ معاشرے پر بوجھ اور دوسروں کے دست نگر ہیں، اس لئے انہیں اپنی معاشی کفالت کے لئے کوئی اور ہنر سیکھنا چاہیئے؟ (۱)

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا ایک خطاب

وقت کی کمی کے پیش نظر بہت اختصار کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حرا فاؤنڈیشن اسکول جس کی حفظ قرآن کی تقریب میں آج ہم اور آپ شریک ہیں، اس کا پس منظر کیا ہے؟ یہ بات رئیس الجامعہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے مختلف مواقع پر مختلف نشستوں میں دہرائی، مجھے بھی اپنے والد مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے سنی گئی اس بات کو کئی جگہ سنانے کی توفیق ہوئی۔ پاکستان بننے سے پہلے ہندوستان میں تین بڑے نظام تعلیم معروف تھے: ایک دارالعلوم دیوبند کا نظامِ تعلیم، دوسرا مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کا نظامِ تعلیم اور تیسرے دارالعلوم ندوۃ العلما کا نظامِ تعلیم۔ حضرت والد ماجد نے تقریباً 1950 میں ایک موقع پر جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے یہ بات بیان فرمائی تھی: پاکستان بننے کے بعد درحقیقت نہ ہمیں علیگڑھ کی ضرورت ہے، نہ ندوہ کی ضرورت

(۱) ہمارا تعلیمی نظام: ۸۸-۸۹-۹۰

ہے، نہ دارالعلوم دیوبند کی ضرورت ہے، بلکہ ہمیں ایکچو تھے نظامِ تعلیم کی ضرورت ہے جو ہمارے اسلاف کی تاریخ سے مربوط چلا آ رہا ہے۔

بظاہر سننے والوں کو یہ بات بڑی تعجب خیز معلوم ہوتی تھی کہ دارالعلوم دیوبند کا ایک مستند مفتی اعظم اور دارالعلوم دیوبند کا ایک سپوت یہ کہے کہ ہمیں پاکستان میں دیوبند کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ہمیں ایک نئے نظامِ تعلیم کی ضرورت ہے۔

حضرت والد ماجد نے جو بات فرمائی وہ درحقیقت ایک بہت گہری بات ہے اور اسی کے نہ سمجھنے کے نتیجے میں ہمارے ہاں بڑی عظیم غلط فہمیاں پیدا ہوئیں۔ ہندوستان میں جو تین نظامِ تعلیم جاری تھے، وہ درحقیقت فطری نہیں تھے، بلکہ انگریز کے لائے ہوئے نظام کا ایک نتیجہ اور انگریز کی لائی ہوئی سازشوں کا ایک ردعمل تھا، ورنہ اس سے پہلے رائج مسلمانوں کے صدیوں پرانے نظامِ تعلیم پر غور کیا جائے تو اس میں مدرسے اور اسکول کی کوئی تفریق نہیں ملے گی۔ وہاں شروع سے لے کر اور انگریز کے زمانے تک مسلسل یہ صورت حال رہی کہ مدارس یا جامعات میں بیک وقت دونوں تعلیمیں دینی اور عصری تعلیم دی جاتی تھیں۔

صورت حال یہ تھی کہ شریعت نے جو بات مقرر کی کہ عالم بننا ہر ایک آدمی کے لیے فرضِ عین نہیں، بلکہ فرضِ کفایہ ہے۔ یعنی ضرورت کے مطابق کسی بستی یا کسی ملک میں علماء پیدا ہوجائیں تو باقی سب لوگوں کی طرف سے وہ فریضہ ادا ہوجاتا ہے، لیکن دین کی بنیادی معلومات حاصل کرنا فرضِ عین ہے، یہ ہر انسان کے ذمے فرض ہے۔ ان مدارس کا نظام یہ تھا کہ ان میں فرضِ عین کی تعلیم بلاامتیاز ہر شخص کو دی جاتی تھی، ہر شخص اس کو حاصل کرتا تھا، جو مسلمان ہوتا تھا۔ البتہ جس کو علمِ دین میں اختصاص حاصل کرنا ہو، اس کے لیے الگ مواقع تھے۔ جو کسی عصری علم میں اختصاص حاصل کرنا چاہتا تھا، اس کے لیے مواقع الگ تھے۔

گزشتہ سال میں اور برادرِ معظم حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مراکش میں تھے۔ میں نے پچھلے سال دیکھا تھا اور حضرت نے اِس سال اس کی زیارت کی۔ مراکش کو انگریزی میں مورو کو کہتے ہیں، اس کا ایک شہر ہے جس کا نام فاس ہے۔ میں فاس کے شہر میں

پچھلے سال گیا تھا اور اِس سال حضرت بھی تشریف لے گئے تھے۔ وہاں جامعہ القرویین کے نام سے ایک جامعہ آج تک کام کر رہا ہے۔ اگر ہم اسلامی تاریخ کی مشہور اسلامی جامعات کا جائزہ لیں تو چار بنیادی اسلامی جامعات ہماری تاریخ میں نظر آتی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی مراکش کی جامعہ القرویین ہے۔ دوسری تیونس کی جامعہ زیتونہ ہے۔ تیسری مصر کی جامعہ الازہر ہے اور چوتھی دارالعلوم دیوبند ہے۔ تاریخی ترتیب اسی طرح ہے۔

اس میں سب سے پہلی اسلامی یونیورسٹی جو مراکش کے شہر فاس میں قائم ہوئی، تیسری صدی ہجری کی جامعہ ہے۔ ابھی تک ایسی کوئی ترتیب میرے سامنے نہیں آئی کہ یہ صرف عالم اسلام ہی کی نہیں، بلکہ دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی ہے۔ اس تیسری صدی کی یونیورسٹی کے بارے میں اس کی تاریخ کے کتابچے میں یہ بات لکھی ہوئی کہ اس وقت جامعہ القرویین میں جو علوم پڑھائے جاتے تھے ان میں اسلامی علوم تفسیر، حدیث، فقہ اور اس کے ساتھ ساتھ طب، ریاضی، فلکیات جنہیں ہم آج عصری علوم کہتے ہیں، وہ سارے علوم پڑھائے جاتے تھے۔ ابن خلدون، ابن رشد، قاضی عیاض اور ایک طویل فہرست ہمارے اکابر کی ہے جنھوں نے جامعہ لقرویین میں درس دیا۔ ان کے پاس یہ تاریخ آج بھی محفوظ ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں ابن خلدون درس دیا کرتے تھے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ابن رشد درس دیا کرتے تھے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں قاضی عیاض نے درس دیا ہے۔ یہاں ابن عربی مالکی نے درس دیا ہے۔ تاریخ کی یہ ساری باتیں ان کے پاس آج بھی محفوظ ہیں۔ یہ دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی ہے، اس لحاظ سے کہ چھوٹے چھوٹے مدارس تو ہر جگہ ہوں گے، لیکن جامعہ القرویین ایک یونیورسٹی کی حیثیت رکھتی تھی جس میں تمام دینی اور عصری علوم پڑھائے جاتے تھے۔

اس یونیورسٹی میں آج بھی تیسری اور چوتھی صدی کی سائنٹفک ایجادات کے نمونے رکھے ہیں۔ اس زمانے میں اسی جامعہ القرویین سے فارغ لوگوں نے جو ایجادات گھڑی وغیرہ کی کیں، ان ایجادات کے نمونے بھی وہاں پر موجود ہیں۔ آپ تیسری صدی ہجری تصور کیجیے۔

یہ تیسری صدی ہجری کی یونیورسٹی ہے۔اس میں اسلامی علوم کے بادشاہ بھی پیدا ہوئے۔ اور وہیں سے ابن رشد فلسفی بھی پیدا ہوا اور وہیں سے بڑے بڑے سائنسدان بھی پیدا ہوئے۔ ہوتا یہ تھا کہ دین اسلام کا فرضِ عین علم سب کو اکٹھا دیا جاتا تھا۔اس کے بعد اگر کوئی علمِ دین میں تخصصات حاصل کرنا چاہتا تھا تو وہ اسی جامعہ القرویین میں علم دین کی درس گاہوں میں پڑھتا۔اگر کوئی ریاضی پڑھانے والا ہے تو وہ ریاضی بھی وہاں پڑھا رہا ہوتا۔ اگر کوئی طب پڑھانے والا ہے تو وہ طب بھی وہاں پڑھا رہا ہوتا۔ یہ سارا کا سارا نظام اس طرح چلا کرتا تھا۔جامعہ القرویین کی طرح جامعہ زیتونہ تیونس اور جامعہ الازہر مصر کا نظامِ تعلیم بھی رہا۔ یہ تینوں یونیورسٹیاں ہمارے قدیم ماضی کی ہیں۔ان میں دینی اور عصری تعلیم کا سلسلہ اس طرح رہا۔

اس میں آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ اگر قاضی عیاض جو حدیث اور سنت کے امام ہیں، ان کا حلیہ دیکھا جائے اور ابن خلدون جو فلسفہ تاریخ کے امام ہیں، ان کا حلیہ دیکھا جائے، دونوں کو دیکھنے میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا کہ یہ دین کا عالم ہے اور وہ دنیا کا عالم ہے۔ دونوں کا حلیہ، لباس، ثقافت، طرزِ زندگی، طرزِ کلام سب یکساں تھا۔اگر آپ مشہور اسلامی سائنسدان فارابی، ابن رشد، ابوریحان البیرونی ان سب کا حلیہ دیکھیں اور جو محدثین، مفسرین اور فقہا پیدا ہوئے ان کا حلیہ دیکھیں، دونوں کا حلیہ ایک جیسا نظر آئے گا۔ اگر وہ نماز پڑھتے تھے تو یہ بھی نماز پڑھتے تھے۔اگر ان کو نماز کے مسائل معلوم تھے تو اِن کو بھی معلوم تھے۔اگر ان کو روزے کے مسائل معلوم تھے تو اِن کو بھی معلوم تھے۔ بنیادی اسلامی تعلیمات جو ہر انسان کے ذمے فرضِ عین ہیں، اس دور میں ہر انسان جانتا تھا اور اس یونیورسٹی میں اس کو پڑھایا جاتا تھا۔۔تفریق یہاں سے پیدا ہوئی کہ انگریز نے آکر باقاعدہ سازش کے تحت ایک ایسا نظامِ تعلیم جاری کیا کہ اس سے دین کو دیس نکالا دے دیا گیا۔اس وقت ہمارے اکابرین مجبور ہوئے کہ وہ مسلمانوں کے دین کے تحفظ کے لیے کم از کم جو فرضِ کفایہ ہے، اس کا تحفظ کریں۔انھوں نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا جس نے

الحمدللہ! وہ خدمات انجام دیں جس کی تاریخ میں نظیر ملنا مشکل ہے، لیکن یہ ایک مجبوری تھی۔ اصل حقیقت وہ تھی جو جامعہ القرویین میں تھی، جو جامعہ زیتونہ میں تھی، جو جامعہ الازہر کے ابتدائی دور میں تھی۔ اصل حقیقت وہ تھی۔ اگر پاکستان صحیح معنی میں اسلامی ریاست بنتا اور صحیح معنی میں اس کے اندر اسلامی احکام کا نفاذ ہوتا تو پھر اس صورت میں ہمیں بقول حضرت والد ماجد کے نہ علیگڑھ کی ضرورت تھی، نہ ندوہ کی ضرورت تھی، نہ دارالعلوم دیوبند کی ضرورت تھی، ہمیں جامعہ القرویین کی ضرورت ہے، جامعہ زیتونہ کی ضرورت ہے اور ایسی یونیورسٹی کی ضرورت ہے جس میں سارے کے سارے علوم اکٹھے پڑھائے جائیں۔ سب دین کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں، چاہے وہ انجینئر ہو، چاہے وہ ڈاکٹر ہو، چاہے کسی بھی شعبہ زندگی سے وابستہ ہو، وہ دین کے رنگ میں رنگا ہوا ہو، لیکن ہم پر ایسا نظامِ تعلیم لا دیا گیا جس نے ہمیں سوائے ذہنی غلامی کے سکھانے کے اور کچھ نہیں سکھایا۔ اس نے ہمیں غلام بنایا۔ اکبرالہ آبادی نے صحیح کہا تھا:

اب علیگڑھ کی بھی تم تمثیل لو
اب معزز پیٹ تم اس کو کہو

صرف پیٹ بھرنے کا ایک راستہ نکالنے کے لیے انگریز یہ نظامِ تعلیم لایا اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی پوری تاریخ اور پورا ورثہ تباہ کر دیا گیا۔

نتیجہ یہ کہ آج اس نئے نظامِ تعلیم کے ذریعے زبردست دو فرق واضح طور پر سامنے آئے ہیں۔ ایک یہ کہ موجودہ تعلیمی نظام میں اسلامی تعلیم کے نہ ہونے کی وجہ سے فرضِ عین کا بھی علم نہیں۔ اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے اکثر طالب علم جانتے ہی نہیں ہیں کہ دین میں فرض کیا ہے؟ دوسرے ان کے اوپر افکار مسلط کر دیے گئے ہیں کہ اگر عقل اور ترقی چاہتے ہو تو تمہیں مغرب کی طرف دیکھنا ہوگا۔ تیسری ان کی ثقافت بدل دی گئی۔ ان کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی گئی کہ اگر اس دنیا میں ترقی چاہتے ہو تو صرف مغربی افکار میں ملے گی، مغربی ماحول میں ملے گی، مغربی انداز میں ملے گی۔ افسوس یہ ہے کہ اس نئے نظامِ تعلیم سے جو

گریجویٹس، ڈاکٹرز یا پروفیسرز بن کر پیدا ہوتے ہیں، وہ ہم جیسے طالب علموں پر تو روز تنقید کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا، یہ اجتہاد نہیں کرتے۔قرآن وسنت اور فقہ میں اجتہاد ایک عظیم چیز تھی، لیکن ایک ایسی چیز جس میں اجتہاد کا دروازہ چاروں طرف چوپٹ کھلا ہوا تھا، وہ تھی سائنس اور ٹیکنالوجی، ریاضی، علومِ عصریہ اس میں تو کسی نے اجتہاد کا دروازہ بند نہیں کیا۔علیگڑھ کے اور اس نئے نظامِ تعلیم کے ذریعے آپ نے کیوں ایسے مجتہد پیدا نہیں کیے جو مغرب کے سائنسدانوں کا مقابلہ کرتے۔اس میں آپ نے کیوں ایسے مجتہد پیدا نہیں کیے جو اجتہاد کر کے طب، فلکیات، ریاضی، سائنس وغیرہ میں نئے راستے نکالتے۔ اجتہاد کا دروازہ جہاں چوپٹ کھلا تھا وہاں کوئی اجتہاد کیا ہی نہیں، اور جہاں قرآن وسنت کی پابندی ہے اور قرآن وسنت کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اجتہاد کرنا ہوتا ہے، وہاں شکایت ہے کہ علمائے کرام اجتہاد کیوں نہیں کرتے؟

ابھی کچھ دن پہلے کسی صاحب نے ایک کلپ بھیجا جس میں ایک عالم دین سے یہ سوال کیا جا رہا تھا کہ مولانا! یہ بتائیے کہ علمائے کرام کی خدمات ویسے اپنی جگہ ہے، لیکن یہ کیا بات ہے کہ علمائے کرام میں کسی طرف سے بھی کوئی سائنسدان پیدا نہیں ہوا، کوئی ڈاکٹر پیدا نہیں ہوا، کسی بھی طرح کی ایجاد نہیں ہوئی، اس کا علمائے کرام کے پاس کیا جواب ہے؟ بندۂ خدا! یہ سوال تو آپ اپنے آپ سے کرتے کہ ہمارے نظامِ تعلیم میں کوئی ایسا مجتہد پیدا ہوا جس نے کوئی نئی ایجاد کی ہو؟ لیکن وہاں تو اجتہاد کے دروازے اس طرح بند ہیں کہ جو انگریز نے کہہ دیا، مغرب نے کہہ دیا بس وہ نظریہ ہے، اس نے جو دوا بتا دی وہ دوا ہے، اس نے اگر کسی چیز کے بارے میں کہہ دیا کہ یہ صحت کے لیے مضر ہے تو اس کی اقتدا کرتے ہیں۔ انڈے کی زردی کے بارے میں سالہا سال سے کہا جا رہا تھا کہ یہ کولیسٹرول پیدا کرتی ہے اور امراضِ قلب میں مضر ہوتی ہے، لیکن آج اچانک ہر ڈاکٹر یہ کہہ رہا ہے کہ انڈے کی زردی کھاؤ، اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ کیوں؟ اس لیے کہ مغرب سے یہ پیغام آ گیا ہے، اسے آپ نے قبول کر لیا ہے۔

ہمارے ملک میں بے شمار جڑی بوٹیاں لگی ہوئی ہیں، اس پر آپ نے کبھی تحقیق کی ہوتی، اس سے آپ نے کوئی نتیجہ نکالا ہوتا کہ فلاں جڑی بوٹی ان امراض کے لیے فائدہ مند ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے کلونجی کے فوائد بیان فرمائے تھے، اس پر کوئی تحقیق کی ہوتی۔ وہاں تو اجتہاد کا دروازہ ٹوٹل بند ہے اور اس میں کوئی تحقیق کا راستہ نہیں، اور جو قرآن وسنت کی بات ہے اس میں اجتہاد کا مطالبہ ہے۔ یہ ذہنی غلامی کا نظام ہے جس نے ہمیں اس نتیجے تک پہنچایا۔ دوسرا یہ کہ تصورات بدل گئے۔ پہلے علم کا تصور ایک معزز چیز تھی جس کا مقصد معاشرے اور مخلوق کی خدمت تھی، یہ اصل مقصود تھا۔ اس کے تحت اگر معاشی فوائد بھی حاصل ہو جائیں تو ثانوی حیثیت رکھتے تھے، لیکن آج معاملہ الٹا ہو گیا، علم کا مقصد صرف پیسہ کمانا ہے۔ علم کا مقصد یہ ہے کہ اتنا علم حاصل کرو کہ لوگوں کی جیب سے زیادہ سے زیادہ پیسہ نکال سکو۔ تمہارا علم اس وقت کارآمد ہے کہ جب تم لوگوں کے مقابلے میں زیادہ سے زیادہ پیسہ کما سکو۔ آپ دیکھیں کہ موجودہ دور میں کتنے لوگ پڑھ رہے ہیں اور گریجویشن کر رہے ہیں، ماسٹر ڈگریاں لے رہے ہیں، قسما قسم کی ڈگریاں حاصل کر رہے ہیں، ان کے ذہن سے پوچھا جائے کہ کیوں پڑھ رہے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اس لیے پڑھ رہے ہیں کہ کیریئر اچھا ہو، اچھی ملازمتیں ملیں، پیسے زیادہ ملیں۔ تعلیم کی ساری ذہنیت بدل کر یہ تبدیلی کر دی کہ علم کا مقصد پیسہ کمانا ہے۔ علم حاصل کر کے معاشرے یا مخلوق کی کوئی خدمت انجام دینی ہے، اس کا کوئی تصور اس موجودہ نظامِ تعلیم میں نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر شخص پیسے کمانے کی دوڑ میں مبتلا ہے اور اس کو نہ وطن کی فکر ہے، نہ ملک وملت کی فکر ہے اور نہ مخلوق کی خدمت کرنے کا کوئی جذبہ اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ دن رات اسی دوڑ دھوپ میں مگن ہے کہ پیسے زیادہ بننے چاہیے۔ اس کے لیے چوری، ڈاکہ، رشوت ستانی وغیرہ کے ناجائز ذرائع بھی استعمال کرتا ہے۔

یہ بتائیے! موجودہ نظامِ تعلیم کے تحت جو لوگ یہاں تیار ہو رہے ہیں، انہوں نے مخلوق کی کتنی خدمت کی؟ کتنے لوگوں کو فائدہ پہنچایا؟ ہمیں تو پیغمبر انسانیت ﷺ نے یہ دعا تلقین فرمائی تھی: اللهم لا تجعلِ الدنيا اكبر همِنا ولا مبلغ عِلمِنا ولا غايتة

رغبتِنا یا اللہ! دنیا کو ہمارے لیے نہ تو ایسا بنائیے کہ ہمارا ہر وقت دھیان دنیا ہی کی طرف رہے اور نہ ہمارے علم کا سارا مبلغ دنیا ہی ہو کر رہ جائے، اور نہ ہماری ساری رغبتوں اور شوق کا مرکز دنیا ہو کر رہ جائے۔ لیکن اس نظامِ تعلیم نے کایا پلٹ دی۔

حضرت والد ماجد مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جو بات فرمائی تھی اس کا منشا یہ تھا کہ انگریز کی غلامی کے بعد جو تعلیم کی کایا پلٹی گئی ہے، اس کایا کو دوبارہ پلٹ کر اس راستے پر چلیں جو راستہ جامعہ القرویین نے دکھایا، جو جامعہ زیتونہ نے دکھایا، جو ابتدائی دور میں جامعہ الازہر نے دکھایا۔ میں ابتدائے دور کی بات اس لیے کر رہا ہوں کہ آج جامعہ ازہر کی بھی کایا پلٹ چکی ہے، اسی لیے ابتدائی دور کی بات کر رہا ہوں۔ ہمارے یہاں حکومتی سطح پر وہ نظام تعلیم نافذ نہیں ہو سکا، لہٰذا مجبوراً کم از کم دارالعلوم دیوبند کے نظام کا تحفظ تو ہو۔ الحمدللہ! اسی غرض سے مدارس قائم ہوئے۔ جب تک ہمیں حکمرانوں اور نظامِ حکومت پر اور ان کے بنائے ہوئے قوانین پر بھروسہ نہیں ہے اور نہ مستقبل قریب میں کوئی بھروسہ ہونے کی امید ہے، اس لیے اس وقت تک ہم اِن مدارس کا پورا تحفظ کریں گے۔ مدارس کو اسی طرح برقرار رکھیں گے جس طرح ہمارے اکابر نے دیوبند کی طرح برقرار رکھا۔ اس کے اوپر ان شاء اللہ کوئی آنچ بھی نہیں آنے دیں گے، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ رفتہ رفتہ یہ قوم اس طرف بڑھے جو ہمارا ابتدائی مطمحِ نظر تھا۔ اسی سلسلے میں حرا فاؤنڈیشن کی یہ چھوٹی سی پریذینٹیشن تھی۔

اس میں رئیس الجامعہ کا چھوٹا سا خطاب تھا اور میں بھی اسے ہر جگہ بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں کہ الحمدللہ! پاکستان میں دینی مدارس کی تعداد بقدرِ ضرورت اچھی خاصی ہو گئی، لیکن سارے مدارس فرضِ کفایہ کی تعلیم دے رہے ہیں۔ اگر ان مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آنے والوں کا تناسب پورے ملک کے حساب سے دیکھا جائے تو مشکل سے ایک فیصد ہوگا، لیکن ننانوے فیصد قوم جن اداروں میں جارہی ہے اور جس طرح وہ انگریزوں کی ذہنی غلام بن رہی ہے، اس تعداد کا آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

میں یہ بات کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں اور کہتا رہتا ہوں کہ آپ کا اصل مقصد یہ ہے کہ

خدا کے لیے ہماری اس نسل کو اس انگریز کی ذہنی غلامی سے نکالیے۔ آپ کو یہ تاثر دینا ہے کہ الحمدللہ! ہم ایک آزاد قوم ہیں، ہم ایک آزاد سوچ رکھتے ہیں، ہم اپنے نبی کریم ﷺ کی سوچ رکھتے ہیں اور یہ جو ذہنی غلامی کا تصور پالا گیا ہے کہ جو کچھ ہوگا وہ مغرب سے آئے گا اور ہم مغربی افکار پر پروان چڑھیں گے، خدا کے لیے اس نئی نسل کے ذہنوں سے یہ چیز مٹائیے اوران کے اندر اسلامی ذہنیت پیدا کیجیے۔ ہم نے اسی مقصد کے لیے یہ ادارہ قائم کیا۔ مغرب کی بھی ہر بات بری نہیں ہے، کچھ چیزیں اچھی بھی ہیں، لیکن ان اچھی چیزوں کو لے لو اور بری چیزوں کو پھینک دو، "خذ ما صفا ودع ما کدر" اس اصول کے اوپر اگر کام کیا جائے تو ان شاءاللہ ہم منزل تک پہنچ جائیں گے۔

اقبال مرحوم نے بعض اوقات ایسے حسین تبصرے کیے ہیں کہ وہ قوم کے لیے مشعل راہ ہیں۔ مغرب کی ترقی جو کہیں سے کہیں پہنچی ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے چند شعر کہے ہیں، وہ ہمیشہ یاد رکھنے کے ہیں۔ وہ کہتے ہیں

قوتِ مغرب نہ از چنگ و رباب
نے ز رقصِ دخترانِ بے حجاب

چنگ ورباب یعنی موسیقی کے آلات۔ مغرب کی قوت اس لیے نہیں ہوئی کہ وہاں موسیقی کا بڑا رواج ہے، نہ اس وجہ سے ہوئی کہ بے حجاب اور بے پردہ عورتیں رقص کرتی ہیں۔

نے ز سحر ساحران لالہ روست
نے ز عریاں ساق و نے ز قطع موست

نہ اس وجہ سے ہوئی کہ وہاں حسین عورتیں بہت پھرتی ہیں اور نہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنی ٹانگیں ننگی کر رکھی ہیں اور اپنے بال کاٹ رکھے ہیں۔

قوتِ مغرب از علم و فن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است

قوت اگر ہوئی ہے تو علم وفن میں محنت کرنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اسی آگ سے

اس کا چراغ روشن ہے۔ اور پھر آخر میں بڑا خوبصورت شعر کہا ہے کہ

حکمت از قطع و برید جامہ نیست
مانع علم و ہنر عمامہ نیست

یعنی حکمت وعلم کپڑوں کی قطع و برید یا تراش وخراش سے حاصل نہیں ہوتا۔ کسی نے پتلون پہن لی تو ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ ہو گئے۔ اگر شلوار قمیص پہن لی تو پسماندہ ہیں، ترقی پسند نہیں ہیں۔ اگر عمامہ پہن لیا تو اس سے علم و ہنر میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی، لیکن تم نے چند جواہر کو یہ سمجھا ہوا ہے کہ مغرب کو اس سے قوت حاصل ہوئی ہے اور اس کے نتیجے میں اپنی نسلوں کو اس کے پیچھے چلا کر تباہ کر رہے ہو، لہذا اس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ یہ ہے حرا فاؤنڈیشن اسکول۔ الحمدللہ! دوسری جگہوں پر یہ توجہ عام ہوئی ہے اور بھی اسکول قائم ہو رہے ہیں۔ جن کا اصل مقصود یہ ہے کہ ہم واپس اس نظام تک لوٹیں

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

کوئی کہے گا کہ یہ رجعت پسندی ہے، لیکن اقبال جیسا ترقی پسند شاعر کہتا ہے کہ دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو یعنی ہم اس طرف دوڑیں جو جامعہ القرویین کی بات تھی، جو جامعہ زیتونہ کی بات تھی، ہم اس طرف دوڑیں۔ ہم نے اس غرض کے تحت یہ ادارہ اللہ کے نام پر قائم کیا۔ حضرت والد ماجد صاحب کے ارشاد کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے۔

نصاب میں وسعت کی ضرورت

صرف ونحو وغیرہ کی کچھ غیر ضروری اور غیر مؤثر کتابیں نکال کر ان کی جگہ نئی کتابیں شامل کی جا سکتی ہیں، نئے فلاسفہ اور اس کے علاوہ قدیم معقولات پر زیادہ زور دینے کے بجائے کچھ کتابیں نئے فلاسفہ اور جدید مغربی فکر کے حوالے سے شامل کرنا ضروری ہے، عربی اور اردو میں ایسی اچھی کتابیں مستقبل کے مدارس کے اساتذہ کو پڑھانا ضروری ہے؛ تا کہ انہیں یہ احساس ہو سکے کہ وہ کس دنیا میں جی رہے ہیں، اور امت مسلمہ کو آج کیا چیلنجز درپیش

ہیں۔ پھر ہمیں امت کی عالمی سطح کی قیادت کی ذمے داری سنبھالنے اداروں اور قانون کی تشکیل نو اور امت کے مستقبل کے لئے نئے نظام وضع کرنے کے لئے ایک اعلی درجے کا اسلامی نصاب درکار ہوگا۔(۱)

اسی تعلق سے حکیم الاسلام قاری طیب صاحبؒ فرماتے ہیں:

یہ بات (یعنی مدارس میں جدید علوم کو شامل کیا جانا چاہئے) ایک حد تک صحیح بھی ہے اور ہم نے اس پر عمل درآمد کرلیا ہے، جدید قسم کے جو علوم وفنون جن سے عقائد پر اثر پڑتا ہے ،خواہ وہ غلط فہمیوں کی وجہ سے پڑے مگر پڑ رہا ہے، جیسے مبادیات سائنس ہیں، فلسفہ جدید ہے، ہیئت جدی جدیدہ ہے، اس کو لوگ ذریعہ بناتے ہیں، دینیات کی تردید کا، حالانکہ وہ ذریعہ ہیں تقویت دین کا، سائنس جتنی بڑھے گی میں سمجھتا ہوں اسلام کو اتنی تقویت ملے گی، اس لئے اسلام نے عقائد ونظریات کے لحاظ سے جو دعوے کئے ہیں ان کے دلائل سائنس مہیا کررہی ہے،تو دعوی ہم کرتے ہیں مگر دلائل وہ لوگ مہیا کرتے ہیں جو اس کے منکر ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں کے ہاتھ سے دلائل مہیا کرتے ہیں، اس لئے سائنس منافی تو کیا ہوئی معین ومددگار رہوئی ہے ـ۔۔۔۔خرابی درحقیقت ماحول کی کیونکہ اس کے پڑھانے والے وہ ہیں جو غلط نظریات اور غلط فکر لئے ہیں اس لئے ان فنون کا اثر برا پڑتا ہے؛ لیکن اگر صحیح پڑھانے والے ہوں تو وہی ذریعہ بن جائیں گے تقویت کا۔۔۔آخر یہ قدیم فلسفہ منطق، ہیئت، ریاضی پڑھاتے ہیں اس کا برا اثر کیوں نہیں پڑا اور موجودہ فنون کا کیوں پڑ رہا ہے،؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پڑھانے والے وہ ہیں کہ دین ان میں پہلے سے راسخ ہوتا ہے، اس لئے عقائد پر ذرا برا اثر نہیں پڑتا اور موجودہ زمانے میں عموما پڑھانے والے وہ ہیں کہ نہ ان کی اخلاقی حالت درست نہ ماحول درست اس کا اثر یہ پڑتا ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ علم کا اثر برا ہے، حالانکہ وہ دراصل عالم کا اثر ہے، جو برا پڑ رہا ہے، اسلام میں تنگی نہیں، اسلام نے ہر علم وفن کی تحقیق کی اجازت دی سوائے مخصوص چند علوم کے جن سے روکا ہے کیوں کہ وہ علوم نافع نہیں ہیں۔

(۱) حوالہ سابق:۶۸

مدارس کا یونیورسٹیوں سے الحاق

بعض حضرات دینی مدارس کے نصاب میں ترمیم کے اس بناء پر خواہش مند رہتے ہیں کہ مدارس کی سند کو دوسری یونیورسیٹوں میں تسلیم کر لی جائے، اور یہاں کے فارغ التحصیل طلبہ کو ان یونیورسٹیوں میں داخلہ مل سکے، یا ان سندوں کے حامل طلبہ کو سرکاری اداروں وغیرہ میں ملازمتیں مل سکیں اور چونکہ دوسری یونیورسٹیوں کے ساتھ معادلہ مدارس کے نصاب ونظام میں تبدیلی کے بغیر ممکن نظر نہیں آتا؛ اس لئے وہ اس نظام میں ترمیم کی خواہش رکھتے ہیں۔

ہماری نظر میں یہ طرز فکر بھی درست نہیں، ہمارے نزدیک دینی مدارس کے نصاب ونظام پر خالص اس نقطہ نظر سے غور ہونا چاہئے کہ ایک بااستعداد اور صاحب بصیرت عالم دین کی حقیقی ضروریات کیا ہیں؟ اور وہ کس طرح پوری ہوسکتی ہیں؟ اس نقطہ نظر سے نصاب ونظام میں جن ترمیمات کی ضرورت ہو ان کو بیشک اختیار کیا جائے؛ لیکن محض اس بناء پر ان مدارس کے مزاج ومذاق سے ہٹ کر کوئی تبدیلی کرنا ان کی سند کو دوسری یونیورسیٹیوں یا سرکاری اداروں میں مقبول ہو جائے ان دینی درسگاہوں کی بنیادی روح کے منافی ہے۔

دینی مدارس کی بنیاد جس اخلاص، للّٰہیت ایثار اور خدمت دین پر رکھی گئی تھی اس میں اس بات سے کبھی کوئی بحث نہیں کی گئی کہ ان کی سندیں بازار میں کیا قیمت رکھیں گی؟ اکابر علماء دیوبند میں سے کتنے حضرات تھے جنہوں نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کبھی سند لی ہی نہیں، اس کے بجائے اصل مسئلہ یہ تھا کہ یہاں کے فارغ التحصیل علماء میں دینی علوم کی اعلیٰ مہارت، اتباع سنت کا جذبہ خشیت وتقوی، انابت إلی اللہ اور جذبہ خدمت دین کس طرح پیدا ہو؟

اور واقعہ یہ ہے کہ دینی مدارس اگر اپنے مطلوبہ معیار کے مطابق کام کریں اور ان سے اسی صلاحیت کے اہل علم پیدا ہوں جس صلاحیت کے علماء کی ضرورت ہے اور جس کی آبیاری ان مدارس کا بنیادی مقصود ہے تو اس بات کی ضرورت ہی باقی نہ رہے کہ یہاں کے فارغ التحصیل طلبہ دوسری یونیورسٹیوں میں ''اعلی تعلیم'' حاصل کرنے کے محتاج ہوں، یا

سرکاری اداروں میں اپنی اسناد منظور کرانے کی درخواستیں لئے پھریں، اس کے بجائے ان مدارس کو خود اپنا تعلیمی اور تربیتی معیار بلند کرنے کی فکر کرنی چاہئے اور یقین ہے کہ اگر مطلوبہ معیار حاصل ہو گیا تو تمام دوسرے ادارے چار و ناچار ان کی سند کو تسلیم کرنے پر از خود مجبور ہوں گے۔

ہمارے دینی مدارس جس علم کے امین اور جس مزاج و مذاق کے وارث ہیں، اس میں یہ بات ان کے لئے عار ہے کہ وہ دوسروں سے اپنی علمی استعداد کی شہادت حاصل کرنے کے لئے درخواستیں، اپیلیں یا مطالبے کرتے پھریں، اس علم کا مزاج تو یہ ہے کہ اپنے حصہ کا کام ٹھیک ٹھیک انجام دینے کے بعد انسان اپنی دھن میں لگ جائے ، کسی کو ہزار مرتبہ ضرورت پڑے تو وہ اپنی غرض اور اپنی ضرورت سے اس کی طرف رجوع کرے ورنہ اس کو اپنی علمیت منوانے کی چنداں حاجت نہیں، ان کو کبھی کہیں اپنی سند دکھانے کی ضرورت نہیں، اور ان کی خدمات کے طلب گار صرف دینی مدارس ہی نہیں؛ بلکہ اعلی یونیورسٹیوں سے لے کر سرکاری اداروں تک اتنے رہے ہیں کہ ان کو کبھی ناقدری کا شکوہ نہیں ہوا۔

لیکن یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب انہوں نے اپنے آپ کو پورے اخلاص کے ساتھ زیور علم سے آراستہ کیا، اور صرف نام کے فارغ التحصیل ہونے کے بجائے واقعۃً علوم دین کے لئے اپنی زندگی وقف کردی، انہوں نے دنیا طلبی کے لئے علم حاصل نہیں کیا، بلکہ خدمت دین کو اپنا مشن بنایا، لیکن عملاً یہ ہوا کہ دنیا بھی ان کے قدموں میں ذلیل وخوار ہو کر پہنچی اور معاشی اعتبار سے وہ کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

لہٰذا محض اپنی سند کو تسلیم کرانے کی خاطر دینی مدارس کے نصاب ونظام میں کوئی ایسی تبدیلی کرنا اور جو ان کے مزاج و مذاق سے ہٹی ہوئی ہو، ان مدارس کی روح کے یکسر منافی ہے۔(۱)

---

(۱) ہمارا تعلیمی نظام: ۹۰-۹۱

روزنامچہ برائے عالمیت (المذکرۃ الیومیۃ الدراسیۃ)

المُذَكِّرَةُ اليَوْمِيَّةُ الدِّرَاسِيَّة

تعلیمی روزنامچہ

مَرْحَبًا بطالبِ العلمِ!
إنَ طالب العلمِ تَحَفُّهُ الملائكةُ بأجنحتِها،
ثم يركبُ بعضُهم بعضًا حتى يبلغُوا السماء الدّنيَا
من محبتهِم لما يطلبُ
(أخرجه أحمد والطبرانى باسناد جيد)

اسم الطالب..........
اسم الأب ....
اسم المدرسة..........
الصّف..........
عنوان المنزل ....

تشریح رموز

نمازوں کے خانہ میں	
ت	جونماز تکبیر تحریمہ کے ساتھ ادا کی جائے،اس نماز کے خانہ میں (ت) لکھا جائے۔
ج	جونماز جماعت کے ساتھ ادا کی جائے،اس نماز کے خانہ میں (ج) لکھا جائے۔
الف	جونماز انفراداً ادا کی جائے،اس نماز کے خانہ میں (الف) لکھا جائے۔
ق	جونماز چھوٹ جائے اس نماز کے خانہ میں (ق) لکھا جائے۔
	جومعمول پورا ہو اس پر اس طرح کا نشان (✓) لگایا جائے۔
	جومعمول پورا نہ ہو،اس پر اس طرح کا نشان (✗) لگایا جائے۔
گھنٹوں کے خانہ میں	
م	پہلے مطالعہ ہو چکا ہو تو (م) کا نشان لکھ دیا جائے۔
ذ	سبق کے تکرار و مذاکرہ میں حاضری رہی ہو تو (ذ) کا نشان لکھ دیا جائے۔
ح	گھنٹہ میں حاضر رہے ہوں تو (ح) کا نشان لکھ دیا جائے۔

تاریخ	دن	فجر	ظہر	عصر	مغرب	عشاء	مقدارِ تلاوت	ساعات		
								۱	۲	۳

إذا كنت تحبني حقا علمّني كيف
أزرع القمح ولا تعطني ألف رغيف من الخبز

اگر آپ مجھ سے واقعی محبت کرتے ہیں تو مجھے یہ سکھلائیے کہ
گیہوں کی کھیتی کیسے کی جاتی ہے، مجھے ایک ہزار روٹی مت دیجئے۔

ساعات ۴	ساعات ۵	ساعات ۶	خوشنویسی اُردو	خوشنویسی عربی	آیات و سنن	مضمون نگاری	تقریر اُردو	تقریر عربی	جائزۂ مطالعہ	محاسنِ اخلاق ورذائلِ اخلاق

قال ابن قیم من أراد صفاء قلبه ''فلیؤثر اللّٰہ علی شھوته ، القلوب المتعلقة بالشهوات محجوبة عن اللّٰہ بقدر تعلقها بها''

(الفوائد:۲۶۲)

ابن قیم جوزیؒ نے فرمایا: جو اپنے دل کو نورانی بنانا چاہتا ہے، وہ اللہ کو اپنی شہوتوں پر ترجیح دے، خواہشات میں ڈوبا دل جس قدر نفسانی لذات میں ہوگا، اتنا ہی اللہ سے دور ہوگا۔

نظامِ انجمن

۱) ہر ہفتہ اپنے درجات میں ہفتہ کے کسی دن تقریری پروگرام ہو جس میں حصہ لینے والوں کے نام ایک ہفتہ پہلے طئے ہوں، اس میں طلبہ چھوٹی چھوٹی تقاریر، اشعار، نظمیں، کہانیاں، مکالمے، قراءت، قرآن، احادیث، دعائیں وغیرہ پیش کریں۔

اس بات کی کوشش کریں کہ یہ پروگرام بھی درسیات کا معین ہو، پروگرام کی رپورٹ کاپی میں لکھ دی جائے کہ کس طالب علم نے کیا پروگرام پیش کیا، یہ پروگرام جمعرات کے دن آخری گھنٹہ میں ہوگا، بعض مدارس میں جمعرات کے دن جلسہ ہونے پر طلبہ نکل جاتے ہیں، اس صورت میں بجائے جمعرات کے منگل یا بدھ کو آخری گھنٹے میں پروگرام کرنا بہتر ہے، اسی طرح سے جمعرات کے دن مغرب تا عشاء طلبہ کا تقریری پروگرام کرنا بہتر ہے۔

۲) مہینہ میں ایک بار ان کا اجتماعی پروگرام ہو، اس طرح کہ مہینہ بھر کے پروگرام میں جو ممتاز طلبہ ہوں، ان کو اس پروگرام میں پیش کیا جائے، اس موقع پر ان کو مختصر سا انعام بھی دیا جاسکتا ہے۔

تقریر کی اہمیت

خطابت سنت انبیاء ہے، ہر نبی خطیب اور مقرر تھے، سرکار دو عالم ﷺ انبیاء علیہم السلام میں سب سے بڑے خطیب تھے، علماء چونکہ خصوصا انبیاء کے وارث "**العلماء ورثة الأنبياء**" یہ اس لئے ہے کہ انہیں حضور اقدس ﷺ کی صفت خطابت کا وافر حصہ ملا، اس لئے علماء اور طلباء کے لئے فن خطابت اور تقریر سے آراستہ و پیراستہ ہونا نہایت ضروری

ہے، چونکہ وارث انبیاء ہونے کے ناطے''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کے طریقہ کی ادائیگی، اور تبلیغ کی غرض سے تقریر سیکھنا چاہئے ، کیوں کہ خطابت، موعظت، تقریر اور پندو نصیحت علماء امت کا فریضہ ہے، اسی لئے اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں فرمایا: ''وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ'' نصیحت اور موعظت کیجئے، اس لئے کہ مومن کو نصیحت ہی سے فائدہ ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ تذکیر علماء اور طلبا کا فریضہ ہے، اس لئے تقریر وخطابت پر مشق ہونی چاہئے۔

اللہ عزوجل نے انسان کو جو قوت بیانی اور طلاقت لسانی کی دولت سے نوازا ہے اس کو بے شمار جگہوں پر بطور امتنان واحسان کے ذکر کیا ہے، قوت تعبیر اور طلاقت لسان اور بیان مراد کی قوت واستعداد کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ'' (کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے)۔

جب اللہ عزوجل نے حضرت موسی علیہ السلام کو نبی بنا کر فرعون ملعون کے پاس دعوت حق کے لئے بھیجا تو حضرت موسی علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے قوت بیانی اور طلاقت لسانی اور بیان مراد کی صلاحیت وقوت کا مطالبہ کیا، کیوں کہ حضرت موسی علیہ السلام کی زبان میں بچپن میں منہ میں انگارا رکھنے کی وجہ سے لکنت تھی، فرعون ملعون نے حضرت موسی علیہ السلام کی زبان کی لکنت کا مذاق کرتے ہوئے اپنی قوم کو ان کی اطاعت سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی جس کو اللہ عزوجل نے یوں فرمایا: ''أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ وَلَا يَكَادُ يُبِينُ'' (۱) کیا میں اس سے بہتر نہیں ہوں جو ذلیل ہے اور صاف صاف بات بھی نہیں کرسکتا۔

حضرت موسی علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے مطالبہ کیا کہ ان کے بھائی جو فصیح اللسان ہیں ان سے میری مدد کیجئے، تاکہ میں فریضہ تبلیغ کو خوب اچھی طرح انجام دے سکوں:

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ○ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَارُونَ (۲)

(۱) الزخرف: ۵۲ (۲) الشعراء: ۱۲-۱۳

(اور (طبعی طور پر ایسے وقت میں (میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے
اور میری زبان (اچھی طرح (نہیں چلتی اس لیے ہارون علیہ السلام کے
پاس بھی وحی بھیج دیجئے)

اور اللہ عزوجل نے ان کی زبانی اس بات کو یوں فرمایا:

"وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ" (۱)

میرے بھائی ہارون علیہ السلام بیان میں مجھ سے بہتر ہیں، لہٰذا ان کو میرے ساتھ ارسال کردیجئے تاکہ وہ "زور بیانی" کے ذریعے میری تصدیق کرے اور میرے لئے ڈھال ثابت ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ نے نبوت اور دعوت کے لئے بندے کو منتخب تو کرلیا، لیکن زبان میں لکنت کی وجہ سے "دعوت" کا صحیح حق ادا نہ کرسکوں۔

پھر اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں صحت اور قوت بیانی اور زور سلاست عطا کی، جس کو یوں فرمایا: "قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ" (۲) "فرمایا اے موسیٰ تیری مانگ تجھے عطا ہوئی"۔

زبان ہی یہ دعوۃ الی اللہ کا پہلا وسیلہ ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے: "وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ" (۳) (اور ہم نے ہر پیغمبر کو اس کی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تاکہ انھیں سمجھا سکے) یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجے جاتے تھے؛ تاکہ وہ ان کے سامنے حق کا پیغام عام کریں، دلائل وبراہین کے ذریعہ، فصاحت ووضاحت کے ساتھ مراد حق وندی، مطلوب ایزدی کو بیان کریں۔

"زور بیان" اور خطابت کی اہمیت کے سلسلہ میں "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ" کی

---

(۱) القصص: ۳۴ (۲) طٰہٰ: ۳۶

(۳) ابراہیم: ۴

تفسیر کرتے ہوئے حضرت امام ضحاکؒ نے یہاں تک فرمایا کہ "أی کرمنا ما ینطق"، یعنی اللہ رب العزت نے تمام مخلوقات پر فضیلت دی، نطق اور بیان دے کر، اس لئے ایک جگہ تو صاف ارشاد خداوندی ہے: "خلق الإنسان علمه البیان" اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور اسے "بیان" سکھایا، یعنی زور بیانی عطا کی۔

اور ایک جگہ فرمایا: "فمن جاهدهم بیده فهو مومن، ومن جاهدهم بلسانه فهو مؤمن" (۱) اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی۔ یعنی جو اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو زبان کے ذریعے جہاد کرے وہ مومن ہے۔

اور ایک جگہ فرمایا: "سئل أی الجهاد أفضل، فقال: کلمة حق عند سلطان جائر" (۲) اللہ کے رسول اللہ سے دریافت کیا گیا کہ بہتر جہاد کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ظالم حکمران کے سامنے حق بات کہنا۔

خود نبی کریم ﷺ کے تعلق سے اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: "ثم إن علینا بیانه" اے محمد ﷺ قرآن کے الفاظ کو نازل کرنے کے بعد اس کا "بیان" بھی ہمارے ذمہ ہے، یعنی ہم آپ کے دل پر ایسے زور بیان ڈالیں گے کہ الفاظ کے ساتھ معانی بھی بیان کر دیئے جائیں گے، اور اس لئے آپ ﷺ کا کلام اس قدر فصیح اور جامع ہے کہ سننے والا متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ جاتا۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے اپنے تعلق سے فرمایا: "أعطیت جوامع الکلم" یعنی زور بیانی خود نبی کریم ﷺ کے من جملہ صفات ومحاسن میں سے ہے۔

خطابت ایسی زبردست اور اثر انگیزی کی حامل شیء ہے کہ زور بیان انسان کا اگر باطل پر بھی ہو تو لوگ اس سے متأثر ہوتے ہیں، اس لئے ایک چرب زبان سے حفاظت کے خاطر کہا گیا (ومن الناس من یعجبك قوله فی الحیاة الدنیا) کہ لوگوں میں سے

---

(۱) مسلم، باب بیان کون النهی عن المنکر من المنهیات، حدیث نمبر: ۸۰

(۲) مسند أحمد، مسند أبی سعید الخدری، حدیث نمبر: ۱۱۱۴۳

بعض وہ ہیں جن کی ''زور بیانی'' اور ''چرب لسانی'' آپ کو متاثر کردے۔

اور ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''إن من البیان لسحرا''۔ یعنی بہت سے لوگوں کے کلام میں اثر انگیزی ہوتی ہے۔

اسلام کے عہد میں سب سے عظیم اور سب سے پہلے خطیب خود صاحب دعوت وشریعت، خاتم الأنبیاء، أفصح العرب حضرت محمد مصطفی محمد مجتبی ﷺ رہے ہیں۔

مصر قاہرہ کے ایک فاضل نے ''خطب الرسول'' ﷺ کے نام سے ''نبی کریم ﷺ کے ۵۷۴ خطبات کو ایک ہی کتاب میں جمع کر کے بڑا عمدہ، کارنامہ انجام دیا ہے، جس میں آپ ﷺ کے فکر انگیز، ولولہ خیز، دلوں میں گداز اور رقت پیدا کرنے والے خطبات شامل ہیں، یہی وجہ تھی کہ اسلام کے ابتدائی دور میں کفار مکہ آپ ﷺ کو ''ساحر'' کہہ دیتے تھے، کوئی ''شاعر'' کہتا، کسی نے ''کاہن'' کہا، یہ اس وجہ سے آپ کا انداز تخاطب اور آپ کی زبان کی سلاست اور فصاحت وبلاغت سے معمور گفتگو اور دلائل وبراہین کا آورد سامع کو آپ کا گرویدہ بنا دیتا، اس کے علاوہ آپ ﷺ کو قرآن جیسا عظیم وفصیح کلام عطا کیا گیا تھا، تیسرے یہ کہ آپ ﷺ اخلاق حمیدہ، خصال ستودہ کے مالک تھے، چوتھے: آپ کے قول وعمل میں یکسانیت اور ہم آہنگی تھی، پانچویں: آپ ﷺ کڑھنے والا دل رکھتے تھے۔

آپ ﷺ کے بعد حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں بڑے بڑے خطباء گذرے ہیں جن میں حضرت ابوبکر بن ابی قحافہ، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب، سحبان بن وائل، حضرت امیر معاویہ، ثابت بن قیس، عبداللہ بن رواحہ، عبداللہ بن مسعود، انس بن مالک، اسلع بن شریک بن عوف اشجعی، ثعلبہ بن عبدالرحمن انصاری، عقبہ بن عامر، قیس بن سعد انصاری، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم وغیرہ۔

اس لئے ضروری ہے کہ طلباء کو تقریر کی انجمنوں کا نظام قائم کر کے ان کو خطابت کی مشق دی جائے؛ تاکہ وہ وارثین انبیاء ہونے کی حیثیت سے دعوت دین کے فریضے کو صحیح طریقہ سے انجام دیں سکیں، اصلاح وموعظت کے کاز کو سنبھال سکیں۔

دینی مدارس میں تحریر وتقریر

اکثر مدارس میں طلبہ کی تقریر وتحریر کا کوئی خاص انتظام نہیں، اس میں اہل علم کو عاجز ہونا ان کی منصبی خدمات کا ضعیف ہونا ہے، اسلئے اس کا خاص انتظام واہتمام ضروری ہے۔

اتنی ضرورت اس زمانہ میں ضروری معلوم ہوتی ہے کہ دیگر عام تعلیم کی طرح خوش تحریری وخوش تقریری کی مشق کا اہتمام بھی مدارس میں بالالتزام کیا جائے اس طریقہ پر کہ وہ طلبہ کا اختیاری امر نہ رہے؛ بلکہ سب کو اس امر پر مجبور کیا جائے۔(۱)

حضرت اقدس تھانوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: ایک ذریعہ تقریر کا اور ہے یعنی تقریر کی مشق، وہ بھی کیجئے، بحمد اللہ آپ کے اساتذہ اہل بصیرت ہیں، اور مدرسہ میں اسباب بھی موجود ہیں، اس کو غنیمت سمجھئے اور ایسے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے، ایسا سامان کہیں نہیں ملے گا اور وقت بھی بعد میں نہ ملے گا، میں یہ نہیں کہتا کہ مقدمات ہی کے اندر سارے اوقات کو ضائع کردو؛ بلکہ ہر چیز کو اپنے درجہ میں رکھ کر حاصل کرو، اصل مقصود دین ہے مگر اس کے مختلف طریقے ہیں۔(۲)

طلباء کو تقریر سکھانے کا ایک طریقہ

حضرت اقدس تھانوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: ”میں نے اپنے یہاں یہ انتظام کیا ہے کہ اگر کوئی کافیہ پڑھنے والا ہے تو کافیہ ہی کا کوئی مضمون دے دیا کہ اس کی تقریر کرو، اگر مشکوۃ پڑھ چکا ہے تو کوئی حدیث اسی وقت دے دی کہ اس کی تقریر کرو، اس سے زبان بھی کھل جاتی ہے، یعنی بولنے کا عادی ہوجاتا ہے اور پڑھانے کا ڈھنگ بھی آجاتا ہے اور تعلیم کا نقصان بھی نہیں ہوتا۔(۳)

---

(۱) رہنمائے خطابت: مفتی ابولبابہ شاہ منصور: ۳۰، السعید، پاکستان، کراچی، ماخوذ از تجدید تعلیم: ۴۴، مولانا اشرف علی تھانویؒ

(۲) حوالہ سابق، بحوالہ آداب التبلیغ: ۱۲۱

(۳) بحوالہ کلمۃ الحق: ۱۲۴

ایک بار مجھ سے درخواست کی گئی کہ طلبہ جمعرات کو کچھ تقریر کیا کریں، میں نے اس صورت سے منظور کیا کہ اپنی درسی کتابوں کو ہاتھ میں لے کر کھڑے ہوجاؤں اور ان کے مضامین کی تقریر کردوں، مقصود بھی حاصل ہوجائے گا اور مفاسد سے بھی محفوظ رہیں گے"۔

علماء کے لئے تقریر سیکھنے کی آسان تدبیر

بعض علماء یہ عذر کردیتے ہیں کہ ہم کو وعظ کہنا نہیں آتا، میں کہتا ہوں کہ: آپ کو عربی پڑھنا کب آتا تھا؟ یہ بھی تو محنت کرنے سے ہی آیا ہے، اسی طرح وعظ کہنے کا ارادہ کیجئے اور کچھ دنوں محنت کیجئے، یہ کام بھی آجائے گا۔

جس کی سہل تدبیر یہ ہے کہ شروع شروع میں طلبہ کے سامنے مشکاۃ شریف وغیرہ لے کر بیٹھ جاؤ اور کتاب دیکھ کر بیان کرو، پھر کچھ دنوں میں بغیر کتاب کے بیان شروع کردو، اس طرح ایک دن خوب بیان کرنے لگو گے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ جاہلوں کو تو وعظ کی جرأت ہو اور علماء کو اس کی ہمت نہ ہو! جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب جہلاء علماء کے سامنے بھی غلط باتیں بیان کرنے سے نہیں ڈرتے۔(۱)

تقریری انجمن کا مکمل نظام

بہت اچھا ہے کہ جماعتِ سوم سے ہر پندرہ دن میں ایک تقریر اردو میں اور ایک تقریر عربی میں لازم قرار دی جائے، درسیات اصل ہیں؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ خارجی مضامین سے بالکل صرف نظر یا اس کے مقام و درجہ کو کم کردیا جائے، ورنہ پنجم سے تو یہ نظام بن جائے، تاریخ نے حضور اکرم ﷺ، خلفاء اربعہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ادباء لغت کے خطبات کو محفوظ کررکھا ہے، اگر اسے ہی یاد کروادیا جائے تو ابتداء بہتر ہے، پھر موجودہ ائمہ حرم، خطباء کے مطبوعات خطبات سے فائدہ اٹھایا جائے، طالب علم اگر ازخود تیاری کرکے تعبیرات واسلوب پر محنت کرے، ازخود اپنی طرف سے تقریر پیش کرتا ہے تو بہتر ہے، محض رٹنے کی عادت پر زندگی بھر اکتفا نہ کرے، ششم، ہفتم کے طالب علم کم ازکم اپنی طرف سے تقریر تیار کرکے پھر رٹ کرہی

(۱) رہنمائے خطابات: مفتی ابولبابہ شاہ منصور: ۳۲، السعید، پاکستان، کراچی

سہی پیش کرسکتا ہے، سامعین طلبہ، الفاظ، مضامین کو نوٹ کررہے ہوں، تقریر پیش کرنے سے پہلے طلبہ عربی انجمن تمام الفاظ کی لغوی تحقیق وطریقہ استعمال کی تیاری کر کے آرہے ہوں، اختتام انجمن پر تلفظ، وابواب کی تصحیح، نگراں استاذ عربی زبان میں ہی انجمن کی ساری کاروائی چلائے، طلبہ انجمن کو باری باری نظامتِ انجمن عربی زبان میں تیاری کر کے آنے کی ترغیب دی جائے۔

مدت تقریر، عنوانِ تقریر، کیفیت وتائثرات نگرانِ اہتمام سے رجسٹر انجمن میں لکھنا چاہئے؛ تاکہ تکرار عنوان یا دراز بیانی نہ ہو، برابر قوامیس ومعاجم کی مراجعت کرتے کرواتے ہوئے ہمیں تھکنا نہیں چاہئے۔ پھر محاسبہ اور مواخذہ کیا جاسکتا ہے، معذرت خواہی بھی ٹوٹی پھوٹی عربی میں ہی طالب علم پیش کرے، ناغہ ہونے پر بار بار یاددہانی ہونی چاہئے، انجمن کا نظام بالعموم جمعرات کے دن بعد نماز ظہر یا بعد نماز عشاء ہوتا ہے، اس لئے ہفتہ کے دن ہی اناؤنسری ونظامت سنبھالنے والے طالب علم اور قراءت ونعت خوانی کی ذمہ داری قبول کرنے والے طالب علم کو طئے کیا جائے۔

درمیان ہفتہ جائزہ ورہبری کا سلسلہ ختم نہ ہو، افضل ترین طریقہ تو یہ ہے کہ روایتی ورسمی عناوین کے بجائے عصری موضوعات، تقاضۂ وقت سے ہم آہنگ، موقعہ سے مناسبت رکھنے والے عنوان کو طئے کیا جائے، عناوین میں تنوع اور تعدد ہوتو تیار کرنے میں طلبہ کو سہولت ہوجاتی ہے، عناوین طئے نہیں کرنے کی وجہ سے طلبہ بہت زیادہ سہولت پسندی، کام چوری، رواجی عنوان پر جلد تقریر کرتے بوجھ ہلکا کرنا چاہتے ہیں، ہاں البتہ آسان اور مشکل، دستیاب اور محنت طلب دونوں قسم کے عناوین کا اعلان ہفتہ کے دن کرلیا جائے، خارجی اوقات میں پندرہ دن کے عرصہ میں اس طرح تقریر تیار کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

مقامی زبان میں تقریر وتحریر

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کو قوم کی زبان عطا فرمائی "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلاَّ بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ "(۱) مقامی لب ولہجہ میں دعوت دینا ہمیشہ

(۱) سورۃ ابراہیم: ۴

مدعو کو قریب کرنے کا مؤثر اسلوب رہا ہے، خود رسول اللہ ﷺ نہ صرف عربی زبان؛ بلکہ آنے والے قبیلہ کی لغت میں بات کیا کرتے تھے، مسلمہ اصول یہ ہیکہ کوئی بھی زبان، بحیثیت زبان کسی قوم یا مذہب کی نہیں ہوتی، اگر اس زبان کے ساتھ لگے اعتقادات ونظریات اور وہ زبان بولنے والی قوم کے طور وطریقے، اپنائے جائیں تو یہ بات اسلامی نقطہ نظر سے پسندیدہ ہے، مدرسہ میں آنے والے کو عربی، اردو، فارسی اور انگریزی کے ساتھ مقامی علاقائی زبان پر بھی محنت کروانے کی شدید ضرورت ہے، بعض مرتبہ وہ مقامی زبان انکی مادری زبان ہوتی ہے، یا انہوں نے اسے اسکول میں کچھ پڑھا ہوا ہوتا ہے، دجالی میڈیا وہم وطن لوگوں سے رابطہ اس کے بغیر دشوار ہوتا ہے، بعض تلگو (آندھرا پردیش، تلنگانہ میں) بنگلہ (بنگلہ دیش اور بنگال میں) گجراتی، وٹامل، افریقی ممالک میں فرانسیسی (عربی کے بعد) جانے بغیر لوگوں ارتداد سے بچانا اور گمراہ فکروں سے محفوظ کررکھنا مشکل ہے، باذوق، اورواقف طلبہ کو مقامی زبانوں میں تقریر وتحریر پر بآسانی تیار کیا جاسکتا ہے، صرف توجہ دہانی اور مستقل عنوان بنانے کی ضرورت ہے۔

طلباء کی تحریری مشق

قلم وقرطاس کی اہمیت بھی روز اول سے مسلم رہی ہے، اللہ عزوجل نے قلم کی اہمیت کو بتلانے کے لئے نہ صرف قلم کی قسم کھائی (کسی چیز کی قسم اس کے مہتم بالشان ہونے پر دلالت کرتی ہے) بلکہ اپنے کلام پاک میں ایک مکمل سورۃ ''قلم'' کے نام سے نازل کرکے اس کی عظمت اور رفعت کو دوبالا کردیا ہے: ''ن، وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ'' (۱)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''إن أول ما خلق الله القلم'' (۲) اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔

امام تفسیر مجاہدؒ نے ابو عمروؒ سے نقل کیا ہے کہ اللہ رب العزت نے ساری کائنات میں

(۱) سورہ ن:۱

(۲) ابوداؤد

چار چیزیں اپنے دست قدرت سے خود بنائی اور ان کے سوا باقی مخلوقات کے لئے حکم دیا گیا "کن" ہوجا، وہ موجود ہوگئیں، یہ چار چیزیں یہ ہیں: قلم، عرش، جنت عدن، آدم علیہ السلام۔(۱)

زبان وقلم کے ذریعہ دلوں پر حکومت کی جاسکتی ہے، اس کے ذریعہ تیغ وتفنگ کے بغیر قوموں اور ملکوں کی تاریخ بدل دی جاتی ہے، تاریخ کے دھارے کو موڑ دینے میں ان کا کردار عسکری انقلابات سے زیادہ ہے، ان میں وہ طاقت ہے جو بڑی بڑی سلطنتوں اور فلک بوس ایوانوں میں زلزلہ پیدا کردیتی ہے۔

فرق یہ ہے کہ تقریر سے پڑھا، لکھا، ان پڑھ ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے، اس کے ساتھ ہی بولنے والے کی حرکات وسکنات، چہرے کی کیفیت، لب ولہجہ اور طرز تخاطب بھی مخاطب پر اثر انداز ہوتا ہے، اور تحریر کی رسائی حاضر سے غائب تک، صدیوں بلکہ رہتی دنیا تک باقی رہ سکتی ہے۔

پندرہ دن میں ہر طالب علم ایک مضمون ضرور لکھے جیسے ہر پندرہ دن میں عربی واردو تقریر کرنا ہے، پندرہ دن میں جو ہفتہ تقریر کا نہ ہو وہی ہفتہ مضمون لکھنے کا بتایا جائے، دیواری پرچہ آویزاں کیا جائے، استاذ کی نظر ثانی اور تصحیح کے بعد اخبارات اور رسائل میں بھی شائع کردیا جائے، ہرگز نقل بازی نہ ہو، چاہے اکابرین اور واردین کے بیانات کی تلخیص اور ان کو سپرد قرطاس کیا جائے، اور چاہے روزنامچہ ہی کیوں نہ ہو، ذوق تحقیق، حوالہ نگاری، جمع مواد، نوک وپلک کو درست کیا تو یہ عالم دین بافیض رہتا ہے، دیرپا، دوررس، طریقہ تبلیغ تصنیف وتالیف ہے۔

تقریر وتحریر کے اہم اور ضروری عناصر

۱۔زبان دانی

تقریر اور تحریر دونوں کے لئے سب سے اہم چیز زبان دانی ہے، ایک خطیب وقلم کار کے لئے یہ اس طرح سے ضروری ہے جس طرح زندگی کے لئے ہوا اور پانی، دعوت وتبلیغ

(۱) معارف القرآن: ۸/ ۷۸۵

اوراللہ کے دین کو غالب کرنے کے لئے شیرین بیانی، دلکشی اور روانی وراثت انبیاء ہے، اورانبیاء کے وارثوں کوکتاب الٰہی میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ مدمقابل سے حسن طریق سے مقابلہ کریں: "وجادلهم بالتى هى أحسن ، فإذا الذى بينك وبينه عداوة كأنه ولى حميم "،اور بہتر طریقہ سے ان سے مباحثہ کرو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس شخص سے تمہاری دشمنی ہوگی، بہتر اسلوب کی وجہ سے وہ تمہارا دلی دوست ہوجائے گا۔

نیز اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

"وقولوا للناس حسنا"، (اورلوگوں سے اچھی بات کہو)

۲۔مطالعہ ومشاہدہ

ایک مقرروقلم کار کے لئے زبان دانی کے بعد دوسری اہم چیز مطالعہ اور مشاہدہ ہے، اس کے بغیر وہ اپنے فن کا حق ادانہیں کرسکتا۔

۳۔مشق وتمرین

تیسری اہم چیز مشق وتمرین ہے کہ اس کے بغیر زبان وبیان پر قدرت، مطالعہ ومشاہدہ کی وسعت بے معنی ہے کہ مشق نہ ہونے کی وجہ سے جب کسی مجمع میں بولنے کی نوبت آتی ہے توگھبراہٹ طاری ہوجاتی ہے۔

مشق کے دوران صحیح تلفظ، لب ولہجہ میں اتار چڑھاؤ، نیز ایسے حرکات وسکنات پر خصوصی توجہ ضروری ہے یہ چیزیں سامعین پراثر انداز ہوں۔

۴۔اخلاص اورحسن اخلاق

ان سب کے علاوہ ایک خطیب اورقلم کار کے لئے ان سب سے اہم اورضروری چیز اس کا کرداراوراخلاق ہے۔

۵۔تجاویزاورمشورے

۱) ہر طالب علم کوخطیب اورقلم کار بنانے کے بجائے ایسے طلبہ کا انتخاب کیا جائے جنہیں تحریر وتقریر سے مناسبت ہو۔

۲) ان کے معیار کے مطابق ادبی، تاریخی اور سیرت کی کتابوں کا نظم کیا جائے۔
۳) مشہور قلم کاروں کی کتابوں کا خلاصہ تیار کرایا جائے۔
۴) مشہور خطیبوں کی کتابوں، نیز ان کی آڈیو اور ویڈیو کیسٹ کے ذریعے خطیبانہ انداز کی مشق کی جائے۔
۵) رسائل وجرائد اور اخبارات کا مطالعہ کرادیا جائے۔
۶) ان کے درمیان مقابلہ کرایا جائے اور تشجیعی انعامات رکھے جائیں۔(۱)

صحافیانہ مزاج سے گریز

مدرسہ میں تعلیم وتعلم کی صحت مندانہ فضا کو پروان چڑھانے کے لیے ضروری ہے کہ مدرسہ میں ٹھوس علمی ماحول کا چلن ہو۔ اردو یا عربی میں سرسری اور محض اخذ واکتساب کے ذریعے روایتی مضمون نویسی یا خام صحافت کاری کے شوق کے پروان چڑھانے کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔ اس کے بجائے ٹھوس علمی ذوق کو ترقی دی جائے۔ وجہ یہ ہے کہ مدمقابل افکار ونظریات کے حامل عناصر کے اہل قلم میں سے اگر ایک بڑی تعداد عمومی صحافتی رنگ لیے ہوئے ہے تو ان کی دوسری اقلیت اپنے موضوع پر گرفت رکھنے والی بھی ہے، جسے یونیورسٹیوں اور دوسرے تحقیقی اداروں کی سرپرستی اور رہنمائی میسر ہے۔ اب اگر اتنی بڑی اور منظم تعداد کے مقابلے میں دینی فکر کے حامل افراد کسی گہری ریاضت یا وسعت مطالعہ کی کمی کے ساتھ پنجہ آزمائی کریں گے تو لامحالہ کمزور ہوں گے- بظاہر مدارس میں تحریر وتحقیق کے میدان میں (دوتین مثالوں کو چھوڑ کر) سناٹا طاری ہے اور اگر کہیں اس کا اہتمام ہے تو وہ بھی محض کچے پکے صحافتی اسلوب پر مبنی ہے۔ اس لیے مدارس کے تدریسی اسٹاف کو سرگرم صحافت سے پہلو بچانا ہی چاہیے کیونکہ سطحی، سرسری اور عقبی دروازے کی صحافت کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہے۔ تاہم جدید صحافت اور ابلاغ عامہ کے فکری اور عملی مظاہر پر خصوصی لیکچروں کا اہتمام ضروری ہے۔

---

(۱) معاصر دینی تعلیم، مشکلات واحوال: ۱۴۲

چند مثبت اور منفی پہلو

مثبت پہلو

- روزمرہ پیش آنے والے مسائل پر عوام کی راہنمائی کے لیے فتوی نویسی کا کام تسلسل کے ساتھ جاری ہے اور سینکڑوں مدارس میں مستقل طور پر دار الافتاء قائم ہیں جن سے لاکھوں مسلمان رجوع کرتے ہیں اور متعلقہ مسائل میں راہ نمائی حاصل کرتے ہیں۔
- اردو اور دیگر زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم اور تفاسیر، احادیث نبویہ اور فقہ کی مختلف کتابوں کی شروحات لکھی جارہی ہیں اور مختلف کاتب فکر کی طرف سے سینکڑوں ضخیم کتابیں اس سلسلے میں سامنے آچکی ہیں۔
- عقائد، عبادات، اخلاقیات، معاملات، معاشرت اور دیگر ضروریات پر دینی مدارس کے اساتذہ اور متعلقین کی تصانیف کو شمار کیا جائے تو ان کی تعداد کو ہزاروں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔
- دینی مدارس کی طرف سے دینی، اصلاحی اور تحقیقی جرائد کی اشاعت کی روایت شروع سے قائم ہے اور جو ایشیا کے مجموعی ماحول کو سامنے رکھ کر دینی مدارس کے جرائد کی تعداد کا اندازہ کیا جائے تو وہ یقیناً سینکڑوں سے متجاوز ہوگی۔ان جرائد میں اپنے اپنے مسلک اور مکاتب فکر کے مابین ترجمانی کے ساتھ ساتھ عام طور پر پیش آمدہ مسائل میں مسلمانوں کی راہنمائی، تاریخی واقعات، بزرگان اسلام کا تعارف، جدید مسائل پر بحث اور فقہی مذاہب اور فکری مکاتب فکر کے مابین مناظرانہ اور مجادلانہ بحث تمحیص کا سلسلہ بھی موجود ہے۔
- کچھ عرصہ سے جدید فکری و علمی مسائل پر اجتماعی بحث تمحیص اور تحقیق ومطالعہ کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ دیوبندی مکتب فکر میں اس وقت بھارت میں مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی قائم کردہ فقہ اکیڈمی، دار العلوم کراچی کے تحقیقاتی علمی کام اور المرکز

الاسلامی بنور کی علمی مجالس و مساعی کو اس سلسلے میں ایک اہم پیش رفت قرار دیا جاسکتا ہے۔

- قومی اخبارات میں مختلف مسائل کے حوالے سے دینی مدارس کے اساتذہ اور متعلقین کے مضامین کی اشاعت کا رجحان ترقی پذیر ہے اور اردو اخبارات میں شائع ہونے والے دینی مدارس کے متعلقین کے مضامین کا تناسب اگرچہ ضرورت سے بہت کم مگر پہلے سے بہتر ہے۔
- مختلف دینی مدارس میں تخصصات کے شعبے قائم ہیں جن میں درس نظامی کے فضلاء کو متعین عنوانات پر مطالعہ کرایا جاتا ہے، تحقیق و تالیف کی تربیت دی جاتی ہے ،ان سے مقالات لکھوائے جاتے ہیں اور ان کی تحقیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔
- دینی مدارس کے سینکڑوں فضلاء نے اب تک ملک اور بیرون ملک کی مختلف یونیورسٹیوں میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات تحریر کیے ہیں جو اگرچہ ان یونیورسٹیوں کی نگرانی میں لکھے گئے ہیں لیکن ان کی اصل اساس دینی مدارس کی تعلیم و تربیت پر ہے۔
- دینی مدارس سے تعلق رکھنے والی شخصیات کے مکاتیب اور خطوط بھی ہزاروں لوگوں کی تعلیم و تربیت اور فکری و روحانی اصلاح کا ذریعہ بنے ہیں اور بیسیوں شخصیات کے مکاتیب و خطوط اب تک کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔
- بعض بڑے مدارس نے انٹرنیٹ کی سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی اپنی ویب سائٹس قائم کر رکھی ہیں جن کی تعداد بیسیوں میں ہے اور وہ اپنے اپنے دائرے میں محدود سطح پر ہی سہی مگر مصروف کار ہیں۔ ان ویب سائٹس کے ذریعے سے جامعات کا تعارف کرایا جاتا ہے، اپنے اپنے مسلک کی ترجمانی کی جاتی ہے، اس کے ساتھ پیش آمدہ مسائل پر عوام کی راہ نمائی کے لیے خطبات و تقاریر،

مضامین ومقالات اور سوالات کے جوابات کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔

یہ تو وہ چند پہلو ہیں جنھیں تحقیق وتالیف کے میدان میں دینی مدارس کی مثبت کارکردگی کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے اور جو کسی حد تک یہ اطمینان دلاتے ہیں کہ دینی مدارس تحقیق وتالیف کے تقاضوں اور اہمیت سے بالکل غافل نہیں ہیں بلکہ اپنے اپنے ذوق، ماحول، فکری دائرے تربیتی پس منظر کے مطابق اس شعبہ میں بھی بہرحال مصروف عمل ہیں۔

منفی پہلو

اب ہم تصویر کے دوسرے رخ کی طرف آتے ہیں جسے تحقیق وتالیف کے میدان میں دینی مدارس کی کارکردگی کے منفی پہلو سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً:

- دینی مدارس میں تحقیق ومطالعہ کے حوالے سے مسلکی وابستگی اور شخصی عقیدت کو ترجیحات میں فیصلہ کن اولیت حاصل ہے، زیادہ تر وقت اور زور انھی دو ترجیحات میں صرف ہو جاتا ہے اور ترجیحات کے ان اوقات میں بعد کے مراحل کے لیے اکثر اوقات وقت اور صلاحیت، دونوں میں کوئی گنجایش باقی نہیں رہ جاتی۔
- فقہی اور مسلکی مباحث کے حوالے سے باہمی مناظرہ مباحثہ میں افہام وتفہیم اور تطبیق ومفاہمت کے بجائے ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کا ذوق غالب ہوتا ہے اور اس کے لیے طعن وتشنیع اور تحقیر وتمسخر کی زبان استعمال کرنے میں بھی بسا اوقات گریز نہیں کیا جاتا۔
- تحقیق ومطالعہ کا جدید اسلوب، طریق کار، ذرائع اور بین الاقوامی سطح کے علمی وتحقیقی اداروں کے کام اور طرز سے استفادہ دینی مدارس کے نزدیک ابھی تک شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی وجہ صرف بین الاقوامی زبانوں سے ناواقفیت نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ ذہنی اور نفسیاتی کیفیت بھی اس کا باعث ہے کہ ہمیں دنیا کے دیگر تمام حلقوں پر علمی اور فکری برتری حاصل ہے اور ہمیں کسی دوسرے حلقہ کے علمی کام سے واقف ہونے اور اس سے استفادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

- دینی مدارس میں عالم اسلام کے علمی حلقوں کی تحقیقات، دوسرے مسالک کے علمی کام اور غیر روایتی علمی مراکز کی تحقیقی مساعی سے استفادہ کو اپنی نفسیاتی برتری کے منافی تصور کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ بعد اور فاصلہ قائم رکھنے کو بھی تحفظاتی حکمت عملی کا ایک ناگزیر حصہ بنالیا گیا ہے۔
- بڑے مدارس اور طلباء کے رجحان کو دیکھتے ہوئے اب جگہ جگہ دارالافتاء قائم ہو رہے ہیں اور ان کا دائرہ ضرورت سے زیادہ پھیلتا جارہا ہے جس سے فتویٰ کی اہمیت اور معیار، دونوں متاثر ہو رہے ہیں۔
- اجتماعی اور قومی مسائل میں بھی تحقیق ومطالعہ اور علمی رائے کے اظہار کے لیے مسلکی دائرہ میں پابند رہنے کو ضروری سمجھا جاتا ہے اور ایسی روایت ابھی جڑ نہیں پکڑ سکی کہ کسی اہم قومی مسئلہ پر مختلف مکاتب فکر کے ذمہ دار علماء کرام مل بیٹھیں، مشترکہ طور پر مطالعہ وتحقیق کا اہتمام کریں اور باہمی مشاورت کے ساتھ اجتماعی رائے کا اظہار کریں۔ اس سلسلہ میں ۳۱ علماء کرام ۲۲ دستوری نکات اور عقیدہ ختم نبوت وناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناگزیر تقاضوں پر اتفاق کے سوا غیر سرکاری پرائیویٹ سطح پر گذشتہ نصف صدی کے دوران میں ہماری دینی تاریخ کا حصہ نہیں بن سکا۔
- دینی مدارس میں تحقیق وتالیف کے ذوق اور صلاحیت کی آبیاری کے لیے کوئی اجتماعی اور ادارتی نظم موجود نہیں ہے۔ یہ کم زیادہ تر رجحان اور ذوق کا رہین منت ہوتا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی، سرپرستی اور نگرانی بھی شخصی طور پر ہی ہوتی ہے۔
- دینی مدارس میں لائبریریوں کا نظام ناگفتہ بہ ہے۔ گنتی کے چند مدارس کے علاوہ اکثر مدارس میں یا تو لائبریریاں موجود نہیں ہیں، اور اگر موجود ہیں تو ان میں ضرورت کی اہم کتابیں، بالخصوص مختلف موضوعات پر حوالہ کی کتابیں میسر نہیں ہیں۔ کتابوں کے انتخابات میں شخصی اور مسلکی ذوق کا غلبہ ہوتا ہے اور اگر کسی مدرسہ کی لائبریری میں کچھ کتابیں پائی جاتی ہیں تو ضرورت، وقت اور سہولت کے مطابق

اساتذہ وطلبہ کی رسائی نہیں ہوتی۔

- انسانی سوسائٹی کا معاشرتی ارتقاء، تاریخ، نفسیات، پبلک ڈیلنگ، سیاست، معاشیات، تہذیب وثقافت اور دیگر عمرانی علوم نہ صرف دینی مدارس کی تدریس، تحقیق اور مطالعہ سے خارج ہیں بلکہ ان کی اہمیت وضرورت کا احساس بھی ابھی تک اجاگر نہیں ہوسکا جبکہ خود دینی مدارس کے مقصد قیام اور ان کے مذکورہ بالا اہداف کے حوالے سے یہ علوم انتہائی ضروری ہیں۔
- زبانوں کا مسئلہ دینی مدارس میں سب سے زیادہ ناگفتہ بہ ہے۔ انگریزی اور دیگر بین الاقوامی زبانوں کی بات تو رہی ایک طرف، عربی زبان بھی صرف کتاب فہمی تک محدود رہتی ہے اور دینی مدارس میں سالہا سال تک پڑھائی جانے والی زبان میں فی البدیہہ گفتگو، خطاب اور مضمون نویسی کی صلاحیت سے فضلاء کی غالب اکثریت محروم ہوتی ہے اور اس سے بھی زیادہ مظلومیت کا سامنا اردو کو کرنا پڑتا ہے وہ بطور زبان نہیں پڑھائی جاتی اور زبان کی اصلاح، جدید اسلوب سے شناسائی، محاوروں، ضرب الامثال اور اشعار کے برمحل استعمال کی تربیت اور سلاست وشستگی کا ذوق بیدار کرنے کا کوئی نظم اور اہتمام موجود نہیں ہے۔ بالخصوص مروجہ صحافتی زبان اور اسلوب تو سرے سے دینی مدارس کے ماحول میں اجنبی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اچھی خاصی علمی صلاحیت رکھنے والے اساتذہ اور طلبہ سادہ اردو میں مافی الضمیر کے اظہار کے لیے دو تین صفحات کا مختصر مضمون لکھنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔(۱)

مضمون نگاری کی مشق کے حوالہ سے مفتی شعیب اللہ خان صاحب فرماتے ہیں:

اسی کیساتھ ایک بات یہ بھی قابل توجہ ہے کہ طلباء کو جس طرح تقریر کی مشق کرائی جای ہے، اسی طرح ''تحریر'' کی مشق بھی کرانی چاہئے، تاکہ آج صحافت کی دنیا پر جوالحاتد

(۱) دینی مدارس کا نصاب ونظام، نقد ونظر کے آئینے میں: ۲۹۲۔۲۹۷، ابوعمار زاہد الراشدی، الشریعہ اکادمی، گوجرنوالہ، پاکستان

ودہریت اور جدیدیت کا قبضہ ہو چکا ہے، اوراس کی وجہ سے عوام انلاس ہر وقت علماء مخالف ودین مخالف تحریرات وبیانات پڑھ کر ذہنا وفکرا ان سے مرعوب ومتاثر ہوجاتے اور علماء ومدارس سے بلکہ دین وشریعت ہی سے بے زار ہوجاتے ہیں، اس صورت حال کا تدارک کیا جاسکے۔

آج عام طور پر علماء کے اس میدان سے ہٹ جانے کی وجہ سے الحادودہریت زدہ لوگوکا اس پر پوری طرح راج نظرآتا ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی مناسب ہوگا کہ پروفیسر بشیر حسین جو عام طور''روزنامہ سالار'' وغیرہ اخبارات میں علماء مخالف ودین مخالف بیانات دینے کے لئے عادی تھے، انہوں نے آج سے تقریبا تیرہ چودہ سال قبل اپنے چند مضامین میں ''مسلم پرسنلاء'' اور شریعت کے احکامات پر سخت اعتراضات کئے، اس وقت احقر نے ''سلار اخبار'' ہی کے ذریعے ان کا کئی قسطوں میں جواب لکھا اور ''روزنامہ سالار'' نے بھی پوری اہمیت کے ساتھ اس کو شائع کیا، جب میرا یہ مضمون شائع ہوا تو اس کے بعد وہی پروفیسر بشیر حسین نے ''سالار'' میں یہ لکھا کہ ''میں سالہا سال سے اخبارات میں لکھ رہا ہوں، مگر یہ پہلا موقع ہے کہ کسی عالم نے میرا جواب لکھا ٔ ہو''۔

اس سے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آج صحافت کی دنیا پر اسی قسم کے لوگوں کا تسلط ہے، اوران کا جواب بھی دینے والا کوئی نہیں، اگر بروقت ان کا تعاقب کیا جائے تو یہ ضرور میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے، چنانچہ الحمد للہ میرے اس جواب کے بعد ان پروفیسر صاحب کا منہ ایسا بند ہوا کہ آج تک کھل نہیں سکا۔

عربی مضمون نگاری کیسے سیکھیں؟

پہلا مرحلہ

اولاً: نحوی قواعد کے مطابق اردو جملوں کو عربی میں منتقل کریں، معلم الانشاء حصہ اول سے مدد لیں اور ہر اردو تمرین کے تحت جتنے جملے وہاں دیئے گئے ہیں، اتنے ہی جملے اپنی جانب سے اضافہ کرکے عربی میں ترجمہ کریں۔

ثانیاً: درسی وغیر درسی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے کوئی اچھا سا جملہ نظر آجائے تو اسی طرز پر بے شمار جملے لکھیں، یا اس کو دوسرے پیرایہ بیان میں ادا کریں مثلاً آپ نے ایک جملہ لکھا:

عجبا للذین لا یسئمون لذائذ الحیاۃ

اسی طرح اس طرح کے جملے آپ اپنی طرف سے لکھ سکتے ہیں:

عجبا للذین لا یمتنعون عن ارتکاب المحارم

اور

عجبا للذین لا یبذلون أقصی جهودهم لبناء مستقبلهم الزاهر

ثالثاً: کتابچے اور رسائل وجرائد میں کوئی مضمون پڑھیں تو اس کی تلخیص کریں، تلخیص کا فن مضمون نگاری کی سمت پہلا قدم ہے، کسی مضمون کی تلخیص دو حیثیتوں سے ہوسکتی ہے:

(الف) مصنف ہی کے الفاظ وتعبیرات میں تلخیص

(ب) مصنف کے مفہوم ومعنی کی اپنی زبان میں تلخیص

رابعاً: روز مرہ پیش آنے والے مشاہدات اور خود کے ساتھ پیش آنے والے چھوٹے چھوٹے واقعات کو عربی میں لکھیں یا روزنامہ لکھنے کی عادت ڈالیں۔

کسی عربی لغت کا کتاب کی طرح سے لگن اور سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کریں، میری ناقص رائے میں ''القاموس الجدید'' یا ''معجم الحی'' کا مطالعہ طلباء کے لئے بے حد مفید ہے، یہ ایک مختصر عربی لغت جس میں لفظ کی مختصر تشریح کے ساتھ ایک ایک مثال بھی دے دی گئی ہے۔

دوسرا مرحلہ

اولاً: معیاری جملوں کا ترجمہ کریں، اور پہلے مرحلے میں ذکر کئے گئے نکات کی روشنی میں اپنے معیار کو ترقی دیں۔

ثانیاً: ابتداء میں ایسے موضوعات پر مضمون نگاری کی مشق کریں جو خشک علمی اور خالص عقلی

موضوعات سے تعلق نہ رکھتے ہوں، پھر تدریجاً علمی موضوعات کی طرف آئیں، یہاں معلم الانشاء حصہ دوم اور سوم آپ کے لئے بہترین گائڈ بک ثابت ہوگی۔

ثالثاً: جن کتابوں کا مطالعہ کریں، ان کے مفہوم (لب لباب) کو نہایت اختصار کے ساتھ اپنی کاپی میں قلم بند کریں۔

رابعاً: مختلف مشہور دینی شخصیات پر تعارفی مضمون لکھنے کی ابتداء کریں، اگرچہ بادی النظر میں یہ آسان کام ہے، مگر حقیقت میں سیرت وسوانح کا حق ادا کرنا سب سے دشوار امر ہے۔

خامساً: اس مرحلے میں خطوط نویسی پر زور دیجئے اور روز نامچہ (مذکرہ) یا آپ بیتی پابندی سے لکھتے رہئے۔

تیسرا مرحلہ

اس مرحلہ میں آپ کو ''مضمون نویسی''، ''مقالہ نگاری'' اور ''معیاری (مؤثر اور سلیس) ادبی زبان'' میں کتابوں کے ترجمے یا ترجمانی کا کام کرنا ہے، مگر اس سے پہلے چند معرکۃ الآراء تصنیفات اور ان کے جملے کو سامنے رکھ کر دونوں کا ایک ساتھ دلجمعی کے ساتھ مطالعہ کریں۔

راقم اپنی ناقص رائے میں ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین''، ''معالم فی الطریق'' اور ''مبادی الاسلام'' اور ان کے ترجمے کا مشورہ دے گا کہ ان کے اردو اور انگریزی ترجمے بآسانی دستیاب ہیں، اگر آپ کو تینوں زبانوں سے شغف ہو تو تینوں ترجموں کو ایک ساتھ رکھ کر پڑھئے۔

آپ جب کہ علمی موضوعات پر قلم اٹھانے اور انشائیے تخلیق کرنے کی پوزیشن میں ہیں تو سب سے پہلے اپنے مضمون کا انتخاب کرنے کے بعد اس پر قدیم وجدید مصنفین نے جو کچھ لکھا ہے ان میں سے قابلِ ذکر کتابوں کا مطالعہ کریں، اور جب موضوع پر ایک حد تک حاوی ہو جائیں تو نوکِ قلم کو حرکت دیں اور اعتدال کے ساتھ فکر وخیال کو صفحہ قرطاس پر بکھیر دیں۔

عربی مضمون نگاری کے لئے چند راہنما اصول

۱) اپنے موضوع کے انتخاب اور اس کے مختلف پہلوؤں پر غور وفکر کے بعد اس کے ممکنہ عناصر ترتیب دے لیں، پھر گہرے مطالعے، عمیق فکر اور اہل علم سے تبادلہ خیال

کے بعد ہر ہر جز پر اپنی کاوش کا اظہار کریں۔

۲) عبارت سلیس، سادہ اور دلکش ہونی چاہئے، عبارتوں کو پر تکلف بنانے اور پیچیدہ ڈھونڈنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

۳) خواہ مخواہ ''متروک الالفاظ'' اور ''نامانوس الفاظ'' کا انبار جمع نہ کریں کہ ان کے بوجھ تلے معانی دب کر رہ جائیں۔

۴) از اول تا آخر پوری تحریر میں منطقی ترتیب قائم رہنی چاہئے، گویا ہر فقرہ دوسرے فقرے سے اور ہر ماسبق اپنے لاحق سے لڑی کے دانوں کی طرح مربوط ہو۔

۵) غیر ضروری مترادفات کے استعمال سے اپنی تحریر کو پاک رکھیں، موضوع اور ہیئت دونوں کو متوازن رکھیں، نیز ''غیر ضروری طوالت'' اور ''ناقص اختصار'' کا شکار نہ ہوں۔

۶) انشاء پردازی کی خوبی یہ ہے کہ فطرتِ انسانی کو اپیل کر سکے، اس کے لئے ضروری ہے کہ عام فہم انداز میں اظہارِ مافی الضمیر کیا جائے؛ لیکن بازاری زبان اور گھٹیا اسلوب سے پرہیز بھی ہو۔

۷) ''تحریر وقلم'' افہام وتفہیم اور پیغام رسانی کا ذریعہ ہیں، لہٰذا جو کچھ لکھا جائے دوسرے کے لئے لکھا جائے نہ کہ اپنے لئے۔

۸) از ابتداء تا انتہا مضمون کے مرکزی نقطہ (مرکزی خیال) سے ہٹنے نہ پائیں، اور ہر آن اپنے موضوع کی اہمیت وحرمت کا خیال رکھیں۔

۹) علاماتِ وقف اور فواصل (قواعدِ املاء) کا دقّت بینی کے ساتھ اہتمام کریں۔

۱۰) اپنے موضوع کو کسی نتیجے پر پہنچا کر ختم کریں اور تمہید وخاتمہ میں منطقی ربط اور نتیجہ خیزی پیدا کریں۔

۱۱) اہل زبان کے محاورے، مؤثر وشگفتہ جملے، بلیغ وفصیح ترکیبیں، اساتذۂ فن کے موضوع اشعار، اہل فکر ونظر کے اقوال، قرآن وحدیث کے واضح ہدایات سے اپنی بات کو تقویت پہنچائیں۔

عربی مضمون نگاری کے ضروری شرائط

☆ انسانی عادات کی طرح سے خارجی مطالعے کی عادت ڈالیں اور معیاری ومقصدی کتب ورسائل کا مطالعہ کریں۔

☆ اہل علم وارباب ذوق کی صحبت سے فیض حاصل کر کے اپنے علمی اورادبی ذوق کو فروزاں اوراپنی تنقیدی صلاحیت کو پروان چڑھائیں۔

☆ متعلقہ موضوع پر زیادہ سے زیادہ ٹھوس معلومات جمع کرنے کی کوشش کریں۔

☆ ہر مطالعہ، مشاہدہ یا مکالمہ کے حسن وقبح پر غور وفکر کرنے کی عادت ڈالیں۔

☆ متعلقہ موضوع کے حوالے سے کوئی نئی چیز کو ترتیب دینے کی کوشش کریں اور تکرار کی کلفت سے دور رہیں۔ہاں اگر تکرار کی غرض ''تذکیر (یاددہانی) ہوتو پھر جدت آفریں اسلوب اور مؤثر لب ولہجہ اپنائیں۔

آخر میں یہ نہ بھولیئے کہ آپ ایک زندہ قوم اور جغرافیائی حدود سے بالاتر بین الاقوامی سچے دین کے پیروکار ہیں، اس طرح سے آپ اس کے پیغام کے امین وعلمبردار ہیں؛ لہٰذا آپ کی زبان وقلم اور ساری توانائی وصلاحیت کو اسی پیغام کے پھیلانے میں خرچ ہونا چاہیئے اور اسی پیغام کا خادم ہونا چاہیئے۔(۱)

عربی اردو خوش خطی کی اہمیت

زبان وقلم کا استعمال شریعت اسلامیہ کا ایک حکم ہے، ایک آدمی اپنی فکر کی ترسیل جس طرح بول کر کرتا ہے، اسی طرح اپنی فکر کی ترسیل کے لئے قلم کو بھی ذریعہ اور وسیلہ بناتا ہے، اس لئے عقل کا تقاضا ہے کہ قلمی تحریر کی بناوٹ قابل قبول ہو، خط اور تحریر نہایت صاف ستھری ہو، کم ازکم اتنی صفائی تو تحریر میں ہونا چاہیئے کہ لکھا پڑھا جاسکے۔

حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

''حسن خط انسان کا بہت خوب صورت زیور ہے، میں تو کہا کرتا ہوں کہ

---

(۱) شائقین عربی کے لئے تحفہ، عربی مضمون نگاری کیسے سیکھیں: ۱۲=۲۱

کسی پڑھے لکھے آدمی کے لئے زیب نہیں دیتا کہ وہ بدخطی کے مرض میں مبتلا ہو، اگر خدانخواستہ مبتلا ہوتو اسے ''زوداثر دواؤں'' کے ذریعے اس کا ازالہ کرنا چاہئے، طالب علمی کے زمانے میں، میں حسنِ خط کا اس درجے رسیا تھا کہ جس طالب علم؛ بلکہ عالم کا خط برا دیکھتا تھا تو مجھے اس کے علم کے متعلق بدظنی ہوجایا کرتی تھی اور مجھے یہ خیال ہوتا کہ اس کو کچھ بھی اتا پتا نہیں ہے، یہ جاہل مطلق ہے، جب اس نے اپنا خط درست نہیں کیا، سطریں ٹیڑھی میڑھی ہوتی ہیں، حد یہ ہے کہ املاء تک درست نہیں ہے تو اس نے خاک پڑھا ہوگا۔۔۔۔۔۔میرا یہ یقین ہے کہ بدخطی اندرونی نفسیاتی اور ذہنی خامیوں، انتشار اور بے ترتیبی کی عکاسی ہوتی ہے''۔(۱)

حسن خط یہ وہ وصف ہے جس سے متصف انسان کی لوگوں کی نگاہوں میں قدر واہمیت ہوتی ہے، اس سے یہ اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کرتا ہے، اپنے مطالب کو حاصل کرتا ہے۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: والد کے اپنی اولاد کے حقوق میں سے یہ ہے کہ وہ اس کو لکھنا سکھائے "أن يعلمه الكتابة" اس کا اچھا نام رکھے، اور اس کے بالغ ہونے پر شادی کردے۔(۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "الخط الحسن يزيد الحق وضوحا"(حسن خط یہ حق کو اور زیادہ واضح کرتا ہے)۔(۳)

افلاطون نے کہا ہے: ''الخط عقال العقل'' (خط یہ عقل کی گرہ ہے)۔

یہ بھی قول ہے کہ خط اور کتابت اور تحریر ہی کے ذریعے نوع انسانی کی خاصیت

---

(۱) حرف شیریں: ۸۷-۸۸

(۲) الدیلمی

(۳) مرجع الطلاب فی الخط العربی: ۳۶، خالد محمد المصری الخطاط

بالفعل ظاہر ہوئی ہے، اس کی وجہ سے وہ سارے انسانوں سے ممتاز ہوا ہے، اسی سے احوال منضبط ہوئے، احوال درست ہوئے، مختلف زمانوں میں علوم محفوظ ہوئے، عادات واطوار نقل ہوئے، ایک زمانے کی خبریں دوسرے زمانے میں منتقل ہوئیں۔

یہ بھی قول ہے کہ: تمام علوم رہنمائی اور دلالت سے حاصل ہوتے ہیں: یا تو اشارہ سے، یہ یا الفاظ کے ذریعے یا خط اور تحریر کے ذریعے، اشارہ مشاہدہ اور دیکھنے پر موقوف ہوتا ہے، الفاظ مخاطب کی موجودگی اور اس کے سننے کے طالب ہوتے ہیں، خط اور تحریر کسی چیز پر موقوف نہیں ہوتے، ان کا نفع بھی عام اور تام ہوتا ہے۔

ابراہیم بن محمد شیبانی کہتے ہیں: خط اور تحریر یہ ہاتھ کی زبان ہے، ضمیر کی پکار ہے، عقل کی سفیر، فکر کی وصی اور معرفت کی تلوار ہے، بھائیوں کے لئے جدائیگی کے وقت انس کا ذریعہ، مسافت کی دوری پر گفتگو ہے، راز کا خزانہ ہے۔

خط اور تحریر کی قباحت اور برائی کے تعلق سے قول ہے: خط اور تحریر کی قباحت اور بدنمائی دو میں سے ایک قسم کا عیب ہے، خط اور تحریر کی بدنمائی ادیب کا عیب ہے، اور یہ قول ہے کہ یہ ادیب کا کوبڑا پن ہے:۔

عبداللہ بن طاہرؒ نے کسی کاتب کے بھونڈے خط کو دیکھا تو کہا: اس شخص کو دیوان کے منصب سے دور کر دو، چونکہ اس کی تحریر درست نہیں ہے، اس کی تحریر سے کسی پر زیادتی اور ظلم ہوسکتا ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: تحریر یہ ہاتھ کی زبان ہے۔

جعفر بن یحیٰؒ کہتے ہیں: یہ حکمت کی لڑی ہے، جس سے اس کے شذرات کی تفصیل بیان ہوتی ہے، اس کی موتیاں پروئے جاتے ہیں۔

تحریر خوبصورت نہیں تو کم از کم قبول صورت اور قابل فہم تو ہونی چاہئے، بدخطی ایذاء قاری ہے، اہمیت دے کر پورے مدرسے سے اور بالخصوص ابتدائی جماعتوں میں بدخطی سے توبۂ نصوح کی پرجوش مہم چلانا چاہئے۔

بیت بازی

حفظ اشعار کی اردو اور عربی ادب کے سیکھنے میں بہت زیادہ اہمیت وافادیت ہے، حفظ اشعار سے تکلم اور زبان دانی میں عبور اور کمال ہوتا ہے، مدارس میں بیت بازی کے مقابلے کرائے جاتے ہیں، پہلی جو شعر کہا جاتا ہے، اس کے آخری والے حرف سے دوسرا فریق شعر کہتا ہے، اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے ۔

بیت بازی کے شرائط اسطرح ہوتے ہیں:

۱۔ یہ بیت بازی اردو یا عربی کی فصیح و بلیغ زبان میں ہوگی۔

۲۔ اور بیت بازی میں پیش کردہ اشعار مشہور شعراء کے ہوں گے۔

۳۔ بیت بازی میں شرکت کرنے والوں کی زبان کی صحت، تکلم کی قدرت اور معنی کی ادائیگی پر طاقت ضروری ہوگی۔

۴۔ بیت بازی میں لچر اشعار نہ کہے جائیں، عمومی آداب، اخلاق اور دین حنیف کے بنیادی اصول کو ملحوظ رکھ کر بیت بازی کا مقابلہ منعقد ہوگا۔

اس بیت بازی اور مقابلہ شعر کے لئے اردو عربی وغیرہ میں بہت ساری کتاب دستیاب ہیں جو ''بیت بازی'' اور ''المساجلة الشعریہ'' کے عنوان سے لکھی گئی ہیں ۔ اس کی ہمت افزائی کی جانا چاہئے، تا کہ بچوں کو اشعار جو کہ صنف ادب کا عظیم پہلو ہوتا ہے اس کا بڑا ذخیرہ دینیات واخلاقیات وغیرہ پر مشتمل ان کو محفوظ ہوجائے اور وہ زبان دانی اور تکلم پر اور موقع بموقع اشعار کے استعمال کے ذریعے اپنی تحریر وتقریر کو جلا اور قوت بخش سکیں۔

رموز واوقاف

معانی کو دوسروں تک پہنچانے میں ممد ومعاون ایک دوسری چیز رموز واوقاف ہیں، رموز واوقاف کی اتنی اہمیت ہے کہ اگر اس کا حد درجہ صحیح صحیح خیال واستعمال نہ کیا جائے تو مثبت سے منفی، سوال سے جواب اور ایجاب سے سلب کا معنی ولبادہ اوڑھ لیتا ہے اور قاری عبارت وجملوں کا مطلب بالکل اس کے برعکس سمجھتا ہے جو کاتب یا رائٹر لکھنا چاہ رہا ہے، رموز اوقاف

کی اہمیت عربی، اوردنیا کی دوسری قابلِ لحاظ بولی اور لکھی جانے والی زبانوں میں ہے۔

رموزاوقاف

شمار	رموزاوقاف	اردونام	انگریزی نام	عربی نام
۱	،	چھوٹاٹھراؤ،سکتہ	COMME	الشولۃ
۲	;	ٹھہراؤ،وقفہ	SEMECOLON	الشولۃ المنقطوطۃ
۳	.	وقف تام،وقفہ	FULL STOP	النقطۃ
۴	:	رابطہ	COLON	النقطتان
۵	؟	سوالیہ نشان	SIGN OF IMTEROGATION	علامۃ الاستفہام
۶	!	ندائیہ،فجائیہ	NOTE OF EXCLAMATION	علامۃ الاستفہام
۷	-	خط	DASH	الشرطۃ
۸	‘‘ ’’	واوین	INECRTED COMMAS	التضبیب
۹	()	بین القوسین	BRACKETS	القوسان الہلالان

یہاں زیادہ استعمال میں آنے والی علامات اوررموزواوقاف کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔سکتہ(،)

یہ علامت بہت زیادہ استعمال کی جاتی ہے،اس کے استعمال کا ضابطہ یہ ہے کہ مختصر ترین وقفے کی علامت کے طور پر اسی کا استعمال کیا جاتا ہے،متکلم کی جس جگہ سانس ٹوٹ جائے؛لیکن ٹھہرے نہیں وہاں پر سکتے کی یہ علامت (،) استعمال ہوگی،عبارتوں میں قدم قدم پر اس کی ضرورت پڑتی ہے،اس کے استعمال کی جگہیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱) الفاظ معطوفہ کے درمیان: مثال کے طور پر: مروت، نرمی، خوش اخلاقی، نرم دلی اور خیر خواہی کے ذریعہ کسی کا بھی دل جیتا جاسکتا ہے، ایک ضروری بات ذہن نشین رہے کہ الفاظ مفردہ جب عربی میں استعمال ہوں تو وہاں پر ہر لفظ کے بعد ''واؤ'' اور (،) کاما دونوں آئے گا؛ لیکن اردو میں ہر جگہ ہر لفظ کے بعد (،) آئے گا، اخیر میں صرف اور آئے گا، کاما (،) نہیں آئے گا۔

۲) مختلف جملے ایسے استعمال ہو رہے ہیں جو ایک دوسرے پر معطوف ہیں تو ان سب جملوں میں معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان (،) کاما استعمال ہوگا۔

مثال: قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں، اسلام خدا کا آخری دین ہے، حدیث رسول شریعت کی تشریح ہے اور عربی زبان پر دسترس ہے، کتاب وسنت کو صحیح طور پر سمجھنے کی شاہِ کلید ہے۔

۳) شرط وجزاء کے درمیان (،) کاما آتا ہے، جیسے: اگر ہم جانتے داغ جدائی، نہ کرتے اتنی الفت تم سے بھائی۔

۴) طویل جملے کے مختلف اجزاء کے درمیان، مثلاً: تم مدرسے سے بازار گئے، بازار سے ریلوے اسٹیشن گئے، وہاں سے پوسٹ آفس گئے، اب پوسٹ آفس سے گھر آئے۔

۵) کسی نثر ونظم میں الفاظ کی الٹ پھیر، یا کلام کی طوالت سے پیدا ہونے والی پیچیدگی کو دور کرنے کے لئے بھی اہل زبان (،) استعمال کرتے ہیں جیسے: نہیں بہار کو فرصت، نہ ہو، بہار تو ہے۔ طراوت چمن وخوبی ہوا، کہے۔

دوسری مثال: تار ریشم کا نہیں، ہے یہ رگِ ابر بہار۔

۲۔ وقفہ (؛)

وقفہ کا استعمال ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں پڑھنے والے کو سکوت کے ساتھ، سانس لینے کی بھی اجازت ہو۔

(الف) کئی الفاظ کے درمیان جب سکتے کی علامت (،) لگی ہو تو جملے کے آخری جزو سے

قبل، وقفے کی علامت (؛) استعمال کرنے کی حاجت ہوتی ہے، مثلا: لکھنو، فیض آباد، مراد آباد؛ یہ بھی یو پی کے بڑے شہر ہیں۔

(ب) اگر جملے کے مختلف اجزاء پر زیادہ زور مطلوب ہو تو وہاں بھی وقفے (؛) کا استعمال کیا جائے گا، مثلا:

آنا، تو خفا آنا؛ جانا، تو رلا جانا آنا ہے، تو کہا آنا، جانا ہے، تو کہا جانا

(ج) جب جملوں کے ایسے دو حصوں کو ایک دوسرے سے علاحدہ کرنا ہو جن میں اندرونی طور پر سکتہ (،) موجود ہو، تو وقفے کی علامت (؛) استعمال کی جائے گی۔

جیسے: مولانا وحید الزمان کیرانوی کی القراءۃ الواضحہ اول، القراءۃ الواضحہ دوم، القراءۃ الواضحہ سوم، مولانا نور عالم خلیل امینی مدظلہ کی مفتاح العربیہ اول، مفتاح العربیہ دوم، عربی زبان وادب کی بہترین کتابیں ہیں۔

۳۔ختمہ: (.)=(۔)

اس علامت کا استعمال جملہ مکمل ہونے پر کیا جاتا ہے، اس علامت کو عربی اور انگریزی میں نقطہ (۔) رکھ کر لکھتے ہیں اور اردو میں چھوٹا ڈیش (۔) لگا کر، مثال: You write a letter. اکتب رسالۃ ۔۔۔۔۔۔۔۔اور اردو میں: میں ایک خط لکھ رہا ہوں۔

۴۔رابطہ (:)

اس علامت کو قول یا کہاوت کے بعد اس طرح (:) یا کسی جملے کی تفصیل سے پہلے یا مفصل کے اجمال سے پہلے، اس علامت (:) کا استعمال ہوتا ہے

مثلا: نبی کریم ﷺ کا قول ہے: ”من ساوی یوماہ فھو فی الخسران“ جس آدمی کے دو دن (نیک عمل میں) برابر ہو گئے وہ بھی گھاٹے میں ہے (اس کو اگلے دن گذشتہ سے زیادہ نیکی کرنا چاہئے)۔

کیا خوب سودا ہے: اس ہاتھ دے، اس ہاتھ لے

(نظیر اکبرآبادی)

یہی آئین قدرت ہے ، یہی اسلوبِ فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل پر گامزن ، محبوبِ فطرت ہے

(علامہ اقبال)

۵۔سوالیہ نشان (؟)

سوالیہ جملوں کے آخر میں استعمال کرتے ہیں، مثلا: کیا آپ مسجد جارہے ہیں؟، کیا تم ایک نیکی کو رائیگاں سمجھتے ہو؟

۶۔ندائیہ، فجائیہ (!)

(الف) یہ علامت منادی کے بعد لگائی جائے گی، مثلا:

حضرات! سامعین! پیارے بچو!

جس کو پکارا جائے وہ ''منادی'' کہلاتا ہے،

(ب) ناراضگی ، حقارت، اظہار تعجب ، خوف یا نفرت کے موقعوں پر ایک سے زیادہ علامت (!) استعمال کی جاتی ہے، مثلا:

میں اور بزم مے سے تشنہ کام آؤں!

سبحان اللہ! بہت خوب! معاذ اللہ! زیادہ تعجب اور نفرت کے موقعے پر ایک سے زیادہ علامتیں بھی لگا سکتے ہیں:

مثلا: سنا ہے کہ بلی دودھ کی حفاظت کر رہی تھی!!!

۷۔خط (-)

(الف) جملہ معترضہ کے شروع اور آخر میں اس علامت کو استعمال کرتے ہیں، مثلا: اللہ تعالیٰ نے ہی- جو رحیم و کریم ہے- ہمیں پیدا کیا ہے۔

(ب) کسی لفظ کی تشریح میں، کئی الفاظ لکھیں جائیں تو بھی (-) یہ علامت استعمال کی جاتی ہے، جیسے: پورا شہر- درخت، مکان ، سڑکیں- سخت کہر کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔

۸۔ واوین (’’‘‘)

(الف) کوئی اقتباس، یا کسی تحریر، یا قول نقل کرنا ہو تو واوین (’’‘‘) کا استعمال ہوتا ہے، مثلا: فضائل اعمال: ۱/۲۵۶ پر شیخ زکریا صاحبؒ لکھتے ہیں: ’’ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ اس کے پاؤں میں پھوڑا نکل آیا، طبیبوں نے کہا: اگر ان کا پاؤں نہ کاٹا گیا تو ہلاکت کا اندیشہ ہے، ان کی والدہ نے کہا: ابھی ٹھہر جاؤ، جب یہ نماز کی نیت باندھ لیں تو کاٹ لینا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، ان کو خبر بھی نہ ہوئی‘‘۔

(ب) کوئی خاص نام، جگہ، شہر، یا کوئی خاص اصطلاح ہو تو اس کو بھی واوین میں لکھتے ہیں، جیسے: ہندوستان کے شہر ’’بجنور‘‘ میں فسادات کا بازار گرم کیا گیا، ’’اسلام‘‘ کو ’’دہشت گرد‘‘ کہا گیا۔

۹۔ قوسین ( )-[ ]-{ }

(الف) جملہ معترضہ طویل ہو اور ان کے درمیان سکتوں کا استعمال کیا گیا ہو تو قوسین ( ) استعمال کرتے ہیں، جیسے: دار العلوم دیوبند کے حادثے سے (جس کو ذرائع ابلاغ نے خوب اچھالا، کچھ سمجھدار مسلمانوں نے بھی حصہ لیا) سب سے زیادہ تکلیف مسلمانوں ہی کو ہو سکتی ہے اور ہوئی۔

(ب) کسی وضاحتی جملے کو قوسین میں لکھتے ہیں، جب کہ اس کی طرف توجہ دلانا ہو جیسے: حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی اکثر کتابیں (جو مطبوعہ اور متداول ہیں) میرے کتب خانے میں ملتی ہیں۔

نظامِ مطالعہ

مطالعہ، لغت میں پڑھنے کو کہتے ہیں؛ لیکن مدارس کی اصطلاح میں سبق پڑھانے یا پڑھنے سے پہلے کو مطالعہ کہتے ہیں ۔جس طرح ایک دریا اور سمندر میں غوطہ زن اس کی گہرائیوں میں پہنچ کر نادر اور نایاب گوہر حاصل کرتا ہے، اسی طرح بحرِ علم وحکمت کا غواص، جب اس میں غوطہ زن ہوتا ہے تو یہ شخص بے شمار نکات اور معلومات کو اپنے دامن میں بھر لیتا ہے، اسی کو ’’مطالعہ‘‘ یا ’’کتب بینی‘‘ کہتے ہیں۔

مطالعہ کی اہمیت

ایک شہسوار قلم کے لیے مطالعہ اتنا ضروری ہے جتنا انسانی زندگی کی بقا کے لیے دانا اور پانی کی ضرورت ہے، مطالعہ کے بغیر قلم کے میدان میں ایک قدم بھی بڑھانا بہت مشکل ہے، علم انسان کا امتیاز ہی نہیں ، بلکہ اس کی بنیادی ضرورت بھی ہے، جس کی تکمیل کا واحد ذریعہ یہی مطالعہ ہے، ایک پڑھے لکھے شخص کے لیے معاشرے کی تعمیر ترقی کا فریضہ بھی اہم ہے، اس لیے مطالعہ ہماری سماجی ضرورت بھی ہے۔ اگر انسان اپنے اسکول ومدرسہ کی تعلیم مکمل کر کے اسی پر اکتفا کر کے بیٹھ جائے تو اس کے فکر ونظر کا دائرہ بالکل تنگ ہو کر رہ جائے گا۔ مطالعہ استعداد کی کنجی اور صلاحیتوں کو بیدار کرنے کا بہترین آلہ ہے۔ یہ مطالعہ کا کرشمہ ہے کہ انسان ہر لمحہ اپنی معلومات میں وسعت پیدا کرتا رہتا ہے اور زاویہ فکر ونظر کو وسیع سے وسیع تر کرتا رہتا ہے۔ مطالعہ ایک ایسا دوربین ہے جس کے ذریعے انسان دنیا کے گوشہ گوشہ کو دیکھتا رہتا ہے، مطالعہ ایک طیارے کی مانند ہے جس پر سوار ہو کر ایک مطالعہ کرنے والا دنیا کے چپے چپے کی سیر کرتا رہتا ہے اور وہاں کی تعلیمی، تہذیبی، سیاسی اور اقتصادی احوال سے واقفیت

حاصل کرتا ہے۔شورش نے کہا: کسی مقرر کا بلا مطالعہ تقریر کرنا ایسا ہی ہے جیسا بہار کے بغیر بسنت منانا، یا لو میں پتنگ اڑانا۔ یہ تو ایک مقرر کے سلسلے میں بات تھی، لیکن ٹھیک یہی صورت ایک قلم کار کی بھی ہے۔

مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں: آج لوگ لکھنے والے زیادہ اور پڑھنے والے کم ہو گئے، جس کے نتیجے میں تحریر کی اثر آفرینی ختم ہوگئی ہے، اس لیے تحریر کو مؤثر بنانے کے لیے ضرورت ہے کہ ایک ایک صفحہ کو لکھنے کے لیے سو صفحات کا مطالعہ ہو۔ پروفیسر عبدالمغنی کہتے ہیں: مطالعہ کی غرض علم کا حصول اور راہ عمل کی تلاش ہے۔شیشی کے اندر اگر مشک ہو تو کھولنے کے بعد خوشبو ضرور پھیلتی ہے، اسی طرح جب ایک قلم کار کا مطالعہ وسیع اور گہرا ہوتا ہے تو اس کی تحریر میں قوت اور اثر ہوتا ہے، ورنہ تحریر کمزور، پھسپھسی اور بے جان ہوتی ہے۔عربی کا ایک مشہور محاورہ ہے: زمانے کا بہترین دوست کتاب ہے۔ اسی کو شورش مرحوم نے اس طرح کہا ہے: کتاب سا مخلص دوست کوئی نہیں۔ اسی طرح ایک مفکر کہتا ہے: کتابوں کا مطالعہ انسان کی شخصیت کو ارتقا کی بلند منزلوں تک پہنچانے کا اہم ذریعہ، حصول علم و معلومات کا وسیلہ اور علمی تجرباتی سرمایہ کو ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل کرنے اور ذہن وفکر کو روشنی فراہم کرنے کا معروف ذریعہ ہے۔کتابوں سے جہاں معلومات میں اضافہ اور راہ عمل کی جستجو ہوتی ہے وہیں اس کا مطالعہ ذوق میں بالیدگی، طبیعت میں نشاط، نگاہوں میں تیزی اور ذہن و دماغ کو تازگی بھی بخشتا ہے۔

مطالعہ کن کتابوں کا ہو؟

مطالعہ ایسی کتابوں کا ہو جو نگاہوں کو بلند، سخن کو دل نواز اور جاں کو پرسوز بنا دے، اگر مطالعہ فکر کی سلامت روی، علم میں گیرائی اور عزائم میں پختگی کے ساتھ ساتھ فرحت بخش اور بہار آفریں بھی ہو تو اسے صحیح معنوں میں مطالعہ کہا جائے گا۔حقیقت یہ ہے کہ آج کا دور انتہائی ترقی پذیر اور مسابقہ کا دور ہے، ذرائع ابلاغ و ترسیل کی بہتات ہے اور سہولیات کی بھی کمی نہیں ہے، ایسے ہی طرح طرح کے اخبارات و رسائل اور کتابوں کی بھی فراوانیاں ہیں۔

اب ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ کتابوں کی اس ریل پیل اور جنگل میں کن کا مطالعہ کیا جائے اور کن کو چھوڑا جائے؟ اس کا سیدھا سا جواب یہی ہے کہ یہ ممکن نہیں، اس لیے کہ نہ ہر کتاب قابل مطالعہ ہے اور نہ ہی تمام کتابوں کے مطالعہ کرنے کی انسانی زندگی میں گنجائش۔ اس لیے انتہائی چھان پھٹک کر کتابوں کا انتخاب ہونا چاہیے۔ یہ بات بھی انتہائی ضروری ہے کہ کتاب ایمان سوز اور اخلاق سوز نہ ہو، اس لیے کہ مطالعہ ہی کے غلط رخ نے عبدالماجد کو ارتداد کے گڑھے میں ڈھکیل دیا تھا، لیکن بعد میں اسی شخص کے مطالعہ کی سمت جب درست ہوئی تو عبدالماجد مولانا عبدالماجد ہو گئے اور مفسر قرآن اس شخصیت کے نام کا جزو لاینفک بن گیا، صحت مند مواد اور مستند مصنفین کی کتابوں کے مطالعہ ہی کا کرشمہ کہنا چاہیے کہ امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ (نومسلم) دس بارہ سال ہی کی عمر میں اسلام کی طرف مائل ہو گئے تھے؛ اس لیے معتبر و مستند مصنفین ہی کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

کتابوں کے انتخاب کے سلسلے میں مولانا یعقوبؒ کے حوالہ سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ شاہ ولی اللہؒ کا ایک مقولہ نقل کرتے ہیں: جب کسی کتاب کے مطالعہ کا ارادہ کرو تو پہلے اس کے نام کو دیکھو، اگر نام ہی اصل مضمون کے مناسب نہ ہو تو اس کو چھوڑ دو، پھر تمہید کو دیکھو، اگر وہ کتاب کے مضمون کے مناسب نہیں ہے تو چھوڑ دو، اس کے مطالعہ میں وقت ضائع نہ کرو، جب نام اور تمہید میں مناسبت دیکھ لو تب آگے بڑھو۔ اس سلسلے میں ایسے اساتذہ کی رہنمائی بھی بڑی کارآمد ہوتی ہے جن پر مطالعہ کرنے والے کو مکمل اعتماد ہو، رہنما ایسا ہونا چاہیے جو بذات خود ہر اعتبار سے ایک پیاسے کی تشنہ لبی کو دور کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہو۔

مفکر اسلام ممتاز عالم دین مولانا علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں: مطالعہ کو وسیع کیجیے اور اس کے لیے اساتذہ سے، خاص طور پر مربی اصلاح سے اور ان اساتذہ سے جن سے آپ کا رابطہ ہے، ان سے مشورہ لیجیے۔ اسی طرح اس پگڈنڈی پر انتہائی سبک روی سے چلنے کی ضرورت ہے۔

مولانا ندویؒ مزید فرماتے ہیں: یہ ایک پل صراط ہے، اس پر سبک روی اور بہت احتیاط کے ساتھ چلنے کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے عظیم شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توریت جیسی عظیم المرتبت آسمانی کتاب کے مطالعہ سے منع فرما دیا تھا۔ مطالعہ کے بنیادی مواد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر یسین صدیقی ندوی کہتے ہیں: مطالعہ میں ہدایت نبوی کے مطابق سب سے اچھی چیزیں لے لیں اور بری چیزیں چھوڑ دیں، اس میں انصاف سے کام لیں کہ یہی خیر کا دروازہ ہے۔ ایسے ہی انسانی زندگی کے محدود ہونے کی وجہ سے تمام موضوعات کا احاطہ مشکل ہے، البتہ ہر موضوع سے کچھ نہ کچھ واقفیت ضروری ہے۔

چنانچہ نعیم صدیقی صاحب رقم طراز ہیں: بنیادی طور پر قرآن وحدیث اور ان سے متعلق علوم پر جس حد تک ممکن ہو نگاہ ہونی چاہیے پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کیسیرت پر نظر ہونی چاہیے ضروری ہے مطالعہ کا سفر کرنے والا ہر شخص کم از کم اپنے ملک اور اپنی قوم، بلکہ اپنی تہذیب کے ادبیات سے واقف ہو۔ جس طرح کتابوں کے انتخاب کا مرحلہ بڑا نازک ہے اسی طرح مطالعہ میں ترتیب کی رعایت بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے، اس لیے مطالعہ کے معیار کو بتدریج بڑھایا جائے، ایسا نہ ہو کہ نورانی قاعدہ پڑھا نہیں اور قرآن شریف ہی پڑھنا شروع کر دیا۔ طریقہ کار مطالعہ ایک خوب صورت گلشن کی مانند ہے، اس میں خوشبو بھی ہے، دل آویزی بھی ہے اور خاردار شاخیں بھی ہیں۔ ایک طرف جہاں مطالعہ کی اہمیت مسلم اور افادیت قابل ذکر ہے، ساتھ ہی ساتھ اس کے مواد میں انتہائی چاق وچوبندی ناگزیر ہے۔ اسی طرح اس کے طریقہ کار سے بھی واقفیت بہت ہی ضروری ہے اس لیے کہ کسی بھی کام کو اگر اس کے اصول وضابطہ سے کیا جائے تو وہ کارآمد ثابت ہوتا ہے، ورنہ نفع تو درکنار نقصان ضرور ہاتھ آتا ہے۔ فرض کیجیے ! آپ کے پاس وقت بھی ہے، کتابیں بھی اچھی ہیں، لیکن ذہن پریشان، آنکھوں میں درد اور روشنی بھی مدہم تو آپ مطالعہ نہیں کر سکتے، اگر اسی صورت حال میں مطالعہ کی کوشش کریں گے تو صحت پر اس کا بہت برا اثر پڑے گا۔ اس لیے صحت کا خیال بھی بہت ضروری ہے، بطور خاص آنکھوں کا خیال۔ یہ بھی

قابل ذکر بات ہے کہ اس خیال سے مطالعہ کو ہرگز ترک نہیں کرنا چاہیے کہ یاد نہیں رہتا، بلکہ مطالعہ ضرور کرے، کہیں نہ کہیں اس کا فائدہ ضرور ظاہر ہوتا ہے، اس لیے کہ مہندی میں سرخی پتھر پر بار بار گھسنے کے بعد ہی آتی ہے۔

مولانا عبدالسلام خاں لکھتے ہیں: مطالعہ جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی جلد محفوظ ہوگا اور تیز ہوگا، اس لیے کتب بینی کو سست روی یا یاد نہ رہنے کی وجہ سے ترک نہ کرنا چاہیے مطالعہ کے ساتھ ساتھ حاصل مطالعہ کو ذہن نشین کرنے کی تدبیر بھی ضروری ہے۔علم ومعلومات کی مثال ایک شکار کی سی ہے۔لہٰذا اسے فورا قابو میں کرنا چاہیے۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں: علم ایک شکار کی مانند ہے، کتابت کے ذریعے اسے قید کرلو۔ اس لیے مطالعہ کے دوران قلم کاپی لے کر خاص خاص باتوں کو نوٹ کرنے کا اہتمام کرنا چاہیے، ورنہ بعد میں ایک چیز کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور وہ نہیں ملتی ہے۔اب یا تو سرے سے بات ہی ذہن سے نکل جاتی ہے یا یاد تو رہتی ہے لیکن حوالہ دماغ سے غائب ہوجاتا ہے، ڈاکٹر عصمت جاوید کا کہنا ہے کہ: یاد رکھنے کے قابل بات پر دوران مطالعہ اہم مقامات پر نشان لگانے اور کتاب کی پشت پر سادہ اوراق میں اہم نکات کو کاپی یا کسی کاغذ کے پرزے پر ہی نوٹ کرلیں۔

اسی طرح ڈاکٹر احمد سجاد کہتے ہیں: بعض صفحات کے نمبروں کو لکھنے کی عادت ہنوز قائم ہے۔مطالعہ کے معا بعد بعض کتابوں پر ذاتی تأثرات تبصرے بھی اختصار کے ساتھ لکھنے کی عادت ہے۔

حاصل مطالعہ کیسے ذہن نشین ہو؟

یہ بھی ایک اہم عنصر ہے۔اس سلسلے میں نعیم صدیقی رقم طراز ہیں: میری ذہنی ساخت یوں بنی کہ میں حاصل مطالعہ کو دماغ میں ڈال دیتا اور میرے اندر اس پر غور و بحث کا ایک سلسلہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، کھانا کھاتے جاری رہتا، یہاں تک کہ اس کا مثبت یا منفی اثر میرے عالم خیال پر رہ جاتا۔معلوم ہوا کہ مطالعہ کے بعد حاصل مطالعہ کی بھی بڑی اہمیت ہے، ورنہ تو بات لا حاصل ہی رہے گی۔مطالعہ کے دوران جہاں اچھی کتابوں، خوش گوار فضا،

مناسب مقام، موزوں روشنی اور وقت کی تنظیم ضروری ہے وہیں صحت کا بھی خاص خیال رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔(۱)

مطالعہ سے مطلوبہ فوائد حاصل کرنے کے طریقے

۱۔ مطالعہ سے پہلے اس نیت کا استحضار کرے کہ وہ ثقافتی وعلمی طور پر مکمل ہوجائے اور دعوت وتبلیغ کا فریضہ ادا کرسکے اور اسلام کا پیغام پہونچا سکے اور اپنی قوم وملک کو فائدہ پہونچا سکے۔

۲۔ مطالعہ کے درمیان ذہن کو حاضر رکھے؛ تاکہ جو کچھ پڑھے اسے مکمل طور پر یاد رکھ سکے اور صحیح معنوں میں سمجھ سکے۔

۳۔ اہم عبارات اور بنیادی باتوں کے نیچے پنسل سے لکیر کھینچ دینا چاہئے، تاکہ جب اس بحث کو دوبارہ دیکھے تو یہ معانی اس کے ذہن میں راسخ ہوجائیں۔

۴۔ اساسی وبنیادی عنوانات کو پنسل سے صفحہ کے ایک کنارے پر لکھ دینا چاہئے؛ تاکہ ان مضامین کو اچھی طرح سے یاد رکھا جاسکے۔

۵۔ موضوع کے اہم عنوانات یا پسندیدہ ابحاث کو ڈائری میں الگ کتاب کے نام اور صفحہ نمبر کے ساتھ نوٹ کرلینا چاہئے، تاکہ دوبارہ ضرورت پڑے تو آسانی سے اصل مرجع کی طرف رجوع کیا جاسکے۔

۶۔ ایک الگ کاپی یا رجسٹر رکھنا چاہئے؛ تاکہ احادیث مبارکہ، ادبی لطائف اور حکیمانہ اشعار نیز تاریخی واقعات، علمی حقائق، دینی مسائل وفتاوی میں سے جو چیز پڑھنے والے کو بھلی معلوم ہو اور وہ اس میں لکھ لے۔(۲)

غیر درسی کتابوں کا مطالعہ

۱۔ کتابیں بہت ہیں اور عمر محدود، نہ ہر کتاب اہم ہوتی، نہ ہر کتاب کا پورا مطالعہ

---

(۱) مطالعہ کیوں اور کیسے؟ مولوی فاروق اعظم عاجز قاسمی، ماہنامہ الفاروق کراچی، ۱۴۳۰

(۲) دینی اداروں اور جماعتوں کی ذمہ داریاں: ۱۹۷-۱۹۸

ضروری ہوتا، اس لئے انتخاب کر کے اہم کتابوں کا ہی مطالعہ کیجئے۔

۲۔ کتابوں کا انتخاب میں اپنے تعلیمی معیار کا لحاظ کیجئے، بہتر یہ ہے کہ اپنے اساتذہ اور بڑوں کے مشورہ سے انتخاب کیجئے۔

۳۔ بعض کتابوں کے صرف اہم حصہ کا ہی مطالعہ کیجئے، باقی کو چھوڑ دیجئے۔

۴۔ مشکل الفاظ کے لئے لغت کا سہارا لیجئے، بغیر معنی ومطلب سمجھے صرف عبارت خوانی بے فائدہ ہے۔

۵۔ ایسی کتاب یا مضمون کا مطالعہ کرنا۔ بشرطیکہ اس کی ضرورت ہو یا وہ مفید ہو۔ نہ چھوڑ دیجئے جس کا اکثر حصہ سمجھ میں آتا ہو، کچھ نہ سمجھ میں آتا ہو۔

۶۔ ایک نوٹ بک بنایئے، مطالعہ کے دوران اہم باتیں، اہم جملے، اچھے اشعار جو نظر سے گذریں، اس نوٹ بک میں لکھ کر محفوظ کر لیجئے۔

۷۔ ایک کاپی پر حاصل مطالعہ بھی لکھ لیا کیجئے۔

۸۔ اہم مقامات پر قلم سے نشان لگائیں (بشرطیکہ اپنی ذاتی کتاب ہو)۔

۹۔ اخبارات کا ضرورت سے زیادہ مطالعہ نہ کیجئے، نہ ایک ایک خبر کو پڑھنے کی کوشش کیجئے۔

۱۰۔ بعض صورتوں میں باآواز مطالعہ، خاموش مطالعہ کے مقابلے میں، مضمون کو ذہن میں، مضمون کو ذہن میں جمانے کے لئے زیادہ مفید ہوتا ہے۔

مطالعہ کے عام اصول

۱۔ یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ مطالعہ کیجئے۔

۲۔ ایک جگہ جم کر مطالعہ کیجئے، نہ کہ ٹہل گھوم کر۔

۳۔ پورے دھیان اور توجہ کے ساتھ مطالعہ کیجئے۔

۴۔ دیر تک مطالعہ کرنے کی عادت ڈالئے، جلدی سے گھبرا کر کتاب نہ رکھ دیجئے۔(۱)

---

(۱) طلبہ مدارس دینیہ کی رہنمائی، ۶۰، مولانا مفتی جمیل احمد نذیری، مکتبہ صداقت، نوادہ، مبارک پورہ، اعظم گڑھ

اکابر کا ذوق مطالعہ

اسی طرح حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحبؒ نے فرمایا:

''طالب علم بغیر مطالعہ نہ پڑھے، کیوں کہ سبق بغیر مطالعہ کے پڑھنے سے پڑھتے وقت جب استاذ کچھ تقریر کرتا ہے تو سمجھ میں نہیں آتی، اگر سمجھ بھی لے تو جلدی یاد نہیں ہوتی، اگر یاد بھی ہو جاتی ہے تو ٹھہرتی نہیں، اگر سبق کو مطالعہ کر کے پڑھے گا تو ان تمام آفتوں سے محفوظ رہے گا۔

علمی کمالات کا اصل یہی ''مطالعہ'' ہے اور اسلاف کی سیرت میں یہ چیز نمایاں نظر آتی ہے، یہ ایسا ذوق ہے جس کو ہر کامیاب طالب علم اپنی زندگی کا نصب العین بنائے۔

- حضرت امام محمد رحمہ اللہ کے گھر میں ایک مرغ تھا جو وقت بے وقت بانگ دیا کرتا تھا، ایک روز آپ نے اسے ذبح کروا دیا اور ارشاد فرمایا:

  ''یہ مرغا میرے لئے ناحق علم ومطالعہ کے شغل میں حارج بنا ہوا ہے''(۱)

- حضرت حکیم ابونصر فارابی رحمہ اللہ زمانہ طالب علمی میں رات کو راستہ میں سپاہیوں کی قندیلوں تلے کھڑے ہو کر کتاب کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔

- حضرت امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کی بیوی نے کہا:

''واللہ لہذہ الکتب أشد علی من ثلاث ضرائر'' اللہ کی قسم! یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں۔

- قاضی عیاضؒ کی ''ترتیب المدارک'' میں امام عبد الملک رحمہ اللہ (ولادت ۱۷۴ھ وفات ۲۳۸ھ) کی سوانح میں آیا ہے۔

ان کے شاگرد ابوعمر یوسف بن یحی فرماتے ہیں کہ میں ایک دن عبد الملک بن حبیب سے کچھ حاصل کرنے کے لئے اندھیرے میں ان کے پاس گیا، میں نے حاضر ہونے

(۱) حدائق الحنفیۃ: ۳۵

کی اجازت طلب کی تو انہوں نے اجازت دے دی، جب میں داخل ہوا تو وہ اپنی مجلس میں کتابیں دیکھ رہے تھے جو انہوں نے اپنے اردگرد جمع کر رکھی تھیں وہ ان پر نظر کر رہے تھے، شمع سامنے جل رہی تھی اور ان کے سر پر لمبی ٹوپی تھی۔

میں نے سلام کیا، انہوں نے جواب دیا اور فرمایا: یوسف کیا رات نکل چکی ہے، میں نے کہا: ہاں! اور ہم تو نماز پڑھ چکے ہیں، وہ صبح نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، نماز پڑھ کر پھر اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئے اور فرمایا: یوسف میں نے صبح کی نماز ہمیشہ عشاء کے وضو سے پڑھی ہے۔

- حضرت خطیب بغدادی رحمہ اللہ راہ چلتے ہوئے بھی مطالعہ کرتے تھے، تاکہ آنے جانے کا وقت ضائع نہ ہو۔
- حضرت ابوالوفاء بن عقیل رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

  ’’میں کھانے کے وقت کو مختصر کرنے کی بہت کوشش کرتا ہوں، اکثر روٹی کے بجائے چورہ پانی میں بھگو کر استعمال کرتا ہوں، کیوں کہ روٹی اور چورہ کے استعمال میں کافی تفاوت ہے، روٹی کھانے میں کافی وقت لگتا ہے، جب کہ چورہ کے استعمال سے مطالعہ وغیرہ کے لئے نسبتا کافی وقت بچ جاتا ہے‘‘۔
- حضرت شیخ فتح بن خاقان رحمہ اللہ تعالی مطالعہ کے لئے کوئی نہ کوئی کتاب ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے، جب کسی ضرورت سے خلیفہ متوکل کی مجلس سے اٹھتے تو راستہ چلتے ہوئے مطالعہ شروع کر دیتے، تاکہ آمدورفت کا یہ وقت ضائع نہ ہو، اسی طرح جب خلیفہ متوکل کی مجلس سے اٹھتے تو فتح بن خاقان فورا کتاب نکال کر مصروف مطالعہ ہو جاتے۔(۱)
- حضرت ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنا حال بیان کرتے ہیں:

  ’’میں اپنا حال عرض کرتا ہوں، میری طبیعت کتابوں کے مطالعہ سے

(۱) فہرست ابن ندیم: ۱۳۰

کسی طرح سیر نہیں ہوتی، جب کوئی نئی کتاب پر نظر پڑ جاتی تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا، اگر میں یہ کہوں کہ میں نے طالب علمی میں بیس ہزار کتابوں کا مطالعہ کیا ہے تو کچھ بعید نہ ہوگا، مجھے ان کتابوں کے مطالعہ سے سلف کے حالات و اخلاق، ان کی عالی ہمتی، قوت حافظہ، ذوق عبادت، اور علوم نادرہ کا ایسا اندازہ ہوا جو ان کتابوں کے بغیر نہیں ہوسکتا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے اپنے زمانے کے لوگوں کی سطح پست معلوم ہونے لگی، اور اس وقت کے طلبہ پر علم کی کم ہمتی منکشف ہوگئی''(۱)

۞ حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانہ میں محنت اور جد و جہد کا یہ عالم تھا کہ کہتے ہیں کہ دو سال تک پہلو کے بل زمین پر نہیں سویا، بیٹھے بیٹھے ہی کچھ آرام کر لیتا اور پھر مطالعہ میں مشغول ہوجاتا، آپ زندگی کے مستعار لمحات کو تول تول کر خرچ کرتے، آتے جاتے بھی وقت بچاتے اور راہ چلتے مطالعہ کرتے۔(۲)

حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالی دن رات میں صرف ایک بار کھانا کھاتے، پھل نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''مجھے خوف رہتا ہے کہ پھلوں کے کھانے سے جسم میں رطوبت پیدا ہوجائے گی، اور پھر نیند کا غلبہ علم اور مطالعہ میں مخل ہوگا۔(۳)

۞ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ بیمار ہوگئے، طبیب نے کہا: ''مطالعہ نہ کریں، اس سے صحت پر برا اثر پڑے گا'' فرمانے لگے: ''صحت پر اثر پڑے گا؟ لیکن اچھا آپ ہی بتادیں کہ جس کام میں طبیب کو راحت محسوس ہو کیا اس میں مشغول رہنے سے مرض میں افاقہ نہیں ہوتا''

---

(۱) صید الخاطر: ۳/۶،۷

(۲) قیمۃ الزمن: ۴۷

(۳) تذکرۃ الحفاظ: ۴/۲۷۴۳

طبیب نے کہا: ''ضرور ہوتا ہے'' فرمانے لگے: ''بھائی! یہ مرض پھر ہمارے دائرہ علاج سے باہر ہے''۔

❁ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ کو مطالعہ کا بہت شوق تھا، اور یہ شوق زمانہ طالب علمی ہی سے تھا، چنانچہ اس دور میں علاوہ کتب درسیہ کے ساڑھے تین سو خارجی کتابوں کا مطالعہ کیا۔

آپ کا علمی مقام اس قدر بلند تھا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ محدث دہلوی آپ کو بیہقی وقت فرماتے۔

❁ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے کتب خانہ میں پندرہ ہزار کتابیں تھیں، شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کا مطالعہ کیا تھا''۔

❁ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ رات کی تاریکیوں میں بھی مطالعہ کرتے رہتے، کئی بار ایسا ہوا کہ دوران مطالعہ سامنے جلتے ہوئے چراغ سے آپ کا عمامہ جل گیا، لیکن آپ کو اس وقت اندازہ ہوا جب آگ عمامہ کو جلاتے جلاتے سر کے بالوں تک پہنچ گئی۔(۱)

❁ حضرت مفتی شفیعؒ صاحب نے ایک بار دارالعلوم کراچی کے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ: رات کو میری والدہ میرا انتظار کرتی تھیں کہ کھانا گرم کر کے دیں، ان کے انتظار میں مجھے تکلیف ہوتی تھی، بڑی منت سماجت سے اس پر راضی کیا کہ میرا کھانا ایک جگہ رکھ دیا کریں، سردیوں کی رات میں شوربہ اوپر سے بالکل جم جاتا اور نیچے صرف پانی رہ جاتا، میں وہی کھا کر سوجاتا۔(۲)

---

(۱) نزہۃ الخواطر: ۲۰/۵

(۲) البلاغ مفتی اعظم نمبر، بحوالہ نمونے کے انسان، مولانا اعجاز صاحب اعظمی: ۴۴، مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، مئو، یوپی

❁ ایک مرتبہ حضرت نانوتویؒ کے مخصوص شاگرد و مرید مدرسہ عبد الرب دہلی کے بانی حضرت مولانا عبد العلی صاحب دار العلوم تشریف لائے، معزز مہمان اور دوسرے اساتذہ کرام کے ساتھ دار العلوم کے اس وقت کے مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کھڑے تھے، قریب ہی سے والد صاحب بغل میں کتابیں دبائے گزرنے لگے تو مہتمم صاحب نے بلایا اور معزز مہمان سے فرمایا:

''یہ دار العلوم کا ایسا طالب علم ہے جسے اپنی کتابوں کے علاوہ کسی چیز کا ہوش نہیں ہے، نہ اپنے کپڑے کی خبر ہے، نہ جان کی، کتاب کا کوئی سوال پوچھو تو محققانہ جواب دے گا''(۱)

❁ ایک مرتبہ حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ سخت بیمار تھے، اور علالت طول پکڑ گئی، ایک دن صبح فجر کے وقت یہ افواہ اڑی کہ حضرت کا وصال ہو گیا، خدام پر بجلی گر گئی، اور نماز فجر کے بعد فوراً ہم سب حضرت کے مکان کی طرف لپکے، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ بھی ساتھ میں تھے، گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ بحمد اللہ خبر غلط تھی، البتہ تکلیف کی شدت برقرار ہے، ہم سب لوگ عیادت کے لئے کمرے میں پہونچ تو دیکھا کہ حضرت نماز کی چوکی پر بیٹھے ہیں، سامنے تکیہ پر ایک کتاب رکھی ہے اور اندھیرے کی وجہ سے حضرت جھک کر مطالعہ کر رہے ہیں، خدام کو یہ منظر دیکھ کر حیرت کے ساتھ تشویش بھی ہوئی کہ ایسی حالت میں مطالعہ کے لئے اتنی محنت برداشت کرنا مرض میں مزید اضافے کا موجب ہوگا، چنانچہ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ہمت کر کے ناز کے ساتھ عرض کیا کہ:

حضرت یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ کون سی بحث رہ گئی ہے، جو حضرت کے مطالعہ میں نہ آ چکی ہو؟ اور اگر بالفرض کوئی بحث ایسی ہو تو اس کی فوری ضرورت کیا پیش آ گئی کہ اسے چند روز مؤخر نہیں کیا جا سکتا؟ اور اگر بالفرض فوری ضرورت کا مسئلہ ہے تو ہم خدام کہاں مر گئے

(۱) البلاغ مفتی اعظم نمبر بحوالہ نمونے کے انسان: ۱/ ۴۴

ہیں، آپ کسی کو بھی حکم فرما دیتے، وہ مسئلہ دیکھ کر عرض کر دیتا، لیکن اس اندھیرے میں ایسے وقت آپ جو محنت و مشقت اٹھا رہے ہیں، وہ ہم خدام کے لئے نا قابل برداشت ہے''۔

اس کے جواب میں حضرت شاہ صاحبؒ کچھ دیر تو انتہائی معصومیت اور بے چارگی کے انداز میں مولانا شبیر احمد صاحبؒ کی طرف دیکھتے رہے، پھر فرمایا:

''بھائی ٹھیک کہتے ہو، لیکن یہ کتاب بھی تو ایک روگ ہے، اس روگ کا کیا کروں''؟(۱)

❁ مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ:

حضرت شاہ صاحبؒ (علامہ انور شاہ کشمیری) کے فیض صحبت کی بنا پر ہم لوگوں کو بھی مطالعہ کتب کی ایک دھن سی لگ گئی تھی، فراغت کے بعد تقریباً ایک سال تو میں نے اس طرح گذارا کہ چند اسباق پڑھانے کے بعد کتب بینی کے سوا کوئی کام نہ تھا، دوپہر کو دار العلوم دیوبند کے کتب خانے میں داخل ہوتا، ناظم کتب خانہ بعض اوقات باہر سے تالا لگا کر چلے جاتے اور میں اندر کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا۔(۲)

فرماتے تھے کہ دار العلوم دیوبند کے کتب خانے میں کوئی کتاب ایسی نہ تھی جو میری نظر سے نہ گذری ہو، اگر کسی کتاب کو میں نے (مفتی شفیع صاحب) پورا نہیں پڑھا تو کم از کم اس کی ورق گردانی ضرور کی تھی، یہاں تک کہ تمام علوم وفنون کی الماریاں ختم ہوگئیں تو میں نے ان الماریوں کا رخ کیا جنہیں کبھی کوئی شخص ہاتھ نہیں لگاتا تھا، یہ اشتات (متفرقات) کی الماریاں تھیں، اور جن کتابوں کو کسی خاص علم وفن سے وابستہ کرنا ناظم کتب خانہ کو مشکل معلوم ہوتا تھا، وہ ان الماریوں میں رکھ دی جاتی تھیں، ان کتابوں میں چونکہ موضوع کے لحاظ سے کوئی ترتیب نہ تھی، اس لئے اس جنگل میں داخل ہونا لوگ بے سود سمجھتے تھے کہ یہاں کوئی گوہر مطلوب حاصل کرنا ''تریاق از عراق'' سے کم نہ تھا، لیکن جب ساری الماری ختم ہوگئیں تو میں

(۱) نمونے کے انسان: ۱/۴۵

(۲) البلاغ مفتی اعظم نمبر، بحوالہ نمونے کے انسان: ۱/۴۸

نے اشتات کے اس جنگل کو بھی کھنگالا اور اس نتیجے میں ایسی ایسی کتابوں تک میری رسائی ہوئی جو گوشہ گمنامی میں ہونے کے باعث قابل استفادہ نہ رہی تھیں۔(۱)

- محدث العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

  ''میں نے اپنے زمانہ طالب علمی میں بیس روز میں ''فتح الباری'' کی تیرہ جلدیں مکمل دیکھ ڈالی تھی''(۲)

- چنانچہ حضرت شاہ صاحب کے مطالعہ کے بارے میں آپ کے معروف ومشہور شاگرد محدث کبیر حضرت علامہ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری ''نفحۃ العنبر'' میں لکھتے ہیں:

  ''عام طور پر اکثر علماء اسی وقت کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں، جب کسی خاص مسئلہ میں متعلقہ کتابوں کی طرف مراجعت کی ضرورت پڑ جائے، تاہم شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ کار اس سے یکسر مختلف تھا، مطالعہ کے بارے میں ان کا یہ اصول تھا کہ جب کوئی کتاب ان کے ہاتھ لگ جاتی، چاہے وہ کتاب مخطوطہ کی شکل میں ہو یا مطبوعہ، سقیم ہو، یا سلیم، کسی بھی علمی موضوع سے متعلق ہو، آپ وہ اٹھاتے اور اول تا آخر پوری کی پوری پڑھتے۔

آپ کی زندگی کی نہ جانے کتنی راتیں ایسی گذریں کہ ان میں پہلو بستر سے جدا رہا، راہ علم کا سامانِ سفر اسی وقت بنتا ہے جب منزل مطالعہ کی سختیاں برداشت کی جائیں اور یہ سختیاں اسی وقت سہی جاسکتی ہیں، جب طلب علم کا درد نصیب ہو، یہ زادراہ جب علم کے راہی کو ملتا ہے تو وہ پکار اٹھتا ہے:

''سینے سے لگا لو دیوانو! یہ درد بمشکل ملتا ہے''

---

(۱) البلاغ مفتی اعظم نمبر: ۱/ ۴۸

(۲) نقش دوام: ۱۱۴

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

''میں نے بخاری شریف کا مطالعہ بارہ بار کیا ہے''

مطالعہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ فرماتے، چنانچہ ابن ہمام کی ''شرح فتح القدیر'' جو آٹھ جلدوں اور ہزار ہا صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، اس کا مطالعہ کل بیس روز میں آپ نے فرمایا:، مطالعہ کے دوران تلخیص بھی جاری رہتی، اسی طرح مسند احمد کے دوسو صفحے روزآنہ کے اوسط سے مطالعہ کیا۔(۱)

- حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے علمی انہماک اور مطالعہ کی محنت کے متعلق لکھا ہے:

''دن رات کھانے، سونے کے ساتھ گھنٹوں کے علاوہ تمام وقت ایسی حالت میں گزارتے کہ کتاب آنکھوں کے سامنے ہوتی، مطالعہ میں آپ اس طرح محو رہتے کہ پاس رکھا ہوا کھانا، اگر کوئی اٹھا کر لے جاتا تو آپ کو خبر بھی نہ ہوتی، بسا اوقات کتاب دیکھتے دیکھتے سوجاتے اور رات کا کھانا یاد نہیں رہتا تھا''(۲)

- حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو کتب بینی اور مطالعہ سے اتنا شغف تھا کہ بیماری کی حالت میں بھی سرہانے کتاب رکھی رہتی، فرماتے تھے کہ: میری بیماری کا علاج ہی مطالعہ وکتب بینی ہے۔

- حضرت مولانا ادریس احمد کاندھلوی رحمہ اللہ کا مطالعہ اور علمی انہماک بڑا مشہور ہے، طالب علمی میں قلب کے دورے کی شکایت ہوگئی، اکثر بے ہوش ہوجاتے، جوں ہی ہوش آتا تو دوبارہ مطالعہ میں مشغول ہوجاتے، آپ کے بارے میں حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

''آپ کی صورت میں بھولا پن، سیرت میں معصومیت، اداؤں میں

(۱) نقش دوام (۲) تذکرۃ الرشید

ربودگی، گفتگو میں علم و تحقیق، مطالعہ کے اس قدر شوقین کے ہر وقت دار العلوم کے کتب خانے پر مسلط رہتے تھے''(۱)

❁ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ:

''اس ناکارہ کا معمول ۔۔۔ ۱۳۳۵ھ سے ایک وقت کھانے کا ہو گیا تھا، کہ رات کے کھانے میں مطالعہ کا بھی حرج ہوتا، نیند بھی جلد آتی تھی، پانی بھی زیادہ پیا جاتا تھا، ابتدائا میری ایک چھوٹی بہن کھانا لے کر اوپر میری کوٹھری میں پہنچ جاتی اور لقمہ بنا کر میرے منہ میں دیتی رہتی تھیں اور دیکھتی رہتی تھیں کہ جب منہ بند ہو جاتا تو دوسرا لقمہ دے دیا کرتی تھیں، اس ناکارہ کو التفات بھی نہ ہوتا تھا کہ کیا کھلایا، ایک دو سال بعد اس کو بھی بند کر دیا، اس زمانہ میں بھوک تو خوب لگتی مگر حرج کا اثر بھوک پر غالب تھا''(۲)

❁ حضرت علامہ بنوریؒ معارف السنن کی تصنیف میں اپنی محنت اور تلاش و جستجو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے اپنی طاقت وقوت، تخریج اور مآخذ کے مطلع ہونے پر پوری طرح صرف کی، ورق گردانی، متوقع اور غیر متوقع مقامات سے مسئلہ نکالنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی، کبھی میں ایک مسئلہ کی تلاش میں گھڑیاں ہی نہیں؛ بلکہ کئی کئی راتیں اور دن گزارتا اور اس کے لئے ایک کتاب کی کئی مجلدات پڑھتا (یعنی مطالعہ کرتا) جب مجھے اپنی متاع گمشدہ مل جاتی تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہتا''۔

بلکہ حضرت شیخ بنوریؒ فرماتے ہیں:

---

(۱) نقش دوام: ۶۵

(۲) آپ بیتی: ۱۰۸/۵

''معارف السنن کی تصنیف کے سلسلے میں مجھے مختلف کتابوں کے تقریبا دو لاکھ صفحات پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا موقع ملا، ایک مرتبہ فرمایا کہ ڈابھیل کے قیام میں ایسا بھی ہوا کہ ایک ایک بات کی تحقیق کے لئے میں نے پانچ پانچ سو، ہزار ہزار، دودو ہزار صفحات کا مطالعہ کیا''

ایک مقام پر حضرت شیخ رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ:

''کہ میں جب ہدایہ پڑھتا تھا تو ''فتح القدیر، البحر الرائق، اور ''بدائع الصنائع'' ان تینوں کتابوں کا دو سبق کے قریب مطالعہ کیا کرتا تھا، اور میرا مطالعہ ہمیشہ استاذ کے سبق سے آگے رہتا تھا، پھر ''مشکاۃ شریف'' کے سال ''بدایۃ المجتہد'' اور ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کا مطالعہ کرتا تھا، اور ڈابھیل میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت نصیب ہوئی اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے پاس مذاہب اربعہ کی کتابیں تھیں، چنانچہ میں '' کتاب الام'' فقہ شافعی '' المغنی'' فقہ حنبلی، اور ''المجموع شرح مہذب'' وغیرہ کا مطالعہ کیا''۔(۱)

❁ حضرت مفتی سعید احمد صاحب صدر مفتی مظاہر العلوم نے فرمایا کہ جلالین شریف میں بیس مرتبہ سے زیادہ پڑھا چکا ہوں، لیکن بغیر مطالعہ کے اب بھی نہیں پڑھاتا اور ہر بار مطالعہ میں ایک نیا لطف آتا ہے۔

کتابوں کا ادب واحترام

جن کتابوں سے علم حاصل کیا جاتا ہے، ان کا ادب بھی انتہائی ضروری ہے، بزرگان دین کا ارشاد ہے:''جب تم علم حاصل کرو تو ان تین چیزوں کا خیال رکھو ورنہ علم کی منزل نہ پاسکو گے۔

جس طرح استاذ کا ادب واحترام ضروری ہے، اسی طرح کتابوں کا بھی ادب

(۱) کامیاب طالب علم: ۱۴۱، مولانا روح اللہ نقشبندی

واحترام ضروری ہے، ہمارے اسلاف کو کتابوں کا کس قدر احترام تھا، یہ واقعات ملاحظہ فرمائیں:

❁ شیخ الاسلام برہان الدین رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ایک صاحب کتاب کے اوپر دوات رکھنے کے عادی تھے، تو ہمارے شیخ نے فرمایا:
”تم اپنے علم سے ہرگز فائدہ نہ اٹھا سکو گے“

❁ ایک عالم نے اپنے دو طالب علموں کو دو حال میں پایا، ایک تکیہ کا سہارا لئے مطالعہ کر رہا تھا، اور دوسرا دو زانوں مستعد بیٹھا کتاب دیکھنے میں مشغول تھا، اور کچھ لکھا بھی جاتا تھا، جوہر شناس استاذ یہ ماجرا دیکھ کر اول کی نسبت فرمایا:

”إنه لا يبلغ درجة الفضل“
یہ فضیلت کے کسی درجہ کو نہیں پہنچے گا۔
اور دوسرے کے بابت فرمایا:

”سيحصل الفضل ويكون له شأن في العلم“
یہ عنقریب فضل حاصل کرے گا اور اس کے لئے علم میں ایک بڑی شان ہوگی۔

❁ حضرت یوسف بن حسین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ادب سے علم سمجھ میں آتا ہے اور علم سے عمل کی تصحیح ہوتی ہے، اور عمل سے حکمت حاصل ہوتی ہے۔

❁ شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ عالم تھا کہ باوجود ریاحی امراض میں مبتلا ہونے کے بغیر وضو کے کتاب نہ اٹھاتے تھے، ایک بار مطالعہ کے دوران ان کو تقریباً سترہ بار وضو کرنا پڑا۔

❁ مزید فرماتے ہیں کہ ہم کو جو علم حاصل ہوا، اس میں علم کی عظمت کو بڑا دخل ہے، میرا یہ حال تھا کہ کبھی کسی کتاب کو بلا وضو نہیں چھوتا تھا۔

❁ مولانا احمد علی سہارنپوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ جو بعض طلباء بائیں ہاتھ میں دینی کتابیں اور دائیں ہاتھ میں جوتے لے کر چلتے ہیں بہت مذموم ہے، کیوں کہ یہ

خلاف ادب ہے اور صورۃ جو کتابوں کو فوقیت دینا ہے کتب دینیہ پر۔

❁ ایک مرتبہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے ایک صاحب سے فرمایا:

''کتاب وہاں رکھو''

ان صاحب نے وہ کتاب قرآن حکیم کے اوپر رکھ دی، حضرت نے فرمایا: ''نہیں نہیں! ایسا نہ کرو قرآن سب سے اوپر رکھو، اس کے نیچے وہ حدیث کی کتاب رکھو اور پھر یہ کتاب رکھو۔(۱)

❁ حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: جب مدینہ منورہ میں حضرت مولانا سید بدر عالم صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا تو دوران گفتگو فرمایا:

> ''دیوبند میں ایک مرتبہ میں لیٹے ہوئے کتاب کا مطالعہ کررہا تھا، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری صاحب قدس سرہ میرے (مولانا بدر عالم صاحب کے) کمرہ کے سامنے سے گذرے مجھے دیکھ کر نہایت غصہ کا اظہار کیا اور ناراض ہوئے بس صرف اتنا فرمایا: ''میں نے عمر بھر بغیر تپائی کے کتاب نہیں رکھی''۔

آخری ایام مرض میں حضرت شاہ صاحبؒ سامنے رومال بچھا کر کتاب رکھتے تھے۔

کتابوں کا ادب واحترام پر اور چند ضروری ہدایات

۱۔ کتابوں پر کچھ تحریر نہ کریں، ہاں ضرورۃ نام لکھ سکتے ہیں۔

۲۔ دورانِ سبق کتابوں پر ٹیک نہ لگائیں۔

۳۔ کتابوں پر اسٹیکر وغیرہ لگانے سے گریز کریں

۴۔ کتابوں کی طرف ہرگز ہرگز پاؤں نہ پھیلائیں۔

۵۔ دائیں ہاتھ سے کتاب بائیں ہاتھ سے چپل اٹھائیں۔

---

(۱) خدام الدین: ۱۷

۶۔ کتابوں کی ترتیب کا خاص خیال رکھیں، مثلاً منطق ونحو اور دیگر کتابوں کو حدیث اصول فقہ، فقہ کے اوپر ان تمام کتابوں کو ترجمہ والے قرآن اور یہ تمام کتابیں اور ترجمہ والا قرآن، قرآن پر مت رکھیں۔

۷۔ کتاب ادب کے ساتھ اٹھائیں۔

۸۔ کتاب کسی کو دیں تو پھینک کر نہ دیں، یہ کتاب کی بے ادبی ہے۔

۹۔ طالب علم کسی کتاب کو بغیر طہارت کے نہ چھوئے۔

۱۰۔ کتابوں کے اوپر سے پھلانگنا سخت بے ادبی ہے۔

۱۱۔ اس طرح نہ بیٹھیں کہ آپ اونچی جگہ ہوں اور کتابیں نیچے ہوں۔

۱۲۔ تفسیر وحدیث یا کوئی دینی کتاب کھول کر فضول باتیں کرنے سے گریز کریں۔

۱۳۔ کتابوں کو فرش پر رکھنا جب کہ نیچے کوئی چیز نہ ہو بے ادبی ہے۔(۱)

حضرت افتخار الحسن کاندھلوی مدظلہ فرماتے ہیں:

فرمایا کہ آج جو علم سے محروی ہے ا، اس کا سبب کیا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ علم کا احترام نہیں رہا، جتنا علم اور اہل علم کا احترام ہوگا، اتنا ہی علم حاصل ہوگا، ہمارے استاذ محترم شاہ اسعد اللہ صاحب اگر کوئی چٹائی پر یا مصلی پر کتاب رکھ دیتا تو سخت ناراض ہوتے اور ڈانٹ دیتے تھے کہ یہ بے ادبی ہے، کتاب کی بے ادبی علم سے محرومی کا سبب ہے۔(۲)

---

(۱) کامیاب طالب علم: ۱۲۲، ۱۲۳

(۲) ارشادات افتخار الاولیاء، ابوعثمان محمد شعبان بستوی، ۱۲۸، مدرسہ اسلامیہ سلیمانیہ، عیدگاہ، کاندھلہ، ضلع شاملی

نظامِ کتب خانہ

کتب کی اہمیت

کتاب کے ساتھ ہم مسلمانوں کو ایک خاص تعلق ہے۔ ہمارے نبی اکرم ﷺ پر جو پہلا اِرشادِ خداوندی اترا وہ یہی تھا کہ" پڑھ اور یہ اللہ تعالی کی نوازشات کی انتہا تھی کہ غارِ حرا کے اس نورانی لمحے نے حضور ﷺ کو علم کا شہر بنا دیا اور انہیں ایک عظیم کتاب کا حامل اور مبلغ قرار دیا۔ وہ کتاب جو سعادتوں اور برکتوں کا خزانہ ہے۔ گویا مسلمان دینی نقطۂ نظر سے اور وراثت کے اعتبار سے صاحبِ کتاب بھی ہے اور کتاب دوست بھی۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ماضی میں ہم مسلمان انفرادی طور پر مجموعی لحاظ سے عظیم کتب خانوں کے مالک رہے ہیں۔ کتب خانے کسی قوم کی علمی عظمت اور فکری بصیرت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اِس سلسلے میں ہم ایک شاندار تاریخ کے مالک ہیں۔ مخالف قوموں نے جب بھی مسلمانوں پر یلغار کی تو اس یلغار کی زد میں ہمارے جسم ہی نہیں آئے، ہمارے کتب خانے بھی آئے ہیں۔ تاتاریوں نے مسلمانوں کے سروں کے مینار بھی تعمیر کیے مگر اس کے ساتھ ہمارے قیمتی کتب خانوں کو دریاؤں میں غرق بھی کر دیا تاکہ مسلمان فکری، علمی اور ادبی لحاظ سے مفلِس ہو کر رہ جائیں۔ اِس سلسلے میں شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبالؒ کہتے ہیں؛

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارا

علامہ محمد اقبال بھی یہی پیغام دینا چاہتے ہیں کہ ہمارا علم آج مغرب میں پڑا ہوا ہے اور انہوں نے ان تحقیقات کو علم کے موتی کہا ہے۔ ایک وہ بھی زمانہ تھا جب اہلِ مغرب

اور ساری دنیا سے علم کی تلاش میں اشخاص عرب ممالک تشریف لاتے تھے، عربی زبان سیکھتے تھے، علم حاصل کرتے تھے اور پھر اپنے ملک جا کر اپنے لوگوں کو وہ علم سکھاتے ہیں اور آج ہمارا حال بھی انہیں جیسا ہے کیونکہ ہم پہلے ان کی زبان سیکھتے ہیں پھر ہم اپنے علم کو سمیٹتے ہیں۔

ہمارے مخالفین نے ہمیں یوں بھی لوٹا کہ وہ ہماری کتابوں کو یورپ کی لائبریریوں میں لے گئے اور وہ کتابیں جو ہمارے اسلاف کی تحقیقات کا نچوڑ تھیں اور ان سائنسی تحقیقات کی بنیادوں پر انہوں نے اپنی زمین کو آسمان بنا دیا اور ہم ان کی ترقی کو حیران کن نظروں سے دیکھتے رہے حالانکہ اہلِ مغرب کی سائنسی ترقی میں ہمارے اجداد کے خونِ جگر کی سرخی جھلکتی ہے۔ یہی بات علامہ اقبال بھی کہہ رہے ہیں۔

ایک اِنسان جب مصروفیاتِ زندگی سے اکتا جاتا ہے، زمانے کے غم جب اس پر چھا جاتے ہیں تو انسان زندگی کی ان تلخیوں سے بچنے کے لئے مختلف پناہیں ڈھونڈتا ہے، وہ ذہنی طور پر اپنے آپ کو کِسی دوسری طرف مصروف کرتا ہے۔ کھیل تماشے میں لگ جاتا ہے، فلمیں دیکھ کر زندگی کے غم دور کرتا ہے اور بعض لوگ نشہ آور اشیا میں عافیت تلاش کرتے ہیں اور اپنا وقت اور اپنی جان گنوا دیتے ہیں جبکہ اللہ کے بندے ذکرِ حق میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ میں یہ بالکل نہیں کہہ رہا کہ ہم کھیل نہ کھیلیں۔ متوازن زندگی کے لئے کھیل ضروری ہے۔ لیکن فحش فلمیں، موسیقی وغیرہ اور نشہ آور اشیا کو استعمال کرنے والا وقتی سکون کے لئے ایک دائمی زہر اپنی رگوں میں اتار لیتا ہے، یہ تفریحات وقت کاٹنے کا ایک ذریعہ تو ہیں مگر اصلاح و تعمیر کا کوئی نقش نہیں۔ یوں وقت بھی ضائع ہوتا ہے، صحت بھی تباہ ہوتی ہے اور ایک ایسی لت پڑ جاتی ہے جس کا کوئی علاج نہیں ہے اور جس کا نتیجہ جسمانی اور فکری تباہی ہے۔

کتب خانے ذہنی تفریح کا ایک تعمیری ذریعہ ہوتے ہیں۔ انسان کتابوں کی دنیا میں صرف اپنی کلفتوں کو بھول جاتا ہے بلکہ اس کی سوچ میں وسعت بھی آ جاتی ہے، اس کا دامن علم کے ساتھ ساتھ فضیلت کے موتیوں سے بھر جاتا ہے کیونکہ اس کے اندر ایک شعور پیدا ہوتا ہے، تقوی کا۔ جس قوم کے افراد علم و فضل کی دولت سے بہرہ ور ہوتے ہیں وہ سب سے پہلے اپنے باپ

دادا کی ان تصنیفات کو کتب خانوں میں محفوظ کر لیتے ہیں جن کو زمانے کی گردش سے خطرہ ہوتا ہے، ویسے بھی تاریخ انہی قوموں کا احترام کرتی ہے جو اپنے علمی سرمائے کی حفاظت کرنا جانتی ہے۔

مہنگائی کے اِس دور میں نئی کتابیں خریدنا، اکثریت کے لئے مشکِل ہو گیا ہے، انسان کے لئے ذاتی لائبریری بنانا بھی روز بروز ناممکن ہوتا جا رہا ہے، اِس اعتبار سے کتب خانوں کی اہمیت کہیں بڑھ جاتی ہے، انسان آسانی کے ساتھ جدید تصانیف سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور پھر ایک انسان نہیں بلکہ سینکڑوں انسان، سالہا سال ان علمی سرچشموں سے اپنی فکری پیاس بجھا سکتے ہیں۔ گویا کتابوں کو سنبھالنا، ان کی حفاظت کرنا اور ان کو کتب خانوں میں محفوظ کرنا ایک بہترین صدقہِ جاریہ ہے۔ اِس لئے لوگ اپنے ذاتی کتب خانوں کو قومی سطح کے کتب خانوں میں بطور عطیہ منتقِل کرتے ہیں تاکہ ان کی موت کے بعد یہ کتابیں اپنا نور بکھیرتی اور فِکر و خیال کی راہوں کو اجاگر رہیں۔ جب ہم کسی لائبریری سے کوئی کتاب لاتے ہیں تو ہمیں یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ کتاب خراب نہ ہو اور محفوظ رہے کیونکہ وہ ذاتی ملکیت نہیں لیکن ایسا نہیں کہ ذاتی کتب کی حفاظت بھی نہ کی جائے بلکہ ان کو بھی سنبھال کر رکھنا چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کو اس کتاب کی مستقبل میں ضرورت پڑے یا کسی دوست احباب کو ضرورت ہو۔ لائبریری سے لائی گئی کتاب ایک امانت کی مانند ہے، یہ ایک قومی دولت ہے اور اِس پر ہر ایک کا حق ہے۔ بعض لوگ لائبریری سے نادر کتابیں لے کر ان کی قیمت جمع کرا دیتے ہیں، یہ قومی نوعیت کا ایک سنگین جرم ہے۔ روپے تو مل جاتے ہیں مگر وہ نایاب کتابیں نہیں ملتیں۔ نتیجہ معلوم کہ ایک دنیا ان کے فیض سے محروم ہو جاتی ہے، جس طرح کتب خانوں کا قیام ایک کارِ ثواب ہے اِسی طرح وہاں سے کتابوں کو اڑانا، ایک جرم ہے۔

ہر انسان کی اپنی اپنی پسند اور اپنا اپنا ذوق ہوتا ہے۔ بعض تاریخی کتابیں پسند کرتے ہیں۔ بعض ادبی، بعض سیاسی ادب کا شوق رکھتے ہیں۔ بعض دینی کتابوں کا شوق رکھتے ہیں۔ ایک کتب خانے میں مختلف موضوعات سے متعلق کتابیں ہوتی ہیں اور اس علمی ذخیرے میں رنگا رنگی ہوتی ہے۔ ایک موضوع پر بہت سی کتابیں مل جاتی ہیں اور انسان بیک

وقت ایک موضوع پر ہر قسم کے خیالات سے استفادہ کرسکتا ہے۔

کتابیں بہترین رفیق ہیں۔ انسان انسان کو فریب دیتا ہے مگر کتاب کبھی دھوکا نہیں دیتی۔ کتاب کا ایک ایک ورق واضح، کھلا اور سچا ہوتا ہے۔ کتاب زندگی کی تلخیوں میں حلاوت پیدا کرتی ہے اِس سے وقت بہلتا، احساس سنورتا، فکر نکھرتا، اور ذوق شگفتہ ہوتا ہے۔ مگر یہ انہیں مہذب کتابوں سے ہی حاصل ہوسکتا ہے نہ کہ وہ کتابیں جو فحاشی کو فروغ دیں جن میں غزلیات زیرِ فہرست ہیں۔ کتاب ایک بہترین ناصح، ایک شفیق دوست اور ایک معتبر رہنما ہے۔ کتاب علم کے نور اور قلم کی عظمت کا ایک خوبصورت اظہار ہے اور جو لوگ علم اور قلم کے اِس سرچشمے سے خود کو وابستہ کر لیتے ہیں وہ کبھی گمراہ نہیں ہوتے۔ الغرض کتب خانے ایک قومی ضرورت ہیں، تنہائی کی نعمت ہیں، ادب اور فن کے خزانے ہیں، علم کا ایک سمندر ہیں کہ موجیں مار رہا ہوتا ہے اور ہر ایک کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنی ضرورت اور اپنے ظرف کے مطابق اپنی پیاس بجھاتا چلا جائے۔

کتب خانوں کی تاریخ

اتنی ہی قدیم ہے جتنی قدیم انسان کی تہذیب ہے۔ تہذیب کے آغاز سے ہی انسان نے ہر دور میں حاصل ہونے والے علم کا ریکارڈ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ کتب خانوں کی تاریخ کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب انسان کے پاس لکھنے کے لئے کاغذ قلم نہ تھا اور وہ مٹی کی تختیوں، چمڑے اور ہڈیوں پر تحریر کو محفوظ کرتا تھا۔ آج ہم لائبریری کی تاریخ کے اس عہد میں سانس لے رہے ہیں جہاں بات مائیکروفلم سے بھی آگے جا چکی ہے۔ آج کمپیوٹر کا دور ہے اور ڈیجیٹل لائبریریوں نے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ آشور بنی پال، سکندریہ کا کتب خانہ، عیسائیوں، ایرانی، ساسانی، یونانی، رومی کتب خانے، عربوں کے کتب خانے یورپ اور برصغیر کے حکمرانوں کے کتب خانے بہت مشہور ہیں۔

قدیم دور کے کتب خانوں میں آشور بنی پال، کتب خانہ سکندریہ اور کتب خانہ پرگامم قابل ذکر ہیں۔ سرزمین عراق کی تہذیب میسوپوٹیمائی کہلاتی ہے۔ وادی میسوپوٹیما کے مختلف شہروں کے کھنڈرات سے اس امر کی کافی شہادتیں ملی ہیں کہ وہاں پر سرکاری، مذہبی

اور نجی کتب خانے موجود تھے۔کلدانی میں سارگن بادشاہ نے ایک کتب خانہ قائم کیا جسے دنیا کا قدیم ترین کتب خانہ قرار دیا جاتا ہے۔آشوریوں نے 200ق،م سے 500ق،م تک شاندار کتب خانے قائم کئے،آشوری عہد کا سب سے اہم کتب خانہ شاہی کتب خانہ تھا جسے سارگن دوم نے 705 میں قائم کیا۔آشور بانی پال نے اپنے دادا سارگن دوم کے قائم کردہ کتب خانے کو اپنے دارالخلافہ منتقل کر کے اسے اپنے نام سے موسوم کر دیا۔آشور بنی پال کے کتب خانے میں 2لاکھ 30ہزار مٹی کی تختیاں تھیں اور اس کتب خانے کو پہلا عوامی کتب خانہ بھی کہا جاتا ہے۔دنیا کا پہلا منظم کتب خانہ سکندریہ تھا اور اس میں منہ مانگی قیمت پر کتب خرید کر رکھی جاتی تھیں اس میں رکھے گئے مواد کو مضامین کے اعتبار سے رکھا جاتا تھا۔اس کا قیام 323ق۔م میں مصر میں عمل میں آیا اور اس میں ذخیرہ کتب 9لاکھ تھا۔اس کی تعمیر و قیام میں بطیموس دوم نے اہم کردار سرانجام دیا تھا۔یونانی کتب خانوں میں کتب خانہ ارسطو، کتب خانہ افلاطون اور پرگامم کا کتب خانہ قدیم ترین ہیں۔افلاطون کے متعلق قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کے پاس بھی ایک شاندار کتب خانہ موجود تھا جو اس کی وفات کے بعد کہاں گیا کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے البتہ ارسطو کے کتب خانے کے حوالے سے تاریخی شواہد موجود ہیں۔یہ کتب خانہ سینکڑوں کتابوں پر مشتمل تھا جو کہ ایک اندازے کے مطابق 4سو رولز پر مشتمل تھا۔نجی کتب خانوں کا بانی ارسطو کو کہا جاتا ہے۔ارسطو نے کتب خانوں کی تنظیم و ترتیب سائنسی بنیادوں پر رکھنا شروع کی تھی۔قدیم یونان کا دوسرا اہم ترین کتب خانہ پرگامم ہے جسے اتالوسی دوم نے 137 سے 159 تک قائم کیا۔پرگامم کا مواد پیپرس رولز اور پارجمنٹ پر مشتمل تھا اور یہ ذخیرہ دولاکھ کے لگ بھگ تھا۔یونانی کتب خانوں میں ادب، تاریخ، سائنس، ریاضی، فلسفہ، مذہبیات، سیاسیات اور اخلاقیات جیسے موضوعات پر ذخیرہ کتب زیادہ تھا۔سرزمین روم میں عوامی کتب خانے،نجی کتب خانے اور مخصوص کتب خانے موجود تھے۔ 360 سے 370 تک روم میں 28عوامی کتب خانے موجود تھے۔کتب خانہ پلینی،سسرو،اٹیکس،سانونیکس اور سیلوسی کالیکس روم کے مشہور کتب خانے ہیں،وم کے یہ

تمام کتب خانے 16 ویں صدی تک نیست و نابود ہو گئے۔ چوتھی یا پانچویں صدی عیسوی میں برصغیر پاک و ہند میں کتب خانے موجود تھے۔ جنہیں زیادہ تر مذہبی عمارتوں میں قائم کیا جاتا تھا۔ کتب خانہ نالندہ یونیورسٹی، وکرم سلا، جین لائبریری اور سرسوتی بھنڈار برصغیر کے قدیم کتب خانے ہیں۔ پرانے وقتوں کے عظیم کتب خانوں کی دو اہم خصوصیات علم دوستی اور حکمرانوں کی ذاتی دلچسپی اور ان کی ہیئت و تنظیم میں ہم آہنگی تھی۔

دینی مدارس اور کتب خانے

- طلبہ کی تعلیمی سرگرمیوں کے محور و مرکز کے طور پر سب سے اہم چیز لائبریری یا کتب خانہ ہے۔ اکثر دینی مدارس کی لائبریریاں تو صرف اساتذہ کی تدریسی ضروریات پورا کرتی ہیں اور انہیں اساتذہ ہی استعمال کرتے ہیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ ان لائبریریوں کو وسعت دی جائے، ان میں وہ تمام کتب مہیا کرنے کی کوشش کی جائے۔ جنھیں طلبہ اپنے مطالعے میں گہرائی پیدا کرنے کے لئے پڑھیں، اور ان میں ہم عصر زندگی کا فہم وادراک پیدا ہو۔ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں اور جدید سماجی مسائل سے واقف ہو سکیں۔ وہ اعلی درجے کی علمی اور دینی کتب کے مطالعے کے ساتھ ہی ساتھ عمدہ اخلاقی ناول، سوانح، تاریخ، تذکرے، شاعری سفرنامے بھی پڑھ سکیں۔ اس ضرورت کی تکمیل کے لیے ایک جانب مدرسہ کی لائبریری مضبوط ہو تو دوسری جانب پبلک لائبریریوں میں دینی طلبہ کے لیے اجرائے کتب کو یقینی بنایا جائے۔ پبلک لائبریریوں کا منظم نظام انھیں مراجع کی تلاش، اور مختلف کتب سے استفادے کے طریق کار سے روشناس کرا سکتا ہے۔
- کتب خانہ میں درسیات اور ان سے متعلق شروحات اور درسی مضامین کے لئے معین کتابیں جمع کی جائیں۔
- وہ شروحات یا کتابیں جن کی ہر مدرس کو ضرورت پڑتی ہے ان کے کئی کئی نسخے ہونے چاہئے۔
- غیر درسی کتب میں جن کی مزاولت اور ضرورت زیادہ ہوتی ہے وہ پہلے خریدی جائیں، جن کی برسوں ضرورت نہیں ہوتی ان کی خریداری مؤخر کی جاسکتی ہے۔

- سالانہ بجٹ میں کتب خانہ کے لئے ایک رقم مخصوص کرلی جائے، جس سے ہر سال نئی کتابیں خریدی جاسکیں۔
- کتب خانہ کا ایک ناظم ہو اور ایک خادم ہو ہر کتاب اندراج کرکے ہی دی جایا کرے۔
- طلبہ و مدرسین خود سے کتابیں نہ نکالیں؛ بلکہ ناظم سے کتاب طلب کریں۔
- کتابیں فن وار رجسٹر میں درج کی جائیں اوران کو فن نمبر دیا جائے، ان پر "چٹ" لگی ہو۔
- ایک جنرل رجسٹر ہو جس میں آنے والی کتاب درج کی جائے۔(۱)

ایک استاذ کے ساتھ کتب خانہ میں دو طلبہ معاون کی حیثیت سے ہونے چاہئے اور کتابیں سلیقے سے رکھنا، دینا واپس لینا، بائنڈنگ کرنا، نئی کتابیں منگانا وغیرہ تمام کام بحسن وخوبی انجام دیں۔

کتب خانہ کے امور

۱- کتب خانہ کی صفائی کی فکر کرنا۔
۲- تمام کتابوں پر سکہ مارنا خاص طور پر آنے والی کتابوں پر۔
۳- تمام کتابوں پر فنون وسیریل نمبر خاص طور پر دینا اور رجسٹر میں اندراج کرنا۔
۴- فن کے اعتبار سے کتابیں الماری میں رکھنا۔
۵- زائد جلدوں والی شروحات کو کتب خانوں سے منگانے کی فکر کرنا۔
۶- بوسیدہ کتابوں کی فکر کرنا۔
۷- کتابوں میں برابر دوا مارتے رہنا۔
۸- کتابوں کی جلد سازی کی فکر کرنا۔
۹- لمبے عرصے اور چھوٹے وقفہ کے لئے دی جانے والی کتابوں کا رجسٹر تیار رکھنا۔
۱۰- انجمن کے طلبہ کو کتابیں دینا اور وقت مقررہ پر کتابیں لینے کی فکر کرنا۔

(۱) مدارس دینیہ کے لئے رہنمایانہ اصول، ص:۲۰، مولانا سید ذوالفقار صاحب نقشبندی، شیخ الحدیث مدرسہ فلاح دارین، ترکیسر، صورت، گجرات۔

۱۱- طلبہ کو دی گئی کتابوں کی وقتاً فوقتاً جانچ کرتے رہنا۔

۱۲- استاذ یا طالب علم کو براہِ راست خود کتابیں دینا، درمیان میں واسطہ نہ بنانا۔

۱۳- کتب خانہ میں ضرورت سے زائد چیزیں نہ رکھنا۔

۱۴- تمام الماریوں کی چابیاں ایک جگہ باکس بنا کر رکھنا، خراب ہونے پر درست کرنے کی فکر کرنا۔

۱۵- کتابوں کا بِل جو آیا ہے کلرک کے پاس دینا اور بل کی ادائیگی کی فکر کرنا۔

۱۶- ضرورت کی کتابوں کو ذمہ داروں کے مشورہ سے منگوانا۔

۱۷- درسی وغیر درسی کتابیں وقت مقررہ پر وصول کرنا اور خراب ہونے پر مناسب قیمت وصول کرنا۔

۱۸- آئندہ سال ضرورت کی کتابوں کی فہرست تیار کر کے آغاز مدرسہ سے پہلے منگوانا۔

۱۹- صبح ۷:۳۰ سے ۸:۳۰ اور دوپہر میں ۳ سے ۵ تک اور عشاء کے بعد متصل آدھا گھنٹہ اور مغرب بعد ایک گھنٹہ کتب خانہ کو کھلا رکھنا۔

۲۰- کتابوں کی قیمت نہ وصول ہونے پر گھروں کو خطوط کے ذریعہ اطلاع دینا۔

۲۱- کتب خانہ سے متعلق اعلانات ذمہ دار کے ذریعہ طلبہ میں کروانا۔(۱)

❁ طلباء اور اساتذہ کو مطالعہ کے مواقع فراہم کرنے کے لئے معتد بہ کتابوں پر مشتمل وسیع کتب خانہ کا نظم ضرور کریں۔(۲)

نظام رسائل واخبار

طلبہ کا ایک دار المطالعہ ہو، جس میں ملک میں نکلنے والے دینی اصلاحی رسائل منگائے جائیں اور ہفت روزے اور روز ناموں سے معیاری اخبارات ورسائل جاری کرائے جائیں۔(۳)

---

(۱) معین المدارس: ۲۱۵ تا ۲۱۸، مفتی شاکر صاحب، بیت العلوم

(۲) تیرہ سالہ خدمات، صدیق اللہ چودھری: ۲۲

(۳) مدارس دینیہ کے لئے رہنما اصول: ۱۹، ۲۰، مولانا سید ذوالفقار احمد

دینی مدارس میں عربی رسائل واخبارات کے مطالعہ کا رجحان بالکل نہیں ہے، عربی کے جدید اسلوب، نئی تعبیرات اور عصری اصطلاحات سے واقفیت کے لئے اسلامی ذوق کے حامل معیاری اخبارات ومجلّات کا مطالعہ مناسب ہی نہیں ضروری ہے؛ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اخبارات ورسائل سے کسی زبان کی تعبیر واظہارِ خیال میں جتنی قدرت حاصل ہوتی ہے، وہ کسی اور چیز سے نہیں، عربی کے مشہور ادیب مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ اپنی تعلیم کے تذکرہ میں اخبارات ورسائل کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عربی زبان کے خزانۂ عامرہ کے نوادر جو صدیوں سے سر بمہر تھے، عربی ادیب اپنے رسائل کے کھلے صفحات میں روزانہ لٹاتے ہیں اور امیر شکیب ارسلان کے بقول ’’عہد عباسی کا ایک ادیب برسوں میں جتنا لکھتا تھا وہ اس عصر کا ادیب وصحافی چند دنوں میں لکھ لیتا ہے‘‘ بھائی صاحب کی مدد سے میں نے اخبار پڑھنا شروع کیا اور اس سے جتنا فائدہ اور تعبیر واظہار خیال میں جتنی قدرت حاصل ہوئی، ادب زبان کی کسی کتاب یا کتابوں سے نہیں ہوئی۔(۱)

ارباب مدارس طلبہ کو بہت سے سہولتیں بہم پہنچاتے اور مختلف درسی امور کا انتظام تو کرتے ہی ہیں، مدرسہ کی لائبریری میں طلبہ کے لئے عربی رسائل ومجلّات کا بھی انتظام کریں تو کوئی مشکل نہیں، البتہ اس میں اتنی بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ طلبہ کے لئے مہیا کئے جانے والے رسائل واخبارات سنجیدہ، گہرے اور طاقتور اسلامی ادبیات اور ماحول کے حامل ہوں؛ تاکہ معنوی وذہنی حیثیت سے بھی ذوق ودماغ پر اچھا اثر پڑے، اس سلسلہ میں ’’البعث الاسلامی‘‘، ’’الرائد‘‘، ’’الداعی‘‘، ’’الرابطۃ‘‘، ’’الدعوۃ‘‘، ’’المجتمع‘‘، ’’البلاغ‘‘ اور ’’المسلمون‘‘ وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔(۲)

---

(۱) میری مطالعاتی زندگی: ۶۰، بحوالہ دینی مدارس کی ضرورت واہمیت: ۹۷، ابن الحسن العباسی

(۲) دینی مدارس کی ضرورت واہمیت: ۹۷، ۹۸ ابن الحسن العباسی

نظامِ امتحان

یہ کہنا تو آسان نہیں ہے کہ مدارس عربیہ میں امتحانات کا طریقہ عموماً مروج تھا، تاہم بعض مدارس کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں طلباء کا سالانہ امتحان لیا جاتا تھا، چنانچہ بیجاپور کی تاریخ بستان السلاطین میں وہاں کے مدارس کے حالات میں لکھا ہے کہ:

''امتحان بتاریخ سلخ ذی الحجہ می شد'' یعنی ذی الحجہ کے ختم پر طلباء کا امتحان ہوتا تھا۔

ایک دوسری جگہ اسی کتاب میں امتحان سالانہ ہونے کی بھی تصریح ہے:

''ہر سال امتحان می شد''۔

مگر قیام دار العلوم کے قریبی زمانہ میں یہ رواج متروک ہو چکا تھا، اور مدارس عربیہ سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ امتحان کا طریقہ جو طالب علم کی استعداد اور محنت و جانفشانی کے اندازہ کرنے کا ایک عمدہ ذریعہ ہے، مروج نہیں تھا، طالب علم جب استاذ سے ایک کتاب پڑھ چکا تو اس سے مافوق دوسری کتاب بغیر امتحان لئے شروع کرادی جاتی تھی، ظاہر ہے کہ اس میں طالب علم کی استعداد کے جانچنے اور پرکھنے کا کوئی موقع نہ تھا، اور بسا اوقات نا قابل طالب علم بھی ترقی کی منزلیں طئے کرتا چلا جاتا تھا، دار العلوم نے اس نقص کو محسوس کرتے ہوئے اس طریقے کو ختم کر کے سہ ماہی، شش ماہی اور سالانہ امتحان کو لازمی قرار دیا۔

دار العلوم میں امتحان کے سلسلے میں جو قواعد مروج ہیں وہ بھی کافی سخت ہیں، یہاں پرائیویٹ امتحان کا قاعدہ نہیں ہے۔

ہندوستان کے مدارس میں غالباً بیجاپور ہی کی یہ خصوصیت تھی کہ وہاں سالانہ امتحان

ہوتا تھا اور نہ دوسرے مدارس کے متعلق تاریخ میں سالانہ امتحان کا کوئی ذکر نہیں ملتا اور یہ تو بالکل یقینی ہے کہ دارالعلوم کے قیام کے متصل زمانے میں ہندوستان میں سالانہ امتحان کا قطعا رواج نہ تھا۔

- امتحان یہ طلبہ کی تعلیمی استعداد اور اساتذہ کی محنت وجان فشانی کے اندازے کا معیار ہے، جس پر ترقی درجات کا انحصار ہے۔
- دارالعلوم دیوبند میں امتحان دوطرح کے ہوتے ہیں، ایک امتحان داخلہ، یہ ان طلباء کا ہوتا ہے جو کسی دوسرے مدرسہ سے آکر دارالعلوم میں داخل ہونا چاہیں، یہ امتحان عموما شوال میں ہوتا ہے ، اس امتحان میں خاص سختی برتی جاتی ہے ، اور بسا اوقات نصف سے زائد طلباء ایسے ہوتے ہیں جن کو امتحان داخلہ میں ناکام ہونے کے باعث واپس ہونا پڑتا ہے، دوسرا امتحان خواندگی ہوتا ہے، یہ سال میں تین مرتبہ لیا جاتا ہے، سہ ماہی ماہ صفر المظفر میں، ششماہی ماہ جمادی الاولی میں اور سالانہ رجب کے آخری ہفتہ سے شروع ہوکر شعبان کے عشرہ دوم میں ختم ہوتا ہے۔(ابھی فی الحال دارالعلوم میں درجات عالیہ میں صرف دو امتحان ششماہی اور سالانہ ہوتے ہیں)۔
- امتحانات میں انتہائی احتیاط اور سخت ترین نگرانی کی جاتی ہے، پہلے اور دوسرے سال کے تمام اور تیسرے سال کی چند کتابوں تک امتحان زبانی سوال وجواب کے ذریعے لیا جاتا ہے ، اوپر کی جماعتوں کا امتحان تحریری ہوتا ہے، سوالات کے پرچے نہایت احتیاط اور رازداری کے ساتھ چھپوائے جاتے ہیں۔
- امتحان کے مفروضہ نمبر ۵۰ (اس وقت ۱۰۰ ہیں) درجات کی تفصیل یہ ہے کہ ۳۰ سے ۳۶ تک درجہ ادنی، ۳۷ سے ۴۳ تک درجہ متوسط، ۴۴، ۵۰ تک درجہ اعلی ہے۔(۱)

---

(۱) تاریخ دارالعلوم: ۲/ ۲۹۸

امتحانات کا نظام بہتر بنایا جائے

بہت سے مدارس میں امتحانات کو مطلوبہ اہمیت حاصل نہیں ہے، یہ نظام کی بڑی کمزوری ہے، ضرورت ہے کہ امتحانات، سنجیدگی اور باقاعدگی کے ساتھ ہوں اور سالانہ امتحان کے نتائج پر طلبہ کی ترقی وتنزل کا مدار بھی ہو، اچھے نمبرات والے طلبہ کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

امتحانات کے ضمن میں یہ بھی عرض ہے کہ ابتدائی درجات میں ماہانہ جانچ کا نظام بھی بنایا جائے، اس سے بنیادی تعلیم کا معیار بہتر بنانے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

طلبہ کو اسباق میں حاضری کا پابند بنایا جائے، غیر حاضری پر کاروائی ہو، سالانہ امتحان میں شرکت کو حاضری کی ایک مخصوص مقدار مثلاً پچھتر فیصد یا ستر فیصد کے ساتھ مشروط کیا جائے۔(۱)

امتحان کی تیاری کیسے کریں؟

بہت سے طلبہ امتحان کے صحیح طریق کار سے متعلق جستجو میں لگے رہتے ہیں کہ امتحان کیسے دیں؟ تاکہ ان بہت سی، امتحانی پریشانیوں سے بچا جا سکے، جن سے طلبہ کا سامنا ہوتا ہے۔ جیسے امتحانی ایام میں خوف کا طاری ہونا، بے چینی کا چھا جانا، عدم اعتمادی کا شکار ہونا، یہ ایسی چیزیں ہیں جو انسانی معلومات اور اس کے ذہن ودماغ کو متاثر کر دیتی ہیں، جب کہ امتحانی دنوں میں معلومات کا فقدان (جن کی طالب علم کو شدید ترین ضرورت ہوتی ہے) بہت بڑی محرومی ہے۔ اور یہی محرومی طالب علم کی ناکامی اور رسوائی کا سبب بن جاتی ہے۔

ایسے پریشان کن مراحل میں ایک طالب علم کو چاہیے (چاہے اس کی ذہنی سطح کتنی ہی بلند ہو) کہ تجربہ کار ماہرین تعلیم کی قیمتی نصائح کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کو نصب العین بنائے، خاص کر جب کہ وہ نصیحتیں امتحان سے متعلق بھی ہوں۔ تو یہ لیجیے چند نصیحتیں پیش خدمت ہیں۔

---

(۱) خطبہ صدارت کل ہند اجلاس عمومی رابطہ مدارس اسلامیہ دار العلوم دیوبند: ۶، حضرت مولانا ابو القاسم نعمانی صاحب

امتحان کی رات

❁ طالب علم کو چاہیے کہ وہ امتحانی رات میں ذہنی و بدنی راحت حاصل کرے۔ تاکہ آئندہ کل کے جوابات پرسکون طریقے پر لکھ سکے، ماہرین تعلیم اور تجربہ کار مربی امتحانی دنوں میں طلبہ کو کچھ اس طرح تربیتی نصیحتیں کرتے ہیں، تاکہ طلبہ ان کا پورا لحاظ رکھیں اور امتحان کے ہر مضمون میں اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوں۔

❁ امتحانی رات میں مفید و مقوی غذا استعمال کرے اور ایسا کھانا کھانے سے پرہیز کرے، جو بدہضمی کا باعث بنے اور پھر وہ مشکلات پیدا کرے کہ طالب علم کی امتحانی رات پوری بے چینی اور بے قراری میں گذر جائے کہ جس سے امتحان بھی متاثر ہو جائے۔

❁ جلد سونے کی کوشش کرے، طویل مذاکرہ نہ کرے، اس لیے کہ امتحانی رات میں طویل مذاکرہ ذہن کو تھکا دیتا ہے۔

❁ بے چینی سے پورے طور پر بچے، اس لیے کہ بے چینی طالب علم کے اعضاء پر اثر انداز ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ شک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور خود اعتمادی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اور بسا اوقات یہی بے چینی اعصابی خوف کا سبب بھی بن جاتی ہے۔ جس سے طالب علم کی قوتِ یادداشت متاثر ہو جاتی ہے۔ ان تمام چیزوں کا علاج بس یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل بھروسہ کرتے ہوئے خود اعتمادی کے ساتھ امتحان کی پوری تیاری کرے کہ یہی امتحان کی کنجی ہے۔

❁ نیند آور گولیوں سے احتیاط کرے کہ ان کی تاثیر نقصان دہ ہوتی ہے۔

❁ امتحان کے لائحہ عمل کی پوری پابندی کرے (کہ امتحان کس جگہ ہو رہا ہے اور کب؟)

❁ ادوات کتابت کی پوری تیاری رکھے جیسے قلم، فل اسکیپ، وغیرہ۔

❁ نیند سے بروقت بیداری کے لیے کوئی مناسب گھڑی استعمال کرے۔

- اس بات کی پوری کوشش ہو کہ طالب علم کم سے کم چھ گھنٹے آرام کر سکے۔

امتحان کا دن

- نیند سے جلد بیدار ہو جایا کرے، تا کہ غسل اور تبدیلی لباس سے اطمینان سے فارغ ہو سکے۔
- فجر کی نماز باجماعت ادا کرنے کی پوری فکر ہو۔
- ناشتہ اطمینان بخش کریں، تا کہ امتحانی اوقات میں کسی بھی طرح کی کمزوری کا احساس نہ ہو۔
- جس فن کا امتحان دینا ہے اس کے اشارات وحواشی کو اچھی طرح دیکھ لے۔
- امتحان گاہ وقت سے پہلے جانے کی عادت ہو، تا کہ راستہ کی کسی بھی وقتی پریشانی سے محفوظ رہ سکے۔
- جب گھر سے نکلیں تو دعا کا اہتمام کریں، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی گھر سے نکلے تو **بِسْمِ اللّٰهِ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ** پڑھے، تو اللہ کی طرف سے اسے کہا جاتا ہے۔ کافی ہے تیرے لیے۔ تو صحیح راستہ دکھایا گیا اور تیرے لیے اللہ کی طرف سے کفایت ہوئی اور تو شیطان سے بچایا گیا اور شیطان تجھ سے دور کیا گیا۔(۱)
- امتحان گاہ جاتے وقت یہ دعا مانگے

  "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَيْكَ، وَسَلَّمْتُ أَمْرِيْ إِلَيْكَ، لَا مَنْجَأَ وَلَا مَلْجَأَ إِلَّا إِلَيْكَ"
- امتحان گاہ میں داخل ہوتے وقت یہ دعا مانگے

  "رَبِّ أَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا"

---

(۱) ترمذی

- سوالیہ پرچہ وصول کرتے وقت یہ دعا مانگے

"بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ، اَللّٰهُمَّ لَا سَهْلَ اِلَّا مَا جَعَلْتَهٗ سَهْلًا، وَاَنْتَ تَجْعَلُ الْحُزْنَ اِذَا شِئْتَ سَهْلًا"

- سوالات کو حل کرتے وقت یہ دعا مانگے

"رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ أَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِّسَانِيْ"

- اگر کوئی مشکل سوال درپیش ہو تو یہ دعا مانگے

(1) يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ ، بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ، (2) لَا إِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ، رَبِّ أَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ"

- اگر جواب تحریر کرنے کے دوران نسیان غالب آجائے تو یہ دعا پڑھے

(1) "اَللّٰهُمَّ يَا جَامِعَ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيْهِ اِجْمَعْ عَلَيَّ ضَالَّتِيْ"۔) (2 "اَللّٰهُمَّ افْتَحْ عَلَيَّ فُتُوْحَ الْعَارِفِيْنَ بِحِكْمَتِكَ، وَانْشُرْ عَلَيَّ رَحْمَتَكَ، وَذَكِّرْنِيْ مَا نَسِيْتُ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ"

- جب پرچہ سے فارغ ہو جائے یہ دعا مانگے

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللهُ"

- اپنی گھڑی اور ضروری امتحانی اشیاء اپنے ساتھ رکھے، جیسے قلم وغیرہ۔
- امتحانی سوالات کی کیفیت سے متعلق اپنے کسی بھی ساتھی سے نہ پوچھے، ہوسکتا ہے وہ تمہارے ذہن کو منتشر کردے اور ایسی جگہ کی نشاندہی کرے جس کو تم نہیں جانتے، جس سے تم خود اعتمادی کھو بیٹھو۔

امتحان میں کامیابی کا عمل

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ذہن کی درستگی کے لئے ہر نماز کے بعد ''یا علیم'' اکیس مرتبہ پڑھ لیا کریں (اور نیز امتحان میں کامیابی کے لئے) امتحان کے روز (یا علیم) کثرت سے پڑھو'' (۱)

درمیان امتحان

- امتحان گاہ میں اپنی نشست پر بالکل پرسکون اور مطمئن بیٹھیں۔
- جب جوابی پرچہ دیا جائے تو آغاز بسم اللہ سے کیجیے، پھر مطلوبہ جوابات کو تحریر کیجیے، پہلے ترتیب اور فن کی تعیین کیجیے۔
- سوالیہ پرچہ پر جو ہدایات لکھی ہوں ان کو اچھی طرح پڑھ لیں، پھر پورے سوالات پڑھ کر اچھی طرح سمجھ لیں۔
- آغاز آسان سوال سے کیجیے، اور پھر مشکل سوال پر نظر مرکوز کیجیے۔
- تمام سوالات کے لیے وقت کی مناسب تقسیم کیجیے، جب کہ تمام سوالات نمبرات کے اعتبار سے برابر ہوں۔ اور اگر کچھ سوالات مختلف نمبرات کے ہوں تو پہلے زیادہ نمبرات والے سوال کو زیادہ وقت دیجیے۔
- جب کسی سوال کے کئی عناصر ہوں اور درمیان تحریر ان میں سے کوئی ایک یا اس سے زیادہ بھول رہے ہوں تو اتنی جگہ چھوڑ دیجیے تا کہ یاد آنے پر ان عناصر کو لکھا جا سکے۔

موضوع سے متعلق اپنے جوابات صاف تحریر میں لکھیں، تا کہ جوابی پرچہ ہر طرح کی بے ترتیبی سے محفوظ رہے۔

- کوشش کیجیے کہ آپ جوابات امتحانی وقت ہی میں پورے کریں۔

---

(۱) مجالس مفتی اعظم: ۵۹۷، مفتی عبدالروف سکھروی، ادارۃ المعارف کراچی

۞ جوابی کاپی جمع کرنے سے پہلے خود جوابات کی مراجعت اور ان پر نظر ثانی کر لیں، تاکہ آپ جلد بازی سے بچ جائیں۔

۞ اپنے ارد گرد طلبہ سے مصروف نہ ہوں اور نہ ہی کسی کے اپنے سے زیادہ لکھنے پر کبیدہ خاطر ہوں۔(۱)

پرچہ لکھنے کے اصول وضوابط

پرچہ عربی میں حل کریں یا اردو میں اس کے لئے چند چیزیں ضروری ہیں:

۱) سوال کی عبارت کو ایک یا دو بار پوری توجہ سے پڑھیں، پھر اگر مطلوب ہو تو اس کو با اعراب کریں اور ترجمہ کریں۔

۲) اس کے بعد دیکھیں کہ سوال عبارت کا ماقبل سے تعلق ہے یا نہیں، اگر تعلق ہے تو ماقبل کے مضمون کو قدرے اختصار کے ساتھ بیان کر کے سوال کی عبارت کو حل کرنا شروع کریں، اور اگر سوال کی عبارت کا ماقبل کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو تو اجتہادا سوال کی عبارت کو حل کریں۔

۳) سوال کی عبارت کبھی تو کسی سوال مقدر کا جواب ہوتی ہے اور کبھی کسی مضمون کو محیط ہوتی ہے، اگر سوال کی عبارت کسی سوالِ مقدر کا جواب ہے تو آپ پہلے سوال کی وضاحت کریں، پھر حسبِ بیان مصنف اس کا جواب تحریر کریں۔ مصنف کے بیان کردہ جواب کے علاوہ بھی اگر کوئی جواب آپ کے ذہن میں ہو تو یہ کہہ کر (اس کا ایک جواب یہ بھی ہوسکتا ہے) اس کو بھی تحریر کریں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مصنف صرف سوال اور اعتراض کی عبارت کو ذکر کرتا ہے اور اس کا جواب ذکر نہیں کرتا تو ایسی صورت میں آپ حسبِ بیان مصنف سوال اور اعتراض کو لکھیں، پھر اپنی معلومات کے مطابق اس کے جوابات تحریر کریں۔

۴) بعض مرتبہ ممتحن کچھ زائد باتیں دریافت کرتا ہے تو ایسی صورت میں آپ کو یہ دیکھنا

(۱) امتحان کی تیاری کیسے کریں؟ محترم عبدالرحمن ملی، ماہنامہ الفاروق، جمادی الاولی: ۱۴۳۱ھ

ہوگا کہ ان میں سے کسی بات کا جواب حل سوال کے ذیل میں آچکا ہے، یا نہیں، اگر آچکا ہے تو آپ اس کی ابتداء میں لائن پر ایک خط کشید کردیں، دوبارہ اس کو لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر کسی بات کا جواب حل سوال کے ذیل میں نہ آیا ہو تو اس کو ضرور تحریر کریں۔

۵) بعض مرتبہ سوال میں مذکورہ عبارت سے بات پوری نہیں ہوتی؛ بلکہ عبارت کے اگلے حصہ میں جا کر پوری ہوتی ہے، تو ایسی صورت میں طالب علم کو بات پوری ہی تحریر کرنی چاہیے، ادھوری نہیں رکھنی چاہئے۔

۶) پرچہ اگر حدیث کا ہو تو اس کا حل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے آپ سوال میں مذکورہ حدیث یا احادیث کی ایسی تشریح فرمادیں جس سے پیغمبر رسول ﷺ کا منشا ظاہر ہوجائے اس کے بعد آپ حدیث سے عقائد یا احکام سے متعلق جو مسئلہ مستفاد ہو اس مسئلہ کی وضاحت کریں، اس مسئلہ میں اگر مجتہدین کا اختلاف ہو تو اس کو لکھیں، ہر ایک کے مذہب کی وضاحت کریں، ممکن ہو تو ہر ایک کے دلائل لکھیں، سوال میں مذکور حدیث اگر آپ کے مذہب کے خلاف ہو تو آپ اس حدیث کی توجیہ کریں، توجیہ کی ایک صورت تو یہ ہے کہ آپ اس حدیث کی ایسی تشریح کریں جس سے وہ آپ کے مذہب کے خلاف نہ رہے، دوسری صورت یہ ہے کہ یہ حدیث اگر منسوخ ہو تو اس کا منسوخ ہونا ثابت کریں، تیسری صورت یہ ہے کہ اس حدیث کے علاوہ جو حدیث آپ کے مذہب کے موافق ہو اس کا راجح ہونا ثابت کریں۔

۷) عربی میں پرچہ کرتے وقت صلات، مراجع اور ضمائر کا خاص خیال رکھیں۔

۸) عربی کے الفاظ کا زیادہ استعمال کریں جو حواشی میں موجود ہوں۔(۱)

امتحانات میں دھوکہ دہی

آج کل امتحانات کے تعلق سے یہ عام ہوتا جارہا ہے کہ بچے بجائے اس کے کہ وہ

(۱) احقر جمیل احمد، مدرس دار العلوم دیوبند، رہنمائے عربی ۱۰۵، نعیمیہ بک ڈپو، دیوبند

محنت اور کوشش کریں، نقل بازی کے ذریعے پاس ہونے کی کوشش کرتے ہیں، اگرچہ وہ نقل بازی اور چیٹنگ کے ذریعے پاس ضرور ہوجاتے ہیں، لیکن یہ خود اپنے حق میں اور امت اور لوگوں کے حق میں دھوکہ دہی کے مماثل ہے۔

اور اس سلسلے میں نقل بازی کرنے والا اور اس سلسلے میں مدد کرنے والا دونوں گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں، اس نقل بازی کا نقصان یہ ہورہا ہے کہ طلباء سال بھر محنت اور جدوجہد سے جی چراتے ہیں، بلکہ جو نقل بازی اور امتحان میں چیٹنگ سے کام نہیں لیتا اسکو سخت سست کہا جاتا ہے، اور اس طرح نا اہل لوگ آگے بڑھ جاتے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے حدیث مبارکہ میں فرمایا: «من غش فليس منا» (۱) (جو دھوکہ دہی سے کام لے وہ ہم میں سے نہیں) بلکہ اس نقل بازی کا سلسلہ اس قدر طویل اور لمبا ہوگیا ہے کہ خود اساتذہ اور نگران بھی اس سلسلے میں طلباء کی مدد کرتے ہیں، اور ان کو سوالات کے جوابات کی نشاندہی کرتے ہیں:

۱۔ اس دھوکہ دہی کی کئی ایک وجوہات ہیں، جن میں سے ضعف ایمان ہے، جو شخص نقل بازی سے کام لیتا ہے وہ دھوکہ دہی کے سلسلے میں اللہ عزوجل سے خوف نہیں کرتا، اسے اللہ کا استحضار نہیں۔

۲۔ اس سلسلے میں خود والدین، اساتذہ اور نگران کاروں کی طرف سے صحیح تربیت کی عدم فراہمی کو بھی اس میں دخل ہوتا ہے۔ والدین، اساتذہ اور نگران کار حضرات اگر بچوں کو دھوکہ دہی کے نقصانات اور اس کے عواقب وانجام سے آگاہ کرتے تو وہ اس قسم کی دھوکہ دہی میں مبتلا نہیں ہوتے، چونکہ جب یہ عالمیت فضیلت اور کسی بھی قسم کی ڈگریاں لے کر نکلیں گے تو صحیح محنت اور کوشش اس کے پیچھے نہ ہونے کی وجہ سے یہ ڈگریاں تو ہوں گی؛ لیکن قوم وملت کو جس قسم کی صلاحیت درکار ہے وہ نہیں مل پائے گی۔

---

(۱) ترمذی: باب ماجاء فی کراہیۃ الغش فی البیوع، حدیث: ۱۳۱۵

۳۔ شیطان بھی طلباء کو یہ باور کراتا ہے، امتحان کے سوالات نہایت سخت ہوں گے؛ اس لئے لامحالہ نقل بازی سے کام لیں۔ جس وقت کو یہ امتحان میں نقل بازی کی منصوبہ بندی پر صرف کر رہے ہیں اگر اسے یہ اسباق کی نگرانی اور یاد کرنے میں صرف کرتے تو بذات خود امتحان لکھ کر کامیاب ہوتے۔

۴۔ ناکامی کا احساس بھی اس نقل بازی کے لئے مجبور کرتا ہے۔

نقل بازی کے نقصانات

۱۔ نقل بازی امت کی پسماندگی کی وجہ: اسی نقل بازی اور امتحان میں دھوکہ دہی کے ذریعہ کامیابی کی وجہ سے قوم ترقی کی راہوں پر گامزن نہیں ہو پا رہی ہے، بڑی بڑی ڈگریاں دھوکہ دہی کے ذریعے حاصل کی جارہی ہیں۔

۲۔ یہ نقل باز اور امتحان میں چوری کرنے والے معلم اور مدرس اور دیگر مناصب پر فائز ہوں گے، یہ خود بھی طلبہ کو یہی سبق سکھائیں گے، اس میں امت کا بے انتہا نقصان ہوگا۔

۳۔ اس نقل بازی میں دھوکہ دہی کے علاوہ دیگر گناہ اور بھی شامل ہیں، چوری، جھوٹ، اللہ کا عدم خوف، اخلاص اور توکل علی اللہ کی کیفیت سے عاری ہونا وغیرہ۔

۴۔ اس دھوکہ دہی کی بنیاد پر جو ڈگری حاصل ہوگی تو اس سے حاصل ہونے والی تنخواہ بھی حرام ہوگی، اور جو جسم حرام سے پرورش پاتا ہے وہ جہنم کا زیادہ مستحق ہے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ والدین، اساتذہ اور نگران کار شروع ہی سے بچوں کو محنت اور جدوجہد کا عادی بنائیں اور اس نقل بازی کے نقصانات اور اس کے گناہوں سے بچوں کو آگاہ کریں۔

علوم شرعیہ میں نقل بازی

اگر علوم شرعیہ کے امتحانات میں نقل بازی سے کام لیں تو فقہ، حدیث وغیرہ جس کا مقصود تو صرف اللہ کی رضا ہے، اگر اس کو غیر اللہ کی رضا کے لئے حاصل کرے تو اس کا شمار اس حدیث کے موجب میں شامل ہوگا۔

"من تعلم علما مما يبتغى به وجه الله، ولا يتعلمه إلا لغرض من الدنيا زائل لم يرح رائحة الجنة" (۱)

اس کے علاوہ اللہ عزوجل کی نگاہ سے یہ شخص پوشیدہ اور محفوظ تو نہیں رہ سکتا جس کے بارے میں اللہ عزوجل نے فرمایا:

"يعلم خائنة الأعين وما تخفي الصدور"

آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے مخفی امور کو جانتا ہے۔

بہر حال امتحانات میں دھوکہ اور نقل بازی کی اجازت شرعا نہیں دی جاسکتی ہے، چونکہ امتحان کا مقصود ہی یہ ہوتا ہے کہ طالب علم کی صلاحیت اور لیاقت کا اندازہ کیا جاسکے، پھر اس نقل بازی کی وجہ سے یا اس کی پشت پناہی کی وجہ سے سستی، کاہلی وغیرہ اور بچوں میں محنت سے جی چرانے کی کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں۔

---

(۱) ابوداؤد: باب فی طلب العلم لغیر اللہ تعالی، حدیث: ۳۶۶۴

مصادر ومراجع

☆ دینی مدارس میں تعلیم: کیفیت، مسائل، امکانات،سلیم منصور خالد، انسٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، عالمی ادارہ فکر اسلامی، اسلام آباد
☆ مدارس اسلامیہ، اہمیت وضرورت اور مقاصد، حضرت سید مولانا ابوالحسن علی ندوی، سید احمد شہید اکیڈمی۔
☆ دینی مدارس کا نصاب ونظام، نقد ونظر کے آئینے میں، ابوعمار زاہد الراشدی، الشریعہ اکیڈمی (۱)
☆ تربیت الطالبین، فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی، جامعہ محمودیہ ہاپوڑ، میرٹھ

(۱) یہ کتاب ابوعمار زاہد الراشدی فرزند مولانا سرفراز خان صفدر صاحب شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ، پاکستان، کے مدارس کے نظام ونصاب، طریقہ کار کے تعلق لکھے ہوئے مضامین کا مجموعہ ہے، جس میں وہ خود فرماتے ہیں: ”دینی مدارس کا معاشرتی اور تعلیمی کردار آج دنیا میں زیر بحث آنے والا ایک اہم موضوع ہے اور مشرق ومغرب میں اس پر بحث ومباحثہ جاری ہے، دینی مدارس کو اس سلسلے میں دوطرفہ دباؤ کا سامنا ہے، ایک طرف یہ کہا جارہا ہے کہ دینی مدارس کے جداگانہ نظام کے سرے سے کوئی ضرورت نہیں ہے، اور انہیں اپنا امتیاز وتشخص ختم کرکے عالمی اور قومی نظام تعلیم کے اجتماعی دھارے میں ضم ہوجانا چاہئے، جب کہ دوسرے طرف سے یہ خیال ظاہر کیا جارہا ہے کہ عالمی اور قومی سیکولر نظام تعلیم کے مقابلے میں دینی مداس کا جداگانہ دینی تشخص اپنے طریق کار اور دائرہ عمل کے بہت سے پہلوؤں میں کچھ ایسی علمی کمزوریوں اور خامیوں کا شکار ہے، جنہیں اگر دور کرلیا جائے تو ان مدارس کے اسلامی تشخص میں مزید نکھار پیدا ہوسکتاہ، اور وہ آج کے عالمی سیکولر ماحول میں اسلامی تعلیمات کا پرچم زیادہ حوصلے اور اعتماد کے ساتھ بلند رکھ سکتے ہیں“ (دینی مدارس کا نصاب ونظام: ۸، شریعہ اکادیمی)

☆ دینی اداروں اور جماعتوں کی ذمہ داریاں، حضرت مولانا محمد قمر الزمان الہ آبادی، مکتبۃ دار المعارف، مکتبہ بزم قمر، نندوبار مہاراشٹر۔
☆ میرے والد میرے شیخ اوران کا مزاج ومذاق، مفتی تقی عثمانی، فرید بک ڈپو، دہلی۔
☆ مآثر حضرت باندوی، محمد عبید اللہ الاسعدی، فرید بک ڈپو، دہلی۔
☆ حیات اسعد، حضرت مولانا نسیم احمد غازی صاحب، فرید بک ڈپو۔
☆ مجالس مفتی اعظم، مفتی عبد الرؤف سکھروی، ادارۃ المعارف کراچی
☆ حیات خلیل، محمد ثانی حسنی، مظاہری، کتب خانہ یحیوی، مظاہر علوم سہارنپور
☆ نمونے کے انسان، مولانا اعجاز صاحب اعظمی، مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، مئو، یوپی
☆ ارشادات افتخار الاولیاء، ابوعثمان محمد شعبان بستوی، کتب خانہ یحیوی، متصل مظاہر العلوم سہارنپور، یوپی۔
☆ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم ۲/ ۴۰ ۴ = ۴۱ ، مولانا مناظر احسن گیلانی، ندوۃ المصنفین دہلی۔، مکتبۃ الحق، ماڈرن ڈیری جوگیشوری، ممبی ء۔
☆ دینی مدارس اور عصر حاضر، محمد رضوان القاسمی، مرکز دعوت وتحقیق، حیدرآباد، الہند۔
☆ تذکرے، مولانا محمد تقی عثمانی، فیصل دیوبند، دہلی۔
☆ تبصرے، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ، دار السعادۃ سہارنپور
☆ مطالعہ کی اہمیت، مولانا روح اللہ نقشبندی صاحب، مکتبہ انیس دیوبند
☆ سوانح قاسمی، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، مکتبہ دار العلوم دیوبند
☆ انعام الباری، دروس بخاری شریف حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب، مکتبہ الحراء، کراچی۔
☆ تمرین النحو، مقدمۃ ابوالحسن علی الندویؒ، مجلس نشریات اسلام، کراچی
☆ مقدمہ معلم الانشاء، مولانا ابوالحسن علی الندویؒ مجلس نشریات اسلام، کراچی
☆ مجاہد ملت، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ، ایک سیاسی مطالعہ، ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری، فرید بک ڈپو، دہلی

☆ سحبان الہند، مولانا احمد سعید دہلویؒ، ایک سیاسی مطالعہ، ۱۰۲ تا ۲۰۵، فرید بک ڈپو، دہلی۔
☆ وہ جو بیچتے تھے دوائے دل: ۱۱۴۔۱۳۸، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند۔
☆ مطالعہ حدیث کے اصول ومبادی: ۸۰ تا ۸۴، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، سید احمد شہید اکیڈمی، دار عرفات، رائے بریلی
☆ ہندوستان کے دینی مدارس میں فقہ کی تدریس مناہج اور طریقے: ۲۲۶، ایفا پبلیکیشنز
☆ خطبہ صدارت کل ہند اجلاس مجلس عمومی رابطہ مدارس اسلامیہ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم۔
☆ طالب علم کیا نیت رکھے، حدیث پاک کی روشنی میں ، مولانا محمود اشرف عثمانی، ادارہ اسلامیات کراچی لاہور۔
☆ البلاغ کراچی، صفر المظفر ، ۱۴۳۹ھ۔
☆ شائقین عربی کے لئے تحفہ، عربی مضمون نگاری کیسے سیکھیں: ۱۲۔۲۱
☆ تحفۃ المدرسین یعنی مثالی استاذ بن کر آپ تدریس ایسے کریں، ادارۃ الرشید، کراچی
☆ اسلامی مدارس کا نصاب نظام ونصاب، حضرت مولانا مفتی شعیب اللہ خان صاحب، مکتبہ مسیح الامت، دیوبند، بنگلور۔
☆ دینی مدارس: مولانا ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری، فضل بک سوپر مارکیٹ، کراچی (۱)
☆ الانتباہات المفیدہ عن الاشتبہات الجدیدۃ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مکتبہ امدادیہ اشرفیہ، نزد احمد غریب یونانی میڈیکل کالج، اکل کواں۔

---

(۱) دینی مدارس کا نصاب ونظام تعلیم اور عصری تقاضے: اس کتاب کو فاضل مرتب پروفیسر ڈاکٹر حقانی میاں قادری نے مرتب کیا ہے، اس ضخیم کتاب میں مدارس کے ذوق کے مطابق جدید انداز سے دینی مدارس کے نصاب ونظام پر ہونے والے سمینار کی رپوٹیں، بحثیں اور مقالات شامل ہیں، اس کے مطالعہ سے دینی مدارس کے کار پردازان، علماء کرام، مہتمم حضرات اور تمام مسالک کے دینی مدارس کے بورڈ کے ذمہ داروں کے سامنے مختلف نقطہائے نظر سامنے آئیں گے، تو ان کو اپنے نصاب کی تشکیل وتدوین اور نظام تعلیم میں تبدیلی (اگر وہ چاہیں) تو مدد ومعاون ہوں گے۔

☆ مقالات فراہی نمبر: علامہ حمید الدین فراہی حیات وافکار، مرتبہ عبد اللہ فراہی، ناشر، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ، یوپی: ۲۰۱۶۔

☆ فکر نانوتوی اور دور حاضر میں اس کی معنویت: ۸، محمد ابوبکر قاسمی پورنوی معہد الامام ولی اللہ الدہلوی، للدراسات ال اِسلامیۃ

☆ محفوظات حصہ دوم، مفتی سعید احمد پالن پوری

☆ طالب علم کیا نیت رکھے، حدیث پاک کی روشنی میں ، مولانا محمود اشرف عثمانی، ادارہ اسلامیات کراچی لاہور

☆ جمال یوسف، تدریس وتحقیق وعلوم ومعارف، علامہ محمد یوسف بنوری کا تذکرہ سوانح، مولانا عبد القیوم حقانی، القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرۃ۔

☆ عقائد اسلام، ادارہ اسلامیات، لاہور، کراچی، لاہور

☆ دار العلوم دیوبند کی جامع ومختصر تاریخ، محمد محمد اللہ صاحب، شیخ الہند اکیڈمی دیوبند۔

☆ طلبہ مدارس دینیہ کی رہنمائی، ۰، مولانا مفتی جمیل احمد نذیری، مکتبہ صداقت، نوادہ، مبارک پورہ، اعظم گڑھ، یوپی۔

☆ دینی مدارس اہمیت وضرورت، ابن الحسن عباسی، مکتبہ طیبہ دیوبند

☆ محاضرات فقہ، ڈاکٹر محمود احمد غازی مکتبہ الحق، ماڈرن جوگیشوری، ممبئ

☆ محاضرات تعلیم، ڈاکٹر محمود صاحب غازی، ماڈرن جوگیشوری ممبئ (۱)

---

(۱) ڈاکٹر محمود احمد غازی کی محاضرات پر مشتمل اس سریز کی دوسری کتابیں محاضرات حدیث، محاضرات سیرت، محاضرات فقہ وغیرہ ہیں، یہ نہایت وقیع اور قیمتی کتب ہیں جو شریعت کے اہم گوشوں پر گفتگو کرتی ہیں، یہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کے پروفیسر رہے ہیں، اسی طرح شریعۃ کورٹ کے پاکستان کے جج بھی رہے ہیں، یہ نہایت ذی علم اور پرحکم عالم دین ہیں، ان کا نسبی تعلق کاندھلہ کے ممتاز خاندان سے تھا، آپ کے والد محترم بزرگوں کے صحبت یافتہ، متدین ومتبع شریعت وسنت بزرگ تھے، انہوں نے درسش نظامی کی ابتدائی تعلیم جامعۃ الاسلام بنوری ٹاؤن کراچی سے حاصل کی، پھر آپ کے والد محترم اسلام آباد منتقل ہو گئے تو آپ نے لاہور جا کر جامع رشیدیہ اشرفیہ میں تعلیم حاصل کی، =

☆ مجالس مفتی اعظم، مولانا عبدالرؤوف سکھروی،، دارالمعارف کراچی

☆ امتحان کی تیاری کیسے کریں؟ محترم عبدالرحمن ملی، ماہنامہ الفاروق، جمادی الاولی: ۱۴۳۱ھ

☆ رہنمائے خطابت: مفتی ابولبابہ شاہ منصور، السعید، پاکستان، کراچی

☆ خطبہ صدارت کل ہنداجلاس عمومی رابطہ مدارس اسلامیہ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا ابوالقاسم نعمانی صاحب

= جامعۃ دارالقرآن راجہ بازار راولپنڈی میں درس نظامی کی تکمیل کی اور شیخ القرآن حضرت اقدس مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ سے خصوصی طور پر شرف تلمذ رہا، ڈاکٹر صاحب نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اور پی ایچ ڈی کے مراحل طئے کئے، اعلی سندات حاصل کئے، لیکن جدید عصری فنون وافکار سے وافر آگاہی کے باوجود آپ میں تجدد یا کسی فکری زیغ کا کوئی شائبہ نہ تھا، ڈاکٹر صاحب نے قرآن وحدیث، سیرت، فقہ وقانون سازی، معیشت وتجارت اور دیگر علوم وفنون پر ۳۵ سے زائد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ (ڈاکٹر محمود احمد غازی، حیات وافکار، افادات: ۲۷۶، مکتبۃ الحیات، کشمیر)